

جملہ حقوق بہ حق ناشر محفوظ ہیں

نقوشِ عصمت

چہارہ ۱۲ معصومین کی مکمل سوانح حیات

علامہ السید زیشان حیدر جوادی

ناشر

محرطون انکسبى
مٹارٹن روڈ
ڪراچي

Tel: 4124286- 4917823 Fax: 4312882

E-mail: anisco@cyber.net.pk



علامہ السید زیشان حیدر جوادی

پاکستان میں اس کتاب کے حقوق اشاعت محفوظ ایک ایجنسی،
امام بارگاہ شاہ نجف، مارٹن روڈ کے نام محفوظ ہیں۔

نام کتاب: _____ نقوش عصمت
مصنف: _____ علامہ السید زیشان حیدر جوادی
کتابت: _____ جلال الدین احمد
پہلا ایڈیشن (ہندوستان): _____ اکتوبر ۱۹۹۲ء
دوسرا ایڈیشن (پاکستان): _____ جون ۲۰۰۰ء
تعداد: _____ ۱۰۰۰
بہ تعاون: _____ تنظیم الکاتب، لکھنؤ، انڈیا
قیمت: _____ ۱۷۵/-

ناشر



محفوظ ایک ایجنسی
مارٹن روڈ
کراچی

Tel: 4124286- 4917823 Fax: 4312882
E-mail: anisco@cyber.net.pk

قطعہ تاریخ وفات

از شاعر آل محمد رحمان اعظمی

نقوش عصمتِ ذیشان جوادی سے ظاہر ہے
اگر انسان سچا ہو تو سچ کہتی ہیں تحریریں
قلم معصوم کی تعریف میں جس وقت چلتا ہے
تو مٹ جاتی ہیں فکر خام سے باطل کی تصویریں

۲۰۰۰ء

منبر سے جس نے منزلِ عقبی کو پایا
مجلس سے جس نے غلد کا رستہ بنا لیا
نقوشِ عصمتِ کامل و ذیشان مرتبت
جس نے اجل کو قدموں پہ اپنے جھکا لیا

۲۰۰۰ء

خطابِ شامِ غریباں میں کرنے آئے تھے
نظر کے سامنے جلتے گھروں کا منظر تھا
دیارِ فانی سے ذیشان اس ادا سے گئے
غمِ حسینؑ تھا فرشِ عزا تھا منبر تھا

۲۰۰۰ء

پیش گفتار

حجت الاسلام علامہ سید ذیشان حیدر جوادی کی معرکتہ الآرا کتاب ”نقوش عصمت“ اپنے موضوع پر ایک جامع، مستند، مفید اور مربوط تحریر ہے، علمی حلقوں میں اس کی پذیرائی اور اس کی قبولیت و مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اس کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیا۔ اور میں ابھی دوسرے ایڈیشن کی طباعت کا عزم کر ہی رہا تھا کہ یہ روح فرسا خبر ملی کہ سرکار علامہ ۱۰ محرم کو اعمال عاشورہ بجالانے کے بعد مجلس عزاسے خطاب فرما کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

علامہ جیسے مجاہد راہ حق کی جدائی اور ان کی اچانک دارالبقا کی طرف روانگی کے حادثے اور جانکا صدے نے دل و دماغ کو معطل کر کے رکھ دیا۔ سرکار علامہ میرے بزرگ، میرے مشفق، میرے محسن اور میرے ہمدرد وہی خواہ تھے، ان کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں انہوں نے مذہبی، قومی، علمی اور ادبی دائرے میں جو وسیع خدمات انجام دی ہیں اس سے ہر علم دوست اور قوم کا ہر باشعور و دیندار فرد آشنا ہے۔ وہ اپنے اخلاص، دینی بصیرت، تبحر علمی، تحریر خطابت، داعی دینداری کے حوالے سے ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور زندہ ہیں۔

علامہ جیسی علمی شخصیت، خلیق و ملنسار و مشفق ہستیاں کبھی نہیں مراکتیں وہ اپنے کردار و کارناموں کی وجہ سے ہمارے دلوں اور ذہنوں میں علم کی نور و ضیاء بن کر زندہ رہیں گے۔ یقین نہیں آتا کہ وہ ہم سے جدا ہو گئے ہیں ایسا لگتا ہے کہ وہ ہمارے درمیان موجود ہیں، ان کی مسکراہٹ، ان کا انداز اور ان کی آواز بڑی قریب سے سنائی دے رہی ہے جیسے وہ کہہ رہے ہوں۔

یوں تو منہ دیکھے کی ہوتی ہے محبت سب کو

میں توجب جانوں مرے بعد میرا دھیان رہے

میں نے شاید زندگی میں کبھی اتنی توجہ سے انہیں نہیں سنا اور پڑھا جتنی توجہ سے ان

کی وفات کے بعد، انہیں سن کر اور انہیں پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ جیسے جینے کے ڈھنگ اور مرنے کی تیاری کے لئے نشان راہ مل گئے ہوں۔ پروردگار عالم ان کی قبر کو منور فرمائے۔ ان کی لحد پر اپنی رحمت کا نزول فرمائے، انہیں جو اسید الشہداء علیہ السلام نصیب فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور علامہ جیسی باعمل و متوازن زندگی گزارنے کی توفیق دے۔

کچھ ”نقوش عصمت“ کی عظمت کے بارے میں

حجت الاسلام علامہ سید ذیشان حیدر جوادی نے اپنی معروف ایمان افروز اور فکر انگیز کتاب میں نقوش عصمت کو انتہائی فکر و ذہانت کے ساتھ ابھارا ہے اور سیرت معصومین میں تاریخ کے بعض ایسے واقعات و حوادث کی طرف متوجہ کیا ہے جن کی طرف عام مورخین کی نظر نہیں جاتی یا وہ انہیں قابل ذکر نہیں سمجھتے۔ علامہ جوادی نے معصومین کی حیات طیبہ و اسوۂ حسنہ کے تمام اہم ابواب کو نہایت اختصار کے ساتھ اور آسان زبان میں پیش کرنے کی بہت اچھی کوشش کی ہے اور اس بات کا خاص لحاظ و اہتمام رکھا ہے کہ سیرت معصومین کے واقعات اور ان کے اوصاف و فضائل کو انتہائی صحت کے ساتھ سیدھے سادے اسلوب میں اہل نظر تک منتقل کیا جائے۔

علامہ کا مطالعہ برسوں سے ان ذوات مقدسہ کی سیرت یعنی سیرۃ المعصومین کے سلسلے میں بہت گہرا ہے اور ان کی نظر تمام مآخذ پر ہے اس لحاظ سے ان کی یہ کتاب مستند حیثیت رکھتی ہے نقش ثانی میں ہم نے معروف ریسرچ اسکالر آل محمد رزی صاحب کا مقدمہ بھی شامل کر دیا ہے۔ امید ہے کہ اہل دانش اور معیاری مطالعہ کا ذوق رکھنے والے ہماری اس سعی پیہم و مساعی جلیلہ کو پسند فرمائیں گے۔ میں، میرے اہل خانہ اور اراکین محفوظ بک ایجنسی سرکار علامہ کے اہل خانہ کی خدمت میں دلی تعزیت پیش کرتے ہیں ذات واجب ان کے تمام پسمندگان و متعلقین ولوا حقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

سید عنایت حسین رضوی

نقوش عصمت اور علامہ جوادی

تحریر: آل محمد رومی۔ ایڈیٹر ماہنامہ اصلاح کراچی

حیات انسانی قطعی عارضی و فانی ہے مگر اس کا ایک ایک لمحہ کائنات کی سب سے قیمتی متاع کی حیثیت رکھتا ہے۔ حجۃ الاسلام علامہ سید ذیشان حیدر جوادی مرحوم بساط بھر زندگی اور وقت کے بہترین استعمال THE BEST USE OF کیلئے کوشاں رہے۔ اس کا ثبوت ”نقوش عصمت حیات چہارہ معصومین“ ہے۔

یہ کتاب حیات چہارہ معصومین کا ایک موضوعاتی اشاریہ SUBJECT WISE INDEX ہے۔ جس میں معصومین کی شخصیت، مرتبہ و منزلت، علم و حلم، عظمت کردار، تہذیب نفس، خصائص، امتیازات معنوی کمالات، خطبات، اخلاق و اوصاف حمیدہ، صفات جلیلہ، ان کی گرانقدر و جامع تعلیمات، وقیع ملفوظات اطوار و عادات، عبادت و ریاضت، شجاعت و شہامت، سیرت، معصومین کا مقصد حیات، انکے عبادی معاشرتی، معاشی، معاملاتی اور ذاتی ضوابط اخلاق، معصومین کے دور کے سیاسی حالات اموی و عباسی حکمرانوں کے مظالم مشکلات کا اجمالی و تحقیقی جائزہ ہے۔

حیات معصومین پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور بظاہر اس سلسلے میں مزید کسی کام کی گنجائش کم ہی دکھائی دیتی تھی مگر علامہ جوادی نے اپنے تبحر علمی اپنی بصیرت و ذکاوت، اپنی تحقیق و جستجو کی روشنی میں بڑی عمدگی و ذرف بینی سے موضوع کا احاطہ کیا ہے، تحقیق، تطبیق، تدقیق اور تخلیق سے اس بحث نقوش عصمت کو دل نشیں بنا دیا ہے۔

علامہ جوادی کی یہ تصنیف ان کے گہرے دینی شعور، اخلاص و ولہیت، جذبہ ایمانی و محبت اہلبیت اور موثر و اعیانہ اسلوب کی شاہد ہیں ان کا قلم محض ایک بلند پایہ عالم و ادیب ہی کا قلم نہیں ایک داعی و مربی کا قلم بھی ہے۔ اس لئے انکی تحریر میں تحقیق کے ساتھ

ساتھ خلوص و درد مندی کی وجہ سے گہری تاثیر بھی پائی جاتی ہے۔ قدرت نے انہیں صلاحیت و حکمت تبلیغ سے بہرہ وافر عطا کیا ہے اور وہ سادہ مگر دلچسپ اور موثر انداز سے بات کہنے کی قابل رشک صلاحیت سے مالا مال ہیں۔

انہوں نے اس کتاب کے لوازمے کی تلاش میں بڑی جگر کاوی سے کام لیا ہے اور عام ڈگر سے ذرا ہٹ کر لکھا ہے۔ بالعموم دیکھا گیا ہے کہ علمی ثقافت کے بوجھ تلے شاعری اور تحریر کی شکستگی دم توڑ جاتی ہے۔ مگر علامہ جوادی کی نثر کی یہ نمایاں خوبی ہے کہ خالص علمی موضوع کی گتھیاں سلجھاتے ہوئے بھی ان کی تحریر میں سلاست و روانی سادگی و شکستگی برقرار رہتی ہے۔ وہ ایک منجھے ہوئے ادیب اور قادر الکلام شاعر ہیں۔ ان کا اسلوب سہل اور رواں دواں ہے۔

آج ”جب نقوش عصمت“ دوبارہ زیر طباعت ہے تو وہ علم نبیل و فاضل جلیل اس دار فانی سے رخصت ہو کر خالق حقیقی سے جا ملا ہے لہذا انکی محبت کی قرض کی ادائیگی اور عقیدت کے طور پر انکی رشحات کے ساتھ ساتھ انکی ذات و با مقصد حیات کے بھی کچھ نقوش اس کتاب کے مقدمہ میں شامل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

نقوش علامہ جوادی علیہ الرحمہ

نام:- ذیشان حیدر

لقب:- جوادی

تخلص:- کلیم

والد گرامی کا نام:- مولانا سید محمد جواد

مقام ولادت:- کراری ضلع الہ آباد (ہندوستان)

سن پیدائش:- یکم اکتوبر ۱۹۳۸ء مطابق ۲۲ رجب ۱۳۵۷ھ

ابتدائی تعلیم:-

ثانوی تعلیم:-

اعلیٰ دینی تعلیم:-

تالیف و تصانیف کی تعداد

علمی آثار:-

اولاد:-

قومی خدمت و مسؤلیت:

وفات:-

جائے مدفن:

اوصاف حمیدہ:-

کراری میں اپنے والد گرامی اور دیگر علماء سے حاصل کی

جامعہ ناظمیہ لکھنؤ

درجہ اجتہاد نجف اشرف

تقریباً دو سو (۲۰۰)

دو سو کتابوں کے علاوہ مجالس، تقاریر و درس کے تقریباً

دس ہزار آڈیو/ویڈیو کیسٹس دستی ہیں۔

تین بیٹے اور چار بیٹیاں۔ آپ کے دو فرزند ثقہ الاسلام مولانا

جوادی اور ثقہ الاسلام مولانا احسان حیدر عالم دین ہیں۔

صدر تنظیم المکاتب ہندوستان، بانی حوزہ علیہ انوار العلوم

الہ آباد۔ نگران پندرہ روزہ تنظیم المکاتب لکھنؤ، نمائندہ ولی

امور مسلمین حضرت آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای

روز عاشورہ ۱۴۲۱ھ ہجری بمقام ابو ظہبی

الہ آباد

علامہ ایک باعمل عالم ہونے کے ساتھ ساتھ قادر الکلام

اور پختہ شاعر تھے آپ کے چار دیوان، کلام کلیم، پیام کلیم،

سلام کلیم اور بیاض کلیم طبع شدہ موجود ہیں۔

☆ علامہ عربی، فارسی اور دو تینوں زبانوں میں خطابت فرماتے تھے۔

☆ علامہ مرحوم ۱۶ سال کی عمر میں اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے نجف اشرف تشریف لے گئے۔

☆ علامہ مرحوم نے ۷ سال کی عمر میں کتاب ”نص واجتہاد“ تحریر کی۔

☆ ۱۸ سال کی عمر میں آیت اللہ باقر الصدر کی کتاب ”فدک فی التاریخ“ اور ۲۰ سال کی

عمر میں ”اقتصادنا“ ۲۱ سال کی عمر میں علامہ عبداللہ الخیزمی کی کتاب ”ابوطالب

مومن قریش“ کا ترجمہ فرمایا۔

☆ علامہ مرحوم صرف ۲۷ سال کی عمر میں درجہ اجتہاد کے قریب پہنچ چکے تھے۔

☆ علامہ مرحوم نے ۳۸ مختلف ممالک میں تبلیغی خدمات انجام دیں۔

علامہ ذیشان حیدر جوادی طاب ثراہ کی زندگی مشکلات و جدوجہد سے عبارت تھی

انہوں نے ایک مصروف و پاکیزہ زندگی گزاری وہ بیک وقت محراب و منبر اور تحریر و تقریر

کے آدمی تھے، انہوں نے قوم کے شعور فرد یعنی قوم کے بچوں کو ابتدائی دینی تعلیم سے

آراستہ کرنے کا عزم مصمم کر رکھا تھا۔ انہیں قوم کے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا خیال تھا

انہیں قوم کے بزرگوں کی علمی و فقہی استعداد میں اضافہ کی فکر تھی۔

انہیں شریعت کی برتری، غیر اسلامی رسوم و رواج سے گلو خلاصی اور منبر کے

تقدس کو بحال و برقرار رکھنے کی فکر تھی وہ کہیں بھی جاتے مجلس ہونیا محفل، نجی نشستیں

ہوں یا سفر وہ تبلیغ کی کوئی نہ کوئی راہ اور کوئی نہ کوئی پہلو ڈھونڈ ہی لیتے تھے۔ یہاں تک کہ

دعوتوں میں کوئی نہ کوئی قصہ ایسا چھیڑ دیتے جس میں وعظ و نصیحت کا کوئی نہ کوئی گوشہ ضرور

پوشیدہ ہوتا تھا وہ تحریک دینداری کے پر جوش علمبردار ہونے کی وجہ سے اپنی مسؤلیت

دو ذمہ داری کو خوب سمجھتے تھے۔

شاید یہ ہماری ناقدری و بے مہری کا نتیجہ ہے کہ ذات واجب نے ہم سے علم و عمل

کی اس دولت کو چھین لیا ہے اور موت کی تند و تیز آندھی مسلسل ہمارے علمی چراغوں کو

بجھائے جا رہی ہے۔ حجۃ الاسلام استاد الاساتذہ مولانا محمد حسین نجفی، رئیس المناظرین

سرتاج تحریر مولانا سید کرار حسین واعظ، حجۃ الاسلام مولانا سید محمد حسن گوپالپوری

پرنسپل مدرسۃ الوداع عظیم لکھنؤ ابن مولانا سید راحت حسین گوپالپوری طاب ثراہ مولانا نجفی

علی خان ادیب الہندی کے بعد حجۃ الاسلام علامہ سید ذیشان حیدر جوادی کا اچانک ہم سے

رخصت ہو جانا کسی عظیم سانحہ اور کڑی آزمائش سے کم نہیں۔

ایک ایسے وقت میں جب مذہب کو ازکار رفتہ قرار دیا جا رہا ہو دین کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھا جا رہا ہو، قوم کی علمی استعداد عبرتاک سطح تک گر چکی ہو رسومات کو مذہب کا نام دیا جا رہا ہو، لادینیت کا سیلاب اپنے پورے باڑھ پر ہو بے علمی بام عروج پر ہو، قوم عقائد کے نام پر بٹ چکی ہو اور باعمل و دیندار علماء بے عمل عوام کے سنگ ملامت کی زد میں ہوں تو علماء پر فرض ہے کہ وہ مصلحت کو شی کا دامن چھوڑ کر اعلائے کلمۃ الحق کریں۔

علامہ جوادی ساری زندگی تمام مصلحتوں اور مفادات سے بالاتر ہو کر اعلائے کلمۃ الحق کرتے رہے، اور امر بالمعروف ان کی زندگی کا منشور، نصب العین اور ہدف تھا، قحط الرجال کے اس دور میں علامہ جوادی جیسی معقول شخصیت "SUBSTANTIAL PERSON" صاحب الرائے دیندار، خلیق و ملنسار، متوازن، معتدل اور جید عالم Polyhistor کا سانچہ ارتحال عامۃ المؤمنین اور خصوصاً شیخان ہند و تنظیم المکاتب ہندوستان کے لئے ایک عظیم نقصان ہے جس کا جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

وہ ایک معروف مذہبی اہلکار، شیعہ قوم کا تشخص، بذلہ سچ، ذی علم، نیک نفس، متقی و پرہیزگار انسان، تھے مرحوم اپنی ذات میں ایک انجمن و ایک ادارہ تھے وہ گذشتہ ۴۰ سال سے کشت علم و ادب کی آبیاری کر رہے تھے انہوں نے اپنے علم کو عمل اور فن کو زندگی اور شخصیت کا جزو لاینفک بنا دیا تھا۔

مرحوم نے ساہا سال باب مدینہ علم پر جہیں سائی کی اور در اہل بیت پر گدائی کی، اپنی فکر کو جلد فن اور فرات علم میں غوطہ دیا اور اپنے قلم کو خاک نجف سے صیقل کیا، ان کی زندگی جدوجہد سے عبارت تھی ساہا سال ابو ظہبی میں محراب کی ذمہ داری پوری کرتے رہے، برساہ برس اپنی خطابت سے اطراف و اکناف میں بسنے والے شیعوں کو جگاتے رہے، تنظیم المکاتب ہندوستان کی ذمہ داری ہو یا جامعہ انور العلوم کی مسولیت یا ولی امیر مسلمین مقام معظم رہبری کی نمائندگی کے فرائض ہوں، علامہ ہر محاذ، ہر میدان میں پیش

پیش رہے۔ شعر و سخن کی محفل ہو یا مجلس سید الشہداء، علمی و تعلیمی کانفرنسیں ہوں یا قومی و فکری موضوع پر سیمینار، قومی و سماجی معاملات ہوں یا گوشہ نشین علماء و اہل علم کی خدمات ہر جگہ علامہ ہر اول دستے کے سپاہی کے فرائض انجام دیتے رہے۔

علامہ جوادی کی تحریک دینداری

علامہ جوادی قومی درد رکھتے تھے، وہ قوم کے علمی و فکری انحطاط کو دیکھتے تو ان کا دل کڑھتا، کتنی ہی راتیں قوم کے مسائل پر غور و فکر میں گزار دیں ان کا خیال تھا کہ قوم قرآن و تعلیمات محمد و آل محمد سے دور ہو گئی ہے اور قرآن و اہلبیت نے زندگی کا جو تصور دیا ہے اسے ہم صحیح طور پر سمجھنے میں کوتاہی کر رہے ہیں، چنانچہ انہوں نے اصلاحی کام کا آغاز کیا اور شیعوں کو یہ سمجھانے کی کوشش شروع کر دی کہ اسلام دین اور دنیا دونوں کا جامع ہے، انہوں نے تبلیغی مقصد کے لیے مجلس، فنی نشستوں، سفر، کانفرنسوں اور سیمیناروں کا انتخاب کیا، وہ ہر محفل و ہر مجلس میں تبلیغ کرتے، کہیں دعوت میں ہوں یا کوئی ان سے ملنے کے لیے آئے، سفر پر ہوں تو مسافروں میں اگر قوم کا کوئی فرد نکل آتا تو علامہ موقع غنیمت جان کر اس کی فکری تربیت شروع کر دیتے، زندگی کے آخری دنوں میں علامہ ہمہ وقت اپنے مشن پر کام کر رہے تھے۔ شاید انہیں اندازہ تھا کہ وقت کم ہے اور کام بہت زیادہ ہے، وہ مشکلات کو ذرا بھی خاطر میں نہ لاتے، مسائل کا چیلنج قبول کرنے اور آگے بڑھ کر قربانیاں دینے کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتے تھے۔

علامہ جوادی کا زہد و ورع

علامہ ذیشان حیدر جوادی ایک زاہد حقیقی تھے، عبادت و بندگی کو ان کی زندگی میں اولیت حاصل تھی۔ وہ نماز کے اوقات کی بڑی پابندی فرماتے تھے، نماز شب کے پابند تھے اور ہمیشہ اپنے ملنے والوں سے نماز شب کی تاکید کرتے تھے، ابو ظہبی کے مومنین جنہوں

نئے ہیں سال علامہ کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے یا اعمال ماہ شعبان و رمضان کیے ہیں۔ وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ مولانا کس مخصوص و مخصوص سے اعمال بجالاتے تھے کس قدر ڈوب کر دعا کرتے اور مناجات پڑھتے۔ انہیں عبادت سے عشق تھا۔

علامہ جوادی ایک عظیم مصلح اور داعی

علامہ جوادی کی شخصیت اپنی گوناگوں خوبیوں اور کمالات کی وجہ سے بڑی ہی پرکشش تھی مگر ان کا نمایاں ترین وصف یہ تھا کہ وہ نماز سے غفلت برتنے والوں کو پسند نہ کرتے تھے، غصہ و زکوٰۃ کی پابندی نہ کرنے والوں پر تنقید کرتے تھے۔ داڑھی منڈانے والوں کو نصیحت کرتے تھے اور بے حیائی، فسق و فجور اور باطل کے خلاف احتجاج کی ایک چنگاری تھے..... ایسی چنگاری جو ایک لمحے کے لیے بھی سرد نہ ہو ان کو وہ بچھا ہوا ایمان کبھی راس نہ آیا جو صاحب ایمان کو متحرک اور بے تاب نہ کر دے، چنانچہ اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے اپنا کرب و درد اور اپنا سوز و تپش دوسروں میں منتقل کرتے اور مومنین کے دلوں کو گرماتے رہے۔

ہمارے لیے سبق

علامہ جوادی کی زندگی میں ہمارے لیے کئی سبق ہیں، وہ دین کی ذمہ داری، اطاعت خداوندی، عبادت و بندگی، واجبات کی ادائیگی اور تہلیل کا ہمیں مسلسل احساس دلاتے رہے ہمیں چاہیے کہ ہم اس کا احساس کریں اور دوسروں میں بھی معرفت دین کا شعور و احساس پیدا کریں، انہوں نے تجدید و احیائے دین کی تحریک چلائی اور محمد و آل محمد کی تعلیمات پر عمل کی دعوت دی، اس راہ میں طرح طرح کی پریشانیاں اٹھائی، سختیاں کیں، اذیتیں برداشت کیں اور ہر قسم کی قربانیاں دیں۔ مگر کبھی مصلحت پسندی و مصلحت بینی سے کام

نہیں لیا خطرات و اندیشوں کو کبھی خاطر میں نہ لائے بلکہ تحریک دینداری کے لیے اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیں۔ اگر اقامت دین کا کام کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی اسی جذبہ و ذمہ داری کا نمونہ پیش کرنا ہوگا۔

ان کی بے وقت موت سے تفقہ و تدین کی مسند ویران ہو گئی، قافلہ تحریک دینداری کی رفتار تھم گئی، ذمہ دارانہ خطابت کا گلشن اجڑ گیا، کردار و عمل کی شمع بجھ گئی۔ بوذر صفائی و درویشی کا سورج غروب ہو گیا جب دکھ بیدار ہوں اور ذہن و دل دریا ہوں تو احساسات و جذبات کی عکاسی و صورت گری مشکل ہو جاتی ہے۔ خالق ارض و سماء علامہ مرحوم کو جو اسید الشہداء عطا فرمائے اور ان کی لحد پر اپنی رحمت کا نزول فرمائے۔

برادر عزیز سید عنایت حسین علامہ جوادی مرحوم کی شہرہ آفاق کتاب ”نقوش عصمت“ دوبارہ شائع کر رہے ہیں۔ علامہ سے قربت و قربت داری کا یہی تقاضہ ہے کہ ان کے آثار کو نہ صرف باقی رکھا جائے بلکہ ان کی روشن تحریروں سے اہل فکر و نظر اور مومنین کو زیادہ سے زیادہ روشناس کرایا جائے۔

مذہبی، دینی، علمی، تاریخی، تدریسی اور معیاری کتب کی اشاعت کے حوالہ سے محفوظ بک ایجنسی مارٹن روڈ اور اسکے روح رواں عنایت حسین کا نام تعارف سے بے نیاز ہے۔

عنایت صاحب نہ صرف کتاب کی اہمیت، افادیت، وقعت، ضرورت اور عظمت کو پیش نظر رکھتے ہیں بلکہ کتابت و طباعت میں عصری تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے خوشگوار تہذیبیاں کرتے رہتے ہیں۔

سرورق ہو کہ کتابت و کپوزنگ یا طباعت، وہ دل کشی کو ماند نہیں پڑنے دیتے نہ معیار کو گرنے دیتے ہیں مجھے امید ہے کہ وہ علامہ کی دیگر کتابوں کی اشاعت کی ذمہ داری کو قبول کرتے ہوئے اور انکی محبت کا قرض ادا کرتے ہوئے ان کتابوں کو بھی شائع کریں گے جو ابھی تک پاکستان میں متعارف یا شائع نہیں ہوئی ہیں۔

کلیم الہ آبادی (علامہ جوادی)

شعر و سخن کے آئینہ میں

تحریر: آل محمد رزوی

شاعر جذبات و احساسات کا آئینہ دار ہوتا ہے وہ اپنے خیالات و افکار، واردات و مشاہدات نظریات و عقائد کو لفظوں کے خوبصورت پیکر میں ڈھالتا ہے۔ لیکن لفظوں کی اس اصنام گری سے وہ سچا شاعر نہیں بن جاتا۔ سچی شاعری جذبوں کی سچائی، بے لاگ مشاہدے، احساسات کی پاکیزگی، روح کی بالیدگی، فکر کی طہارت اور ذرون بینی سے حاصل ہوتی ہے، یہ کام ایک عام آدمی کے مقابلے میں شاعر زیادہ سلیقے سے کرتا ہے۔

کیونکہ شاعر کو اظہار کا سلیقہ آتا ہے وہ اپنے دل پر گزری ہوئی کیفیت بھی بیان کر سکتا ہے، دوسروں کے جذبات کی ترجمانی اور ماحول کی عکاسی بھی کر سکتا ہے۔ لیکن کسی بھی شاعر کی شخصیت سے کما حقہ یا کسی حد تک آشنائی کے بغیر اس کی شاعرانہ عظمت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

علامہ سید ذیشان حیدر جوادی کلیم الہ آبادی کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں وہ ایک مفسر بھی ہیں ایک مفکر بھی، فقیہ بھی ہیں مؤرخ بھی، ادیب بھی ہیں شاعر بھی، صاحب محراب بھی ہیں اور صاحب منبر بھی لہذا ان کے شعور کا دھارا کسی ایک خصوصی سمت نہیں بہتا وہ سلام بھی کہتے ہیں قصیدے بھی۔ غزل بھی کہی ہیں نظم بھی اس کے علاوہ نعت، رباعی اور مناقب نگاری پر بھی پوری دست گاہ رکھتے ہیں۔

کلیم الہ آبادی کے سلام کے چند اشعار سے ہی ان کی شاعری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

علم کے ساتھ ہے مشکِ سیکینہ یوں جیسے

چچا گلے سے بھینچی کو ہو لگائے ہوئے

تمام ظلم کے طوفاں تھے غرق حیرت میں
بفیض تشنہ لبی پار اتر گئے عباس

ہر ایک قوم کے لب پر ہے اب حسین حسین
حسین سارے جہاں کو جگا کے سوئے ہیں

کربلا تیرے سوا کس نے کبھی دیکھا ہے
ایک کردار کے نکلڑوں کا بہتر (۷۲) ہونا

چشم ایماں میں، نصیری ہیں الگ، ہم ہیں الگ
وہ خدا کہتے ہیں ہم شیر خدا کہتے ہیں

حشر تک سوئے گی زنداں میں سیکینہ چین سے
کہیے گا بابا سے اب تڑپیں نہ دختر کے لیے

کلیم الہ آبادی نے واقعات کربلا کے مقاصد اور درسا گاہ کربلا کو سمجھنے کے لیے اپنی آنکھ کو بطور حوالہ استعمال کیا ہے اور عقل و آنکھ کے اندھوں پر بھی تنقید کی ہے۔

آنکھ اندھی ہو تو پتھر نظر آتے ہیں خدا
عقل اندھی ہو تو پھر نور خدا بھی ہے بشر

کلیم الہ آبادی کے کلام کی انفرادیت، ان کی سادگی و سلیجی ہوئی زبان اور شائستگی لہجے میں ہی نہیں ان کے انداز نظر میں بھی ہے۔ وہ ایک سلیم الطبع، مہذب اور باضمیر انسان ہیں، خوش اخلاقی، خوش فکری اور تہذیب نفس کے امتزاج سے ان کے کلام میں موضوعی اور معروضی دونوں سطحوں پر ایک ایسا توازن جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ جس سے فنکار کی دیانت داری اور جذبات کے خلوص کا پتہ چلتا ہے۔

اب فقط تذکرہ خاک شفا باقی ہے
ہوگئی ختم ہر اک مرہم و اکسیر کی بات

طعنہ اتر کو سکر احمد مختار نے
جو خلوص دل سے مانگی وہ دعا ہیں فاطمہ

روٹیاں لے کر فلک والوں نے ثابت کر دیا
جو در حیدر سے ملتا ہے وہ صدقہ اور ہے

نشان سجدہ کے ساتھ یارو نشان ماتم بھی ہے ضروری
وہ مال محشر میں ہوگا جعلی کہ جس پر ان کا نشان نہیں ہے

دیکھ لیں ہم بھی کہ محشر کی حقیقت کیا ہے
پردہ اٹھنے سے اگر حشر نمایاں ہو جائے

کلیم اللہ آبادی کی مشق و ریاضت، خلوص و توجہ، شعور و آگہی کی مرہون منت ہے سلام
کلیم سے بیاض کلیم تک انہوں نے فکر کی بہت سی منزلوں کو طے کیا ہے کہ چاروں دیوان میں
کوئی چو نکادینے والا شعر نہیں ہے لیکن ان کی شاعری میں پیغام ضرور پایا جاتا ہے۔

یہ وہ دن ہیں کہ مذہب آدمی کا طاقت و زر ہے
کسی کا دین درہم ہے کسی کا دین ڈالر ہے

صحابہ ہم سے ہیں بہتر، پیسیر ہیں ہمیں جیسے
تو گویا یہ صحابہ، اب پیسیر سے بھی بہتر ہیں

ذکرِ علیؑ عبادت پروردگار ہے
مش نماز اس کی بھی تکرار چاہئے

دیکر اصناف سخن کے ساتھ ساتھ کلیم اللہ آبادی نے سلام بھی کہے ہیں۔ سلام عربی
زبان کا لفظ ہے اور اسم مذکر ہے اس کے مختلف مضمرات و تعبیرات ہیں یہاں پر سلام فن
نگاری پر بحث مقصود ہے نہ سلام کلیم پر نقد و نظر پر سبیل تذکرہ عرض ہے کہ سلام میں غزل کی
طرح اعلیٰ درجے کے مضامین از قسم واردات قلبی اور معاملات فکری و ذہنی نظم کیے جاتے
ہیں۔ مگر اس میں غزل کا رنگ پیدا نہیں ہونے دیا جاتا۔ عموماً سلام میں واقعہ کربلا و شہادت
حضرت علیؑ و حضرت فاطمہؑ اور شہادت حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ اور ان کے
رفقاء کے مصائب بیان کیے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے اخلاقی، تمدنی، تہذیبی و مذہبی ودیکر
امور جلیلہ جن سے شاعری کی زینت میں اضافہ ہو سکے منظوم کیے جاتے ہیں۔

کلیم اللہ آبادی کے سلام کے چند شعر کے مطالعہ سے ان کی سلام نگاری کی عظمت کا
بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حوصلہ شبیرؑ کا سر نامہ عزم و جہاد
صبر زینبؑ صبر کی تاریخ کا عنوان ہے

کتنے پرچم جھک گئے اور کتنے جھنڈے گر گئے
اک علم اور ہر دور میں اونچا رہا عباسؑ کا

ہر جگہ شمع حسینی کو فروزاں کر دو
کون جانے کے سنگر ہوں کہاں سے پیدا

عکس کردار نبیؑ صلح حسنؑ جنگ حسینؑ
اک جمالی ہے تو ہے ایک جلالی تصویر

جو آل محمدؑ کا پرستار نہیں ہے
اس کا کوئی مذہب کوئی کردار نہیں ہے

ان کا آخری شعر جو آپ نے اپنی رحلت سے ایک دن قبل و محرم الحرام کو کہا تھا۔
 بدحت آل کی توقیر تو رہ جائے گی
 میں نہ رہ جاؤں گا تحریر تو رہ جائے گی
 کلیم اللہ آبادی اپنے سلام میں ہمیشہ روایت کا خیال رکھتے تھے اور چہادت و جدیدیت کے
 چکر میں نہیں پڑتے تھے۔

کلیم آبادی نے غزل بہت کم کہی ہیں لیکن ان کے سلام میں غزل کا رنگ صاف جھلکتا
 ہے اہل فن جانتے ہیں کہ غزل کا فن ریزہ خیالی کا فن ہے اس کا ہر شعر ایک اکائی ایک حادثے،
 ایک تجربے یا ایک فرد سے مماثلت دی جاسکتی ہے، اکائیوں، حادثوں، تجربوں اور افراد کی یہ
 دنیا بولگلوں رنگارنگ اور وسیع ہے۔ کہ اس صنف سخن میں زندگی بھر کے سرمایہ کو اس طور
 سے سمیٹا کہ اس سے شاعر کی شاعری اور شخصیت کی ایک داستان مرتب ہو جائے۔

بہت حسین تھا ماحول خود کشی کے لیے
 مگر یہ میں تھا کہ جیتا رہا کسی کے لیے

انہیں غم نبی ہیں یوں مری تہائیاں اکثر
 کہی ہے میں نے اپنے دل سے دل کی داستاں اکثر

ساقیا چشم عنایت کا سہارا چاہے
 کاسہ سر مقلب ہے شیشہ دل چور ہے

یہ فقط جذب محبت کا اثر ہے ورنہ
 کاغذی ناؤ کہیں چلتی ہے طوفانوں میں

عرض ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علامہ السید ذیشان حیدر صاحب قبلہ جوادی مدظلہ کی شخصیت کسی
 تعارف کی محتاج نہیں یہ ہماری قوم کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ علامہ موصوف نے ترجمہ و تفسیر
 قرآن کے بعد ”نقوش عصمت“ کو ضبط تحریر میں لا کر گویا عالم اردو کے لیے نصاب ہدایت
 مکمل کر دیا یعنی قرآن مقدس کا ترجمہ بھی اور حیات معصومین کی ترجمانی بھی۔

علامہ جوادی مدظلہ کی قلمی خدمات کی فہرست بفضلم بہت طویل ہو چکی ہے۔ مستند
 تاریخی ماخذوں سے واقعات کا انتخاب اور صحیح تاریخی پس منظر میں ان کا تجزیہ کر کے حیات
 معصوم کی معنویت کو قاری کے لیے قابل ادراک بنا دیا ہے۔

ہم نصف صدی سے ترویج علوم آل محمد علیہم السلام میں مصروف سفر ہیں۔ محمد باقر
 مجلسی رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق کتاب ”بحار الانوار“ کی بارہ جلدیں آسان اردو ترجمہ ہندسہ
 قارئین کرنے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔

علامہ السید ذیشان حیدر جوادی مدظلہ کی اس گراں قدر تصنیف ”نقوش عصمت“
 کے بعد ہم آپ حضرات کی خدمت میں علامہ کی دیگر تصانیف بھی جلد پیش کر رہے ہیں۔
 ہم علامہ صاحب کے بے حد شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمارے ادارہ محفوظ بک ایجنسی کو
 پاکستان میں اپنی کتابوں کی طباعت کی اجازت عنایت فرمائی ہے۔

امید ہے کہ پیروان اہل بیت علیہم السلام خصوصی طور سے نوجوان نسل اس چشمہ
 ہدایت سے خاطر خواہ استفادہ کریں گے۔

اللہم صل علی محمد و آل محمد واجعلنا من اتباعہم
 وسلّمہم و اولیائہم والحمد لله اولاً و آخراً

السید عنایت حسین رضوی

فہرست مضامین

۸۰	جہاد اور دفاع کا فرق	۹	عرض تنظیم
۸۷	یہودیوں سے مقابلہ	۱۱	حرف آغاز
۹۲	معراج رسول اکرم	۱۷	نقش حیات حضرت مرسل اعظم
۹۷	سیرت النبی الاعظم	۳۶	ازواج
۱۱۱	نقش حیات حضرت علی بن ابی طالب	۳۹	اولاد
۱۲۵	خصوصیات	۵۰	اقراب
۱۳۰	اولاد و ازواج	۵۱	ثبات رسول
۱۳۲	اصحاب کرام	۵۲	اصحاب رسول اکرم
۱۳۱	علی ولی اللہ	۶۰	حیات مرسل اعظم کے امتیازی خطوط
۱۳۵	من کنت مولاه فهذا علی مولاه	۶۱	ولادت
۱۳۹	خطبہ غدیر	۶۳	ابتدائی زندگی
۱۶۳	نقش حیات جناب فاطمہ زہرا	۶۵	ازدواج
۱۷۲	چند مثالی کردار	۶۵	بہشت
۱۷۳	دو غلط فہمیاں	۶۶	ہجرت
۱۷۵	خصائص الزہراء	۶۸	عقد جناب فاطمہ
۱۷۸	جسانی امتیازات	۶۹	معرکے
۱۸۰	معنوی کمالات	۷۱	حجت الوداع
۱۸۲	تبیح فاطمہ	۷۲	تعلیمی راہ کی رکاوٹیں
۱۸۵	خطبہ فدک	۷۶	جہاد

اجازت نامہ طباعت

بسمہ سبحانہ

Syed Zeeshan Haider Jawadi

P. O. Box - 5318

ABU DHABI - U. A. E.

خادمہ الشریعہ

السید ذیشان حیدر الجوادى

صوبہ ۰۲۱۸

نواظر - الامارات العربیة المتحدہ

بسمہ

جناب کرم غایت حسین صاحب دام زینہ
 مدد معینم . کہ کتاب شریف رسول جاہلہ و شہدہ مدد معینم سے خدا شکر ہے کہ آپ کو پروردگار
 نے شرف عمت لہذا ارزاں فرمایا ہے۔
 اس سے پہلے کرم مرزا تیسرا جلد لکھنے کے لئے لکھا گیا تھا کہ اس پر غور کیا جائے اور
 بسو مسلم بن زید کے لئے اور پھر اس پر غور کیا جائے کہ اس پر غور کیا جائے اور
 وہ اس سے پہلے لکھ لیا گیا تھا۔ اب لکھا گیا ہے (نور انوار) تو شرف عمت
 کرم غایت تیسرا جلد لکھ لیا گیا ہے۔ شکر ہے کہ اس پر غور کیا گیا ہے اور
 دیکھیں کہ اس پر غور کیا گیا ہے اور

۲۸۰	چوتھا مقدمہ۔ فتح و شکست	۱۹۱	حدیث کسا
۲۸۲	پانچواں مقدمہ۔ امام حسین اور شریعت	۱۹۵	آیت تطہیر
۲۹۰	پس منظر	۱۹۹	اصحاب کسا
۲۹۸	منظر کربلا	۲۰۳	پردہ اور سیرت معصومین
۳۰۵	تہدید کربلا	۲۰۷	نقشہ زندگانی امام حسن مجتبیٰ
۳۱۲	شہدائے کربلا	۲۱۲	علم امام حسن
۳۱۳	انقلاب کربلا	۲۱۳	اخلاق
۳۲۱	نقشہ حیات	۲۱۵	شجاعت
۳۲۱	امام حسین۔ وسیلہ عمل بالقرآن	۲۱۶	عبادت
۳۲۳	امام حسین اور ارشادات رسول اکرم	۲۱۶	شہادت
۳۲۵	اندازِ غم حسین	۲۱۷	ازواج
۳۲۵	اسباب بکار علی الحسین	۲۲۱	امام حسن بانی اسلام کی نگاہ میں
۳۲۶	فضائل و امتیازات گریہ	۲۲۷	صلح امام حسن
۳۲۷	مجالس قبل ولادت امام حسین	۲۳۵	امام حسن کا تاریخی مناظرہ
۳۲۸	مجالس بعد ولادت امام حسین	۲۳۶	خصائص الحسن
۳۲۹	مجالس بعد شہادت امام حسین	۲۵۱	الزامات
۳۳۰	منازل شہادت	۲۵۵	نقشہ حیات امام حسین
۳۳۰	دروس کربلا	۲۶۳	ازواج
۳۳۲	ترجمہ دعلے عرفہ امام حسین	۲۶۳	اولاد
۳۵۳	نقشہ حیات امام علی بن الحسین	۲۶۶	کربلائے امام حسین
۳۶۱	ازواج	۲۶۸	پہلا مقدمہ۔ شخصیت امام حسین
۳۶۱	اولاد	۲۷۰	دوسرا مقدمہ۔ زبیر
۳۶۳	عبادت	۲۷۶	تیسرا مقدمہ۔ ہلاکت و شہادت

۳۳۷	ایک دفاعت	۳۶۳	اخلاق
۳۳۹	اصحاب کرام	۳۶۵	صحیفہ کاملہ
۳۴۶	اقوال حکیمانہ	۳۶۷	دلائل امامت
۳۴۹	فقہ جعفری کیلئے؟	۳۶۹	دو بار یزید میں خطبہ امام سجاد
۳۵۰	نقشہ زندگانی	۳۷۲	زین العابدین بارگاہ مہرودیں
۳۵۱	امامت اور سیاست	۳۷۷	اسلام میں دعا کی اہمیت اور اس کے آداب
۳۵۳	حقیقت فقہ	۳۸۳	دعلے بحر العزمہ الثمالی
۳۶۸	نقشہ حیات امام موسیٰ بن جعفر	۳۹۱	نقشہ حیات امام محمد باقر
۳۷۷	ازواج و اولاد	۳۹۵	اخلاقِ حسنہ
۳۸۰	شواہد امامت امام موسیٰ بن جعفر	۳۹۶	شہادت
۳۸۳	اعترافات	۳۹۶	نقشہ انگشتر
۳۸۴	کرامات	۳۹۷	دلائل امامت
۳۸۶	اخلاقیات	۳۹۸	علمی کمالات
۳۸۷	نقشہ انگشتر	۳۹۹	کرامات
۳۸۷	عبادت	۴۱۳	ازواج و اولاد
۳۸۹	حقائق زندگی اور امام موسیٰ بن جعفر	۴۱۳	اصحاب و تلامیذ
۳۹۳	جہاد امام موسیٰ بن جعفر	۴۱۶	اقوال حکیمانہ
۳۹۸	نقوش سیاست	۴۱۹	نقشہ حیات امام جعفر صادق
۵۰۰	جہاد باللسان	۴۳۰	اخلاقِ امام
۵۰۳	اصحاب و تلامذہ	۴۳۱	دلائل امامت
۵۱۰	نقشہ حیات امام علی بن موسیٰ الرضا	۴۳۳	کرامات
۵۱۷	طب الرضا	۴۳۶	شہادت
۵۱۸	اعترافات	۴۳۷	ازواج و اولاد

۵۸۸	اصحاب	۵۱۹	کرامات
۵۹۰	کلمات حکمت	۵۲۱	نقش انگشتر
۵۹۳	نقش حیات امام حسن عسکری	۵۲۱	عزاداری
۵۹۶	علوم و کمالات	۵۲۳	شہادت
۵۹۹	کرامات	۵۲۴	ازواج و اولاد
۶۰۱	اقوال حکیمانہ	۵۲۶	ایک خصوصیت
۶۰۶	شہادت	۵۲۶	اصحاب و تلامذہ
۶۱۱	ازواج و اولاد	۵۳۱	اقوال حکیمانہ
۶۱۳	اصحاب امام حسن عسکری	۵۳۳	مسئلہ ولی عہدی
۶۱۵	بنی عباس	۵۳۶	نقش حیات امام محمد تقی جوادی
۶۲۱	نقش حیات حضرت ولی عظمی	۵۵۷	شہادت
۶۳۴	فرائض و ورثیت	۵۵۸	ازواج و اولاد
۶۳۰	من آنکز خروج الہدی	۵۵۹	کرامات
۶۳۴	علامات ظہور	۵۶۱	اعترافات
۶۵۲	خصائص و امتیازات امام عفر	۵۶۱	اقوال حکیمانہ
۶۵۶	نواب اربعہ	۵۶۵	نقش انگشتر
۶۶۲	زادہ غیبت کبریٰ کے روابط	۵۶۵	اصحاب اور تلامذہ
۶۶۷	زائرین قائم آل محمد	۵۶۹	نقش حیات امام علی نقی ہادی
۶۷۵	خطوط و رسائل	۵۷۳	علم و کمالات
۶۷۷	مسئلہ طول حیات	۵۷۷	کرامات
۶۸۰	روایات و اعترافات	۵۸۷	شہادت
۶۸۲	خصوصیات حکومت امام عفر	۵۸۸	ازواج و اولاد
۶۸۶	امام عفر	۵۸۸	نقش انگشتر

بسمہ سبحانہ

عرض تنظیم

جادو حیات میں مسلمانوں کی راہنمائی کے لیے ڈیڑھ ہری مرکز میں، ایک اللہ کی مقدس کتاب، دوسرے معصومین کی پاکیزہ سیرت۔ اور ان دونوں سے وابستگی کے بغیر زندگی کا سفر صحیح سمت میں جاری رکھنا ممکن نہیں۔ جس طرح قرآنی آیات میں غور و فکر معرفت الہی کا ذریعہ ہے اسی طرح حیات معصومین میں گذرنے والے واقعات کی منوریت تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش بھی رضائے الہی کا سبب ہے۔ اور جس طرح آیات قرآنی کے دامن میں "مغایب" کا بحر ہے کراں "موجز" ہے اسی طرح معصومین کے کارناموں کے دامن میں بھی تہ در تہ منوریت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ تشنگان علم و معرفت بقدرت "دو دنوں سرچشموں سے ہر درویش سیراب ہوتے رہے ہیں اور سیراب ہوتے رہیں گے۔"

علامہ سید ذیشان حیدر صاحب قبلہ جوادی مظاہر نے ترجمہ تفسیر قرآن کے بعد فقہوں کی خدمت "لہ کر گویا عالم اردو کے لیے نصاب ہدایت عمل کر دیا، ایسی قرآن کا ترجمہ بھی اور حیات معصومین کی ترجمانی بھی۔ مگر قرآن کے ترجمہ کے مقابلہ میں یہ کام زیادہ مشکل ہے، اس لیے کہ قرآن بسم اللہ سے لے کر "اناس" تک سب کا سب ہمارے سامنے ہے اور اللہ نے اسے ہر طرح کے "ریب و عیب" سے پاک رکھا ہے اور اس کی اس طرح حفاظت کی ہے کہ دنیا کے کسی حصہ میں اور زمانے کے کسی وقت میں کوئی فرق نہ آیا۔"

"فقہوش عصمت" یعنی معصومین کی سیرت کا معاملہ دوسرا ہے۔ دشمن حکومتوں کے زیر سایہ لکھی جانے والی تاریخ اپنے دامن میں معصومین کے کارناموں کو جگہ دینا کیسے گوارا کرتی۔ یہ تو عظمت کردار کی ہیبت تھی کہ اس نے "زبان خلق" بن کر تاریخ کے دامن میں اپنی جگہ خود بنالی۔ جو واقعات محفوظ رہ گئے وہ بھی اس تاریخ کی تاریخ وادیوں میں بکھرے ہوئے ہیں جہاں حقانیت کے ساتھ خود ساختہ روایتیں، امر ایلی افرانے، دشمنوں کی اڑائی ہوئی، انہیں اسے معرفت انسانوں کی داستان گوئی اور برسر اقتدار حکومتوں کی نگہمال میں ڈھلے ہوئے مفروضے بنام تاریخ

جمع کر دیے گئے ہیں۔ اس لیے سیرت نگاری "قدت ریزوں" کے انبار سے گوہر آبدار چن کر الگ کر دینے کا نام ہے اور بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ علامہ جوادی مظلما نے نقوش عصمت" لکھ کر جو علی کا زماہ انجام دیا ہے اس کے لیے بے پناہ علمی بصیرت کے ساتھ "تائید مولا" بھی دیا ہے۔ علامہ جوادی مظلما کے قلمی خدمات کی فہرست بفضلہ بہت طویل ہو چکی ہے اور تاریخ و تحقیق اقتصادیات و سماجیات، فقہ و تفسیر، شعروادب، تقریبا ہر علمی اور دینی موضوع پر ان کی تصنیفات موجود ہیں۔ بلکہ بیرون ملک گونا گوں مصروفیات کے باوجود ایک سال کے اندر ترجمہ و تفسیر قرآن، اور "کلام کلیم" کے بعد نقوش عصمت" کی تکمیل تائید مولا نہیں تو اور کیا ہے۔ وہ انہوں نے کبھی گفتگو کے دوران فرمایا تھا کہ "کثرت کار" نشا کا رکھ کر ختم کر دیتی ہے۔ مگر "نقوش عصمت" جتنی تصنیف ان کے اس قول کی خود ان کے بارے میں تردید کر رہی ہے۔ نہ کہیں نشا طر تیر کی کمی پیدا ہوئی نہ بے مہنی اور نہ آواز کا احساس ہوتا ہے۔ روانی کے ساتھ دلاویز طرز تحریر جو "روایتی" نہ ہونے کے باوجود ناماؤں "نہیں" مستند تاریخی ماخذوں سے واقعات کا انتخاب کر کے اور صحیح تاریخی میں نظر میں ان کا تجربہ کر کے حیات مصحوم کی منویت کو قاری کے لیے قابل ادراک بنا دیا ہے۔ اکثر جگہوں پر مصحومین کی زندگی کے الگ الگ واقعات میں منوی ربط کی نشان دہی یوں کر دی ہے کہ "ارباب عصمت" کی معرفت آسانی حاصل ہو جاتی ہے۔

اردو کتابیات کی دنیا میں "نقوش عصمت" ایک گراں قدر اضافہ ہے قوم کی ایک بڑی ضرورت تھی جو پوری ہوگی۔ ہمیں امید ہے کہ پیروان اہلیت اس چشمہ ہدایت سے خاطر خواہ استفادہ کریں گے اور نئی نئی پراکتفا کرنے کے بجائے پڑھ کر سمجھنے کا جذبہ بڑھے گا۔ ہم اس قابل فخر پیش کش پر بارگاہ الہی میں شکر گزار ہیں کہ اس نے ایسی عظیم خدمت کی توفیق عنایت فرمائی۔

والسلام

صفی حیدر

سکرٹری تنظیم الکاتب ہندوستان

بسمہ سبحانہ

حرف آغاز

بزرگان دین اور اولیاء خدا کی تاریخ حیات کا دریافت کرنا معرفت کے اعتبار سے عظیم ترین فریضہ ہے تو کردار سازی کے اعتبار سے اہم ترین وسیلہ۔ وہ انسان کسی طرح بھی دیانت دار نہیں کہا جاسکتا ہے جو اپنے پیشوا اور مقتدا کی تاریخ حیات یا اس کی سیرت کے نقوش و خطوط سے بے خبر ہو، اور وہ انسان کسی عنوان بھی صاحب کردار نہیں بن سکتا جس کے سامنے کردار کے نمونے اور سیرت کے آئیڈیل موجود نہ ہوں۔ اندھیرے میں سفر کرنے والا منزل رسا نہیں ہوتا ہے اور اپنی پسند پر کردار کی عمارت کھڑی کرنے والا عجب کھنگلا نہیں ہو سکتا ہے۔

علامہ اسلام نے اسی نکتہ کی اہمیت کے پیش نظر ہر دور میں اولیاء خدا کی تاریخ حیات مرتب کی ہے اور اس کے مخصوص امتیازات و خصوصیات کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ "تاریخ انبیاء" کے نام سے کتابیں لکھی گئیں۔ "سیرت مرسلہ اعظم" اور "سوانح حیات اہل مصحومین" کے عنوان سے کتابیں تالیف کی گئیں، بلا تکرار العلماء جیسی کتابیں بھی منظر عام پر آئیں اور ان سب کا مقصد ماضی کے حالات کی نشاندہی کرنا یا زیر زمین دفن ہو جانے والے انسانوں کا بزدل ظلم زندہ کرنا نہیں تھا بلکہ ان سب کا واحد مقصد ان کی زندگی کے امتیازات کا نمایاں کرنا اور ان کی روشنی میں نئے کردار کی تعمیر کرنا تھا اور یہی وجہ ہے کہ تاریخ حیات میں صرف ان واقعات پر زور دیا گیا ہے جو اس مقصد کے لیے مفید تھے اور باقی حالات اور واقعات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ورنہ ایک انسان کی ۲۰ سالہ زندگی کے جملہ جزئیات بھی درج ہوں جلد آ میں جمع نہیں کیے جاسکتے ہیں۔ چہ جائیکہ سیکڑوں یا ہزاروں خامان خدا کی زندگی کے جملہ حالات

کہ وہ چند کتابوں میں کس طرح درج کیے جاسکتے ہیں۔ ؟

ادھر تاریخ کی ستم ظریفی یہ رہی کہ مورخ نے خود اپنے ذوق کو بھی استعال کیا ہے اور ذوق کے ساتھ مصالح وقت کو بھی نظر میں رکھا ہے جس کا نتیجہ ہوا ہے کہ بے شمار زندگیاں ناقابل تذکرہ قرار پا گئی ہیں اور شمار واقعات تاریخ کے قبرستان میں زندہ دفن کر دیے گئے ہیں کہ ان واقعات سے بہت سے افراد کے نقائص اور عیوب کا اظہار ہوتا تھا، یا یہ واقعات ان سلاطین اور حکام کے مزاج پر بار تھے جن کی تحریک یا امداد پر مورخ نے قلم اٹھایا تھا، اور جن کی دولت کی فراوانی ہی مورخ کے قلم میں روشنائی کا کام کر رہی تھی۔

تاریخ نویسی اور سیرت نگاری کا المیہ بہت دردناک ہے اور اس سلسلہ میں ہونے والے مظالم کی خود اپنی بھی ایک تاریخ ہے اور اس کے درج کرنے یا اس پر بحث کرنے کا یہ عمل نہیں ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے جملہ اہل نظر جانتے اور پہچانتے ہیں اور اس پر مزید بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس وقت جو موضوع اہمیت رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ ماضی کے مورخین نے جس قدر بھی واقعات محفوظ کیے ہیں اور بعد کے اہل قلم نے ان واقعات سے جس قدر بھی استفادہ کیا ہے اور ان کی روشنی میں جس قدر بھی کتابیں اور تالیفات منظر عام پر آئی ہیں سب میں یہی ایک خاص عنصر نمایاں رہا ہے کہ سیرت نگار نے اپنے مخصوص ذوق کے مطابق واقعات کا انتخاب کیا ہے اور پھر مخصوص نظریات کے تحت ان سے تجرؤ اخذ کیا ہے اور اس طرح کتاب سیرت بھی ایک مخصوص بصیرت کی محتاج ہو گئی ہے اور اس سے واقعی استفادہ کرنا بھی ایک مخصوص شعور کا محتاج ہو گیا ہے۔

میں اس واضح حقیقت کی مثالیں پیش کر کے "خطائے بزرگانِ گفتن" کا مجرم نہیں بننا چاہتا اور نہ میرا مقصد بزرگوں کی توہین کرنا ہے۔ میرا مقصد صرف اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنا تھا جس کی بنا پر واقعات سے استفادہ میں تفاوت پیدا ہو گیا ہے اور جس نے ایک ہی سیرت کو مختلف کرداروں میں تقسیم کر دیا ہے اور مثلاً اس کتاب کی ضرورت کی طرف بھی اشارہ کرنا ہے کہ سیرت و کردار مصورین پر مختلف زبانوں میں اس قدر کتابوں کے ہوتے ہوئے جدید کتاب کی ضرورت کیوں پیش آئی ہے اور اس میں کون سی خصوصیت پائی جاتی ہے جو دیگر کتابوں میں نہیں پائی جاتی ہے۔

اولاً تو اس قسم کے سوالات ہی انتہائی بچکانہ اور احمقانہ ہوتے ہیں اور ان سے انسان کی مذہبی بدذوقی کے علاوہ اور کسی بات کا اندازہ نہیں ہوتا ہے کہ دنیا کے کسی موضوع پر کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا جاتا ہے کہ اس قدر گاڑوں کے ہوتے ہوئے نئی گاڑی کیوں بنائی گئی ہے، یا اس قدر شینوں کے ہوتے ہوئے نئی مشین کیوں ایجاد ہوئی ہے؟ یا اس قدر سامانِ حیات کے ہوتے ہوئے روزانہ نئے سامانِ حیات کیوں ایجاد کیے جا رہے ہیں؟ بلکہ وہاں ذوق کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ نئے سال کا ماڈل خریداجائے اور یہ دیکھا جائے کہ اس سال میں سامانِ ایجاد کون سے نئے کون سی تکنیک اختیار کی ہے اور کس طرح اسے سال کے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ بنایا ہے لیکن مذہب میں ایک رسالہ عملیہ کو بھی سیکڑوں سال چلانے کی آرزو ہوتی ہے اور ایک ایک کتاب کو "ابدیت نشان" بنا دینے کی تمنا ہوتی ہے اور اس کا عمومی راز کتاب کی عظمت و اہمیت نہیں ہوتی ہے بلکہ مذہب میں بدذوقی اور بخل کی کار فرمائی ہوتی ہے کہ ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب کس طرح خریدی جاسکتی ہے۔

حقیر نے ترجمہ و تفسیر قرآن مجید کا کام شروع کیا تھا تو اس وقت بھی یہ بات بار بار سننے میں آئی تھی کہ اس قدر تراجم و تفسیر کے ہوتے ہوئے نئے ترجمہ اور تفسیر کی کیا ضرورت ہے۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ کسی دوسرے موضوع پر کام کیا جائے۔ اور آج نقوشِ عصمت کے اعلان کے ساتھ بھی یہی صدائے بازگشت سننے میں آرہی ہے کہ فلاں فلاں جدید علماء اور اہل قلم کی مختصر اور مفصل کتابوں کے بعد اس موضوع پر قلم اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن خدا کا شکر ہے کہ ترجمہ و تفسیر قرآن مجید کی اشاعت کے بعد بے شمار اہل علم و ہنر اور ارباب فکر و نظر نے حوصلہ افزائی فرمائی ہے اور مردوتا ہی یہی مگر یہ ضرور فرمایا ہے کہ اس دور میں اس طرح کے ترجمہ و تفسیر کی یقیناً ضرورت تھی اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ چند ماہ کے اندر دو ہزار نسخے ہاتھوں ہاتھ نکل گئے (اگرچہ اس کی طباعت و کاغذ وغیرہ میں بے شمار نقائص تھے اور اسے مادی اعتبار سے ہرگز دیدہ زیب نہیں کہا جاسکتا تھا جس کا حساب روز قیامت پر میں والوں کو الٹ کائنات کی بارگاہ میں دینا ہوگا)۔

زیر نظر کتاب کے بارے میں بھی میری توقع یہی ہے کہ انشاء اللہ اس کی اشاعت کے

بعد اس کے قدر داں پیدا ہو جائیں گے اور انہیں اس کی اہمیت اور ضرورت کا اندازہ ہو جائے گا۔
 حقیر نے اس کتاب کی تالیف میں وہی ذوق استعمال کیا ہے جو ذوق تفسیر قرآن میں کام کر رہا
 تھا اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر قرآن مجید رب العالمین کی طرف سے بندوں کے لیے ایک
 کتاب تربیت ہے تو اس میں قدم قدم پر تربیت کے نقوش تلاش کرنا چاہئیں اور اس کی
 ہر آیت کو تربیت ٹکڑو نظر کا ذریعہ بننا چاہیے اور اسی طرح اگر غیر اسلام نے عزت ظاہر کو قرآن مجید
 کی علمی تفسیر اور علمی تعمیر کے لیے چھوڑا ہے تو ان کے کردار میں بھی تربیت بشر کے پہلوؤں کو نمایاں
 ہونا چاہیے۔ میری نظر میں اگر ظاہرین کا مقصد اپنے فضائل و کمالات کا اظہار ہرگز نہیں تھا وہ
 فضائل کا اظہار بھی دین خدا اور تربیت بشر ہی کے لیے کیا کرتے تھے اور انہوں نے معاصی کے
 سنگین ترین لمحات میں بھی اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔ ان کے واقعات حیات کو صرف بطور
 فضل و کمال پیش کرنا اور ان کے افادی اور علمی پہلوؤں کو نظر انداز کر دینا سیرت نگاری نہیں ہے
 بلکہ سیرت سے خیانت ہے۔ خال کے طور پر ایک نامور خطیب نے مولائے کائنات کی زندگی کے
 اس واقعہ کو بیان کیا کہ آپ کے سامنے ایک چور لایا گیا جس کا جرم ثابت تھا۔ اصحاب نے سفارش
 کی اور اس کے معب علی ہونے کا حوالہ دیا لیکن آپ نے ہاتھ کاٹ دیے اور جب وہ بازار میں جا کر
 علی کی مدح میں قصیدہ پڑھنے لگا تو آپ نے اسے واپس بلا کر اس کی انگلیوں کو ہاتھ سے ملا کر ریرب
 دعا کی اور اس کا ہاتھ دوبارہ درست ہو گیا، اور اس واقعہ سے یہ استنتاج کیا کہ محبت علی ایک
 ایسی شے ہے جو چوروں کے بھی کام آتی ہے اور ان کے کئے ہوئے ہاتھوں کو بھی جوڑ دیتی ہے۔
 تو میں نے بعد مجلس گزارش کی کہ سرکار واقعات گذر چکے ہیں، انہیں بدلنا نہیں جاسکتا ہے لیکن کم از کم
 استنتاج میں تو دیانت داری برتی جاسکتی ہے۔ آپ کا استفادہ بالکل صحیح ہے لیکن اس کا ماحصل
 قوم میں بد علمی اور بد کرداری پیدا کرنے کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔ کاش آپ نے دو باتوں کو اور بھی
 بیان کر دیا ہوتا کہ حکم شریعت اس قدر عظیم ہے کہ مولائے کائنات نے اس کے معب ہونے کے باوجود
 اس کے ہاتھ کاٹ دیے اور شریعت کے نفاذ میں کسی طرح کی رو رعایت سے کام نہیں لیا، اور
 محبت کو شریعت کی پامالی کا ذریعہ نہیں بننے دیا۔ اس کے بعد جب محبت کی تاثیر کا وقت آیا تو پھر
 اس حقیقت کا اعلان فرمایا کہ دوبارہ ہاتھوں کا علاج اُس ہی محبت کی بنا پر کیا جا رہا ہے جہاں ہاتھ

کٹنے کے بعد بھی تعریف کی جاتی ہے اور بددلی کا اظہار نہیں کیا جاتا ہے۔ اس کا ان مومنین کرام
 اور صحابہ علی سے کوئی تعلق نہیں ہے جو ادنیٰ سی تکلیف پر مولائی ہی پر تنقید کرنا شروع کر دیتے
 ہیں اور ان کا خیال ہوتا ہے کہ مولائی کو بھی احکام شریعت کے نفاذ میں ان سے مشورہ کرنا چاہیے
 تھا جس طرح کہ مباح تقلید کو ہر فتویٰ سے پہلے ان سے استراخ کر لینا چاہیے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے اس کتاب کی وجہ تالیف کا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اس کا مقصد
 واقعات حیات کا جمع کرنا یا ان کے بیان سے مومنین کرام کو خوش کرنا نہیں ہے۔ اس کا مقصد
 واقعات کی اصلی بنیادوں کو تلاش کرنا اور ان سے ناظرین کرام کو روشناس کرنا ہے
 تاکہ ان کی روشنی میں اپنے کردار کی اصلاح کر سکیں اور اپنی دنیا و آخرت کو سوا کر سکیں۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ جس قوم کے پاس چودہ ایسے کردار ہوں جن میں گناہ
 اور جرم کا کیا ذکر ہے۔ یہود و نصاریٰ اور ترک اولیٰ کا بھی گذر نہ ہو اور جن کا تذکرہ صبح و شام
 کیا جاتا ہو، اس قوم میں بے عمل یا بد عمل افراد پیدا ہو جائیں، یا ایسے خطیب اور مقرر پیدا
 ہو جائیں جو بے عملی اور بد علمی ہی کو مذہب کا امتیاز یا کردار کا شاہکار قرار دیتے ہوں۔ اِنَّا
 لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حقیر نے اس کتاب میں پہلی کوشش یہ کی ہے کہ ہر مضمون کی زندگی کا نقشہ اُس ترتیب
 کے ساتھ پیش کیا جائے جس ترتیب کے ساتھ زندگی آگے بڑھی ہے اور اس کے بعد اس کے
 بارے میں دیگر مذاہب کے افراد کے اعترافات اور خود اس مضمون کے فضائل و کمالات
 یا اگر ان قدر بیانات و تعلیمات کا ذکر کیا جائے اور آخر میں ان افراد کا تذکرہ کیا جائے جنہوں
 ان کی تعلیم و تربیت سے فائدہ اٹھایا ہے اور جو درحقیقت ہم جیسے انسانوں کے لیے کردار کا
 اُیڈیل اور نمونہ ہیں۔

ان تمام باتوں کے علاوہ ہر مضمون کی زندگی سے متعلق کوئی خاص موضوع رہا ہے تو
 اس پر الگ سے بحث کی گئی ہے اور درمیان میں اس کے تفصیلی تذکرہ سے واقعات کے
 مسلسل بیان کو مجروح نہیں بنایا گیا ہے۔

میں اپنی اس کوشش میں کس قدر کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ تو اہل نظری کریں گے

نقش

حیات حضرت مرسلِ اعظم

ولادت: ۱۲ ربیع الاول ۱۲ عام ۶۱۰

وفات: ۲۸ صفر ۱۱ھ

البتہ یہ ضرور کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ یہ سیرت نگاری کا ایک نیا رخ ہے جس پر بہت کچھ کام کیا جاسکتا ہے۔ خدا کرے کوئی ایسا باہمت پیدا ہو جائے جسے حالاتِ زمانہ بھی کام کرنے کی اجازت دیں اور وہ اس رخ پر سیر حاصل بحث کر کے قوم کو کردار سازی کے سلیقہ سے آگاہ کرے اور مسموئین کی قوم کو اتنا بلند کردار بنا دے جہاں ”کونوا لتاریئاً ولا تکلونوا علینا شیئاً“ کی جلوہ گری ہو اور کردار سے خود محبت کا اعلان ہو جائے اور محبوب کی عظمت کی نشانی بن جائے۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین۔
والسلام علی من اتبع الهدی۔

السید ذیشان حیدر جوادی

البوظی

۲۳ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ، روز شہادتِ امامِ رضا

نقشِ زندگانی مرسلِ عظیم

ماضی

عربستان کا علاقہ جو تقریباً ۱۳۰۰ سے ۱۶۰۰ میل لمبا اور ۶۰۰ میل چوڑا علاقہ ہے اور جس کا کل رقبہ ۱۲ لاکھ ۳۰ ہزار مربع میل ہوتا ہے یعنی متحدہ جرمنی اور فرانس سے چار گنا زیادہ اور متحدہ ہندوستان سے ایک تہائی کم۔

یہ علاقہ روز اول سے ادیان و مذاہب کا گہوارہ کہا گیا ہے اور دنیا کے بیشتر مذاہب نے اسی علاقہ میں جنم لیا ہے اور اکثر کافرن بھی اسی خط میں بنا ہے۔

اس علاقہ کی نمایاں تاریخ کا دور جناب ابراہیمؑ کے زمانے سے شروع ہوتا ہے جن کی مختصر تاریخ حیات یہ ہے کہ پروردگار عالم نے اپنی قدرت کاملہ سے انھیں مختلف فضائل و کمالات سے آراستہ کر کے توحید کا علم و ارشاد کیا اور علاقہ میں خلق فرمایا اور نرود جیسے باغی اور طغی کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا۔ جناب ابراہیمؑ نے تو لا اور عملاً توحید کی تبلیغ شروع کی اور ایک دن موقع پاکر تمام بتوں کا صفایا کر دیا جس کے نتیجہ میں انھیں آگ میں ڈال دیا گیا۔ رب کریم نے انھیں آگ میں جلنے سے بچالیا اور بسر دآ و سلا مٹا کے چھینٹے دے کر آگ کو گلزار بنا دیا۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر جناب سارہ بنت حاران نے آپ سے عقد کر لیا اور نبوت کی تاریخ میں کمالات کو دیکھ کر پیغامِ عقد دینے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

جناب ابراہیمؑ ابتدائی طور پر بابل میں رہے، پھر وہاں سے کنعان چلے گئے، کنعان میں قحط پڑا تو مصر منتقل ہو گئے۔ وہاں اُس دور کے فرعون کے دربار میں پہنچے تو اُس جناب سارہ کے حسن و جمال کا احساس کر کے بار بار ان کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا، لیکن ہر مرتبہ ہاتھ خشک ہو گیا۔ اس جناب ابراہیمؑ سے وعدہ کیا کہ اگر ان کی دعا سے ہاتھ ٹھیک ہو جائے گا تو آئندہ ایسی تجارت نہیں کرے گا خلیلؑ نے

بارگاہِ الہی میں التماس کی، دعا قبول ہوئی۔ ہاتھ درست ہوا تو اس نے عظمت و کمندار سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی ہاجرہ کو آپ کی خدمت کے لیے دے دیا۔ اس کے بعد آپ کا قیام مقام حرون میں رہا اور وہیں انتقال فرمایا جو آج خلیل الرحمن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جناب سارہ کے ساتھ ایک مدت تک ازدواجی زندگی گزارنے کے بعد جب جناب ابراہیمؑ نے دیکھا کہ ان سے اولاد کا ظاہری امکان نہیں ہے تو جناب ہاجرہ سے عقد کر لیا جس کے بعد جناب اسماعیلؑ کی ولادت ہوئی اور جب جناب سارہ ۹۰ سال کی ہوئیں تو مالک کائنات نے اپنی قدرت کاملہ سے انھیں بھی صاحبِ اولاد بنا دیا اور جناب اسحاق کی ولادت ہوئی۔

ہاجرہ کے یہاں ولادت کے بعد فطری طور پر سارہ کو کشمکش کا شکار ہونا چاہیے تھا اس لیے جناب ابراہیمؑ نے اشارہ قدرت سے اس صورت حال کا یہ حل نکالا کہ جناب اسماعیلؑ اور جناب ہاجرہ کو مکہ میں بنیاد خانہ کعبہ کے قریب ڈال دیا۔ جہاں بے آب و گیاہ ہونے کی بنا پر سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا اور ایک گھونٹ پانی کی تلاش میں جناب ہاجرہ کو سہی کرنا پڑی جس کے نتیجہ میں قدرت نے چشمہ زمزم جاری کر دیا، اور اس طرح کرم پروردگار کا بھی مظاہرہ ہو گیا اور نبی خدا کے تحفظ کی راہ میں سہی کی عظمت کا بھی اظہار ہو گیا۔ اُدھر قبیلہ جرہم کے افراد کا اس علاقہ سے گزرتا ہوا اور انھوں نے چشمہ زمزم کی روانی کو دیکھا تو وہاں پڑاؤ ڈال دیا اور اس طرح ارض حرم کی آبادی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد جناب ابراہیمؑ اپنے گھر والوں سے ملنے کے لیے آئے تو جناب اسماعیلؑ موجود تھے، ان کی زوجہ نے اخلاق و عمارات کا مظاہرہ نہ کیا تو جناب ابراہیمؑ نے طلاق کا اشارہ دے دیا اور اس طرح دوسری شادی قبیلہ جرہم میں ہوئی جس سے اسماعیلؑ کو سکون زندگی نصیب ہوا۔ لیکن اس کے بعد ہی قدرت نے اسماعیلؑ کی قربانی کا حکم دے دیا اور جناب ابراہیمؑ نے پورے حوصلہ کے ساتھ بیٹے کو راہِ خدا میں قربانی کے لیے پیش کر دیا۔ اسماعیلؑ نے بھی اپنے کو مرضی مولد کے حوالہ کر دیا اور اس طرح ابراہیمؑ خلیل اللہ قرار پائے اور اسماعیلؑ ذبیح اللہ۔

ایشاد اور خدا کا یہ سلسلہ نسل ابراہیمؑ و اسماعیلؑ میں جاری رہا۔ یہاں تک کہ جناب عبدمناف پیدا ہوئے جن کا نام عمر العطار تھا۔ ان کے فرزند جناب ہاشم تھے، اور جناب ہاشم کے ایک فرزند عبدالمطلب تھے اور ایک اسد۔ اسد کے گھر میں جناب فاطمہ بنت اسد کی ولادت ہوئی۔ اور عبدالمطلب کے یہاں

متعدد اولاد پیدا ہوئی جن میں سے ایک جناب عبداللہ تھے اور ایک جناب ابو طالب۔

عبدالمطلب کی نذر تھی کہ اگر خدا اس فرزند دبیے کا تو ایک کو راہ خدا میں قربان کر دیں گے چنانچہ جب قربانی کا وقت آیا تو قرعہ جناب عبداللہ کے نام نکلا۔ عبداللہ کے حسن و جمال و کمال کی بنا پر دوبارہ قرعہ ڈالا گیا اور پھر انھیں کا نام نکلا۔ یہاں تک کہ فدیہ لے لیا گیا اور سواونٹ کی قربانی لے کر جناب عبداللہ کو قربانی سے بچایا گیا اور اس طرح عبداللہ بھی ذبح قرار پائے اور رسول اکرم ابن اللذیبین کے صدقاتی قرار پائے۔

عبدالمطلب کا نام عام تھا اور کنیت ابوالحارث۔ لقب شیبہ الحمد تھا اس لیے کہ سر کے بال سفید تھے اور انتہائی خوب صورت۔ باپ کے انتقال کے بعد نایہال میں رہے۔ آخر کار مطلب جا کر وہاں سے لے آئے تو لوگوں نے ہتھیار کہنے کے بجائے ان کا غلام کہنا شروع کر دیا اور اس طرح عام کے ہتھیار عبدالمطلب قرار پائے۔

رسول اکرم کے ارشاد کے مطابق جناب عبدالمطلب پانچ خصوصیات کے حامل تھے:

۱۔ انھوں نے سب سے پہلے باپ کی زوجہ سے عقد کو ممنوع قرار دیا۔

۲۔ خزانہ پر خمس عائد کیا۔

۳۔ حاجیوں کی سفایت اور سیرانی کا انتظام شروع کیا۔

۴۔ ایک انسان کے بدلے سواونٹ کی دیت مقرر کی۔

۵۔ طواف کعبہ کے سات چکر معین کیے۔ اور قدرت نے ان کے اخلاص کی بنا

پر ان تمام اقدامات کو جزو مذہب بنا دیا اور انھیں فرزند کی قربانی کے ارادہ کی بنا پر ابراہیم ثانی کے لقب سے نوازا دیا۔

سختاوت کی بنیاد پر عبدالمطلب مطعم الطیر کے لقب سے مشہور تھے اور ان کا سب سے بڑا کارنامہ اس حوصلہ اور ہمت کا اظہار ہے جو ابراہیم الاشرم کے مقابلہ میں پیش کیا، جب وہ ہاتھیوں کا لشکر لے کر خانہ خدا کو منہدم کرنے کے لیے آیا اور سارے مکہ والے آبادی چھوڑ کر بھاگ گئے جناب عبدالمطلب ابراہیم کے پاس گئے اور اس نے احترام کرنے کے بعد سب پوچھا تو فرمایا کہ تیرے لشکر والوں نے میرے اونٹ پکڑ لیے ہیں۔ میں انھیں واپس لینے آیا ہوں۔ اس نے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تمہیں اونٹوں کی نکر ہے اور اس گھر کی فکر نہیں ہے جسے ڈھانے کے لیے میرا لشکر آیا ہے۔

جناب عبدالمطلب نے فرمایا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے جو عنقریب اسے بچالے گا۔ ابراہیم اس اشارہ کو نہ سمجھ سکا جو ہر مغرور و متکبر انسان کا عالم ہوتا ہے لیکن رب العالمین نے عبدالمطلب کے بیان کی لاج رکھ لی اور ابابیل کا لشکر بھیج کر ابراہیم کے لشکر کا خاتمہ کر دیا اور اس طرح چھوٹی طاقت سے سپر پاور کے ہارنے کا قدرتی نظام سامنے آ گیا اور ابراہیم کو ہاتھ پر بیکسے مرنا بھی نصیب نہ ہوا۔

ابراہیم کی فوج میں ساٹھ ہزار افراد تھے جن میں تو یا تیرہ بڑے بڑے ہاتھی تھے اور سب سے بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا جس سے خانہ کعبہ کے انہدام کا کام لینا تھا جو قدرت کی تدبیر خاص سے کامیابی میں تبدیل ہو گیا۔

یہ عبدالمطلب کا کمال ایمان تھا کہ انھوں نے گھر کی حفاظت میں بتوں کا حوالہ نہیں دیا۔ بلکہ ایک غیبی طاقت کا حوالہ دے کر یہ واضح کر دیا کہ مالک اصلی یہ بت نہیں ہیں خدا ہے۔ اور اطمینان قلب کا راز ظاہر پر ایمان نہیں ہے بلکہ ایمان بالغیب ہے۔

حال

جن سال ابراہیم کی تباہی اور خانہ خدا کی حفاظت خاص کا واقعہ پیش آیا، اس سال کو عام الفیل کہا جاتا ہے اور اسی سال رسول اکرم کی ولادت ہوئی۔ عام شیعہ روایات کی بنا پر، ربیع الاول کو اور عام سنی روایات کی بنا پر ۱۲ ربیع الاول کو۔ مصر کے مشہور عالم فلکیات کی تحقیق کی بنیاد پر بقول مولانا شبلی ۹ ربیع الاول کو۔ انگریزی سال کے اعتبار سے مشہور مسلک ۲۹ اگست ۶۰۰ء ہے اور مولانا شبلی کا مسلک ۲۰ اپریل ۶۰۰ء ہے۔

مقام ولادت شعب ابی طالب تھا۔ جس مکان کو رسول اکرم نے عقیل کو بہرہ کر دیا تھا اور انھوں نے محمد بن یوسف ثقفی کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا جس کے بعد ہارون رشید نے اسے خرید کر کولہ النبی قرار دے دیا۔ بقولے

زمانہ محل میں جناب آمنہ کو خواب میں بشارت ہوئی کہ بچہ کا نام احمد رکھا جائے (ابن سعد)۔ اور بروایت اہل خاندان کے مشورے سے عبدالمطلب نے محمد لے لیا۔ لیکن حتی یہ ہے کہ یہ کام بھی بذریعہ الہام

انجام پایا ہے اس لیے کہ جب آل رسول کے اسمائے گرامی قدرت کی طرف سے نازل ہوئے ہیں تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ خود رسول اکرم کا اسم گرامی اہل خاندان کے مشورہ کا ممنون کر م ہو جائے۔

آپ شکم مادر میں تھے کہ آپ کے والد بزرگوار جناب عبداللہ کا انتقال ہو گیا اور بروایت سید القاضی شہلی بحوالہ طبقات ابن سعد۔ آپ کو اپنے والد محترم کی طرف سے میراث میں ایک ام المین کنیز، پانچ اونٹ اور چند دنبیاں ملیں۔ اور اس طرح انبیاء کے یہاں میراث نہ ہونے کا مفروضہ روز اول ہی باطل ہو گیا۔

رضاعت

مورخین کے قول کی بنا پر تین دن یا سات دن یا نو دن جناب آمنہ کا دودھ پیا۔ اس کے بعد مستقل رضاعت کے لیے حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیے گئے جہاں دو برس کی عمر تک بچے اور صحرا کی کھلی آب و ہوا میں پرورش پاتے رہے اور اپنے تبلیغی ماحول کا جائزہ لیتے رہے۔ وہاں سے واپس آئے تو دو برس کے بعد مادر گرامی کا انتقال ہو گیا، اور اب مستقل طور پر اپنے دادا جناب عبدالملک کے ساتھ رہنے لگے۔ ۸ برس کی عمر تھی کہ ان کا بھی انتقال ہو گیا اور انھوں نے اپنی خداداد فریضت کی بنیاد پر کفالت و حفاظت کا سارا کام جناب ابوطالب کے سپرد کر دیا جو آخر دم تک اس فریضہ کو بحسن و خوبی انجام دیتے رہے، اور اس طرح کفالت و حفاظت کی کہ ان کے انتقال کے بعد رسول اکرم نے انھیں احسانات کو یاد کر کے ان کا مرثیہ پڑھا۔

شغل زندگی

دس برس کی عمر سے اپنی اصلاحی صلاحیت کے اظہار کے لیے گلہ بانی کا کام شروع کیا اور اس طرح قوم پر واضح کرتے رہے کہ میں جانوروں کی بھی اصلاح کر سکتا ہوں اور مجھ میں یہ صلاحیت دوسرے افراد سے کہیں زیادہ پائی جاتی ہے۔ آپ کے جانوروں کی چراگاہ مقام حیلہ کے پاس قرار یط میں تھی جسے امام بخاری نے اپنی کتاب میں قیراط کی جمع اور سنگ بنا کر حضور کو ضروری پر جانور چرانے والا بنا دیا جب کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ دوسرے افراد کا کاروبار تھا جسے رسول اکرم کے حوالے کر دیا گیا ہے۔

۱۷ برس کی عمر میں پہلا تجارتی سفر شام کی طرف اپنے چچا جناب ابوطالب کے ساتھ کیا۔ جہاں چند لمحوں کے لیے عیبار ارباب کا سامنا ہو گیا جس نے سرور ابرو کو سایہ نلگن دیکھ کر ابوطالب کو نصیحت کی کہ اس بچہ کو وطن واپس کر دیں یا اس کی خصوصی نگرانی کریں کہ یہ مستقبل میں ایک بڑی شان والا لہے اور یہودیوں کو اس بات کی اطلاع ہو گئی تو وہ زندہ نہ چھوڑیں گے۔ اس ادنیٰ طاقت کا اثر یہ ہوا کہ عیسائیوں نے عیبار کو آپ کا معلم بنا دیا اور قرآن کے تمام قدیم روایات و معلومات کو اس کی تعلیم کا ممنون کر م بنا دیا اور یہ ان نو مسلم افراد کی سازش سے ہوا جو خاص مقاصد کے تحت حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔

اس کے بعد آپ نے اپنے امام کے ساتھ حرب فجار میں حصلیا۔ جس کی بنیاد یہ تھی کہ ماضی کے خون ناحق کا بدلہ لیا جائے اور اسی انتقام کے جواز کی بنیاد پر آپ نے اس میں شرکت کی نظموں کی دے دی تھی درنہ اسلام کا مقصد یہی تھا کہ گزشتہ تمام معاملات کو کسی نہ کسی طرح ختم کر دیا جائے۔ حرب الفجار ہی کی طرح حلف الفضول کا معاہدہ تھا جس میں متعدد فضل نامی افراد نے مظلوم کی اعانت کا معاہدہ کیا تھا اور آپ نے اسی جذبہ کے تحت اس میں بھی شرکت فرمائی تھی اور آخر تک اپنے اس عہد پر قائم رہے۔

اس کے بعد کعبہ کی تعمیر کا کام شروع ہوا تو مختلف قبائل نے ایک ایک طرف کی دیوار کی تعمیر کا کام لے لیا جب حجر اسود کے نصب کرنے کی باری آئی تو ایک قیامت خیز جنگ کا کھڑا ہو گیا اور آخر میں یہ طے پایا کہ جو شخص سب سے پہلے باب بنی شیبہ سے داخل ہو اسے حکم بنا دیا جائے۔ تھوڑی دیر میں رسول اکرم داخل ہوئے اور آپ نے ایک چادر یا اپنی عبا میں پتھر کو رکھ کر سارے قبائل کو اٹھانے کا حکم دیا اور جب سب نے بلند کر دیا تو آپ نے چادر سے اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب کر دیا اور اس طرح واضح ہو گیا کہ کسی کو اس کی صحیح جگہ پر اٹھانے کا کام رسول اکرم کے علاوہ کوئی انجام نہیں دے سکتا چاہے وہ افراد ہوں یا قبائل۔

۲۵ سال کی عمر میں دوسرا سفر تجارت کیا جس میں خدیجہ کے مال کو مزارعہ اور وکیشن کے طور پر بیچنے کے لیے لے گئے اور جناب خدیجہ نے اپنے غلام مسرہ کو ساتھ کر دیا، جس نے واپس آ کر اس قدر فضائل و کمالات کا تذکرہ کیا، اور خود خدیجہ نے بھی اس قدر برکت اور ضعف کا مشاہدہ

کیا کہ اب اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا تھا کہ خبر بوقت کا پیغام دے دیں۔ چنانچہ ایک محترم خاتون نفیسہ کو بھیج کر پیغام دیا اور حضور نے اس پیغام کو منظور کر لیا اور عقد کی تاریخ طے ہو گئی۔

حضور اکرم کی طرف سے جناب ابوطالب نے اور خدیجہ کی طرف سے ورقہ بن نوفل نے عقد پڑھا جس وقت تک شیخ طوسی، سید مرتضیٰ وغیرہ کے ارشاد کے مطابق جناب خدیجہ باکرہ تھیں اور آپ نے تمام اشرف قریش کے پیغامات کو رد کر دیا تھا۔

عقد کے موقع پر جناب ابوطالب نے ایک تاریخی خطبہ پڑھا۔ جو مطالب کے اعتبار سے بھی بے نظیر ہے اور اخلاص عمل کے اعتبار سے بھی اسلام میں عقد کا ایک حصہ قرار پا گیا ہے۔

اس واقعہ کے تقریباً پانچ سال بعد اور صوبہ آدم سے ۶۱۹۳ برس بدست اور سترہ سال بعد میں جناب ابوطالب کے یہاں حضرت علی کی ولادت ہوئی۔ جن کی ولادت کے لیے رب کریم نے خاص اپنے گھر کا انتخاب کیا اور اس طرح ابوطالب کو ان کے خدمات کا پہلا انعام عطا کیا گیا کہ رسول اکرم کی ولادت ان کے گھر میں ہوئی اور ان کے فرزند کی ولادت رب العالمین کے گھر میں ہوئی۔

اس کے دس سال کے بعد جب آپ کی عمر تقریباً چالیس سال کی تھی تو آپ پر سورہ اقصیٰ کی شکل میں پہلی وحی نازل ہوئی۔ جس نے قرأت، تعلیم، قلم وغیرہ کا ذکر کر کے اسلام کے مزاج قانون کی نشان دہی کی اور اس طرح اعلان دین خدا کی راہ ہموار ہونے لگی۔ سلاطین میں اس وحی اول کے نزول کو بشت رسول سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا واقعہ ۲۷ رجب کو پیش آیا۔

بشت کے بعد تین سال تک خفیہ تبلیغات کا سلسلہ جاری رہا اور آپ مختلف افراد کو اس وحی اول کے مضمون اور مفاد سے باخبر کرتے رہے۔

تین سال کے بعد اعلان کا حکم ہوا تو آپ نے کوہ صفا کے پاس تمام قریش کو جمع کر کے فرمایا کہ اگر میں بوجہ ردوں کہ پھاٹکے پیچھے سے ایک لشکر حملہ کرنے والا ہے تو تم بغیر دیکھے اعتبار کرو گے یا نہیں؟ سب نے اقرار کیا کہ ہم نے آپ سے سچ کے علاوہ کچھ نہیں سنا ہے تو فرمایا کہ میں تمہیں عذاب الہی سے ڈرا رہا ہوں جو اس بڑی برستی کے نتیجے میں پیش آنے والا ہے۔ سماج میں ہنگامہ کھڑا ہو گیا لیکن آپ نے اسلام کی پیشکش کا سلسلہ ایمان بالنبی سے شروع کیا جس کے بغیر مذہب کی کوئی افادیت نہیں ہے۔

ادھر اہل خاندان کو باقاعدہ دعوت دینے کا حکم آ گیا تو آپ نے حضرت علی کے ذریعہ تمام خاندان

کو مدعو بھی کیا اور سب کے کھانے کا انتظام بھی کیا۔ جس کے بعد پہلے دن لوگوں نے بات سننے سے انکار کر دیا تو دوسرے دن پھر دعوت کی اور بشکل تمام اپنا پیغام پیش کر دیا اور قوم سے نصرت و امداد کی درخواست کی جس کے معاذض میں وصایت، وزارت اور خلافت کا وعدہ بھی کیا جو اپنے مشن کی کامیابی کے یقین کا کھلا ہوا اعلان تھا۔ لیکن حضرت علی کے علاوہ کسی نے اس مطالبہ پر توجہ ردی تو بالآخر تمام حجت کے بعد ان کی وصایت و وزارت و خلافت کا اعلان کر دیا اور اسلام کی پہلی دعوت تینوں عقائد کی حامل قرار پا گئی۔ تو خدا کا بھی اعلان ہو گیا۔ رسالت سرکار و عالم کا بھی اعلان ہو گیا اور وصایت و وزارت علی کا بھی اعلان ہو گیا۔

اس اعلان عام کے بعد قریش کی طرف سے مخالفتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اس سلسلے میں سب سے پہلے حارث بن ابی ہالہ کو شہید کیا گیا جو اعلان رسالت کے چوتھے سال اسلام کے پہلے شہید ہیں۔ حارث کی شہادت کے بعد شہادتوں اور اذیتوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جس میں مرد عورت آزاد غلام سب شریک رہے اور کسی ایک کو معاف نہیں کیا گیا۔

مردوں میں جناب یاسر کو بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا۔ جناب بن اللات کو انگاروں پر لٹایا گیا۔ بلال کو گرم ریت پر لٹایا گیا۔ یہ اگرچہ قتل نہیں کیے گئے مگر یہ اذیت کسی قتل سے کم نہیں تھی۔ افع ابولخیر کو رسیوں میں باندھ کر کھینچا گیا۔ صہیب رومی کو سارا سامان پھین کر مکہ سے باہر نکال دیا گیا۔ عورتوں میں جناب یاسر کی اہلیہ سیدہ، حضرت عمر کی بہن فاطمہ، زینرہ، نہدیہ، ام عیسیٰ جی تو انہیں کسبے حد اذیت دی گئی اور بعض کو قتل ہی کر دیا گیا۔

ادھر دو برس کی عمر میں قاسم بن یغیرہ کا انتقال ہو گیا تو دشمنوں نے ایک روحانی اذیت کا سامان فراہم کر دیا اور حضور اکرم کو ابتر کر کے بچا کرنے لگے۔ گویا ان کی نسل کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے اور جس کی نسل باقی رہے اس کا دین اور مذہب، کیا باقی رہے گا۔ قدرت نے اس طعنہ ابتر کے جواب میں، ہجرت کے بعد بشت کو سرچشمہ کوثر جناب فاطمہ کی مقدس ہستی کا تحفہ رسول اکرم کو عنایت فرمایا اور دشمن کے ابتر ہونے کا اعلان کر دیا۔ جو وجود فاطمہ کا پہلا سکون تھا جو رسول اکرم کو سخت ترین حالات میں نصیب ہوا۔ حالات اس قدر ابتر تھے کہ ایک ماہ کے بعد جب شہد بشت میں رسول اکرم کو مسلمانوں کو حکم ہجرت دینا پڑا اور پہلا قافلہ حبشہ کی طرف متوجہ افراد پر مشتمل روانہ ہو گیا جس میں جعفر طیار شامل

زنتے۔ چند دنوں کے بعد دوسرا قافلہ حضرت جعفر بن ابیطالب کی قیادت میں روانہ ہوا جس میں ۸۶ مرد اور ۱۱ عورتیں تھیں یعنی کل ۱۰۲ افراد۔

مسلمانوں کی اس تعداد کے شہر سے باہر نکل جانے پر باقی افراد مزید ظلم و ستم کا نشانہ بننے لگے چنانچہ ابو جہل نے خصوصیت کے ساتھ حضور کو ستانا شروع کر دیا جس کی خبر سن کر جناب عمرہ کو جوش آگیا اور انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا جس کے بعد رسول اکرم کو واقعی ایک قسم کا سکون نصیب ہو گیا اور اسلام ایک بڑے سپاہی اور مجاہد کا مالک ہو گیا۔

ادھر قرآن کریم کی بلاغت اور اہل ایمان کے استقلال نے ایک نئی کرامت کا مظاہرہ کیا کہ حضرت عمر بن الخطاب کی سین نے اسلام کا اعلان کر دیا اور انہیں اطلاع ملی تو بہن کے گھر پہنچ گئے اور اپنے امکان بھراریٹھ کر دوبارہ کفر کی طرف واپس لانے کی کوشش کی، لیکن بہن نے انکار کر دیا اور اس کے بعد جب آیات قرآنیہ کی تلاوت ہی تو خود بھی اسلام قبول کر لیا اور بظاہر اسلام ایک بڑے خطرے سے محفوظ ہو گیا۔ اذیتوں کے باوجود اسلام کی برہمتی ہوئی شوکت اور قبولیت کو دیکھ کر کفار نے مصالحت آمیز رویہ اختیار کرنا شروع کیا اور پہلے جناب ابوطالب کے ذریعہ ترک تہمت کا پیغام دیا جسے ابوطالب نے ان نغظوں میں پہنچایا کہ فرزند تمہارے بنی عم کا خیال ہے کہ تم انہیں اذیت دے رہے ہو، اور وہ تم سے ترک تبلیغ کا مطالبہ کر رہے ہیں، تو آپ نے ان تاریخی نغظوں میں جواب دے دیا کہ اگر میرے ایک ہاتھ پر چاند اور ایک ہاتھ پر سورج رکھ دیا جائے کہ میں تبلیغ اسلام کو ترک کر دوں تو یہ ممکن نہیں ہے اور اس طرح ابیہی عظیم ہمت اور کفر کی بے بسی کا اعلان کر دیا۔

اس جواب کے بعد کفار نے براہ راست جناب ابوطالب سے سودا کرنا چاہا کہ ہم محمد کے بدلے اپنے ایک فرزند عمارہ کو تمہارے حوالے کیے دیتے ہیں اور تم محمد کو ہلاک کے حوالے کر دو تاکہ ہم ان کا فاترہ کر کے اس نئے دین سے نجات حاصل کر لیں۔ جناب ابوطالب نے فرمایا کہ یہ قدر احمقانہ فیصلہ ہے کہ میں تمہارے فرزند کی پرورش کروں اور تم ہمارے فرزند کو قتل کر دو، اور اس طرح کفار کی سوئے بازی کا سلسلہ موقوف کر دیا اور اپنے کمال ایمان و دیانت اور اذیتوں کے عقل فرست کا اعلان کر دیا۔

کفار نے اس صورت حال کا اندازہ کر کے بائیکاٹ کا منصوبہ بنایا کہ بنی ہاشم پر اس قدر

اقتصادی اور سماجی دباؤ ڈالا جائے کہ محمد کو ہمارے حوالے کرنے پر مجبور ہو جائیں جو ہر دور کے ظالم کا آخری حربہ ہوتا ہے۔ منصور بن مکر نے معاہدہ لکھا اور چالیسٹس افراد نے اس پر دستخط کیے اور اس طرح بنی ہاشم کی زندگی کو خطرہ میں ڈالنے کا آخری منصوبہ تشکیل پا گیا۔

ادھر جناب ابوطالب نے یکم محرم سنہ ہجرت (۶۱۰ء) کو سارے گھرانے کو لے کر شعب میں قیام اختیار فرمایا اور اس طرح آغاز محرم سے مسلمانوں کی مصیبت کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا جس کا عاتق اس فوج میں پرہو اک مظلومیت نے ظلم پر فوج پائی اور تین سال کے بعد ہشام مخزومی کو بنی ہاشم کے حال پر رحم آگیا اور اس نے معاہدہ کے خلاف آواز اٹھانا شروع کر دی، ادھر رسول اکرم نے جناب ابوطالب کے ذریعہ خبر پہنچائی کہ عہد نامہ کو دیکھنے لکھا گیا ہے اور سوائے نام خدا کے کچھ باقی نہیں رہ گیا ہے۔ کفار نے صداقت کا استہتان لینے کے لیے عہد نامہ کو کھولا تو بات بالکل صحیح نکلی اور اس طرح کفار اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہو گئے اور رسول اکرم کو ظلم کے مقابل میں ایک نئی فتح حاصل ہوئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ سب ایک دن فنا ہو جانے والے ہیں، صرف نام خدا باقی رہنے والا ہے۔ منصور بن مکر کے ہاتھ نکل ہو گئے اور محرم سنہ ہجرت میں مسلمانوں کو اس قدر سے نجات مل گئی۔

واضح رہے کہ اسلام کے اس سخت ترین دور میں بنی ہاشم کے علاوہ کسی شخص کا بھی ذکر تاریخ اسلام میں نہیں ہے اور نہ کوئی سابق الاسلام اسلام کے اس درد دہن میں شریک رہا اور نہ اسلام کی خاطر کسی طرح کی قربانی دی۔

شعب ابی طالب کے ان مصائب نے بنی ہاشم کو اس قدر متاثر کیا اور تین سال کے فاقوں اور درختوں کے پتوں پر گزارہ کرنے کا یہ اثر ہوا کہ تھوٹے عرصے کے بعد جناب ابوطالب کا انتقال ہو گیا اور ماہ مبارک میں جناب خدیجہ بھی دنیا سے رخصت ہو گئیں اور اسلام اپنے دونوں پشت پناہوں سے محروم ہو گیا۔ اب نہ ابوطالب جیسا مرد آہن اور باوقار بزرگ رہ گیا نہ خدیجہ جیسی صاحب دولت اور بااخلاص خاتون۔ رسول اکرم پر ان حادثات کا اس قدر اثر ہوا کہ آپ نے پورے سال کو عام الحزن کا نام دے دیا اور اسلام کے مصائب کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔

مستقبل اسلام

حضرت ابوطالب کے انتقال کے بعد جب کہیں پناہ کا مکمل انتظام نہ رہ گیا تو قدرت نے آپ

جیب خاص کو ہجرت کا حکم دے دیا اور اس طرح ۳۰ بشت میں رسول اکرم حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر لٹا کر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے اور حضرت علیؑ نے یہ معلوم کر کے کہ اس طرح رسول اکرمؐ کی جان محفوظ رہے گی۔ تاریخ اسلام کا پہلا سجدہ شکر انجام دیا۔

یہ واقعہ ۲ ربیع الاول کو پیش آیا یعنی ستمبر ۶۲۲ء میں۔ جب رسول اکرمؐ کی عمر تقریباً ۵۳ سال تھی اور حضرت علیؑ کی عمر تقریباً ۲۳ سال۔

تھوڑے وقفے تک غار ثور میں قیام رہا جہاں بروایت درمشورج ۲ ص ۲۴۰، طبری ج ۲ ص ۳۲۲ رسول اکرمؐ کی نصیحت کے مطابق کھانے پینے کا انتظام حضرت علیؑ ہی کرتے رہے جس طرح کہ رسول اکرمؐ کے پاس صحیح شدہ امانتوں کی واپسی اور نئی ہاشم کی خواتین کے مدینہ پہنچانے کی ذمہ داری بھی حضرت علیؑ ہی کے سپرد تھی۔

غار ثور سے نکل کر خیمہ ام مجد میں قیام فرمایا جہاں اس کی بکری کا دودھ نکالا اور دست بکر کی اس قدر رکٹ سامنے آئی کہ ام مجد اور اس کا شوہر دونوں مسلمان ہو گئے۔ ادھر آپؐ نے کئی کر کے پانی درخت کی جڑ میں ڈال دیا جس سے درخت شاداب ہو گیا اور پھر جب چانک ایک دن اس کے پتے پھڑکے تو انکشاف ہوا کہ یہ سرکارِ دو عالم کی وفات کا دن تھا۔ دوبارہ پھر ہی حادثہ پیش آیا تو معلوم ہوا کہ یہ روزِ شہادت حضرت علیؑ تھا۔ اس کے بعد روزِ عاشور اس کی جڑ سے خون اُبلنے لگا اور اس طرح رسولؐ و آلِ رسولؐ کے غم میں کل کائنات کی شرکت کا فطری ثبوت فراہم ہو گیا۔ (ربیع الاول ۱۲ ہجری) ادھر سراقہ بن جشم آپؐ کے تعاقب میں چلا تو اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ دوبارہ پھر تھو ادنٹ کے انعام کی لالچ میں آگے بڑھا تو پھر بھی واقعہ پیش آیا اور آخر کار آپؐ نے سہارا سے کھٹکالیا تو مسلمان ہو گیا۔ ابو بردہ اسلمی نے بھی تعاقب کیا تو آپؐ نے بردا و سلاٹا کا حوالہ دیا اور وہ بھی مسلمان ہو گیا۔

مکہ و مدینہ کے درمیان ۲۰ منزلوں پر قیام کر کے قریب مدینہ پہنچے تو مقام قیام قیام فرمایا۔ یہ تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۳۰ بشت کی تھی۔ چار روز یہاں قیام رہا۔

تین روز کے بعد حضرت علیؑ آگے اور مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔ اس لیے کہ تبلیغ اسلام کا کوئی کام حضرت علیؑ کی شرکت کے بغیر شروع ہونے والا نہ تھا۔

۲۲ ربیع الاول کو مدینہ میں داخلہ ہوا اور گرام بنا۔ قبیلہ بنی سالم میں جمعہ کا دن آ گیا تو اسلام کی پہلی نماز جمعہ ادا ہوئی جس میں سوا افراد نے شرکت کی۔

مدینہ میں داخل ہونے پر انصار کی عورتوں اور بنی بنجار کی لڑکیوں نے استقبالیہ ترانہ پڑھا۔ اس وقت حضور ناقہ قصویٰ پر سوار تھے اور آپ کا اعلان تھا کہ جہاں یہ اونٹ بیٹھ جائے گا وہی میری قیام گاہ ہوگی۔ یہ امر مددگار کی طرف سے مقرر ہو چکا ہے۔ ناقہ حضرت ابوالیوب کے دروازہ پر ٹھہرا تو آپؐ نے وہیں قیام فرمایا۔ ان کا مکان دو منزلہ تھا۔ آپؐ نے نیچے کے حصہ میں قیام فرمایا کہ اس طرح لوگوں کی ملاقات میں سہولت ہوگی اور کار تبلیغ باسانی انجام پاسکے گا۔

مدینہ کا اصلی نام یشرب تھا۔ اس کی بنیاد سام بن نوح یا یوشع بن نون نے رکھی تھی یہاں یہودیوں کا کاروبار تجارت تھا اور اس دن خورج کے قبائل زراعت کا کام کستے تھے۔ کئی ۲۰ قبائل آباد تھے۔ جزائیاتی اعتبار سے ایک طرف کوہ عیر، دوسری طرف کوہ سلح، شمال میں کوہ احد اور باقی مختلف پہاڑیاں۔

مدینہ میں سات ماہ قیام کے بعد امجد بن زرارہ کے دوستیم بچے سہل اور سہیل کی زمین دس دینار میں خرید لی تاکہ اس پر مسجد کی تعمیر کی جائے اور حضور اکرمؐ نے مسجد نبویؐ کا سنگ بنیاد رکھا اور اس تاریخی مسجد کی تعمیر عمل میں آئی۔

اس کے بعد حکم پر دروگاہ سے نازیبنگانہ کی ۷۰ رکعتوں کا تین ہوا اور جماعت کا سلسلہ شروع ہو گیا تو اعلان کے لیے ایک وسیلہ کی ضرورت محسوس ہوئی اور حضور نے دوسرے احکام کی طرح وحی پر دروگاہ کے مطابق اذان کا حکم دیا اور بلا پہلے مؤذن قرار پائے۔ (دانش رہے کہ احکام الہیہ میں کسی شخص کی رائے یا کسی کے خواب کی کوئی قیمت نہیں ہے اور اذان کی تشریح کا جملہ اللہ بن زید یا عمر بن الخطاب کے خواب کی طرف منسوب کرنا ایک تاریخی افسانہ ہے جس کی اسلام میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔)

مسلمانوں کی عبادت کا انتظام کرنے کے بعد حضور نے سیاسی اور اجتماعی معاملات پر توجہ دی اور انس بن مالک کے گھر میں انصار اور ہاجرین کے درمیان برادری کا رشتہ قائم کیا گیا ابو بکر خاریج بن زید کے بھائی قرار پائے اور عمر عثمان بن مالک کے، عثمان کو اس بن ثابت کا

بھائی قرار دیا گیا اور ابو عبیدہ کو سعد بن معاذ کا، عمار حذیفہ کے بھائی قرار پائے، اور سلمان ابو دراد کے مصعب بن عمیر کی، برادری ابو ایوب سے طے ہوئی اور ابو ذر کی برادری منذر بن عرسے، بلال کی انوت اور زید سے طے پائی اور حمزہ کی انوت زید بن عارض سے۔ ایک حضرت علیؑ تھے جنہیں رسول اکرمؐ نے دنیا اور آخرت میں اپنا بھائی قرار دیا اور اس کے علاوہ اصحاب میں کسی کو یہ شرف حاصل نہیں ہو سکا۔

انصار نے موافقات کا حق ادا کیا اور اپنے جملہ اموال میں ہاجرین کو شریک بنالیا لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد ہاجرین کو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا خیال پیدا ہوا اور مختلف کاروبار شروع ہو گئے۔ ابو بکرؓ برازیلے، عمرؓ نے دلائی کا کام شروع کیا اور عثمانؓ... بیٹھے لگے۔

مدینہ آبادی کے اعتبار سے ابتدا میں یہودیوں کا مرکز تھا۔ اس کے بعد یمن سے اہل اور خوزج نام کے دو شخص آکر آباد ہو گئے اور انہوں نے یہودیوں سے معاہدہ کر لیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد دونوں فریقوں میں اختلاف ہو گیا اور یہ اختلاف برقرار رہا۔ رسول اکرمؐ نے اس صورت حال کے پیش نظر مدینہ پہنچ کر ایک عام عہد نامہ تیار کیا جس میں مسلمان، یہود اور مدینہ کے تمام قبائل شامل تھے۔ مشہور روایات کی بنا پر اس معاہدہ میں ۷۴ دفعات تھیں جو ایک عام اجتماعی زندگی کے لیے مکمل دستور العمل کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اب ہجری سال کا سلسلہ شروع ہو گیا جن کی بنیاد طبری وغیرہ کے اشارہ کی بنیاد پر رسول اکرمؐ ہی نے قائم کی تھی اور بعد میں حضرت علیؑ نے اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اس کا تعلق کسی دوسرے صحابی یا مورخ سے نہیں ہے۔ ہجرت اسلامی تاریخ کا سب سے اہم واقعہ ہے جس میں ایثار قربانی اور فداکاری کے بے مثال مرقع پائے جاتے ہیں اور یہی اسلامی تعلیمات کا مرکزی نقطہ ہے۔

سلسلہ میں ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل کا انتقال ہوا اور عبداللہ بن زبیر اور مختار بن ابو عبیدہ نضیق کی ولادت ہوئی۔

۲۷ھ میں ہجرت کے ۷۱ یا ۱۹ھ میں نے کے بعد یمن نماز کی حالت میں قبلہ کی تبدیلی کا حکم آگیا جب حضور برابن معرور کے مکان یا مسجد بنی سالم میں نماز ظہر میں مشغول تھے اور اس طرح اس مقام پر مسجد قبلتین کی تعمیر ہو گئی اور مسلمانوں کو یہودیوں کے طعنوں سے نجات مل گئی کہ انہوں نے نبیادین تو ایجاد کر لیا ہے لیکن انہیں ہمارے قبلہ کے علاوہ دوسرا قبلہ بھی نصیب نہیں ہے۔

ہجرت کے تقریباً ایک ماہ کے بعد ربیع الثانی میں حضر میں بعض نماز کی دو کعتوں پر دو کعتوں

کا اضافہ کر دیا گیا اور ظہر و عصر و عشاء کی چار رکعتیں ہو گئیں جو حضر میں باقی رہتی ہیں اور سفر میں ختم ہو جاتی ہیں۔

اس کے بعد کفار کی طرف سے مزاحمتوں کا سلسلہ شروع ہوا اور سرکارِ دو عالم کو مسلح طور پر معتابل کرنا پڑا۔ بعض معرکوں میں آپ نے خود شرکت فرمائی جسے غزوہ کہا جاتا ہے اور اس کی تعداد تقریباً ۲۶ ہے۔ اور بعض میں دوسرے مسلمانوں کو سردار بنا کر بھیج دیا جسے سر یہ کہا جاتا ہے اور جس کی تعداد تقریباً ۳۶ ہے۔ اور بعض مورخین کے بیان کے مطابق غزوات کی تعداد ۲۸ ہے۔ بہر حال حضور اکرمؐ کو دس سال کے عرصہ میں تمام ذمہ داریوں کے علاوہ ان معرکوں کو بھی برداشت کرنا پڑا جو آپ کی عظمت کو داد کی سب سے عظیم دلیل ہے۔

ابتدائی طور پر حضر ۲۷ھ میں وادان یا اباد کی مزاحمت ہوئی۔ اس کے بعد ربیع الاول میں حکمران ابی جہل سے مد بیٹھ ہوئی۔ ربیع الثانی میں مقام اوطاک تک حضور خود تشریف لے گئے جہادی اللوئی میں عشرہ تک جانا پڑا۔ دس دن کے بعد کرز بن جابر فہری نے جانور کھلا لیے تو اس کا تعاقب کیا گیا جسے بدر اولیٰ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جہادی الثانیہ رجب اور شعبان میں قدرے سکون رہا۔ اس کے بعد ماہ رمضان میں بدر کبریٰ کا معرکہ پیش آیا جو اسلام کا سب سے پہلا مشہور ترین معرکہ ہے۔

بدر میں مسلمانوں کا ٹکڑا سا مان جنگ تین گھوڑے، شتر، اونٹ، اونٹنی اور ۹ زہریں تھیں، افراد کی تعداد ۳۱۳ تھی۔ اور ادھر فوج دشمن مسلح اور ۹۵۰ افراد پر مشتمل تھی۔ ۳۱۳ افراد میں ۷۳ ہاجرین تھے اور ۲۳۶ انصار۔ علم لشکر حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھا اگرچہ آپ کے لیے یہ پہلا جنگی تجربہ تھا اور حضرت حمزہ جیسے آزمودہ کار موجود تھے لیکن جس کے پاس وہی صلاحیت موجود ہوتی ہے وہ تجربات کا محتاج نہیں ہوتا ہے۔

بدر کا معرکہ اگرچہ پہلا معرکہ تھا اور لشکر اسلام انتہائی بے سرو سامانی کے عالم میں تھا۔ لیکن نصرت خداوندی کا نتیجہ ہوا کہ لشکر کفار کے اکثر سردار عقبہ بن ربیعہ، شبہ بن ربیعہ، ولید بن عقبہ، ابو جہل بن ہشام، رفد بن اسود، ابو البخری بن ہشام، امیر بن خلف، نبیہ اور منبہ بن الحجاج سب ہی کام آگے اور اس طرح کفر کے حوصلے بڑی حد تک پست ہو گئے، اور شاید اس نصرت خداوندی کا راز یہی تھا کہ مسلمانوں کا اعتماد لشکر پر تھا اور نہ اسلحہ پر بلکہ تمام تر اعتماد نصرت الہی پر تھا اور ایسے حالات میں نصرت الہی

کام آتی ہے ورنہ جب اعتماد غیر خدا پر شروع ہو جاتا ہے تو لاکھوں کی تعداد کے ہونے کے باوجود شکست کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آتا جیسا کہ دور حاضر میں برابر دیکھنے میں آ رہا ہے۔

بدر کے واقعی مجاہد تو صرف جناب حمزہ، جناب عبیدہ اور جناب علی مرتضیٰ، یعنی کل اولاد عبدالمطلب تھی۔ لیکن جب مال غنیمت ہاتھ آگیا تو سب دعویٰ دار ہو گئے اور اس اخلاص جہاد کے باوجود وطن دنیائے پنا کام کرنا شروع کر دیا جس کے نتیجے میں سورہ انفال نے سارا مال ملک رسول بنا دیا اور آپ نے تمام مسلمانوں پر برابر بر تقسیم کر دیا کہ واقعی مجاہدین اس قدر غفلت ہیں کہ انھیں زماں کی پرواہ ہے اور نہ وہ اس قسم کی تقسیم پر اعتراض کرنے والے ہیں۔

جنگ بدر میں اسیروں کے بارے میں رسول اکرم کو اختیار تھا کہ چاہے یوں ہی آزاد کر دیں یا فدیہ لے کر آزاد کریں۔ چنانچہ آپ نے دونوں طریقہ کار اختیار فرمائے۔ عباس بن عبدالمطلب کو فدیہ لیکر آزاد کیا، عمرو بن ابوسفیان کو ایک مرد انصاری سعد بن نمان کے بدلے آزاد کیا۔ ہبیل بن عمرو کو فدیہ لے کر آزاد کیا اگرچہ اس کی مشہور خطابت کی بنا پر عمر بن الخطاب کی رائے تھی کہ اس کے دانت اکھاڑ دیے جائیں لیکن آپ نے فرمایا کہ اسلام مثلاً کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ نادار قیدیوں کی سزایہ قرار پانی کہ شخص دس مسلمانوں کی تعلیم کی ذمہ داری لے اور اس طرح یہ واضح ہو گیا کہ اسلام مال سے زیادہ علم کو اہمیت دیتا ہے، اور علم جس کے پاس بھی ہو اس سے حاصل کر لینا چاہتا ہے اور اس سلسلہ میں کسی تعصب کا شکار نہیں ہونا چاہتا ہے۔

جنگ بدر کے نتیجے میں ۴۱ مسلمان شہید ہوئے جن میں ۶ مجاہد تھے اور آٹھ انصار اور اصر لشکر کفار میں شتراف اور ہلاک ہوئے اور شتر قیدی بنائے گئے اور ہلاک ہونے والوں میں ۳۰ تنہا حضرت علیؑ کی تلوار کے مارے ہوئے تھے اور باقی کے قتل میں بھی آپ کی شرکت ثابت ہے۔

رسول اکرمؐ نے کفار کے مقتولین کو ایک کنویں میں دفن کر کے قرآن مجید کی آیت کی تلاوت کی کہ جو خدا نے ہم سے وعدہ کیا تھا وہ تو ہم نے پایا اب تم بتاؤ کہ جو وعدہ تم سے کیا گیا تھا وہ تمہیں حاصل ہوا کہ نہیں؟ جس وقت وہیں اصر کفار تک کی زندگی کا اشارہ پایا جاتا ہے چہ جائیکہ اولیاء خدا اور شہدائے راہ خدا۔ ان کی حیات میں شک کرنا تو اسلام سے انحراف کی علامت ہے۔

جنگ بدر کے سلسلہ میں یہ نکتہ انتہائی اہم ہے کہ اس میں حضرت علیؑ کے مقتولین میں ایک متبہ

تھا جو ہندہ بکتر خواہہ کا باپ، معاویہ کا نانا اور ابوسفیان کا خسر تھا اور ایک ولید تھا جو معاویہ کا ماموں تھا اور ایک خنظلہ بن ابوسفیان تھا جو معاویہ کا بھائی تھا اور دیگر بنی امیہ کے سرکردہ افراد بھی تھے جس کے بعد معاویہ اور پھر زبید کے دل میں جذبہ انتقام کا پیدا ہونا ایک فطری امر تھا کہ دین مذہب نہ ہو تو رشتہ و قربت سے زیادہ اہم کوئی شے نہیں ہے۔ ان افراد کے علاوہ زبیر کے چچا نوفل بن نوفیل اور طلحہ کے چچا عمیر بن عثمان بھی تھے جن کے قتل نے مستقبل میں جنگ جمل کی زمین ہموار کی اور اس طرح حضرت علیؑ سے ان کے اسلامی مجاہدات کا بدلہ لے لیا گیا۔

چند دنوں کے بعد ماہ شوال ۳ھ میں غزوہ بنی قینقاع پیش آیا یہ ان یہودیوں کی سرکوبی کا معرکہ تھا جنہوں نے ہجرت رسولؐ کے بعد مدینہ کے تحفظ کا معاہدہ کیا تھا اور جب مشرکین نے حملہ کا ارادہ کیا تو ان کے ساتھ ہو گئے اور پھر مشرکین کی شکست کے باوجود معذرت کرنے اور معافی مانگنے کے بدلے قلعہ بند ہو گئے۔ حضور اکرمؐ نے بھی قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور اس طرح پندرہ روز کے بعد ذلت کے ساتھ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے جو ہر عہد شکن اور غدار کا انجام ہوتا ہے۔

اس کے بعد ماہ ذی قعدہ یا ذی الحجہ ۳ھ میں صدیقہ طاہرہ جناب فاطمہ زہراؑ کا عقد مولائے کائنات علی بن ابی طالبؑ سے ہوا، جن کی خواستگاری کا تقاضا اسلام کی ہر بڑی شخصیت کی طرف سے ہوا تھا لیکن قدرت نے سب کے پیغامات رد کر کے نور کا رشتہ نور سے کہنے کا حکم دے دیا اور تاریخ اسلام کا پہلا اور آخری عصمتی رشتہ انجام پایا۔

اسی ۳ھ کے ذی الحجہ میں حضرت عثمان بن مظعون کا انتقال ہوا جنہیں رسول اکرمؐ نے یہ شرف بخشا کہ پہلے ان کی لاش کا بوسہ دیا۔ اس کے بعد قبر کے سرہانے پتھر نصب کیا اور پھر برابر ان کی زیارت کو جاتے رہے یہاں تک کہ اپنے فرزند ابراہیم کو ان کے جوار میں دفن کیا۔ جس سے اسلام کے چار مکملے مل ہوئے۔ لاش کا بوسہ دینا، قبر کا نشان بنانا، قبر کی زیارت کرنا اور قبر کے ہمسایہ میں دوسروں کو دفن کرنا۔ جس کے بعد مسلمان توجہ نہ دے تو بریں عقل و دانش سب بایہ گریست۔

۲۲ ذی الحجہ کو غزوہ سویق پیش آیا جس میں ابوسفیان نے شکست بدر کے انتقام کی نذر بدری کرنے کے لیے غنی طور پر ۲۰۰ سپاہیوں کے ساتھ مدینہ پر طغیان کر کے دو انصار کو قتل کر دیا

اور حضور نے تعاقب کا حکم دیدیا تو اپنا ستو بھی چھوڑ کر بھاگ گیا جس کی وجہ سے اسے غزوہ سویت کی کہا جاتا ہے۔ (سویق - ستو)

۳

۱۹ محرم کو غزوہ قرقرہ الکرہ پیش آیا جو اوسنیان کی سرکوبی کے لیے ہوا تھا، اور اس میں حامل لوہار اسلام حضرت علیؑ تھے اور درحقیقت غزوہ سویت میں بھی اسی مقام تک تعاقب کیا گیا تھا۔ صرف ۳۰۰ میں قبیلہ غطفان نے حملہ کا ارادہ کیا تو آپ نے ان کی سرکوبی کا پروگرام بنایا جسے غزوہ ذی امر کہتے ہیں۔ یہاں حضور درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے جب ایک کافر و مشور بن حارث نے تلوار لے کر آپ پر حملہ کرنا چاہا اور آپ سے پوچھا کہ اس وقت آپ کو کون پکارتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کبیر اخدا! جس کے زیر اثر وہ ڈر گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور آپ نے تلوار لے کر پوچھا کہ اب تمہے کون پکارتا ہے؟ تو کہنے لگا کہ آپ کا دم و دم۔ اور یہ کہہ کر مسلمان ہو گیا۔

۱۵ رمضان ۳ھ کو جناب علیؑ و فاطمہ کے یہاں پہلے فرزند کی ولادت ہوئی جس کا نام علیؑ کی بنیاد پر حسن رکھا گیا جو گویا شہر کا ترجمہ تھا جو جناب ہارون کے فرزند کا نام نامی تھا۔

تقریباً ایک ماہ کے بعد احد کا معرکہ پیش آیا جس میں کفار کی پیش قدمی کا حال سن کر رسول اکرمؐ نے تقریباً ایک ماہ کے بعد احد کا معرکہ پیش آیا جس میں کفار کی پیش قدمی کا حال سن کر رسول اکرمؐ نے اصحاب کا استمان لیا کہ جنگ کہاں ہونی چاہیے؟۔ بعض اصحاب نے کہا کہ داخل مدینہ اور بعض نے کہا خارج مدینہ۔ خارج مدینہ کی اکثریت کو دیکھ کر مصلحت پروردگار کے مطابق آپ سلاح جنگ سے سب کو بیت الشرف سے برآمد ہوئے تو اصحاب نے کہا کہ داخل مدینہ جنگ بہتر ہے گی۔ آپ نے فرمایا کہ انبیاء جب سلاح جنگ پہن لیتے ہیں تو جنگ کے خاتمہ سے پہلے نہیں اتارا کرتے ہیں۔ یہ تمہارا صفت ایک استمان تھا ورنہ نبی کسی کی شہرہ کا محتاج نہیں ہے۔ اس کے بعد بیرون شہر مقام احد میں جنگ ہوئی۔ کفار کے لشکر کی تعداد تین ہزار تھی اور مسلمان صرف ایک ہزار تھے جن میں تین سوا فراد عبد اللہ بن ابی منافق کے ساتھ تھے جو درمیان راہ سے واپس ہو گئے تاکہ مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو جائے لیکن بہر حال جنگ ہوئی مسلمان اگرچہ یہاں بھی بے سردمان تھے۔ ادھر... ہزار میں تھیں اور ادھر صرف سو۔ ادھر دو سو گھوڑے تھے اور ادھر صرف دو۔ ادھر مشرکین میں میمنہ کا سردار خالد بن ولید، میسرہ کا سردار عکر مین ابی جہل۔ علیہ و آلہ لشکر طلحہ بن ابی طلحہ اور ادھر انصار کے سردار سعد بن عبادہ اور مہاجرین کے علیہ و آلہ حضرت علیؑ بن ابی طالب تھے۔

میدان کا پہلا مقابلہ حضرت علیؑ اور طلحہ بن ابی طلحہ کے درمیان ہوا جس کے سرور تلوار لگی تو گر کر برہنہ ہو گیا اور آپ نے منہ پھیر لیا تو دوسرے دار سے بچ کر نکل گیا اور لشکر کفر میں علیؑ کے مقابلہ میں یہ ایک مستقل حربہ بن گیا جو جنگ صفین تک استعمال ہوتا رہا۔ طلحہ پہلے ہی دار کی تاب نہ لا کر چل بسا تو عمومی جنگ شروع ہو گئی۔ لشکر اسلام کے بھابھ علیؑ، حمزہ، مقداد اور ابو دجانہ انصاری تھے جن کو رسول اکرمؐ نے تلوار اس شرط سے دی تھی کہ اس کا حق ادا کریں گے یعنی جہاد کریں گے اور فرار نہ کریں گے جب کہ ذہیر بن عوام کو تلوار نہیں عنایت فرمائی تھی۔

میدان فتح ہو گیا تھا اور مال غنیمت جمع کرنے کا وقت آ گیا تھا کہ بعض صحابہ کرام نے غنیمت کی لالچ میں رسول اکرمؐ پر بے اعتمادی کا اظہار کرتے ہوئے ان کے حکم کے باوجود وہ کو چھوڑ دیا اور میدان میں آگئے جس کے نتیجے میں خالد بن ولید نے دوبارہ حملہ کر دیا اور مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ بھاگنے والوں میں تمام سردار و دروہ شخصیتوں کے نام ملتے ہیں۔ درمنثور اور تفسیر کبیر نے حضرت عمرؓ کے نام کی مراد کی ہے، طبری نے حضرت عثمانؓ کی نشان دہی کی ہے اور مستدرک نے حضرت ابوبکرؓ کا تعارف کر لیا ہے۔

بھگدڑ کا یہ عالم تھا کہ ابتداء میں ڈیڑھ سو مسلمانوں نے جنگ شروع کی اور آخر میں حضرت علیؑ لشکر کفر کے علمبرداروں کے قتل میں مصروف ہو گئے، جس کے نتیجے میں رسول اکرمؐ زخمی ہو گئے تو آپ ان کی حفاظت میں مصروف ہو گئے جس کے زیر اثر رسول ایسے زخم کھائے کہ بار بار گر پڑتے تھے لیکن رسول اکرمؐ سے دفاع کرتے رہے اور میدان سے فرار کو ایمان کے بعد کفر کا درجہ دیتے رہے۔

ادھر جناب حمزہ کی شہادت واقع ہو گئی اور وحشی ملعون نے ان کا کلیجہ ہندھکے حوالے کر دیا جس نے چبانے کی کوشش کی اور جب ناکام ہو گئی تو ناک، کان کا ہار بنا کر گلے میں ڈال لیا اور اس طرح کفر نے اسلام سے اپنی شکست کا پورا بدلہ لے لیا اور کوئی معروف صحابی اسلام کے کام نہ آیا۔

رسول اکرمؐ نے جناب حمزہ کے جنازہ پر سات گیسو کھینچیں اور پھر دوسرے شہداء کے جنازہ کی نماز کے ساتھ بھی حمزہ کو شامل رکھا یہاں تک کہ ۷۲ مرتبہ نماز جنازہ ہوئی۔ پھر حمزہ کو الگ دفن کیا گیا جو درین الجموح اور عبد اللہ بن عمرو کو ایک قبر میں اور باقی تمام شہداء کو ایک مقام پر دفن کر دیا گیا اور اس طرح ۶ شہداء ۳۰۰ کا یہ معرکہ ختم ہو گیا۔

رسول اکرمؐ کے زخمی ہونے کے بعد جناب فاطمہؑ باپ کی خبر گیری کے لیے آئیں اور انہوں نے

زخموں کے دھلائے اور علاج کرنے میں حضرت علیؑ کا مکمل ساتھ دیا۔ اور ان کے علاوہ کوئی ہمدرد یا یار غار نظر نہیں آیا۔

۳۷

بعض قبائل عرب نے سرکارِ دو عالم سے معلم کا مطالبہ کیا تو آپ نے ۶ افراد کو بھیج دیا اور کفار نے مقامِ ریحین پر سب کو گھیر کر قتل کر دیا۔

صفر ۳۷ میں نجد والوں نے ایسا ہی مطالبہ کیا اور آپ نے چالیس افراد کو روانہ کیا اور ابوالبراء عامر بن مالک مطاعب الاسد نے ضمانت بھی دی لیکن کفار نے برسوں پر سب کو تیغ کر دیا۔

ربیع الاول ۳۷ میں رسول اکرمؐ سردارِ بنی نضیر کعب بن اشرف کے پاس گئے تو یہودیوں نے عہد شکنی کر کے ایک ہتھیار گرا کر آپ کو شہید کرنا چاہا۔ جس سے رب العالمین نے پچالیا تو آپ نے مدینہ سے لشکر بھیج کر ان لوگوں کا محاصرہ کر لیا اور تین دن کے اندر مدینہ خالی کر لیا۔ یہ سب بھاگ کر خیر چلے گئے اور وہاں ریشہ دوانیوں میں لگ گئے۔ یہ خیر بنی افراد مدینہ کے رہنے والے تھے جنہوں نے عہد شکنی کی تھی لہذا ان کی سرکوبی کا جو ازواج تھا چلے جہاں بھی چلے جائیں، اور ان کی سرکوبی کو حملہ کا نام نہیں دیا جاسکتا ہے۔

۳۷ شعبان ۳۷ کو عذیبہ طاہرہ کے دوسرے فرزند امام حسینؑ کی ولادت ہوئی جسے رب العالمین نے روزِ اول ہی اسلام کا فدیہ اور زینِ عظیم قرار سے دیا تھا۔ اسی شعبان یا ذی قعدہ میں کفار احد کی ابتدائی ذلت کا بدلہ لینے کے لیے اور ابوسفیان کی بات کی لاج رکھنے کے لیے برائے انتقام دوبارہ بدر کی طرف چلے اور ادھر رسول اکرمؐ بھی پہنچ گئے تو ابوسفیان فرار کر گیا اور آپ ۱۶ دن قیام کر کے واپس آ گئے۔

۳۸

۳۸ شعبان ۳۸ کو قبیلہ خزاعہ نے مدینہ پر حملہ کر دیا اور آپ نے باقاعدہ مقابلہ کر کے دس کو قتل کر دیا اور باقی سب کو قیدی بنا لیا جسے غزوہ بنی المصطلق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

کفار مکہ نے دیکھ لیا کہ تنہا اسلام سے مقابلہ آسان نہیں ہے اور پے درپے شکست ہو رہی ہے تو بیٹے کیا کہ مدینہ کے یہودیوں سے ساز باز کر کے مشترکہ حملہ کر دیا جائے اور اس طرح اسلام مقابلہ کے قابل نہ رہ جائے گا۔ چنانچہ اس خبر کے پاتے ہی یہودی خود مکہ پہنچ گئے اور کفار کو مدینہ

پر حملہ کرنے کی دعوت دیدی۔ رسول اکرمؐ نے اس صورت حال کو دیکھ حفاظت کی تیاریاں شروع کر دیں اور جناب سلمان کے شور سے مدینہ کے اطراف میں خندق کھدوانے کا پروگرام مرتب کر لیا۔ طے یہ پایا کہ ہر دس آدمی مل کر ۴۰ گز زمین کھودیں گے۔ اور سلمان نے تنہا یہ طے کیا کہ سب کے برابر زمین کھودی جائے۔ چنانچہ اسی صورت حال کو دیکھ کفار و ہاجرین دونوں نے چاہا کہ سلمان کے کارنامہ کو اپنے حساب میں درج کر لیا جائے تو حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ سلمان کا شمار ہم اہلبیت کے ساتھ ہے، اور اہلبیت میں وہی شخص شامل ہو سکتا ہے جس کا کارناما یا تمام انصار و ہاجرین کے برابر ہو اور وہ تنہا سارے کالات کا حامل ہو۔

ماہ رمضان میں خندق کھودنے کا کام شروع ہوا اور روزہ رکھے ہوئے مسلمان راہِ خدا میں جہاد کرتے رہے۔ سوال میں معرکہ پیش آیا۔ ادھر بنی نضیر مدینہ سے نکالے جا چکے تھے اور انہوں نے انتہائی سازش کر کے بنی قریظہ کو بھی عہد شکنی پر آمادہ کر لیا اور اس طرح مسلمانوں پر شدید ہراس طاری ہو گیا۔ مخازی واقفی کے مطابق حضرت عمرؓ نے کفار کی تیاری کی خبر پہنچائی اور حضرت ابو بکرؓ شدید طور پر خوفزدہ ہو گئے، باقی مسلمانوں کا کیا ذکر ہے۔ نتیجہ ہوا کہ دشمنوں نے ۲۰ دن تک مدینہ کا محاصرہ جاری رکھا اور صرف تیرا نمازی کا تبادلہ ہوتا رہا یہاں تک کہ دشمن کے حوصلے بلند ہو گئے اور عمر بن عبدود، ضرار بن الخطاب، بصر بن جبیر جیسے افراد خندق پار کر کے اس طرف لگے جو بظاہر انتہائی احتیاط اقدام تھا کہ چند افراد اپنے لشکر سے کٹ کر رہ گئے لیکن مسلمانوں میں مقابلہ کی ہمت نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ حضور کے لشکر نے پر بھی کسی کے سر سے طائر نہ اڑا اور سب سر جھکانے بیٹھ رہے۔ بالآخر رسول اکرمؐ کے مطالبہ پر حضرت علیؑ نے جنگ کی اور تادیر مقابلہ کے بعد خود بھی زخمی ہوئے اور عمر کا بھی خاتمہ کر دیا پھر خندق میں اتر کر منہ کو بھی تمام کیا۔ ادھر فوج دشمن میں بھگدڑ پڑ گئی تو ضرار نے تعاقب کا احساس کر کے فرار اختیار کیا۔ توڑی دیر کے بعد یہ احساس پیدا ہوا کہ علیؑ بھاگنے والوں کا تعاقب نہیں کرتے ہیں تو سرگردیہا دیکھا کہ حضرت عمرؓ ہیں تو اس نے حملہ کر دیا اور اب انہوں نے بھاگنا شروع کر دیا یہاں تک کہ جب قریب پہنچ گیا تو ان پر جان بخشی کا احساس جتا کر چھوڑ دیا۔

عمر کو قتل کرنے کے بعد حضرت علیؑ نے اس کی قیمتی زرہ بھی حاصل رکھی جس پر اس کی بہن نے آپ کی شرافت و نجابت کا قصیدہ پڑھا اور اس طرح اسلام تلوار اور کردار دونوں کا

فاتح قرار پایا۔

بنی قریظہ کی عہد شکنی کی سزا کے طور پر جنگ خندق کے دوسرے دن حضور نے بنی قریظہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیدیا۔ حضرت علیؓ علیہ السلام لشکر تھے۔ ان لوگوں نے پہلے گالیوں سے مقابلہ کیا، اس کے بعد قلعہ بند ہو گئے۔ ۲۵ دن تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے اور قبیلہ اس نے ان کی سفارش کی تو وہ لوگ سردار قبیلہ سعد بن مساذ کے فیصلہ پر راضی ہو گئے۔ اور انھوں نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ تمام مردوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو غلام و کنیز بنا لیا جائے جس پر یہ بات شہوڑ ہو گئی کہ کاش سعد کے بجائے معاملہ کو خود حضور کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہوتا۔

بنی قریظہ سے قیمت کے طور پر ملنے والا مال ۵۰۰ تلواریں، ۳۰۰ زہریں، دو ہزار نیزے، ۵۰۰ سپرے اور بے تماشہ شراب وغیرہ کے ذخائر تھے جنہیں ضائع کر دیا گیا۔

قتل کرنے کی نوبت آگئی تو تمام افراد کو حضرت علیؓ اور زبیر نے قتل کیا اور آخر میں بنی نضیر کے سردار جی بن اخطب کو بھی قتل کیا گیا اور اس طرح ۵۰۰ افراد قتل کیے گئے اور ایک ہزار عورتوں اور بچوں کو غلام اور کنیز بنا لیا گیا۔

۶

ربیع الاول ۶ میں غزوہ ذی قرد پیش آیا جو شام کے راستہ میں ایک چٹم کے پاس کا واقعہ ہے۔

مکہ چھوڑنے کے بعد سے مسلمان حج بیت اللہ کے لیے بے چین تھے اور رسول اکرمؐ براہِ تسکین دسے رہے تھے کہ ایک مرتبہ آپ نے خواب دیکھا کہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو خبر سنائی تو مسلمانوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور آپؐ حکم ذی قعدہ کو حج سے پہلے عمرہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

مکہ کے قریب پہنچ کر آپؐ نے چاہا کہ مکہ میں یہ اطلاع پہنچائیں کہ ہم لوگ صرف طواف کے لیے آئے ہیں اور جنگ کا کوئی ارادہ نہیں ہے لیکن حضرت عمرؓ نے خوف کے مارے جلنے سے انکار کر دیا اور حضرت عثمانؓ کو بھیجا گیا تو وہ گرفتار ہو گئے، اور یہاں ان کے قتل کی خبر شہوڑ ہو گئی تو مسلمانوں نے مکہ پر حملہ کرنے کا تقاضا کر دیا اور آپؐ نے احد کے تجربہ کی بنا پر موت کے بجائے میدان سے فرار

نہ کرنے کے نام پر بیعت کا مطالبہ کیا۔ (ابو الضار، مغازی و اقدی، تاریخ ابن الوردي)

بقول طبری (اعلام الوردي) سب نے اس بات پر بیعت کی کہ مقابلہ کے میدان سے ہرگز فرار نہیں کریں گے۔

اور سہیل بن عمرو کفار کا ناندہ بن کر صلح کا پیغام لے کر آگیا۔ اور جب یہ محسوس کر لیا کہ حضور جنگ نہیں کریں گے تو ہر طرح سے دبا نا شروع کیا۔ آپؐ نے بھی بظاہر اس کی تمام شرطیں تسلیم کر لیں اور نہ اصحاب سے مشورہ کیا اور نہ ان کی ناراضگی کی کوئی پرواہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ کو نبوت میں شک ہو گیا اور مسلمانوں میں ایک خلفشار برپا ہو گیا۔

ادھر سہیل کا بیٹا جو مسلمان ہو چکا تھا اور باپ کے ہاتھوں مسلسل اذیتیں برداشت کر رہا تھا۔ رسول اکرمؐ کی خبر یا کر زنجیروں سمیت حاضر ہو گیا اور پناہ کا مطالبہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ خدا تمہاری مدد کرے۔ میں معاہدہ کر چکا ہوں کہ اپنے آدمیوں کو واپس نہیں لوں گا لہذا عہد شکنی نہیں کر سکتا۔

اس موقع پر حضرت عمرؓ نے چاہا کہ ابو جندل کو تلوار دے دیں کہ وہ اپنے باپ کو قتل کرے، لیکن اُس نے انکار کر دیا کہ میں عہد رسوائی کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتا چنانچہ آپؐ نے اسے دعائیں دیں اور حسب معاہدہ اسے واپس کر دیا۔

۷

بنی نضیر اپنی عہد شکنی کی بنیاد پر پہلے ہی مدینہ سے نکالے جا چکے تھے۔ بنی قریظہ کو بھی جنگ ہزاہ میں مشرکین کی مدد کرنے کی سزا میں شہر بدر ہونا پڑا جس کے بعد تمام یہودیوں میں اسلام سے انتقام لینے کا جذبہ پیدا ہو گیا اور ميثاق مدینہ بالکل بے حسی قرار پا گیا۔ رسول اکرمؐ کو اصولی طور پر حق حاصل تھا کہ ميثاق مدینہ کی خلاف ورزی کرنے والوں کی سرکوبی کریں چاہے وہ جس مقام پر قلعہ بند ہو جائیں۔ اس بنا پر آپؐ نے خبر کا رخ فرمایا اور نہ اسلام اپنی پالیسی کے اعتبار سے بظاہر علاقہ غیر میں جا کر جنگ کرنے کا قابل نہیں ہے اگرچہ قانونی طور پر اسے دین خدا کے لیے ہر علاقہ میں جنگ چھیڑنے کا اختیار حاصل ہے کہ اُس کے خدا کے لیے کوئی علاقہ علاقہ غیر نہیں ہے۔

خبر میں ۱۴ ہزار یہودی قلعہ بند ہو چکے تھے۔ حضور اکرمؐ نے جب ۱۰۰۰ میں خیر کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا لیکن مدینہ سے خیر کا فاصلہ طے کرنے میں اس قدر رحمت سفر کا سامنا پڑا کہ حضور در شقیقہ

میں مبتلا ہو گئے اور حضرت علیؑ کو آشوبِ چشم کی تکلیف ہو گئی جس کی بنا پر مسلمانوں کو موقع مل گیا کہ اپنے طور پر سردار لشکر طے کر کے حملہ کر دیں یا بعض افراد کو خود ہی سرداری کا خیال پیدا ہو گیا اور وہ علمِ اسلام لے کر خیمہ کے قلعوں تک پہنچ گئے لیکن جب خیمہ کے بہادروں نے لٹکارا تو صمت و سلامتی کے ساتھ واپس آ گئے جس کی تصویر کشی عمارج النبوة وغیرہ نے اس طرح کی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے قتالِ شدید کا سامنا کیا لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا تو مجبوراً واپس آ گئے جس کے بعد رسول اکرمؐ نے اعلان کیا کہ تمہاری پیش قدمی یا تمہارے انتخاب کا حشر معلوم ہو گیا۔ اب کل میں علمِ دونوں کا اور اسے دونوں کا جو مرد میدان کرار غیر فرار، خدا و رسولؐ کا دوست اور خدا و رسولؐ کا محبوب ہو گا اور اس وقت تک واپس نہ آئے گا جب تک خیمہ فتح نہ ہو جائے۔ چنانچہ دوسرے دن شکست خوردہ افراد نے بھی اپنے قد شجاعت کو مزید ادا کیا اور چاکرنا چاہا، لیکن رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو طلب کر کے رایت لشکر ان کے حوالے کر دیا اور انھوں نے ۲۴ رجب ۶ شہ کو مرج، عنتر، حارث جیسے پہلوانوں کا خاتمہ کر کے خیمہ کے تمام قلعوں کو فتح کر لیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فاتحِ خیمہ کے لقب سے ملقب ہو گئے۔

خیمہ کی فتح کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ اہلِ فدک نے جنگ سے بچتے ہوئے اپنے علاقہ کو رسول اکرمؐ کے حوالے کر دیا اور یہ علاقہ رسولؐ کا خالصہ قرار پا گیا جسے آپ نے بحکمِ خدا اپنی دخترِ نیک اختر خاتونِ فاطمہؑ زہراؑ کے حوالہ کر دیا اور اسلام بڑی حد تک خدیجو کے احسانات کا بدلہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔

فدک مدینہ سے دو دن کے فاصلہ پر سات قطعاتِ اراضی کا مجموعہ تھا جس کی آمدنی لاکھوں میں تھی۔ اسے چند درختوں کا مجموعہ کہنا اس علاقہ کی توہین نہیں ہے۔ بلکہ ان افراد کی توہین ہے جنہوں نے اپنے شفیق ترین بیٹے کی دخترِ نیک اختر کو ان کے مطالبہ کے باوجود یہ چند درخت دینے سے انکار کر دیا اور اس طرح تنقید و تبصرہ کا نیا دروازہ کھول دیا۔

فدک کا علاقہ مالِ غنیمت نہیں تھا لہذا اس سے مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں تھا اور رسول اکرمؐ بھی کسی کو بخشی ہوئی جائیداد کو صدقہ مسلمان بنا کر دینا سے نہیں جاسکتے ہیں۔

اسی ۶ شہ میں منبرِ رسولؐ کی تشکیل ہوئی جس میں ابتدائی طور پر تین زمینے تھے، بعد میں بڑھا کر سات کر دیے گئے۔

اسی ۶ شہ کے اواخر یعنی ذی قعدہ میں وہ عمرہ بجالایا گیا جو صلح حدیبیہ کی بنا پر ترک کر دیا گیا تھا

اور جسے تاریخ میں عمرۃ القضا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس عمرہ کے موقع پر پہلے حضرت علیؑ نے کفار سے مکہ کو خالی کرایا، اس کے بعد رسول اکرمؐ عمرہ کے لیے مکہ میں داخل ہوئے اور اس طرح قدرت نے اس موقع پر بھی حضرت علیؑ کے کردار کی انفرادیت کو برقرار رکھا۔

اُدھر ۶ شہ ہی میں سرکارِ دو عالم نے دنیا کے مختلف مسلمانین کو اسلام کا پیغام بھیجا۔ ایران کے کئی روم کے قیصر، حبش کے نجاشی، عمان کے حاکم، مصر کے مقوقس، یمن کے سلطان، یامامہ کے بادشاہ اور بصری کے حکمران کے علاوہ حاکمِ شام منذر بن حارث۔

ان تمام خطوط میں اجمالی طور پر اَسْلِمْتُ تَسْلِمْتُ کا پیغام تھا کہ اسلام لے آؤ اسی میں سلامتی ہے یا پھر اسلام نہ لانے کی صورت میں عذابِ آخرت کا ذکر تھا۔ دنیا میں حملہ کر کے بزورِ شمشیر اسلام پھیلانے کا کوئی تذکرہ نہیں تھا اور نہ یہ اسلام کی تبلیغی پالیسی رہی ہے۔ اسلام لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ کا مذہب ہے اور اسی اصول کو باقی رکھنا چاہتا ہے۔

شہ

جمادی الاولیٰ ۶ شہ میں جنگِ مؤتہ ہوئی جسے غزوات میں شمار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ حضور اکرمؐ کی شرکت نہیں تھی بلکہ آپؐ نے تین ہزار مسلمانوں کا لشکر روانہ کر دیا تھا جب کہ مقابلہ پر شرجیل کی لگ کی بنا پر ایک لاکھ رومی فوج تھی۔ لشکرِ اسلام کی ترتیب یہ تھی کہ پہلے سردار لشکر زید بن حارثہ ہوں گے ان کی شہادت کے بعد جعفر بن ابی طالبؓ اور ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ۔

سردار ان لشکر ایک کے بعد ایک کام آ گئے۔ اس طرح کہ جعفر طیبؓ کے جسم پر کل ۵۰ یا ۹۰ زخم تھے جس میں سے ۳۰ صرف چہرہ پر تھے۔ آپؐ کا دست مبارک بھی قطع ہو گیا تھا جب کہ آپؐ کی عمر صرف ۶۳ یا ۶۴ سال تھی اور اسلام اپنے پہلے ۳ سال سپاہی کی ایسی قربانی پیش کر رہا تھا جس میں شانے بھی قلم ہو جائیں اور قدرت کی طرف سے طیار کا لقب بھی حاصل ہو جائے۔

سرداروں کی شہادت کے بعد خالد بن ولید نے کمان سنبھالی اور حالات کے خطرات کو دیکھ کر لشکر کو لے کر جھاگ آیا جس پر مدینہ میں اس قدر طامت کی گئی کہ سپاہیوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا لیکن بے گناہ صحابی رسولؐ مالک بن نویرہ کے قتل اور ان کی زوہرہ عترت سے بدکاری کی بنا پر خالد کو سبقت اللہ کے لقب سے نواز دیا گیا اور یہ تلوار پھر ہمیشہ رہنمائی رہی۔

اس کے بعد فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا، جس کی مختصر داستان یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد ہر قیدی کو دوسرے قبیلہ سے معاہدہ کرنے کا حق حاصل ہو گیا تھا جس کی بنا پر بنی خزاعہ نے رسول اکرمؐ سے معاہدہ کیا اور بنی مکر قریش کے حلیف بنے۔ لیکن ایک دن موقع پا کر بنی بکر کے آدمی نے بنی خزاعہ کے آدمی کو ٹھیک حرم کے اندر قتل کر دیا اور انھوں نے رسول اکرمؐ سے فریاد کی تو آپ نے بھی دس ہزار مسلمانوں کو لے کر ماہ مبارک میں مکہ کا ارادہ کر لیا۔

مدینہ سے باہر نکل کر آپ نے روزہ توڑ دیا اور مسلمانوں کو بھی حکم دیا بلکہ نہ توڑنے والوں کی نوبت بھی کی جو قہر کے ضروری ہونے کی بہترین دلیل ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۲۸۶)

ابھی لشکر مکہ کے باہر ہی تھا کہ ابوسفیان دریافت حال کے لیے آگیا اور مسلمانوں کے زور میں گھر گیا، عباس نے اسے پناہ دی اور اسلام لانے کا مشورہ دیا تو مجبوراً اظہار اسلام پر آمادہ ہو گیا اور رسول اکرمؐ نے اسے پناہ دے دی اور پھر اعلان کر دیا کہ جو شخص ابوسفیان، جلیسر بن حرام، خاندان کعبہ یا بیت نبیؐ میں پناہ لے لے اس کے لیے پناہ ہے تاکہ اس طرح واضح ہو جائے کہ کون کس جگہ کو اپنی پناہ گاہ قرار دیتا ہے اور کس کا اسلام کس نوعیت کا ہے۔

اس کے بعد آپ نے عباس سے کہا کہ ذرا ابوسفیان کو ہمارے لشکر کا مسائنہ تو کرواؤ۔ عباس نے لشکر کا مسائنہ کرایا تو ابوسفیان بول اٹھا تھا ہرے بھتیجے کی حکومت کافی ترقی کر گئی ہے۔ عباس نے ٹوک کر کہا کہ یہ حکومت نہیں ہے بلکہ نبوت ہے جس کے بعد اسلام اور استسلام کا فرق بھی واضح ہو گیا کہ استسلام کی بنیاد نبوت نہیں ہے بلکہ حکومت اور اس کا خوف ہے اور میں!

مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے انصار کے ساتھ داخلہ پسند فرمایا جن کے علمبردار سعد بن عبادہ تھے۔ انھوں نے جذبات میں آکر اعلان کر دیا کہ آج بدلے کا دن ہے اور آج ہر طرح کا انتقام جائز ہے۔ حضور اکرمؐ کو یہ اعلان اس قدر ناگوار گذرا کہ آپ نے علم لشکر سعد سے لے کر حضرت علیؑ کے حوالے کر دیا کہ اسلام جذباتی علمداری کا حامی نہیں ہے۔ اسلام جوش کے بجائے ہوش کا طلبکار ہے۔

کعبہ میں داخل ہو کر نازا د فرمائی۔ پھر مشرکین کو ان کے جرائم اور مظالم یاد دلا کر طلاق کہہ کر آزاد کر دیا اور پھر ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس موقع پر رسول اکرمؐ نے مظالم کا ذکر کرنے کے بعد یہ سوال بھی کیا کہ تم لوگ مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو تو سہیل بن عمرو نے کہا کہ آپ خود کریم ہیں اور ایک کریم

خاندان سے تعلق رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ جاؤ میں نے تم سب کو آزاد کر دیا تاکہ مشرکین پر بھی یہ بات واضح رہے کہ آزاد اور ہوتے ہیں اور آزاد کردہ اور۔ آزاد کردہ افراد کو شرفار سے مقابلہ کرنے کا حق نہیں ہے۔

نازاد کرنے کے بعد حضرت علیؑ کو اپنے کاندھوں پر بلند کر کے طاقائے کعبہ سے بت گردائے اور بقول محدث دہلوی اس بات پر ناز فرمایا کہ علیؑ کا حق انجام دے رہے ہیں اور میں باحق اٹھائے ہوئے ہوں۔

مکہ میں ۱۰ یا ۱۱ یا ۱۲ دن قیام فرماتے کے بعد واپسی ہوئی۔ لیکن چونکہ مسلمانوں کا دس دن کا قیام طے نہیں ہوا تھا اس لیے ناز قہری ہوئی رہی۔

ماہ رمضان میں مکہ فتح ہو جانے کے بعد، ارشوال سہ کو جنگ حنین ہوئی جس کا میدان مکہ اور طائف کے درمیان تھا۔ مسلمان تیرہ ہزار کی تعداد میں تھے اور انھیں فتح کا غور بھی تھا۔ لیکن دشمن کے حملے کو دیکھ کر سب نے فرار اختیار کیا۔ اور جب آپ نے مسلسل آواز دی اور غیرت دلائی تو واپس آئے اور ایسا معرکہ ہوا کہ کفار مارے گئے جب کہ مسلمانوں میں صرف چار افراد شہید ہوئے۔ مال خیمت میں چار ہزار قیدی، ۱۲ ہزار اونٹ اور ۴۰ ہزار بھیڑ بکریاں ہاتھ آئیں اور ایک کچھ قریب چاندی بھی حاصل ہوئی۔

ادھر جنگ موتہ کے بعد رومیوں کے حوصلے اور بلند ہو گئے اور ہر قتل روم نے اسلام کو فنا کرنے کا منصوبہ بنالیا۔ حضور اکرمؐ نے بھی عام نفیہ کا اعلان کر دیا کہ سارے مسلمان جہاد کے لیے آمادہ ہو جائیں اور نبوک تک جا کر وہاں شہان اور اہل دار و دربار میں قیام فرمایا لیکن کسی مزاحمت کی نوبت نہیں آئی اور آپ نے واپسی کا قصد کر لیا۔ دشمن شوکت اسلام کی طرف سے بالکل مایوس ہو چکے تھے، لہذا انھوں نے نیا پروگرام یہ بنایا کہ واپسی میں لگائی میں حضور کے اونٹ کو بھڑکا کر گھاٹی میں گرا دیا جائے اور آپ کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا لیکن عین موقع پر قدرت کی طرف سے ایسی بجلی چمکی کہ سب کے چہرے پہچان لیے گئے اور آپ نے مزید اور عمار کو اس راز کا راز دار بنا دیا جو اس قدر سنگین مسئلہ بن گیا کہ اکثر حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کرتے تھے کہ کہیں منافقین میں میرا نام تو نہیں ہے۔

واضح رہے کہ اس موقع پر رسول اکرمؐ کے ہمراہ حضرت علیؑ نہیں تھے اس لیے کہ آپ کو معلوم تھا کہ جنگ ہونے والی نہیں ہے اور آپ نے انھیں یہ کہہ کر مدینہ میں روک دیا تھا کہ مدینہ میں میرا ہاتھارا

رہنا ضروری ہے کہ میرا درتھا ارشتہ موسیٰ اور ہارون کا رشتہ ہے، صرف میرے بعد نبوت کا سلسلہ نہیں رہے گا۔

۹

فتح مکہ کے دو سرے سال قدرت نے مشرکین سے برأت کا اعلان کیا اور سورہ توبہ کی آیتیں نازل ہوئیں جسے لے کر ابتدا حضرت ابو بکرؓ کے لیکن بعد میں وحی خدا نے انہیں واپس کر کے حضرت علیؓ کے ذریعہ اعلان کا حکم دے دیا اور آپ نے حج اکبر کے موقع پر مشرکین سے بیزاری کا اعلان کر دیا جو اصولی طور پر بیروان علیؓ بن ابی طالب کا ایک ابدی مسلک ہے۔

اعلان برأت کے چار اہم نکات تھے:

۱۔ مشرکین نجس ہیں لہذا مسجد الحرام کے قریب نہ آئیں۔

۲۔ برہنہ ہو کر خدا کا طواف نہ کیا جائے۔

۳۔ کافر جنت کی طرف سے مایوس ہو جائے۔

۴۔ جملہ معابدوں پر عمل درآمد صرف چار ماہ تک ہوگا۔ اس کے بعد اسلام اپنے تہذیبات

میں آزاد رہے گا۔

اعلان برأت کے بعد ۲۴ ذی الحجہ کو نھاری نجران سے مقابلہ ہوا جو حضرت عیسیٰ کی خدائی کو منوانے کے لیے آئے تھے۔ اور جب قرآنی آیات پر ایمان نہ لائے تو رسول اکرمؐ حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنؓ و حسینؓ کو لے کر مقابلہ کے میدان میں آگے جس کے بعد عیسائیوں نے شکست تسلیم کر لی اور ہزیمت دینے کے لیے تیار ہو گئے۔

اسلام کے سارے معرکوں کے سر ہو جانے کے بعد رسول اکرمؐ نے حضرت علیؓ کو یمن کی تبلیغی مہم پر روانہ کر دیا جس کے نتیجے میں پورا قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا۔

۱۰

اُدھر رسول اکرمؐ ۲۵ ذی قعدہ سنہ ۶ کو آخری حج کے ارادہ سے مکمل پڑے جس قافلہ میں آپ کے ہمراہ لاکھوں مسلمان تھے۔ حضرت علیؓ جانوران قربانی لے کر یمن سے مدینہ مکہ آگے اور آپ کے ساتھ حج میں شامل ہو گئے۔ واپسی میں غدیر کے میدان میں حکم خدا کا قافلہ روکا

گیا اور آپ نے ایک لاکھ بیس ہزار اصحاب کے مجمع میں اعلان فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؓ بھی مولا ہے، اور اس طرح اسلام کا آخری منصوبہ بھی مکمل ہو گیا اور آیت نے الیوم اکملت لکم دینکم کی سند دے دی۔

حج سے واپسی پر جنگ موتہ کے زیر اثر آپ نے ایک لشکر اسامہ بن زید کی سرکردگی میں روم کی طرف روانہ کر دیا جس میں حضرات شعیب کو بھی شامل کر دیا جو بعد میں واپس آگئے اور نہیں گئے، اس سرے سے آپ نے صرف حضرت علیؓ کو الگ رکھا تھا۔

لشکر کی روانگی کے بعد آپ کے مرض کی شدت میں اضافہ ہونے لگا جس کے بعد آپ نے فوشہ بہت کھنے کے لیے قلم اور دوات کا مطالبہ کیا اور حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر روک دیا کہ ان پر خنجر کا غلبہ ہے اور یہ ہزیاں بک لہے ہیں جس کا صدر مدہ اور شدید ہو گیا اور آپ اس تکلیف سے جانبر نہ ہو سکے۔

رسول اکرمؐ کی بیماری سے فائدہ اٹھا کر حضرت ابو بکرؓ کو امامت جماعت کے لیے آگے بٹھا دیا گیا آپ نے آواز سنی تو اسی عالم میں بچدیں اگر انہیں ہٹا کر خود نماز پڑھائی اور بقدر نماز جماعت بھی کسی کی امانت گوارا نہ فرمائی۔

مرض الموت سے حالت غیر ہوئی تو اپنے بھائی اور وصی کو طلب کیا۔ حضرت عائشہؓ نے ابو بکرؓ اور حفصہؓ نے عمرؓ کو طلب کر لیا تو آپ نے دونوں کو ہٹا دیا اور ام سلمہؓ سے علیؓ کو طلب کیا۔ حضرت علیؓ آئے تو ان سے وصیتیں کیں اور پھر انہیں کی آغوش میں سر رکھ کر دنیائے فانی سے انتقال فرمایا۔ بنی ہاشم کے چند افراد نے غسل و کفن کا اہتمام کیا۔ حضرت علیؓ نے تجزیہ و کفین کی اور اپنے ہاتھوں سے سپرد خاک کر دیا۔

بہت سے مسلمانوں نے اور قبول ابو الفداء حضرت ابو بکرؓ نے بھی جنازہ میں شرکت نہیں کی اور اس طرح اسلام کی تاریخ میں "وفاداری" کے ایک نئے باب کا آغاز ہو گیا اور آل رسولؐ کو نسلوں میں نقل و خون اور اذیت و آزار کی شکل میں اجر رسالت ملتا رہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی وفات کے بارے میں مقدار نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپ بذریعہ نبوت دنیا سے رخصت ہوئے ہیں اور خیر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے آپ کو بکری کی ران میں زہر ملا کر لے دیا تھا جس کے کھلنے کے بعد سے برابر آپ زہر کے اثر کی شکایت فرمایا کرتے تھے اور خود اس گشت نے بھی باشارہ قدرت آواز دی تھی کہ مجھے زہر میں بھمایا گیا ہے۔

اس روایت سے اتنا اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ آپ کو زہر دینے والی عورت یہودی تھی چاہے وہ کسی جماعت سے تعلق رکھتی ہو، ورنہ مسلمان کے زہر دینے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ زہر دینے میں عورت کا ہاتھ تھا ورنہ مرد اس طرح کے کاموں کی براہ راست جرأت نہیں کرتے ہیں۔ ایسے کاموں کے لیے عورت ہی کو ذریعہ بنایا جاتا ہے جیسا کہ بعد کی تاریخِ عصمت سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

ازواج

رشتہ زوجیت کے بارے میں ایک عام تصور یہ پایا جاتا ہے کہ یہ جنسی خواہش کی تسکین کا بہترین ذریعہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب بھی شادی کا تذکرہ آتا ہے ہر انسان شرم سے سر جھکا لیتا ہے اور جب تعدد ازواج کا ذکر آتا ہے تو انسان کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں شروع ہو جاتی ہیں کہ شاید یہ کوئی ہوس پرست اور خواہش زدہ انسان ہے کہ اس نے ایک زوجہ پر اکتفا نہیں کی اور متعدد ازواج کو اپنی تسکینِ نفس کا ذریعہ بنایا ہے، حالانکہ اسلامی قوانین کا بنیاد یہ ہے کہ شادی کا مقصد ازواج کو اسلام میں شادی کا تصور وسیع ترین مفادات کا حامل ہے اور اس میں تسکینِ نفس اور ایجادِ فضل کے علاوہ بے شمار نفسیاتی، اقتصادی، سماجی اور سیاسی مسائل کا حل پایا جاتا ہے۔ عورت کو وہر سکونِ نفس قرار دینے کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ صرف جنسی سکون کا ذریعہ ہے بلکہ اس کا دائرہ بھی بڑا وسیع تر ہے اور اسی لیے روایات میں عورت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ جو خود کی میں شوہر کی تسکینِ نفس کا ذریعہ بنے اور رغبت میں اس کے گھر بار کی حفاظت کرے بلکہ اس کے دین کے تحفظ کا بھی ذریعہ بنے۔

اس اعتبار سے اسلام میں تعدد ازواج اس انداز کا تصور نہیں رکھتا ہے جو تصور عام ہادیست پرست ذہنوں میں پایا جاتا ہے اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ عقدِ جنسی خواہشات کی بنا پر ہوتا ہے تو عورت میں سن و سال اور حسن و جمال وغیرہ کا لحاظ کیا جاتا ہے اور وسیع تر مفادات کے لیے ہوتا ہے تو ان مفادات کو نگاہ میں رکھا جاتا ہے اور سن و سال اور حسن و جمال جیسے تصورات کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ جو بات سرکارِ دو عالم کے تعدد ازواج میں واضح طور پر نظر آتی ہے اور اس کا ایک اشارہ اس حکمِ الہی میں بھی پایا جاتا ہے کہ اسلام نے ساری دنیا کے انسانیت کے لیے نمازِ شب کو مستحب قرار دیا ہے اور حضور اکرم کے لیے واجب قرار دے دیا ہے تاکہ ہر انسان کو اس حقیقت کا اندازہ ہو جائے کہ

بیت رسالت میں ازواج کا وجود نمازِ شب کی ادائیگی سے بھی مانع نہیں ہو سکتا ہے تو دیگر فرائض کا کیا ذکر ہے۔

سرکارِ دو عالم نے اپنی پوری زندگی میں حسب ذیل عقد فرمائے ہیں، اور ان میں ازواج کی عورت حال یہ تھی:

۱۔ جنابِ خدیجہؓ: عام روایات کی بنا پر ان کا سن مبارک وقت عقد ۴۰ سال تھا اور حضور اکرم کی عمر ۲۰ سال تھی۔ ظاہر ہے کہ عام حالات میں ۲۵ سال کا جوان انسان زندگی کی پہلی شادی ۴۰ سال کی خاتون سے نہیں کر سکتا ہے جب کہ اس کے لیے قوم اور قبیلہ کے اندر بے شمار امکانات موجود ہوں۔ عقد کی یہ نوعیت خود اس بات کی دلیل ہے کہ سرد دو عالم کی شادی کا مقصد اسلام کی وسیع تر مصلحت تھی اور اس کا جنسی تسکین سے کوئی بنیادی تعلق نہیں تھا۔

اس عقد کے سلسلے میں دو مزید باتیں بھی اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں:

۱۔ اس عقد کا پیغام خود جنابِ خدیجہؓ نے دیا تھا اور ہر کی پیش کش بھی انھوں نے کی تھی جب کہ وہ اس سے بڑے بڑے رشتوں سے انکار کر چکی تھیں اور اتنی عمر تک شادی کا کوئی قصد نہیں کیا تھا۔

۲۔ جنابِ خدیجہؓ کے پیغام کی بنیاد بھی سرکارِ کاحسن و جمال یا شباب و سن و سال نہیں تھا بلکہ انھوں نے بھی یہ پیغام آپ کی دیانت داری اور آپ کے دست مبارک سے ظاہر ہونے والے برکات کی بنا پر دیا تھا۔

۲۔ سودہ بنت زعمہ: یہ خاتون سکران بن عمرو بن عبد شمس کی زوجہ تھیں اور ابتدائی دور میں اسلام لائی تھیں۔ مکہ کے حالات کی بنا پر شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہیں شوہر کا انتقال ہو گیا، اب زحمت یہ تھی کہ قبیلہ میں واپس جائیں تو وہاں سب مشرک ہیں اور اپنا اسلام بھی خطرہ میں پڑنے لگا لہذا حضور اکرم نے ان سے عقد کر کے ان کے اسلام کا تحفظ بھی کیا اور انھوں نے ان میں ریشور بھی پیدا کیا کہ شوہر کے فدیہ اسلام بن جانے کے بعد زوجہ لاوارث نہیں رہ سکتی ہے بلکہ اسے پیغمبرِ اسلام ہر شریکِ حیات مل سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تاریخ میں سودہ کے کسی حسن و جمال کا تذکرہ ہے اور نہ مال و منال کا بلکہ شوہر کے بعد ان کی لاوارثی کا تذکرہ ضرور ملتا ہے۔

۳۔ زینب بنت خویمہ: ان کا لقب ام الماسکین تھا، غرابہ پروری میں خاصی شہرت

رکھتی تھیں۔ ان کے شوہر عبداللہ بن محمش جنگ احد میں مارے گئے تو حضور نے ازراہ ترم ان سے عقد کر لیا تاکہ مسلمان عورتوں میں بے کسی اور لاوارثی کا احساس نہ پیدا ہونے پائے۔

۴۔ ام سلمہ ہند: یہ عبداللہ اوسلہ کی زوجہ تھیں اور کافی سن بھی تھیں اور صاحب اولاد بھی تھیں، لیکن بیوہ ہونے کے بعد سرکارِ دو عالم نے ان سے عقد کر لیا تاکہ ان کے شوہر کی قربانیوں کی قدر دانی کی جاسکے اور ان کی اولاد کو تیمی کے احساس سے بچایا جاسکے۔

۵۔ صفیہ بنت محیی بن اخطب: ان کا شوہر روزخیر قتل ہو گیا تھا، اور یہ گرفتار ہو کر آئی تھیں تو آپ نے انہیں آزاد کر کے ان سے عقد کر لیا تھا اور اس طرح کیزوں کے ساتھ بہترین برتاؤ کی ایک مثال قائم کر دی تھی۔

۶۔ جویریہ بنت الحارث: یہ جنگ بنی المصطلق کے گرفتار شدگان میں تھیں اور ان کے ساتھ قبیلہ کے دو سو قیدی اور بھی تھے۔ لیکن جب حضور نے انہیں آزاد کر کے ان سے عقد کر لیا تو سارے مسلمانوں نے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا اور ان کے قبیلہ کے بے شمار لوگ مسلمان ہو گئے، مارث بنی المصطلق کے سردار قبیلہ کا نام تھا۔

۷۔ میمونہ بنت الحارث الہلالیہ: انہوں نے شوہر کے مرنے کے بعد اپنے شوہر کو سرکارِ دو عالم کے حوالے کر دیا تھا اور حضور نے اس پر انفس کو قبول فرمایا تھا۔

۸۔ ام حبیبہ رطلہ بنت ابوسفیان: یہ عبید اللہ بن محمش کی زوجہ تھیں، اس کے ساتھ ہجرت حبشہ میں شریک ہوئیں۔ وہ وہاں کے حالات کو دیکھ کر عیاشی ہو گیا۔ تو آپ نے انہیں واپس بلا کر ان سے عقد کر لیا کہ ان کے لیے ابوسفیان جیسے باپ کے گھر واپس جانا بھی ممکن نہیں تھا۔

۹۔ حفصہ بنت عمر: ان کا شوہر خنیس بن حذافہ جنگ بدر میں مارا گیا تو آپ نے ان سے عقد کر لیا۔

۱۰۔ عائشہ بنت ابی بکر: مشہور روایات کی بنا پر باکرہ تھیں، اور شاہد سرکارِ دو عالم کی جملہ ازواج میں اس طرح کی کم سن اور کنواری خاتون یہ تنہا خاتون تھیں جن سے حضور نے عقد نہ کیا ہوتا تو آپ پر کسی طرح کی حسن پرستی یا جنسیت کا الزام نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ مسلمان مورخین نے ازراہ قحط و نادان دوستی مسئلہ کو اور بھی سنگین بنا دیا اور جناب عائشہ کے حسن و جمال کی اس قدر تعریف کی کہ مسلمان کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ اگر ۴۳ سال کا انسان اگر ۶۔ ۷ سال کی خوب صورت لڑکی سے عقد کرے گا تو

اس کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے۔ کاش مورخین اسلام نے ان نازک پہلوؤں کا احساس کیا ہوتا اور جوش عقیدت میں اس طرح کی بے بنیاد باتیں نہ بیان کی ہوتیں اور موصوفہ کے صحیح سن و سال اور زندگی کا ذکر کر دیا ہوتا تو کم سے کم دشمنان اسلام کو سرکارِ دو عالم کے کردار پر اعتراض کرنے کا موقع تو نہ ملتا۔ لیکن خدا برا کرے محبت کا کریم اکثر انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔

اولاد

مشہور روایات کی بنا پر آپ کے تین فرزند تھے۔ (۱) قاسم دجن کی وجہ سے آپ کو ابو القاسم کہا جاتا ہے۔ (۲) عبداللہ جن کا لقب طیب و طاہر تھا (۳) ابراہیم جو جناب ماریہ قبطیہ کے فرزند تھے۔ بعض مورخین نے طیب اور طاہر کو دو شمار کیا ہے۔

دختران میں ایک آپ کی اپنی دختر تھیں یعنی فاطمہ زہرا، اور تین لڑکیاں آپ کی پروردہ تھیں۔ جن کے بارے میں بعض مورخین کا خیال ہے کہ جناب خدیجہ کی بیٹیاں تھیں اور بعض کا خیال ہے کہ ان کی بہن ہالہ کی بیٹیاں تھیں۔ ام کلثوم، رقیہ، زینب۔

زینب کا عقد قبل بعثت ابو العاص بن ربیع اموی سے ہوا تھا جن سے جناب امامہ کی ولادت ہوئی تھی جو بعد میں حب و وصیت جناب فاطمہ زہرا مولائے کائنات کی زوجہ قرار پائیں۔

ام کلثوم اور رقیہ کا عقد عثمان بن عفان سے کیے بعد دیگرے ہوا، اور سب کا انتقال حضور کی زندگی میں ہو گیا۔ رقیہ کا انتقال ۳۷ میں ہوا اور زینب کا انتقال ۳۷ میں ہوا، ام کلثوم کا انتقال بھی رقیہ کے قبل یا بعد ہو گیا تھا۔

جناب فاطمہ کا عقد ۳۷ میں مولائے کائنات حضرت علی بن ابی طالب سے ہوا اور انہیں کی نسل میں امامت آج تک قائم ہے۔

ابراہیم ۳۷ میں پیدا ہوئے اور ۱۸ رجب سنہ ۶ کو ایک سال دس ماہ آٹھ روز کی عمر میں انتقال کر گئے۔ ان کی قبر حنت البقیع میں موجود اور مشہور ہے۔

ابراہیم کو رسول اکرم نے اپنے نولہ امام حسین کا فدیر بنا دیا تھا جب جبرئیل امین نے یہ پیغام الہی پہنچایا کہ آپ اپنے پاس یا حسین کو رکھیں یا ابراہیم کو، اور آپ نے فرمایا کہ ابراہیم کا صدر میری ذات

تک محدود رہے گا اور حسین کا مدد علی و فاطمہ کو بھی ہوگا لہذا میں ابراہیم کو حسین پر قربان کرنے کے لیے تیار ہوں اور یہ بھی ایک راز تھا کہ رسول اکرم نے اپنے فرزند کو فرزند نہرا و علی پر قربان کر دیا اور نہرا و علی نے اپنے پورے گھرانے کو دین و پیغمبر پر قربان کر دیا اور تاریخ میں یہ قربانی ابدی اور سرمدی حیثیت اختیار کر گئی۔

اقرباء

شیخ طبری وغیرہ کی روایت کی بنا پر جناب عبدالمطلب کی اولاد میں آپ کے نو چھ تھے۔ حارث، زبیر، ابوطالب، حمزہ، غنڈاق، ہزار، مقوم، ابولہب، عباس۔
حارث ان میں سب سے بڑے تھے اور اسی لیے آپ کو ابو الحارث کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔
حارث کی اولاد میں ابوسفیان، مغیرہ، نوفل، ربیعہ اور عبد شمس تھے۔
نوفل کے فرزند مغیرہ بن نوفل تھے جنہوں نے ابن لہج کو فرار کرتے ہوئے کو ذیاب گرفتار کیا تھا اور امیر المومنین کے بعد امامت بنت العاص سے عقد بھی کیا تھا۔
ربیعہ کے فرزند عباس بن ربیعہ تھے جن کی شجاعت میدان صفین میں دیکھنے میں آئی تھی۔
جناب ابوطالب اور عبد اللہ زبیر آپس میں حقیقی بھائی تھے اور ان سب کی والدہ گرامی جناحہ فاطمہ بنت عمرو بن مائد بن عمران بن مخزوم تھیں۔ ابوطالب کا نام عبد مناف بھی تھا، اور ان کے چار فرزند تھے۔ عقیل، طالب، جعفر، علی۔ اور ہر ایک کے درمیان دس سال کا فاصلہ تھا۔ آپ کی دو بیٹیاں بھی تھیں، ام ہانی فاختہ اور حجازہ اور ان سب کی والدہ گرامی جناب فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھیں۔ جناب ابوطالب کا مشہور نام عمران ہے جس کی بنا پر آپ کو ابوطالب کو آل عمران بھی کہا جاتا ہے۔
حجازہ ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب کی زویہ تھیں اور ام ہانی ابولہب، ہیرہ بن مخزومی کی زویہ تھیں جن کے فرزند جعدہ بن ہیرہ خراسان میں حضرت علی کی طرف سے حاکم تھے۔
عباس کی کنیت ابو الفضل تھی اور ان کی ماں کا نام ہزار تھا۔ ان کے ۹ فرزند اور تین دختر تھیں۔
عبد اللہ، عبید اللہ، فضل، قثم، معبد، عبد الرحمن، تمام، کثیر، حارث، ام حبیب، آمنہ، صفیہ، ام حبیب اور ابتدائی ۶ بھائیوں کی ماں ام الفضل بابر بنت الحارث تھیں جو بیوی بنت الحارث زویہ پیغمبر کی بہن تھیں۔

ابولہب کے فرزند عقبہ، عتیبہ، معتب اور ذرہ تھے جن کی ماں ام حبیل خواہر ابوسفیان تھی جسے قرآن مجید نے حالۃ الحطب کے نام سے یاد کیا ہے۔

عمات رسول

اعمام کے علاوہ رسول اکرم کی چھ عمت بھی تھیں جن کی مائیں مختلف تھیں۔ امیرہ ام حکیم، بڑہ، عاتکہ، صفیہ، اردوی۔
امیرہ جنہیں فاطمہ بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی ایک دختر زینب تھی جس کا عقد زید بن حارثہ سے ہوا تھا، اور ان کے طلاق دے دینے کے بعد حضور نے عقد کر لیا تھا۔
برہ بنت عبدالمطلب کا دوسرا عقد عبد اللہ سلمہ بن ہلال سے ہوا تھا، جن سے ابوسلمہ کی ولادت ہوئی جو جناب ام سلمہ کے شوہر قرار پائے اور ان کے انتقال کے بعد رسول اکرم نے ان سے عقد فرمایا۔
عاتکہ بنت عبدالمطلب عمیر بن وہب کی زویہ تھیں، اور ان کے بعد کلابہ بن عبد مناف سے عقد کر لیا تھا۔
صفیہ حارث بن حرب بن امیہ کی زویہ تھیں۔ حارث کے بعد عوام بن خویلد (جناب حدیجہ کے بھائی) سے عقد کیا جس سے زبیر کی ولادت ہوئی۔
روایات میں وارد ہوا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے وقت تمام بیٹیاں زندہ تھیں اور آپ نے سب سے لاشد برگریہ کرنے کی وصیت کی تھی بلکہ اپنے سامنے سب سے مرثیہ بھی سن لیا تھا کہ کون بیٹی کس طرح گریہ کرے گی اور اس کا مرثیہ کن مضامین کا حامل ہوگا۔
اعمام پیغمبر میں سب سے اہم مرتبہ جناب ابوطالب اور جناب حمزہ کا ہے جن کے ایمان و کردار اور مجاہدات کے واقعات سے تاریخ اسلام بھری ہوئی ہے۔
جناب ابوطالب محافظ پیغمبر صاحب فضائل و کمالات، محافظ حرم، امانت دار، آثار نبیہ اور اولیاء تھے اور جناب حمزہ بہترین شجاع و بہادر تھے۔ جنگ احد میں شہید ہوئے تو رسول اکرم نے ان کے جنازہ پر شتر تکبیریں کہیں۔
اولاد جناب ابوطالب میں مولائے کائنات کے علاوہ جناب جعفر بھی عظیم مرتبہ کے مالک تھے۔

ہجرت حبش میں سربراہ قافلہ کی حیثیت سے گئے اور فتح خیبر کے موقع پر واپس آئے تو رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ میں کسی چرکی یا بادیہ خوشی مناؤں، جعفر کے واپس آنے کی یا خیبر کے فتح ہو جانے کی۔ جناب جعفر جنگ موتہ میں شریک ہوئے اور دونوں ہاتھ کٹا کر شہید ہو گئے جس کے عوض میں پروردگار عالم نے جنت میں بال و پر عنایت کر دیے اور ملائکہ مقربین کے ساتھ سایہ رحمت الہی میں پرواز کر رہے ہیں۔ جناب عقیل بھی ایک عظیم مرتبہ کے مالک تھے اور رسول اکرمؐ ان سے بے پناہ محبت فرماتے تھے، یہاں تک کہ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے عقیل سے ڈہری محبت ہے، ایک ان کے ذاتی اوٹھا کی بنا پر، اور ایک جناب ابوطالب کے ان سے غیر معمولی طور پر محبت کرنے کی بنا پر۔!

اصحاب رسول اکرمؐ

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مالک کائنات نے سرکار دو عالمؐ کو ایسے اہلیت عنایت فرمائے تھے جس کی نظیر انبیاء و مرسلین کی تاریخ میں بھی کہیں نظر نہیں آتی ہے اور ان سب کو زور و بصرت سے آراستہ کر کے آئیہ تطہیر کا مصداق قرار دے دیا تھا لیکن اس کے باوجود ان کے کردار کو تربیت رسولؐ کا شاہکار نہیں قرار دیا جاسکتا ہے کہ یہ حضرات اپنی صحت و طہارت کی بنا پر اس طرح کی تربیت کے محتاج نہیں تھے جس طرح کی تربیت ایک مرنی کا شاہکار شمار کی جاتی ہے۔ ضرورت تھی کہ کچھ ایسے افراد بھی ہوتے جو خافوادہ صحت و طہارت سے الگ عام انسانوں جیسے ہوتے اور سرکار دو عالمؐ ان کی علمی اور عملی تربیت کر کے انہیں اپنے خدمات کا شاہکار قرار دیدیتے۔ صحابہ کرام انہیں افراد اور انہیں ہستیوں کا نام ہے جنہیں سرکار دو عالمؐ نے خاک سے پاک بنایا ہے اور جن کے کردار پر سرکار کی مکمل تربیت کی چھاپ پائی جاتی ہے۔ ان کے تذکرہ کے بغیر سرکار کے خدمات کا تذکرہ نامکمل رہ جاتا ہے اور ان کی فرست میں بھی صرف انہیں افراد کا نام شامل کیا جاسکتا ہے جن کا کردار سرکار کا شاہکار بننے کے قابل ہو ورنہ جن افراد نے اپنے ذاتی اغراض و مفادات کے لیے اسلام قبول کر لیا تھا یا سرکار کی خدمت میں حاضر ہو گئے تھے ان کا نام اس فرست میں شامل نہیں کیا جاسکتا ہے چاہے انہیں صحابیت کے خطاب سے سرفراز کر دیا جائے۔ ذیل میں قابل ذکر شخصیات میں سے صرف چند افراد کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ جن کے علاوہ دیگر افراد بھی اس فرست میں شامل ہو سکتے

ہیں لیکن وہ ایک لاکھ چودہ ہزار افراد بہر حال شامل نہیں ہو سکتے ہیں جنہیں صحابہ کرام میں شامل کیا جاتا ہے۔ اور جن میں سے بعض کا کردار ننگ اسلام بلکہ ننگ انسانیت تھا اور ان کا تذکرہ بھی رسول اکرمؐ کے ساتھ مناسب نہیں، سرکار کے نیک کردار اصحاب کرام میں نمایاں کردار کے مالک درج ذیل حضرات ہیں:

سلمانؓ

یہ اصلاً فارس کے رہنے والے تھے اور فارسی کہے جاتے تھے لیکن رسول اکرمؐ نے انہیں اپنے اہلیت میں شامل کر کے انہیں سلمان محمدی بنا دیا اور ان کے بارے میں حضرت کا ارشاد تھا کہ سلمان ایک خشک نہ ہونے والا سمندر اور نعمت نہ ہونے والا خزانہ ہے۔ یہ ہم اہلیت میں سے ہے اسے برہان عطا کیا گیا ہے اور یہ نورِ حکمت کا عطا کرنے والا ہے۔ امیر المؤمنینؑ نے انہیں مشیل جناب لقمان حکیم اور صادق آل محمدؐ نے انہیں لقمان حکیم سے افضل قرار دیا ہے بلکہ بعض روایات میں انہیں صاحب عظم اور محدث قرار دیا گیا جنہیں ملائکہ سے بات کرنے کا بھی شرف حاصل تھا۔ رسول اکرمؐ کو جن چار افراد سے محبت کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور جنت جن چار افراد کی شائق تھی ان میں سلمان کا نام بھی شامل تھا۔ ایک مرتبہ عمر بن الخطاب نے سلمان سے ان کا حسب و نسب دریافت کیا تو فرمایا کہ میں مگرہ تھا رسول اکرمؐ نے مجھے ہدایت دی، نادار تھا پروردگار نے ان کے ذریعہ غنی بنا دیا، غلام تھا سمجھو نے ان کے ذریعہ آزاد کر دیا، ابھی ہے میرا حسب و نسب۔ یعنی اب میرا کوئی رشتہ سرکار دو عالمؐ کے علاوہ کسی شخص سے نہیں ہے۔

جنگ خندق میں خندق کھودنے کا مشورہ سلمان ہی نے دیا تھا۔

۳۳ء میں مدائن میں انتقال فرمایا۔ امیر المؤمنینؑ نے راتوں رات مدینہ سے مدائن تشریف لا کر غسل و کفن دیا۔ نماز جنازہ میں جعفر طیار اور جناب حضرت بھی شریک ہوئے اور ہزاروں ملائکہ نے نماز جنازہ ادا کی۔

ابوذر

جندب بن جنادہ نام تھا۔ ابوذر کینت تھی۔ تیسرے، چوتھے یا پانچویں مسلمان تھے۔ اسلام لانے کے بعد اپنے علاقہ میں واپس چلے گئے تھے اور اسی لیے بدر و احد و خندق میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ مسلمان محمدی کے بعد دوسرے درجہ کے صاحب ایمان تھے۔ رسول اکرم نے انھیں اپنی امت میں شبیہ عیسیٰ بن مریم قرار دیا تھا اور زیر آسمان بالائے زمین ہر شخص سے زیادہ سچا قرار دیا تھا۔ علیؑ، مسلمان مقداد ابوذر جن افراد کی محبت کا رسول اکرم کو حکم دیا گیا تھا اور جن کی جنت مشتاق تھی۔ ان میں ابوذر کا بھی شمار تھا۔ خلافت دوم کے دور میں شام چلے گئے تھے۔ خلافت سوم تک وہیں رہے اور مسلسل معاویہ کی قیصریت اور کسرویت پر تنقید کرتے رہے، یہاں تک کہ اس نے عثمان کے پاس شکایت لکھ بھیجی اور انھوں نے مدینہ طلب کر لیا۔ معاویہ نے حسب الحکم ایسے اونٹ پر اور ایسے رہنسا کے ساتھ مدینہ روانہ کیا کہ مدینہ پہنچتے پہنچتے پنڈلیوں کا گوشت تک چمدا ہو گیا۔ یہاں اگر عثمان کے طرز عمل پر بھی تنقید کی جس کے نتیجہ میں ربذہ کی طرف شہر بدر کر دیے گئے اور اعلان ہو گیا کہ کوئی نصحت کرنے کے لیے بھی نہ جائے۔ لیکن امیر المومنین نے اپنے فرزندوں کے ساتھ ابوذر کے الوداع میں شرکت کی اور ابوذر اس عالم میں ربذہ پہنچنے کے راستہ میں فرزند ذر کا انتقال ہو گیا۔ ربذہ پہنچ کر زوجہ نے ساتھ چھوڑ دیا اور بالآخر خود بھی انتقال فرما گئے۔ ایک دختر ساتھ تھی اس نے سر راہ کھڑے ہو کر آنے والے قافلہ کو باخبر کیا۔ سردار قافلہ مالک اشتر نے تجویز و تکفین کی۔ عبداللہ بن مسعود نے نماز جنازہ پڑھائی اور ۳۷ یا ۳۸ میں رسول اکرم کا یہ محرم اور صادق اللہجہ صحابی سپرد خاک کر دیا گیا۔ مالک اشتر کے بیان کے مطابق ابوذر کو چار ہزار درہم کا قیمتی کفن دیا گیا اور اس طرح رسول اکرم کی یہ پیشین گوئی بھی صحیح ثابت ہوئی۔

مقداد بن الاسود

ابو منجرب کینت تھی۔ باپ کا اصلی نام عمرو تھا لیکن چونکہ اسود بن عبدالغوث نے فرزند بنایا تھا اس لیے ابن الاسود کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ان کا شمار بھی ان افراد میں ہوتا ہے جن کی محبت

کا رسول اکرم کو حکم دیا گیا تھا اور جن کے اشتیاق میں جنت تڑپ رہی تھی۔ ضباہ بنت زبیر بن عبدالمطلب آپ کی زوجہ تھیں اور رسول اکرم کے ساتھ تمام غزوات میں شرکت کی ہے۔

۳۳ھ میں مدینہ سے ایک فرسخ دور جرف میں انتقال کیا اور جنازہ جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ لیکن انفسوس کی بات یہ ہے کہ ان کا فرزند عبدمثل پسر فوج ثابت ہوا اور جنگ جمل میں امیر المومنین کے مقابلہ میں لشکر عائشہ میں شامل ہو گیا اور بالآخر قتل کیا گیا جب کہ مقداد نے امیر المومنین کی حقانیت اور عظمت میں کبھی شک بھی نہیں کیا تھا۔

بلال بن رباح

ان کی کینت ابو عبداللہ اور ابو عمرو تھی۔ ماں کا نام جہاز تھا۔ بدر و احد و خندق وغیرہ میں شرکت کی ہے۔ رسول اکرم نے موزن قرار دیا تو لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ شیخ کو سین کہتے ہیں، تو ارشاد قدرت ہوا کہ ہماری نظر میں بلال کی سین بھی شیخ ہی ہے۔ رسول اکرم کے بعد کسی کی نماز کے لیے اذان نہ کہنے کا عہد کر لیا تو اس کا تجویز ہوا کہ کلاہی علیٰ خیر العمل متروک ہو گیا۔ شام میں ۳۷ یا ۳۸ میں انتقال کیا اور باب الصغیر میں دفن ہوئے۔

جابر بن عبداللہ الانصاری

اصحاب بدر میں شمار ہوتے تھے۔ رسول اکرم نے ان کے ذریعہ امام باقر تک سلام پہنچایا تھا۔ اکثر غزوات میں رسول اکرم کے ساتھ شرکت کی اور صفین میں امیر المومنین کی کتاب میں رہے۔ مدینہ کی لگیوں میں اس حدیث مبارک کا اعلان کرتے رہتے تھے کہ،

”عَلَى خَيْرِ الْبَشَرِ مَنْ أَجْبَى فَقَدْ كَفَرَ“

(علیٰ خیر البشر ہیں، جو اس کا منکر ہو جائے وہ کافر ہے)

نیز یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اپنے بچوں کو محبت علیؑ کے ذریعہ آزماؤ اور انکا رد میں تو ان کی ماں کے کردار کا جائزہ لو۔

۳۷ھ میں ۹۰ سال سے زیادہ کی عمر میں انتقال فرمایا، اور یہ مدینہ کے آخری صحابی تھے

جنہوں نے سب سے آخر میں دار دنیا سے رحلت کی ہے۔

حذیفہ بن الیمان العنسی

رسول اکرم اور امیر المؤمنین کے مخلص اصحاب میں شمار ہوتے تھے۔ جنگ احد میں اپنے والد اور بھائی کے ساتھ شریک ہوئے اور ان کے والد وہیں شہید ہو گئے۔ رسول اکرم نے انہیں منافقین کے نام بتائیے تھے لہذا جس کے جنازہ میں شرکت نہیں کرتے تھے لوگ اس کے منافق ہونے کا فیصلہ کر لیتے تھے۔ جناب سلمان کے بعد مدائن کے والی قرار پائے اور جنگ جمل سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ حذیفہ کا شمار ان سات افراد میں ہوتا ہے جنہوں نے صدیقہ طاہرہ کی نماز جنازہ میں شرکت کی ہے۔

ابو ایوب انصاری

خالد بن زید نام تھا۔ بدر اور دیگر معرکوں میں شریک رہے ہیں۔ رسول اکرم کے بعد امیر المؤمنین کے ساتھ جمل و صفین و نہروان میں شرکت کی ہے۔ رسول اکرم نے ہجرت کے بعد انہیں کے مکان میں قیام فرمایا تھا اور انہوں نے بہترین خدمات انجام دی تھیں۔ صفین میں معاویہ کے خیبر پر حملہ کر دیا تھا لیکن وہ فرار ہو گیا۔ اس کے بعد معاویہ کی طرف سے مترفع بن منصور نے حضرت علیؑ کے خیبر پر حملہ کیا تو ابو ایوب نے ایسا وار کیا کہ سرکٹ گیا۔ لیکن ظالم پشت فرس پر باقی رہا یہاں تک کہ جب گھوڑے نے سکندری کھائی تو سر الگ دکھائی دیا اور جسم الگ۔

معاویہ ہی کے زمانے میں روم کی جنگ میں شرکت کے لیے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔ وقت آخر وصیت کی کہ میدان کارزار ہی میں دفن کیا جائے، چنانچہ استنبول کے قریب دفن کیے گئے۔ لیکن جنگ کے خاتمہ کے بعد رومیوں نے قبر کو کھودنے کا ارادہ کیا تو اس قدر بارش ہوئی کہ اسے حضرت ابو ایوب کی کرامت قرار دے کر اس ارادہ سے باز آ گئے اور ان کی قبر مزین خلائق بن گئی۔ رسول اکرم نے بھی اپنے اصحاب میں ایک مرد صالح کے قسطنطنیہ کے قریب

دفن ہونے کی خبر دی تھی۔

خزیمہ بن ثابت انصاری

رسول اکرم نے ان کی گواہی کو دو آدمیوں کے برابر قرار دیا تھا اس لیے انہیں ذوالشہادتین کہا جاتا تھا۔ بدر اور دیگر معرکوں میں شرکت کی ہے اور اس کے بعد مولائے کائنات کی رکاب میں رہے یہاں تک کہ صفین میں عمار یا سر کی شہادت کے بعد فوج دشمن پر زبردست حملہ کیا اور اس کے نتیجے میں شہید کر دیے گئے۔ امیر المؤمنین نے زندگی کے آخری دور کے خطبہ میں جن اصحاب کو یاد فرمایا تھا ان میں عمار ابن الیمان اور ذوالشہادتین کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے۔

زید بن حارثہ بن شراحیل الکلبی

حکیم بن حزام نے بازار عکاکا سے جناب خدیجہ کے لیے خریدا اور انہوں نے رسول اکرم کو بخش دیا۔ حارثہ آزاد کرانے کے لیے آیا تو ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور رسول اکرم کی غلامی کو آزادی پر ترجیح دی جس پر حارثہ نے اپنی ولایت سے خارج کر دیا اور رسول اکرم نے انہیں اپنا فرزند قرار دے دیا۔ اور پھر اپنی رشتہ کی بہن زینب بنت عجمش سے عقد بھی کر دیا۔ جناب جعفر طیار کے ساتھ جنگ موتہ میں بحقیقت علم دار لشکر شرکت کی اور وہیں شہید ہو گئے۔ آپ کے فرزند کا نام اُسامہ تھا اسی لیے آپ کو ابو اسامہ کہتے ہیں۔

سعد بن عبادہ بن ولیم بن حارثہ الخزرجی الانصاری

بیعت عقبہ اور جنگ بدر میں شرکت کی ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر انصار کا پرچم انہیں کے ہاتھوں میں تھا۔ باپ دادا سے عرب کے مشہور کئی افراد میں شمار ہوتا تھا۔ یثرب کے موقع پر انصار نے انہیں کو امیر بنانا چاہا تھا لیکن اتنا بظاہر ہوا کہ غریب پامال ہوتے ہوئے بچے اور عمر نے ان کے قتل کا حکم دے دیا، جس پر ان کے فرزند قیس نے عمر کا گریبان پکڑ لیا اور سعد زندہ واپس آ گئے۔ لیکن بیعت ابوبکر سے برابر انکار کرتے رہے یہاں تک کہ عمر کے دور خلافت میں شام چلے گئے اور وہاں

برابر ہر ہفتہ اپنے قبائل سے ملاقات کے لیے جایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ سرکاری اجنبیوں نے راستہ میں تیر مار کر شہید کر دیا اور یہ مشہور کر دیا گیا کہ انھیں جنتا نے قتل کیا ہے۔

ابودجانہ انصاری

بزرگ اور بہادر اصحاب میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا حرم مشہور ہے۔ جنگ یمام میں شریک ہوئے اور جب میلہ کذاب کے ساتھیوں نے حدیقۃ الرحمان میں پناہ لی تو مخصوص فنی طریقہ سے باغ میں داخل ہو گئے اور بہت سے لوگوں کو تیغ کر دیا یہاں تک کہ خود بھی شہید کر دیے گئے اور بروایت جنگ یمام تک زندہ رہے اور امیر المومنین کے ساتھ شریک معرکہ رہے۔ بہر حال نظر کو ذمے جن ۲۷ افراد کے اصحاب امام عترت میں ہونے کا تذکرہ ہے۔ ان میں ابودجانہ کا نام بھی پایا جاتا ہے کہ انھوں نے سخت ترین اوقات میں رسول اکرمؐ کا ساتھ دیا ہے جب صحابہ کی اکثریت ساتھ چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

عمار بن یاسر

رسول اکرمؐ کے عظیم ترین صحابی اور مولائے کائنات کے فدائیوں میں تھے۔ بنی مخزوم کے حلیف تھے اور ابوالیقظان کینت تھی۔ باپ کا نام یاسر اور ماں کا نام سٹیہ تھا۔ ابتدائی دور میں اسلام لانے اور اسلام کی خاطر بے حد مصائب کا سامنا کیا، یہاں تک کہ کفار ان تمام حضرات کو دوپہر کے وقت گرم ریت پر لٹا دیا کرتے تھے اور اسلام سے انحراف کی دعوت دیا کرتے تھے لیکن ان حضرات نے استقامت و استقلال کا مظاہرہ کیا اور حضور اکرمؐ نے آل یاسر کو جنت کی بشارت دی۔ ماں باپ انھیں ازیتوں کی تاب نہ لاکر دنیا سے رخصت ہو گئے اور عمار نے مجبوراً کفار کی مرضی کے مطابق الفاظ زبان پر جاری کر دیے جس کی بنا پر آیت تقیہ نازل ہو گئی اور پروردگار عالم نے ان کے ایمان اور اطمینان قلب کا اعلان فرمادیا۔ جناب عمار کی والدہ سٹیہ اسلام کی پہلی شہید خاتون ہیں۔ عمار کے بارے میں رسول اکرمؐ کی پیشین گوئی تھی کہ انھیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا اور زندگی کی آخری غذا کا سر شہیر ہوگی۔ چنانچہ ۳۳ھ و ۳۴ھ کو جنگ صفین میں ۹۰ سال کی عمر میں شہید کیے گئے اور آخری وقت میں کا سر شہر نوش فرما کر سرکارِ دو عالمؐ کی پیشین گوئی کا سوا دیا اور جان راہِ خدا میں قربان کر کے باغی گروہ کا راز فاش کر دیا۔

مالک بن نویرہ الحنفی الیربوعی

سرکارِ دو عالمؐ کے مخلص ترین اصحاب میں تھے۔ اپنے قبیلہ کے ساتھ رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم لوگوں کو ایمان کی تعلیم دینیے تو آپ نے فرمایا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرو، نماز قائم کرو، روزہ رکھو، زکوٰۃ ادا کرو، حج بیت اللہ بحال ادا کرو میرے وصی علی بن ابی طالب سے محبت رکھو، اس کے علاوہ عمرات سے پرہیز کرنا بھی ضروری ہے۔ حضرت کے اس ارشاد کے بعد مالک بزم سے باہر آئے تو نہایت ہی مسرت کے عالم میں اعلان کر لیتے تھے کہ میں نے ایمان رسول اکرمؐ سے حاصل کیا ہے اور حضرت نے فرمایا کہ جو اہل جنت میں سے کسی شخص کو دیکھنا چاہے وہ مالک کو دیکھے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے مالک کا تعاقب کیا اور ان کے استغفار کی خواہش کی کہ رسول اکرمؐ نے آپ کو اہل جنت میں قرار دیا ہے تو مالک نے کہا کہ خدا تمہیں نیک ہدایت دے۔ رسول اکرمؐ کو چھوڑ کر میرے پاس استغفار کے لیے آئے ہو جب کہ وہ مالک و مختار جنت ہیں۔

رسول اکرمؐ کے بعد مدینہ آئے اور ابو بکرؓ کو منبر پر دیکھا تو کوک دیا کہ علیؓ کے ہوتے ہوئے تمہیں یہ حق کس نے دیا ہے؟۔ انھوں نے حکم لے دیا کہ انھیں باہر نکال دیا جائے اور خالد بن ولید اور قنفذ جیسے افراد نے مار کر باہر نکال دیا۔ مالک نے طے کر لیا کہ ابو بکرؓ کو مالی زکوٰۃ نہ دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں مرتد قرار دے دیا گیا اور خالد بن ولید کے ذریعہ انھیں اور ان کی قوم کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ خالد نے تمام عورتوں کو قیدی بنا لیا اور مالک کی زوجہ سے اسی شب ہم بستری بھی کی جس کے فیصل میں سیف اللہ کا لقب حاصل کر لیا اور یہ طے ہا گیا کہ یہ "شہیر برہنہ" خلاف میں نہیں رکھی جاسکتی ہے۔
و علی الاسلام بعدہ السلام۔

حیاتِ مرسلِ عظیم کے امتیازی خطوط

ایک شب کا ذکر کیا اے جانے والے عرش پر
تیری ساری زندگی معراج ہی معراج ہے

یوں تو سرکارِ دو عالم کی حیاتِ طیبہ کے حالات و اطوار کا قیاس دوسرے ہی نوع انسان کے عادات و اطوار پر کیا جائے تو سرکارِ کاہر عمل ایک امتیازی صفت کا حامل ہوگا اور آپ کی زندگی میں کمانے پینے اور سونے جاگنے سے لے کر تبلیغِ اسلام و قرآن تک ہر نکتہ قابلِ توجہ اور جاذبِ نظر ہوگا لیکن خصوصیت کے ساتھ مالکِ کائنات نے آپ کو چند ایسے خصوصیات کا حامل بنایا ہے جن میں آپ کا قیاس انبیاء و مرسلین اور شہداء و صدیقین پر بھی نہیں کیا جاسکتا اور انہیں خصوصیات و امتیازات کو دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہر کسے راہبرِ کار سے ساختہ کے اصول کے مطابق رب العالمین نے آپ کو کائنات کے عظیم ترین مقصد کی تکمیل کے لیے بھیجا تھا اور ایسے مقصد کی تکمیل کے لیے بعثت و ارسال کا مقصد ہی یہ تھا کہ ان تمام اہلِ علموں سے صلح کر کے بھیجا جائے جو طبعی یا عملی میدان میں دفاعِ دین و مذہب کے لیے ضروری ہوں اور ان تمام فضائلِ کمالات سے مزین کر دیا جائے جن کے بغیر شخصیت کا اعتراف اور کمالات سے استفادہ ممکن نہیں ہوتا ہے اور شخصیت ہزار شکوک و شبہات کا ہدف بن جاتی ہے۔

مرسلِ عظیم کے ان امتیازی نشانات کی دو قسمیں ہیں، بعض کا تعلق آپ کی ذاتِ مقدس اور اس کے کردار و اطوار اور رفتار و گفتار سے ہے اور بعض کا تعلق آپ کے وجودِ مقدس اور اس کے ماحول یا اضافی حالات سے ہے جو شخصیت کے عملی امتیاز کا نتیجہ نہیں ہیں۔ لیکن شخصیت کی عظمت کا ذریعہ ضرور ہیں اور ان سے کمالات کی جامعیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

کسی ایک کتاب میں آپ کے جملہ امتیازات کا جمع کر دینا تقریباً ناممکنات میں ہے اور پھر جس نے اپنی زندگی میں ۴۴۴ حجرات پیش کیے ہوں اور ہزاروں خارق عادات اور کا مظاہرہ کیا ہو اس کے امتیازات کی فہرست کے لیے بھی مفصل کتاب کی ضرورت ہے۔ تشریح و توضیح کا مرحلہ تو بعد میں شروع ہوتا ہے۔ ذیل میں صرف چند امتیازات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تاکہ ایک اجمالی خاکہ نظر میں آجائے اور تفصیلات و تشریحات کے بارے میں غور کرنا یا لکھنا پڑھنا آسان ہو جائے۔

ولادت

مشہور و معروف بات ہے کہ سرکارِ دو عالم کی ولادت باسعادت ۷ ربیع الاول ۱۲۰۰ عام الفیل میں ہوئی ہے اور عام الفیل اسلامی تاریخ میں اس سال کو کہا جاتا ہے جب ابرہہ نے اللہ کے خاندانِ خدا کو منہدم کر کے اپنے خود ساختہ "قبلہ و کعبہ" کو واقعی کعبہ بنانے کا عہد کر لیا تھا اور اس عظیم کام کے لیے ایک شہر پارہا تھیوں کے لشکر کا بھی انتظام کر لیا تھا جس کی ہیبت کا یہ عالم تھا کہ اہل مکہ گھر چھوڑ کر بھاگ گئے اور خاندانِ خدا کا جو ارب بھی انھیں وحشت و دہشت سے محفوظ رکھ سکا صرف ایک حضرت عبدالمطلب (رسول اکرم کے جد بزرگوار) تھے جنہوں نے اس سنگین ترین صورت حال میں بھی غارتگہ کا دفاع کیا اور بھاگنے کے بجائے ابرہہ کے سامنے پہنچ گئے۔ ابرہہ ان کی اس جرأت و ہمت اور عزم و حوصلہ کو دیکھ کر دنگ رہ گیا اور مصالحت کی پالیسی پر اتر آیا۔ عبدالمطلب کا احترام کیا اور انہیں عزت کے ساتھ بٹھاتے ہوئے آنے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ تیرے لشکر والوں نے میرے اونٹ بکڑ لیے ہیں، میں ان کا مطالبہ کرنے آیا ہوں۔

عبدالمطلب کے مقابلہ کا انداز اتنا عجیب و غریب تھا کہ ابرہہ نے گھبرا کر اس حقیقت کو زبان پر جاری کر دیا جس کے بغیر عبدالمطلب کا استدلال آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ اس نے کہا کہ مجھے سنت حیرت ہے کہ تمہیں اپنے اونٹوں کی فکر ہے اور جس گھر کے ستون اور محافظ ہو اس کی فکر نہیں ہے۔

عبدالمطلب نے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ فرمایا بلکہ چیلنج کیا کہ جس طرح میں ان اونٹوں کا مالک ہوں اس گھر کا بھی کوئی مالک ہے جو اسے پالے گا اور اس طرح ایک بہترین صلح کی کیفیت سے ابرہہ کو غفلت الہی کی طرف بھی متوجہ کیا اور اہتمامِ کار سے بھی آگاہ کر دیا جو ہر مبلغِ کامرین طریقہ کار

ہونا چاہیے کہ قوم کو ابتداء اور انتہاء، ابتدا اور معاد سے باخبر رکھے کہ باقی مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے
اب رہے اس نکتہ کو نہ سمجھ سکا اور بالآخر حمد کا قصد کر لیا۔ رب العزت نے اس قدر سپر پاور کے
مقابلہ میں ایک ابابیل کا لشکر بھیج دیا جس نے اب رہے کے سارے لشکر کا خاتمہ کر دیا اور اس کا اعلان اس
انداز سے کیا کہ:

۱۔ ہمارے پاس ایک غیبی لشکر بھی رہتا ہے۔

۲۔ ہم سپر پاور (SUPER POWER) کا مقابلہ لشکروں سے نہیں بلکہ لنگریوں سے کیا کرتے ہیں۔

۳۔ ہمارا کام آخری مرحلہ تک تمام حجت ہوتا ہے اور اس کے بعد عذاب نازل کرتے ہیں۔

۴۔ ہمارے پیچھے ہوئے ابابیل اور پرندہ بھی خطا کار نہیں ہو سکتے ہیں کہ کسی بے گناہ پر لنگر
پھینک کر چلے آئیں۔

۵۔ ہمارے مخلصین کا فرض ہے کہ ہماری امداد پر اعتماد رکھیں اور فرار کے بجائے مقابلہ کا
راستہ اختیار کریں۔

تاریخ عرب میں اس واقعہ کو واقعہ اصحاب الفیل اور اس سال کو عام الفیل کہا جاتا ہے
جن کا مفہوم یہی ہے کہ خانہ خدا پر وارد ہونے والے لہائی مصائب نے سال کو عام الفیل بنا دیا جس
طرح کہ اسلام میں وفات خدیجہ رضی اللہ عنہا سے مرسل اعظم پر وارد ہونے والے حد سے اس سال
کو عام الحزن بنا دیا۔ اور تاریخ میں ایک مثال قائم ہو گئی کہ محدود مدت کا غم بھی پورے سال کو
عام الحزن بنا سکتا ہے اگر غم اسی قدر اہمیت کا حامل ہو، دس پانچ دن کے ایام غم بن جانے میں کیا
تامل ہو سکتا ہے۔

عام الفیل میں سرکارِ دو عالم کی ولادت اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ اب کسی لشکر ابابیل
کی ضرورت نہیں ہے۔ اب خانہ خدا مستقل محافظ آ رہا ہے جس طرح کہ علی کی ولادت کے بعد عرب
کو کسی "معیار اولاد" کی ضرورت نہیں رہ گئی تھی۔

اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ جس طرح تم نے کل دیکھ لیا ہے کہ خدا کا بھیجا ہوا مختصر پرندہ بھی غلطی
نہیں کر سکتا ہے ویسے ہی آج بھی اندازہ کر لیا کہ اسے بھی میں ہی پیچ رہا ہوں، لہذا اس کی زندگی میں بھی
کسی خطا کا احسان نہیں ہے اور اس کی زندگی میں بھی خطا کا احتمال دینا اب رہتی ہے ضلالت ہی نہیں ہے۔

اسلام میں واقعات کے تعارف میں عام الفیل کا استعمال دو مقامات پر ہوتا ہے۔ ولادت
سرکارِ دو عالم اور ولادت مولائے کائنات (سلسلہ عام الفیل)۔ اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ
دونوں خدائی نائنڈے ہیں اور دونوں کے کردار کا اندازاً منہ ہے اور دونوں کے آنے کے بعد
رہیں خدا اور خانہ خدا کو کسی غیبی لشکر کی ضرورت نہیں رہ گئی ہے۔

رب العالمین نے اس واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے سورہ قمر میں اپنے اس احسان کو یاد دلایا
ہے کہ ہم نے اب رہے کے لشکر کو فنا کر کے سردی و گرمی کے سفروں کو محفوظ کر دیا اور بھوکوں کے کھانے پینے
کا انتظام کر دیا جس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ بظاہر تو آمد ابابیل ایک غیبی مقصد کے
لیے تھی لیکن واقعاً اس کا ایک مثبت پہلو بھی ہے اور وہ بھوکوں کا سیر کرنا اور خون زندہ افراد کو اطمینان
فراہم کرنا ہے۔

سلسلہ عام الفیل میں سرکارِ دو عالم کی ولادت بھی انہی دونوں نکتوں کی طرف اشارہ ہے اور
شاید اسی لیے آپ کی آمد کے لیے جناب عبداللہ کے صلب اور جناب آمنہ کے بطن مبارک کا انتخاب
کیا گیا تاکہ عالم انسانیت پر یہ بات واضح ہو جائے کہ دنیا کو عہدیت و بندگی کا دہن دینے والا اور
خون زندہ دنیا کو امن فراہم کرنے والا آ رہا ہے اور اس کے آجانے کے بعد نہ بندگی کو کوئی خطرہ
رہ جائے گا اور نہ امن عالم کو۔ یہ عبداللہ کا لال ہو کر درس عہدیت ہے گا اور آمنہ کا فرزند بن کر امن
دیکھون فراہم کرے گا اور مطعم الطیر کا چشمہ و چراغ بن کر بھوکوں اور پیاسوں کے سیر و سیراب کرنے
کا انتظام کرے گا۔

محل ولادت

سال ولادت کی طرح رب العالمین نے آپ کے محل ولادت کو بھی ایک امتیاز عطا
فرمایا ہے اور اس کے لیے ابوطالب جیسے شریف، غیرت مند، مرقی، محافظ اور صاحب جرات
و ہمت کے گھر کا انتخاب کیا ہے تاکہ ان کے ایمان کی وضاحت کے ساتھ ساتھ سرکارِ دو عالم کی
عظمت و جلالت کا بھی اندازہ ہو جائے اور دنیا پر یہ واضح ہو جائے کہ ہماری مصلحتوں کا انداز
بالکل جدا گانہ ہے، ہم اپنے حبیب خاص کو ابوطالب کے گھر میں پیدا کرتے ہیں اور ابوطالب

کے فرزند کو اپنے گھر میں پیدا کرتے ہیں اور دونوں کی ولادت کا تعارف قصہ اصحاب الفیل سے کراتے ہیں تاکہ عالم عقل و شعور پر واضح ہو جائے کہ یہ دونوں میرے گھر کے مستقل محافظ ہیں اور یہ ابوطالب کی خدمتوں کا ایک حصہ ہے جو ولادتِ علیؑ کی شکل میں دیا جا رہا ہے۔

ابتدائی زندگی

پدر بزرگوار کا انتقال دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے ہو گیا۔ ماں نے بھی بچنے ہی میں ساتھ چھوڑ دیا۔ حضرت عبدالمطلب کی کفالت میں رہے اور خاندانِ خدا کا محافظ بندہ خدا کا محافظ قرار پایا، اور جب وہ دنیا سے جانے لگے تو انھوں نے اپنی تمام اولاد میں ابوطالبؑ کا انتخاب کے تحت نظر رست کا کام ان کے حوالے کر دیا اور انھوں نے مکمل علم و ایقان اور شناخت و عرفان کے ساتھ سرکارِ کی تربیت و نگہداشت کا انتظام کیا۔

مکہ کے کاہنوں نے بتایا کہ یہ فرزندِ عظیم انسان ہے۔ سفرِ تجارت میں راہب نے آگاہ کیا کہ اس کا مستقبل درخشاں ہے اور دیگر وسائل و ذرائع سے حیثیتِ نبوت کا اندازہ ہوتا رہا، لیکن ابوطالبؑ نے زندگی کا خاتمہ کر دینے کے بجائے اس کا تحفظ کر کے واضح کر دیا کہ اختلافِ عقائد و کردار میں زندگی کا خاتمہ کیا جاتا ہے تحفظ نہیں کیا جاتا ہے پھر میرے کردار کو واقعہ عقبہ سے ملا کر دیکھو گے تو اندازہ ہو گا کہ صحابیت کسی مقام پر بھی ہو لیکن جگر جگر ہے دگر دگر ہے۔“

کسی کے عالم میں کاہنوں اور راہبوں کا مستقبل کے بارے میں بیان دینا علامت ہے کہ سرکارِ دو عالم کی ابتدائی زندگی بھی بڑی امتیازی حیثیت کی مالک تھی اور آپؐ کے بچنے کا قیاس بھی نیا کے دوسرے انسانوں پر نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یا واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ راہب کاہن نے آپؐ کے چہرہ اقدس میں اسی طرح کمالات کا شاہدہ کر لیا تھا جس طرح آپؐ نے امت کو متوجہ کیا تھا کہ آدم کا علم، نوح کا زہد، ابراہیم کی خلعت، موسیٰ کی ہیبت، عیسیٰ کا تقویٰ یوسف کا حرج مال اور دیگر انبیاء کرام کا فضل و کمال دیکھنا ہو تو علیؑ کے چہرے پر نظر کرو۔ اس ایک آئینہ میں سارے جلوے نظر آجائیں گے، جس طرح راہب و کاہن نے میرے چہرے میں سارے کمالات کا شاہدہ کر لیا تھا۔

ازدواج

ایک سفرِ تجارت سے واپسی پر جہاں آپ جناب خدیجہؓ کے مال سے بطور نمائندہ تجارت کر رہے تھے جب خدیجہؓ کے غلام نے آپ کے فضائل و کمالات اور مناقب و کرامات کا تذکرہ کیا تو خدیجہؓ نے موقع کو نہایت درجہ مناسب دیکھتے ہوئے سماج کے تمام بندھنوں کو توڑ کر آپ کے پاس عقد کا پیغام بھیج دیا اور اس طرح ابتدائی مراحل طے کرنے کے بعد ایک ۲۵ سال کے جوان کا عقد بظاہر ۴۰ سال کی خاتون سے ہو گیا۔ اور سماج کے تمام مفروضہ اصول خاک میں مل گئے، مالِ دولت، تجارت و مزدوری، طبقات، فرضی حیا و غیرت، سماجی رسم و رواج سب پیروں تلے روند دیے گئے اور صاحبِ معراج کے قدم خدیجہؓ کے دوش کمالات پر آگئے۔

جناب ابوطالبؑ نے خطبہ عقد پڑھا اور کمالات کے مقابلہ میں مال کی بے وقعتی کا اظہار کیا اور عالم انسانیت کو نئے اقدار سے روشناس کراتے ہوئے صاحبانِ کمال کو دولتِ فقر و تنگدستی کے مقابلہ میں احساسِ کمتری سے نجات دلانے کا انتظام کر دیا۔

بعثت

تقریباً ۱۵ سال کی ایشار بھری گھر طو زندگی گزارنے کے بعد رب العالمین نے ایک نئی ذمہ داری کا بوجھ کاندھوں پر رکھ دیا اور سورہ اقرس کے ذریعہ پیغامِ الہی پڑھ کر لوگوں کو دعوتِ مومنہ دینے کا حکم دے دیا۔ غارِ حرا کی منزل ذکر و فکر تمام ہوئی اور رسالت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کا وقت آگیا۔

ابتدائی خفیہ دعوت کے بعد عشیرہ و قبیلہ کے سامنے پیغام پیش کرنے کا حکم آگیا اور آپؐ نے خشک دعوت کے بجائے حکم رب العالمین کھلنے کا انتظام شروع کر دیا۔ حضرت علیؑ ہتم قرار پائے اور چالیس افراد خاندان کو مدعو کر لیا گیا۔

مختصر سے کھلنے سے چالیس آدمیوں کو سیر کرنے کے بعد رسول اکرمؐ نے پیغام سنانے کا ارادہ کیا تو ابولہب نے قوم کو بھڑکادیا اور کہا کہ یہ جادو گر ہیں۔ لوگوں نے فرار اختیار کیا اور آپؐ نے

جو رادوسے دن پھر دعوت کی اور آخر کار اپنا پیغام پیش کر دیا جس میں توحید الہی اپنی رسالت اور خیر دنیا و آخرت کا ذکر تھا۔ جس کے بعد آپ نے نصرت کا مطالبہ کیا اور خلافت کا وعدہ کیا۔ ساری قوم میں تنہا حضرت علیؑ نے نصرت کا وعدہ کیا اس لیے کہ ان کی رگوں میں ابوطالب کا خون دوڑ رہا تھا جو پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ میرے سردار آپ اعلان کریں کس کی مجال ہے جو میرے ہوتے ہوئے آپ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔ علیؑ کے وعدہ نصرت پر رسول اکرمؐ نے ان کی وصایت و وزارت و خلافت کا اعلان کر دیا اور اس طرح اسلام کے جملہ بنیادی اصول توحید، عدالت، رسالت، آخرت اور خلافت کا اعلان ہو گیا اور حضرت ابوطالب نے بھی اپنی حکومت اور مرسل اعظمؐ کی سیادت و صاکیت کا اعلان کر دیا تاکہ اسلام روز اول سے مکمل شکل میں سامنے آجائے اور اس میں کسی طرح کی کوئی کسر نہ رہ جائے نہ اصول میں کوئی کمی رہ جائے اور نہ سن و سال اور رشتہ و قربت میں بزرگی بننے پائیں۔

رد عمل

اس اعلان کا رد عمل یہ ہوا کہ چاروں طرف سے ہجوم مصائب شروع ہو گیا۔ ایک طرف رسول اکرمؐ کو ظنا لا الہ الا اللہ کی تبلیغ کر رہے ہیں اور دوسری طرف کفار ان کے ساتھ تمام حلقہ گوش ہو جانے والوں کو طعین طعین کی اذیت دے رہے ہیں۔ جناب یاسر و سید کی شہادت اور جناب عمار کا تھپا اسی دور کی یادگار سیرتیں ہیں۔ حالات کے انتہائی نازک ہو جانے کی بنا پر مرسل اعظمؐ نے ہجرت کا حکم دے دیا اور جناب جعفر طیار کی سرکردگی میں مسلمانوں کی ایک جماعت کو حبشہ روانہ کر دیا جو نظائر مسلمانوں کی جان بچانے کی تدبیر تھی لیکن واقعاً اسلام کے پیغام کی اشاعت کا ایک راستہ تھا، اور اسی لیے اس کام کے لیے بھی ابوطالب ہی کے ایک فرزند کا انتخاب کیا گیا۔ جنہوں نے نجاشی کے دربار میں ایسا خطبہ پڑھا اور سورہ مریم کی آیات کی اس شان سے تلاوت کی کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اس نے مکہ کے مشرکین کی طرف سے مسلمانوں کی واپسی کا مطالبہ کرنے والے وفد کو نہایت ذلت کے ساتھ باہر نکال دیا اور اسلام ملک حبشہ تک پہنچ گیا اور ہجرت کا پہلا فائدہ یا فسطح منظر عام پر آ گیا۔

ہجرت

تھوڑے عرصے کے بعد شعب ابی طالب کی سرسال مشقت آفریں زندگی کا خاتمہ ہو گیا اور

کفار نے اپنے سادہ کو توڑ کر قدرے مہلت دی تو رسول اکرمؐ نے کار تبلیغ کو تیز تر کر دیا لیکن اسلام کے دونوں محافظ ایک ساتھ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اور صحابہ شہادت کا سہا ہی ابوطالب دنیا سے رخصت ہوا اور اصرحہ نماز ایشیاری کی مجاہدہ خدیجہ بنو نے دنیا کو خیر یاد کر دیا اور رسول اکرمؐ کی تنہائی اور پریشانی کو دیکھ کر رب العالمین نے انہیں پر نفس نفیس، ہجرت کا حکم دے دیا۔

مسلمان بڑی تعداد میں پہلے ہی ہجرت کر چکے تھے۔ اب آپ بھی تیار ہو گئے اور بہتر پر حضرت علیؑ کو چھوڑ کر مانتوں کی واپسی کی ہدایت دے کر روانہ ہو گئے۔ اب زید کفار میں نکلا گیا ہے اور جناب فاطمہ بنت اسد اور جناب فاطمہ بنت محمدؑ جن کے صبر و استقلال کی تعریف و توصیف ناممکن ہے کہ ایسے سنگین ترین حالات میں بھی گھر میں رہ کر صبر و سکون کا مظاہرہ کیا اور کسی طرح کے ناروشیوں کی آواز بلند نہیں کی جب کہ ایسے موقع پر بڑے بڑے بہادر بھی رو دیا کرتے ہیں۔ صبح ہوئی۔ کفار کو حضرت علیؑ کو دیکھ کر مایوسی ہوئی، انتقام کا جذبہ ابھرا اور جب حضرت علیؑ فواطم کا قافلہ لے کر چلے تو کفار سدا راہ ہو گئے حالانکہ ان کی امانتیں انہیں واپس مل چکی تھیں اور حضرت علیؑ کے ذمہ کسی کا کوئی حق باقی نہ تھا۔

مزاہمت ہوئی اور شدید اندانہ سے ہوئی۔ لیکن حضرت علیؑ کا سیابی کے ساتھ قافلہ کو لے کر آگے بڑھ گئے اور مدینہ کے باہر سرکارِ مدینہ سے مل گئے جہاں آپ حضرت علیؑ کا انتظار کر رہے تھے ہجرت کے دوسرے دور میں مدینہ میں تبلیغ کا کام شروع ہوا اور رسول اکرمؐ نے ایک بہتر کا سنگ بنیاد رکھا جس کا مقصد بھی یہ واضح کرنا تھا کہ اسلام کا مرکزی مقام اور تبلیغ کا بنیادی سینٹر یہی خانہ خند ہے جہاں سے اسلام کی آواز پھیل سکتی ہے اس کے بعد اسلام دارالامارہ اور گورنمنٹ ہاؤس کی نذر ہو گیا تو اس کی صورت مسخ ہو جائے گی اور وہ اپنی اصالت اور واقعیت کو کھو بیٹھے گا۔ واضح رہے کہ ہجرت انسان کا ایک فطری عمل ہے جس کا رد عمل خارجی حالات میں بھی ظاہر ہوتا ہے ورنہ انسان ابتدائے پیدائش سے مشغول سفر اور مصروف ہجرت رہتا ہے۔ بچپن سے جوانی سے ضعیفی، ناتوانی سے طاقت اور جہالت سے علم کی طرف کا سفر ایک طرح کی ہجرت ہی ہے جس میں بہتر حالات کی طرف آگے بڑھنے کی ہم ہوتی ہے۔ اب جن کی نظر میں بہتر حالات سے مراد مال و دولت و اقتدار ہے وہ ان مراکز کی طرف ہجرت کرتے ہیں اور جن کی نگاہ میں بہتر حالت

سے مراد خدمتِ دین و مذہب ہے وہ ان مراکز کی طرف ہجرت کرتے ہیں جہاں خدمتِ دین کے بہترین مواقع ہوں اور اصلاحِ امت کا کام بہترین طریقہ سے انجام دیا جاسکے۔

ہجرت کے بعد

مدینہ آنے کے بعد بھی کفار کو سکون نہ ملا اور انہیں یہ خیال رہا کہ جب ہم ان کو ان کے وطن سے باہر نکال سکتے ہیں تو انہیں عالمِ غربت اور دیارِ غیر میں فنا کر دینا کیا مشکل کام ہے اور اُدھر ہجرت کی شرمندگی کا علاج کرنا بھی مقصود تھا، چنانچہ مدینہ پر چڑھائی کی تیاریاں شروع ہو گئیں حضور اکرمؐ نے کفار کے قافلہ تجارت کو روک کر اپنی طاقت کا بھی مظاہرہ کرنا چاہا اور کفار کے ہاتھوں خصب ہو جانے والے اموالِ مسلمین کو بھی واپس لینا چاہا اور اس کے نتیجے میں بدر میں اسلام کا پہلا معرکہ پیش آیا۔ ۳۱۳ خالی ہاتھ مسلمان اور ۹۵۰ مسلح کفار۔ لیکن رب العالمین نے مادی اور معنوی کمک کے فیضی اسباب فراہم کر دیے اور بالآخر اسلام غالب آگیا اور کفار کے شتر آدمی قتل ہو گئے۔ بن جیہ ۳۵ کو تنہا فرزند ابوطالب حضرت علیؑ نے قتل کیا تھا اور باقی ۳۵ کے قتل میں مجاہدین کی کمک کی تھی۔ اُدھر شتر مشرکین گرفتار بھی ہو گئے اور مسلمانوں کو مالِ غنیمت بھی حاصل ہو گیا۔

عقد جنابِ فاطمہؑ

جنگ بدر کے بعد رسول اکرمؐ نے حکمِ خدا کے مطابق تمام مسلمانوں کے پیغامات کو ٹھکرا کر حضرت علیؑ سے اپنی بیٹی فاطمہ کا عقد کر دیا۔ لیکن سامانِ عقد میں زرد دولتِ خدیجہ کام آئی اور ز مسلمانوں کا مالِ غنیمت۔ بلکہ آپ نے حضرت علیؑ کی زرہ کو فروخت کر کے ان سے ۵۰۰ درہم چھریا اور اس میں ۴۳ درہم کا سامان خرید کر بطور جہیز دے دیا اور باقی حضرت علیؑ کو انتظامِ خازناری اور اہتمامِ ولیمہ کے لیے دے دیا۔ رقم مہر کا ایک اچھا حصہ خوشبو پر صرف کیا کہ یہ اسلام میں مال کا بہترین مصرف ہے اور اسلام صفائی، پاکیزگی اور خوشبو پر کافی زور دیتا ہے۔

یہ اسلام میں ایک تاریخی اور شادی تھی جس کا عقد آسمان پر بھی ہوا اور زمین پر بھی۔ جس کا ہنسی بھی تھا اور مادی بھی۔ لیکن اس کا مصرف ایک عام معمولی شادی سے بھی کتر تھا جس نے امت کے فریبوں

کا بھرم رکھ لیا، اور قیامت تک ہونے والی شادیوں کے لیے ایک راستہ قائم کر دیا جس کے بعد پریشانی "خود کردہ راعلا جیہ نیست" کی مصداق ہے، جس کی کوئی ذمہ داری اسلام پر نہیں ہے۔

معرکے

بدر کی شکست کے بعد کفار میں جذبہٴ انتقام پیدا ہو گیا اور سب سے پہلے احد کا معرکہ پیش آگیا۔ یہ معرکہ خاص مدینہ کے اطراف میں ہوا اور اسے حضرت علیؑ نے چند مجاہدین کے ساتھ سر کر لیا تھا۔ لیکن مسلمانوں نے حکمِ رسولؐ کی مخالفت میں ذرہ کو چھوڑ دیا اور خالد بن ولید نے دوبارہ حملہ کر کے جنگ کا نقشہ بدل دیا اور مسلمان میدان سے فرار کر گئے۔ اور اس طرح یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ رسول اکرمؐ کے حکم کی خلاف ورزی کا مالِ غنیمت کی لالچ، اور رسولؐ کے تقسیمِ غنائم پر عدمِ اعتماد کا انجام کیا ہوتا ہے اور واضح ترین کامیابی کی کس طرح شکست میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

اس کامیابی نے کفار کے حوصلے بڑھا دیے اور انہوں نے تمام احزاب کو جمع کر کے قلبِ مدینہ پر حملہ کر دیا اور ان کا سربراہ عمرو بن عبدود خیز رسولؐ تک آگیا اور معرکہ کفار و مسلمین کے بجائے کل اسلام اور کل کفر کا ہو گیا۔ لیکن حضرت علیؑ کی ایک ضربت نے جنگ کا فیصلہ کر دیا اور رسول اکرمؐ نے اس ضربت کو عبادتِ تقنین پر بھاری قرار دے دیا۔

جنگِ خندق نے کفار کے حوصلے اس حد تک تو پست کر دیے کہ باہر جا کر لڑنے کی ہمت نہیں رہ گئی لیکن جب مشرکوں میں رسول اکرمؐ کے لیے مکہ گئے تو انہیں بیرونِ آبادی روک دیا اور شہر میں غلط سے منع کر دیا۔ متعدد محنتوں کے بعد صلحِ حدیبیہ کی نوبت آئی اور حضرت علیؑ نے حکمِ رسولؐ سے صلح نامہ مرتب کر دیا۔ بعض مسلمانوں کو رسالت میں شک بھی ہو گیا لیکن خدا نے اس صلح کو فتح میں قرار دے دیا جس کے بعد دوسرے سال مکہ خالی ہو گیا اور مسلمانوں نے باقاعدہ عمرہ کر لیا اور یہ سرد و گرم دونوں طرح کی جنگ کی کھلی ہوئی فتح تھی۔ سرد جنگ کی کامیابی کا دازیرہ تھا کہ کفار نے اسلام کی مذہبی حیثیت کو تسلیم کر کے مسلمانوں کو عمرہ کا موقع دے دیا اور گرم جنگ کی فتح یہ تھی کہ طاقت کے مقابلہ کا ذکر نہیں آیا اور از خود مکہ خالی ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں مشرکوں میں شک بھی فتح ہو گیا اور کعبہ کی بتوں سے غالی بھی کر دیا گیا۔ یہ اور بات ہے کہ اسلام فتح کے بعد انتقامی کارروائی نہیں کرتا ہے بلکہ سرکاری مجرمین کو معاف کر دیتا ہے اور صرف عوامی مجرمین سے

محاسبہ کرتا ہے۔

خیبر

صلح حدیبیہ کے بعد کفار کا تو بظاہر خاموش ہو گئے لیکن خیبر کے یہودیوں نے ریشہ دو انیاں شروع کر دیں اور کفار کو درغلاسنے لگے اور ان سے ملک کا بھی معاہدہ شروع ہو گیا تو رسول اکرم نے خیبر کا رخ کیا اور ۳۹ دن محاصرہ کے بعد خیبر کے جملہ قلعے فتح کر لیے اور حضرت علی نے عمرو بنی کی طرح حربہ عشر و عمارت کا بھی فاتح کر دیا اور اسلام نے یہودیت کا قلعہ بھی فتح کر لیا جس کے بعد اہل فدک از خود تسلیم ہونے پر تیار ہو گئے اور یہ علاقہ رسول اکرم کو بغیر جنگ کے ہاتھ آ گیا جو رسول اکرم کی ذاتی ملکیت قرار پایا اور آپ نے اسے اپنی بیٹی جناب فاطمہ کے حوالے کر دیا جس کی ایک داستان تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے اور جس نے امت کی پیشانی کو عرق شرم سے تر کر دیا ہے کہ امت اپنے پاس سے دختر رسول کی کفالت کرنے کے بجائے خود اس کا حق بھی نہ دے سکی یا نہ دلا سکی اور رسول اکرم کی بیٹی کو یہ وصیت کرنا پڑی کہ میرے جنازہ کو رات کی تاریکی میں دفن کیا جائے اور میرے جنازہ میں ظالموں کو شرکت کا موقع نہ دیا جائے۔

دماغ رہنے کے جناب جعفر طیار کی ہجرت جنت سے آخری واپسی اس وقت ہوئی جب حضرت علیؓ خیبر کے قلعہ کو فتح کر کے واپس آئے اور رسول اکرم نے فرمایا کہ میں کس چیز کی زیادہ خوشی منادوں، خیبر کی فتح کی یا جعفر کی واپسی کی۔ اور اس طرح روح ابوطالبؓ خوشی سے وجد کرنے لگی کہ ایک فرزند نے سرد جنگ کو سر کیا ہے تو دوسرے نے صلح مقابلہ کے میدان کو فتح کر لیا ہے۔

حنین

خیبر کے بعد حنین کا معرکہ بھی سر ہو گیا اور مکہ بھی فتح ہو گیا۔ بلکہ سب سے پہلے اسلام کا میسائیت کے ساتھ معرکہ بھی مابہلہ کے میدان میں فتح ہو گیا اور رسول اکرم نے اپنے اہلبیت کے سپاہیوں کے میسائیت کو مکمل شکست دے کر نضاری کو جزیرہ بیضے پر مجبور کر دیا اور اسلام آخری فتح سے بھی ہمتا ہو گیا، جس کی ہر فتح میں کسی نہ کسی فرزند ابوطالب کا حصہ رہا جس نے روز اول کہا تھا:

”قَسْمٌ يَا سَيِّدِي“

حجۃ الوداع

رسول اکرم کی راہ نمائی اور حضرت علیؓ کے مجاہدات کے نتیجے میں کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی جملہ طاقتوں کے شکست خوردہ ہو جانے کے بعد قدرت نے چاہا کہ حضرت علیؓ کے ان مجاہدات کی حیثیت اور ان کی قدر و قیمت کا اعلان کر دیا جائے، چنانچہ رسول اکرم نے آخری حج کا اعلان کر دیا اور لاکھوں مسلمان مختلف اطراف عالم سے حج بیت اللہ کے لیے جمع ہو گئے۔ حجۃ الوداع کی واپسی پر مقام غدیر خم میں قدرت نے اس آخری امر کی تبلیغ کا حکم دیا اور رسول اکرم نے سوال لاکھ مسلمانوں کے جمع میں حضرت علیؓ کی ولایت اور مولائیت کا اعلان کر دیا اور اس طرح بخت سے شروع ہونے والا کام غدیر میں مکمل ہو گیا اور اسلام کو ایک مستقل محافظ اور امت کو ایک بہترین مولا مل گیا جو ہر وقت سے رسول اکرم کا شیل اور ان کے کردار کا امتداد اور استمرار تھا۔

حجۃ الوداع کی واپسی پر قدرت نے اپنے محبوب کو اپنی بارگاہ میں طلب کرنے کا اعلان فرما دیا اور ۲۸ صفر ۱۰ھ کو رسول اکرم اپنے خالق کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ وحی الہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ امت اپنے بہترین جہان باب کی سرپرستی سے محروم ہو گئی اور دشمنان اسلام کو طرح طرح کی ریشہ دوانیوں کا موقع مل گیا جس کے نتیجے میں رسول اکرم کی دختر اور ان کی اہلیت کو بے پناہ مصائب کا نشانہ بنا پڑا اور باپ کے تقریباً ۹۰ دن کے بعد بیٹی بھی شکستہ پہلو ہتھم رسید اپنے باپ کی خدمت میں پہنچ گئی۔ جب ہجوم مصائب نے جائداد پر قبضہ کر لیا، محسن کو تشہید کر دیا، پہلو کو شکستہ بنا دیا، وارث کے گلے میں رسی ڈال دی اور امت یا اصحاب نے ایک نئے انداز سے اجر رسالت پیش کر دیا۔

تبلیغی راہ کی رکاوٹیں

یہ بات تو ساری دنیا جانتی ہے کہ سرکارِ دو عالم نے ۲۳ سال کے مختصر وقفہ میں اس شاندار طریقہ سے دین الہی کی تبلیغ کی ہے کہ آج جب مسلمان "صحابہ کرام" کی فہرست تیار کرتے ہیں تو ان کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تک پہنچا دیتے ہیں۔ جن مسلمانوں کو شرف صحابیت حاصل نہیں ہو سکا اور حضور کے دیکھے بغیر غیب پر ایمان لانے ان کا سلسلہ اور طولانی ہے۔ لیکن اس بات سے اکثر افراد بے خبر ہیں کہ اس قدر کامیاب تحریک کس طرح کامیاب ہوئی ہے اور اس راہ میں سرکار نے کن مشکلات اور مصائب کا سامنا کیا ہے۔ یہ کہہ دینا بہت آسان ہے کہ سرکار پر کوڑا پھینکا گیا اور ستوں میں کانٹے پھلے گئے، پتھر مارے گئے اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ حضور نے اعلان فرمایا کہ جس قدر گھنے بنا یا گیا ہے اس قدر کسی نبی کو اذیت نہیں دی گئی ہے۔ لیکن اس کے مفاد اور مفہوم کو دہی انسان سمجھ سکتا ہے جو اس راہ میں قدم رکھے اور ان مشکلات کا سامنا کرے۔

آج تبلیغ دین بے حد آسان ہے، زمانہ روشن فکر ہو چکا ہے، جاہلیت کا دور تمام ہو چکا ہے، تبلیغ کا بیشتر حصہ ان افراد سے متعلق ہے جو پیشینی مسلمان ہیں اور جنہوں نے مسلمانوں کی آغوش یا ان کے ماحول میں آنکھیں کھولی ہیں۔ آج ماحول کے ذہن میں وہ تاثرات اور تعصبات نہیں ہیں جن کی بنا پر کلمہ حق اپنا شکل اور سننا اس سے زیادہ مشکل تھا لیکن اس کے باوجود بڑے بڑے صاحبان علم و ہزہمت ہار جاتے ہیں اور یہ کہہ کر اٹک ہو جاتے ہیں کہ اس زمانے کی اصلاح ممکن نہیں ہے اور دنیا تباہی کے اس موڑ پر پہنچ چکی ہے جس سے واپس آنا ناممکن ہے۔

لیکن سرکارِ دو عالم نے اس سے کہیں زیادہ بدتر ماحول میں کام شروع کیا، جسے قرآن مجید نے ضلالِ مبین اور کھلی گمراہی سے تعبیر کیا ہے اور اس قدر کامیابی سے کام تمام کیا کہ پروردگار نے اپنی رضامندی کا اعلان کر دیا۔

دیکھنا یہ ہے کہ وہ حالات اور مشکلات کیا تھے جن سے سرکارِ دو عالم کو گزرنا پڑا اور جن کا مقابلہ کرنا ہر مسلمان بلکہ ہر ذمہ دار مسلمان کا فرض ہے جس کے بغیر اسلام کا حق ادا ہو سکتا ہے اور نہ انسان مکمل طور پر مسلمان ہو سکتا ہے۔ اسلام کا دعویٰ کرنا آسان ہے اور اسلام کی راہوں سے گزرنا بہت مشکل ہے۔

یہ شہادتِ گہرِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

سرکارِ دو عالم نے جن عالم میں تبلیغ کا آغاز کیا ہے وہ ایسی بے سرو سامانی کا عالم تھا کہ اپنے خاندان کے چند افراد کے علاوہ کوئی ساتھ دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ خاندان میں بھی عباس جیسے افراد نے معذرت کر لی تھی کہ میں اتنے بڑے طوفان کا مقابلہ نہیں کر سکتا لیکن حکمِ خدا کی عظمت اور کام کی اہمیت نے جوصلے اتنے بلند کر رکھے تھے کہ ساز و سامان کی پروا دیکھ کر بغیر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور کام کا آغاز دعوت سے کیا تاکہ کسی بدگمان کو بھی یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ اسلام کوئی کھلنے پھینکے کا ذریعہ ہے۔ سرکار نے پہلے ہی دن واضح کر دیا کہ میں قوم کو کچھ دینے کے لیے آیا ہوں قوم سے کچھ لینے کے لیے نہیں آیا ہوں اور اپنی امت کے سربراہوں کو بھی ہوشیار کر دیا کہ میرا کلمہ پڑھنا ہے اور میرے مذہب کی تبلیغ کرنا ہے تو قوم سے کچھ لینے کو متقدم نہ بناؤ۔ قوم کو کچھ دینے کا جوصلہ پسیدا کرو۔

دعوت میں کھلانے پھلانے کے بعد جس زحمت کا سامنا کرنا پڑا وہ یہ تھی کہ جن کو کھلایا پھلایا نہیں نے جادو گر اور مجنون کہنا شروع کر دیا۔ اور تاریخ نے یہ نکتہ محفوظ کر لیا کہ کسی تحریک سے پہلے کے تعلقات اور ہوتے ہیں اور تحریک کے بعد کے حالات اور ہوتے ہیں۔ تحریک سے پہلے صادق و امین کہنے والے ہی تحریک کے بعد جادو گر اور دیوانہ کہنے لگتے ہیں کہ ان کے سامنے وہ غلطہ آجاتا ہے جس سے ان کے سارے بدن میں لرزہ پیدا ہو جاتا ہے اور یہ خیال دل و دماغ میں گردش کرنے لگتا ہے کہ اب رسوم و عادات کا قلعہ سسار ہونے والا ہے، اور آبار و اجہات کے بنائے ہوئے اصول تباہی کے گھاٹ اترنے والے ہیں۔ اب دینِ خدا کی حکومت ہوگی اور خود ساختہ مذہب کے بجائے الہی قانونِ زندگانی بشر پر حکمرانی کرے گا۔

جادو گر اور مجنون کہنے ہی پر اکتفا نہیں کی گئی کہ سرکارِ دو عالم انہیں مجنون و بے عقل قرار دے کر

اپنا کام جاری رکھتے اور ایسے اعتماد الزامات کی پرواہ نہ کرتے بلکہ کفار نے یہ بھی موسیٰ کو لیا کہ یہ تحریک صرف الزامات سے رکنے والی نہیں ہے لہذا سڑکوں پر گھراؤ کا پروگرام بنایا گیا اور اس میں حسب ساری قوم کو شریک کیا گیا۔ بچوں کو پتھر مارنے کا کام دیا گیا، عورتوں کو کوڑا پیچنے کا کام ملا، بزرگوں کو ہر محفل و اجتماع میں نئے نئے الزامات تراشنے اور ان کا اشتہار کرنے کا کام سپرد کیا گیا اور یہ رکاوٹ لفظی رکاوٹ سے کہیں زیادہ مشکل تھی لیکن سرکار نے اس کی پرواہ بھی نہیں کی اور اپنا کام جاری رکھا۔

یہ حربہ بھی کامیاب نہ ہوا تو اس سے زیادہ کامیاب منصوبہ تیار کیا گیا کہ روز روز کے پتھراؤ اور گھراؤ سے بہتر یہ ہے کہ ایک دفعہ زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے اور ہمیشہ ہمیش کے لیے راحت حاصل کر لی جائے۔

اور یہ منصوبہ بھی رات کے وقت تیار کیا گیا جو دشمن کی کمزوری اور تحریک کی طاقت کی سب سے بڑی دلیل تھی۔ سرکار دو عالم نے اس منصوبہ کا بھی مقابلہ کیا اور اپنے عزیز بھائی کو اپنا جانشین بنا کر حکم خدا سے ہجرت کر گئے کہ وہ قحطی طور پر محاذ عمل تبدیل کر دیا جائے گا یا وسیع تر بنا دیا جائے گا لیکن کام نہیں روکا جائے گا۔ دشمن مطمئن ہو گیا کہ ہم نے وطن سے باہر نکال دیا ہے اور اپنے علاقہ میں داخلہ بند کر دیا ہے اور جسے ذمہ داری سپرد کر گئے تھے وہ بھی دو ایک روز بعد ہجرت کر گیا ہے تو اب سارے خطرات ختم ہو چکے ہیں لیکن چند دنوں کے بعد تحریک کی کامیابی کی خبریں آنے لگیں اور یہ اطلاع ملی کہ محاذ عمل بدل دینے میں پیغمبر اسلام ہی کو کامیابی ہو رہی ہے لہذا بوکھلاہٹ میں یہ طے کیا گیا کہ مدینہ پر حملہ کیا جائے چنانچہ کبھی تنہا اپنی طاقت کے سہارے کبھی یہودیوں کو ساتھ لے کر کبھی منافقین کو بھی سازش میں شریک کر کے متعدد حملے کیے گئے۔ لیکن سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ آٹھ سال کے بعد پیغمبر فاتحانہ انداز سے اسی علاقہ میں داخل ہوئے جہاں سے کل بظاہر نکال دیے گئے تھے اور دشمن خوش ہو رہا تھا کہ ہم نے نکال دیا ہے اسے یہ احساس بھی نہیں تھا کہ ان کے سارے کام حکم خدا سے ہوتے ہیں اور یہ کسی وقت بھی واپس آسکتے ہیں۔

پیغمبر فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوئے اور صورت حال اس قدر تبدیل ہو گئی کہ جس نے کل سرکار کو پناہ نہ لینے دی تھی وہ آج سرکار سے پناہ مانگ رہا ہے اور کفر اپنی بے سرو سامانی

پر آنسو بہا رہا ہے۔

حیات پیغمبر کے یہ لمحات عبرت انگیز بھی ہیں اور زندگی ساز بھی۔ کہ راہ اسلام میں تبلیغی فرض انجام دینا ہر باصلاحیت مسلمان کا فرض ہے اور تبلیغ کی راہ میں مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا ہر صاحب ایمان کی ذمہ داری ہے۔ اس کے بعد کامیابی دینا خداوند عالم کا کام ہے اور وہ اپنے نیک بندوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا ہے۔

مُسْلِمَانُو! اٹھو، سرکار کے نقش قدم پر چل کر قوموں کی اصلاح کرو اور دنیا کو حقیقتاً سرکار کے اصول و آئین کا گرویدہ بنا دو!۔

جہاد

جہاد کے معنی بے پناہ جدوجہد اور کوشش کرنے کے ہیں۔ یہ کوشش غلط راہ میں بھی ہو سکتی ہے اور صحیح راہ میں بھی۔ اور اسی لیے قرآن مجید نے بار بار "جہاد فی سبیل اللہ" کا تذکرہ کیا ہے کہ مسلمان اور مومن کا کام راہِ خدا میں سعی اور کوشش طبع کرنا ہے کسی دوسری راہ میں نہیں۔ یہ جہاد مختلف انداز سے ہو سکتا ہے، قلم سے بھی سے ممکن ہے اور زبان سے بھی، اسلحہ سے بھی ہو سکتا ہے اور افرادی قوت سے بھی۔

اسلام نے بوقتِ ضرورت ہر قسم کے جہاد کا مطالبہ کیا ہے اور صاحبانِ قلم سے حق کی راہ میں قلم چلانے کا مطالبہ کیا ہے تو صاحبانِ خطابت سے زبان چلانے کا، اسلحہ چلانے والوں سے اسلحہ استعمال کرنے کا تقاضا کیا ہے تو افرادی قوت رکھنے والوں سے اسی طاقت کے استعمال کا مطالبہ کیا ہے۔

جہاد کی تمام قسموں میں سے ایک قسم میدانِ جنگ میں دشمن سے مسلح مقابلہ کرنا ہے۔ جسے اصطلاحی طور پر قتال کہا جاتا ہے، ورنہ جہاد مختلف اعتبارات سے ہر وقت ممکن ہوتا ہے، بلکہ بقدر طاقت واجب بھی ہوتا ہے۔

جب تک دنیا میں دشمنانِ حق و حقیقت زندہ رہیں گے، اور شیطانِ رحیم کا وجود باقی رہے گا، حق پر طرح طرح کے سیاسی، سماجی، اقتصادی، ادبی، اخلاقی حملے ہوتے رہیں گے، مسلمان پر بہر حال جہاد واجب رہے گا۔

یہ جہاد صرف خردوں کا کام نہیں ہے بلکہ عورت پر بھی بقدر امکان جہاد واجب ہے کہ اگر مسلح مقابلہ میں اس کی ضرورت نہیں ہے تو نہ ہو لیکن دیگر مجاہدات میں اس کی شرکت بہر حال لازم ہے۔

اس کے علاوہ جہاد کی ایک قسم داخلی جہاد بھی ہے جہاں انسان کو خارجی دشمن سے نہیں اپنے نفس سے مقابلہ کرنا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس جہاد کے لیے میدانِ جنگ کی ضرورت نہیں ہے اور اس کا کوئی وقت اور زمانہ معین ہے۔ یہ ہر وقت ہے اور ہمیشہ رہے گا اور انسان کے داخل میں عقل اور نفس کی یہ جنگ جاری رہے گی اور مسلمان ہر وقت میدانِ جہاد میں رہے گا۔

اور شاید اسی جہاد کے اعتبار سے مسجد کے مرکزی مقام کو محراب کہا جاتا ہے کہ وہاں انسان اور شیطان یا عقل اور نفس کی جنگ برابر جاری رہتی ہے اور نازی ہر آن شیطان پر غالب آنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اکثر اوقات شکست کھا جاتا ہے اور اغلاص عمل یا توہمات میں فرق آجاتا ہے اور کبھی کبھی کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔

کامیابی کی بھی دو قسمیں ہیں، کبھی انسان اپنے خیال اور اندازہ میں کامیاب ہوتا ہے اور دشمن اس کامیابی کا اقرار نہیں کرتا ہے اور کبھی دشمن بھی اس کامیابی کا اقرار کر لیتا ہے اور زندگِ عیب بھی اس فتحِ عیب کی تائید کر دیتی ہے جیسا کہ امام زین العابدینؑ کے واقعوں میں ملتا ہے کہ جب سانپ انگوٹھا چبانے کے باوجود آپ کی توجہ کو اپنی طرف مبذول نہ کر سکا تو نعلے غیب نے ان الفاظ میں شیطان کے مقابلہ میں آپ کی فتح میں کا اعلان کیا کہ "انت زین العابدین" (بے شک تم بزمِ عابدین کی زیب و زینت ہو)۔

جہاد کی اسی داخلی شکل کی تعبیر مختلف انداز سے کی گئی ہے کہ کبھی عورت کے لیے شوہر کی بہترین خدمت کو جہاد کہا گیا ہے کہ اس خدمت کی راہ میں اکثر اوقات اپنے جذبات کو قربان کرنا پڑتا ہے اور دوسرے کی مرضی کو اپنی مرضی پر مقدم کرنا پڑتا ہے جو جہادِ نفس کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ اور کبھی اسی جہادِ نفس کے اعتبار سے وضع عمل کی زعمتوں کو شہادت اور بدلہ جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ مرد بھی میدانِ جنگ میں موت و حیات کی کشمکش سے گزر نہیں ہے اور اس حوالہ پر بھی عورت کو اسی منزلِ کشمکش سے گزرنا پڑتا ہے جس سے ایک سپاہی میدانِ جہاد میں گزرتا ہے اور اسی جہاد کے ذریعہ عورت سکے مقابلہ کے لیے مجاہدین فراہم کرتی ہے ورنہ یہ جہاد ختم ہو جائے تو میدانِ جنگ کے لیے مجاہدین کی پہلانی کاراستہ ہی بند ہو جائے۔

مسلح جہاد کی دو قسمیں ہیں: ابتدائی جہاد اور دفاعی جہاد۔

ابتدائی جہاد وہ خطرناک کام ہے جسے عرف عام میں جارحیت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اسی لیے کوئی جارح اپنی جارحیت کو جہاد کا نام دینے کے لیے تیار نہیں ہے بلکہ سب اپنے حملے کو دفاع کا نام دیتے ہیں اور اس طرح ایک تلخ حقیقت پر شیریں کیسپول چڑھا دیتے ہیں۔

دنیا کے جس ملک کو دیکھا جائے، بڑے سے بڑا جارح اور حملہ آور اور مفسد ملک بھی اپنے ملک میں وزارت جنگ قائم نہیں کرتا ہے بلکہ وزارت دفاع ہی قائم کرتا ہے اور جب ملکی جہت تیار کرتا ہے تو جنگی اخراجات کا نام نہیں لیتا بلکہ دفاعی اخراجات کا ذکر کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدائی جنگ یعنی جہاد انتہائی خطرناک اور انتہائی بدنام مرحلہ ہے جس سے گزرنے کے لیے کوئی فرد یا جماعت یا ملک تیار نہیں ہوتا ہے۔ لیکن نگاہ انصاف سے دیکھا جائے تو ابتدائی جہاد اتنا غلط کام نہیں ہے جتنا غلط سمجھا جاتا ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ اس کا استحقاق ہر شخص کو حاصل نہیں ہے اس کے لیے کچھ خصوصیات ہیں جن کا فراہم ہونا بہر حال ضروری ہے۔

ابتدائی جہاد کی یہی خطرناک منزل تھی جس سے بچنے کے لیے مسلمان مورخین نے سارا زور تحقیق اس بات پر صرف کر دیا ہے کہ سرکار دو عالم کے سارے اقدامات کو دفاعی ثابت کیا جائے اور کسی طرف سے ابتدائی اقدام کا احساس نہ ہونے پائے۔

یہ بات واقعات کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے کہ سرکار نے حتی الامکان دفاعی راستہ ہی اختیار کیا ہے اور ابتدائی جہاد کے راستہ کو ترک کر دیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ سرکار دو عالم کو یہ حق بھی حاصل تھا اور آپ اس راستہ کو بھی اختیار کر سکتے تھے جس کا اختیار کرنا دوسرے افراد یا ممالک کے لیے ناجائز اور حرام ہے۔ اور اس کا راز یہ ہے کہ اسلام اس ایک واقعیت پر ایمان رکھتا ہے کہ یہ کائنات از خود نہیں پیدا ہوئی ہے بلکہ اسے ایک خالق و مالک اور قادر مطلق خدا نے خلق فرمایا ہے اور جو کسی کا خالق و مالک اور وجود دینے والا ہوتا ہے اس کا کم سے کم حق یہ ہوتا ہے کہ اس کا اقرار و اعتراف کیا جائے اور زندگی کو اس کی ملکیت تصور کرتے ہوئے ہر قدم پر اس کی اطاعت کی جائے بلکہ ضرورت پڑ جائے تو جان عزیز کو اس کی راہ میں قربان کر دیا جائے، اور اگر کوئی ازراہ نالائقی و بناوٹ اس کی اطاعت سے سرکشی کرے یا اس کے وجود ہی سے انکار کر دے تو دینے والے کو مکمل اعتبار ہے کہ اپنی نعمت حیات کو واپس لے لے،

اور اس کی زندگی کا خاتمہ کر دے۔ یہ حق دوسرے کسی پیدا ہونے والے کو حاصل نہیں ہے۔ اس نے نہ وجود دیا ہے اور نہ اسے لینے کا حق ہی ہے۔ وہ زندگی کا خاتمہ کرنا بھی چاہے تو اس کے لیے جواز درکار ہے کہ اس کا کوئی احسان نہیں ہے اور سب اپنے اپنے گھر میں اپنے خالق کا احسان لے کر دنیا میں آئے ہیں۔

اسلام اور کفر یا دنیاوی نظاموں میں یہی فرق ہے کہ اسلام کا واضح ایک خالق و مالک ہے اور کسی نظام کا وضع کرنے والا کائنات کا خالق و مالک نہیں ہے اور اسے بنیادی طور پر نہ کسی برحق ملکات حاصل ہے اور نہ کسی بغاوت کرنے والے سے زندگی سلب کر لینے کا حق ہے۔

رسول اور امام خدائے مالک و مختار کا ناسخہ ہوتا ہے لہذا اسے خدا کی طرف سے یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ جب تک انسان خدا کا اعتراف اور اس کی اطاعت کرتا رہے اسے زندہ ہی سب سے کا حق ہے اور جب انسان مالک کی بغاوت برآمد ہو جائے تو اس کی زندگی کا خاتمہ کر دے اور اسی لیے اسلام نے ابتدائی جہاد کے لیے نبی اور امام کی شرط لگائی ہے اور جہاد کے آغاز کے لیے دعوت الی اللہ کو ضروری قرار دیا ہے تاکہ مکمل طور پر یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ انسان باغی ہے یا نہیں اور اس کو مالک کے وجود کا اقرار ہے یا نہیں۔ اگر مالک کے وجود کا اقرار ہے اور اطاعت میں کوتاہی کی ہے تو سزا دے، تنبیہ کرے، راہ راست پر لے آئے اور اطاعت کا پابند بنائے اور اگر اصل وجود کا انکار کرے تو جس کا خالق نہ رہے اس مخلوق کو رہنے کا کیا حق ہے کہ مخلوق کا وجود خالق کے کہم ہی کا نتیجہ ہوتا ہے ایسی صورت حال میں ہمیں سرکار دو عالم کے مجاہدات کو دفاعی ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور آپ کو ابتدائی جہاد کا مکمل حق حاصل ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آپ نے حالات کے پیش نظر اس حق کو استعمال نہیں کیا اور ہمیشہ مدافعت کا درواری کرتے رہے۔ اس کا واحد راز یہ تھا کہ آپ کے پیش نظر یہ نکتہ بھی تھا کہ دنیا کا ہر انسان نہ خالق و مالک کا قائل ہے اور نہ اس کے حق کو پہچانتا ہے خصوصاً کافر و مشرک جس سے جہاد کرنا ہے وہ تو یکسر اس حقیقت سے غافل یا مستہزل ہے۔ اس کے سامنے ایسے حقوق کو استعمال کیا گیا تو وہ الزام تراشی اور جارحیت کے پروپیگنڈہ کا بہترین موقع تلاش کر لے گا اور کوئی غیر جانبدار اس نکتہ پر غور کرنے کی زحمت بھی نہ کرے گا کہ وہ حقوق بھی حاصل ہیں جو دوسرے انسانوں کو حاصل نہیں ہیں کہ سب قومی اور سیاسی لیڈر ہیں اور میں خدائے قادر و قاهر کا ناسخہ ہوں۔

قومی لیڈروں کو صرف دہی اختیار حاصل ہوتے ہیں جو قوم ان کے حوالے کرتی ہے اور نظام ہے کہ سلب چتا کا اختیار صرف خدا لئے قادر و مختار کو حاصل ہے اور کسی قوم اور ملت کو حاصل نہیں ہے۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ بعض مسلم مورخین کا یہ خوف کہ سرکارِ دو عالم کے کسی اقدام میں ابتدائی جہاد کی جھلک پیدا ہوگی تو ظلم کا الزام لگ جائے گا یا ان کا یہ انداز تحریر کہ اپنے کو ملزم سمجھ کر ہر غزوہ اور جنگ کی صفائی دیں اور اس میں کسی نہ کسی شکل میں مدافعتاً اعزاز پیدا کیا جائے۔ حقائق سے ایک قسم کی ناواقفیت ہے یا ذہنی احساس کمتری ہے کہ ذیل کے نادان ارباب عقل راضی ہو جائیں اور وہ سرکار کے عمل کو صحیح اور جائز قرار دینے لگیں۔ حالانکہ ہر مسلمان مورخ، اور سیرت نگار کا فرض تھا کہ پہلے اس نکتہ کی وضاحت کرنا کہ سرکار کو خدائی نائندہ ہونے کے اعتبار سے ابتدائی حملہ کا حق حاصل تھا اور آپ جس وقت بھی یہ حق استعمال کرتے تھے بجا بن ہوتے لیکن آپ نے مصالح اور حالات کے پیش نظر اپنے حق کو استعمال نہیں کیا اور آخر امکان تک صبر کرتے رہے اور جب صبر سے کام لگتا ہوا دکھائی دیا تو میدانِ دفاع میں قدم رکھ دیا۔

جہاد اور دفاع کا فرق

اصطلاحی اعتبار سے ابتدائی حملے کا نام جہاد ہے اور جو ابی کارروائی کا نام دفاع۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے جہاد بھی حق سے دفاع اور دفاع بھی حق کی راہ میں ایک جہاد کا نام ہے۔ جہاد کرنے والا اس وقت جہاد شروع کرتا ہے جب ظالمین رب العالمین کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے اصول حیات کو باطل و بیکار قرار دینا چاہتے ہیں اور اس کے نظام کو لا طائل قرار دے کر اس کے مقابلہ میں دوسرے نظام کو قابل عمل تصور کر لیتے ہیں، اور دفاع کرنے والا بھی ساری جدوجہد اسی راہ میں صرف کرتا ہے کہ کسی صورت سے حق کا بول بالا رہے اور اسلام خطرات کا شکار نہ ہونے پائے۔

جہاد کے لیے نبی یا امام کی رہبری ضروری ہے۔ ان کے علاوہ کسی کے پاس اتنی صلاحیت نہیں ہوتی ہے کہ وہ اس صحیح وقت کی تعیین کر سکے جب اس طرح کا سبب آبرشیں جائز ہو جائے اور انسانی خون کا بہانا قانون کے حدود کے اندر آجائے اور بغاوت کا پیمانہ اس طرح لبریز ہو جائے کہ اس کا

علاج اس آبرشیں کے علاوہ کچھ اور نہ رہ جائے۔

دفاع کے لیے کسی کی رہبری یا موجودگی کی شرط نہیں ہے۔ جس وقت پڑے گا اس پر دفاع واجب ہو جائے گا۔ یہ اور بات ہے کہ دفاع کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں: شخصی دفاع اور مذہبی دفاع۔ شخصی دفاع کا مطلب یہ ہے کہ انسان ذاتی طور سے کسی محبت میں گرفتار ہو جائے پھر گھر میں گھس آئے، ڈاکو گھیر لے، قاتل حملہ آور ہو جائے اور جان مال یا آبرو خطرہ میں پڑ جائے تو ہر شخص کا ذاتی فریضہ ہے کہ ذلت کے راستہ کو ترک کر کے مقابلہ کرے اور حتی الامکان اپنے جان مال آبرو کا تحفظ کرے چاہے اس راہ میں ظالم کی زندگی کا خاتمہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ البتہ اگر اپنی زندگی خطرہ میں پڑ جائے تو دفاع میں حکمت عملی کا استعمال کرے کہ اسلام مال کی راہ میں جان قربان کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے اور یہ فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے کہ جان سے زیادہ عزیز کوئی شے نہیں ہے اور جان ہی باقی نہ رہ گئی تو مال رہ کر کیا کرے گا۔

اس سلسلہ میں چند مسائل بھی قابل ذکر ہیں:

۱۔ ہر انسان پر اپنے جان، مال اور آبرو کی طرف سے دفاع کرنا واجب ہے چاہے اس میں حملہ آور کا قتل ہی کیوں نہ ہو جائے۔

۲۔ خطرو کا تعلق اپنی جان کے علاوہ اولاد، متعلقین، بلکہ خادم اور خادمہ سے ہو تو بھی دفاع ضروری ہے، چاہے حملہ آور کو قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

۳۔ اگر کوئی شخص زور پر حملہ کرے تو اس کی عفت کا تحفظ بھی ضروری ہے چاہے حملہ آور کے قتل ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو۔

۴۔ مال پر حملہ بھی واجب الدفاع ہے چاہے جس قیمت پر ہو۔

۵۔ اگر دفاع میں اپنی جان کا خطرہ پیدا ہو جائے تو جان اور آبرو کی راہ میں دفاع واجب رہے گا۔ مال پر جان قربان نہیں کی جاسکتی ہے

۶۔ دفاع میں یکبارگی حملہ آور کے قتل تک نہیں پہنچ جانا چاہیے بلکہ تدریجی راستہ اختیار کرنا چاہیے، اور جب کوئی امکان نہ رہ جائے تو قتل کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

۷۔ ما عتیاط کے باوجود اگر حملہ آور کے قتل کی نوبت آجائے تو کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن

بداستیاطی کی صورت میں اس کی زندگی کے خاتمہ کا ضامن تصور کیا جائے گا۔

۸۔ دفاع کی صورت میں اگر فرار کرنے سے جان اور آبرو کا تحفظ ہو سکتا ہے تو قتل کا راستہ نہیں اختیار کرنا چاہیے۔ میدان جہاد سے فرار حرام ہے۔ مگر سے فرار حرام نہیں ہے۔

۹۔ دفاع بہر حال واجب ہے چاہے انسان یہ جانتا ہو کہ اس دفاع کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ذلت کے ساتھ سپردگی خودکشی یا زنا کاری کے مترادف ہے۔

۱۰۔ اگر چور ڈاکو حملہ کرنا چاہیں اور انسان کو اطمینان ہو کہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تو دفاعی اقدام صحیح نہیں ہے اور اس صورت میں اقدام کرنے پر اگر چور یا ڈاکو قتل ہو گیا یا اس کے جسم میں نقص پیدا ہو گیا تو حملہ کرنے والا اس نقص کا ذمہ دار ہوگا۔ اسلام چور اور ڈاکو کے مقابلہ میں بھی احتیاط اور دیانت داری کی دعوت دیتا ہے۔

۱۱۔ اگر چور نے حملہ کیا اور انسان نے اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا۔ پھر جب وہ بھاگنے لگا تو دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دیا تو ایک ہاتھ کے قصاص کا ذمہ دار ہوگا کہ وہ حملہ کے خاتمہ کے بعد کاٹا گیا ہے۔

۱۲۔ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ یا اولاد پر تجاوز کرتے دیکھے تو اسے ہر طرح کا دفاع کرنے کا حق ہے چاہے بد معاش کا قتل ہی کیوں نہ واقع ہو جائے بلکہ اجنبی مومن اور مومنہ کی آبرو کی طرف سے بھی دفاع جائز ہے اور اس کے نتائج کی بھی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

۱۳۔ اگر کسی نے اجنبی کو زوجہ کے ساتھ جماع کرتے دیکھا اور یہ اندازہ کیا کہ زوجہ بھی اس عمل سے راضی ہے تو وہ دونوں کو قتل کر سکتا ہے اور کسی کے قتل کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے چاہے زوجہ دائمی ہو یا ممتنعہ، مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ۔

۱۴۔ واضح رہے کہ یہ سارے حقوق انسان اور اس کے ظالم کے درمیان ہیں کہ دفاع کرنے والے پر شرعاً کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ لیکن اگر ظالم نے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا تو قاضی کو شرعی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنا ہوگا اور واقعی مظلوم اگر اپنے مقدمہ کو ثابت نہ کر سکا تو قاضی سزا دینے میں ہر حال حق بجانب ہوگا چاہے سزا برداشت کرنے والا واقعتاً مظلوم ہو، لہذا دفاع کرتے وقت اس نکتہ کی طرف بھی توجہ رہنے کی ضرورت ہے۔

۱۵۔ اگر کوئی شخص کسی گھر میں جھانک رہا ہے تو صاحب خانہ کو حق ہے کہ اسے تنبیہ کرے بلکہ

بسا اوقات واجب بھی ہے اور اس کے بعد باز نہ آئے تو اسے سزا بھی دے سکتا ہے چاہے اس راہ میں بے دین کا قتل ہی کیوں نہ واقع ہو جائے لیکن دفاع کا تدریجی ہونا ضروری ہے۔ عد سے تجاوز

کرنے میں دفاع کرنے والا بھی سزا کا حق دار ہو سکتا ہے۔ مظلومیت گناہوں کا سارا ٹھکانہ نہیں ہے۔

۱۶۔ اگر جھانکنے والا عورتوں کا محرم ہے اور حدود شریعت کے اندر نگاہ کر رہا ہے تو صاحب خانہ کو ماننے کا حق نہیں ہے اور اگر کوئی پتھر وغیرہ مار کر زخمی کر دیا تو اس کا تادان بھی دینا ہوگا۔ البتہ اگر

حدود شریعت سے تجاوز کر کے عورت کو برہنہ یا مخصوص حالات میں دیکھنا چاہتا ہے تو تدریجاً ہر طرح کی تنبیہ کرنے کا حق ہے۔

۱۷۔ اگر جھانکنے والا نابینا ہے یا آنٹی دور سے دیکھ رہا ہے جہاں سے کوئی شخص نظر نہیں آ رہا ہے تو بلاوجہ تنبیہ کرنے یا پتھر وغیرہ مارنے کا حق نہیں ہے۔

۱۸۔ اگر کوئی شخص انتہائی دور سے دیکھ رہا ہے لیکن دور بین کے ذریعہ دیکھ رہا ہے تو اس کا حکم بھی قریب سے دیکھنے کا ہے اور صاحب خانہ کو ہر طرح تنبیہ کرنے کا حق ہے اور اس پر

کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

۱۹۔ اگر کوئی شخص آئینہ کے ذریعہ عورت کو دیکھنا چاہتا ہے تو اس کا حکم بھی براہ راست دیکھنے

والے کا ہے۔ البتہ احتیاط یہ ہے کہ اسے مارنے کے بجائے خود آئینہ کے سامنے سے ہٹ جائے یا کوئی اور وسیلہ اختیار کر لے۔

۲۰۔ اگر کسی انسان پر کوئی جانور حملہ کرے تو اسے ہر طرح سے دفاع کرنے کا حق ہے، اور اس

کی کوئی ذمہ داری بھی نہ ہوگی۔ البتہ اگر جھانکنے سے جان بچ سکتی ہے تو جھاگ کر اپنا تحفظ کر لے گا اور جانور کو نقصان نہیں پہنچائے گا ورنہ اس کا بھی ذمہ دار ہوگا۔

مذہبی دفاع

مذہبی دفاع کی دو قسمیں ہیں: ایک دفاع میدان جنگ میں دشمن کے حملہ کے بعد ہوتا ہے

جہاں پر مرد و عورت دونوں پر دفاع واجب ہوتا ہے۔ اور ہر ایک کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اپنے دین

و مذہب سے دفاع کرے اور اس پر ہونے والے ہر حملہ کا منہ توڑ جواب دے کہ دین و مذہب سے

بلا ترقی کوئی شے نہیں ہے نہ زندگی اور نہ سامان زندگی۔

دوسرا دفاع میدان جنگ کے علاوہ دیگر میدانوں میں ہوتا ہے جہاں دشمن بظاہر صلح جنگ کا آغاز نہیں کرتا ہے اور نہ کسی طرح کا حملہ کرتا ہے لیکن دھیرے دھیرے حملہ کی تیاری کرتا ہے یا بلا داسلامیہ پر سیاسی، اقتصادی، اخلاقی، تہذیبی حملے کر کے اس کے وجود یا تشخص کو تباہ کر دینا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں بھی مسلمان پر دفاع واجب ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ انسان اس وقت کا انتظار کرے جب صلح حملہ ہو جائے اور دفاع کے امکانات ختم ہو جائیں یا مشکل ہو جائیں۔

اسلام پر ہونے والے کسی بھی حملے یا حملہ کی تیاری کا جواب دینا ہر مسلمان کا فرض ہے جس طرح کا حملہ ہو گا اسی طرح کا جواب دیا جائے گا، اور جس طرح کے جواب کی ضرورت ہوگی اسی طرح کے انسان پر جواب واجب ہوگا۔ کبھی جواب ہر انسان پر واجب ہوگا، کبھی صرف مسلمانوں پر واجب ہوگا اور کبھی جان و مال کی قربانی کے ذریعہ مقدمات اسلام کا تحفظ کیا جائے گا۔

مذہب کے خطرات سے آنکھ بند کر لینا اور اسے ظالمین کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا، دنیا کا سب سے بڑا جرم ہے جو کسی قیمت پر قابل معافی نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل مسائل قابل توجہ ہیں:

۱۔ اگر اسلامی ممالک یا سرحدوں پر ایسے دشمنوں کا حملہ ہو جائے جن سے اصل اسلام یا اس کی حیثیت واقعی کو خطرہ ہو تو تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ جان و مال کی قربانی دے کر اسلام سے دفاع کریں اور اس سلسلہ میں امام یا نائب امام کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ایک جنگی فریضہ ہے جو ہر مسلمان پر عائد ہوتا ہے اور اس کی راہ میں ہر قربانی جائز ہے۔

۲۔ اگر اسلامی معاشرہ پر سیاسی یا اقتصادی غلبہ کا سلسلہ شروع ہو اور نتیجہ میں سیاسی سپردگی کا خطرہ ہو تو اسی طرح کے اسباب و عوامل کے ذریعہ مقابلہ ضروری ہے اور کم سے کم قطع تعلقات توجہ حال لازم ہے۔

۳۔ اگر تجارتی تعلقات میں کفار کے ممالک اسلامیہ پر غلبہ کا خطرہ پیدا ہو جائے اور اس راہ سے

استثمار ملک میں داخل ہو رہا ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس تجارت کا بائیکاٹ کریں اور دشمنوں کے ہاتھ کاٹ دیں۔

۵۔ اگر مسلمان اور غیر مسلمان ممالک کے سیاسی تعلقات سے غیر مسلمین کے تسلط کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو حکام کا فرض ہے کہ ان تعلقات کو فی الفور ختم کر دیں اور کفار کے سیاسی نفوذ کو آگے نہ بڑھنے دیں اور عوام کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے حکام کو ان خطرات کی طرف متوجہ کریں اور وہ توجہ نہ ہوں تو ان کی حکومت کا فائدہ نہ کریں تاکہ کفار کا اثر و رسوخ بڑھنے نہ پائے اور ممالک اسلامیہ مزید خطرات سے دوچار نہ ہوں۔

۶۔ عالم اسلامی ایک عالم ہے، اسے ممالک اور شہروں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا ہے، لہذا ایک ملک پر حملہ سارے عالم اسلام پر حملہ تصور کیا جائے گا اور تمام ممالک کا فرض ہوگا کہ سب مل کر اس ملک سے دفاع کریں۔

۷۔ اگر ایک مسلمان ملک غیر مسلم طاقتوں سے ساز باز کر کے اسلام کو نقصان پہنچانا چاہے تو مسلمانوں کو حق نہیں ہے کہ اسے ملک کا داخلی معاملہ قرار دے کر سکوت اختیار کریں بلکہ سب کا فرض ہے کہ اس سازش کا سدباب کریں اور حکومت کو ان تعلقات کے توڑنے پر مجبور کریں تاکہ عالم اسلام کسی عظیم خطرہ سے دوچار نہ ہو۔

۸۔ اگر کسی مسلمان ملک کا حاکم یا امیر یا ریمینٹ کفار کے سیاسی یا اقتصادی غلبہ کا سبب بن رہا ہو تو تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اسے فی الفور معزول کر دیں اور اسے قرار واقعی سزا دیں اور کم از کم اس کا سماجی بائیکاٹ کریں تاکہ دوسرے افراد میں اس طرح کی سازش کا حوصلہ نہ پیدا ہو۔

۹۔ اگر کسی ملک یا فرد کے کافر ممالک یا افراد سے تجارتی تعلقات سے اسلامی بازار اور مسلمان اقتصاد کو خطرہ لاحق ہو تو تمام علماء اسلام کا فرض ہے کہ اس اقدام کے خلاف صف آرا ہوں۔ ان معاملات کو حرام قرار دیں اور امت اسلامیہ کو مقدمات پر آمادہ کریں۔ ایسا نہ ہو کہ اسلامی مملکت خطروں میں پڑ جائے اور کفار اسلام پر غالب آجائیں۔

۱۰۔ تجارتی، سیاسی تعلقات و روابط کی طرح تہذیبی اور کچھ لگاتار تعلقات بھی ہیں کہ اگر کوئی مسلمان ذی اثر فرد یا حاکم کفار کی تہذیب اور ان کے کچھ کو رواج دینا چاہے اور اس طرح اسلامی اقتدار خطرہ میں

پڑ جائیں تو اس تہذیب اور کلچر کا مقابلہ کرنا ضروری ہے اور اس کی راہ میں سید سکندری بن کر کھڑا ہو جانا لازم ہے۔ اسلام کا سب سے بڑا سرمایہ اس کی تہذیب، اس کا کلچر اور اس کے اپنے اقدار ہیں، ان اقدار پر کسی طرح کا حملہ برداشت نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے جو اہمیت ایک مسجد، ایک بارگاہ یا ایک مقدس مقام کی ہے وہی اہمیت اسلامی تہذیب اور اقدار کی ہے۔ بلکہ تہذیب و اقدار پر حملہ مسجد و بارگاہ پر حملہ سے زیادہ شدید ہے کہ سجدے فقط ایک عمارتِ خطہ میں پڑتی ہے اور تہذیب کے فنا ہو جانے سے سارا مذہبِ خطہ میں پڑ جاتا ہے۔ مذہب ہوا میں معلق ہونے اور کتابوں میں درج ہونے کے لیے نہیں آیا ہے۔ مذہب سلاح میں رائج ہونے کے لیے آیا ہے۔ جب رواج ہی کے راستے بند ہو جائیں گے تو پھر کیا باقی رہ جائے گا اور اس کے کتابی وجود کا کیا حاصل ہوگا؟

یہودیوں سے مقابلہ

ذی قعدہ ۱۳۲۹ھ میں حدیبیہ میں فتحِ مبین حاصل کرنے کے بعد سرکارِ دو عالم مدینہ واپس آئے اور صرف ۲۰ دن قیام کرنے کے بعد خیر کے لیے نکل پڑے۔ مسلمانوں کی زندگی مسلسل جہاد تھی اور سرکارِ دو عالم اسلام کے تحفظ کا کوئی لمحہ فرو گذاشت نہ کر سکتے تھے۔ مدینہ کی دس سال کی زندگی میں ۸۰ سے زیادہ مجاہدات اس بات کی دلیل ہیں کہ سرکارِ دو عالم کو ایک لمحہ بھی چین نہیں مل سکا اور مسلمان مسلسل کربتہ جہاد رہے کہ جیسے ہی اشارہ ملا میدانِ جہاد کے لیے روانہ ہو گئے۔ انجام کار سب کا مختلف رہا لیکن میدانِ جہاد تک جانے میں سب کے حوصلے بلند رہے، اور سب نے میدان تک جانے کے لیے اپنے کو آمادہ کر لیا۔ یہ تو صرف دو درجہ کی خصوصیت ہے کہ اسلامی فتوحات کا ڈھنڈو اور ایشیے والے مسلمان اپنے بزرگوں کی سیرت کا اس حد تک بھی اتباع نہیں کرتے کہ کم سے کم میدانِ جہاد تک ہی چلے جائیں بلکہ صرف فوجوں کو بھیج کر جہاد کا مقدس فریضہ ادا کر دیتے ہیں اور خود قہرِ حکومت کے اندر نہر سے اور رو پہلے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔

خیر کے علاقہ کے قریب پہنچنے کے بعد سرکارِ دو عالم نے توقف کیا اور بارگاہِ احدیت میں دعا کی کہ ”پروردگار! اس علاقہ کے ہر خیر سے بہرہ ور فرمانا اور ہر شر سے محفوظ رکھنا“ اس کے بعد آپ نے علاقہ میں قدم رکھا اور پہلا مقابلہ مرحب اور عامر کے درمیان ہوا جس میں مورخین کے قول کے مطابق عامر کام آگے اور بعض مسلمانوں نے اسے خود کشی کا درجہ دے دیا کواقت کا اندازہ کیے بغیر اور اسلحہ کا منظم کیے بغیر مقابلہ پر کیوں گئے۔ سرکارِ دو عالم نے ٹوک کر فرمایا، ”خبردار یہ نہ کہنا، عامر نے دو ہزار ثواب حاصل کیے ہیں“

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان روزِ اول سے یہودیوں کے مقابلہ میں اسلحہ کی فراہمی کو اہمیت دیتے تھے اور مقابلہ سے گریز کرتے تھے جس کے نتیجہ میں کوئی مقابلہ پراگیا بھی تو

اسے خود کشی کا طعنہ دیتے تھے۔ مسلمانوں کی تاریخ جو وہ صدیوں میں ایک اپنچ بھی اپنے مرکز سے نہیں ہٹی ہے اور صورت حال آج بھی بدستور برقرار ہے کہ کوئی جہاد کے لیے تیار نہیں ہے اور سارے حکام جہاد کرنے والوں کو کزدور خیال کر رہے ہیں۔

اس واقعہ کے بعد سرکار نے خیر کا محاصرہ فرمایا اور محاصرہ کے بعد پہلے حضرت عمر بن الخطاب فتح کے لیے برآمد ہوئے اور ان کے کام واپس آنے کے بعد اور ایسے حالات میں کہ قوم انہیں بزدل قرار دے رہی تھی اور وہ قوم کو بزدل بنا رہے تھے۔ سرکار دو عالم نے یہ اعلان عام کر دیا کہ اب میں اسے علم دوں گا جو مرد میدان، خدا و رسول کا دوست، خدا و رسول کا محبوب، کراخیز فرار ہوگا، اور فتح کے بغیر واپس آئے گا۔ جس کے بعد بروایت امام بخاری رات بھر مسلمان پرچم اسلام کی تمنا میں بیچیں رہے اور صبح کو جب سرکار نے سوال کیا کہ علی کہاں ہیں؟ تو لوگوں نے جواب دیا کہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ آپ نے انہیں بلا کر آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور تکلیف خفا یاب بنا کر پرچم اسلام دے کر روانہ کر دیا۔ فرمایا پہلے اسلام کی دعوت دینا اور حقوق الہیہ یاد دلانا کہ ایک شخص کو بھی راستہ پر لگادینا، بہترین شرح ادنیوں سے بہتر نعمت پروردگار ہے، اس کے بعد جہاد شروع کرنا۔ جہاد کراہ کے میدان میں آنے کے بعد پھر حرب میدان میں آیا اور رجز خوانی شروع کی۔ آپ نے رجز کا جواب دیتے ہوئے ایک عمل کیا اور حرب کے دو ٹکڑے کر دیے جس کے بعد خیر آپ کے ہاتھوں پر فتح ہو گیا۔

امام سلم نے بھی اپنی صحیح میں اس واقعہ کا اندراج کیا ہے۔

حافظ ابو عبد اللہ نے البوران سے روایت کی ہے کہ مقابلہ کے دوران علیؑ کے ہاتھ سے سپر گر گئی تو آپ نے خیر کے دروازے کو کھربنایا اور برابر جہاد کرتے رہے اور فتح کے بعد اس دروازہ کو پھینک دیا تو ہم آٹھ آدمیوں نے اسے حرکت دینا چاہا اور نہ دے سکے۔

جاہلین عبد اللہ انصاری کی روایت ہے کہ ہم آدمی بھی اسے نہ اٹھا سکے۔ دوسری روایت میں

۷۔ آدمیوں کا ذکر ہے۔

عبد الرحمن بن ابی عیسیٰ کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ گرمی میں گرم اور سردی میں سرد لباس پہنا کرتے تھے اور موسم کی پرواہ نہ کرتے تھے تو میرے بعض ساتھیوں نے مجھ سے اس ناز کو دریافت کیا۔ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ خیر کے میدان میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے

شکست کھا جانے کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے اعلان کیا کہ اب علم کراخیز فرار کو دوں گا، اور اس کے بعد علم علیؑ کو دے کر روانہ کیا تو یہ دعادی کو خدا یا انہیں سرد گرم زمانہ سے محفوظ رکھنا۔ اس دعا کا اثر ہے کہ ان کے اوپر موسم کا اثر نہیں ہوتا ہے۔ یہ تمام تفصیلات دلائل النبوة علامہ بیہقی میں موجود ہیں۔ خیر کا آخری قلعہ "قلعہ قوم" تھا جس کا سردار ابو العقیق تھا۔ اس کے فتح ہونے کے ساتھ ابو العقیق کے فرزند نے سرکار دو عالم سے معاہدہ کر لیا اور اس کے بعد اہل فدک بھی معاہدہ پر تیار ہو گئے اور اسلام نے جن ہاتھوں سے مدینہ میں فتح حاصل کی تھی، انہیں ہاتھوں سے خیر بھی فتح کر لیا۔ اس واقعہ کے بعض حساس پہلوؤں کو نظر انداز کرنے کے بعد بھی حسب ذیل مسائل سامنے آتے ہیں:

۱۔ یہودیوں کا مقابلہ اتنا سخت مقابلہ تھا کہ کسی ایک شخص کا ذکر نہیں ہے پورا لشکر اسلام کم از کم دو مرتبہ زور آزمائی کر کے واپس آ گیا تھا اور قلعہ کو فتح نہ کر سکا تھا بلکہ اسی شان سے واپس آیا کہ لشکر سردار کو کمزور کہہ رہا تھا اور سردار لشکر کو بزدل قرار دے رہا تھا، اور یہ صدر اسلام کی حقیقت پسندی کا ایک نمونہ تھا کہ سارے مسلمان بزدل کو بزدل کہہ رہے تھے اور اسے کسی طرح کی توہین یا دل آزاری نہیں سمجھ رہے تھے۔ آج کے مسلمان تو اس حقیقت پسندی سے بھی محروم ہو گئے ہیں کہ یہودیوں کے مقابلہ میں اپنا علاقہ چھوڑ کر باہر نکل جاتے ہیں اور پھر "ص" کا میابی کا نشان بنا کر نکلتے ہیں۔ گویا ان کی نگاہ میں میدان جہاد سے فرار بھی ایک طرح کا میابی ہے، جب کہ سرکار دو عالم کا اعلان آج بھی فضا میں گونج رہا ہے کہ یہودیوں کے مقابلہ میں ایسے مجاہدین کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے مقابلہ کے لیے کراخیز فرار "درکار ہے، اور جب تک ایسا مجاہد فرما رہا ہے نہیں ہوگا یہودیوں کا قلعہ فتح نہیں ہو سکتا۔

۲۔ سرکار دو عالم نے اسلام و کفر کے ہر مقابلہ میں دفاعی انداز اختیار کیا ہے کہ دشمن اپنے علاقہ کے قریب آجائے تو میدان جہاد میں قدم رکھیں۔ لیکن یہودیوں کے مقابلہ میں خیر تک جانے کا ارادہ کر لیا اور تشریف لے گئے اور سارے مسلمان ساتھ گئے کہ سب کو احساس تھا کہ جنگی اقدامات کے لیے حالات پر نگاہ رکھنا ضروری ہے اور یہودی سازش

کا جواب اپنے علاقہ میں ان کا انتظار کرنا نہیں ہے بلکہ ان کے علاقہ میں ان سے مقابلہ کرنا اور وہیں ان کی کمزوری کو توڑ دینا ہے۔

آج کے مسلمان اس طرز عمل سے بھی سبق لینے کے لیے تیار نہیں ہیں اور جہاد کے بجائے یہودیوں سے ذلت آمیز صلح کی تدبیریں نکال رہے ہیں بلکہ ان کے لیے علاقہ خالی کر کے اپنے علاقہ کو ان کے تسلط میں دے دینا چاہتے ہیں جو سرکارِ دو عالم کے طرز عمل اور سنت و سیرت کی صریحی خلاف ورزی ہے۔

۳۔ قرآن مجید نے صریحی طور پر اعلان کیا ہے کہ یہودی تمناؤں سے موت نہیں کر سکتے۔ ان کا کام موت سے فرار کرنا ہے موت کی آرزو کرنا نہیں ہے اور مسلمان ان یہودیوں سے بھی فرار کر رہے ہیں جن کی شان فرار کرنا ہے تو گویا یہ بھی قرآن مجید کے ارشادات سے کھلی ہوئی غفلت اور قرآن کی کھوکھلی اور بے جان تلاوت کا نتیجہ ہے۔

۴۔ استعمار کی قدم ترین سازش یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلحوں میں الجھا دیا جائے، اور جہاد کی حقیقی روح ایمان و اعتماد سے محروم بنا دیا جائے۔ اسی لیے جب ایک مسلمان اسلحہ سے بے نیاز ہو کر میدانِ جہاد میں آگیا تو سب اس پر اعتراض کرنے لگے اور اس کی موت کہی گویا خودکشی کا درد بردینے لگے۔ کفار کو اس سازش کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ اس طرح ان کے اسلحے بکتے رہیں گے اور مسلمانوں کو یہ احساس رہے گا کہ ہمارے پاس اسلحے انھیں سے خریدے ہوئے ہیں اور ان کے پاس خود اپنے بنائے ہوئے ہیں لہذا ان سے مقابلہ ممکن نہیں ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب خریدنا ہوا مال، صاحب مال کے مال کے برابر نہیں ہو سکتا اور مقابلہ ممکن نہیں ہے تو مسلمانوں کا سرمایہ ضائع و برباد کرنے اور اسے کفار کی جیب میں ڈالنے کا کیا فائدہ ہے؟ اور یہ خریداری کی دوڑ کیوں نہیں ختم ہو رہی ہے۔ صلح یا بیعت یا ضمیر فرشی کسی کام کے لیے اسلحہ کی خریداری کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ہر حال میں ہو سکتی ہے اس کے لیے صرف ایمان کی کمزوری کی ضرورت ہے اور وہ مسلمانوں کے پاس موجود ہے۔ سرکارِ دو عالم نے انہیں حالات کو نگاہ میں رکھنے کے بعد فاتحِ خیبر کے صفات میں کراہیت اور محبتِ خدا و رسولؐ جیسے اوصاف کا ذکر کیا تھا اور اسلحہ و فوج کا ذکر نہیں آنے دیا تھا کہ اس طرح روح اسلام کمزور نہ ہو جائے

اور مسلمان ایمان کے بجائے اسلحہ پر اعتماد نہ کرنے لگیں۔

۵۔ یہودیوں کا طریقہ کار یہ بھی رہا ہے کہ وہ قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرتے ہیں اور اسلام اپنے علاقہ سے سیکڑوں میل دور جا کر مقابلہ کرتا ہے کہ اس کے حوصلے کا اندازہ بھی یہودیوں کے حوصلے پرست بھی ہو جائیں۔ لیکن مسلمانوں نے اس طرز عمل سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا اور یہودیوں کا سامنا کرنے کے بجائے انہیں مزید قلعہ بنانے کے لیے زمین فراہم کرنے لگے۔ خدا اس اسلام اور اس امتِ اسلامیہ پر رحم کرے۔

ضرورت ہے آج اسلام کے احیاء اور روح اسلام کی تازگی کی کہ یہودیوں سے صحیح طریقہ سے مقابلہ کیا جائے، اس میں کڑا غیر فرار کے پیرو لانے جائیں کہ اس کے بغیر یہ مقابلہ ممکن نہیں ہے۔ ہمارا اسلام ان مجاہدینِ اسلام پر جو اسلحہ سے بے نیاز ایمان کی طاقت سے یہودیوں کو پسا کر رہے ہیں اور جن یہودیوں کے خوف سے "آہنی مردوں" نے اپنا علاقہ چھوڑ دیا تھا انہیں اپنے علاقہ سے باہر نکلنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ مجاہدینِ اسلام زندہ باد، فاتحِ خیبر زندہ باد، یہودیت مردہ باد!

معراجِ رسولِ اکرم

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے ہمیں
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

۲۷ رجب کی شب عالم اسلام میں وہ عظیم رات ہے جسے "شب معراج پیغمبر" کہا جاتا ہے۔ معراج کی داستان قرآن مجید میں دو مقام پر تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ ایک مرتبہ سورہ اسراء میں اور دوسری مرتبہ سورہ النجم میں۔ بعض علماء کرام نے انہیں خصوصیات کے پیش نظر یہ راستہ اختیار کیا ہے کہ سرکارِ دو عالم کو کم از کم دو مرتبہ معراج ہوئی ہے۔ ایک کا حال سورہ اسراء میں بیان ہوا ہے جس کا ظاہری سفر مسجد اقصیٰ پر تمام ہو گیا تھا اور دوسری کا تذکرہ سورہ والنجم میں ہے جہاں سورہ المنتہیٰ اور قاب قوسین تک کا تذکرہ ہے۔ اس سلسلے میں یہ احتمال بھی پایا جاتا ہے کہ یہ دو سفر ہوں اور یہ احتمال بھی ہے کہ ایک ہی سفر کے دو مرحلے ہوں۔ ایک مرحلہ مسجد اقصیٰ پر تمام ہوا ہو، اور دوسرا مرحلہ مسجد اقصیٰ سے شروع ہوا ہو اور عرشِ اعظم پر تمام ہوا ہو۔ بہر حال صورت واقعہ کچھ بھی ہو، نہ سرکار کی معراج میں کوئی شک ہو سکتا ہے اور نہ روایات کے پیش نظر تعدد معراج میں کوئی شک کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ ہن یہ ہے کہ اس معراج کا مقصد کیا تھا اور اس کے تذکرہ کی ضرورت کیا تھی؟ "عرش نشین" پیغمبر آسمان پر چلا گیا تو یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے اور رب کریم نے اسے اپنی بارگاہ میں بلایا تو یہ کوئی جلنے حیرت نہیں ہے اور اسے کچھ آیات اور نشانیاں بھی دکھلا دی گئیں تو یہ بھی بظاہر کوئی مسئلہ نہیں ہے، یہ عجیب اور محبوب کے درمیان کا مسئلہ ہے۔ وہ زندگی بھر وحی کے ذریعہ تخی گنگو کو تارا اور اس کے درمیان راز و نیاز کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا تو یہ اس کی محبت اور عنایت کا

تفاضل ہی تھا اس سے امت کا کیا تعلق ہے، لیکن قرآن مجید میں اس تذکرہ معراج کا محفوظ ہونا اور پھر مختلف مقامات پر محفوظ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ قدرت اس تذکرہ کو اہل دنیا تک پہنچانا چاہتی ہے اور اس کے ذریعہ عالم انسانیت کو درس زندگی دینا چاہتی ہے۔

علامہ اقبال نے تذکرہ معراج سے یہ سبق لیا ہے کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں۔ لیکن اس زد میں آنے کا مقصد کیا ہے اور اس کا ماہصل کیا ہے اس کی وضاحت نہیں کی ہے اور شاید اس کا راز یہ ہے کہ وہ اپنے دور میں مسلمانوں کا جو دھڑکنا چاہتے تھے اور ان میں خود اعتمادی اور خودی کو بیدار کرنا چاہتے تھے۔ لہذا انہوں نے ذکر معراج سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امتِ اسلامیہ کو ہوشیار کر دیا کہ بشر کا کام خاک سے وابستہ رہنا نہیں ہے۔ اس کا کام ارتقا ہے اور اس کی منزل بلند ہے۔ اس کا فرض اپنے کو اس طرح اونچا کرنا ہے جس طرح معراجِ مصطفیٰ نے اونچا ہونا سکھایا ہے۔ لیکن علامہ اقبال نے اس نکتہ کو نظر انداز کر دیا کہ قرآن مجید نے بشریت کی معراج کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ قدرت نے ملائکہ کو اس نکتہ کی طرف متوجہ کیا ہے کہ تم ایک مقام پر ٹھہر چلے ہو اور بشر آگے نکل جاتا ہے۔ بلکہ قدرت نے مقامِ محبت و محبوبیت کا بھی ذکر نہیں کیا ہے کہ یہ سب آثارِ محبت اور آثارِ محبوبیت ہیں۔ اس نے تو اس سٹی بعبدہ کہہ کر مقامِ عبودیت کا اعلان کیا ہے کہ آج کا جانے والا اور عرشِ اعظم تک جانے والا، سید الملائکہ سے بہت آگے جانے والا انبیاء کرام کی امامت کرنے والا ایک عبد، بندہ خدا ہے جس کا مقام عبودیت اس قدر بلند ہے کہ وہاں تک کسی کی رسائی نہیں ہے، تاکہ بندگانِ خدا میں شعورِ بندگی پیدا ہو اور وہ مقام عبودیت کو پہنچائیں۔ انہیں اندازہ ہو کہ بندہ مقامِ بندگی میں کامل ہوتا ہے تو عرش و کرسی کی بلندی تک پہنچ جاتا ہے چلے صاحبِ معراج بن کر پہنچ جاتے یا "لہو گفتگو کا نمونہ بن کر پہنچ جاتے، اور یہی وہ بات ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید کے لیے ضروری تھا کہ وہ رب العالمین کی "کتاب تربیت" ہے اور اس کے ذریعہ پروردگار نے اپنے بندوں کی فکری اور ذہنی تربیت کا انتظام کیا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ اپنے دامن میں ایسے تذکرہ کو محفوظ رکھے جس سے مقامِ بندگی کی عظمت کا اندازہ ہو، اور انسان کا شعور بیدار ہو۔ وہ بندہ خدا بنے اور بندگانِ خدا میں شامل ہو جائے ورنہ سرکارِ دو عالم کے لیے معراج میں جاننا نہ کوئی کمال ہے نہ کوئی انوکھی بات کہ اس کے تذکرہ کو اس شد و مد کے ساتھ

بیان کیا جائے اور اسے مختلف مقامات پر تفصیل کے ساتھ محفوظ کیا جائے۔ آیت اسرار نے معراج کے جن خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے ان کا خلاصہ بھی درج ذیل ہے:

۱۔ آیت اسرار کی ابتداء غیبت کے عنوان سے ہوئی ہے۔ "اسری۔ بعدہ" اور عبدیت کے مسجد اقصیٰ تک پہنچنے کے بعد تکلم کا عنوان پیدا ہو گیا ہے۔ "بَارُكْنَا۔ لِنُرِيْدُ اَيَاتِنَا۔ اس کے بعد جب سفر تمام ہو جاتا ہے اور تذکرہ معراج بندگی ختم ہو جاتا ہے تو پھر لہجہ اول واپس آ جاتا ہے۔

اس انداز بیان میں یہ واضح اشارہ ملتا ہے کہ عبدیت کی معراج حقیقتاً خدا کا غیبت سے نکل کر منزل شہود و حضور میں آ جانا ہے اور اس کے بغیر بندگی، بندگی کہے جانے کے قابل نہیں ہے۔ سورہ حمد میں بھی اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ آغاز بیان میں خدا کی غائبانہ حمد ہے۔ اس کے بعد جب بندگی کا ذکر آیا تو لہجہ "اَيَاتِنَا تَقْبَلُ" ہو گیا، اور منزل شہود و حضور سامنے آگئی اور گویا خدا نے غائب بندے کی نگاہوں کے سامنے آگیا، اور یہی بات مولائے کائنات نے اس وقت فرمائی تھی جب زُجَلبِ يَمَانِي نے سوال کیا تھا کہ یا علی! کیا آپ نے اس خدا کو دیکھا ہے جس کی بندگی کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا تھا "كَيْفَ اعْبُدُ رَبًّا لَمْ اَرَهُ" میں اس خدا کی بندگی کیونکر کر سکتا ہوں جس کو دیکھا نہ ہو۔ یعنی بندگی کا قوام حضور و شہود سے ہے، غائب کی بندگی نہیں ہوتی ہے۔ ان دیکھی عبادت عبادت نہیں ہے۔ عبادت اور بندگی کی شان یہ ہے کہ موجود کا جلوہ نگاہوں کے سامنے رہے یہ اور بات ہے کہ اس کا شاہدہ مادی آنکھوں سے نہیں ہوتا ہے وہ دل کی آنکھوں اور ایمان کے نور سے دیکھا جاتا ہے۔

۲۔ معراج پیغمبر نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ بندگی میں یہ صلاحیت بھی پائی جاتی ہے کہ وہ آلات و اسباب کے بغیر آسمانوں کی طرف بلند ہو سکتی ہے۔ بندگی میں کمزوری ہوتی ہے تو آلات و اسباب تلاش کیے جاتے ہیں۔ اور بندگی کامل ہوتی ہے تو عروج بشر آلات کا محتاج نہیں ہوتا۔ جنگ خیبر میں مولائے کائنات کا دوش ہوا پر بلند ہونا اسی معراج بندگی کا ایک نمونہ تھا اور علیؑ کے لیے یہ بھی کوئی کمال نہیں تھا کہ جو انسان دوش پیغمبر پر بلند ہو سکتا ہے اس کے لیے دوش ہوا پر بلند ہونا کیا مقام رکھتا ہے۔

حکیم الہی نے حضرت عیسیٰ کے تذکرہ کے موقع پر فرمایا تھا کہ "اگر ان کا یقین اور زیادہ بلند ہو جاتا تو وہ پانی کے بجائے ہوا پر چلنے لگتے" گویا کمال یقین کمال بندگی کی ایک نشانی ہے کہ جس کا جتنا یقین کامل ہوگا اتنا ہی اس کی بندگی میں اضافہ ہوتا جائے گا اور جب "لَوْ كُشِفَتْ" کی منزل آجائے گی تو ایک ضربت یقین کی عبادت پر بھاری ہو جائے گی۔

۳۔ سفر معراج سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ عبدیت کے لیے زمان و مکان کی کوئی یقینت نہیں ہے۔ بندہ کم سے کم وقت میں بھی طویل ترین فاصلہ طے کر سکتا ہے اور اس کی عظمت کے لیے مکہ و مدینہ کوئی منزل نہیں ہے۔ وہ زمین پر بھی رہ سکتا ہے اور آسمان پر بھی۔ مسجد الحرام میں بھی عبادت کر سکتا ہے اور مسجد اقصیٰ میں بھی۔ وہ زمین پر بھی امت کر سکتا ہے اور بزم انبیاء میں بھی۔ ۴۔ معراج نے اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا ہے کہ مسلمان کے لیے مسجد الحرام اور مسجد اقصیٰ دو الگ چیزیں نہیں ہیں۔ مسلمانوں کے رسولؐ نے ایک نماز مسجد الحرام میں ادا کی ہے، اور ایک مسجد اقصیٰ میں۔ مسجد اقصیٰ کی حیثیت قبلہ کی رہے یا نہ رہے اس کی عظمت معراج پیغمبر کی نشانی ہے اور اس کا تحفظ ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اسے بودیوں کے حوالہ کو دینے کی خفیہ سازش کرنا معراج پیغمبر کی عظمت کا انکار اور سرکارِ دو عالم سے کھلی ہوئی غداری ہے۔ ایسے غداروں کو "مرد آہن" کہا جا سکتا ہے نہ "مرد موس"۔ مرد موس شاعر اربابان کا تحفظ کر لیا ہے۔ شوق حکومت میں ایمان کا سودا نہیں کرتا ہے۔

۵۔ سرکارِ دو عالمؐ انبیاء کرام کو نماز پڑھانا علامت ہے کہ اسلام کے آنے کے بعد کسی قانون یا شریعت کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ اب سب کو اسی ایک قانون کا اتباع کرنا ہے اور جملہ اصحاب شریعت کو اسی قانون کے تحت بندگی پروردگار کرنا ہے۔ بندگی بندگی ہے تو اس میں شخصیت کی گنجائش نہیں ہے۔

انبیاء کرام بھی اسی بندہ کے تحت ماموین کی صفوں میں کھڑے ہو گئے کہ جب میں صاحب شریعت تھا تو اپنی شریعت کے مطابق بندگی کرتا تھا اور جب آخری صاحب شریعت آگیا تو اب اس کی شریعت کے مطابق بندگی کرنا ہوگی۔ اور اس کا ایک نمایاں منظر اس دن دیکھنے میں آئے گا جب آخری شریعت کا وارث امام جماعت ہوگا اور حضرت عیسیٰ بن مریمؑ اس کے پیچھے نماز ادا کر لے

ہوں گے۔

معراج پیغمبر کے سلسلہ میں یہ بات بھی تشذیبان زہرہ جائے کہ سفر معراج کا سلسلہ جناب اُمّ ہانی بنت ابی طالب کے گھر سے شروع ہوا ہے اور اس کے خاتمہ پر یزید بانی توحانی کے فرانس علی بن ابی طالب نے انجام دیے ہیں اور مرسل اعظم سے گفتگو انہیں کے ہجو میں ہوئی ہے۔ یعنی معراج کی ابتدا اور انتہا دونوں میں ابوطالب کی اولاد کا حصہ ہے۔ اب اس سے زیادہ خوش قسمتی کیا ہوگی کہ انسان کی تاریخ عظمت، عظمت پیغمبر سے مل جائے اور اس کے گھرانے کے تذکرہ کے بغیر تذکرہ معراج رسولؐ بھی ناتمام رہ جائے۔ والحمد لله اولاً و آخراً۔

سیرت النبی الاعظم

اس وقت آپ کے سامنے آستان قدس امام رضا علیہ السلام کی طرف سے شائع کیے جانے والے ایک رسالے کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔ جس میں سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰؐ کی سیرت مبارکہ پر لکھی جانے والی کتابوں کی مختصر فہرست پیش کی گئی ہے۔ اس اشاعت کا مقصد ریسرچ اسکالرز کے لیے مطالعہ کی سہولت کا فراہم کرنا بھی ہے اور تفرقہ پرداز عناصر کی تردید بھی ہے۔ جن کا خیال ہے کہ ملت شیعہ نے سیرت پیغمبرؐ کو کوئی کام نہیں کیا ہے یا شیعوں کا عقیدہ معاذ اللہ نبوت مرسل اعظم پر نہیں ہے۔ فہرست میں دونوں فریق کے علماء کی کتابوں کا تذکرہ ہے لیکن اہل نظر ان کے درمیان بجز موسیٰ کر سکتے ہیں کہ علماء شیعوں نے روزِ اول سے سیرت و کردار مرسل اعظم پر کس قدر کام کیا ہے اور کتنی عرق ریزی اور جانفشانی سے کام کیا ہے۔

کتابوں کی فہرست کے ساتھ صفحات، طباعت، مصنف وغیرہ کی نشان دہی بھی کر دی گئی ہے۔

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۱۔ آداب معاشرت محمدؐ	فارسی	۸۰	تہران	محسن فیض کاشانی
۲۔ الآثار النبویہ	عربی	۱۲۰	عیسیٰ ابابلی الجلبی	احمد تیموریان
۳۔ آمد و آمد محمدؐ	فارسی ترجمہ	۱۰۰	تہران	ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطلی

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعه	مؤلف
۴- آئینه اسلام	فارسی ترجمه	۲۰۶	تهران	طه حسین
۵- احتجاجات رسول اکرم	عربی	۲۰۲	"	ابونصیر احمد طبرسی
۶- احمد موعود انجیل	فارسی	۲۲۰	"	جعفر سبحانی
۷- الحواری فی القرآن	عربی	۴۰۷	بیروت	محمد حسین فضل الله
۸- اخلاق محمد	فارسی	۱۵۱	تهران	سید محمد جواد غزوی
۹- اخلاق و کردار محمد	"	۷۶	قم	شیخ عباس قمی
۱۰- الدعوة والدولة	عربی	۲۴	کویت دار التوحید
۱۱- الاذکار المنتبیه	"	۳۷۶	مصر	یحیی بن شرف النووی
۱۲- الرسول بحدیثنا	"	۵۶	تهران	از طرف مسجد جامع
۱۳- از هجرت تا وفات	فارسی	۱۳۷	"	علی شریعتی
۱۴- اسس الدعوة المحمدیه	عربی	۸۶	نجف	هدی البصری
۱۵- اشتراکیه محمد	"	۳۵۰	بیروت	محمد شبلی
۱۶- اشرف من حیات الرسول	"	۵۸	نجف	عبدالایر قتلان
۱۷- اصحاب رسول اکرم	فارسی ترجمه	۱۶۱	تهران	محمد علی بحر العلوم
۱۸- الاعتذار	عربی ترجمه	۱۹۲	"	ژان پورث جان
۱۹- اعلام النبوة	عربی	۳۵۳	"	ابو حاتم الرازی
۲۰- اعیان الشیعه	"	۶۴۸	بیروت	السید محسن الامین العالمی
۲۱- افق وحی	فارسی	۷۴۸	تهران	الحاج میرزا خلیل کره
۲۲- افکار جاوید محمد	فارسی ترجمه	۲۱۹	"	محمد علی لاجوردی
۲۳- رقیه النبی محمد	عربی	۲۳۸	دارالکتب الحدیث	ناصح الدین الانصاری
۲۴- الاکتفافی منازل الرسول	"	۴۹۵	قاهره	ابوالریح الاندلسی

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعه	مؤلف
۲۵- انقلاب تکاملی اسلام	فارسی	۸۹۲	تهران	بلال الدین فارسی
۲۶- الانوار فی مولد النبی	عربی	۳۵۸	نجف	ابوالحسن البکری
۲۷- الانوار المحمدیه	"	۶۳۲	یوسف بن اسماعیل البهبانی
۲۸- الهجرة والقرآن	"	۱۵۰	تهران	دار التوحید
۲۹- ایضاح الانباء	فارسی	۸۳	تبریز	علی بن سوسی شفیعی
۳۰- بازرگانان محمد	"	۹۶	تهران	علی رضا ریمانی
۳۱- بانگ تکبیر	"	۲۳۹	"	حسینیه ارشاد
۳۲- بحار الانوار	عربی	۸ جلد جدید	"	محمد باقر مجلسی
۳۳- بشارات مهدین	فارسی	۲۹۹	"	محمد صادقی
۳۴- بعثت و دولت	"	۴۸	"	هدی بازرگان
۳۵- بعثت در اجتماع	"	۵۳	"	عبدالحی بازرگان
۳۶- بعثت حاشورا	"	۲۸	"	محمد باقر بهبودی
۳۷- بین الهامیه والاسلام	عربی	۳۱۵	بیروت	محمد مهدی شمس الدین
۳۸- پندهای گران مایه	فارسی	۶۴	تهران	ابوطالب تبریزی
۳۹- پیام	"	۴۳	"	میرزا زاده نعمت
۴۰- پیامبر	"	۷۵۲	"	زمین العابدین رهنا
۴۱- پیامبر اسلام	"	۲۵۵	قم	علی دوانی
۴۲- پیامبر آتی	"	۹۳	"	مرتضی مطهری
۴۳- پیامبر در مکه	"	۸۴	"	علی اکبر و روحش
۴۴- پیامبر و منافقین	"	۷۱	تهران	سیدرس سیدی
۴۵- پیامبر و امین نبرد	"	۵۷۴	"	مصطفی طلاس

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۴۶- پژوهشی درباره قرآن	فارسی	۳۵۶	تهران	فخرالدین جمازی
۴۷- پیشگوئیهایی محمد	"	۱۵۴	قم	هادی خوشینی
۴۸- الحاج الجاثع	عربی	۵ جلد	مصر	منصور علی ناصف
۴۹- تاثیر شخصیت محمد	فارسی	۲۱۸	تهران	محمد علی خلیلی
۵۰- تاریخ الازکر	"	۲۰۶	"	واعظ تبریزی
۵۱- تاریخ النبی احمد	عربی	۲۶۰	صیدا	حسن العینی اللواسانی
۵۲- تاریخ پیغمبر خاتم	فارسی ترجمه	۲۸۴	تهران	"
۵۳- تاریخ تمدن اسلام	فارسی	۴۰۰	"	هادی خاتمی بروجردی
۵۴- تاریخ تمدن	فارسی ترجمه	۳۶۱	"	ویل دورانت
۵۵- تاریخ جهان خیر	"	۳۴	"	جعفر جمال عبدالصائب
۵۶- تاریخ شخصیت پیغمبر	فارسی	۳۹۲	قم	عباس صفائی حائری
۵۷- تاریخ طبری	عربی	دو جلد	قاہرہ	محمد بن جریر طبری
۵۸- ترجمه تاریخ طبری	فارسی	"	تهران	ابوالقاسم پاننده
۵۹- تاریخ مجاہدات پیغمبر	"	۵۴۸	"	عباس صفائی حائری
۶۰- تاریخ مطهر	"	۱۴۸	"	اکبر منظری
۶۱- تاریخ مقدس	فارسی ترجمه	۳۲۵	"	اردنگ واشنگتن
۶۲- تاریخ منظوم	فارسی	۲۲۶	قم	علی دعوتی
۶۳- تاریخ نبوی	فارسی ترجمه	۱۵۳	تهران	داریوش یوسف
۶۴- تاریخ یعقوبی	عربی	۲۴۷	نجف	ابن واضح یعقوبی
۶۵- ترجمه تاریخ یعقوبی	فارسی	۶۱۰	تهران	محمد ابراهیم آشتی
۶۶- تبلیغ پیغمبر	"	۳۸	"	مهدی بازگان

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۶۷- تنبیه الانام	عربی	۳۴۲	مصر	عبد الجلیل بن مظلوم
۶۸- تهذیب سیرة ابن هشام	"	۶۱۳	"	عبد السلام ہارون
۶۹- جلوه ای از چہرہ محمد	فارسی	۳۲۰	قم	مجتبی موسوی کاشانی
۷۰- مجموعہ پیکار و بزم	"	۵ جلد	"	علی دوانی
۷۱- جوامع السیرة	عربی	۴۷۲	مصر	ابو محمد سید بن خرم
۷۲- جهان در عصر بعثت	فارسی	۱۵۰	تهران	محمد جواد باہنر
۷۳- جیش اسامہ	عربی	۱۳۴	تهران	محمد بن حسن شیردانی
۷۴- چہل دستور جامع	فارسی	۱۴	تهران	نقل از مجموعہ دسام
۷۵- حجة المدح العالمین	عربی	۶۹۸	ترکیہ	یوسف بن اسماعیل ہنہانی
۷۶- حجة الوداع	"	۲۰۸	ہند کھنوا	محمد زکریا کابوطلوی
۷۷- حمار شہیدان	فارسی	۲۳۶	قم	ہادی راستباز
۷۸- حیات النبی	اردو	۳۶۰	لاہور	نور حسین جنگ سیالوی
۷۹- حیات محمد	ترکی	۳۳۶	استانبول	لطف احمد
۸۰- حیات محمد	عربی	۶۳۴	مصر	محمد حسین ہیکل
۸۱- حیات محمد	عربی ترجمہ	۳۷۹	دارالاحیاء	عادل زعیر
۸۲- حیات محمد و رسالت	عربی	۲۰۳	بیردت	مولانا محمد علی
۸۳- حیاة القلوب	فارسی	۷۰۴	تهران	علامہ محمد باقر مجلسی
۸۴- خاتم النبیین	"	۳۴۹	"	عباس شوستری مہرین
۸۵- "	عربی	۳۶۴	مصر	محمد خالد
۸۶- ختم نبوت	فارسی	۱۰۲	تهران	مرتضی مطہری
۸۷- "	اردو ترجمہ	۷۹	راولپنڈی	محمد خالد فاروقی

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۸۸- خاقیت	فارسی	۲۳۹	تهران	علی امیرپور
۸۹- خاقیت از دیدگاه عقل	"	۲۴۲	"	جعفر سبحانی
۹۰- هجرت محمد	"	۹۵	"	علی قائمی
۹۱- خطوط اساسی سیاست	"	۳۹	"	ح - خ
۹۲- خورشیدی که از کوه طلوع کرد	"	۲۴۵	"	عبدالمیرفولادزاده
۹۳- داستانهای از زندگی	فارسی ترجمه	۱۴۰	"	مناز احمد پاکستانی
۹۴- درآستانه ساغر او پیغمبر	فارسی	۳۰۴	"	محمود رامیار
۹۵- درآستانه فی السیره	عربی	۴۰۴	موسسه الرساله	عمادالدین خلیل
۹۶- الدرر	"	۳۵۲	قاہرہ	یوسف بن عبداللہ النمری
۹۷- در کتب وحی	فارسی	۱۳۹	تبریز	جعفر سبحانی
۹۸- درود محمدی	"	۲۳۶	تهران	حسن رضوی قمی
۹۹- دعوت محمدی	"	۲۴۴	"	عبدالمطلب اردوبادی
۱۰۰- دلائل الخیرات	عربی	۱۸۷	"	محمد بن سلیمان البزدلی
۱۰۱- دلائل النبوة	"	۵۶۶	حیدرآباد	ابونعیم احمد بن عبداللہ
۱۰۲- دو گواہ بزرگ	فارسی	۹۰	اصفهان	ابوالفضل میرلوحی
۱۰۳- دولت الرسول	عربی	۳۲۴	کویت	احمد ابراهیم الشریف
۱۰۴- الدین و تاریخ الخیرین	"	"	مصر	عباس کراره
۱۰۵- راز بیست	فارسی	۲۴۵	تهران	ابوتراب بدائی
۱۰۶- راز بزرگ رسالت	"	۴۹۲	"	جعفر سبحانی
۱۰۷- راه محمد	فارسی ترجمه	۳۴۴	"	عباس محمود عقاد
۱۰۸- الرساله العلیه	فارسی	۵۰۶	"	کمال الدین کاشفی بهشتی

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۱۰۹- الرساله الکامله	عربی ترجمه	"	اگسford	علاءالدین علی بن نقیص
۱۱۰- رسالت محمدیه	فارسی	۲۳۲	تهران	محمد عباس الموسوی
۱۱۱- الرساله المهدیه	عربی	۸۶	مصر	محمد کامل
۱۱۲- رسول اکرم در میدان جنگ	فارسی	۲۰۰	تهران	محمد حمیدالله
۱۱۳- رسول الاسلام	عربی	۲۴۲	بیروت	محمد صادقی
۱۱۴- الرسول القائد	"	۳۵۹	بغداد	محمود شیت
۱۱۵- الرسول محمد	عربی ترجمه	۳۲۱	مصر	محمد فروغ
۱۱۶- رسوخ الرسول	فارسی	۹۴	ایران	میرزا ضیاءالدین ندیم باشمی
۱۱۷- الرسول فی المدینه	عربی	۲۴۹	مصر	علی حسنی الخربوطی
۱۱۸- کتاب الوصف	"	۵۵۹	کویت	محمد بن محمد عبداللہ
۱۱۹- الروض الالاف	"	۲ جلد ضخیم	بیروت	ابوالقاسم
۱۲۰- زمان پیغمبر	فارسی ترجمه	۲۴۹	تهران	فانوش بنت الشاطلی
۱۲۱- زمان پیغمبر اسلام	فارسی	۴۴۴	"	حسین عابدزاده
۱۲۲- زمان صدر اسلام	"	۱۴۲	"	محمد علی بحر العلوم
۱۲۳- زندگانی پیامبر	"	۵۲۳	تهران	علی اکبر خدیو محسنی
۱۲۴- زندگانی حضرت محمد	"	۱۵۳	"	غلام رضا سجیدی
۱۲۵- " " "	"	۷۲	"	عبدالله فوجنت
۱۲۶- " " "	"	۱۰۸	"	کاظم آل لوح
۱۲۷- " " "	"	۱۲۳	"	س - نظام زاده
۱۲۸- زندگانی رهبر عالم	"	۳۱	"	محمد جوهری
۱۲۹- زندگانی محمد	"	۱۰۲	"	محسن جاویدیان

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۱۳۰- زندگانی محمد	فارسی ترجمه	۳۱۰	تهران	کار لائل
۱۳۱- " "	"	۴۴۴	"	عبدالمکعب بن هشام
۱۳۲- " "	"	دو جلد	"	محمد حسین بهیکل
۱۳۳- " "	فارسی	۷۳	"	محمد علی خلیلی
۱۳۴- زندگانی پیشوای اسلام	"	۴۶۴	"	حسین عماد زاده مهنائی
۱۳۵- زندگی نام حضرت محمد	"	۷۲	"	شرکت نسبی
۱۳۶- زندگی و آئین محمد	"	۳۲۷	"	حسین خراسانی
۱۳۷- زبدة التواریخ	"	۱۹۱	"	محمد جواد نجفی
۱۳۸- سبیل الهدی و الرشاد	عربی	۳ جلد	قاہرہ	محمد بن یوسف العالی
۱۳۹- زندگی و آئین محمد	فارسی	۳۲۷	تهران	ابوالقاسم پاننده
۱۴۰- سرگزشت پیغمبران	"	۱۷۹	"	ابوتراب صفائی
۱۴۱- سعادة الدارين	عربی	۷۲۶	-	-
۱۴۲- سلام بر پشت	فارسی	۱۴۴	تهران	عظیم صاعدی
۱۴۳- سيرة الرسول	عربی	۴۴۲	مصر	محمد احمد
۱۴۴- السيرة البلیة	"	۴۴۹	"	جلبی شافعی
۱۴۵- سیرت در صحیحین	فارسی	۴۱۳	قم	محمد صادق نجفی
۱۴۶- سنن النبوی	عربی/فارسی	۳۱۱	تهران	محمد حسین طباطبائی
۱۴۷- السيرة المعطرة	عربی	۴۱۱	قاہرہ	خیر الدین عبدالعزیز
۱۴۸- سيرة المصطفى	"	۷۴۷	بیروت	ہاشم معروف الحسینی
۱۴۹- السيرة النبوية	"	۴ جلد	مصر	عبدالمکعب بن هشام
۱۵۰- " "	"	"	قاہرہ	ابوالفداء اسماعیل بن کثیر

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۱۵۱- سیرت رسول اکرم	فارسی	۷۱	تهران	محمد باقر گلجی
۱۵۲- سیرت رسول الله	"	۳۵۶	"	مرتضی
۱۵۳- سیرت محمد	عربی/انگریزی	۹۳	"	علی شریعتی
۱۵۴- شارح کل محمدی	فارسی شعر	۱۵۲	مشهد	فاطمہ محبوبی
۱۵۵- شخصیت محمد	فارسی	۲۴۱	تهران	منصور پویا
۱۵۶- شخصیت و سیرت رسول اکرم	فارسی ترجمہ	۳۴	"	ڈاکٹر فضل الرحمن
۱۵۷- شرح حالات نبی خاتم	"	۳۹۵	"	سید حسن لورستانی نجفی
۱۵۸- شرح سفر السعادة	فارسی	۵۸۴	-	عبدالحق دہلوی
۱۵۹- شرح الصلوات	"	۲۴۷	-	احمد بن محمد طوسی
۱۶۰- شرح کلمات قصار	فارسی	۳۷۶	تهران	یکے از علماء قرن ہفتم
۱۶۱- الشفاء	عربی	۲۷۱	-	قاضی ابوالفضل بیاض
۱۶۲- شفاء الاسلام	"	۲۵۰	حیدرآباد	تقی الدین السبکی
۱۶۳- شعاع ولی	فارسی	۱۱۶	تهران	علی روانی
۱۶۴- شمائل شریف	عربی	۱۲۹	-	ابو عیسیٰ ترمذی
۱۶۵- شہدار الاسلام	"	۳۲۵	-	علی سامی انشاء
۱۶۶- صفوی از تاریخ صدر اسلام	فارسی	۱۷۹	تهران	علی جواد کلکام
۱۶۷- صوفیوں کی حیات الرسول	عربی	۶۴۵	مصر	امین دریدا
۱۶۸- الصلوات علی النبی	"	۲۴۸	قاہرہ	محمد اسماعیل ابراہیم
۱۶۹- طب النبوی	"	۲۲	-	محمود بن محمد خمینی
۱۷۰- الطبقات الکبری	"	دو جلد	سیدن	محمد بن سعد واقدی
۱۷۱- الطريقة المحمدية	"	۲۲۳	قاہرہ	زین الدین بکوی

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۱۴۲- طلعت حق	فارسی	مجلدات	تهران	اسحاق اشعری
۱۴۳- طلبة الغزاة	عربی	۱۰۴	بیروت	ایساف بن اسماعیل البهبانی
۱۴۴- ظهور محمد مصطفیٰ	فارسی	۲۴۱	تهران	حسین رفیع پور
۱۴۵- جعفریه محمد عربی	عربی	۱۵۸	مصر	عباس محمود العقاد
۱۴۶- غذای تقصیر پیشگاه محمد	فارسی ترجمه	۲۶۳	تهران	غلام رضا سیدی
۱۴۷- عشره ایام	عربی	۲۱۶	مصر	محمد خالد
۱۴۸- عصر النبوة	"	۸۵۲	بیروت	محمد غزوت
۱۴۹- غلظة الرسول	"	۳۸۹	قاهره	محمد علیه الابراشی
۱۵۰- فتح مکة	فارسی	۷۴	تهران	خلیل کمره ای
۱۵۱- فتح مبین	"	۳۰۱	-	محمد عزیزالله صفی پور
۱۵۲- فروغ ابدیت	"	۹۴۸	قم	جعفر سبحانی
۱۵۳- فروغ بینش	عربی/فارسی/انگیزی	۵۸۶	تهران	ابوالقاسم حالت
۱۵۴- فلسفه الهیوت	عربی	۲۰۸	بیروت	دارالصادق
۱۵۵- فلسفه تاریخ محمد	"	۲۵۵	"	محمد تمیل
۱۵۶- فی غلظی محمد	"	۴۷۱	"	سلبب نصری
۱۵۷- قصه المولد	"	۱۸۲	تونس	محمد طاهر بن محمد شاذلی
۱۵۸- کارنامه سیاسی اجتماعی اطلاق	فارسی	۳۰۱	تهران	مصطفی ازمانی
۱۵۹- الکامل فی تاریخ	عربی	۵۷۹	بیروت	علی بن ابی الکرم ابن کثیر
۱۶۰- کمل البصر	"	۱۵۱	قم	عباس قمی
۱۶۱- کردار و گفتار محمد	فارسی ترجمه	۲۴۹	تهران	خواجہ کمال الدین
۱۶۲- کشف الغم	عربی	۶۰۳	"	علی بن یسین الارزلی

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۱۶۳- کلمات محمد	فارسی/عربی	۵۶	تهران	محمد جواد مشکوة
۱۶۴- گنجینه گهر	"	۲۲۳	"	محمد جواد صافی گلپایگانی
۱۶۵- المہازات النبویہ	عربی	۲۶۹	قم	سید الشریف الرضی
۱۶۶- محمود نفیسه	"	۵۴۵	"	شهاب الدین مرعشی نجفی
۱۶۷- المجد البیضاء	"	۳۸۴	تهران	علامه حسن فیض کاشانی
۱۶۸- محمد المثل الکامل	"	۴۲۴	مصر	محمد احمد جاد المولی بک
۱۶۹- محمد پیامبر خاتم	فارسی	۴۸	تهران	ترجمه هادی دستباز
۱۷۰- محمد پیامبر خدا	"	۴۴۹	"	"
۱۷۱- محمد پیامبر شناخته شده	"	دو جلد	قم	محمد علی انصاری
۱۷۲- محمد پیامبر و سیاستدار	فارسی ترجمه	۳۰۵	تهران	مترجم اسماعیل والی زاده
۱۷۳- محمد پیغمبری که از نو باید شناخت	فارسی	۴۰۸	"	ذبیح الله منصور
۱۷۴- محمد خاتم پیغمبران	"	دو جلد	"	جماعت مولفین
۱۷۵- محمد در نظر دیگران	فارسی ترجمه	۱۰۸	"	کاظم نوح
۱۷۶- الموحی اهل بیت	عربی	۳۹۹	بیروت	عبد المنعم الفرطوسی
۱۷۷- محمد رسول الله	فارسی	۵۱۰	تهران	محمد صدیق قمی رضوان
۱۷۸- " "	عربی	۲۰۴	قاهره	احمد تیموریان
۱۷۹- " "	"	۳ جلد	تهران	دارالتوکید
۱۸۰- " "	"	۵۱۵	مصر	محمد رشید رضا
۱۸۱- " "	فارسی	۱۴۹	تهران	علی جواهر کلام
۱۸۲- " "	عربی	۳۶۷	مصر	مترجم سلیمان بن ابراهیم
۱۸۳- " "	فارسی	۲۳۳	تهران	ذبیح الله قدیمی رضوانی

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعث	مؤلف
۲۱۴- محمدتاراه ای کورکه خیزید	فارسی	۲۸۲	تهران	ساداری-م
۲۱۵- محمد فرستاده خدا	فارسی ترجم	۱۸۴	"	مولانا محمد علی
۲۱۶- محمد قدوة واسوة	عربی	۷۹	"	محمد تقی مدرس
۲۱۷- محمد ناپلئون اسما	عربی ترجم	۱۲۱	بیروت	مترجم محمد صالح البنداق
۲۱۸- محمد و القرآن	عربی	۲۲۲	بغداد	کاظم آل فوح
۲۱۹- محمد و تعلیمات عالی اسلام	فارسی	۱۶۳	تهران	حسین کاظم زاده ایران شهر
۲۲۰- محمد و زمامداران	"	۳۳۸	قم	احمد صابری بهدانی
۲۲۱- محمد و مکتب در نشانی	"	۱۷۴	تهران	محمد جواد واعظی بزرگاری
۲۲۲- مدائن الفضائل المبارک	عربی	۳۹۱	"	علی بن الحسن امضانی نجفی
۲۲۳- مسلودجی	فارسی	۱۱۴	"	هددی بازوگان
۲۲۴- مطلع النور	عربی	۱۸۳	بیروت	عباس العقاد
۲۲۵- مظاهر محمدی	فارسی ترجم	۲۳۶	تهران	توفیق الملکیم
۲۲۶- مع المصطفی	عربی	۳۳۴	بیروت	عائشه بنت الشاطی
۲۲۷- المعراج	"	۱۳۵	قاهره	عبدالمکریم بن هوازن
۲۲۸- المغازی	"	تین جلد	لندن	محمد بن عمرو اقدی
۲۲۹- مفاهیم القرآن	"	۳۹۲	قم	جعفر سبحانی
۲۳۰- مکتب الرسول	"	۶۰۸	بیروت	علی بن حسین بن علی الاحمدی
۲۳۱- ملخص السیرة النبویة	"	۱۸۰	مکتب السعادة	السید علی الشافعی
۲۳۲- ملطف خاص بالهجرة	"	۹۴	لبنان	نشریه المنطق
۲۳۳- مناقب آل ابی طالب	"	۳۳۴	قم	محمد بن علی ابن شهر آشوب
۲۳۴- منتهی الآمال	"	۵۱۱	تهران	عباس قمی

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعث	مؤلف
۲۳۵- المواهب اللدنیة	عربی	۲ جلد	الطبقة الشریفیة	احمد بن محمد بن ابی بکر القسطلانی
۲۳۶- موسوعه آل النبوی	"	۹۶۷	بیروت	عائشه بنت الشاطی
۲۳۷- المولد النبوی الشریف	"	۶۵	نجف	جعفر نقوی
۲۳۸- مولد النبوی	"	۲۳	دمشق	سید حسن عالی
۲۳۹- نایح التوارخ	فارسی	۴ جلد	قم	بیرزا محمد تقی پیرسان الملک
۲۴۰- نبره های محمد	"	۳۰۰	تهران	نصرت الله ختوتاش
۲۴۱- نبی الرحمة محمد	عربی	۱۱۴	نجف	السید جعفر البشیر الحینی
۲۴۲- النبوی محمد	"	۴۶۳	بیروت	عبدالمکریم الطلیب
۲۴۳- نخستین معصوم	فارسی	۳۳۳	تهران	برادر فاضل
۲۴۴- نغمه اسیری	"	۱۵۹	تهران	عبدالمکریم طالب
۲۴۵- مجله الاضواء	عربی	۱۴۴	نجف	مقالات
۲۴۶- نعت رسول	فارسی	دیوان	تهران	ضیاء الدین
۲۴۷- نگرش کوتاه - بزندگی پیامبر اسلام	"	۲۷۷	قم	زیندگان در راه حق
۲۴۸- نوح الفصاح	فارسی ترجم	۳۵۵	تهران	ابوالقاسم پائنده
۲۴۹- نوح الهدایت	"	۱۲۴	تهران	مترجم خطیب
۲۵۰- الوعی المحمدی	عربی	۳۳۵	مصر	محمد رشید رضا
۲۵۱- وعی محمدی	فارسی ترجم	۳۸۰	تهران	مترجم محمد علی
۲۵۲- وفاء الوفاء	عربی	۶۵۹	بیروت	نورالدین السهودی
۲۵۳- وقایع السنین والاعوام	فارسی	۶۴۰	تهران	حسینی خاتون آبادی
۲۵۴- هادی عالم	اردو	۳۱	لاهور	قاضی عبدالحمید قریشی
۲۵۵- هجرة الرسول الی عرب الافاض	عربی	۲۴۷	قاهره	عبدالمال الانصاری

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۲۵۶۔ ہجرت ضرورت ماوداں تکامل	فارسی	۱۴۴	قم	علی منذر
۲۵۷۔ ہدی النبی	عربی	۲۵۹	مصر	نور الدین عشر
۲۵۸۔ ہزار رسول اللہ	"	۸۸	نجف	محمد بن الحسین
۲۵۹۔ ہجران رسول خدا	فارسی	۹۵	قم	عقیمی بن شاشی

مذکورہ بالا کتب کے علاوہ اردو، فارسی، عربی، انگریزی میں بے شمار کتابیں ہیں۔ جو سرکارِ دو عالم کی حیاتِ طیبہ سے متعلق لکھی گئی ہیں جن کی مکمل فہرست مرتب کی جائے تو ایک ہزار سے زیادہ یقینی ہو جائے گی۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ عالم اسلام میں اس سے اہم تر موضوع کیسا ہو سکتا ہے کہ سرکارِ دو عالم کی حیاتِ طیبہ کے مختلف گوشوں کو اجاگر کیا جائے اور امتِ اسلامیہ کے لیے ایک لائحہ عمل اور دستور حیات تیار کیا جائے۔

حقیقہ کے قلم سے بھی اس موضوع پر چند رسالے اور کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ رب کریم سے التماس ہے کہ اس خدمت کے دوام و استمرار کی توفیقِ کرامت فرمائے۔

والسلام علی من اتبع الهدی

نقش

حیاتِ حضرت علی بن ابی طالب

ولادت ۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل
شہادت ۲۱ رمضان ۴۰

نقش زندگی حضرت امیر المومنین علیہ السلام

سنہ عام الفیل جب سرکارِ دو عالم کی عمر مقدس ۳۰ سال کے قریب تھی اور اعلانِ رسالت کے لمحات قریب تر ہوتے جا رہے تھے۔ اسلام کو ایک عظیم مددگار اور رسولِ اکرم کو دعوتِ دین کے لیے ایک بے نظیر مہم کی ضرورت تھی۔ رب العالمین نے جناب ابوطالب کو ایک در فرزند خلیفیت فرمایا جس کی ولادت کا انداز تمام دوسری اولاد سے بالکل مختلف تھا۔ اب تک تمام فرزند اپنے گھر میں پیدا ہو رہے تھے یہاں تک کہ خود سرکارِ دو عالم کی ولادت بھی شبِ ابی طالب میں ہوئی تھی۔ لیکن جب اس فرزند کی ولادت کا وقت قریب آیا تو جناب فاطمہ بنت اسد نے حمل یا خاندان کی عورتوں کو مدد کے لیے طلب کرنے کے بجائے خود خانہِ خدا کا رخ کیا اور روایتِ یزید بن قیس نے یہ حکم فرمایا کہ "خدا یا میں تجھ پر اور تیرے رسولوں پر اور تیری کتابوں پر ایمان رکھتی ہوں۔ میں اپنے جدا راہیم خلیل کی تصدیق کرنے والی ہوں۔ تجھے اس گھر، اس کے بانی اور اس مولود کا واسطہ جو میرے شکم میں ہے میری اس مشکل کو آسان کر دے۔" جس کے بعد دیوارِ کعبہ شکافہ ہو گئی اور جناب فاطمہ بنت اسد خانہ کعبہ کے اندر داخل ہو گئیں اور جناب ابوطالب کے اس عظیم فرزند کی ولادت ہوئی۔ جناب فاطمہ تین دن خانہ کعبہ میں تقیم رہیں اور آخر میں باہر آئیں تو رسول اکرم استقبال کے لیے آئے اور بچہ کو گود میں لیا تو بچہ نے آنکھیں کھول دیں فرمایا کہ "تو نے اپنی نگاہوں کے لیے میرا انتخاب کیا ہے اور میں نے اپنے علم کے لیے تیرا انتخاب کیا ہے۔ اور اس طرح بنت اسد کے ایمان، ابوطالب کے شرف، فرزند کے کمالات اور نبوت کے اعزاز کا مکمل اعلان ہو گیا۔

ابتدائی طور پر ماں نے حیدر نام پسند کیا، باپ نے اسد قرار دیا اور اہل خاندان نے یزید نام رکھنا چاہا لیکن ابوطالب کی دعا پر آسمان سے ایک تختی نازل ہوئی جس پر مرقوم تھا کہ "اس کا نام

نام خدا پر علی رکھو، تاکہ نام خدا کی برکت سے اس کی بلندی برقرار رہے اور اس کی بقا سے نام خدا کی بقا وابستہ رہے۔"

— آپ کے القاب بے شمار ہیں جن میں عالمِ اسلام کا پسندیدہ ترین لقب "کرم اللہ وجہہ" ہے، جو اس امر کی علامت ہے کہ عالمِ اسلام میں آپ کی تہا ذات گرامی ہے جس نے جنوں کے آگے سجدہ نہیں کیا۔ اور خود مولائے کائنات کا محبوب ترین لقب "ابو تراب" تھا۔ جس سے آپ کی عظمت اور خاکساری دونوں کا اظہار ہوتا تھا۔

تربیت کا کام خانہ کعبہ ہی سے رسول اکرم نے سنبھال لیا تھا اور وہی خانہ خدا سے اگے لگے تھے جب کہ بنظاہر ابوطالب کو خیر بھی نہیں تھی۔ اس کے بعد آپ نے مسلسل اپنے ساتھ رکھا اور اپنے کمالات کا مخزن و مصدر قرار دیتے رہے یہاں تک کہ اپنے کو شہرِ علم اور علی کو اس کا دروازہ قرار دیدیا۔ — معنوی رشتہ کے علاوہ بھی ابوطالب کے قلیل المال اور کثیر العیال ہونے کی بنا پر جب ان کی اولاد کی کمالات کا کام تقسیم کیا گیا تو آپ نے علی کو اپنے حصہ میں لے لیا اور اس طرح شب و روز اپنے ساتھ رکھا اور کبھی "مترقی رسول اللہ نرغاً" کا مرقع پیش کیا اور کبھی "کنت اتبعہ اتباع الفصیل لأمہ" کا منظر نمایاں کیا۔

رسول اکرم کے زیر سایہ دس سال گذر گئے تو وحی الہی نے بعثت کا اعلان کر لیا۔ اور اب رسول اکرم کو واقف ایک مددگار کی ضرورت پیش آئی۔ اُدھر جناب ابوطالب نے اپنی اولاد جعفر اور علی دونوں کو یہ تاکید کر رکھی تھی کہ منزلِ عبادت میں بھی اپنے ابنِ عم کا ساتھ نہ چھوڑیں اور دونوں فرزند برابر باپ کی نصیحت پر عمل کرتے رہے۔

تین سال کی خفیہ تبلیغ کے بعد جب اہلِ عشیرہ و قبیلہ کو دعوت دینے کا حکم آیا تو رسول اکرم نے حضرت علی کو ہی حکم دیا کہ دعوت کا انتظام کریں اور قبیلہ والوں کو مدعو کریں۔ چنانچہ حضرت علی نے اس فرض کو انجام دیا اور ۴۰ افراد کو مدعو کر لیا۔ کھانے کے بعد جب پیغامِ پیش کرنے کا وقت آیا تو ابو جہل نے جادوگری کا شاخسانہ چھیڑ دیا اور بھاگنے لگے۔ آپ نے دوسرے دن کے لیے پھر مدعو کر دیا اور آخر کار اپنا اعلان پیش کر دیا جس کے لیے ناصر و مددگار کا مطالبہ بھی کیا اور وصایت و وزارت کا وعدہ بھی کیا لیکن کسی نے بھی ساتھ نہ دیا مگر حضرت علی نے تائید و تصدیق کا اعلان کیا جس پر آپ نے ان کی وصایت

و وزارت و خلافت کا پہلا اعلان کر دیا اور ابوطالب کو ان کے احسانات کا پہلا صلہ مل گیا۔ واضح رہے کہ اس دعوت اول میں نہ اسلام کے مشہور و معروف افراد دعوت دینے والوں میں تھے اور نہ شرکت کرنے والوں میں۔ اور نہ تائید و تصدیق کرنے والوں میں۔ یہ تو تاریخ کی کرامت ہے کہ جن کا کہیں وجود نہ تھا۔ وہ ذمہ داری اسلام میں ادا ہو گئے اور جس نے سب سے پہلے اس بوجھ کو سنبھالا تھا اسے آخر بنا دیا گیا اور آخر بھی صحیح معنوں میں نہیں تسلیم کیا گیا۔ اس کے بعد عمومی دعوت کا مرحلہ ملنے آیا تو علی حسب وعدہ رسول اکرم کے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ شعب ابی طالب کی سراسر زندگی میں بھی ابوطالب کا مستقل طریقہ یہ رہا کہ رات کے وقت رسول کو بٹا کر ان کی جگہ پر علی کو لٹا دیتے تھے تاکہ شب کے وقت حملہ ہو جائے تو میرا بیٹا قربان ہو جائے لیکن رسول اکرم کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور اس طرح فداکاری اور جان نثاری علی کی زندگی کا امتیاز بن گئی اور قدرت نے ابوطالب کی وفات کے بعد بھی شب ہجرت تک اسی انداز قربانی کو برقرار رکھا اور اپنے رسول کو اسی امان سے بچایا جس کی طرح روزِ لیلہ ابوطالب نے ڈالی تھی اور جو طریقہ تاریخ میں ابوطالب کے اولیات میں شامل تھا۔

شعب ابی طالب کی تین سالہ مسلسل زحمتوں کے نتیجے میں سلسلہ بشت میں ابوطالب نے انتقال فرمایا، جن کے انتقال پر رسول اکرم نے جنازہ میں شرکت بھی کی اور نوحہ بھی پڑھا اور ان کے احسانات کا تذکرہ بھی کرتے رہے۔ اور حضرت علی کی ذمہ داریوں میں مزید اضافہ ہو گیا کہ باپ کا کام بھی فرزند ہی کے ذمہ آ گیا اور حضرت علی اسے بھی بخوبی انجام دیتے رہے۔ اُدھر جناب خدیجہ کا بھی انتقال ہو گیا جو اسلام کی پہلی عمنہ اور خواتین میں پہلی مومنہ اور حضرت علی کے ساتھ ناز و عفت میں شرکت کرنے والی پہلی عبادت گزار خاتون تھیں۔

پیغمبر کے دو مددگاروں کے ایک ساتھ انتقال کر جانے کے بعد قدرت نے ہجرت کا حکم دے دیا اور سلسلہ بشت میں رسول اکرم نے مکہ سے مدینہ کا رخ کیا۔ اس موقع پر حکم خدا سے حضرت علی کو اپنے بستر پر لٹا دیا اور وہ رات پھر چین سے تلواروں کی چھاؤں میں سوتے رہے جس سمنے کو خدا نے اپنی مرضی کے عوض خرید لیا اور حضرت علی کو تاریخ میں ایک نیا امتیاز حاصل ہو گیا۔ رسول اکرم کی ہجرت کے بعد حضرت علی نے تمام کفار کی امانتوں کو واپس کیا اور فاطمہ

بنت پیغمبر، فاطمہ بنت اسد اور فاطمہ بنت زبیر جیسی محترم خواتین کا قافلہ لے کر مدینہ کی طرف چلے۔ رات میں کھسپائے ہوئے کفار نے مزاحمت کی اور آپ نے شدید مقابلہ کر کے اپنے کو رسول اکرم تک پہنچا دیا۔

اُدھر رسول اکرم مدینہ کے باہر آپ کا انتظار کر رہے تھے اور آپ کے بغیر مدینہ کے محاذ پر تبلیغ کا کام نہیں شروع کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ کے آنے کے بعد اسلام کی پہلی مسجد کی تعمیر کا کام انجام پایا جو حضرت علی کے ہاتھوں انجام پایا اور خدا کے فضل سے تمام مسلمان اس میں نماز ادا کرنے کو بہترین کا خیر تصور کرتے ہیں اور ابھی تک اسے کسی تعصب کا نشانہ نہیں بنایا گیا۔

مدینہ میں مستقر ہونا تھا کہ کفار مکہ کی طرف سے مزاحمت شروع ہو گئی اور آپ نے جواب دینا شروع کر دیا لیکن بڑا معرکہ بدر کے میدان میں پیش آیا جہاں مدینہ سے تقریباً ۷۰ میل دور لشکر اسلام میں ۳۱۳ ہتھیے افراد تھے اور لشکر کفار میں ۹۵ مسلح سپاہی۔ رات کے وقت مسلمان پیادے ہوئے تو بدر کے کنوئیں سے پانی لاکر سارے لشکر کو آپ ہی نے سیراب کیا جس پر جبرئیل و میکائیل و اسرافیل نے ایک ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور آپ کو سلام کیا۔

۷ اور رمضان ۳۶ کو یہ معرکہ پیش آیا تو جنگ کے خاتمہ پر ۷۰ کفار قتل ہوئے اور ۷۰ اسیر ہوئے۔ ان مقتولین میں سے ۳۵ تنہا حضرت علی کے ماتھے ہوئے تھے اور ۳ کے قتل میں آپ کی امداد شامل تھی۔ اگرچہ مسلمانوں کا یہ عالم تھا کہ فرشتوں کی امداد کا وعدہ نہ ہو جاتا تو شاید کوئی ثابت قدم نہ رہ سکتا۔

بدر کی فتح کے بعد قدرت نے علی کو اس عظیم کار نمایاں کا انعام دیا اور یکم ذی الحجہ کو حضرت علی کا عقد جناب فاطمہ سے ہو گیا۔ جن کی خواستگاری کرنے والے بڑے بڑے صحابہ کرام بھی تھے لیکن قدرت نے فیصلہ کر دیا کہ نور کا عقد صرف نور سے ہو سکتا ہے اور پھر رسول اکرم نے فرما دیا کہ علی نہ ہوتے تو آدم و غیر آدم میں کوئی میری بیٹی فاطمہ کا ہمسرہ ہوتا۔ یہ نورانی رشتہ زمین پر بھی انجام پایا اور عرشِ اعظم پر بھی انجام دیا گیا۔

پھر کے سلسلہ میں رسول اکرم کے مطالبہ پر علی نے اپنی زہرہ بیچ کر زہرا کا مہر ادا کیا اور رسول اکرم نے اسی مہر میں سے ۶۳ درہم کا سامان جینیز خرید کر اپنی بیٹی کو نصرت کر دیا اور اسلام میں شادی کا

بہترین تصور اور سادگی کا عظیم ترین مرقع سامنے آگیا جس پر کسی بھی غریب اور فقیر کو اسلامی نظام سے شکوہ کرنے کا حق نہیں ہے کہ اگر نبی کریم کی بیٹی کا ہیرہ ۵۰ درہم ہو سکتا ہے تو دوسرے شخص کو زیادہ ہیرے کے مطالبہ کا کیا حق ہے؟ اور اگر نبی کا داماد ۶۳ درہم کے ہیرہ پر گزارا کر سکتا ہے جو اسی کے ہیرے سے خرید گیا ہے تو دوسرے کسی داماد کو فرمائش کرنے کا کیا جواز ہے؟ کیا نبی کی بیٹی عظیم تر کسی کی بیٹی یا نبی کے داماد سے بالاتر کسی کا بھی داماد ہو سکتا ہے؟

۳۔ میں کفار نے بدر کی شکست کا بدلہ لینے کا پروگرام بنایا اور تین ہزار کے لشکر سے مدینہ پر حملہ کر دیا۔ حضرت علی اور چند دیگر مخلص اصحاب نے میدان احد فتح کر لیا تھا لیکن بعض اصحاب کی طبع دنیا اور مخالفت رسول نے جنگ کا نقشہ بدل دیا اور صورت حال اتنی خراب ہو گئی کہ رسول اکرم کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا اور مسلمان اپنے پیغمبر کو چھوڑ کر احد کی پہاڑیوں پر اچھلنے لگے۔ صرف دو تین افراد تھے جو جان کی بازی لگائے رہے اور حضرت حمزہ و مصعب جیسے افراد کی شہادت کے بعد تنہا حضرت علی دفاع کرتے رہے اور آخر میں انھوں نے ہی دختر پیغمبر حضرت فاطمہ زہرا کی مدد سے رسول اکرم کے زخموں کے علاج کا انتظام کیا۔ اس جنگ میں شہادت کی سعادت حضرت حمزہ کو نصیب ہوئی کہ آپ سید الشہداء قرار پائے، اور فتح کا سہرا حضرت علی کے سر بندھا کہ وہ تہا در فتح بول قرار پائے۔ معاویہ کی ماں اور ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے جناب حمزہ کی لاش کے ساتھ وہ برتاؤ کیا کہ رسول اکرم مدتوں روتے رہے

انفرادی طور پر شکست کے بعد کفار نے یہودیوں سے مل کر مدینہ پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا اور اس طرح ۶۔ میں جنگ احزاب پیش آئی۔ رسول اکرم نے مدینہ کے گرد مسلمانوں کے شور سے خندق تیار کرادی لیکن چند سربراہان کفار خندق پار کر کے آگے اور لشکر اسلام پر ضرب کاہرا اس طاری ہو گیا۔ حضرت عمر بن عبدود کی تعریف کر کے مسلمانوں کے جوھلے پست کرنے لگے اور باقی اصحاب نے سر اٹھانے کا بھی ارادہ نہیں کیا لیکن حضرت علی نے میدان میں عزم و کمال کا مقابلہ کر کے اسے تہ تیغ کر دیا اور رسول اکرم نے اس ضربت کو ثقلین کی عبادت سے زیادہ ذہنی قرار دے دیا کہ اس وقت اسلام و کفر کا معرکہ تھا اور کل ایمان کل کفر کی زد پر تھا۔ رب العالمین نے اعدا کی اور کل ایمان نے کل کفر پر غلبہ حاصل کر لیا۔

شوال ۶۔ میں جنگوں سے قدرے فرصت پانے کے بعد مسلمانوں کے تقاضے پر رسول اکرم نے ذی قعدہ ۶۔ میں عہدہ کا ارادہ کیا اور کفار مکہ کو اطلاع کر دی کہ ہمارا جنگ کا کوئی ارادہ نہیں ہے لیکن انھوں نے مکہ میں داخلہ سے روک دیا اور رسول اکرم بھی اس امر پر راضی ہو گئے کہ عمرہ آئندہ سال انجام دیں گے اور صلح نامہ مرتب کر کے واپس تشریف لے آئے۔ صلح نامہ کی کتابت کا کام بھی حضرت علی ہی نے انجام دیا اور اسلام کا معرکہ قلم بھی انھیں کے ہاتھوں سر ہوا، جب کہ اس صلح کی خطا ہری کمزوری کو دیکھ کر حضرت عمر کو رسول اکرم کی رسالت میں بھی شک ہو گیا تھا اور شکل تمام حضرت ابو بکر کے بھانے سے بات بھ میں آئی کہ عام طور سے انھیں اسلامی حقائق انھیں کے بیان کے بعد سمجھ میں آتے تھے۔

۷۔ میں مدینہ سے نکلے ہوئے یہودیوں نے خیبر کے یہودیوں سے مل کر سازش کی، اور اسلام سے انتقام لینے کا پروگرام بنایا تو رسول اکرم خیبر کے یہودیوں کی سرکوبی کے لیے مقام خیبر پہنچ گئے اور قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ دو تین دن تک حضرت ابو بکر و عمر زور آزمائی کرتے رہے لیکن میدان سے فرار کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آیا تو رسول اکرم نے باقاعدہ اعلان کر دیا کہ کل آسے علم دوں گا جو مرد میدان، اگر غیر فرار اور محب و محبوب خدا و رسول ہو گا، دوسرے دن علم لشکر حضرت علی کے حوالے کیا اور انھوں نے حارث و عنتر و حرب جیسے پہلوانوں کا خاتمہ کر کے خیبر کو فتح کر لیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فاتح خیبر قرار پا گئے۔

خیبر کی فتح کے بعد فتوحات کی جملہ قسمیں مکمل ہو گئیں اور اسلام نے کفر و شرک، یہودیت سب کو شکست دے دی تو ذی قعدہ ۶۔ میں عہدہ القضاء کا پروگرام بنا اور رسول اکرم ایک بڑی جماعت کے ساتھ عہدہ کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت علی نے مکہ خالی کر لیا اور مسلمانوں نے باقاعدہ طور پر عہدہ ادا کیا اور سکون کے ساتھ واپس چلے گئے۔

۸۔ میں مکہ میں رسول اکرم کے حلیف، بنی خزاعہ کے ایک فرد کو بین حرم خدا میں قتل کر دیا گیا تو آپ اپنے حلیفوں کی فریاد پر دس ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہو گئے۔ رمضان ۶۔ میں دو انگلی حمل میں آئی اور مکہ پہنچ کر آپ نہایت شان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے اس طرح کو احساس شکست و ذلت نے ابوسفیان و معاویہ جیسے افراد کو مسلمان بنا دیا اور آپ نے خانہ خدا میں نماز ادا کرنے کے بعد حضرت علی

کو اپنے کا زہوں پر بلند کر کے طاق کعبہ سے تمام بت گردا دیے اور اس طرح حضرت شاہِ بیت شکن قرار پائے۔

۱۱۔ ارشوال سنہ ۶ کو جنگ خنین پیش آئی جس میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی جس کی بنا پر ان میں غور فتح پیدا ہو گیا لیکن آخر میں سب نے فرار اختیار کیا اور یہ شکل تمام واپس آئے تو یہ کفار قتل ہوئے اور چار مسلمان اور اس فتح کا سہرا بھی حضرت علیؑ ہی کے سر پر اور نہ میدان جنگ صحابہ کرام سے خالی ہو چکا تھا۔

۱۲۔ ۶ میں ہر قتل و دم کی تیاریوں کی خبر پا کر آپؐ نے تمام مسلمانوں کو جہاد کا حکم دے دیا اور عظیم قافلے کر نکل پڑے۔ لیکن چونکہ آپؐ کے علم میں تھا کہ دشمن میں مقابلہ کا حوصلہ نہیں ہے اور جنگ کی نوبت نہ آئے گی اس لیے حضرت علیؑ کو مدینہ میں چھوڑ دیا اور یہ تاریخی اعلان کر دیا کہ تمہارا وہی مرتبہ ہے جو موسیٰ کے لیے ہارون کا تھا صرف میرے بعد کوئی نبی ہونے والا نہیں ہے۔

۱۳۔ تبوک کی اس بلا جنگ کامیابی کے بعد تبلیغ سورہ برأت کا مرحلہ پیش آیا، جس کا م پر پہلے حضرت ابوبکرؓ مقرر ہوئے۔ اس کے بعد وحی الہی نے انہیں واپس کر کے یہ کام حضرت علیؑ کے سپرد کیا اور انہوں نے حج اکبر کے موقع پر برأت مشرکین کا اعلان کر دیا جو علیؑ والوں کا آج تک شعار ہے اور جس سے تمام مسلمان حکام خوف زدہ رہتے ہیں۔

۱۴۔ حج کے موقع پر اس اعلان کے بعد ۴ ذی الحجہ کو بجران کے عیسائیوں سے مباہلہ کی نوبت آگئی کہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے پر اصرار کیا اور قرآن کا کوئی پیغام ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے تو رسول اکرمؐ نے حکم خدا مباہلہ کی دعوت دے دی اور آپؐ نسا میں حضرت فاطمہؑ، ابنا مینا میں حسن و حسین اور انفسنا میں حضرت علیؑ کو لے کر روانہ ہوئے جس کو دیکھ کر عیسائیوں نے اپنی شکست کا اعتراف کر لیا اور اسلام اپنی آخری فتح سے ہمکنار ہو گیا۔

۲۵ ذی قعدہ سنہ ۶ کو رسول اکرمؐ حجۃ الوداع کے لیے روانہ ہوئے اور لاکھوں مسلمانوں نے آپ کے ساتھ حج کیا اور واپسی میں حکم خدا مقام غدیر پر قافلہ کو روک کر حضرت علیؑ کی مولائیت کا اعلان کر دیا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ بھی مولا ہے، جس پر تمام اصحاب نے بیعت کی اور حضرت عمرؓ نے مبارکباد دی کہ آپ میرے اور تمام مسلمانوں کے مولا ہو گئے۔

اس واقعہ سے پہلے رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو اہل بیت کی طرف تبلیغی مشن پر روانہ کیا تھا

جہاں آپ نے ایک دن میں سارے قبیلہ ہمدان کو مسلمان بنالیا تھا اور وہیں سے حجۃ الوداع کے لیے قربانی کے جانور لے کر آئے تھے اور رسول اکرمؐ کے قافلہ میں شامل ہوئے تھے۔

آخر وقت میں رسول اکرمؐ نے ایک لشکر رومیوں سے مقابلہ کے لیے تیار کیا اور اس میں زید کو تمام صحابہ کا سردار بنا کر اعلان کر دیا کہ جو لشکر اسامہ میں نہ جائے گا اس پر خدا کی لعنت ہوگی۔ اس سرداری سے صرف حضرت علیؑ کو الگ رکھا گیا تھا کہ انہیں اپنے سے جدا کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا باقی حضرت ابوبکر و عمر جیسے تمام افراد کو بھی اسامہ کی سرداری میں دے دیا تھا۔

اس کے بعد رسول اکرمؐ کے مرض الموت کی شدت شروع ہو گئی اور آپ نے وقت آخر حضرت علیؑ کی آغوش میں سر رکھ کر دنیا سے رحلت فرمائی۔

حضرت علیؑ ہی نے آپ کے غسل و کفن کا انتظام کیا اور اپنے ہاتھوں سے دفن کیا جب کہ بقول ابوالفضل حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ شریک بھی نہیں ہوئے اور حقیقت سازی میں مصروف رہے۔

حضرت علیؑ تجزیہ و تکفین رسولؐ میں مصروف تھے کہ مسلمانوں نے سفید میں جمع ہو کر بہتر اذیت خلافت کا فیصلہ کر لیا اور غدیری اعلان کو نظر انداز کر کے حضرت علیؑ کو ان کے واقعی حق سے محروم کر دیا جس کے بعد آپ خانہ نشین ہو گئے۔

خانہ نشینی کے بعد آپ نے پہلا کام یہ انجام دیا کہ قرآن مجید کو اس کے تنزیلی اشارات اور توضیحات کے مطابق جمع فرمایا اور دربار خلافت میں پیش کیا کہ جس طرح الفاظ میں اختلاف نہیں ہے معانی میں بھی اختلاف نہ رہنے پائے لیکن ہوا خواہاں تفسیر بالرائے نے ان توضیحات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور امت اسلامیہ ایک بہت بڑے علمی ذخیرہ سے محروم ہو گئی۔

رسول اکرمؐ کے ۵۷ یا ۶۵ دن کے بعد حضرت علیؑ کی شریک حیات حضرت فاطمہؑ نے انتقال فرمایا اور وہ اس عالم میں دنیا سے رخصت ہوئیں کہ حکومتی سازش کی بنا پر باپ کے ترکہ سے محروم ہو چکی تھیں، پہلو شکست ہو چکا تھا اور حسن شہید ہو چکے تھے۔ حضرت علیؑ نے اس سخت ترین مصیبت کا بھی نہایت درجہ صبر و شکیبائی سے مقابلہ کیا اور تلوار نہیں اٹھائی، صرف یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ رسول اکرمؐ کے بعد زہرا کا فراق دلیل ہے کہ دنیا میں کسی دوست کے لیے بقا نہیں ہے۔

حضرت علیؑ حالات کے پیش نظر ۲۵ سال تک خانہ نشین رہے اور مسلمان یکے بعد دیگرے

حکام سازی کرتے رہے اور کسی موقع پر بھی صبح منوں میں حضرت علیؑ کو ان کا حق نہیں دیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی بلکہ برابر حکام وقت کی مدد کرتے رہے اور انہیں نیک مشورہ دیتے رہے اور کسی ایسے اقدام میں کوتاہی نہیں کی جس میں اسلام اور امت مسلمہ کی بھلائی ہو، یا جس میں شریک نہ ہونے سے اسلام کی رسوائی کا خطرہ ہو۔

حضرت عمر نے اپنے آخری وقت میں خلافت کا فیصلہ ایک خاص کمیٹی کے حوالے کر دیا جس نے مخصوص اسباب کے تحت آپ سے سیرت شیعین پر عمل کرنے کا مطالبہ کیا اور آپ نے اس مطالبہ کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ سیرت رسولؐ کے بعد کسی سیرت کی ضرورت نہیں ہے اور اس طرح عثمانؓ اس شرط کو قبول کر کے خلیفہ ہو گئے اور حضرت عمر کا منصوبہ شوریٰ مکمل ہو گیا۔

۸۔ اردی الجور ۳۳ھ میں حضرت عثمانؓ اپنی اقربا پروری اور بنی امیہ نوازی کی قربان گاہ پھینٹ چڑھا دیے گئے اور مسلمانوں کے ایک گروپ نے ان کی نا انصافیوں کے خلاف علم احتجاج بلند کر کے انہیں خانہ قید کر دیا اور آخر کار تیغ کر دیے گئے۔ اس محاصرہ کے دوران حضرت علیؑ ہی ان کے لیے پانی کا بندوبست کرتے رہے۔ جس کا انتقام اس طرح لیا گیا کہ کبھی انہیں قاتل عثمانؓ قرار دیا گیا اور کبھی ان کی اولاد پر پانی بند کر دیا گیا کہ انہوں نے عثمانؓ کو پانی فراہم کر کے گویا بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

قتل عثمانؓ کے موقع پر حضرت عائشہؓ کو میں تھیں اور انہوں نے بار بار مسلمانوں کو ان کے قتل پر آمادہ بھی کیا تھا کہ ان کی مثال نفل یہودی کی جیسی ہے اور انہوں نے سنت رسولؐ کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے قتل کے بعد خلافت طلحہ یا زبیر کو مل جائے گی۔ لیکن جب انہیں راہ میں یہ معلوم ہوا کہ خلافت حضرت علیؑ کو مل گئی ہے تو فوراً نعرہ تبدیل کر دیا اور فرمایا عثمانؓ ظلم مارے گئے ہیں اور ان کے خون کا انتقام ضروری ہے۔ قاتل ہونے کا الزام حضرت علیؑ پر لگا پایا اور ان سے جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

بصرہ حضرت علیؑ کے چاہنے والوں کا مرکز تھا لہذا حضرت عائشہؓ نے پہلے اس مرکز پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور تیس ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہو گئیں۔ ۲۵ جمادی الثانیہ ۳۳ھ کو بصرہ پہنچ کر حضرت علیؑ کے گورنر عثمان بن حنیف پر حملہ کر دیا اور انہیں بے مدافعت دی یہاں تک کہ سردار دائی کے ہالی

تک فوج ڈالے۔ امیر المؤمنین ریح الاول میں روانہ ہو چکے تھے لیکن عائشہؓ کا لشکر پہلے پہنچ گیا اور آپ مقام ذی قار پر تھے جب جناب عثمانؓ نے آکر فریاد کی اور آپ نے ۱۵ جمادی الثانیہ کو میں ہزار لشکر کے ساتھ بصرہ میں نزول فرمایا۔ ادھر طلحہ و زبیر نے راتوں رات آپ کے قتل کا منصوبہ بنا کر حملہ کر دیا جس کے بعد جنگ کا آغاز ہو گیا۔ حضرت علیؑ نے متعدد ذرائع سے عائشہؓ کو سمجھایا اور طلحہ و زبیر کو بھی نصیحت کی کہ حرم رسولؐ کو سرمدان لے آنا اسلامی غیرت کے منافی ہے لیکن کسی فہمائش کا کوئی اثر نہ ہوا، اور بالآخر ایسا زن پڑا کہ نتیجہ میں تیرہ ہزار عائشہؓ کے سپاہی اور پانچ ہزار حضرت علیؑ کے مجاہدین کام آئے اور بعض مجاہدین نے ناقہ کے پاؤں کا ڈیے اور ہودج زمین پر آ رہا۔ آپ نے نہایت درجہ احتیاط سے انہیں سنبھالنے کا انتظام کیا اور چالیس خواتین سپاہیوں کے ساتھ محمد بن ابی بکر کی سرکردگی میں انہیں مدینہ واپس پہنچا دیا جس کا احساس انہیں زندگی بھر رہا اور حضرت علیؑ کی شرافت کا برابر تذکرہ کرتی رہیں۔ حمل کے فتح ہو جانے کے بعد آپ نے ۱۶ رجب ۳۳ھ کو ابن عباس کو بصرہ کا گورنر بنا کر واپسی کا قصد فرمایا اور عراق کے خطرہ کے پیش نظر کوڈ کو مستقل دارالحکومت قرار دے دیا۔

ادھر جنگ حمل کے زیر اثر موقع سے فائدہ اٹھا کر معاویہ نے بھی شام میں بناوٹ کا اعلان کر دیا اور حضرت کے گورنر سہل بن حنیف کو نکال باہر کر دیا۔ انہوں نے حضرت سے شکایت کی۔ آپ نے فہمائش کے خطوط لکھے لیکن کوئی اثر نہ ہوا تو معاویہ کی سرکوبی کے لیے لشکرے ہوئے۔ شوال ۳۳ھ میں ۹۰ ہزار کا لشکر لے کر آپ مقام رقبہ پہنچے ادھر ایک لاکھ ۲۰ ہزار کا لشکر معاویہ کا تھا۔ معاویہ کے لشکر نے صفین میں دریا پر قبضہ کر کے پانی بند کر دیا۔ حضرت علیؑ نے جوابی کارروائی کا حکم دے دیا اور لشکر نے دریا کو واپس لے لیا تو فرمایا کہ خبردار! تم پانی بند نہ کرنا، لیکن مزاحمتوں کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ محرم ۳۳ھ آ گیا اور جنگ موقوف ہو گئی۔ اس کے بعد صفر کے شروع ہوتے ہی لشکر شام نے پھر حملہ کر دیا اور گھسان کی جنگ کا آغاز ہو گیا۔ ایک ہفتہ تک جنگ ہوتی رہی یہاں تک کہ لشکر شام کے ۳۵ ہزار افراد اور لشکر حضرت علیؑ کے تقریباً اس سے آدھے افراد کام آ گئے۔ اور عمرو عاص جیسے افراد نے اپنے کو برہنہ کر کے جان بچانے کی تدبیر نکالی اور بے حیائی کا ایک نیا ریکارڈ قائم ہو گیا۔

اس درمیان وہ قیامت خیز رات بھی آئی جسے یلۃ الہر کہا جاتا ہے اور جس میں تمام رات جنگ جاری رہی اور طرفین کے ۳۶ ہزار افراد مارے گئے۔ خود حضرت علیؑ نے اپنے دست مبارک سے ۹۰۰ افراد کو واصل جہنم کیا اور مالک اشتر معاویہ کے خیمہ تک پہنچ گئے۔ قریب تھا کہ معاویہ کا فائدہ ہو جائے اور جنگ اپنے آخری فیصلہ سے ہنکار ہو جائے مگر وہاں نے پانچ سو قرآن نیزوں پر بلند کر دیے کہ ہم قرآن سے فیصلہ چاہتے ہیں اور اس طرح لشکر حضرت علیؑ میں پھوٹ پڑ گئی اور ایسے جاہل افراد بھی پیدا ہو گئے جو اہل بیت کے مقابلہ میں قرآن کو استعمال کرنے پر راضی ہو گئے اور مجبوراً حضرت علیؑ کو عزت قرآن کی خاطر جنگ موقوف کرنا پڑی۔ اور عوام الناس نے باہمی تکلیف کا فیصلہ کر لیا۔ حضرت علیؑ کی طرف سے ابو موسیٰ اشعری کو مقرر کیا گیا اور معاویہ کی طرف سے عمرو عاص کو۔ دونوں حکم ماہ مبارک میں ایک مقام پر جمع ہوئے اور ابو موسیٰ نے عمرو عاص کے چکر میں آکر منبر پر جا کر اعلان کر دیا کہ میں علیؑ کو معزول کرتا ہوں، قوم اپنا حاکم خود منتخب کر لے اور عمرو عاص نے اعلان کر دیا کہ جب علیؑ کو ان کے ناندھ نے معزول کر دیا ہے تو میں معاویہ کا تقرر کرتا ہوں اور اس طرح عوامی انتخاب کا نتیجہ معاویہ کی حاکمیت کی شکل میں سامنے آ گیا اور اس قرآن کا دور دور تک ذکر نہیں آیا جس سے فیصلہ کرنے کے لیے جنگ کو روکا گیا تھا۔ حضرت علیؑ کی فوج کے ایک حصہ نے جنگ کو موقوف کر کے فیصلہ پر رضامندی کا اظہار کر دیا تھا لیکن ایک حصہ جنگ جاری رکھنے پر مصر تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب فیصلہ غلط ہو گیا تو اس حصہ نے بغاوت کا اعلان کر دیا اور ۱۰ اشوال ۳۳ھ کو مقام نہروان پر لوگوں کو تانا شروع کر دیا حضرت علیؑ نے ان کی سرکوبی کے لیے نہروان کا رخ کیا اور بغداد سے چار فرسخ کی دوری پر یہ معرکہ پیش آیا۔ ابتداء میں باغی بارہ ہزار کی تعداد میں تھے، بعد میں انتشار پیدا ہو گیا اور صرف چار ہزار رہ گئے۔ لیکن حضرت نے ایسا حملہ کیا کہ نو افراد کے علاوہ سب قتل کر دیے گئے، یہاں تک کہ شہر خارجی ذوالشہر بھی کام آ گیا اور یہ جنگ بھی اپنے فائدہ کو پہنچ گئی۔

اُدھر معاویہ نے مصر میں حضرت علیؑ کے گورنر محمد بن ابی بکر پر حملہ کر دیا اور گرام بنایا اور حضرت علیؑ کو اطلاع ملی تو آپ نے مالک اشتر کو کمک کے لیے روانہ کر دیا۔ معاویہ نے مقام عربش کے ایک زمیندار تیس سال کے خراج کی معافی کا وعدہ کر کے افطار کے بہانے مالک اشتر کو زہر دلوادیا،

اور وہ شہید ہو گئے اور مصر پر عمرو عاص نے چھ ہزار کی فوج کے ساتھ حملہ کر دیا۔ نتیجہ کے طور پر محمد بن ابی بکر کو گدھے کی کمال میں رکھ کر زندہ جلوادیا جس کا صدر حضرت عائشہؓ کو زندگی بھر ہوا اور وہ ہر نماز میں معاویہ اور عمرو عاص کے حق میں بددعا کرتی رہیں، اگرچہ معاویہ نے اس واقعہ پر بے حد مسرت کا اظہار کیا (طبری مسعودی) یہ واقعہ صرف ۳۳ھ کا ہے۔

صفین کے بے پناہ قتل و خون کے بعد معاویہ کی مکاریوں سے حکیمین کا فیصلہ اور اس کے بعد محمد بن ابی بکر اور مالک اشتر کا قتل، یہ وہ واقعات تھے جنہوں نے حضرت علیؑ کو مجبور کر دیا کہ معاویہ کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ کریں اور اس سلسلہ میں آپ نے لشکر فرما کر ناشروع کر دیا۔ آپ کے لشکر میں ۴۰ ہزار تجربہ کار سپاہی اور ۷۰ ہزار رنگ روٹ تھے۔ امام حسین، قیس بن سعد اور ابو ایوب انصاری ۱۰-۱۰ ہزار کے لشکر کے سردار تھے لیکن لشکر کی روانگی سے پہلے ہی ابن ہلیم ملعون نے عین حالت سجدہ میں آپ کو شہید کر دیا، اور یہ منصوبہ مکمل نہ ہو سکا جس طرح کوحیات پیر پیر کا آخری معرکہ (سریہ اسامہ بن زید) اصحاب کی نافرمانی کی بنا پر نامکمل رہ گیا تھا۔

ابن ہلیم کے اس ظالمانہ اقدام کی یہ تاریخی توجیہ کی گئی ہے کہ خوارج حضرت علیؑ، معاویہ اور عمرو عاص تینوں سے ناراض تھے اور انہوں نے تینوں کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا اور ایک شخص کو شام، ایک کو مصر اور ایک کو کوفہ روانہ کیا تھا لیکن اتفاق سے معاویہ اس دن نماز صبح میں نہیں آیا اور عمرو عاص حملہ سے بچ گیا صرف حضرت علیؑ شہید ہو گئے اور پھر مزید افسانہ یہ تراشا گیا کہ ابن ہلیم کو اہانک ایک عورت مل گئی اور اس نے علیؑ کے سر اقدس کو اپنی قربت کی قیمت قرار دے دیا، اور اس کا یہ اقدام اس جنسی بنیاد پر وقوع پذیر ہو گیا۔ لیکن اس داستان کا رخ صاف بتا رہا ہے کہ یہ حملہ حضرت علیؑ کے حملے کو روکنے کے لیے معاویہ کی سازش سے کیا گیا تھا اور ایسی زبردست تلوار اور ایسا قیامت خیز زہر اور ایسی حسین و جمیل عورت کا وسیلہ سب اسی کا فراہم کیا ہوا ساز و سامان تھا اور اس طرح حضرت علیؑ کے قتل کی تمام تر ذمہ داری شام کے حاکم پر ہے۔ اگرچہ اس کا براہ راست مجرم ابن ہلیم ہے اور بالواسطہ وہ تمام افراد ہیں جنہوں نے معاویہ جیسے بے دین انسان کو اسلام کا بے لگام حاکم بنا دیا تھا۔

ماہ مبارک ۳۳ھ کی ۱۲ تاریخ تھی جب حضرت علیؑ مسجد میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور

ایک مرتبہ آپ نے اپنے فرزند امام حسن کی طرف رخ کر کے فرمایا، بیٹا اس مہینے کے کتنے دن گذر چکے ہیں؟ عرض کی ۱۲ دن۔ پھر دوسرے فرزند امام حسین کی طرف رخ کیا اور فرمایا، کتنے دن باقی رہ گئے ہیں؟ عرض کی ۷ دن۔ فرمایا اب وہ وقت قریب آ گیا ہے جب میرے محاسن میرے خون سے رنگین ہوں۔

— ماہ مبارک کی ۱۹ ویں شب تھی جب آپ اپنی دختر حضرت ام کلثوم کے یہاں افطار پر مدعو تھے۔ افطار کے بعد تمام شب مصروف عبادت رہے اور بار بار باہر آ کر آسمان کی طرف دیکھتے رہے، یہاں تک کہ فرمایا کہ واللہ یہ وہی شب ہے جس کی رسول اکرم نے خبر دی ہے اور یہ کہ نماز صبح کے لیے رآمد ہونے۔ دروازہ پر مرقاہیوں نے بھی روکا اور زنجیر درنے بھی۔ لیکن آپ قصائے الہی کا حوالہ دے کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ اذان سے سارے کو ذکو بیدار کیا۔ نماز شروع کی تو ابن الجملوں نے سراقہ سر روار کر دیا اور سر زخمی ہو گیا۔ مصلیٰ پر بیٹھ گئے، "قُرْتُ وَرَبِّ الْكُتُبَةِ" کا اعلان کیا اور "بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَفِي مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ" کا ورد کرتے رہے۔

— ادھر امام حسن اور امام حسین مسجد میں وارد ہوئے تو آپ نے امام حسن کو ناز بڑھانے کا حکم دے دیا۔ ناز کے بعد فرزندوں کے ہاتھوں پر میت الشرف تک آئے۔ دو دن علاج کا سلسلہ جاری رہا۔ اس درمیان ابن الجمل گرفتار ہو کر آیا تو قانون اسلامی کے مطابق قصاص کا فیصلہ کر کے اس کی یہ لہنی کا حکم دے دیا اور اکیسویں کی رات میں وصیت تمام کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ امام حسن اور امام حسین نے حسب وصیت پد غسل و کفن کا انتظام کیا اور ظہر کو ڈبے بچھت کہا جاتا ہے) کے اس مقررہ مقام پر دفن کر دیا جو حضرت نوح کے ڈور سے ملے ہو چکا تھا۔ مالکائے آسمان نے دفن میں کمک کی، روح رسول نے استقبال کیا اور آخر کار جو کعبہ سے لے کر آیا تھا اسی کے محلے کر دیا۔

ایک مدت تک قبر مطہر مخفی رکھی گئی اور صرف مخصوص افراد زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔ ہارون رشید کے دور میں بادشاہ شکار کے لیے نکلا، اور شکاری کتاب ایک مقام پر ٹھہر گیا اور اس نے ہرن کا تعاقب ترک کر دیا، تو اس نے اطراف کے افراد سے تحقیق کی اور انھوں نے بتایا کہ یہاں ایک ولی خدا حضرت علی کی قبر ہے اور اس طرح قبر کا اعلان ہو گیا جس کے بعد مسلسل روضہ کی تعمیر ترقی

ہوتی رہی اور آج تک یہ روضہ مرجع خلائق بنا ہوا ہے اور انشاء اللہ صبح قیامت تک بنا ہے گا۔ رسول اکرم نے حضرت علی کو شہر علم کا دروازہ بنایا تھا تو شرح طوسی نے یہاں حوزہ علیہ قائم کر دیا اور تقریباً ۱۰۵ برس سے یہ مدرسہ قائم ہے اور دینی تعلیم کے اعتبار سے کائنات کا سب سے عظیم ترین ادارہ ہے۔ یہاں کے فارغ التحصیل افراد روسا و مہذب اور مراجع تقلید بنتے رہے اور یہ سلسلہ محمد اللہ آج تک جاری ہے۔

خصوصیات

یوں تو ہر انسان کی زندگی میں کچھ خصوصیات پائے جاتے ہیں اور وہی اس کی شخصیت کی علامات ہوتے ہیں لیکن حضرت علی بن ابی طالب کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے اور آپ کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو انفرادیت کا حامل نہ ہو۔ حدیث ہے کہ کھانے پینے سے لے کر عبادات تک ہر مقام پر آپ کی شخصیت ایک انفرادی خصوصیت کی حامل ہے اور اس کا شریک دنیا کا کوئی دوسرا صاحب کردار نہیں ہے۔ ذیل میں صرف چند امتیازات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جسے "مشیت نمود از خرد" سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی ہے:

- غذا کے اعتبار سے ہمیشہ جو کھا آنا نوش فرماتے رہے اور کبھی گندم کو ہاتھ نہیں لگایا۔ جو کھاتے میں بھی یہ ہدایت تھی کہ اسے چھانا نہ جائے اور اپنی اصلی حالت میں استعمال کیا جائے۔

آدَمُ قَدْ أَكَلَ الْخَيْطَةَ وَاللَّهُ نَهَى
وَعَلَى تَرَدُّقِ الْأَكْلِ لِقَضَاءِ الْقَرَبِ

- لباس کے اعتبار سے خلافت اسلامیہ کے مل جانے کے بعد بھی پیوند دار لباس پہنتے رہے۔ یہاں تک کہ خود فرمایا کرتے تھے کہ اب تو رو کرنے والے سے بھی شرم آتی ہے۔
- مکان کے اعتبار سے ساری زندگی مکان کا انتظام نہ کر سکے اور کو ذمہ بھی ایک عاریت کے مکان میں دور خلافت گزار دیا۔
- معیشت کے اعتبار سے بیت المال کے مال کو ہاتھ نہیں لگایا اور ہمیشہ اپنے زور بازو

کی کمائی پر گزارہ کرتے رہے۔

کارناموں کے اعتبار سے۔ روز اول دعوتِ ذوالعزیزہ کا اہتمام کرنے والے اور رسول اکرم کی تصدیق کرنے والے آپ ہی تھے۔

● ہجرت کی رات اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر رسول اکرم کی جان بچانے والے آپ ہی تھے اور آپ ہی نے امانتوں کو واپس کر کے وقار رسالت کا تحفظ کیا تھا۔

● غارِ ثور میں قیام کے دوران رسول اکرم اور ابو بکر کے لیے آب و غذا کا انتظام آپ ہی کیا کرتے تھے۔

● بدر کے معرکہ میں آپ ہی کی تلوار چمکتی رہی اور ۷۰ مقتولین میں سے ۳۵ کو تنہا آپ ہی نے تزیین کیا تھا۔

● احد کے معرکہ میں سب کے فرار کر جانے کے بعد آپ ہی کا اعلان تھا کہ میں ایمان کے بعد کفر اختیار نہیں کر سکتا ہوں۔

● خندق کے معرکہ میں کل کفر کو آپ ہی نے قلم کیا تھا۔

● خیبر میں مرحب و عنتر کا خاتمہ کر کے قلعہ قوص کو آپ ہی نے فتح کیا تھا۔

● آیتِ نبوی کے موقع پر صدقہ دے کر رسول اکرم سے راز و نیاز کا شرف آپ ہی نے حاصل کیا تھا۔

● علمی اعتبار سے۔ رسول اکرم نے آپ کو شہر علم و حکمت کا دروازہ قرار دیا تھا اور امت کا بہترین قاضی قرار دیا تھا۔ آپ کی قضاوت کے حیرانگیز واقعات مکمل کتاب کی شکل میں موجود ہیں۔

● منبر کی بلندی سے "سلو فی قبل ان تفقدونی" کا نعرہ آپ ہی نے بلند کیا تھا۔

● حکام وقت نے اپنے مشکلات میں آپ ہی کی طرف رجوع کیا تھا اور ان کی علمی اہلیوں کو آپ ہی نے سلجھایا تھا۔

● اسلام میں جتنی عظیم شخصیتیں فقہی، ادبی، اخلاقی یا صوفی قسم کی پائی جاتی ہیں، سب کا سلسلہ شاگردی آپ ہی کی ذات اقدس تک منتهی ہوتا ہے۔

● مختلف علوم میں کمال اعلیٰ کے علاوہ علم نحو کے قواعد کی ایجاد آپ ہی نے فرمائی

ہے اور حروف کے تعارف کے اصول آپ ہی نے تعلیم فرمائے ہیں۔

● اخلاقی اعتبار سے۔ غلاموں کے ساتھ آپ نے ایسا برتاؤ کیا ہے کہ انھوں نے غلامی کو آزادی پر ترجیح دی ہے اور نیا لباس قبضہ کو عطا فرمایا ہے تو پرانا یا معمولی لباس خود زیب تن فرمایا ہے۔

● محاصرہ کے دوران عثمان کے لیے آب و دان کا انتظام آپ ہی نے کیا ہے۔

● ابنِ لجم کی گرفتاری کے بعد اسے سیراب کرنے کا حکم آپ ہی نے دیا ہے۔

● زہد کا یہ فلسفہ آپ ہی نے سمجھایا ہے کہ زہد اس امر کا نام نہیں ہے کہ انسان کسی چیز کا مالک نہ ہو۔ زہد اس امر کا نام ہے کہ کوئی چیز انسان کی مالک نہ بنے پائے اور اس کا اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رہے خواہشات کے ہاتھ میں نہ جانے پائے۔

● قرآنی اعتبار سے۔ آیت ولایت و تطہیر و مباہلہ و بیعت جیسی کم سے کم تین سورتوں میں جن میں صراحت کے ساتھ آپ کے کمالات کا اعلان کیا گیا ہے۔ ویسے سارے قرآن کا محور و مرکز

آپ ہی کی ذات گرامی ہے۔ چاہے آپ کا اپنا تذکرہ ہو یا دوستوں کا ذکر ہو یا دشمنوں کا ذکر ہو۔ یہاں تک کہ ہر "یا ایہا الذین آمنوا" کا راس و رئیس آپ ہی کی ذات گرامی کو قرار دیا گیا ہے۔

● سیاسی اعتبار سے۔ آپ کی سیاست ہر دور کے لیے ایک مستقل نمونہ عمل ہے، جس کے چند نمونے یہ ہیں:

● رسول اکرم کے بعد سخت ترین حالات میں بھی آپ نے اپنے حق کے مطالبہ کے لیے تلوار نہیں اٹھائی جب کہ مذہب کے تحفظ کے لیے بدر سے لے کر حنین تک ہر میدان میں رہے اور بعد میں بغاوت کا مقابلہ کرنے کے لیے جمل و صفین و نہروان میں کمال شجاعت کا مظاہرہ کرتے رہے اور اس طرح پاکیزگی نفس کا ایک بہترین نمونہ پیش فرمایا ہے۔

● اپنے جملہ حقوق کے غصب ہو جانے کے بعد بھی حکام وقت کو مشورہ دیتے رہے اور ان کی مشکل کشائی فرماتے رہے کہ اسلام کے معاملات کو شخصیت سے بالاتر ہونا چاہیے۔

● عثمان کو محاصرہ کے دوران آب و دان فراہم کیا جب کہ انھوں نے براہِ راست آپ کے

مقابلہ میں حکومت پر قبضہ کیا تھا۔

● جمل کی فتح کے بعد بھی عائشہ کو بعد احترام وطن پہنچا دیا کہ حرمت رسول کا احترام بہر حال ضروری ہے چاہے خود شخصیت قابل احترام نہ رہ گئی ہو۔
● صفین کے موقع پر لشکر معاویہ نے پانی بند کر دیا۔ لیکن جب آپ کو نہر پر قبضہ ملا تو فوراً پانی کے عام ہونے کا اعلان کر دیا۔

● اسی جنگ میں قرآنوں کے نیزوں پر بلند ہو جانے کے بعد جیتی ہوئی جنگ کو روک دیا کہ اسلام میں فتوحات کا معیار ملک پر قبضہ نہیں ہے قرآن کی حاکمیت کا قائم کرنا ہے۔
● جناب شہر ماوگر قرار ہو کر آئیں تو ان کے ساتھ کینزوں جیسا برتاؤ کرنے کے بجائے انہیں اپنے عزیز ترین فرزند کی زوجیت کا شرف عنایت کر دیا جس نے ایک پوری قوم کے دلوں کو فتح کر لیا۔
● عمرو عاص نے میدان جنگ میں برہنگی کا حربہ اختیار کیا تو اسلامی قوانین کے احترام میں اسے نظر انداز کر دیا ورنہ وہ دوسری سزا کا حق دار ہو چکا تھا۔

● سزا قدس پر ابن ملجم کی تلوار لگنے کے بعد "فَزَيْتُ وَرَبِّ الْكَلْبَةِ" کا نعرہ لگا کر واضح کر دیا کہ اسلام میں کامیابی کا معیار دشمن کا گلا کاٹنا نہیں ہے بلکہ راہِ خدا میں اپنی قربانی پیش کر دینا ہے اور آخر وقت تک اطاعتِ خدا و رسول میں زندگی بسر کرنا ہے۔

● فدک کے موقع پر خود دربار میں جانے کے بجائے صدیقہ طاہرہ کو دعویٰ پیش کرنے کے لیے بھیج دینا اتمامِ حجت کی بہترین سیاست ہے جس سے بہتر کوئی راستہ اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ اس واقعے سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ امت کے پاس آیات قرآن کا احترام ہے اور نہ قربت رسول کا۔ جو قوم اپنے نبی کی بیٹی کے وسیلہ حیات پر قبضہ کر کے اسے ناقوں پر مجبور کر سکتی ہے اس سے کس شرافت اور احسان مندی کی توقع کی جاسکتی ہے۔

● آپ کے سامنے دنیا مختلف ٹکٹوں میں آتی رہی لیکن ہر مرتبہ ٹھکر دیا اور جب تک مذہب کی ضرورت پیش نہیں آئی تخت حکومت کی طرف مڑ کر بھی دیکھنے کا ارادہ نہیں کیا بلکہ صفین کے موقع پر تو مقام ذی قاریں اپنی بوسیدہ نعلین کی مرمت فرماتے ہوئے ابن عباسؓ فرما دیا کہ میری نگاہ میں یہ جو تیاں تمہارے تختِ سماج سے کہیں زیادہ قیمت رکھتی ہیں۔ دنیا کو تین مرتبہ طلاق دینے کا

مضمون ہی یہ ہے کہ دنیا برابر قدموں میں آتی رہی لیکن آپ اس کی طرف سے برابر اعراض فرماتے رہے۔
● دنیا کی نعمتوں کے بارے میں آپ کا یہ ارشاد گرامی ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سے آپ کی سیاست کی بنیادوں کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے اور دنیا والوں کو زندہ رہنے کا بہترین سبق بھی حاصل ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ:

دنیا کی بہترین غذا شہد ہے جو ایک جانور کا فضلہ ہے۔
دنیا کا بہترین مشروب پانی ہے جو زمین پر بہتا پھرتا ہے۔
دنیا کی بہترین لذت منسی لذت ہے جس کا خلاصہ مناسبت کا مناسبت سے اتصال ہے۔
دنیا کا بہترین لباس ریشم ہے جو ایک جانور کے جسم کا فاضل حصہ ہے۔
دنیا کی بہترین سواری گھوڑا ہے جو جنگ و جدال کا مرکز ہے۔
دنیا کی بہترین سونگھنے کی چیز مشک ہے جو ایک جانور کا جاہوا خون ہے۔
دنیا کی بہترین سنسنے کی آواز گانا ہے جو نگاہِ قدرت میں انتہائی ناپسندیدہ اور حرام ہے۔

ظاہر ہے کہ دنیا کی ایسی معرفت جسے بھی حاصل ہو جائے وہ اپنا مقصد حیات زد دولت کو بنا سکتا ہے اور نہ ریاست کو۔ اس کی نگاہ میں نہ راحت دنیا کی کوئی حیثیت ہے اور نہ نعمت دنیا کی۔ یہ تو انسان کی بے معرفتی ہے کہ اپنی سیاست کا محور دنیا کو بنائے ہوئے ہے اور اپنے سے بہت تر مقصد پر جان لے رہا ہے۔ اس سلسلے میں امیر المؤمنین کا یہ ارشاد گرامی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ "دنیا کی مثال ایک سانپ کی جھجکی ہے جس کا ظاہر انتہائی نرم و نازک ہوتا ہے اور باطن انتہائی تم قائل۔ رب العالمین ہر بندہ مومن کو یہ عرفان عطا فرمائے اور اس ہدایت پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔"

ادبی اعتبار سے

آپ کے کلام کا وہ مجموعہ جسے سید شریف رحمی نے جمع فرمایا ہے اور جسے بحال طور پر پنج البلاغہ کا نام دیا گیا ہے، فصاحت و بلاغت کا وہ شاہکار ہے جس کے بارے میں علامت اللغات و ادب نے "تخت کلام الخالق و فوق کلام المخلوق" کہہ کر قلم رکھ دیا ہے کہ اس سے زیادہ جامع تعریف کا امکان

نہیں ہے۔

یہ مجموعہ اگرچہ مکمل نہیں ہے اور اس کے بعد مستدرک بیچ البلاغہ کے نام سے دوسرا مجموعہ بھی تیار کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود بہترین مجموعہ ہے جو ترتیب و تویب اور سند و ثبوت کے اعتبار سے بھی بہترین درجہ کا مالک ہے، اور بہت سے علماء نے اس کے ایک ایک خطبہ کے مدرک و ماخذ کا بھی سراغ لگایا ہے اور اس کی مکمل نشان دہی کی ہے جو مدارک بیچ البلاغہ اور استناد بیچ البلاغہ وغیرہ کے نام سے شہور ہے۔

بعض علماء اسلام نے اپنے مخصوص نظریات کی بنا پر اس کے بعض خطبوں کے بارے میں تشکیک کرنا چاہی ہے اور یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ یہ امیر المؤمنین کا کلام نہیں ہے بلکہ سید رضی نے اپنی طرف سے تیار کر کے حضرت کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ لیکن اس کا واضح سا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اولاً تو اس خطبہ شریفیہ کے کلمات کا تذکرہ سید رضی کی پیدائش سے پہلے کے علماء کے بیانات میں بھی پایا جاتا ہے لہذا ان کی تصنیف ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر باب بلاغت اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ سید رضی یا کوئی بھی دوسرا شخص اگر اس انداز کا کلام پیش کرنا چاہے تو اس کے حدود امکان سے باہر ہے۔ سید رضی کا اپنا نظم و نثر کا کلام بھی محفوظ ہے اور امیر المؤمنین کی بیچ البلاغہ بھی موجود ہے۔ دونوں کا موازنہ کرنے کی صلاحیت رکھنے والے اہل فن جانتے ہیں کہ دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے اور ایک کے کلام کو دوسرے کی طرف ہرگز منسوب نہیں کیا جاسکتا ہے۔

بیچ البلاغہ کے تین حصے ہیں۔ ایک حصہ میں حضرت کے خطبات ہیں جو کل باجزہ کی شکل میں جمع کیے گئے ہیں۔ دوسرے حصہ میں آپ کے مکتوبات ہیں جن میں خطا یا فرمان یا وصیت کی شکل میں تحریر کیا گیا ہے اور تیسرے حصہ میں متفرق کلمات ہیں جو جوامع الکلم کی حیثیت رکھتے ہیں اور جن کے ہر فقرہ میں مطالب کا ایک سندر ہے یا حکمتوں کا ایک صحیفہ ہے جسے نقط میں سمیٹ دیا گیا ہے۔

اولاد و ازواج

شیخ مفید علیہ الرحمہ کے بیان کے مطابق آپ کی ۲۷ اولاد تھی،

امام حسن، امام حسین، جناب زینب کبریٰ اور جناب زینب صغریٰ المعروفہ بام کلثوم۔ جن کی والدہ گرامی جناب فاطمہ زہرا تھیں اور جن میں جناب زینب کا عقد حضرت عبداللہ بن جعفر سے ہوا تھا جن کے دو فرزند عون اور محمد واقعہ کربلا میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور جناب ام کلثوم کا عقد محمد بن جعفر سے ہوا جن سے کوئی اولاد نہ ہو سکی۔

ان چار اولاد کے علاوہ ایک محسن ہیں جن میں شکم مادر ہی میں شہید کر دیا گیا اور جن کا نام بیچ اسلام نے قبل ولادت محسن قرار دیا تھا۔

محمد۔ جن کی کنیت ابو القاسم ہے اور جن کی والدہ خولہ خنیفہ تھیں۔ اپنے وقت کے نہایت درجہ شجاع و بہادر انسان تھے یہاں تک کہ مولائے کائنات کے سامنے ایک زرہ کے طولانی ہوجانے کی بنا پر اسے ہاتھ سے کھینچ کر توڑ دیا۔ آپ کی پیدائش کی بشارت سرکارِ دو عالم نے دی تھی اور اپنا نام اور اپنی کنیت بھی عنایت فرمائی تھی۔ دور خلافت دوم میں پیدا ہوئے اور دور عبدالملک بن مروان میں ۱۰۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

ان کی اولاد کی تعداد ۲۴ تھی اور چودہ ان میں سے فرزند تھے جن کی نسل کافی بڑھی اور مختلف اطراف و اکناف میں پھیل گئی۔

عمرو رقیہ کبریٰ۔ جن کی والدہ ام حبیب بنت ربیعہ تھیں۔

عباس، جعفر، عثمان، عبداللہ اکبر۔ جن کی والدہ کا نام ام البنین فاطمہ کلابیہ تھا جن سے امیر المؤمنین نے جناب عقیل کے شہورہ کی بنا پر عقد کیا تھا کہ عرب میں اس سے بہادر زماندان نہیں ہے اور جس رشتہ کی بنا پر شمرطلعون نے ان حضرات کو بھانجا کہہ کر پکارا تھا کہ اس کا تعلق بھی بنی کلاب سے تھا۔ محمد اصغر عبداللہ۔ ان دونوں کی والدہ یحییٰ بنت مسعود دارمیہ تھیں اور یہ دونوں کربلا میں شہید ہو گئے۔ محمد کی کنیت ابو بکر بھی تھی۔

یحییٰ۔ ان کی والدہ جناب اسما بنت عیسیٰ تھیں۔

ام محسن، رطل۔ ان دونوں کی والدہ ام سعید بنت عروہ بن مسعود ثقفی تھیں، اور یہ رطلہ رطلہ کبریٰ ہیں۔

نفیسہ، زینب صغریٰ، رقیہ صغریٰ۔ ان تینوں کی والدہ بقول ابن شہر آشوب ام سعید بنت

عروہ تھیں اور ام محسن اور رملہ کی والدہ کا نام ام شیبہ مخزومیہ تھا۔ نفیسہ کو ام کلثوم صفریٰ بھی کہا جاتا تھا، اور اس طرح حضرت کی اولاد میں متعدد زینب اور متعدد ام کلثوم تھیں۔ رقیہ صفریٰ کا عقد جناب مسلم بن عقیل سے ہوا تھا۔

ام ہانی، ام الکرام، عمار، ام سلمہ، میمونہ، خدیجہ، فاطمہ۔

بعض مورخین نے اولاد کی تعداد ۳۶ بتائی ہے ۱۸ فرزند اور ۱۸ دختر۔

مذکورہ بالا تفصیل سے ازواج مطہرات کی فہرست بھی معلوم ہوگئی۔ لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان تمام ازواج میں کسی کا مرتبہ جناب فاطمہ زہرا کے برابر نہیں ہے اور آپ نے ان کی موجودگی میں کوئی دوسرا عقدا سوا ہی طرح نہیں کیا تھا جس طرح رسول اکرم نے جناب خدیجہ کی زندگی میں کوئی دوسرا عقد نہیں کیا تھا، اور یہ ان دونوں خواتین کا ایک مخصوص امتیاز ہے جو قدرت کی طرف سے عنایت ہوانا امیرالمؤمنین کی شہادت کے وقت ان تمام ازواج میں صرف چار خواتین موجود تھیں باقی اٹھارہ ام ولد تھیں۔ ان چار خواتین کے اسماء گرامی یہ ہیں: امہ، اسماء بنت عمیس، علیٰ القیمیہ، ام ابینین۔ امام جناب فاطمہ کی رشتہ کی بہن جناب زینب کی بیٹی تھیں اور امیرالمؤمنین نے صدیقہ طاہرہ کی وصیت کی بنا پر سب سے پہلے انھیں سے عقد کیا تھا۔

امیرالمؤمنین کی نسل کا ایک سلسلہ محمد الخفیف سے چلا ہے اور ایک عباسی خاندان سے۔ عباسی خاندان کے فرزند عبید اللہ کے فرزند حسن بن عبید اللہ تھے۔ اور ان کے پانچ فرزند تھے۔ عبید اللہ بن احسن جو امیر مکہ و مدینہ بھی تھے، عباس جو بہترین خطیب تھے، حمزہ الاکبر، ابراہیم، فضل۔

فضل کے تین فرزند تھے، جعفر، عباس اکبر، محمد۔

حمزہ الاکبر کی نسل میں بہت سے صاحبان علم و فضل و کمالات و کمالات گذرے ہیں جن میں معروف و مشہور شخصیت جناب حمزہ بن قاسم بن علی بن حمزہ الاکبر کی ہے، جن کا مزاج صلہ کے قریب ہے اور مرجع غلطی بنا ہوا ہے۔

اصحاب کرام

یوں تو رسول اکرم کے بدسخت ترین حالات میں بھی امیرالمؤمنین کا ہاتھ دینے والے افراد

بے شمار تھے اور بعض اوقات میدان جہاد میں یہ تعداد لاکھ کے قریب پہنچ جاتی تھی۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بیعت کرنے والے یا جنگ میں شرکت کرنے والے افراد اور ہوتے ہیں اور باکمال اصحاب با وفا اور۔ ذیل میں انھیں باکمال اور با وفا اصحاب میں سے چند ایک کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔ مفصل حالات کے لیے اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

اصحاب امیرالمؤمنین میں بعض وہ افراد بھی ہیں جن کا شمار اصحاب رسول اکرم میں بھی ہوتا ہے اور ان کا تذکرہ اس ذیل میں ہو چکا ہے۔ لہذا ان کے اسماء کی تکرار نہ ہوگی، اگرچہ ان کا مرتبہ ان تمام ذکر ہونے والے افراد سے بالاتر ہے اور کوئی صحابی مسلمان محمدی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔

۱۔ اصحاب بن نبیات

یہ خواص اصحاب امیرالمؤمنین میں تھے اور آپ کے ذخائر میں شمار ہوتے تھے۔ امیرالمؤمنین کی فوج میں بعض افراد تھے جنہوں نے آپ سے وفاداری کا عہد کیا تھا اور آپ نے ان سے جنت کا وعدہ کیا تھا۔ ان افراد کو شرطہ انھیں کہا جاتا تھا۔ انھیں لشکر کا نام ہوتا ہے کہ اس میں یمین، میسرہ، قلب، مقدمہ اور ساقہ پانچ حصہ ہوتے ہیں اور شرطہ سے باہمی شرطہ اور قرار داد کی بنا پر کہا جاتا ہے۔ اصحاب بن نبیات انھیں افراد میں شامل تھے۔ بعض علماء اسلام نے ان کی روایات کو صرف اس جرم میں قابل اعتبار قرار دیا ہے کہ یہ حضرت علی کی محبت میں دیوانے ہو رہے تھے۔

۲۔ اویس قرنی

رسول اکرم نے ان کی بے حد مدح فرمائی ہے اور ان سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر فرمایا ہے اور میں سے آنے والی خوشبوئے رحمان سے تعبیر کیا ہے۔ ماں سے ایک ساعت کی اجازت لے کر یمن سے مدینہ سرکار دو عالم کی ملاقات کے اشتیاق میں آئے۔ حضور موجود نہ تھے۔ ماں کی اطلاع کے خیال سے بلا ملاقات واپس چلے گئے۔ حضور نے اس جذبہ کی بے حد قدر کی اور فرمایا کہ اویس کو قبیلہ ربیعہ و تمیم کے برابر شفاعت کرنے کا حق دیا جائے گا۔

اویس پوری پوری رات رکوع یا سجود میں گزار دیا کرتے تھے۔ زیاد ثمالیہ میں شمار ہوتے تھے۔ صفین میں امیرالمؤمنین کی رکاب میں جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (مقام رقد و شام)

میں آجکل حکومت ایران کے زیر نگرانی عظیم الشان مقبرہ تعمیر ہو رہا ہے۔ حقیر کو چند بار زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔

واضح رہے کہ زبدا ثنائی میں ربیع بن خثیم، ہرم بن حیان، اویس قرنی، عامر بن عبد قیس، ابوسلم خولانی، مسروق بن الاعرج، حسن بن ابی اکسن، اسود بن یزید کا شمار کیا جاتا ہے، جن میں ابتدائی چار افراد امیر المؤمنین کے مخلصین میں تھے اور باقی چار اہل باطل میں شمار ہوتے ہیں۔

۳۔ حارث بن عبد اللہ الاعور البہدانی

یمن کے قبیلہ ہمدان کی ایک نمایاں فرد اور امیر المؤمنین کے مخصوص اصحاب میں تھے۔ ان کی روایتیں سنن اربعہ میں بھی درج کی گئی ہیں اور ان کو ائقہ الناس، افرض الناس اور اصحاب الناس شمار کیا جاتا ہے۔ ایک شب امیر المؤمنین کی ملاقات کے اشتیاق میں اچانک وارد ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ تم پریشان نہ ہو میں خود ہر چاہنے والے کے سر چلنے وقت آخر حاضر ہوتا ہوں تاکہ دنیا سے مطمئن اور سرور نصرت ہو۔

واضح رہے کہ جناب شیخ بہائی انھیں حارث ہمدانی کی نسل سے تھے، اس لیے کبھی کبھی انہیں حارثی بھی لکھا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ امیر المؤمنین کے دور سے امام صادق کے دور تک ہمدانی بیہم ساکن قبیلہ ہمدان کی طرف اشارہ تھا۔ اس کے بعد سے ہمدان شہر کی طرف نسبت کا بھی احتمال پایا جاتا ہے جسے ہمدان بن فلوح بن سام بن فوح نے آباد کیا تھا۔

۴۔ محمد بن عدی الکندی الکوفی

امیر المؤمنین کے اصحاب ابدال میں شمار ہوتے تھے اور روزانہ ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ صفین میں قبیلہ کندہ کے طلبہ دار تھے اور نہروان میں پورے لشکر امیر المؤمنین کے سردار تھے، معاویہ کے ایک والی نے انھیں حضرت علی پر لعنت کرنے کی دعوت دی۔ انھوں نے منبر پر جا کر خود معاویہ اور اس کے گورنر پر لعنت کی جس کے نتیجے میں معاویہ میں خبیثہ کر دیے گئے اور ان کے ساتھ حسب ذیل حضرات بھی درجہ شہادت پر فائز ہوئے:

شریک بن شتراد حضرمی، یحییٰ بن شہل الشیبانی، قبیصہ بن ضبید العسبی، مجز بن شہاب المقری، کدام بن حیان العسری، عبدالرحمان بن حسان العسری۔ ان تمام حضرات کی قبر مرچ عذرا میں دمشق

کے قریب ہے۔

رسول اکرم نے مرچ عذرا میں بعض مقررین بارگاہ احدیت کی شہادت کی خبر دی تھی جس کی بنا پر عائشہ نے معاویہ سے شدید احتجاج کیا۔ لیکن اس احتجاج کا کیا اثر ہوا ہے۔

۵۔ رشید ہجری

امیر المؤمنین کے اصحاب خاص اور حاملان اسرار میں شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ مشتم تمار اور حبیب بن مظاہر ایک دوسرے کو اس کی شہادت کی خبر دے رہے تھے تو لوگ حیرت زدہ تھے کہ رشید آگے اور انھیں نے یہ اضافہ کر دیا کہ حبیب کا سر لانے والے کو زیادہ انعام دیا جائے گا تو لوگوں نے مزید حیرت کا اظہار کیا۔ لیکن بالآخر تمام خبریں صحیح ثابت ہوئیں۔ ابن زیاد نے طلب کر کے حضرت علی سے برات کی دعوت دی۔ فرمایا کہ یہ ناممکن ہے۔ مولانا نے مجھے خبر دی ہے کہ ان کی محبت میں ہاتھ پاؤں اور زبان سب قطع ہوں گے اور سولی ڈی جلے گی۔ ابن زیاد نے ہاتھ پاؤں کاٹ کے زبان کاٹنے سے انکار کر دیا۔ رشید نے علوم علویہ کی اشاعت شروع کر دی تو مجوزاً زبان بھی قطع کر دی۔ صدق امیر المؤمنین۔

۶۔ زید بن صوحان البعدی

ان کا شمار اصحاب ابدال میں ہوتا تھا۔ جنگ جمل میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ عائشہ نے ماں ہونے کے رشتہ سے جنگ جمل میں شرکت کی دعوت دی۔ تو جواب میں لکھا کہ ایسی بات کا حکم دے رہی ہیں جو خلاف مرضی خدا ہے اور خود اس بات کو ترک کر دیا ہے، جو میں مرضی خدا تھی، (تقریباً فی بیوتک)۔

سجد زید کو ذی شہور مساجد میں ہے۔ رسول اکرم نے انھیں بشارت دی تھی کہ تمہارا ایک عضو تم سے پہلے جنت میں داخل ہوگا۔ چنانچہ جنگ نہاد میں ان کا ایک ہاتھ شہید ہوا۔

۷۔ سلیمان بن صرد الخزازی

جاہلیت میں ان کا نام یسار تھا۔ رسول اکرم نے سلیمان کو دیا تھا صفین میں امیر المؤمنین کے ساتھ رہے۔ زید کے حاکم بننے کے بعد اپنے گھر میں اجتماع کر کے امام حسین کو کوڈ آنے کی دعوت دی لیکن کربلا میں نصرت امام زکریا کے نتیجے میں ۱۰۰ میں تو امین کی ایک جماعت لے کر

انتقام کر بلا کے لیے قیام کیا۔ اُدھر سے شام کا تیس ہزار کا لشکر روانہ ہوا۔ راستہ میں دونوں لشکروں میں شدید جنگ ہوئی اور سلیمان حصین بن نیر کے تیرے شہید ہو گئے۔ اس کے بعد تقریباً تمام ساتھی درجہ شہادت پر فائز ہو گئے۔

۸۔ سہل بن مخنیف انصاری

بر و احد کے معرکوں میں بھی شریک ہوئے اور صفین میں امیر المؤمنین کے ساتھ رہے۔ صفین سے واپسی پر کوفہ میں انتقال کیا۔ امیر المؤمنین نے نماز جنازہ میں ۲۵ تکبیریں کہیں اور فرمایا کہ سہل کے لیے ۲۰ تکبیریں بھی روا ہیں۔ جنگ جمل کے لیے روانگی کے وقت امیر المؤمنین نے انہیں مدینہ کا حاکم بنا دیا تھا۔

۹۔ مصعب بن صعوان العبیدی

امام صادق کا ارشاد ہے کہ اصحاب امیر المؤمنین میں ان کے حق کی مکمل معرفت رکھنے والے صرف مصعب اور ان کے ساتھی تھے، رسول اکرمؐ کے زمانے کے مسلمان تھے، لیکن حضرت کی خدمت میں باریاب نہ ہو سکے تھے۔ معاویہ کوفہ وارد ہوا تو لوگوں نے اس سے امان طلب کی۔ مصعب گئے تو اس نے کہا کہ تمہارے لیے امان نہیں ہے جب تک منبر پر جا کر علیؑ پر لعنت نہ کرو۔ مصعب نے منبر پر جا کر معاویہ پر لعنت کر دی جس کے نتیجے میں کوفہ سے نکال باہر کر دیے گئے۔

۱۰۔ ابو الاسود ظالم بن ظالم الدلی

صاحبان علم و فضل میں تھے۔ امیر المؤمنین نے انہیں علم نحو تعلیم کیا تھا اور قرآن مجید پر نقطہ و اعراب لگانے کی تعلیم دی تھی۔ معاویہ نے ان کے یہاں حلوہ بھیجا تو پانچ چھ برس کی بچی نے کھانا چاہا۔ فرمایا کہ یہ حلوہ مجتہب علیؑ سے دستبرداری کی اجرت کے طور پر بھیجا گیا ہے۔ بچی نے جرتہ کہا، خدا اُس کا بُرا کرے۔ حلوہ مزعفر کے ذریعہ مید مطہر سے جدا کرنا چاہتا ہے۔ خدا بھیجے والے اور کھانے والے دونوں کو غارت کرے۔ ۶۹ھ میں ۸۵ سال کی عمر میں بصرہ کے طاعون میں انتقال کیا۔

۱۱۔ عبداللہ بن جعفر الطیار

سرزمین ہجر پر پیدا ہونے والا پہلا مسلمان فرزند۔ جو ہجرت کے بعد اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ رسولِ اعظمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حاضر رہے۔ جعفر طیار کی شہادت پر رسول اکرمؐ

نے باقاعدہ گریہ و زاری کرتے ہوئے تعزیت پیش فرمائی اور جناب اسما بنت عمیس سے فرمایا کہ ان بچوں کا میں والی و وارث ہوں۔

جناب عبداللہ بنے حد کریم اور سخی انسان تھے۔ ان کی سخاوت ضرب المثل تھی۔ بعض لوگوں نے تنقید کی تو فرمایا کہ خدا نے مجھے اپنے کرم کا عادی بنا دیا ہے اور میں نے فقیروں کو اپنی سخاوت کا عادی بنا دیا ہے۔ اب خطہ یہ ہے کہ اگر میں ہاتھ روک لوں تو کہیں میرا پروردگار بھی اپنا ہاتھ نہ روک لے۔ ۶۵ھ میں مدینہ میں انتقال فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی اولاد کی تعداد ۲۰ یا ۲۴ تھی جن میں سے جناب عون و محمد بھی ہیں جو کربلا میں شہید ہوئے تھے۔

۱۲۔ عدی بن حاتم الطائی

سنہ ۹ھ میں اسلام لائے، اور ان کے اسلام کا سبب یہ تھا کہ سنہ ۹ھ میں لشکر اسلام نے جبل طے پر حملہ کیا، وہاں کے بت خانہ کو تباہ کیا اور لوگوں کو قیدی بنالیا۔ عدی شام کی طرف فرار کر گئے، ان کی بہن امیر ہو گئی۔ مدینہ پہنچنے کے بعد رسول اکرمؐ سے فریاد کی کہ باپ مر گیا، بھائی فرار کر گیا اب آپ کرم کریں۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی معتبر آدمی مل گیا تو تمہیں تمہارے بھائی کے پاس رعاہ کر دوں گا۔ چند روز کے بعد قبیلہ قضاہ کی ایک جماعت آگئی۔ آپ نے حسب خواہش ان کے ساتھ شام روانہ کر دیا، وہاں بہن نے بھائی سے اخلاق نبویؐ کا ذکر کیا، عدی فوراً مدینہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہاں رسول اکرمؐ نے انتہائی احترام کا برتاؤ کیا اور اپنی منبر پر جگہ دی جس کے نتیجے میں اسلام قبول کر لیا اور پھر حضرت علیؑ کے ساتھ جمل و صفین و نہروان میں شریک جہاد رہے۔ ۶۵ھ میں کوفہ میں انتقال فرمایا۔

ایک مرتبہ معاویہ کے پاس گئے تو اس نے طنز کیا کہ تمہارے فرزند کہاں ہیں؟ کہا کہ حضرت علیؑ کے ساتھ صفین میں شریک ہوئے اور قتل ہو گئے۔ معاویہ نے کہا کہ علیؑ نے انصاف نہیں کیا کہ تمہارے بیٹوں کو قتل کر دیا اور اپنی اولاد کو بچالیا۔ فرمایا معاویہ میں نے علیؑ کے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ وہ شہید ہو گئے اور میں زندہ رہ گیا۔

۱۳۔ عمرو بن الحمق الخزاعی

بندہ صالح پروردگار اور حواریین امیر المؤمنین میں شمار ہوتے تھے۔ تمام جنگوں میں

حضرت کے ساتھ رہے۔ زیاد نے ان کی گرفتاری کا حکم دے دیا تو موصل چلے گئے، وہاں ایک غار میں پناہ لی تو سانپ نے کاٹ لیا اور انتقال فرما گئے۔ زیاد کے سپاہیوں نے لاش کو دیکھا تو سر کاٹ کر زیاد کے پاس لائے۔ اس نے معاویہ کے پاس بھیج دیا اور اس نے نیزہ پر چڑھا دیا جو اسلام کا پہلا سر تھا جو کب نیزہ پر بلند کیا گیا جس کے بارے میں امام حسین نے معاویہ کو سخت احتجاجی خط روانہ فرمایا۔ ایک مرتبہ عرو نے رسول اکرم کی خدمت میں پانی پیش کیا تو حضرت نے دعا دی جس کے نتیجے میں ۱۰ سال کی عمر تک ایک بال بھی سفید نہیں ہوا تھا۔

۱۴- قنبر

امیر المومنین کے مخصوص غلاموں میں تھے۔ حجاج ثقفی نے گرفتار کر لیا تو پوچھا کہ علیؑ کے یہاں تمہارا کیا کام تھا۔ فرمایا کہ وضو کا پانی حاضر کرتا تھا اور حضرت وضو کرنے کے بعد اس آیت کی تلاوت کرتے تھے کہ ظالموں کا سلسلہ بہر حال ختم ہونے والا ہے۔ حجاج نے کہا کہ اس سے شاید میری ذات کو مراد لیتے تھے۔ فرمایا بے شک! کہا کہ اگر تمہیں قتل کر دوں تو کیا ہو گا؟ فرمایا میں نیک بخت ہوں گا اور توشیحی و بد بخت۔ حجاج نے غیظ میں آکر قتل کا حکم دے دیا۔

۱۵- کیلی بن زیاد النخعی

امیر المومنین کے مخصوص اصحاب اور عاملانِ اسرار میں شمار ہوتے تھے۔ دعلیٰ کیلی ان کی عظمت و جلالت کے لیے کافی ہے۔ حجاج ثقفی نے والی عراق ہونے کے بعد ان کی گرفتاری کا حکم دے دیا تو روپوش ہو گئے۔ اس نے ان کی قوم کا وظیفہ بند کر دیا۔ کیلی کو اطلاع ملی تو حجاج کے دربار میں پہنچ گئے کہ میں قوم کے رزق کے بند کرانے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ حجاج نے کہا کہ میں تو تمہیں سزا دینے کے لیے تلاش کر رہا تھا۔ فرمایا ضرور ضرور۔ میری زندگی میں اب صرف چند دن باقی رہ گئے ہیں، اس کے بعد ہم تم دونوں مالک حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ حجاج نے ان کے قتل کا حکم دے دیا اور ۳۰ سال کی عمر میں شہید کر دیے گئے۔ نجف و کوفہ کے درمیان آپ کا مزار مبارک موجود ہے۔

۱۶- مالک بن الحارث الاشتر النخعی

امیر المومنین کے مخصوص ترین اصحاب میں تھے اور اپنے دُور کے سب سے بڑے شہا

اور بہادر تھے۔ امیر المومنین نے انہیں مصر کا گورنر بنا کر روانہ کیا تو معاویہ نے راستہ کے ایک شخص کو ۲۰ سال خراج کی صفائی کا وعدہ دے کر شہد میں زہر دلوادیا اور مقام عریش پر زہر دیا شہید ہو گئے۔ جنازہ مدینہ لاکر دفن کیا گیا۔ امیر المومنین نے اس حادثہ پر انتہائی تأسف کا اظہار کیا اور فرمایا کہ مالک میرے لیے ویسے ہی تھے جیسے میں رسول اللہ کے لیے تھا۔

اس شہادت کے باوجود تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ بازار کوفہ میں ایک شخص نے کوڑا پھینک دیا تو خاموشی سے آگے بڑھ گئے، کسی شخص نے دیکھ لیا اور اس شخص کو تنبیہ کی کہ یہ مالک اشتر تھے، وہ محذرت کے لیے دوڑا۔ دیکھا مسجد میں مصروف نماز میں، ناز کے بعد قدموں پر گر پڑا۔ فرمایا کہ میں تو تیرے حق میں استغفار کر رہا تھا کہ تو نے عظیم گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔

امیر المومنین نے مالک اشتر کو جو عہد نامہ لکھ کر دیا تھا وہ آج تک دنیا کے ہر حاکم کے لیے بہترین نظام حکومت ہے جس پر عمل کیے بغیر عدل و انصاف کا قیام ناممکن ہے۔

۱۷- محمد بن ابی بکر بن ابی قحافہ

جوز الوداع کے سفر میں ان کی ولادت ہوئی تھی۔ والدہ گرامی اسما بنت عمیس تھیں، جو پہلے جناب جعفر طیار کی زوجہ تھیں اور ابو بکر کے بعد حضرت علیؑ سے عقد کیا جس کی بنا پر محمد کی تربیت حضرت علیؑ کے زیر سایہ ہوئی اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ محمد میرا فرزند ہے، اگرچہ ابو بکر کے صلب سے ہے۔ امیر المومنین نے ۳۰ سال میں مصر کا حاکم بنایا تو معاویہ نے عمرو عاص، معاویہ بن خدیج، ابوالاعور سلمي جیسے افراد کو مصر روانہ کر دیا۔ ان لوگوں نے سازش کر کے محمد کو گرفتار کر لیا اور شہید کر کے جسم کو گدھے کی کھال میں رکھ کر جلا دیا۔ جس کے غم میں حضرت عائشہ نے تاحیات بھٹنا گوشت نہیں کھایا اور برابر معاویہ، عمرو عاص اور ابن خدیج پر لعنت کرتی رہیں۔

معاویہ نے ان کی شہادت پر انتہائی سرت کا اظہار کیا اور امیر المومنین نے انتہائی غم کا مظاہرہ فرمایا۔

محمد کے مادری بھائیوں میں عبد اللہ اور محمد و عون بن جعفر ہیں، اور پداری بہن حضرت عائشہ تھیں، اور محمد کے فرزند قاسم بن زید کے فقہاء میں شمار ہوتے تھے جو امام جعفر صادق

کے مادری جد شمار ہوتے تھے۔

۱۸۔ میثم بن یحییٰ تمّار

امیر المؤمنین کے صاحب اسرار تھے اور اس قدر علم قرآن کے مالک تھے کہ ابن عباس کو درس قرآن دیا کرتے تھے اور وہ ان کے بیانات کو ضبط کیا کرتے تھے۔ ایک دن کشتی سے سفر کر رہے تھے، تیز آندھی چلی تو فرمایا کہ سوا یہ دنیا سے رخصت ہو گیا ہے اور بعد میں اس بیان کی تصدیق ہو گئی۔ امیر المؤمنین کے زرخیز غلام تھے۔ حضرت نے خریدنے کے بعد نام پوچھا تو کہا کہ سالم۔ فرمایا کہ رسول اکرم نے تمہارا اصلی نام میثم بتایا ہے لہذا نام وہی ہوگا اور کینت ابو سالم ہوگی۔ حضرت کی خبر کے مطابق ابن زیاد نے آپ کو سولی دے دی۔ اور امام حسین کے وارد عراق ہونے سے ۱۱ روز قبل ۲۷ ذی الحجہ کو درجہ شہادت پر فائز ہو گئے۔

۱۹۔ ہاشم بن عقبہ بن ابی وقاص المرقال

تیز حملوں کی بنا پر مرقال لقب ہو گیا تھا۔ روز فرج مکہ سلمان ہوئے اور صفین میں امیر المؤمنین کے ہمراہ رہے۔ صفین ہی میں شہید ہوئے اور ان کے ساتھ ان کے فرزند عقبہ بن ہاشم بھی درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

عَلَىٰ وَلى اللَّهِ

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ولایت علی کا اقرار کیے بغیر ایمان کی تکمیل ممکن نہیں ہے۔ از روئے قرآن علی اللہ کے ولی ہیں، اور علی کی ولایت کا اقرار جو ایمان ہے، علی کی ولایت کا اعلان فرض ایمان ہے اور علی کی ولایت کے تقاضوں پر عمل کرنا شان اسلام و ایمان ہے۔

دور حاضر میں جہاں بہت سے دوسرے فتنوں نے جنم لیا ہے۔ ان میں سے ایک فتنہ سنت و بدعت بھی ہے، جہاں بعض مسلمانوں کو ہر شے بدعت نظر آتی ہے اور ان کا خیال یہ ہے کہ قرآن مجید نے غیر خدا کو ولی بنانے سے انکار کیا ہے لہذا علی کو ولی تسلیم کرنا خلاف قرآن و سنت اور بدعت ہے، اور بدعت کا انجام جہنم ہے۔ اس سلسلہ میں بہت سی آیتوں کو بھی توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے۔ اور ان سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ غیر خدا ولی نہیں ہو سکتا اور غیر خدا کو ولی بنانا خلاف اسلام و ایمان ہے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ اس سلسلہ میں دو موضوعات زیر بحث آسکتے ہیں۔ پہلا موضوع یہ ہے کہ غیر خدا سے مراد کیا ہے؟ اور دوسرا موضوع یہ ہے کہ ولی بنانے سے مراد کیا ہے؟ جہاں تک پہلے موضوع کا تعلق ہے اس کے بارے میں قابل توجہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے ایسے مقامات پر "مِنْ دُونِ اللَّهِ" کا لفظ استعمال کیا ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ غیر خدا اور ہوتا ہے اور "مِنْ دُونِ اللَّهِ" اور ہوتا ہے، مخالطہ کا منشا یہ ہے کہ لفظ "غیر خدا" کے دو معنی ہیں۔ خدا کا غیر اور خدا کے علاوہ۔ اردو زبان میں ان دونوں الفاظ میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور عربی محاورات میں بھی غیر اللہ اور من دون اللہ میں ایسا ہی فرق پایا جاتا ہے۔ اس بنیاد پر "مِنْ دُونِ اللَّهِ" کو ولی بنانا ناجائز بھی ہوگا تو غیر خدا کا ولی بنانا ناجائز نہیں ہو سکتا۔

کفار و مشرکین کی تردید و تنبیہ اس بات پر ہے کہ وہ خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو ولی اور سرپرست بناتے تھے اور صاحبانِ ایمان خدا کے اقرار کے ساتھ ولایت کا اقرار کرتے ہیں لہذا ان کا قیاس کفار و مشرکین پر نہیں کیا جاسکتا ہے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ قرآن مجید نے ولی بنانے سے روکنا ہے اور یہاں سلا ولی بنانے کا نہیں ہے، ولی تسلیم کرنے کا ہے۔ بنانے والا تو خدا ہی ہے جس نے ولی بنا دیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر غیر خدا کی ولایت کا ذکر کیا گیا ہے لیکن خدا کو چھوڑ کر نہیں، بلکہ خدا کی دی ہوئی صلاحیت اور حیثیت کے پیش نظر۔

خود پیغمبر اسلام نے ولی کے لیے دعا کی ہے۔ جناب زکریا نے ولی کی دعا کی ہے یونین آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ متقین اولیاء خدا ہیں اور اس کے علاوہ ایسے متعدد مقامات ہیں جہاں مختلف معانی کے اعتبار سے غیر خدا کی ولایت کا اعلان کیا گیا ہے اور اس تصور کی نفی کی گئی ہے کہ غیر خدا ولی نہیں ہو سکتا ہے۔

انبیاء کرام کا خدا سے کریم سے ولی طلب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ غیر خدا من جانب اللہ ولی ہو سکتا ہے۔ ”من دون اللہ“ ولی نہیں ہو سکتا۔ برادرانِ اسلام نے اس مقام پر شدید دھوکا کھایا ہے اور بدعت کے چکر میں پڑ کر من جانب اللہ اور من دون اللہ کے فرق کو نظر انداز کر دیا ہے اور اولیاء خدا کی ولایت کے انکار کو بھی اسلام کا جزو بنا لیا ہے حالانکہ اسلام ولایت کے اقرار کا نام ہے ولایت کے انکار کا نام نہیں ہے۔

خود رب العالمین نے قرآن مجید میں اپنے رسول اور صاحبانِ ایمان کے ولی ہونے کا ذکر کیا ہے۔ تو کیا اس کے بعد بھی ولایت کو صرف خدا کی ذات تک محدود کیا جاسکتا ہے اور نام خدا پر کلام خدا کا انکار کیا جاسکتا ہے۔

سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ رسول کے ساتھ جسے ولی بنایا گیا ہے۔ وہ کون ہے؟ علماء اسلام کے بے شمار اقوال اس امر پر متفق ہیں کہ ”آیت ولایت“ میں ”الذین آمنوا“ سے مراد مولائے کائنات کی ذات گرامی ہے اور اس میں انھیں کی ولایت کا اعلان کیا گیا ہے جیسا کہ حسب ذیل حضرات محدثین و مفسرین نے اپنی تحریروں میں اظہار و اعتراض فرمایا ہے:

- ۱۔ علامہ شیخ محمد الدین طبری صاحب ذخائر العقبی ص ۸۸
- ۲۔ علامہ سید شہاب الدین اندلسی صاحب روح المعانی ج ۶ ص ۱۴۹
- ۳۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن حیان اندلسی صاحب المہیط ج ۲ ص ۵۱۳
- ۴۔ علامہ شیخ محمد بن علی قاضی شوکانی صاحب فتح القدر ج ۲ ص ۵۰
- ۵۔ ابن کثیر شامی صاحب تفسیر معروف ج ۴ ص ۷۱
- ۶۔ علامہ محدث علی ابن احمد نیشاپوری صاحب اسباب النزول ص ۱۴۸
- ۷۔ علامہ جلال الدین سیوطی صاحب لباب المنقول ص ۹۰
- ۸۔ علامہ سبط بن جوزی صاحب تذکرہ خواص الامم ص ۱۸
- ۹۔ علامہ محمد مومن بن الحسن الشبلنجی نور الابصار ص ۱۰۵
- ۱۰۔ علامہ گنجی شافعی صاحب کفایت الطالب ص ۱۰۶
- ۱۱۔ علامہ بیضاوی صاحب افوار التنزیل ص ۱۳۰
- ۱۲۔ علامہ طبری صاحب تفسیر معروف ج ۶ ص ۱۶۵
- ۱۳۔ شیخ علامہ علاء الدین الخلیب البغدادی صاحب تفسیر شہور ج ۱ ص ۴۷۵
- ۱۴۔ علامہ نسفی صاحب تفسیر خازن ج ۱ ص ۴۸۴
- ۱۵۔ علامہ شیخ سلیمان القندوزی صاحب ینایح المودۃ ج ۱ ص ۱۱۴
- ۱۶۔ علامہ جبار اللہ زعفرانی صاحب کثافات ج ۱ ص ۳۴۷
- ۱۷۔ حافظ ابن جریر عسقلانی صاحب الکفایات ج ۱ ص ۵۶
- ۱۸۔ علامہ فخر الدین الرازی صاحب تفسیر معروف ج ۱۲ ص ۲۶
- ۱۹۔ البیدر رشید رضا صاحب تفسیر المنار ج ۶ ص ۴۴۲
- ۲۰۔ علامہ نظام الدین نیشاپوری صاحب تفسیر معروف ج ۶ ص ۱۴۵
- ۲۱۔ علامہ محدث اسماعیل بن کثیر الدمشقی صاحب تفسیر معروف ج ۲ ص ۷۱
- ۲۲۔ علامہ ابو بکر محمد بن علی الرازی صاحب کتاب احکام القرآن ج ۲ ص ۵۴۳
- ۲۳۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی صاحب کتاب الجامع

لاحکام القرآن، ج ۲، ص ۲۲۱

۲۳۔ علامہ جلال الدین سیوطی صاحب تفسیر در مشور ج ۲ ص ۲۹۳

۲۵۔ میر محمد صالح ترمذی حنفی صاحب کتاب مناقب مرتضوی ص ۷

ان تمام اعترافات کے بعد ولایت علیؑ کا انکار دراصل اسلام اور قرآن کا انکار ہے اور عالم اسلام مساجد میں اس کا اعلان کرے یا نہ کرے منزل ایمان میں اس کا اقرار کرنا اسلام و ایمان کا فرض ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاَهُ فَمَنْدَا عَلِيٍّ مَوْلَاَهُ

مختلف روایات اور تواریخ کی بنا پر ۷۵ ہزار سے سو لاکھ تک کا مجمع تھا جس میں منزل عظمیٰ نے پالان شتر کا منبر بنوا کر کراچی دھوپ میں سر میدان قافلہ کو روک کر منبر پر بلند ہو کر حضرت علیؑ کو اپنے ہاتھوں پر بلند کر کے یہ اعلان فرمایا تھا کہ "جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ مولا ہے۔" جس کا مطلب یہ ہے کہ اس ارشاد گرامی کے سو لاکھ راوی تو بروقت موجود تھے جنہوں نے واپس آ کر یہ واقعہ ضرور بیان کیا ہوگا۔

مسافر کی عام فطرت یہ ہے کہ وہ سفر میں پیش آنے والے ہر اڑکھے واقعہ کا ذکر ضرور کرتا ہے، اور سفر ج کے ساتھ تو یہ خصوصیت آج تک باقی ہے کہ جو کسے سے آتا ہے لوگ اسے گھیر لیتے ہیں اور تفصیل سفر دریافت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ خود حاجی صاحب کا بھی مزاج یہی ہوتا ہے کہ اپنے سفر کے جملہ خصوصیات سے لوگوں کو باخبر کریں۔ جب کہ آج کل کے زمانے میں ساری دنیا سے دس بیس لاکھ افراد ہر سال حج کے لیے جاتے ہیں اور سب ہی واقعات بیان کرتے ہیں۔ ریڈیو سے حالات نشر کیے جاتے ہیں، ٹی وی پر پروگرام دکھائے جاتے ہیں اور حاجی صاحب کی واپسی سے پہلے ہی شہر والے اکثر حالات سے باخبر ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد بھی حاجی صاحب کو بیان کرنے اور دوستوں کو ان کی زبانی سنے کا اشتیاق ضرور رہتا ہے تو جب سرکارِ دو عالم اپنے اصحاب و مخلصین کے ساتھ آخری حج کے لیے تشریف لے گئے ہوں گے اور قدم قدم پر بیان احکام کے امکانات رہے ہوں گے اور قافلہ خلاف معمول تین دن کی تاخیر سے اپنے اپنے وطن پہنچا ہوگا اور تاخیر کا سبب بھی کراچی دھوپ میں، چیل میدان میں ایک جلسہ عام ہوگا تو کون ایسا ہوگا جسے اپنے گھر، محلہ، گاؤں اور شہر میں اس واقعہ کو بیان کرنے کا شوق نہ ہوگا اور کون ہوگا جو واپسی کی تاریخ میں تین دن کی تاخیر کا سبب نہ دریافت کرے گا۔ حد یہ ہے کہ جس کو اس اعلانِ اختلاف

بھی رہا ہو گا اس نے بھی واقعہ کو ضرور بیان کیا ہو گا کہ بلا سبب ایک غیر ضروری اعلان کے لیے چٹیل میدان میں روک لیا گیا، یا اپنے خاندان کو مسلط کرنے کے لیے ہمیں گرمی میں پریشان کیا گیا، یا بھائی کی محنت میں مسلمانوں کی زحمت کا خیال نہیں کیا گیا، یا یا یا... غرض کہ کوئی بھی تاویل اور توجیہ کی جلسے اور کسی طرح کے غم و غصہ کا اظہار کیا جائے لیکن واقعہ کا بیان کرنا ناگزیر ہے اور اس طرح مرسل اعظم کی مکمل حیات میں کسی روایت کو اتنے راوی نہ ملے ہوں گے جتنے راوی حدیث غدیر کو مل گئے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ جملہ حاجی صاحبان کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا کہ ان کا نام راویوں کی فہرست میں درج ہو جاتا کہ ان کا بیان بھی سلسلہ بہ سلسلہ نقل کیا جاتا۔ یا ان کی شخصیت کو اس قدر اہمیت دی جاتی کہ انہیں بھی حدیث کے راویوں میں شمار کر لیا جاتا۔ لیکن تاہم واقعہ کو اس قدر راویوں کا مل جانا اس کے تواتر و یقین اور قطعیت کے لیے کافی سے زیادہ ہے۔ جملہ غزوات پیغمبر میں اتنا جمع دیکھنے میں نہیں آیا جتنا غدیر میں تھا لیکن ان کے تفصیلات زبان زد خواص و عوام ہیں تو اس جلسہ کا تذکرہ کیوں کر عالم آشکار نہ ہو گا اور یہی وجہ ہے کہ علماء اسلام نے اپنی کتابوں میں اس اعلان کو نقل کیا ہے۔ صحابہ کرام نے بیان کیا ہے اور مؤلفین و مصنفین نے اپنی کتابوں کی زینت بنا لیا ہے۔ یہ افسوس ناک بات ہے کہ جن کو اپنی کتاب کو کلام باری کے بعد کا درجہ دینا تھا ان کی مصلحت نے ایسی اہم حدیث کو نقل نہ ہونے دیا اور یہ خود لفظ موی کے معنی کے یقین کا بہترین قرینہ ہے جب کہ روایت ان کے شرائط کی بنا پر بھی صحیح اور قابل وثوق و اعتبار تھی۔

اس مقام پر صرف چند کتابوں کا حوالہ درج کیا جاتا ہے جن میں اس روایت کا اندراج ہوا ہے اور جن کے مؤلفین و مصنفین نے اس حدیث کے تواتر و اعتبار کا اعتراف کیا ہے۔ تفصیلات کے لیے عمقات الانوار اور التذکرہ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

تواتر حدیث کے معترفین

۱۔ علامہ شیخ جلال الدین بیوطی صاحب کتاب الازھار المتأثرة فی الاحادیث المتواترة۔

۲۔ علامہ جزری صاحب کتاب اسنی المطالب۔

۳۔ علامہ جمال الدین نیشاپوری صاحب کتاب اربعین۔

۴۔ صاحب کتاب شرح الجامع الصغیر (السراج المنیر)۔

۵۔ علامہ شیخ ضیاء الدین صالح بن مہدی صاحب کتاب الابحاث المسدودہ۔

۶۔ علامہ ابن کثیر شامی در حالات محمد بن جریر طبری (طبقات شافعیہ)۔

۷۔ علامہ محمد ابن اسماعیل بن صلاح الدین صاحب کتاب التفتہ الندیہ۔

۸۔ میرزا مخدوم بن میر عبد الباقی صاحب کتاب فواقض الروافض۔

۹۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب کتاب السیف المسلول۔

۱۰۔ شمس الدین ترکمانی ذہبی۔

۱۱۔ علامہ ابو القاسم عبداللہ بن عبداللہ الحاکمی صاحب کتاب "دعاة الهداة الی اذوار

حق الموالاة"

۱۲۔ ابو سعید بن ناصر سمیانی صاحب کتاب "درایۃ حدیث الولاية"

۱۳۔ مولوی محمد امین فرنگی محلی صاحب کتاب وسیلۃ النجاة۔

اس کے علاوہ بے شمار کتابوں میں حدیث اس کے اسناد اور رواۃ کا تفصیلی تذکرہ

موجود ہے۔ علامہ ابو العباس احمد بن محمد بن عقیقہ کی کتاب الولاية میں تو حدیث کو صحابہ کی

ایک بڑی جماعت سے نقل کیا گیا ہے جیسا کہ علامہ ابن طاووس نے کتاب الطرائف میں درج کیا

ہے اور جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

راویان حدیث غدیر

حضرت ابو بکر، حضرت عمر، عبداللہ بن عثمان، عثمان بن عفان، حضرت علی، طلحہ بن

عبید اللہ، زبیر بن العوام، عبدالرحمان بن عوف، سعید بن مالک، عباس بن عبد المطلب، امام حسین

بن علی، امام حسین بن علی، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن مسعود، عمار بن یاسر،

ابو ذر، سلمان فارسی، اسعد بن زرارہ، خزیمہ بن ثابت، ابو ایوب بن الدین زید انصاری، عثمان

بن حنیف، اسہل بن حنیف، حذیفہ یامانی، عبداللہ بن عمر، براہ بن عازب، وقاص بن رافع، ابولیلی

انصاری، ابو قدام انصاری، ہسل بن سعد، عدی بن حاتم، ثابت بن زید، مالک بن الحورث،
جسٹی بن جنادہ، ضمیرہ بن الاسدی، عبید بن عاذب انصاری، عبداللہ بن ابی اوفی، زید بن شریح،
ابو حمزہ خادم رسول اللہ، ابو فضال انصاری، عامر بن لیلیٰ انصاری، عامر بن واثلہ، عبدالرحمان بن
عبدالرب انصاری، سعد بن جنادہ عوفی، عامر بن عمیر العمیری، عبداللہ بن یاعیل، جبہ بن جریج،
عقید بن عامر، ابو ذریب الشاعر، ابو شریح خزاعی، سمرہ بن جندب، سلمہ بن الاکوع، زید بن ثابت،
کعب بن بحر، ابو الہیثم بن الہیثم، ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص، المقداد بن عمر الکندی، عمر ابی سلمہ،
عبداللہ بن اسید، عوان بن حصین، بریدہ بن حبیب، جلدہ بن عمر، ابو ہریرہ، ابو البرزہ اسلمی،
ابو سعید خدری، جابر بن عبداللہ انصاری، جریر بن عبداللہ زید بن ارقم، ابو رافع، ابو عمر بن مہسن،
انس بن مالک، ناجیہ بن عمرو الخزاعی، ابو زینب بن عوف، لیلیٰ بن مرہ، سعد بن عبادہ، حذیفہ بن
اسید، ابو سمرہ غفاری، عمرو بن الحق انصاری، عبدالرحمن بن نعیم دلی، عطیہ بن بشرحان بن ثابت،
جابر بن سمرہ، عبداللہ بن ثابت، ابو عقیفہ، وہب بن عبداللہ، ابو امامہ انصاری، عامر بن لیلیٰ بن
حزہ، جندب بن سفیان، امامہ بن زید، وحشی بن حرب، قیس بن ثابت، عبدالرحمن بن مدعج،
حبیب بن بدیل بن ورقارہ الخزاعی، فاطمہ بنت رسول، عائشہ بنت ابی بکر، ام سلمہ، ام ہانی، فاطمہ
بنت حمزہ، اسماء بنت عیس۔

خطبہ غدیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ساری تعریف اس اللہ کے لیے ہے جو اپنی یکتائی میں بلند اور اپنی انفرادی شان
کے باوجود قریب ہے۔ وہ سلطنت کے اعتبار سے جلیل اور ارکان کے اعتبار سے عظیم ہے۔
وہ اپنی منزل پر رہے کہ بھی اپنے علم سے ہر شے کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور اپنی قدرت اور
اپنے برہان کی بنا پر تمام مخلوقات کو قبضہ میں رکھے ہوئے ہے ہمیشہ سے بزرگ ہے اور ہمیشہ
قابل حمد رہے گا۔ بلند یوں کا پیدا کرنے والا، فرش زمین کا پھلانے والا، آسمان و زمین پر
اختیار رکھنے والا ہے نیاز، پاکیزہ صفات، ملائکہ اور روح کا پروردگار، تمام مخلوقات فضل
و کرم کرنے والا اور تمام ایجادات پر مہربانی کرنے والا ہے وہ ہر آنکھ کو دیکھتا ہے اگرچہ
کوئی آنکھ اسے نہیں دیکھتی، وہ صاحب علم و کرم ہے، اس کی رحمت ہر شے کے لیے وسیع
اور اس کی نعمت کا احسان ہر شے پر قائم ہے۔ انتقام میں جلدی نہیں کرتا اور سختیں عذاب کو
عذاب دینے میں عجلت سے کام نہیں لیتا، مخفی امور کو جانتا ہے اور چیزوں سے باخبر ہے،
پوشیدہ چیزیں اس پر مخفی نہیں رہتیں، اور مخفی امور اس پر مشتبہ نہیں ہوتے، وہ ہر شے پر
محیط اور ہر چیز پر غالب ہے، اس کی قوت ہر شے میں اور اس کی قدرت ہر چیز پر ہے،
وہ بے مثل ہے اور شے کو شے بنانے والا ہے، ہمیشہ رہنے والا، انصاف کرنے والا
ہے، اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے، وہ عزیز و حکیم ہے، نگاہوں کی رسائی سے بالاتر
ہے اور ہر نگاہ کو اپنی نظر میں رکھتا ہے کہ وہ لطیف بھی ہے اور خیر بھی۔ کوئی شخص اس کے
وصف کو باہنیں سکتا اور کوئی اس کے ظاہر و باطن کا ادراک نہیں کر سکتا۔ مگر اتنا ہی جتنا اس نے

خود بتا دیا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ ایسا خدا ہے جس کی پاکیزگی زمانہ پر محیط اور جس کا نور ابدی ہے۔ اس کا حکم نافذ ہے۔ نہ اس کا کوئی مشیر ہے نہ وزیر۔ نہ کوئی اس کا شریک ہے اور نہ اس کی تدبیر میں کوئی فرق ہے جو کچھ بنایا وہ بغیر کسی نونہ کے بنایا اور جسے بھی خلق کیا بغیر کسی کی اعانت یا فکر و نظر کی زحمت کے بنایا۔ جسے بنایا وہ بن گیا اور جسے خلق کیا وہ خلق ہو گیا۔ وہ خدا ہے لا شریک ہے جس کی صفت محکم اور جس کا سلوک بہترین ہے۔

وہ ایسا عادل ہے جو ظلم نہیں کرتا اور ایسا بزرگ و برتر ہے کہ ہر شے اس کی قدرت کے سامنے متواضع اور ہر چیز اس کی ہیبت کے سامنے خاضع ہے وہ تمام ملکوں کا مالک، تمام آسمانوں کا خالق، شمس و قمر و اختیارات رکھنے والا، ہر ایک کو ایک مہینہ مدت کے لیے چلانے والا، دن کو رات اور رات کو دن پر حاوی کرنے والا، ظالموں کی مکر توڑنے والا، شیطانوں کو ہلاک کرنے والا ہے۔ نہ اس کی کوئی ضد ہے نہ مثل۔ وہ یکتا ہے بے نیاز ہے نہ اس کا کوئی باپ ہے نہ بیٹا نہ ہمسر۔ وہ خدا ہے واحد اور رب مجید ہے جو چاہتا ہے کہ گزرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے پورا کر دیتا ہے۔ جاننے والا، خیر کا احصاء کرنے والا، موت و حیات کا مالک، فقر و غنا کا صاحب اختیار، ہنسانے والا، رلانے والا، قریب کرنے والا، دور ہٹانے والا، عطا کرنے والا، روک لینے والا ہے۔ ملک اسی کے اختیار میں ہے اور حمد اسی کے لیے زیبا ہے اور اسی کے قبضہ میں ہے۔ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ رات کو دن اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے۔ اس عزیز و غفار کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے، وہ دعاؤں کا قبول کرنے والا، عطاؤں کو بکثرت دینے والا، ماسنوں کا شمار کرنے والا اور انسان و جنات کا پروردگار ہے، اس کے لیے کوئی شے شائبہ نہیں ہے۔ وہ فریادیوں کی فریاد سے پریشان نہیں ہوتا ہے اور اسے گزرتانے والوں کا اصرار خستہ حال نہیں کرتا ہے، نیک کرداروں کا بچانے والا، طالبان فلاح کو توفیق دینے والا اور عالمین کا مولود و حاکم ہے۔ اس کا حق ہر مخلوق پر یہ ہے کہ راحت و تکلیف اور نرم و گرم میں اس کی حمد و ثنا کرے اور اس کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کرے۔ میں اس پر اور اس کے مالک، اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان رکھتا ہوں، اس کے حکم کو سنتا ہوں اور اطاعت کرتا ہوں، اس کی مرضی کی طرف بوقت کرتا ہوں اور اس کے فیصلہ کے سامنے

سر پا تسلیم ہوں اس لیے کہ اس کی اطاعت میرا فرض ہے اور اس کے عتاب کے خوف کی بنا پر کہ نہ کوئی اس کی تدبیر سے بچ سکتا ہے اور نہ کسی کو اس کے ظلم کا خطرہ ہے میں اپنے لیے بندگی اور اس کے لیے ربوبیت کا اقرار کرتا ہوں اور اس کے پیغام وحی کو پہنچانا چاہتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ کوتاہی کی شکل میں وہ عذاب نازل ہو جائے جس کا دفع کرنے والا کوئی نہ ہو۔ اس خدا نے وحدہ لا شریک نے مجھے بتایا کہ اگر میں نے اس پیغام کو نہ پہنچایا تو اس کی رسالت کی تبلیغ نہیں کی اور اس نے میرے لیے مخالفت کی ضمانت لی ہے۔ اس خدا نے کریم نے یہ حکم دیا ہے کہ، اے رسول! جو حکم تمہاری طرف علی کے بارے میں نازل کیا گیا ہے، اسے پہنچا دو، اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو رسالت کی تبلیغ تمہیں کی اور اللہ تمہیں لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

ایھا الناس! میں نے حکم کی تعمیل میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور میں اس آیت کا سبب واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جبریل بار بار میرے پاس یہ حکم پروردگار نے کرنا لے ہوئے کہ میں اسی مقام پر ٹھہر کر ہر سفید و سیاہ کو یہ اطلاع دے دوں کہ علی بن ابی طالب میرے بھائی موصی و جانشین اور میرے بعد امام ہیں۔ ان کی منزل میرے لیے نہیں ہے جیسے موسیٰ کے لیے ہارون کی تھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، وہ اللہ و رسول کے بعد تمہارے حاکم ہیں اور اس کا اعلان خدا نے اپنی کتاب میں کیا ہے کہ، بس تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ صلحاً ایمان جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

علی بن ابی طالب نے ناز تمام کی ہے اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دی ہے، وہ ہر حال میں رضاد الہی کے طلب گار ہیں۔ میں نے جبریل کے ذریعہ یہ گزارش کی کہ اس وقت تمہارے سامنے اس پیغام کو پہنچانے سے محذور رکھا جائے اس لیے کہ متقین کی قلت ہے اور منافقین کی کثرت، فساد کرنے والے، بدعمل اور اسلام کا مذاق اڑانے والے منافقین کی مکاری کا بھی خطرہ ہے، جن کے بارے میں خدا نے صاف کہہ دیا ہے کہ یہ اپنی زبانوں سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہے، اور یہ اسے معمولی بات سمجھتے ہیں حالانکہ پیش پروردگار یہ بہت بڑی بات ہے۔ ان لوگوں نے بارہا مجھے اذیت پہنچائی ہے یہاں تک کہ مجھے کہیں کہیں لگے ہیں۔ اور ان کا خیال تھا کہ میں ایسا ہی ہوں

اسی لیے خدا نے آیت نازل کی کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو نبی کو اذیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو فقط کاہن ہیں، تو پیغمبر کہہ دیجیے کہ اگر ایسا ہے تو تمہارے حق میں یہی خیر ہے، ورنہ میں جاہلوں تو ایک ایک کا نام بھی بتا سکتا ہوں اور اس کی طرف اشارہ بھی کر سکتا ہوں اور لوگوں کے لیے نشان دہی بھی کر سکتا ہوں۔ لیکن میں ان معاملات میں کرم اور بزرگی سے کام لیتا ہوں۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود مرضیٰ خدا ہی ہے کہ میں اس حکم کی تبلیغ کر دوں۔ لہذا لوگو! ہو شیار رہو کہ اللہ نے علیؑ کو تمہارا ولی اور امام بنا دیا ہے اور ان کی اطاعت کو تمام جاہلین انصار اور ان کے تابعین اور ہر شہری، دیہاتی، عجمی، عربی، آزاد، غلام، صغیر، کبیر، سیاہ، سفید پر واجب کر دیا ہے۔ ہر توحید پرست کے لیے ان کا حکم جاری، ان کا امر نافذ اور ان کا قول قابل اطاعت ہے، ان کا مخالف ملعون اور ان کا پیرو مستحق رحمت ہے۔ جو ان کی تصدیق کرے گا اور ان کی بات سن کر اطاعت کرے گا اللہ اس کے گناہوں کو بخش دے گا۔

ایمعا الناس! یہ اس مقام پر میرا آخری قیام ہے لہذا میری بات سنو، اور اطاعت کرو اور اپنے پروردگار کے حکم کو تسلیم کرو۔ اللہ تمہارا رب، ولی اور پروردگار ہے اور اس کے بعد اس کا رسول محمدؐ تمہارا حاکم ہے جو آج تم سے خطاب کر رہا ہے۔ اس کے بعد علیؑ تمہارا ولی اور حکم خدا تمہارا امام ہے۔ اس کے بعد امامت میری ذریت اور اس کی اولاد میں تار و زیامت باقی رہے گی۔

حلال وہی ہے جس کو اللہ نے حلال کیا ہے اور حرام وہی ہے جس کو اللہ نے حرام کیا ہے۔ یہ سب اللہ نے مجھے بتایا تھا اور میں نے سارے علم کو علیؑ کے حوالہ کر دیا۔

ایمعا الناس! کوئی علم ایسا نہیں ہے جو اللہ نے مجھے عطا نہ کیا ہو، اور جو کہ خدا نے مجھے عطا کیا تھا سب میں نے علیؑ کے حوالہ کر دیا۔ یہ امام المتقین بھی ہے اور امام المبین بھی ہے۔

ایمعا الناس! علیؑ سے جنگ نہ جانا، ان سے بیزار نہ ہو جانا اور ان کی ولایت کا انکار نہ کر دینا کہ وہی حق کی طرف ہدایت کرنے والے، حق پر عمل کرنے والے، باطل کو فنا کرنے والے اور اس سے روکنے والے ہیں، انھیں اس راہ میں کسی طامت کرنے والے کی طامت کی پرواہ نہیں ہوتی۔ وہ سب سے پہلے اللہ و رسولؐ پر ایمان لائے اور اپنے جی جان سے رسولؐ

پر قربان تھے ہمیشہ خدا کے رسولؐ کے ساتھ رہے جب کہ رسولؐ کے علاوہ کوئی عبادت خدا کرنے والا نہ تھا۔ ایمعا الناس! انھیں افضل قرار دو کہ انھیں اللہ نے فضیلت دی ہے اور انھیں قبول کرو کہ انھیں اللہ نے امام بنا دیا ہے۔ ایمعا الناس! وہ اللہ کی طرف سے امام ہیں، اور جو ان کی ولایت کا انکار کرے گا اس کی توبہ قبول ہوگی اور اس کی بخشش کا کوئی امکان ہے بلکہ اللہ کا حق ہے کہ وہ اس امر پر مخالفت کرنے والے پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بدترین عذاب نازل کر دے۔ لہذا تم ان کی مخالفت سے بچو کہ میں ایسا نہ ہو کہ اس جہنم میں داخل ہو جاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور جس کو کفار کے لیے مہیا کیا گیا ہے۔ ایمعا الناس! خدا گواہ ہے کہ سابق کے تمام انبیاء و مرسلین کو میری بشارت دی گئی ہے اور میں خاتم الانبیاء و المرسلین اور زمین و آسمان کی تمام مخلوقات کے لیے حجت پروردگار ہوں۔ جو اس بات میں شک کرے گا وہ گذشتہ جاہلیت جیسا کافر ہو جائے گا۔ اور جس نے میری کسی ایک بات میں بھی شک کیا اس نے گویا تمام باتوں کو مشکوک قرار دیا اور اس کا انجام جہنم ہے۔ ایمعا الناس! اللہ نے جو مجھے یہ فضیلت عطا کی ہے یہ اس کا کرم اور احسان ہے اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے اور وہ ہمیشہ تا ابد اور ہر حال میں میری حمد کا حق دار ہے۔

ایمعا الناس! علیؑ کی فضیلت کا اقرار کرو کہ وہ میرے بعد ہر مرد و زن سے افضل بزرگ ہے۔ اللہ نے ہمارے ہی ذریعہ رزق کو نازل کیا ہے اور مخلوقات کو باقی رکھا ہے۔ جو میری اس بات کو رد کر دے وہ ملعون ہے اور ملعون ہے اور منسوب ہے منسوب ہے۔ جبریل نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ پروردگار کا ارشاد ہے کہ جو علیؑ سے دشمنی کرے گا اور انھیں اپنا حاکم تسلیم نہ کرے گا اس پر میری لعنت اور میرا غضب ہے۔ لہذا ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا کیا ہے۔ اس کی مخالفت کرتے وقت اللہ سے ڈرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قدم راہ حق سے پھسل جائیں اور اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔

ایمعا الناس! علیؑ وہ جناب اللہ ہے جس کے بارے میں قرآن میں یہ کہا گیا ہے کہ ظالمین افسوس کریں گے کہ انھوں نے جب اللہ کے بارے میں کوتاہی کی ہے۔

ایمعا الناس! قرآن میں فکر کرو، اس کی آیات کو سمجھو، حکمت کو نگاہ میں رکھو اور

پسندیدہ دین قرار دے دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا وہ دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ شخص آخرت میں خسارہ والوں میں ہوگا۔ پروردگار! میں تجھے گواہ قرار دیتا ہوں کہ میں نے تیرے حکم کی تبلیغ کر دی۔

ایھا الناس! اللہ نے دین کی تکمیل علیؑ کی امامت سے کی ہے۔ لہذا جو علیؑ اور ان کے صلب سے آنے والی میری اولاد کی امامت کا اقرار نہ کرے گا۔ اس کے اعمال برباد ہو جائیں گے وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ ایسے لوگوں کے عذاب میں کوئی تخفیف نہ ہوگی اور نہ ان پر نگاہ رحمت کی جائے گی۔

ایھا الناس! یہ علیؑ ہے تم میں سب سے زیادہ میری مدد کرنے والا، مجھ سے قریب تر اور میری نگاہ میں عزیز تر ہے۔ اللہ اور میں دونوں اس سے راضی ہیں۔ قرآن مجید میں جو بھی رضا کی آیت ہے وہ اسی کے بارے میں ہے اور جہاں بھی یا ایھا الذین آمنوا کہا گیا ہے اس کا پہلا مخاطب بھی ہے۔ ہر آیت مدح اسی کے بارے میں ہے۔ محل آئی میں جنت کی شہادت اسی کے حق میں دی گئی ہے اور یہ سورہ اس کے علاوہ کسی غیر کی مدح میں نہیں نازل ہوا ہے۔

ایھا الناس! یہ دین خدا کا مددگار رسول خدا سے دفاع کرنے والا ہستی، پاکیزہ صفات ہادی اور ہمدی ہے۔ تمہارا نبی بہترین نبی اور اس کا وصی بہترین وصی ہے اور اس کی اولاد بہترین اوصیاء ہیں۔

ایھا الناس! ہر نبی کی ذریت اس کے صلب سے ہوتی ہے اور میری ذریت علیؑ کی صلب سے ہے۔

ایھا الناس! ابلیس آدمؑ کے مسئلہ میں حسد کا شکار ہوا۔ لہذا خبردار! تم علیؑ سے حسد نہ کرنا کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہارے قدموں میں لغزش پیدا ہو جائے۔ آدمؑ صلی اللہ ہونے کے باوجود ایک ترک اولیٰ پر زمین میں بھیج دیے گئے تو تم کیا ہو اور تمہاری کیا حقیقت ہے۔ تم میں تو دشمنان خدا بھی پائے جاتے ہیں۔ یاد رکھو علیؑ کا دشمن شقی ہوگا اور علیؑ کا دوست صرف تقی ہوگا۔ اس پر ایمان رکھنے والا صرف مومن مخلص ہی ہو سکتا ہے اور انہیں کے بارے میں سورہ عصر نازل ہوا ہے۔

مقتضیات کے پیچھے نہ پڑو۔ خدا کی قسم قرآن مجید کے احکام اور اس کی تفسیر کو اس کے علاوہ کوئی واضح نہ کر سکے گا۔ جس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہے اور جس کا بازو تمام کر میں نے بلند کیا ہے اور جس کے بارے میں میں یہ بتا رہا ہوں کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ مولا ہے۔ یہ علیؑ بن ابی طالب میرا بھائی بھی ہے اور وصی بھی۔ اس کی محبت کا حکم اللہ کی طرف سے ہے جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔

ایھا الناس! علیؑ اور میری اولاد طیبین ثقل اصغر ہیں اور قرآن ثقل اکبر ہے ان میں ہر ایک دوسرے کی خبر دیتا ہے اور اس سے جدا نہ ہوگا یہاں تک کہ دونوں حوض کوثر پر وارد ہوں۔ یہ میری اولاد مخلوقات میں احکام خدا کے امین اور زمین میں ملک خدا کے حکام ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ میں نے تبلیغ کر دی میں نے پیغام کو پہنچا دیا۔ میں نے بات سنا دی۔ میں نے حق کو واضح کر دیا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ جو اللہ نے کہا وہ میں نے ڈہرا دیا۔ پھر آگاہ ہو جاؤ کہ امیر المؤمنین میرے اس بھائی کے علاوہ کوئی نہیں ہے اور اس کے علاوہ یہ منصب کسی کے لیے سزاوار نہیں ہے۔

(اس کے بعد علیؑ کو اپنے ہاتھوں پر اتنا بلند کیا کہ ان کے قدم رسولؐ کے گھٹنوں کے برابر ہو گئے۔ اور فرمایا)

ایھا الناس! یہ علیؑ میرا بھائی اور وصی اور میرے علم کا خزان اور امامت پر میرا خلیفہ ہے۔ یہ خدا کی طرف دعوت دینے والا، اس کی مرضی کے مطابق عمل کرنے والا، اس کے دشمنوں سے جہاد کرنے والا، اس کی اطاعت پر ساتھ دینے والا، اس کی مصیبت سے روکنے والا، اس کے رسولؐ کا جانشین اور مومنین کا امیر و امام اور ہادی ہے اور بیعت شکن ظالم اور خارجی افراد سے جہاد کرنے والا ہے۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ حکم خدا سے کہہ رہا ہوں میری کوئی بات بدل نہیں سکتی ہے۔ خدا یا علیؑ کے دوست کو دوست رکھنا اور علیؑ کے دشمن کو دشمن قرار دینا، ان کے منکر پر لعنت کرنا اور ان کے حق کا انکار کرنے والے پر غضب نازل کرنا۔ پروردگار! تو نے یہ وحی کی تھی کہ امامت علیؑ کے لیے ہے اور تیرے حکم سے میں نے انہیں مقرر کیا ہے۔ جس کے بعد تو نے دین کو کامل کر دیا، نعمت کو تمام کر دیا اور اسلام کو

ایہا الناس! میں نے خدا کو گواہ بنا کر اپنے پیغام کو پہنچا دیا اور رسول کی ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

ایہا الناس! اللہ سے ڈرو، جو ڈرنے کا حق ہے۔ اور خبردار! اس وقت تک دنیا سے نہ جانا جب تک اس کے اطاعت گزار نہ ہو جاؤ۔

ایہا الناس! اللہ! اس کے رسول اور اس نور پر ایمان لاؤ جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ قبل اس کے کہ خدا اچھے چہروں کو بگاڑ دے اور انہیں پشت کی طرف پھیر دے۔

ایہا الناس! نور کی پہلی منزل میں ہوں۔ میرے بعد علی اور ان کے بعد ان کی نسل ہے اور یہ سلسلہ اس مہدی قائم تک برقرار رہے گا جو اللہ کا حق اور ہمارا حق حاصل کرے گا! اس لیے کہ اللہ نے ہم کو تمام مقصرین، معاندین، مخالفین، خائنین، آئین اور ظالمین کے مقابلہ میں اپنی حجت قرار دیا ہے۔

ایہا الناس! میں تمہیں باخبر کرنا چاہتا ہوں کہ میں تمہارے لیے اللہ کا نمائندہ ہوں جس سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ تو کیا میں مرجاؤں یا قتل ہو جاؤں تو تم اپنے پرانے دین پر پلٹ جاؤ گے؟ تو یاد رکھو جو پلٹ جائے گا وہ اللہ کا کوئی نقصان نہیں کرے گا اور اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دینے والا ہے۔

آگاہ ہو جاؤ کہ علی کے صبر و شکر کی تعریف کی گئی ہے اور ان کے بعد میری اولاد کو صابر و شاکر قرار دیا گیا ہے جو ان کے صلب سے ہے۔

ایہا الناس! اللہ پر اپنے اسلام کا احسان نہ دکھو کہ وہ تم سے ناراض ہو جائے اور تم پر اس کی طرف سے عذاب نازل ہو جائے کہ وہ مسلسل تم کو نگاہ میں رکھے ہوئے ہے۔

ایہا الناس! عنقریب میرے بعد ایسے راہنما پیدا ہوں گے جو جنم کی دعوت دیں گے اور روز قیامت کوئی ان کا مددگار نہ ہوگا۔ اللہ اور میں دونوں ان لوگوں سے بری اور بیزاریں۔

ایہا الناس! یہ لوگ اور ان کے اتباع و انصار سب جنم کے پست ترین درجے میں ہوں گے اور یہ حکمرانوں کا بدترین ٹھکانا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ یہ لوگ اصحابِ صحیفہ میں بہت کم ہیں ان کے صحیفہ پر تمہیں نگاہ رکھنی چاہیے۔ لوگوں کی قلیل جماعت کے علاوہ سب صحیفہ کی بات بھول چکے

ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ میں امامت کو امانت اور قیامت تک کے لیے اپنی اولاد میں وراثت قرار دے کر جا رہا ہوں اور مجھے جس امر کی تبلیغ کا حکم دیا گیا تھا میں نے اس کی تبلیغ کر دی ہے تاکہ ہر حاضر و غائب موجود و غیر موجود، مولود و غیر مولود سب پر رحمت تمام ہو جائے۔ اب حاضر کا فریضہ ہے کہ یہ پیغام غائب تک پہنچائے اور ہر باپ کا فریضہ ہے کہ قیامت تک اس پیغام کو اپنی اولاد کے حوالہ کرتا رہے اور عنقریب لوگ اس کو خمیسی ملکیت بنا لیں گے۔ خدا غاصبین پر لعنت کرے۔ قیامت میں تمام حقیقتیں کھل کر سامنے آجائیں گی اور آگ کے شعلے برسا ئے جائیں گے جب کوئی کسی کی بددکھنی والا نہ ہوگا۔

ایہا الناس! اللہ تم کو انہیں حالات میں نہ چھوٹے گا جب تک غیبت اور طیب کو الگ الگ نہ کر دے اور اللہ تم کو غیب پر باخبر کرنے والا نہیں ہے۔

ایہا الناس! کوئی قریہ ایسا نہیں ہے جسے اللہ اس کی بھکزیب کی بنا پر ہلاک نہ کرے وہ اسی طرح ظالم بتیوں کو ہلاک کرتا رہا ہے۔ علی تمہارے امام اور حاکم ہیں یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ صادق الوعد ہے۔

ایہا الناس! تم سے پہلے بہت سے لوگ گمراہ ہو چکے ہیں اور اللہ ہی نے ان لوگوں کو ہلاک کیا ہے اور وہی بعد کے ظالموں کو ہلاک کرنے والا ہے۔

ایہا الناس! اللہ نے امر و نہی کی مجھے ہدایت کی ہے اور میں نے اسے علی کے حوالہ کر دیا ہے وہ امر و نہی الہی سے باخبر ہیں۔ ان کے امر کی اطاعت کرو تاکہ سلامتی پاؤ، ان کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ۔ ان کے روکنے پر رگ جاؤ تاکہ راہ راست پر آ جاؤ۔ ان کی مرضی پر چلاؤ۔

مختلف راستوں پر منتشر نہ ہو جاؤ۔ میں وہ صراطِ مستقیم ہوں جس کے اتباع کا خدا نے حکم دیا ہے۔ پھر میرے بعد علی ہیں اور ان کے بعد میری اولاد جو ان کے صلب سے ہے۔ یہ سب وہ امام ہیں جو حق کے ساتھ ہدایت کرتے ہیں اور حق کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔ الحمد للہ رب العالمین

(سورہ محمد کی تلاوت کرنے کے بعد آپ نے فرمایا) یہ سورہ میرے اور میری اولاد کے بارے میں نازل ہوا ہے، اس میں اولاد کے لیے عمویت بھی ہے اور اولاد کے ساتھ خصوصیت بھی ہے۔ یہی میری اولاد وہ اولاد ہیں جن کے لیے نہ کوئی نخوت ہے اور نہ کوئی حزن! یہ حزب اللہ

ہیں جو ہمیشہ غالب رہنے والے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ دشمنانِ علی ہی اہل تفرقہ، اہل تعدی اور برادرانِ شیطان ہیں جن میں ایک دوسرے کی طرف ہمل باتوں کے خفیہ اشارے کرتا رہتا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ ان کے دوست ہی مومنینِ ریحی ہیں جن کا ذکر پروردگار نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ "تم کسی ایسی قوم کو جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو نہ دیکھو گے کہ وہ اللہ اور رسول کے دشمنوں سے محبت رکھیں..." آگاہ ہو جاؤ کہ ان کے دوست ہی وہ افراد ہیں جن کی توصیف پروردگار نے اس انداز سے کی ہے۔ "جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا انھیں کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پاتا ہے۔" آگاہ ہو جاؤ کہ ان کے دوست ہی وہ ہیں جو جنت میں امن و سکون کے ساتھ داخل ہوں گے اور ملائکہ سلام کے ساتھ یہ کہہ کے ان کا استقبال کریں گے کہ تم طیب و طاہر ہو! لہذا جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔"

آگاہ ہو جاؤ کہ ان کے دوست ہی وہ ہیں جن کے بارے میں ارشادِ الہی ہے کہ "یہ جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے۔"

آگاہ ہو جاؤ کہ ان کے دشمن ہی وہ ہیں جو جہنم میں تپائے جائیں گے اور جہنم کی آوازاں عالم میں سنیں گے کہ اس کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے اور ہر داخل ہونے والا گروہ دوسرے گروہ پر لعنت کرے گا۔

آگاہ ہو جاؤ کہ ان کے دشمن ہی وہ ہیں جن کے بارے میں پروردگار کا فرمان ہے کہ جب کوئی گروہ داخل جہنم ہوگا تو جہنم کے خازن سوال کریں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟

آگاہ ہو جاؤ کہ ان کے دوست ہی وہ ہیں جو اللہ سے از غیب ڈرتے ہیں اور انھیں کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔

ایما الناس! دیکھو جنت و جہنم میں کتنا بڑا فاصلہ ہے۔ ہمارا دشمن وہ ہے جس کی اللہ نے مذمت کی ہے اس پر لعنت کی ہے اور ہمارا دوست وہ ہے جس کو اللہ دوست رکھتا ہے اور اس کی تعریف کی ہے۔

ایما الناس! آگاہ ہو جاؤ کہ میں ڈرانے والا ہوں اور علیؑ ہادی ہیں۔ ایما الناس! میں نبی ہوں اور علیؑ میرے وصی ہیں۔ یاد رکھو کہ آخری امام ہمارا ہی قائم ہدی ہے، وہی ادیان پر غالب آنے والا اور ظالموں سے انتقام لینے والا ہے، وہی قلموں کا فتح کرنے والا اور ان کا نہدم کرنے والا ہے۔ وہی مشرکین کے ہر گروہ کا قاتل اور اولیاء اللہ کے ہر خون کا انتقام لینے والا ہے، وہی دینِ خدا کا مددگار اور ولایت کے عینِ سمندر سے سیراب کرنے والا ہے۔ وہی ہر صاحبِ فضل پر اس کے فضل اور ہر جاہل پر اس کی جہالت کا نشان لگانے والا ہے۔

آگاہ ہو جاؤ کہ وہی اللہ کا منتخب اور پسندیدہ ہے۔ وہی ہر ظلم کا وارث اور اس پر احاطہ رکھنے والا ہے، وہی پروردگار کی طرف سے خبر دینے والا اور امرِ ایمانی کی تنبیہ کرنے والا ہے، وہی رشید اور صراطِ مستقیم پر چلنے والا ہے، اسی کو اللہ نے اپنا قانون سپرد کیا ہے اور اسی کی بشارت و نوحی میں دی گئی ہے، وہی حجتِ باقی ہے اور اس کے بعد کوئی حجت نہیں ہے۔ ہر حقیقی اس کے ساتھ ہے اور ہر نور اس کے پاس ہے۔ اس پر غالب آنے والا کوئی نہیں ہے۔ وہ زمین پر خدا کا حاکم، مخلوقات میں اس کی طرف سے حکم اور خفیہ اور علانیہ ہر سلسلے میں اس کا امین ہے۔

ایما الناس! میں نے سب بیان کر دیا اور سمجھا دیا، اب میرے بعد علیؑ تمہیں سمجھائیں گے آگاہ ہو جاؤ! کہ میں تمہیں خطبے کے اختتام پر اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ پہلے میرے ہاتھ پر ان کی بیعت کا اقرار کرو، اس کے بعد ان کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ میں نے اللہ کے ہاتھ اپنا نفس بیچا ہے اور علیؑ نے میری بیعت کی ہے اور میں تم سے علیؑ کی بیعت لے رہا ہوں۔ جو اس بیعت کو توڑ دے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔

ایما الناس! یرج اور عمرہ، اور یہ صفا و مروہ سب شعارِ اللہ ہیں، لہذا حج اور عمرہ کرنے والے کا فرض ہے کہ وہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے۔

ایما الناس! خانہٴ خدا کا حج کرو، جو لوگ یہاں آجاتے ہیں وہ بے نیاز ہو جاتے ہیں، اور جو اس سے الگ ہو جاتے ہیں وہ محتاج ہو جاتے ہیں۔

ایما الناس! کوئی مومن کسی موقت میں دقت نہیں کرتا مگر یہ کہ خدا اس دقت تک

کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ لہذا حج کے بعد اسے از سر نو نیک اعمال کا سلسلہ شروع کرنا چاہیے۔
ایہا الناس! حجاج خدا کی طرف سے عمل امداد ہیں اور ان کے اخراجات کا اس کی
طرف سے معاوضہ دیا جاتا ہے، اور اللہ کسی کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ہے۔

ایہا الناس! پورے دین اور معرفت احکام کے ساتھ حج بیت اللہ کرو، اور جب
وہاں سے واپس ہو تو مکمل توبہ اور ترک گناہ کے ساتھ۔

ایہا الناس! نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو جس طرح کہ اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ اگر
وقت زیادہ گزر گیا ہے اور تم نے کوئی نیا کام لیا ہے تو علی تمہارے ولی اور تمہارے
لیے یہ احکام کے بیان کرنے والے ہیں جن کو اللہ نے میرے بعد میں کیا ہے اور میرا جانشین
بنایا ہے وہ تمہارے ہر سوال کا جواب دیں گے اور جو کچھ تم نہیں جانتے ہو سب بیان کر دیں گے
آگاہ ہو جاؤ کہ حلال و حرام اتنے زیادہ ہیں کہ سب کا احصاء اور بیان ممکن نہیں ہے۔ لہذا میں
تمام حلال و حرام کی امر و نہی اس مقام پر یہ کہہ کر بیان کیے دیتا ہوں کہ میں تم سے علی کی بیعت
لے لوں اور تم سے یہ عہد لے لوں کہ جو پیغام علی اور ان کے بعد کے ائمہ کے بارے میں خدا کی طرف
سے لایا ہوں، تم ان سب کا اقرار کر لو۔

”کہ یہ سب مجھ سے ہیں اور ان میں ایک امت قیام کرنے والی ہے جن میں
سے جہدئی بھی ہے جو قیامت تک حق کے ساتھ فیصلہ کرتا رہے گا۔“

ایہا الناس! میں نے جس جس حلال کی رہنمائی کی ہے اور جس جس حرام سے روکنا ہے
کسی سے نہ رجوع کیا ہے اور نہ ان میں کوئی تبدیلی کی ہے۔ لہذا تم اسے یاد رکھو اور محفوظ کر لو
ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہو اور کسی طرح کی تبدیلی نہ کرنا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ میں پھر دوبارہ
کہہ رہا ہوں کہ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، نیکیوں کا حکم دو، برائیوں سے روکو، اور یہ یاد رکھو
کہ امر بالمعروف کی اصل یہ ہے کہ میری بات کی تہ تک پہنچ جاؤ، اور جو لوگ نہیں ہیں ان تک
پہنچ جاؤ اور اس کے قبول کرنے کا حکم دو اور اس کی مخالفت سے منع کرو۔ اس لیے کہ یہی
اللہ کا حکم ہے اور یہی میرا حکم بھی ہے اور امام معصوم کو چھوڑ کر نہ کوئی واقعی امر بالمعروف ہو سکتا
ہے اور نہ ہی عن المنکر۔

ایہا الناس! قرآن نے بھی تمہیں سمجھایا ہے کہ علی کے بعد امام ان کی اولاد ہے اور میں
نے بھی سمجھایا ہے یہ سب میرے اور علی کے اجر اور ہیں جیسا کہ پروردگار نے فرمایا ہے کہ اللہ نے
انہیں اولاد میں مکمل باقیہ قرار دے دیے۔ اور میں نے بھی کہا کہ جب تک تم قرآن اور عترت سے
متکرم رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔

ایہا الناس! تقویٰ اختیار کرو و تقویٰ۔ قیامت سے ڈرو کہ اس کا زلزلہ بڑی عظیم شے
ہے۔ موت، حساب، میزان، اللہ کی بارگاہ کا محاسب، ثواب اور عذاب سب کو یاد کرو کہ وہاں
نیکیوں پر ثواب ملتا ہے اور بُرائی کرنے والے کا جنت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

ایہا الناس! تم اتنے زیادہ ہو کہ ایک ایک میرے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بیعت نہیں کرسکتے
ہو۔ لہذا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہاری زبان سے علی کے امیر المؤمنین ہونے اور ان کے بعد
کے ائمہ جو ان کے صلب سے میری ذریت ہیں سب کی امامت کا اقرار لے لوں، لہذا تم سب مل کر
کہو ہم سب آپ کی بات کے سننے والے، اطاعت کرنے والے، راضی رہنے والے اور علی اور
اولاد علی کے بارے میں جو پروردگار کا پیغام پہنچایا ہے اس کے سلسلے میں تسلیم کرنے والے
ہیں۔ ہم اس بات پر اپنے دل، اپنی روح، اپنی زبان اور اپنے ہاتھوں سے بیعت کر رہے ہیں،
اسی پر زندہ رہیں گے، اسی پر مریں گے اور اسی پر دوبارہ اٹھیں گے۔ نہ کوئی تغیر و تبدیلی کریں گے
اور نہ کسی شک و شبہ میں مبتلا ہوں گے، نہ عہد سے پلٹیں گے نہ ميثاق کو توڑیں گے۔ اللہ کی
اطاعت کریں گے۔ آپ کی اطاعت کریں گے اور علی امیر المؤمنین اور ان کی اولاد ائمہ جو آپ
کی ذریت میں ہیں ان کی اطاعت کریں گے۔ جن میں سے حسن و حسین کی منزلت کو اور ان کے مرتبہ
کو اپنی اور خدا کی بارگاہ میں تمہیں دکھلا دیا ہے اور یہ پیغام پہنچا دیا ہے کہ یہ دونوں جو انان
جنت کے سردار ہیں اور اپنے باپ علی کے بعد امام ہیں اور میں علی سے پہلے ان دونوں کا باپ
ہوں۔ اب تم لوگ یہ کہو کہ ہم نے اس بات پر اللہ کی اطاعت کی، آپ کی اطاعت کی، اور علی،
حسن، حسین اور ائمہ جن کا آپ نے ذکر کیا ہے اور جن کے بارے میں ہم سے عہد لیا ہے سب کی
دل و جان سے اور دست و زبان سے بیعت کی ہے۔ ہم اس کا کوئی بدل پسند نہیں کریں گے اور
نہ اس میں کوئی تبدیلی کریں گے۔ اللہ ہمارا گواہ ہے اور وہی گواہی کے لیے کافی ہے اور آپ

بھی ہمارے گواہ ہیں اور ہر ظاہر و باطن اور ملائکہ اور بندگانِ خدا سب اس بات کے گواہ ہیں اور اللہ ہر گواہ سے بڑا گواہ ہے۔

ایہا الناس! اب تم کیا کہتے ہو؟ یاد رکھو کہ اللہ ہر آواز کو جانتا ہے اور ہر نفس کی منفی حالت سے باخبر ہے، جو ہدایت حاصل کرے گا وہ اپنے لیے اور جو گمراہ ہو گا وہ اپنا نقصان کرے گا۔ جو بیعت کرے گا اس نے گویا اللہ کی بیعت کی، اس کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ ایہا الناس! اللہ سے ڈرو، علیؑ کے امیر المؤمنین ہونے اور حسن و حسینؑ اور ائمہ کے کلمہ باقیہ ہونے کی بیعت کرو۔ جو غداری کرے گا اسے اللہ ہلاک کر دے گا اور جو وفا کرے گا اس پر رحمت نازل کرے گا، اور جو عہد کو توڑے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ ایہا الناس! جو میں نے کہا ہے وہ کہو اور علیؑ کو امیر المؤمنین کہہ کر سلام کرو، اور یہ کہو کہ پروردگار ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ ہمیں تیری مغفرت چاہیے اور تیری ہی طرف ہماری بازگشت ہے اور یہ کہو کہ شکر پروردگار ہے کہ اس نے ہمیں اس امر کی ہدایت دی ہے ورنہ اس کی ہدایت کے بغیر ہم راہ ہدایت نہیں پاسکتے تھے۔

ایہا الناس! علیؑ ابن ابی طالبؑ کے فضائل اللہ کی بارگاہ سے ہیں اور اس نے قرآن میں بیان کیا ہے اور اس سے زیادہ ہیں کہ میں ایک منزل پر شمار کر اسوں۔ لہذا جو بھی تمہیں خبر ہے اور ان فضائل سے آگاہ کرے اس کی تصدیق کرو۔ یاد رکھو جو اللہ، رسولؐ، علیؑ اور ائمہ مذکورین کی اطاعت کرے گا وہ بڑی کامیابی کا مالک ہوگا۔

ایہا الناس! جو علیؑ کی بیعت، ان کی محبت اور انہیں امیر المؤمنین کہہ کر سلام کرنے میں سبقت کریں گے وہی جنت نعیم میں کامیاب ہوں گے۔ ایہا الناس! وہ بات کہو جس سے تمہارا خدا راضی ہو جائے ورنہ تم اور تمام اہل زمین بھی منکر ہو جائیں تو اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ پروردگار مومنین و مومنات کی مغفرت فرما اور کافرین پر اپنا غضب نازل فرما۔

والحمد لله رب العالمین

نقش

حیاتِ جنابِ فاطمہ زہراؑ

ولادت۔ ۲۰ جمادی الثانیہ ۵ شہ بعثت

شہادت۔ ۳ جمادی الثانیہ ۱۱ شہ

نقش زندگانی حضرت فاطمہ زہرا

● اسم گرامی فاطمہ تھا جس کا انتخاب قدرت نے اس لیے کیا تھا کہ اپنے اتباع کرنے والوں کو آتش جہنم سے نجات دلانے والی ہیں۔

● القاب: زہرا، راضیہ، مرضیہ، صدیقہ، بضوۃ الرسول اور ام ایہا وغیرہ۔ (آخری لقب کارا زہرہ ہے کہ آپ نے پدر بزرگوار کو شفقت مادی بھی فرمایا ہے اور آپ سے نسل کی بقا بھی رہی ہے۔

ولادت باسعادت ۱۰ سنہ بعثت میں ہوئی ہے یعنی بعثت رسول کے پانچ برس بعد۔

اگرچہ بعض علماء نے بعثت سے پانچ برس پہلے لکھا ہے اور ان کا خیال یہ ہے کہ جناب خدیجہ کے عقد اور مصومہ کی ولادت میں بیس سال کا فاصلہ نہیں ہو سکتا ہے اس لیے کہ بطن جناب خدیجہ سے قاسم بعثت سے پہلے پیدا ہوئے اور دو سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ عبد اللہ بھی بعثت سے پہلے پیدا ہوئے اور کسی میں وفات پا گئے۔ حالانکہ یہ بات عجیب و غریب ہے کہ دو

فرزندوں کے بعد بیس سال کا فاصلہ نہیں رہ جاتا ہے بلکہ یا ۶ سال ہی کا رہ جاتا ہے۔

● جناب خدیجہ نے اپنے تمام بیٹیاں رد کر کے مرسل اعظم سے عقد کیا تھا۔ اس وقت ولادت تمام عورتوں نے بائیکاٹ کر دیا اور کوئی امداد کے لیے نہ آیا تو قدرت نے

جناب آسیہ، جناب مریم، جناب کلثوم خواہر حضرت موسیٰ جیسی مقدس خواتین کو خدمت کے لیے بھیج دیا جو راہ خدا میں ایثار کرنے والوں کا انعام بھی ہے اور خدا سے کریم کی غیبی امداد

کا بہترین مرقع بھی ہے۔

● آپ سرکارِ دو عالم کی اکلوتی بیٹی تھیں اور زینب دام کلثوم اور زینب سرکار کی زینب

تھیں جن کے بانی میں یہ اختلاف ہے کہ یہ جناب خدیجہ کی بیٹیاں تھیں یا جناب خدیجہ باکرہ تھیں اور ان کی بہن ہانہ کی بیٹیاں تھیں جیسا کہ بعض علماء نے ثابت کیا ہے اور اس کے بہت سے دلائل بیان کیے ہیں۔ یہ بات بہر حال طے شدہ ہے کہ رسول اکرم کی بیٹیاں نہیں تھیں اور اس کی واضح ترین دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم کا عقد ۲۵ سال کی عمر میں بعثت سے ۱۵ سال پہلے ہوا ہے اور وہ سال تک کوئی اولاد نہیں ہوئی، اور ان تینوں بیٹیوں کا عقد بعثت سے پہلے ہی عقبہ و عتیقہ فرزند ان کو اور ابوالعاص بن ربیع سے ہو چکا تھا، اور اب یہ بات تقریباً ناممکن اور بیدار قیاس ہے کہ ۱۰ سال کے اندر تینوں بیٹیاں پیدا بھی ہوں اور ان کا عقد بھی ہو جائے جب کہ درمیان میں قاسم اور عبد اللہ کی ولادت کا وقفہ بھی رکھنا پڑے گا۔

پھر اگر کسی صورت سے انھیں دختران پیغمبر فرض بھی کر لیا جائے تو یہ وہ دختران ہیں جن کا عقد کفار سے ہو چکا ہے اور کفار سے عقد ہو جانے کے بعد مسلمان سے عقد نہ اسے مستحق منصب بنا سکتا ہے اور نہ ذوالنورین۔ ذوالنورین ہونے کے لیے لڑکی کا نور ہونا ضروری ہے اور یہ شرف صدیقہ طاہرہ کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہے۔

● پانچ برس کی عمر میں سنہ بعثت میں ۱۰ رمضان المبارک کو جناب خدیجہ کا انتقال ہو گیا جو جناب فاطمہ کی زندگی کا پہلا عظیم صدمہ تھا اور جس کے بعد رسول اکرم کے لیے فراق خدیجہ کا صدمہ اور شدید ہو گیا اور آپ برابر انھیں یاد کرنے لگے اور ان کی طرف سے صدقہ و خیرات نکالنے لگے یہاں تک کہ عائشہ نے ٹوک دیا کہ جوان ازواج کے ہوتے ہوئے بوڑھی زوجہ کے یاد کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں اور آپ نے واضح کر دیا کہ یہ زوجہ کی یاد نہیں ہے۔ یہ خدیجہ کی یاد ہے جو اس وقت ایمان لائیں جب سب کافر تھے، اس وقت میری مالی امداد کی جب اسلام کو مال کی شدید ضرورت تھی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خدا نے مجھے خدیجہ کے ذریعہ اس وقت صاحب اولاد بنایا جب سب اہل بیت کے طعنے دے رہے تھے۔

● وفات جناب خدیجہ کے بعد جناب فاطمہ کا دوسرا امتحان اس وقت ہوا جب قدرت نے

رسول اکرم کو حکم ہجرت دیا اور آپ حضرت علی کو بستر پر لٹا کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے جب کہ گھر دشمنوں اور قاتلوں کے زعفریں گھرا ہوا تھا اور جناب فاطمہ گھر کے اندر موجود تھیں لیکن تمام

رات کسی طرح کے خوف و ہراس کا اظہار نہیں کیا اور نہایت درجہ اطمینان کے ساتھ رات گزار دی بلکہ مدینہ روانگی کے موقع پر بھی ظالموں نے مزاحمت کی اور آپ نے اپنے سکون قلب اور توکل علی اللہ کا مظاہرہ کیا۔

● ہجرت کے بعد اسلام کا پہلا عظیم معرکہ جنگ بدر کی شکل میں پیش آیا جہاں مسلمان انتہائی بے سرو سامانی کے عالم میں تھے اور رسول اکرم کو حکم جہاد مل چکا تھا۔ فطری بات ہے کہ باپ کے ان حالات میں بیٹی کو جہاد سے روکنا چاہیے تھا اور اس شکل میں اپنی محبت کا اظہار کرنا چاہیے تھا لیکن جناب فاطمہ نے دین خدا کے معاملہ میں کسی طرح کی جذباتیت کا مظاہرہ نہیں کیا اور ہمیشہ ایثار و قربانی سے کام لیتی رہیں۔

● جنگ بدر کے خاتمہ کے بعد آپ کا عقد مولائے کائنات سے ہوا، جب کہ آپ کے فضائل و کمالات کا شہرہ من گھڑے بڑے بڑے افراد نے آپ کے عقد کا پیغام دیا تھا اور وحی خدا نے سب کے پیغامات کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ نور کا رشتہ صرف نور سے ہو سکتا ہے۔ یکم ذی الحجہ ۱۰ھ کو یہ عقد عمل میں آیا۔

● امیر المؤمنین کے پیغام پر رسول اکرم نے ہجر کا مطالبہ کیا۔ آپ کے پاس مال دنیا میں ایک تلوار، ایک رہوار اور ایک زرہ تھی۔ آپ نے زرہ کے فروخت کر دینے کا حکم دیا۔ ۵۰۰ درہم میں زرہ فروخت ہوئی اور وہی رقم جناب سیدہ کا ہجر قرار پائی، جس سے روز اول یہ واضح ہو گیا کہ ہجر کی ادائیگی اس قدر اہم مسئلہ ہے کہ اسے عقد سے پہلے ہی ہو جانا چاہیے چاہے اس کی راہ میں بہترین سامان زندگی فروخت کرنا پڑے۔ اور اس طرح اس عصری نظریہ کی واضح تردید ہو گئی کہ ہجر صرف برائے تذکرہ ہوتا ہے اور اس کا ادائیگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، یا سامان زندگی فروخت کرنا ہے تو شادی کے انتظامات کے لیے کیا جائے ہجر کی ادائیگی کے لیے نہیں۔

● ہجر کی رقم لے کر رسول اکرم نے ہجرت کا انتظام کیا جس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہجرت لغت نہیں ہے سنت ہے البتہ اس کا انتظام ہجر کی رقم سے ہونا چاہیے اور ضروریات زندگی کی حد تک محدود رہنا چاہیے۔ ہجر سے زیادہ ہجرت کا مطالبہ کرنا، یا ہجر ادا کیے بغیر ہجرت کا تقاضا

کرنا یقیناً ایک بدعت ہے جسے ظالم از حرکت اور نفاذیت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

جناب سیدہ کے ہجرت کی مکمل تفصیل یہ ہے:

(۱) ایک سفید پیرا بن (۲) ایک چادر (۳) ایک ٹھلاسیا (۴) ایک تخت خواب (۵) دو عدد تو شک (۶) چارتکیے (۷) ایک چٹائی (۸) ایک چکی (۹) ایک کارسی (۱۰) ایک مشک (۱۱) ایک ظرف لباس شوئی (۱۲) ایک کارسی شیر (۱۳) ایک ظرف آنجوری (۱۴) ایک پردہ (۱۵) ایک لوٹا (۱۶) ایک پوست برائے فرش (۱۷) ایک ہوسے بھلی (۱۸) دو مٹی کے پیالے (۱۹) ایک عبا۔

اس سامان کی مجموعی قیمت ۶۳ درہم تھی جب کہ ہجر کی رقم ۵۰۰ یا ۸۰۰ درہم تھی۔ اس تفصیل سے ہجرت کی نوعیت کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے اور ہجر کے مقابل میں اس کی مالیت کا بھی کاش ہمارے بزرگوں نے ہجر کی رقموں اور نام و نمود کے ڈھکوسلوں سے قطع نظر گھر کے سیرت معصومین کو رواج دیا ہوتا تو آج قوم و ملت اس قدر مصائب سے دوچار نہ ہوتی اور مسلمانوں میں ہنگامی شادی سستی بدکاری کا پیش خیمہ نہ بنتی۔

● عقد کے چند دنوں کے بعد رخصتی کا انتظام ہوا، بنی ہاشم کی خواتین، مخصوص اصحاب کرام نے اس جلوس میں حصہ لیا اور نہایت احترام کے ساتھ دختر پیغمبر کو مولائے کائنات کے گھر پہنچا دیا گیا اور اس طرح ایک نئی زندگی کا آغاز ہوا۔

● اس موقع پر انتظامات میں جناب اسما کا ذکر کیا جاتا ہے جب کہ وہ اس وقت جناب جعفر طیار کی زوجہ تھیں اور شہدہ بنت میں ان کے ہمراہ جشہ کی طرف ہجرت کر گئی تھیں اور جعفر طیار کی مکمل واپسی شہدہ میں جنگ خیبر کے بعد ہوئی ہے۔ اس لیے بعض علماء نے اسما بنت عمیس کے بجائے دوسری خاتون کا احتمال دیا ہے اور بعض کا خیال ہے کہ مہاجرین کی مدینہ آمد و رفت جاری تھی اور اسی ذیل میں جناب اسما بھی آگئی ہوں گی جس طرح کہ علامہ مجلسی نے اس موقع پر خود جناب جعفر طیار کی شرکت کا بھی ذکر کیا ہے حالانکہ ان کی باقاعدہ واپسی شہدہ میں ہوئی ہے۔

● دوسرے دن رسول اکرم بیٹی کے گھر تشریف لے آئے اور داماد سے یہ سوال کیا کہ تم نے اپنی زوجہ کو کیسا پایا ہے؟ تو حضرت علی نے عرض کی کہ عبادت خدا میں بہترین مددگار۔ جس سے

داماد اور خسر کی گفتگو کا انداز، رشتہ کی پاکیزگی کا فلسفہ اور زوجہ کی عظمت و جلالت کا راز کھل کر سامنے آ گیا کہ اسلام میں مال و جمال کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اصل ایمان و کردار ہے اور اس میں حضرت علیؑ کے علاوہ کائنات میں کوئی مرد صدیقہ طاہرہ کا مثل و نظیر نہیں ہے۔

● سترہ میں جنگ احد پیش آئی جو جناب فاطمہؑ کی زندگی کا دوسرا امتحان تھا۔ جہاں صورت حال ایسی خراب ہو گئی کہ امیر المومنینؑ نے بھی حفاظت رسولؐ میں سولہ گھرے زخم کھائے اور رسول اکرمؐ کا چہرہ مبارک بھی زخمی ہو گیا۔ لیکن جناب بیٹہ نے کسی خوف ہراس کا مظاہرہ کرنے کے بجائے باپ کی مرہم پٹی بھی کی، شوہر کا علاج بھی کیا اور ذوالفقار حیدرؑ کی صفائی کا فرض بھی انجام دیا جب کہ احد کے حالات نے بڑے بڑے بہادروں کے دماغان خطا کر دیے تھے اور بہادران وقت نے فرار کا راستہ اختیار کرنے کو غنیمت سمجھا تھا۔

● جنگ اجزاب سترہ اور خیبر سترہ کے معرکے بھی جناب بیٹہ کے سامنے پیش آتے رہے اور ہر معرکہ میں حضرت علیؑ جان کی بازی لگاتے رہے لیکن کبھی جناب بیٹہ نے باپ سے یہ نہیں کہا کہ یہ کام آگے تو آپ کی بیٹی کا کیا ہو گا؟ مناسب یہی ہے کہ دوسرے اصحاب کو قربان گاہ کے حوالے کر دیجیے بلکہ برابر اس بات پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا اور اسے اپنے فضائل کی بات میں شمار کیا کہ رب العالمین نے مجھے ایسا شوہر عطا کیا ہے جو راہ خدا کا مجاہد اور اسلام کی خاطر جان قربان کر دینے والا ہے۔ ماں ویسی کہ دین کے لیے سارا مال قربان کر دے۔ باپ ایسا کہ مذہب کے لیے ہر مصیبت برداشت کر لے اور شوہر ایسا کہ اسلام کی بقا اور رسول اکرمؐ کے تحفظ کے لیے ہر معرکہ میں جان کی بازی لگا دے۔ ایں سعادت بزور بازو نیست

● سترہ میں رسول اکرمؐ نے آپ کو فتنہ جیسی کینز عطا فرمائی تو اس کے ساتھ بھی آپ کا بتاؤ یہ رہا کہ گھر کا کام ایک دن فتنہ کرے اور آپ آرام کریں اور ایک دن آپ کریں اور فتنہ آرام کرے تاکہ اسلامی مسادات بھی برقرار رہے اور کینزوں کو کینزی اور ذلت کا احساس بھی نہ ہونے پائے۔

● سترہ مباہلہ میں نصاریٰ بخران کی بے جا ضد پر جب مباہلہ کی نوبت آگئی اور یہ طے ہو گیا کہ فریقین اپنے اپنے گھروالوں کو لے کر میدان میں آکر مباہلہ کریں گے اور لعنت خیل کے

ذریعہ عیسیٰ بن مریم کے بندہ خدا یا فرزند خدا ہونے کا فیصلہ ہو گا، تو رسول اکرمؐ اپنے گھروالوں میں حضرت علیؑ، حضرت حسن و حسینؑ کے علاوہ جناب فاطمہؑ کو بھی میدان مباہلہ میں لے آئے اور اس اہتمام کے ساتھ لے آئے کہ آگے خود رہے اور پیچھے حضرت علیؑ کو رکھا اور درمیان میں جناب فاطمہؑ کو رکھا تاکہ جناب فاطمہؑ کا مکمل پردہ اور ان کی مرکزی شخصیت بھی برقرار رہے اور اسلام کا تقاضا تھا بھی مکمل ہو جائے کہ اسلام میں یہ وہ بلند پایہ صادق افراد ہیں جن کو جھوٹوں پر لعنت کرنے کا حق ہے اور جن کی لعنت پر عذاب الہی نازل ہو سکتا ہے جیسا کہ عالم نصاریٰ نے خود اقرار کیا کہ میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ یہ اگر خدا سے بددعا کر دیں تو روئے زمین پر کوئی ایک بھی عیسائی زندہ جائے گا۔

● سترہ میں رسول اکرمؐ نے ہجرت کے بعد زندگی کا پہلا اور آخری حج انجام دیا جس میں تمام اہل خانہ کو بھی شرکت کی دعوت دی اور حج کی واپسی پر مقام غدیر میں حضرت علیؑ کی مولائیت کا اعلان کیا جو جناب فاطمہؑ کے لیے مستقبل میں امت کو ہوشیار کرنے کا بہترین سامان تھا اور جس سے آپ نے مختلف مقامات پر استدلال بھی فرمایا ہے۔

● سترہ میں ماہ صفر کی ۲۸ تاریخ کو رسول اکرمؐ نے دنیا سے رحلت فرمائی اور اس وقت آپ کا قیام صدیقہ طاہرہ کے گھر میں تھا اور سر آپ کی آغوش میں تھا، ملک الموت نے آواز دی، صدیقہ طاہرہ نے رسول اکرمؐ کو اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا کہ اجازت دے دو۔ یہ ملک الموت کسی کے دروازے پر اجازت نہیں دیتا ہے۔ یہ صرف تمہارے در کا شرف ہے کہ بغیر اجازت اندر نہیں آ رہا ہے۔ رسول اکرمؐ کے انتقال کے بعد صدیقہ طاہرہ نے پہلا انقلاب یہ دیکھا کہ مسلمانوں نے سقیفہ میں جمع ہو کر اس خلافت کا فیصلہ شروع کر دیا جس کا فیصلہ میدان غدیر غم میں ہو چکا تھا اور اس طرح کم سے کم ایک لاکھ چودہ ہزار اصحاب چھوڑ کر جانے والے پیغمبرؐ کے جنازہ میں صرف اٹھالیوں پر گئے جانے والے افراد نے شرکت کی اور صدیقہ طاہرہ نے چند گھنٹوں میں بے زخمی اور بے وفائی کا یہ آغاز بھی دیکھ لیا۔

● خلافت کے فیصلہ کے بعد مسلمانوں نے صدیقہ طاہرہ کے گھر کا رخ کیا اور باپ کے انتقال کی تعزیت پیش کرنے کے بجائے یہ مطالبہ کیا کہ علیؑ کو گھر سے باہر نکالو کہ دربار میں اگر طائفہ وقت

کی بیعت کریں ورنہ گھر میں آگ لگا دی جائے گی۔ اور بعض روایات کی بنا پر دروازہ سے اٹھنا ہو اور ہواں بھی دکھائی دیا۔ جس کے بعد دروازہ صدیقہ طاہرہ کے پہلو سے اقدس پر گرایا گیا، اور آپ کے فرزند محسن نے شکم مادر میں شہادت پائی اور حضرت علیؑ کے گلے میں رسی ڈال کر دربار میں لے گئے کہ ان سے جبری بیعت کا مطالبہ کیا جائے۔ صدیقہ طاہرہ نے فریاد کی کہ میں تمہیں سولہ کو سر پر رکھ کر بد دعا کروں گی جس پر مسجد پیغمبرؐ کی دیواریں بلند ہو گئیں اور حضرت علیؑ نے سلمان کے ذریعہ پیغام بھیج کر خاموش کر دیا۔

بیعت کے مطالبہ کے بعد حکومت وقت نے دوسرا اقدام یہ کیا کہ وہ فدک جو رسول اکرمؐ کا خالصہ تھا اور جسے آپ نے صاحبان قربات کے حق ادا کرنے کے حکم الہی پر جناب فاطمہؑ کو ہبہ کر دیا تھا اس پر قبضہ کر لیا اور آپ کے نمائندہ کو نکال باہر کر دیا۔ آپ اس ظلم پر احتجاج کرنے کے لیے ہاشمی خواتین کے حلقہ میں دربار میں آئیں اور ایک نہایت تفصیلی خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اپنے باپ کے احسانات، اپنے شوہر کے خدمات اور اسلامی تعلیمات کا تذکرہ کرتے ہوئے میراث کی آیتیں پیش کیں تاکہ حبنا کتاب اللہ کہنے والوں کو قرآن سے قائل کیا جاسکے اور ان سے اپنے باپ کی میراث کا تقاضا کیا جاسکے لیکن امت قرآن پر آیات قرآن کا کوئی اثر نہ ہوا تو اپنے حق ہبہ کا تذکرہ فرمایا کہ میرے بابا جان نے اس جائداد کو مجھے ہبہ فرمادیا تھا اور اس پر گواہ بھی پیش کیے جس کے بعد بعض روایات کی بنا پر حاکم وقت نے مطالبہ کو تسلیم کر لیا لیکن حضرت عمرؓ نے مداخلت کی اور اقرار نامہ واپس لے لیا اور آپ اپنے حق سے محروم ہو گئیں۔

اپنے حق فدک سے محرومی، شوہر کے حق خلافت سے محرومی، شکم اقدس میں محسن کی شہادت، پہلو کی شکستگی۔ یہ وہ اسباب تھے جن کی بنا پر دختر پیغمبرؐ باپ کے بعد دنیا میں ۵۷ یا ۹۵ دن سے زیادہ نہ رہ سکیں اور ماہ جمادی الاولیٰ کی تیرہ یا جمادی الثانیہ ۳۵ھ کی تیسری تاریخ کو اس دنیا سے رخصت ہو گئیں جس پر جناب امیرؓ نے یہ مرثیہ پڑھا کہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد زہراؑ کا فراق اس امر کی دلیل ہے کہ دنیا میں کسی بھی چاہنے والے کے لیے بقا نہیں ہے اور سب کو ایک دن رخصت ہو جاتا ہے۔

وقت آخر آپ حجۃ عبادت میں تشریف لے گئیں اور جناب اسما سے فرمایا کہ

جب تک میری تسبیح و تہلیل کی آواز آتی رہے سمجھنا کہ دختر پیغمبرؐ زندہ ہے اور جب یہ آوازیں موقوف ہو جائیں تو سمجھ لینا کہ دختر پیغمبرؐ نے انتقال کیا اور میرے بچوں کا خاص خیال رکھنا۔

● ادھر امیر المومنینؑ کو پاس بٹھا کر وصیتیں فرمائیں کہ میرے جنازہ کو پردہ شب میں اٹھائیے گا اور میرے ظالموں کو شرکت نہ کرنے دیجیے گا۔ میرے بعد امام سے عقد کیجئے گا اور ایک دن میرے بچوں کے ساتھ گزارے گا تاکہ انہیں ماں کی جدائی کا احساس ادیت نہ پہنچائے۔

● بچوں کا بھی اس قدر خیال رکھا کہ اپنے ہاتھوں سے نہ لایا، بالوں میں شان نہ کیا، اکپڑے دھو کر رکھ دیے، کھانا تیار کر دیا تاکہ بچوں کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے اور امیر المومنینؑ کو بھی رحمت نہ ہو جس صورت حال کو دیکھ کر امیر المومنینؑ نے اس غیر معمولی مصروفیت کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ میں نے بابا کو خواب میں دیکھا ہے اور میرا خواب سچا ہے۔ لہذا آج میں بابا کی خدمت میں جا رہی ہوں۔

● امیر المومنینؑ نے حسب وصیت غسل و کفن دیا۔ بچوں نے ماں کو رخصت کیا اور جنازہ رات کی تاریکی میں اس تابوت کے اندر اٹھایا گیا جو آپ نے اپنی زندگی میں تیار کرایا تھا اور اس طرح چند اہل غنا اور غلصین کے درمیان جنازہ دفن کر دیا گیا اور صورت حال کے پیش نظر نشان قبر بھی غیر واضح بنا دیا گیا۔

● دوسرے دن یہ خبر عام ہوئی تو مسلمانوں نے اپنی شرمندگی کا ازالہ کرنے کے لیے دوبارہ قبر کھول کر جنازہ نکال کر نماز جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا جس پر امیر المومنینؑ کو جلال آگیا اور آپ بیخ بکف میدان میں آگئے کہ خبردار! کوئی قبر نہ ہر اس کے ساتھ بے ادبی نہ کرنے پائے اور اس طرح یہ بیعت مثل گئی اور قبر زہراؑ محفوظ رہ گئی، جس کے بعد قبر اطہرہ پر روضہ بھی تعمیر ہوا اور سیکڑوں سال قبر اطہرہ زیارت گاہ خلافت نبوی رہی، یہاں تک کہ ابن سعود کے مظالم نے روضہ کو منہدم کر دیا اور نشان قبر بھی نامعلوم بنا دیا۔ (۸ شوال ۱۳۳۲ھ)

روضہ کے ہندام کے بعد تقریباً ۶۵ سال تک وہ حجرہ برقرار رہا جس میں مصورہ باپ کی وفات کے بعد بیٹے کو ماتم کیا کرتی تھیں لیکن ۱۹۵۷ء میں وہ حجرہ بھی منہدم کر دیا گیا اور اب اس کے آثار بھی تقریباً ختم ہو چکے ہیں۔

وسعلم الذین ظلموا ائمتی منقلب ینقلبون۔

چند مثالی کردار

آپ کی والدہ گرامی ملیکتہ العراب تھیں لیکن آپ نے کبھی راحت آرام، اور زیب و زینت کی زندگی کو پسند نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اپنے کردار کو ایک نونہل عمل بنا کر رکھا۔ آپ کے والد محترم مختار کائنات تھے اور آپ ان کی اکلوتی بیٹی تھیں لیکن آپ نے کبھی اس رشتہ سے فائدہ نہیں اٹھایا اور تمام زندگی ہر طرح کی مصیبت و زحمت برداشت کرتی رہیں۔ آپ کے شوہر امیر المومنین تھے لیکن آپ نے تمام زندگی کسی طرح کی فرمائش نہیں کی اور ہمیشہ شوہر کی خدمت کرنے کے بعد بھی وقت آخر معذرت طلب کی کہ اگر کوئی کوتاہی ہوگی تو معاف فرما دیجیے گا۔

آپ کے فرزند سرداران جوانان جنت تھے اور ان کے لیے لباس جنت اور طعام جنت بھی مہیا تھے لیکن اس کے بعد بھی فاقوں میں زندگی گزار دی یہاں تک کہ روزہ رکھنے کے بعد ماں لفظ یتیم و سگین و اسیر کے حوالے کر دیا جس پر سورہ دہر کی آیات نے مدح سرائی کی۔

آپ کو رب العالمین نے پانچ اولاد عطا کی تھی، امام حسن، امام حسین، جناب زینب، جناب ام کلثوم اور جناب محسن۔ اور آپ نے سب کو راہ خدا میں قربان کر دیا۔ فرزند سب شہید ہوئے اور بیٹیاں راہ خدا میں یوں اسیر ہوئیں کہ تماشائیوں کے مجمع میں درباروں اور بازاروں میں حاضر ہونا پڑا۔

آپ کائنات کی تنہا خاتون ہیں جن کے رشتہ ازدواج میں زوجہ اور شوہر دونوں معصوم تھے اور جس کا رشتہ عرش اعظم پر مہما ہے۔

آپ کائنات کی وہ منفرد خاتون ہیں جن کی ولادت کے لیے سب جنت کا مادہ فراہم کیا گیا ہے۔ آپ کائنات کی وہ بے مثال خاتون ہیں جنہیں دو اماموں کی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا ہے اور جن کی نسل میں امامت قائم رہ گئی ہے۔

آپ وہ ممدوحہ ہیں جن کی مدح سورہ کوثر، آیت تطہیر، آیت مباہلہ اور سورہ دہر جیسے قرآنی آیات و سورتوں میں کی گئی ہے۔

آپ رسول اکرم کی اکلوتی بیٹی ہیں جنہیں ام ایہا کہلانے کا بھی شرف حاصل ہوا ہے اور جنہیں بضعہ الرسول بھی قرار دیا گیا ہے۔

آپ وہ تنہا گواہ ہیں جس نے مباہلہ میں رسالت کی گواہی دی ہے اور مسئلہ فدک کے موقع پر امامت کی گواہی دی ہے۔

آپ وہ اکیلی دختر ہیں جن سے رسول اکرم نے ہر سفر کے موقع پر سب سے آخر میں الوداع کہا ہے اور واپسی پر سب سے پہلے ملاقات کی ہے۔

آپ وہ معصومہ ہیں جن کی ذاتی عصمت کے علاوہ ان کے رشتے بھی معصوم تھے۔ باپ معصوم، شوہر معصوم اور دو فرزند معصوم، اور سب کے تعارف کا ذریعہ بھی آپ ہی کی ذات کو بنایا گیا ہے۔

آپ وہ عبادت گزار ہیں جس کی ناز کے وقت زمین سے آسمان تک ایک نور کا سلسلہ قائم ہو جاتا تھا۔

آپ وہ صاحب سخاوت ہیں جس نے فاقوں میں بھی سائل کو محروم واپس نہیں جانے دیا اور اپنی قناعت سے اپنے شوہر کی سخاوت کا بھرم برقرار رکھا۔

آپ وہ باعفت خاتون ہیں جس کا پردہ تمام زندگی برقرار رہا کہ باپ کے ساتھ نابینا صحابی بھی آگیا تو اسے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دے سکیں اور مرنے کے بعد بھی جنازہ اٹھوانے کے لیے تابوت کا انتظام فرمایا جس سے قد و قامت کا اندازہ نہ ہو سکے۔

آپ وہ صاحب نظر ہیں کہ جب رسول اکرم کے سوال پر کہ عورت کے لیے سب سے بہتر شے کیا ہے؟ کوئی جواب نہ دے سکا تو آپ نے فرمایا کہ عورت کے حق میں سب سے بہتر شے یہ ہے کہ نہ مرد اسے دیکھیں اور نہ وہ مردوں کو دیکھے۔

ذو غلط فہمیاں

بعض مودعین نے آپ کی دختر نیک اختر جناب ام کلثوم کے بارے میں یہ روایت بیان کی ہے کہ ان کا عقد عربین الخطاب سے ہوا تھا اور اس سلسلہ میں ایک داستان بھی بیان

کی ہے۔ حالانکہ یہ واقعہ انتہائی بے بنیاد ہے۔ آپ کی دختر جناب ام کلثوم کا عقد جناب عبداللہ بن جعفر کے بھائی جناب محمد سے ہوا تھا اور آپ واقعہ کربلا میں شریک رہیں اور شام کے قید خانہ سے واپسی پر آپ نے مدینہ کے در و دیوار کو دیکھ کر مرنیہ بھی پڑھا۔

حضرت عمر بن الخطاب کی زوجہ ام کلثوم بنت ابی بکر تھیں جن کی ماں اسماء بنت عمیس تھیں۔ یہ محمد بن ابی بکر کی بہن اور حضرت علیؑ کی ربیبہ تھیں جس کی بنا پر ان کو دخترانِ علیؑ میں شمار کیا گیا ہے۔ جس طرح آپ نے محمد کو ابو بکر کے صلب سے اپنا فرزند قرار دیا ہے۔ ام کلثوم کے ایک فرزند زید بن عمر بن الخطاب تھے جن کا ذکر تاریخوں میں موجود ہے۔

۲۔ معصومہ عالم کے بارے میں ارشاد رسولؐ فاطمہ بضعة منی من آذاھا فقد آذانی کے ذیل میں ایک داستان یہ وضع کی گئی ہے کہ حضرت علیؑ نے ابو جہل کی بیٹی سے عقد کرنا چاہا تو جناب فاطمہؑ نے اس بات کی شکایت رسول اکرمؐ سے کی، اور آپ نے فرمایا کہ فاطمہؑ کو اذیت دینے والا مجھے اذیت دینے والا ہے اور اس طرح روایت کا رخ فاطمہ زہراؑ کے پہلو شکستہ کرنے والوں، ان کی جائداد پر قبضہ کرنے والوں اور انہیں بعد رسولؐ مسلسل اذیت دینے والوں کی طرف سے ہٹا کر حضرت علیؑ کی طرف موڑ دیا گیا۔ حالانکہ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ بات صحیح بھی ہوتی تو اس میں دختر رسولؐ کی اذیت کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ یہ امیر المومنینؑ کا ایک قرآنی حق تھا جسے وہ استعمال کر سکتے تھے۔ اور صدیقہ طاہرہ کو حکم قرآنی پر عمل کرنے سے قطعاً کوئی اذیت نہیں ہو سکتی تھی اور نہ رسول اکرمؐ قرآن کریم پر عمل کرنے پر کوئی احتجاج کر سکتے تھے۔

پھر اگر خود رسول اکرمؐ ابوسفیان کی بیٹی سے عقد کر سکتے ہیں تو دوسرے کو ابو جہل کی بیٹی سے عقد کرنے کو کس طرح روک سکتے ہیں۔

اور اگر خود ایک وقت تو ازدواج کو بیت الشرف میں جگہ دے سکتے ہیں اور کسی زوجہ کی اذیت یا اس کے گھر والوں کی اذیت کا خیال نہیں ہے تو علیؑ کے اقدام کو کس طرح وجہ اذیت قرار دے سکتے ہیں۔

اور پھر کیا علیؑ کے لیے ابو جہل کی بیٹی کے علاوہ عرب میں کوئی خاتون نہیں تھی کہ

مورعین نے اس دشمن اسلام کا سہارا لیا ہے اور محدثین نے داستان کو حدیث کا مقدمہ قرار دے دیا ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ یہ حدیث رسولؐ کے لیے ایک تاویل یا بازیگری ہے ورنہ اس کا کوئی تعلق مسئلہ ازدواج سے نہیں ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح رسول اکرمؐ نے حضرت خدیجہؑ کے ہوتے ہوئے دوسرا عقد نہیں کیا ہے اسی طرح صدیقہ طاہرہؑ کی حیات میں امیر المومنینؑ نے کوئی دوسرا عقد نہیں کیا ہے، اور یہ ماں بیٹی کا ایک تاریخی امتیاز ہے جس میں کوئی دوسری خاتون شریک نہیں ہے۔

خصائص الزہراء

کسی شخص کے خصوصیات و امتیازات کے بارے میں دو طرح سے بحث کی جا سکتی ہے۔ ایک بحث کا انداز یہ ہوتا ہے کہ اس کے امتیازات عام افراد بشر اور بنی نوع انسان کے درمیان کیا ہیں؟ اور وہ دوسرے افراد نوع کے مقابلہ میں کن خصوصیات کا حامل ہے؟ اور ایک بحث کا انداز یہ ہے کہ وہ اپنے جیسے صاحبان فضل و کمال کے درمیان کیا امتیاز رکھتا ہے اور اسے کون سے خصوصیات حاصل ہیں جو دوسرے صاحبان فضل و کمال کو بھی حاصل نہیں ہیں۔

پہلا انداز بحث نسبتاً آسان اور سہل الحصول ہوتا ہے کہ ہر شخص میں عوام الناس کے مقابلہ میں کچھ نہ کچھ خصوصیات و امتیازات بہر حال پیدا ہو جاتے ہیں اور ان خصوصیات کو اس کے وجود کا طرہ امتیاز قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن دوسرا انداز بحث قدرے مشکل ہے کہ صاحبان کمال کے درمیان امتیاز قائم کیا جائے اور ان کے باہمی تفاوت کا اندازہ لگایا جائے۔

یہ بحث اس لیے بھی مشکل ہے کہ ہر انسان امتیازات اور خصوصیات کا مالک بھی نہیں ہوتا ہے اور اس لیے بھی مشکل ہے کہ صاحبان کمال کے درمیان امتیاز قائم کرنا، اور خصوصیات کا شرع لگانا ہر کس و ناکس کے بس کا کام بھی نہیں ہے۔ پھر اگر موضوع ایسے افراد کی زندگی ہو جہاں قدم قدم پر حدادب کا لحاظ رکھنا ضروری ہو، اور حفظ مراتب کے ادنیٰ

نفاقل سے دین و ایمان اور دنیا و آخرت کے خطرہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو سدا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

خاص الزہراء کے موضوع پر بحث کرنے کی سب سے بڑی دشواری یہی ہے کہ صدیقہ طاہرہ کا مقابل عام جینی نوع انسان سے نہیں ہو سکتا ہے اور ان کے سامنے دیگر افراد کا تذکرہ بھی ایک طرح کی توہین کا درجہ رکھتا ہے جس طرح ایک شیر دل خاتون نے حاکم ظالم کے دربار میں یہ کہا تھا کہ یہ میرے اوپر الزام ہے کہ میں مولائے کائنات حضرت علیؑ کو دیگر افراد امت اور حکام اسلام سے افضل قرار دیتی ہوں۔ اس لیے کہ افضلیت کا سوال وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں دونوں طرف فضیلت ہو اور صرف کم و بیش کا فرق ہو۔ لیکن جہاں ایک طرف فضیلت ہی فضیلت ہو اور دوسری طرف فقدان ہی فقدان ہو وہاں افضلیت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

صاحبان فضل و کمال کے درمیان امتیازات کا پتہ لگانا صاحبان فضل و کمال ہی کا کام ہے۔ عام انسانوں کے بس کا کام نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ میرا شمار ان صاحبان فضل و کمال میں نہیں ہے جنہیں اس کام کا اختیار دیا جاسکتا ہو۔ لہذا یہ کام میرے اختیار سے باہر ہے۔

تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر میں نے اس بحث کا آغاز کیوں کیا اور اس طرح کا موضوع کیوں اٹھایا اور مجھے یہ اندازہ کس طرح ہو گیا کہ صاحبان عصمت و فضیلت کے درمیان بھی تفاوت کمالات ہو سکتا ہے اور ان کمالات کے درمیان صدیقہ طاہرہ کے کمالات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔؟

حقیقت امر یہ ہے کہ یہ میرے ذہن کی اوج نہیں ہے۔ اس کا سراغ آیات قرآن اور احادیث مرسلہ عظیم میں موجود ہے اور اسی نکتے نے اس حساس موضوع کے چھیلنے کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ رب العالمین نے قرآن مجید میں صاف لفظوں میں اعلان کر دیا ہے کہ ہم نے مرسلین کے درمیان بھی فضیلت و کمالات کے درجات رکھے ہیں اور ان میں بھی تفاوت مراتب قرار دیا ہے اور سرکارِ دو عالمؐ نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے سردارانِ جوانانِ جنت ہونے کا اعلان کرنے کے بعد بھی فرمایا ہے کہ ان کے پدر بزرگوار ان سے بھی افضل ہیں۔ جو اس بات کی علامت ہے کہ مرسلین کی طرح ائمہ معصومین کے درمیان بھی کسی نہ کسی اعتبار سے امتیاز ضرور پایا جاتا ہے۔

اور اسی بات نے اس امر کی حوصلہ افزائی کی ہے کہ تاریخ بشریت و عصمت میں صدیقہ طاہرہ کے خصوصیات و امتیازات کا پتہ لگایا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کو ان خواتین کے مقابلہ میں کیا امتیازات حاصل ہیں جنہیں امت اسلامیہ نے مبینہ طور پر صاحب کمال قرار دیا ہے اور ان خواتین کے مقابلہ میں کیا خصوصیات حاصل ہیں جو نگاہ قرآن و سنت میں بھی صاحبان فضل و کمال ہیں اور جن کی فضیلت و شرافت کا اعلان آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ نے کیا ہے۔ اور پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ خواتین ہی کی طرح صدیقہ طاہرہ کو صفت رجال کے مقابلہ میں کیا امتیاز حاصل ہے، جس کی بنا پر سرکارِ دو عالمؐ نے فرمادیا ہے کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو میری بیٹی فاطمہؑ کا کوئی ہمسر ہوتا چاہے وہ آدم ہوں یا غیر آدم۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کا موضوع ایک مفصل کتاب کا موضوع ہے۔ اس لیے میں صرف اشارات اور علامات پر اکتفا کروں گا اور تفصیلات کا معاملہ ارباب دانش اور اہل علم کے حوالے کروں گا، تاکہ وہ افراد ملت کو تفصیلات اور تشریحات سے باخبر کر سکیں۔

صدیقہ طاہرہ کے امتیازات کی دو قسمیں ہیں،

ذاتی امتیازات اور اضافی امتیازات۔

اضافی امتیازات کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے کہ کائنات میں کوئی خاتون ایسی نہیں ہے جس کے تمام رشتے اس قدر بلند و برتر ہوں جس قدر بلند و برتر رشتے صدیقہ طاہرہ فاطمہ زہراؑ کے ہیں کہ آپ کا باپ کائنات کے تمام انسانوں سے بالاتر اور آپ کا شوہر امت اسلامیہ کے تمام نامور افراد سے بہتر بلکہ انبیاء و مرسلین سے افضل اور آپ کے فرزند جوانانِ جنت کے سردار اور منصبِ امامت کے مالک ہیں۔

وطن کے اعتبار سے جائے پیدائش مدینہ منورہ اور بیت رسالت۔

خاندان کے اعتبار سے کائنات کا منتخب ترین گھرانہ بنی ہاشم۔

زبان کے اعتبار سے لغت قرآن میں گفتگو کرنے والی۔ جس کی خادمہ منجملہ بالقرآن کا لقب حاصل کرے۔

اور اس طرح کے بے شمار خصوصیات ہیں جو دیگر افراد امت کے مقابلہ میں حاصل ہیں

لیکن یہ اضافی کمالات عام طور سے واقعی کمالات کا درجہ حاصل نہیں کرتے ہیں کہ ان میں انسان کے ذاتی کسبے کتاب سے زیادہ دخل پروردگار کے فضل و کرم کا ہوتا ہے اور اس کے بارے میں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ پروردگار نے اس شخص کو اس فضل و کرم کے قابل سمجھا ہے اور دیگر افراد کو نہیں سمجھا ہے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس شخص نے اپنی صلاحیت و استعداد سے یہ امتیاز حاصل کیا ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ اضافی کمالات ہمیشہ دوسرے انسان کے ہوتے ہیں جن کی نسبت دوسرے انسان کی طرف سے دی جاتی ہے اور ذاتی کمالات خود اپنے ہوتے ہیں چاہے زور بازو سے حاصل کیے جائیں یا وہ بھی کرم پروردگار کا نتیجہ ہوں۔ لیکن بہر حال ان کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہوتا ہے۔

صدیقہ طاہرہ کے ذاتی کمالات و امتیازات کی چند قسمیں ہیں:

ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق جسم عفری سے ہے۔ اور ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق روحانیات اور معنویات سے ہے۔ اور پھر روحانیات و معنویات کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک کا تعلق علمی پہلو سے ہے، اور ایک کا تعلق عملی پہلو سے ہے۔ ذیل میں ان تمام کمالات اور امتیازات کا ہلکا سا نقشہ پیش کیا جا رہا ہے:

جسمانی امتیازات

۱۔ بتول: علماء شیعہ و سنت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مالک کائنات نے جناب طاہرہ کو بتول قرار دیا ہے اور ان تمام عوارض سے الگ رکھا ہے جن میں عام طور سے ہر عورت ہرگز مبتلا ہوا کرتی ہے۔

علمائے اہل سنت میں صاحب ینایع المودت علامہ قندوزی، صاحب مناقب علامہ صالح کشفی، صاحب ارجح المطالب علامہ امرتسری، صاحب تاریخ بغداد حافظ ابو بکر شافعی، صاحب تاریخ کبیر ابن عساکر، صاحب ذخائر العقبیٰ علامہ طبری اور حافظ سیوطی نے خصائص میں اس حقیقت کا تذکرہ کیا ہے جس کے بعد کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے اور نہ اس تشکیک کا کوئی اعتبار ہے کہ یہ ہر عورت کے عورت ہونے کا لازمہ ہے جو اس سے الگ نہیں ہو سکتا ہے۔

یاد رہے کہ یہ خون زمانہ عمل میں پھر کی غذا بن جاتا ہے لہذا اس عادت سے پاک عورت رحمانہ ہو سکتی ہے اور نہ صاحب اولاد۔ اس لیے کہ ان دونوں باتوں کا جواب جناب مریم کی زندگی میں موجود ہے کہ ایک طرف مریم طاہرہ تھیں اور مادی عوارض سے پاک تھیں اور دوسری طرف قدرت نے عام قوانین فطرت سے ہٹ کر انھیں صاحب اولاد بنا دیا تھا جس کا مطلب یہی ہے کہ قانون طبیعت ایک حقیقی قانون ہے لیکن اس کا پابند حائق طبیعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنے مقرر کردہ قوانین میں تبدیلی بھی پیدا کر سکتا ہے۔

علامہ مجلسی نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے اس نکتہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ امیر المؤمنین کے حیات فاطمہ میں عقدا ثانی نہ کرنے کا ایک راز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رب العالمین نے صدیقہ طاہرہ کو تمام عوارض سے پاک رکھا تھا لہذا دوسرے عقدا کا کوئی داعی اور موجب نہیں تھا۔ علاوہ اس کے کہ کوئی عورت صدیقہ طاہرہ کی عظمت اور جنت میں شریک و ہم ہم بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

صدیقہ طاہرہ کو بتول قرار دینے کا ایک اہم سبب یہ بھی تھا کہ عورت ان ایام میں عبادت سے محروم ہو جاتی ہے اور اس کے اعمال میں ایک طرح کا نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ رب العالمین نے یہ پسند نہیں کیا کہ صدیقہ طاہرہ کی عبادت میں کسی طرح کا نقص پیدا ہو اور انھیں کسی زمانے میں بھی عبادت سے محروم رکھا جائے اور اس طرح یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ دنیا کی ہر خاتون نقص عبادت کا شکار ہو سکتی ہے لیکن صدیقہ طاہرہ اس اعتبار سے بھی کامل و اکمل ہیں اور ان کے کردار میں کسی نقص کی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ دوسرے نفلوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عورت کو عام طور سے تین نقائص کا حامل بنایا گیا ہے، نقص ایمان، نقص میراث اور نقص عقل۔ کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہوتی ہے۔ رب العالمین نے صدیقہ طاہرہ کو تینوں نقائص سے پاک رکھا ہے۔ بتول بنا کر نقص ایمان و عبادت سے پاک بنایا۔ تنہا وارث بنیغیر بنا کر نقص میراث سے پایا اور معصوم بنا کر نقص شہادت سے پاک و پاکیزہ بنا دیا اور یہ جامعیت کمالات آپ کے علاوہ کسی اور خاتون کو حاصل نہیں ہو سکتی۔

۲۔ عذراء: صدیقہ طاہرہ کے جسمانی امتیازات میں سے ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ

پروردگار عالم نے انہیں دائمی طور پر عذرا قرار دیا تھا اور ان کی یہ صفت جنت کی ان حوروں سے متشابہ تھی جنہیں "اتراب ابکار" قرار دیا گیا تھا اور اسی اعتبار سے رسول اکرم نے صدیقہ طاہرہ کو حور ادا فیہ کے لفظ سے یاد کیا ہے کہ فاطمہ ظاہری اعتبار سے انسان ہیں لیکن باطنی اعتبار سے حوران جنت کی صفت کی حامل ہیں۔

معنوی کمالات

۱۔ ان کمالات میں سب سے واضح کمال آپ کا محدثہ ہونا ہے کہ آپ ملائکہ سے ہم کلام ہوتی تھیں اور ملائکہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کلام کیا کرتے تھے۔ امر و نہی اور آیات قرآن کی وحی رسول اکرم پر تمام ہو گئی تھی لیکن دیگر معاملات کی وحی اور اس کے الہام کا سلسلہ برابر جاری تھا جس طرح کہ قرآن مجید نے مادر جناب موسیٰ اور جناب مریم کو منزل وحی قرار دیا ہے اور ان کے ملائکہ سے ہم کلام ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔

صدیقہ طاہرہ کے اس محدثہ ہونے کا امتیاز یہ ہے کہ آپ نے ان تمام الہامات کو اس طرح جمع کر لیا کہ ایک صحیفہ تیار ہو گیا جسے صحف فاطمہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس کے بارے میں امام صادق نے فرمایا ہے کہ یہ صحیفہ جمع اور ضخامت کے اعتبار سے اس قرآن کا تین گنا ہے لیکن اس میں قرآن کے مطالب و معارف کی تکرار نہیں ہے بلکہ ان تمام معاملات کا تذکرہ ہے جن کی ضرورت عالم انسانیت کو ہو سکتی ہے اور ان تمام حادثات اور حکومتوں کا تذکرہ ہے جو قیامت تک قائم ہونے والی ہیں۔

اس مقام پر یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ کوئی دوسرا قرآن ہے جس پر کسی قوم یا مذہب نے اعتماد کیا ہے۔ قرآن ایک ہی قرآن ہے جس کا شریک و ہم اہمیت الہام کو قرار دیا گیا ہے۔ یہ ایک صحیفہ ہے جسے لغوی اعتبار سے صحف کہا گیا ہے کہ صحف لغوی اعتبار سے مجموعہ رسائل و کلمات کا نام ہے۔ قرآن مجید کو اصطلاحاً صحف کہا جاتا ہے ورنہ یہ لفظ بالکل عام ہے جس کا اطلاق ہر صحیفہ اور کتاب پر ہو سکتا ہے۔

وحی کا اطلاق بھی قرآن مجید نے مختلف مقامات پر الہام اور القار پر کیا ہے اور

اس کا کوئی اختصاص آیات قرآن یا احکام شریعت سے نہیں ہے۔ اس کا استعمال شہد کی مکھی کے بارے میں بھی ہوا ہے، بشر تو پھر بشر ہے۔ اور پھر اگر بشر بھی خیر البشر ہو، اور اس کا مرتبہ تمام عالم بشریت سے بالاتر ہو۔

۲۔ طہارت: مالک کائنات نے صدیقہ طاہرہ کو تطہیر کا مرکز قرار دیا ہے اور آیت تطہیر کے نزول کے لیے ان کے گھر اور ان کی چادر کا انتخاب کیا ہے جس کا اعتراف بے شمار محدثین اور مفسرین نے کیا ہے اور حدیث کسار میں اس واقعہ کی مفصل تشریح موجود ہے۔

۳۔ صداقت: میدان مہابہ میں رسول اکرم اسلام کے عقائد کی حقانیت، قرآن کی عظمت اور اپنی صداقت کے گواہ لے کر نکلے تو خواتین میں صدیقہ طاہرہ کے علاوہ کوئی نہ تھا، جو اس بات کی علامت ہے کہ مردوں میں چار مرد بیک وقت ایک جیسی صداقت کے حامل ہو سکتے ہیں۔ لیکن صنف خواتین میں صدیقہ طاہرہ کے علاوہ کوئی ایسا نہیں ہے جسے رسالت کا گواہ بنا کر پیش کیا جاسکے۔ اور یہ اس امر کی بھی دلیل ہے کہ صدیقہ طاہرہ تنہا بھی رسالت کی گواہی کے لیے کافی ہیں تو ان سے کسی معاملہ میں گواہی طلب کرنا قرآن مجید سے تغافل یا مقابلہ کے مترادف ہے۔

۴۔ شجاعت: شجاعت کی دو قسمیں ہوتی ہیں: ایک شجاعت کا اظہار قوت قلب و جگر سے ہوتا ہے جو عام طور سے خطرات کی منزل اور میدانوں میں سامنے آتی ہے اور ایک شجاعت کا اظہار زور زبان سے ہوتا ہے جہاں سلطان جابر کے سامنے کلام حق کا اعلان کیا جاتا ہے۔

مالک کائنات نے صدیقہ طاہرہ کو دونوں طرح کی شجاعت سے نوازا تھا۔ قوت قلب و جگر کے اعتبار سے وہ منظر بھی قابل توجہ ہے جب رسول اکرم کا سارا گھر کفار و مشرکین کے زحف میں گھرا ہوا تھا اور آپ ہجرت کر کے مدینہ کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ فائدہ رسالت میں اگر ایک طرف شیر خدا علی مرتضیٰ بستر رسالت پر محو استراحت تھے تو دوسری طرف صدیقہ طاہرہ نہایت ہی کسبی کے عالم اس محاصرہ کا مقابلہ کر رہی تھیں اور

آپ پر کسی طرح کا خوف و ہراس نہیں تھا جب کہ انھیں کفار کے خوف سے بڑے بڑے بہادر افراد حزن و خوف میں مبتلا ہو گئے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔

خود میدان احد میں بھی اس شجاعت کا ایک نظر دیکھنے میں آیا جہاں کفار و مشرکین کے خوف سے سپاہیان اسلام نے میدان چھوڑ دیا تھا۔ لیکن صدیقہ طاہرہ جناب صفیہ کے ہمراہ میدان کی طرف آئیں اور جناب حمزہ کے لاشہ پر گرے بھی کیا اور اپنے باپ کے زخموں کا علاج بھی کیا۔ احد کی جنگ کا نقشہ دیکھنے والے اور قرآن مجید میں اصحاب رسول کے فرار کی داستان پڑھنے والے صدیقہ طاہرہ کی اس قوت قلب و جگر کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں اور انھیں احساس ہو سکتا ہے کہ اس قیامت خیز موقع پر میدان جہاد کی طرف قدم بڑھانا کس ہمت اور طاقت کا کام ہے۔

ادبی شجاعت کے لیے تاریخ صدیقہ طاہرہ کا وہ قیامت خیز موقع ہی کافی ہے، جب رسول اکرم کے بعد اپنے حق کے اثبات کے لیے دربار خلافت میں آئیں اور وہ تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جس نے اہل دربار کے دل بلا دیے اور حاکم وقت کو آنسو بہانے پر مجبور کر دیا تاہم میں اس خطبہ اور اس کے تعلقات کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے اور اس تذکرہ سے اس شجاعت و ہمت کا مکمل اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اس خطبہ میں اسلامی احکام کے علل و اسباب، آیات قرآنی سے استدلال، انصار و ہجوین کی غیرت کو چیلنج، اپنے حق کے اثبات اور عورتوں کے حقوق سے دفاع کے بارے میں جن حقائق و معارف کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کا ہوش بوسکون حالات میں بھی نہیں رہ جاتا ہے چہ جائیکہ ایسے سنگین حالات میں اور ایسے سخت ترین ماحول میں۔ ایسا خطبہ ایک خاتون کی زندگی کا وہ شاہکار ہے جسے مجاہد و کرامت سے کم کا درجہ نہیں دیا جاسکتا ہے۔

تیسرے فاطمہ

اضافی کمالات اور ذاتی مناقب کے بعد اسلام میں صدیقہ طاہرہ کی عطا کا جائزہ لیا جائے تو اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

صدیقہ طاہرہ نے طلب اسلام کو درس تیسرے بھی دیا ہے اور اسلام کو محافظ فرما کر اس کے پیروں کی خدمت کے اعتبار سے آپ کی تیسرے آج بھی ہر ناز کی نگہ اور ہر عبادت کی جان ہے۔ منوی اعتبار سے یہ تکبیر، تحمید اور تیسرے سے مرکب ہے۔ اور نظاہری اعتبار سے بتدریس یہ تیسرے دعا گوں کو کہوں سے بنائی گئی تھی جس کا بعد جب جناح حمزہ کی شہادت واقع ہوئی تو مصور عالم نے ان کی خاک قبر سے تیسرے کے دانے تیار کیے اور اسی ازخول کے اتباع میں امام سجاد نے خاک قبر سید الشہداء سے تیسرے کے دانے تیار کیے جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور اس کے بارے میں یہ روایت بھی ہے کہ خاک شفا خود بھی تیسرے پروردگار کرتی ہوتی ہے چاہے کوئی تیسرے پڑھنے والا ان دافوں پر ذکر عذاب بھی کرے اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے، اگر سورہ جمعہ کے مطابق کائنات کا ہر ذرہ تیسرے پروردگار کر رہا ہے تو جن ذرات میں خون مصوم جذب ہو گیا ہو ان کے تیسرے پروردگار کرنے میں کیا تعجب ہے۔

تیسرے کے بارے میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ دانے ذکر خدا کا ذریعہ ہوتے ہیں ذکر دی ہے جو انسان کی زبان پر ہوتا ہے۔ اس بنا پر پلاٹک کے دافوں کو ذریعہ بنا کر صلوات بھی پڑھی جاسکتی ہے اور خاک شفا کے دافوں کو ذریعہ بنا کر لعنت بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ اس کا کوئی تعلق دافوں سے نہیں ہے۔ دافوں پر صلوات پڑھی جاتی ہے اور لعنت ملنے صرف عدد و شمار کرنے کا ذریعہ ہیں بلکہ خاک شفا کے دانے خود بھی ظالموں پر اسی طرح لعنت کرتے ہیں جس طرح ذکر پروردگار کرتے رہتے ہیں۔

اسلام کو محافظ فرما کر اس میں صدیقہ طاہرہ کی خصوصیت یہ ہے کہ انھیں مالک کائنات نے مصداق کو قرار دیا ہے اور ایک وحدت میں بے پناہ کثرت کو سودیا ہے۔

صدیقہ طاہرہ وہ دختر پیغمبر ہیں جو نسل پیغمبر کی بقا کا ذریعہ ہیں جس کا دنیا میں ہر انسان کی نسل بیٹے کے ذریعہ قائم ہوتی ہے۔ اللہ نے پیغمبر اسلام کی نسل کو بیٹے کے ذریعہ قرار دیا ہے اور پھر اس میں اس قدر برکت دے دی ہے کہ ایک محتاط اندازہ کے مطابق آج دنیا میں تقریباً ۳۵-۴۰ ملین سادات پائے جاتے ہیں جن میں سے تقریباً ۲۰ لاکھ عراق میں، ۳۰ لاکھ ایران میں، ۵۰ لاکھ مصر میں، ۵۰ لاکھ مغرب میں، پھر لاکھوں کی تعداد میں الجزائر، تیونس، اردن، شام، لبنان، سوڈان، خلیج اور سعودی عرب میں۔ پھر تقریباً ۲ کروڑ مین، ہندوستان، پاکستان،

افغانستان، انڈونیشیا وغیرہ میں، جیسا کہ ”فاطمۃ الزہراء“ من المهد الی المهد“ کے مصنف نے تحریر فرمایا ہے۔

مذکورہ بالا بیانات سے صدیقہ طاہرہ کے خصوصیات اور امتیازات کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے، اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صدیقہ طاہرہ کے جن کمالات میں دوسرے افراد شریک ہیں ان میں بھی صدیقہ طاہرہ کو ایک امتیاز حاصل ہے۔

مثال کے طور پر اگر نجسی اعتبار سے بعض خواتین مصوم کی بیٹی یا زوجہ یا ماں ہیں تو صدیقہ طاہرہ ہر اعتبار سے عصمتی رشتہ کی مالک ہیں اور ان کے دو فرزند امام ہیں۔

اگر طہارت کے اعتبار سے مریم بتول ہیں تو صدیقہ طاہرہ زوجہ شیریہ خدا ہونے کے باوجود اور اپنے فرزندوں کی مادی ولادت کے باوجود بتول ہیں۔

اگر بعض خواتین کو ملائکہ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے تو صدیقہ طاہرہ نے ایک پورا مصحف بطور وراثت چھوڑا ہے جو دو چار کلمات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اولین و آخرین کے حالات و کوائف کا مجموعہ ہے۔

اگر صداقت کے اعتبار سے مادر جناب عیسیٰ صدیقہ ہیں تو جناب فاطمہ زہرا صدیقہ کبریٰ ہیں کہ مریم اپنی عصمت میں عیسیٰ کی گواہی کی محتاج تھیں اور صدیقہ طاہرہ نے مہالہ میں رسول اکرم کی صداقت کی گواہی دی ہے۔ اگر شجاعت کے اعتبار سے رسول اکرم اور مولائے کائنات نے مرد ہو کر ہمت و شجاعت کا مظاہرہ کیا ہے تو صدیقہ طاہرہ نے صفت نازک سے تعلق رکھنے کے بعد بھی اسی ہمت و شجاعت کا مظاہرہ کیا ہے۔

ادبی شجاعت میں اگر مولائے کائنات نے مجمع مسلمین میں خطبے دیے ہیں تو صدیقہ طاہرہ نے دشمنوں کے اجتماع میں خطبہ پڑھا ہے، اور وہاں خطبہ پڑھا ہے جہاں مولائے کائنات بیت الشرف میں تھے اور صدیقہ سردار گرم خطاب تھیں اور باطل کو مکمل طور پر بے نقاب کر رہی تھیں صدیقہ طاہرہ کے شرف کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ مہالہ میں رسالت کو ضرورت پڑی تو اس کی گواہی دی اور خلافت میں امامت کو ضرورت پڑی تو اس کی وکالت کا فرض انجام دیا۔ فسلام اللہ علیہما والی ایہما وبعلمہما وبنیہما ورحمة اللہ وبرکاتہ۔

خطبہ فدک

ساری تعریف اللہ کے لیے ہے اس کے انعام پر، اور اس کا شکر ہے اس کے اہام پر۔ وہ قابل ثنا ہے کہ اس نے بے طلب نعمتیں دیں اور مکمل نعمتیں دیں اور مسلسل احسانات کیے جو شمار سے بالاتر۔ معاوضہ سے دور اور ادراک سے بلند ہیں۔ بندوں کو دعوت دی کہ شکر کے ذریعہ نعمتوں میں اضافہ کرائیں، پھر ان نعمتوں کو مکمل کر کے مزید حمد کا مطالبہ کیا اور انہیں دہرا دیا۔

میں شہادت دیتی ہوں کہ خدا وعدہ لا شریک ہے اور اس کلمہ کی اصل اخلاص ہے، اس کے معنی دلوں سے وابستہ ہیں۔ اس کا مفہوم فکر کو روشنی دیتا ہے۔ وہ خدا ہے جس کی انگلیوں سے رویت ازبان سے تعریف اور خیال سے کیفیت محال ہے۔ اس نے چیزوں کو بلا کسی مادے اور نمونے کے پیدا کیا ہے صرف اپنی قدرت اور مشیت کے ذریعہ، اسے تخلیق کے لیے نونہ کی ضرورت تھی، نہ تصویر میں کوئی فائدہ سوائے اس کے کہ اپنی حکمت کو محکم کرے اور لوگ اس کی اطاعت کی طرف متوجہ ہوں قدرت کا اظہار ہو، بندے اس کی بندگی کا اقرار کریں تقاضائے عبادت کرے تو اپنی دعوت کو تقویت دے۔ اس نے اطاعت پر ثواب اور مصیبت پر عذاب رکھا تاکہ لوگ اس کے غضب سے دور ہوں اور جنت کی طرف کھنچ آئیں۔

میں شہادت دیتی ہوں کہ میرے والد حضرت محمد اللہ کے بندے اور وہ رسول ہیں جن کو بھیجنے کے پہلے جٹا گیا اور بعثت سے پہلے منتخب کیا گیا۔ اس وقت جب مخلوقات بردہ غیب میں پوشیدہ اور حجاب عدم میں محفوظ اور انتہاء عدم سے مقرون تھیں آپ مسائل امور اور حوادث مانا اور مقدرات کی مکمل معرفت رکھتے تھے۔ اللہ نے آپ کو بھیجا تاکہ اس کے امر کو تام کریں، حکمت کو جاری کریں اور حتمی مقدرات کو نافذ کریں آپ نے دیکھا کہ امتیں مختلف ادیان میں تقسیم ہیں، آگ

کی پوجا، بتوں کی پرستش اور خدا کے جان بوجھ کر انکار میں مبتلا ہیں۔ آپ نے ظلمتوں کو روشن کیا، دل کی تاریکیوں کو مٹایا، آنکھوں سے پردے اٹھائے، ہدایت کے لیے قیام کیا، لوگوں کو گمراہی سے نکالا، اندھے پن سے با بصیرت بنایا، دین مستحکم اور صراطِ مستقیم کی دعوت دی۔ اس کے بعد اللہ نے انتہائی شفقت، مہربانی اور رغبت کے ساتھ انھیں بلایا، اب وہ اس دنیا کے مصائب سے راحت میں ہیں، ان کے گرد ملائکہ ابرار اور فرشتے الہی ہے اور سرورِ رحمت خدا کا سایہ۔ خدا میرے اس باپ پر رحمت نازل کرے جو اس کا نبی، وحی کا امین، مخلوقات میں منتخب مصلطفی اور تفضلی تھا، اس پر سلام و رحمت و برکت خدا ہو۔

بندگانِ خدا! تم ان کے حکم کا مرکز، ان کے دین و وحی کے حامل، اپنے نفس پر اللہ کے امین اور امتوں تک اس کے پیغام رساں ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ تمہارا اس پر کوئی حق ہے حالانکہ تم میں اس کا وہ عہد موجود ہے جسے اس نے بھیجا ہے اور وہ بقیہ ہے جسے اپنی خلافت دی۔ وہ خدا کی کتابِ مبین، قرآنِ صادق، نورِ صالح، ضیاءِ روشن ہے جس کی بعیرتیں تین اور اسرارِ واضح، ظواہرِ شہود و اتیان قابلِ تکرار، قائم رضاءِ الہی اور سماعتِ ذریعہ نجات ہے۔ اسی سے اللہ کی روشن جہتیں اس کے واضح فرائض ضمنی محررات، روشن بیانات کافی دلائل، مندوب فضائل لازمی تعلیمات اور قابلِ رخصت احکام کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد خدا نے ایمان کو شرک سے تطہیر، نماز کو تکبر سے پاکیزگی، زکوٰۃ کو نفس کی صفائی اور رزق کی زیادتی، روزہ کو خلوص کا استحکام، حج کو دین کی تقویت، عدل کو دلوں کی تنظیم، ہماری اطاعت کو ملت کا نظام، ہماری امامت کو تفرقہ سے امان، جہاد کو اسلام کی عزت، صبر کو طلبِ اجر کا معاون، امر بالمعروف کو عوام کی مصلحت، والدین کے ساتھ حسن سلوک کو عذاب سے تحفظ، اہل عیال کی کفالت کی زیادتی، تھام کو خون کی حفاظت، ایثار و نذر کو مغفرت کا وسیلہ، ناپ تول کو فریب ہی کا قوت، حرم شرابِ خوری کو جس سے پاکیزگی، اہمت سے پرہیز کو لعنت سے محافظت، ترکِ مرتکب کو عفت کا سبب قرار دیا، شرک کو حرام کیا تاکہ ربوبیت سے اغلاص پیدا ہو۔ لہذا اللہ سے باقاعدہ ڈرو اور بغیر مسلمان ہونے نہ مرو، اس کے امر و نہی کی اطاعت کرو اس لیے کہ اس کے بندوں میں خوب خدا رکھنے والے صرف صاحبانِ علم و معرفت ہیں۔

لوگو! یہ جان لو کہ میں فاطمہ ہوں، اور میرے باپ محمد مصطفیٰ ہیں۔ یہی اول و آخر کہتی ہوں اور نہ غلط کہتی ہوں اور نہ بے ربط۔ وہ تمہارے پاس رسول بن کر آئے ان پر تمہاری زمیں شاق تھیں، تمہاری بھلائی کے خواہاں اور صاحبانِ ایمان کے لیے رحیم و مہربان تھے۔ اگر تم انہیں اور ان کی نسبت کو دیکھو تو تمام عورتوں میں صرف میرا باپ، اور تمام مردوں میں صرف میرے ابنِ عم کا بھائی پاؤ گے، اور اس نسبت کا کیا کہنا؟

میرے پدر بزرگوار نے کھل کر پیغامِ خدا کو پہنچایا، مشرکین سے بے پروا ہو کر ان کی گردنوں کو پکڑ کر اور ان کے سرداروں کو مار کر دینِ خدا کی طرف مکت اور موغظ حزن کے ساتھ دعوت دی، تمہوں کو توڑ رہے تھے اور مشرکین کے سرداروں کو سرنگوں کر رہے تھے یہاں تک کہ مشرکین کو شکست ہوئی، وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ رات کی صبح ہو گئی، حق کی روشنی ظاہر ہو گئی، دین کا سد دار گویا ہو گیا، شیاطین کے ناطقے کنگ ہو گئے، نفاق تباہ ہوا، کفر و افتراء کی گریں کھل گئیں اور تم لوگوں نے کلمہِ اخلاص کو ان روشن چہرہ فادکش لوگوں سے سیکھ لیا، جن سے اللہ نے جن کو دور رکھا ہے اور حق طہارت عطا کیا ہے۔ تم جہنم کے کنارے تھے میرے باپ نے تمہیں بچایا، تم ہر لالچی کے لیے مالِ خیمت اور ہرزو دکار کے لیے چنگاری تھے، ہر پیر کے نیچے پامال تھے، گندہ پانی پیتے تھے پتے جاتے تھے، ذلیل اور پست تھے۔ ہر وقت چار طرف سے حملے کا اندیشہ تھا لیکن خدا نے میرے باپ کے ذریعہ تمہیں ان تمام مصیبتوں سے بچالیا۔

خیران تمام باتوں کے بعد بھی جب عرب کے نامور سرکش بہادر اور اہل کتاب کے باغی افراد نے جنگ کی آگ بھڑکائی تو خدا نے اسے بچھادیا یا شیطان نے سینک نکالی یا مشرکوں نے منہ کھولا تو میرے باپ نے اپنے بھائی کو ان کے حلق میں ڈال دیا، وہ اس وقت تک نہیں پلٹے جب تک ان کے کاؤں کو کچل نہیں دیا اور ان کے شعلوں کو آبِ شمشیر سے بجھا نہیں دیا۔ وہ اللہ کے معاملہ میں زحمت کش اور جدوجہد کرنے والے تھے اور تم عیش کی زندگی آرام سکون چین کے ساتھ گزار رہے تھے، ہماری مصیبتوں کے منتظر اور ہماری خبر بد کے خواہاں تھے۔ تم لڑائی سے منہ موڑتے تھے اور میدانِ جنگ سے بھاگ جاتے تھے۔ پھر جب اللہ نے اپنے نبی کے لیے انبیاء کے گمراہ اور اصغیاء کی منزل کو پسند کر لیا تو تم میں نفاق کی روشنی ظاہر ہو گئی، چار دین کھنڈ ہو گئی، گمراہی

کامنا دی بولنے لگا۔ گناہ منظر عام پر آگئے، اہل باطل کے دودھ کی دھاریں بہہ بہہ کر تھامے صحن میں آگئیں، شیطان نے سرنکال کر تھیں آواز دی تو تمہیں اپنی دعوت کا قبول کرنے والا اور اپنی بارگاہ میں عزت کا طالب پایا تمہیں اٹھایا تو تم ہلکے دکھائی دیے، بھڑکایا تو غصہ و رنات ہوئے۔ تم نے دوسرے کے اونٹ پر نشان لگا دیا اور دوسرے کے چشمہ پر وار د ہو گئے حالانکہ ابھی زمانہ قریب کا ہے اور زخم کشادہ ہے جراثیم مندمل نہیں ہوئی اور رسولِ قریب میں سو بھی نہیں سکے۔ یہ جلدی تم نے فتنہ کے خون سے کی حالانکہ فتنہ ہی میں گرے اور چشمہ تو تمام کفار کو محیط ہے۔

انفوس تم پر تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم کہاں جا رہے ہو؟ تمہارے درمیان کتابِ خدا موجود ہے جس کے امور واضح، علائم روشن، مانعیت تابندہ، اوامر نمایاں ہیں تم نے اسے پس پشت ڈال دیا۔ کیا اس سے انحراف کے خواہاں ہو؟ یا کوئی دوسرا حکم ہے تو بہت برا بدل ہے اور جو غیر اسلام کو دین بنائے گا اس سے وہ قبول بھی نہ ہوگا اور آخرت میں خسارہ بھی ہوگا۔

اس کے بعد تم نے صرغ اتنا انتظار کیا کہ اس کی نفرت ساکن اور ہمارے ڈھیلے ہو جاوے پھر آتش جنگ کو روشن کر کے شعلوں کو بھڑکانے لگے۔ شیطان کی آواز پر ٹیک کھینے اور دین کے افراد کو خاموش کرنے اور سنت پیغمبر کو ربا د کرنے کی کوشش شروع کر دی، بالائی جہاد میں اپنی سیری بھینٹے ہو اور رسول کے اہل و اہلیت کے لیے پوشیدہ ضرر رسانی کرتے ہو، ہم تمہارے حرکات پر یوں صبر کرتے ہیں جیسے پھری کی کاٹ اور نیزے کے زخم پر۔ تمہارا خیال ہے کہ میرا میراث میں حق نہیں ہے کیا جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہو، جب کہ ایمان والوں کے لیے اللہ سے بہتر کوئی حاکم نہیں ہے۔

تمہارے لیے ہر نیم روز کی طرح روشن ہے کہ میں اسی نبی کی بیٹی ہوں۔ اسے ابو بکرؓ کیا ہے ان کی میراث نہ ملے گی؟ کیا قرآن میں یہی ہے کہ تو اپنے باپ کا وارث بنے اور میں اپنے باپ کی وارث نہ ہوں۔ یہ کیسا افترا ہے؟ کیا تم نے قصداً کتابِ خدا کو پس پشت ڈال دیا؟ جب کہ اس میں سلیمان کے وارث داؤد ہونے کا ذکر ہے اور حضرت زکریا کی یہ دعا ہے کہ خدا یا مجھے ایسا دے کہ میں جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہوں اور یہ اعلان ہے کہ قرابت دار بعض بعض سے اونٹنی ہیں اور یہ ارشاد ہے کہ خدا اولاد کے بارے میں تم کو یہ نصیحت کرتا ہے کہ لڑکے کو لڑکی کا دو گنا ملے اور یہ تعلیم ہے کہ مرنے والا اپنے والدین اور اقربا کے لیے وصیت کرے یہ متعین کی ذمہ داری ہے۔ اور تمہارا

خیال ہے کہ ذمیرا کوئی حق ہے نہ میرے باپ کی میراث ہے نہ میری کوئی قرابت داری ہے۔ کیا تم پر کوئی خاص آیت آئی ہے جس میں میرا باپ شامل نہیں ہے؟ یا تمہارا کہنا ہے کہ میں اپنے باپ کے مذہب سے الگ ہوں اس لیے وارث نہیں۔ کیا تم عام و خاص قرآن کو میرے باپ اور میرے ابن عم سے زیادہ جانتے ہو۔ خیر ہوشیار ہو جاؤ! آج تمہارے سامنے وہ ستم دیدہ ہے جو کل تم سے قیامت میں ملے گی جب اللہ حاکم، محمدؐ طالبِ حق ہوں گے موعد قیامت کا ہوگا۔ ندامت کام نہ آئے گی اور ہر چیز کا اک وقت مقرر ہے بغیر تمہیں معلوم ہوگا کہ کس کے پاس رسوا کن عذاب آتا ہے اور کس پر مصیبت نازل ہوتی ہے۔

(اس کے بعد آپ انصار کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا،) اسے جو اہل مردگروہ اہل قوت کے قوت بازو! اسلام کے انصار! یہ میرے حق میں چشم پوشی اور میری ہمدردی سے غفلت کئی ہے؟ کیا وہ رسول میرے باپ نہ تھے جنہوں نے یہ کہا تھا کہ انسان کا تحفظ اس کی اولاد میں ہوتا ہے۔ تم نے بہت جلدی خوف زدہ ہو کر یہ اقدام کیا حالانکہ تم میں وہ حق والوں کی طاقت تھی جس کے لیے میں حیران و پریشان ہوں۔ کیا تمہارا یہ پیمانہ کہ رسول کا انتقال ہو گیا تو بہت بڑا حادثہ رونما ہوا جس کا رخنہ وسیع، شکاف کشادہ۔ اتصال شگافہ ہے، زمین ان کی نصیب سے تاریک، ستارے بے نور، امیریں ساکن، پہاڑ سرنگوں، حرم زائل اور حرمت برباد ہو گئی ہے۔ یقیناً یہ بہت بڑا حادثہ اور بڑی عظیم مصیبت ہے، نہ ایسا کوئی حادثہ ہے اور نہ سانحہ خود قرآن نے تمہارے گھروں میں صبح و شام برآواز بلند تلاوت والحق کے ساتھ اعلان کر دیا تھا کہ اس کے پہلے جو کچھ دوسرے انبیاء پر گذرا وہ اہل علم اور حتمی تقاضا تھی اور یہ بھی ایک رسول ہیں جنہیں موت آئے گی تو کیا تم ان کے بعد اٹنے پاؤں پلٹ جاؤ گے؟ ظاہر ہے کہ اس سے اللہ کا کوئی نقصان نہ ہوگا، اور وہ اہل مشرک کو جزا دے کر رہے گا۔

ہاں اسے انصار! کیا تمہارے دیکھتے سنتے اور تمہارے مجمع میں میری میراث ہضم ہو جائے؟ تم تک میری آواز بھی پہنچی تم باخبر بھی ہو۔ تمہارے پاس اشخاص، اسباب، آلات، قوت، اسلحہ اور سپر سب کچھ موجود ہے۔ لیکن تم نہ میری آواز پر ٹیک دیتے ہو، اور نہ میری فریاد کو پہنچتے ہو، تم تو مجاہد مشہور ہو، خیر و صلاح کے ساتھ معروف ہو، منتخب روزگار اور سرآمد زمانہ ہو۔ تم نے عرب

سے جنگ میں رنج و تعب اٹھایا ہے، امتوں سے ٹکرائے ہو، لشکروں کا مقابلہ کیا ہے۔ ابھی ہم دونوں اسی جگہ ہیں جہاں ہم حکم دیتے تھے اور تم مانتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمارے دم سے اسلام کی چکی چلنے لگی۔ زمانہ کا دودھ نکال لیا گیا، شرک کے نعرے پست ہوئے، افراء کے فوارے دب گئے، کفر کی آگ بجھ گئی، فتنہ کی دعوت خاموش ہو گئی، دین کا نظام مستحکم ہو گیا، تو اب تم اس وضاحت کے بعد کہاں چلے اور اس اعلان کے بعد کیوں پردہ پوشی کی آگے بڑھ کے قدم کیوں پیچھے ہٹائے؟ ایمان کے بعد کیوں مشرک ہوئے جاتے ہو؟ کیا اس قوم سے جنگ نہ کرو گے جس نے اپنے عہد کو توڑا اور رسول کو نکالنے کی فکر کی۔ اور پہلے تم سے مقابلہ کیا۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو جب کہ خوف کا سخی صرف خدا ہے۔ اگر تم ایمان دار ہو۔ خبردار! میں دیکھ رہی ہوں کہ تم دائمی پستی میں گر گئے اور تم نے بہت دکشاد کے صحیح حق دار کو دور کر دیا، آرام طلب ہو گئے اور تنگی سے وسعت میں آ گئے۔ جو سنا تھا اسے پھینک دیا اور جو بادلِ خواستہ نکل لیا تھا اسے اگل دیا۔ خیر تم کیا اگر ساری دنیا بھی کافر ہو جائے تو اللہ کو کسی کی پرواہ نہیں ہے۔

خیر مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکی، تمہاری بے رخی اور بے وفائی کو جانتے ہوئے جس کو تم لوگوں نے شکار بنا لیا ہے۔ لیکن یہ تو ایک دل گرفتگی کا نتیجہ اور غضب کا اظہار ہے، ٹوٹے ہوئے دل کی آواز ہے، اک اتامِ حجت ہے، چاہو تو اسے ذخیرہ کر لو۔ مگر یہ پیچھے کا ذخیرہ ہے، پیروں کا گھاؤ ہے، ذلت کی بقا اور غضبِ خدا اور ملامتِ دائمی سے سووم ہے اور اللہ کی اس بھر پائی آگ سے متصل جو دلوں پر روشن ہوتی ہے خدا تمہارے کرتوت دیکھ رہا ہے اور عنقریب ظالموں کو معلوم ہوگا کہ وہ کیسے پلٹائے جائیں گے۔ میں تمہارے اس رسول کی بیٹی ہوں جس نے عذابِ شدید سے ڈرا ہے، اب تم بھی عمل کرو میں بھی عمل کرتی ہوں، تم بھی انتظار کرو اور میں بھی وقت کا انتظار کر رہی ہوں۔

حدیث کسا

حدیث کسا وہ بابرکت تذکرہ ہے جو حدیث بھی ہے اور بیان واقعہ بھی، باعثِ برکت بھی ہے اور موجبِ رحمت بھی۔ بیان فضائل بھی ہے اور سببِ سعادت بھی۔ صاحبانِ ایمان میں کون سا انسان ہے جو اس حدیث مبارک کے الفاظ یا معانی سے باخبر نہ ہو، بیماروں کو شفا دینے والی یہی حدیث ہے، حاجت مندوں کی حاجت پوری کرنے کا ذریعہ یہی حدیث ہے، مشکلات میں گرفتار بے سہارا افراد کو سہارا دینے والی یہی حدیث ہے۔ جیسا کہ خود اس کے اندر بھی اس حقیقت کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ اس کی تلاوت سے رحمتِ خدا نازل ہوتی ہے اور ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور عواطف ہوجاتے ہیں۔ صاحبِ بصیرت کے سامنے پڑھی جائے تو کائناتِ حال حاصل ہوتی ہے، صاحبِ حاجت کے سامنے تلاوت کی جائے تو حاجتیں پوری ہوتی ہیں، اور سیکڑوں سال کا جاہل ایمان اس کے برکات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور کیوں نہ ہوتا۔ تذکرہ صاحبانِ عصمت و طہارت کا ہے، بیان صدیقہ ظاہرہ کا ہے، تفسیرِ قرآنِ حکیم کی ہے، واقعہ انوارِ الہی کے اجتماع کا ہے، حیرت و حشر سا گنانِ عرض کی ہے اور عظمت و فضیلت خیر البشر اور ان کی ذریتِ طیبہ کی ہے پھر ان خصوصیات کے ہوتے ہوئے برکت و سعادت و رحمت کا نزول نہ ہوگا تو کب ہوگا۔

سند کے اعتبار سے حدیث کسا نہایت درجہ معتبر ہے جس کی سند کو بحریں کے جلیل القدر عالم الشیخ عبداللہ البحرانی نے اپنی کتاب عوالیہ میں نقل کیا ہے اور اسے شیخ جلیل السید ہاشم البحرانی کے قلم سے لکھا ہوا دیکھا ہے۔ انھوں نے اپنے شیخ الحدیث السید ماجد بحرانی، انھوں نے اپنے شیخ حسن بن زین الدین، انھوں نے اپنے شیخ مقدس اردبیلی، انھوں نے اپنے شیخ علی بن عبد العالی الکرکی، انھوں نے علی بن ہلال الجوزی، انھوں نے احمد بن عبد الحلیم، انھوں نے علی بن غازی المالکی، انھوں نے شیخ ضیاء الدین علی بن الشہید الاول، انھوں نے شہید اول، انھوں نے فخر الحقین، انھوں نے

اپنے پدر بزرگوار علامہ حسلیؒ، انھوں نے اپنے بزرگ محقق علیؒ، انھوں نے اپنے بزرگ ابن تہا
 علیؒ، انھوں نے اپنے شیخ محمد بن ادریس علیؒ، انھوں نے ابن حمزہ طوسی صاحب ثاقب المناقب، انھوں
 نے علامہ محمد بن شہر آشوبؒ، انھوں نے علامہ طبری صاحب احتجاج، انھوں نے شیخ جلیل حسن بن محمد بن
 الحسن الطوسی، انھوں نے اپنے پدر بزرگوار شیخ الطائفیؒ، انھوں نے اپنے استاد شیخ مفیدؒ، انھوں نے
 اپنے شیخ ابن قولویہ قمیؒ، انھوں نے شیخ کلینیؒ، انھوں نے علی بن ابراہیمؒ، انھوں نے ابراہیم بن ہاشم
 انھوں نے احمد بن محمد بن ابی نصر البزنطیؒ، انھوں نے قاسم بن یحییٰ الجلیؒ، الکوئی، انھوں نے ابو بصیرؒ
 انھوں نے ابان بن تغلبؒ، انھوں نے جابر بن یزید اور انھوں نے جابر بن عبد اللہ الانصاریؒ
 سے نقل کیا ہے کہ میں نے صدیقہ طاہرہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ.....

بعض حضرات نے اس سند سے ناواقفیت کی بنا پر روایت کے آغاز میں لفظ زوی عن
 فاطمة الزهراءؑ کو ذکر کیا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے، اس کا راوی معلوم نہیں ہے
 اور کسی مجہول صیغہ سے شروع ہونے والی روایت کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ حالانکہ ایسا ہرگز
 نہیں ہے۔ زوی بطور اختصار یا بطور احترام استعمال ہوا ہے ورنہ روایت کی ایک مسلسل سند
 موجود ہے اور اس میں ایک سے ایک جلیل القدر، مستند اور معتبر عالم کا نام آتا ہے جس کے بعد
 کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے۔

اس حدیث کا ایک نسخہ علامہ الشیخ محمد تقی بن محمد باقر زدی بافتی نے اپنے رسالہ میں
 درج کیا ہے جس کو انھوں نے عوام سے براہ راست نقل کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ یہ حدیث کتاب
 عوام میں موجود ہے جس کی ۷۰ سے زیادہ جلدیں ہیں اور زدی میں حجۃ الاسلام آقای مرزا سلیمان
 کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ گیارہویں جلد صدیقہ طاہرہ کے حالات میں ہے اور اسی میں یہ حدیث
 شریف پائی جاتی ہے۔

علامہ الشیخ محمد اہدوقی الیزدی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مبارک عوام کے حاشیہ پر درج کی گئی
 ہے۔ لیکن اصل کتاب میں بہر حال موجود ہے۔

دوسرا نسخہ علامہ جلیل الشیخ فخر الدین محمد الطبری صاحب مجمع البحرین کا ہے جو عام طور سے
 ہمارے ملکوں میں رائج ہے اور دونوں میں اس جہت سے نمایاں فرق ہے کہ اس نسخہ میں سلام

کے ساتھ جواب درج نہیں ہے جب کہ عوام کے نسخہ میں سلام اور جواب سلام دونوں موجود ہیں۔
 اس کے علاوہ عوام کے نسخہ میں کچھ اور بھی اضافات ہیں جن کا ذکر منتخب طبری کے نسخہ
 میں نہیں ہے۔

علامہ دہلیؒ نے بھی اس حدیث کو اپنی کتاب الخضر و المدر میں نقل کیا ہے اور علامہ
 الشیخ محمد جواد الرازی نے بھی اس کا تذکرہ اپنی کتاب نور الآفاق میں کیا ہے اور ان کے بیان
 سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حدیث عوام کی گیارہویں جلد میں بھی ہے اور تیرہویں جلد میں بھی ہے۔
 بہر حال عبارتوں کے اختلاف کے سلسلہ میں چند خصوصیات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے
 تاکہ صاحبان تحقیق ان نکات سے استفادہ کر سکیں اور مومنین کو اپنے افادات سے مستفید کر سکیں۔

۱۔ عوام کے نسخہ میں پیغمبر اکرمؐ کی طرف سے ہر جا در میں آنے والے کے سلام کا جواب بھی
 مذکور ہے جو قوانین اسلام کے عین مطابق ہے۔ اور جن نسخوں میں جواب سلام نہیں ہے ان کی بنا
 صرف اختصار پر ہے، یا ان علماء نے اس سلام کو سلام تجہ نہیں قرار دیا ہے جس کا جواب واجب بتا ہے۔
 ۲۔ عوام کے نسخہ میں سرکار دو عالمؐ نے ہر سلام کا جواب دیتے ہوئے بحسب قوانین اسلام
 بعض اضافات بھی فرمائے ہیں۔ مثلاً امام حسنؑ کے لیے ولدی و صاحب حوضی امام حسینؑ کے
 لیے ولدی و شافع امتی کہا ہے۔ امیر المومنینؑ کو "خلیفہ فی و صاحب لوائی" فرمایا ہے جن
 خصوصیات پر صاحبان معرفت بہترین روشنی ڈال سکتے ہیں۔

۳۔ عوام کے نسخہ میں سب کے اجتماع کے بعد سرکار دو عالمؐ کے یہ فقرات بھی درج ہیں کہ:
 "پروردگار! یہ میرے طبیعت اور خصوصیت ہیں۔ ان کا گوشت میرا گوشت ہے، ان کا خون میرا خون ہے
 جو انھیں تکلیف پہنچاتا ہے اس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے، اور جو انھیں رنج دیتا ہے اس سے میں بخیرہ
 ہوجاتا ہوں، جو ان سے جنگ کرتا ہے اس سے میری جنگ ہے، اور جو ان سے صلح کرتا ہے اس سے
 میری صلح ہے، جو ان کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے، اور جو ان کا دوست ہے وہ میرا دوست ہے، یہ
 مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ پروردگار! اپنی صلوات و رحمت و برکت و مغفرت و درخشاہی
 اور ان کے شامل حال کر دے، اور ان سے ہر جس کو دور رکھ اور ان کی طہارت کا اعلان فرمائے۔"
 یہ الفاظ عام رائج نسخہ میں نہیں ہیں جب کہ ان میں فضائل و کمالات کا ایک پورا سلسلہ پایا جاتا ہے

۴۔ عوام کے نسو میں خلک کے ساتھ تسریٰ مذکور ہے جب کہ رائج نسو میں بسریٰ اور تسریٰ دونوں نقل کیے جاتے ہیں۔ لفظ فُلک واحد بھی ہے اور جمع بھی ہے۔

۵۔ آخر حدیث میں عوام کے نسو میں پیغمبر اکرم کے دونوں بیانات کے بعد "وَرَبِّ الْمَكْبَةِ" کا ذکر ہے، جب کہ رائج نسو میں یہ لفظ ایک ہی مرتبہ ذکر ہوا ہے۔

حدیث کسا میں منویٰ اعتبار سے فضائل آل محمد کے ایسے گوشے پائے جاتے ہیں کہ انسان ان کی منویت پر غور کرتا رہے اور وجد کرتا رہے اور کلام مصومہ کی بلاغت پر مجھوتا رہے۔ اس حقیقت کے بعض گوشوں کی طرف ابتداء میں اشارہ کیا جا چکا ہے اور بعض کی طرف اب اشارہ کیا جا رہا ہے:

مرسل اعظم نے بیماری کا ذکر نہیں کیا بلکہ ضعف کا ذکر کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ ضعف کا علاج بیماری کے علاج سے مختلف ہوا کرتا ہے۔

مرسل اعظم کے ضعف کا تعلق بدن سے ہے جسم سے نہیں ہے اور اس میں ایک بلیغ فرق پایا جاتا ہے کہ جسم میں سر شامل ہوتا ہے۔ لیکن بدن سر کے علاوہ باقی جسم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ضعف کا تعلق سر اور دماغ سے نہیں ہو سکتا ہے۔

اہلبیت کو نبوت کے لیے اہل بیت اور رسالت کے لیے معون قرار دیا گیا ہے جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ نبی کے اہلبیت نہیں ہیں بلکہ نبوت کے گھر والے ہیں، اور پیغام الہی ہم کو انہیں کے ذریعہ حاصل ہو گیا اجتماع میں شیعہ اور مجب دونوں لفظ استعمال ہوئے ہیں جن کا فرق عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے خوب واضح ہو جاتا ہے۔

کامیابی کے اعلان میں رب کعبہ کی قسم کا ذکر کیا گیا ہے، جس کی مثال مولائے کائنات کے آخری لمحات میں بھی پائی جاتی ہے۔

آخر کلام میں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ "اِذَا وَجَمَعَهُ بِلَالاً" میں لفظ "اِذَا" ہے اِذَا نہیں ہے۔ اِذَا کا استعمال حدیث کے بالکل آخر میں ہوا ہے جس کے فرق کو صاحبان معرفت ادب باقاعدہ طور پر محسوس کر سکتے ہیں۔

اللهم اجعلنا منهم واحشنا مع محمد وآله الطاهرين۔

آیت تطہیر

صاحبان انصاف کے لیے اس امر میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ آیت تطہیر اہلبیت اطہار (چہنم پاک)، کی شان میں ان کی طہارت و عصمت کے اعلان کے لیے نازل ہوئی ہے، اور آیت کریمہ میں ان حضراتِ نجر کے علاوہ کسی دوسری فرد کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کا تعلق نہ ازواج پیغمبر سے ہے اور نہ اصحاب رسول سے۔ علماء شیعہ اور علماء اہل سنت دونوں اس حقیقت پر متفق ہیں اور بعض متعصبین کے علاوہ کوئی اس حقیقت کا انکار نہیں ہے بلکہ بعض علماء اہل سنت نے تو اس آیت کے ذیل میں ایسے حقائق و معارف کا تذکرہ کیا ہے کہ آنکھیں کھل جاتی ہیں اور یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ عرفان حق کسی فرد یا جماعت کی میراث نہیں ہے اللہ جسے بھی توفیق دیدے اور انصاف جس کے بھی شامل حال ہو جائے، وہ حقائق سے باخبر ہو سکتا ہے اور پھر ان معارف کی نشان دہی کر سکتا ہے۔

ذیل میں علماء اسلام کے انہیں جلیل القدر علماء میں سے دو ایک کے افادات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ بیسویں صدی کے عظیم محققین میں ایک شخصیت علامہ الید علوی الحداد العلوی الحضرمی الجبالی الشافعی کی ہے جنہوں نے ایک عظیم کتاب "القول الفصل فیما لبني هاشم وقریش من الفضل" تحریر کی ہے اور اس میں فضائل اہلبیت کے ایسے ایسے گوشے بیان کیے ہیں کہ انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے اور اس کے بعد عالم اسلام میں ہونے والی بددیانتی، ناانصافی اور بے دینی کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ علماء اسلام نے کس طرح روایات کو اپنی مرضی کے مطابق معتبر و غیر معتبر قرار دیا ہے اور کس طرح فضائل اہلبیت کی پردہ پوشی کی ناکام کوشش کی ہے۔

علامہ موصوف اپنی کتاب کے جلد دوم ص ۱۶۲ پر بعض متعصب افراد کا جواب دیتے ہوئے فرم فرماتے ہیں کہ حدیث کسا، بالکل صحیح ہے اور زول آیت تطہیر کا تذکرہ صحیح مسلم، صحیح ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن حاکم، سنن بیہقی میں پایا جاتا ہے اور ابن حبان، صاحب عم کیبیر وطبری، نسائی، تفسیر ابن کثیر،

ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن مردودہ، خلیب، ابن ابی شیبہ، طرابلسی وغیرہ نے بھی اس حدیث کا استخراج کیا ہے۔

اس کو صحیح قرار دینے والوں میں مسلم، ابن ابی حاتم، صالح بن محمد سعدی، ابن شاذان، حافظ ابوجہن صالح مصری، حاکم، بیہقی، حافظ ابن حجر، ابن عبدالبر، ابن تیمیہ، سخاوی، قسطلانی، کمال، زرقاتی، سہودی، شوکانی جیسے جلیل القدر علماء اہلسنت ہیں اور علماء شیعوں تو سبھی نے اسے صحیح اور معتبر قرار دیا ہے، جس کے بعد کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے۔

اس کے علاوہ اس کے روایت کرنے والوں میں پندرہ اصحاب رسول بھی ہیں حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن جعفر، ابن عباس، ام سلمہ، عائشہ، سعد بن ابی وقاص، انس بن مالک، ابوسعید الخدری، ابن مسعود، مقل بن یسار، وانل بن اسقع، عمرو بن ابی سلمہ، ابوالمحرار وغیرہ۔

اس کے بعد علماء موصوف نے آیت کی دلالت اور اس کے مفہوم پر روشنی ڈالنے سے بعض علماء شافعیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آیت شریفہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہلیت اظہار سرچشمہ فضائل و کمالات ہیں، اور ان کے علاوہ جہاں بھی کوئی کمال پایا جاتا ہے سب انہیں کا مدد اور طفیل ہے جس طرح کہ غلام آقا کے ساتھ شریک منزل رہتا ہے۔ یہ حضرات پیغمبر اسلام کے نواص، وارث، خلیفہ اور قرآن کے ہمر وہم زبان ہیں۔ ان کے فضائل میں ان کا کوئی شریک و ہمہم نہیں ہے۔ ان کا جیسا شرف نہ آل عباس کو حاصل ہوا ہے اور ز آل جعفر کو۔ بلکہ حد یہ ہے کہ اولاد علیؓ میں بھی اولاد فاطمہ کے علاوہ کسی کو یہ شرف و کمال حاصل نہیں ہوا ہے۔ اسی لیے علامہ بیہقی نے جب وانل بن اسقع کے بارے میں روایت نقل کی کہ انت من اہلی، تو اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ وانل کو اہلیت سے ملایا گیا ہے جو خود اہلیت کے کمال شرف و فضیل کی بہترین دلیل ہے۔

اس کے بعد علماء موصوف نے علامہ سہودی کے حوالے سے آیت کے معنی و مفہوم کے بارے میں ایک طویل تحقیق درج کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت کریمہ میں تقریباً پندرہ خصوصیات پائے جاتے ہیں، اور ہر خصوصیت عظمت و فضیلت اہلیت کی ایک مستقل دلیل ہے۔

۱۔ آیت کا آغاز لفظ انما سے ہوا ہے جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ نے اپنے ارادہ کو ان کی

طہارت میں منحصر کر دیا ہے اور یہ ان کے سرچشمہ خیرات و برکات ہونے کی بہترین دلیل ہے۔

۲۔ پروردگار عالم نے یہ اہتمام صرف انہیں کے فضائل کے بیان کے لیے کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ اہتمام کسی اور مقام پر نظر نہیں آتا ہے۔

۳۔ مصدر تطہیر کا ذکر کر کے بات میں مزید زور پیدا کر دیا گیا ہے۔

۴۔ "تطہیراً" کو نکرہ استعمال کر کے یہ اظہار کیا گیا ہے کہ یہ طہارت ایک خاص اور عظیم قسم کی طہارت ہے جس کا قیاس عام طہارتوں پر نہیں کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ پیغمبر کا ان حضرات کو اہلیت کہہ کر دعائے تطہیر کرنا اس بات کی علامت ہے کہ ارادہ الہی کے ساتھ دعائے پیغمبر بھی کام کر رہا ہے اور سب کو فضائل اہلیت کے نشر کرنے کی فکر ہے۔

۶۔ ابوسعید خدری کی روایت کی بنا پر آیت میں خود پیغمبر اکرمؐ بھی شامل ہیں جو اہلیت کی عظمت کی مزید دلیل ہے۔

۷۔ حضور نے اہلیت کے حق میں برکات و رحمت و صلوات و مغفرت کی دعا کی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہی حضرات صاحبان تطہیر ہیں و رز صاحبان تطہیر کے علاوہ کوئی ان دعاؤں کا حق دار نہیں ہو سکتا ہے۔

۸۔ پیغمبر نے ہر دعائے اپنے کو بھی شامل رکھا ہے تاکہ اس سے اہلیت کی مساوات شرف کا بھی اندازہ ہو جائے۔

۹۔ حضور نے مقام دعائے جناب ابراہیمؑ پر نزول رحمت کا بھی ذکر کیا ہے جو اہلیت کے وارث ابراہیمؑ اور ہم تربہ ابراہیمؑ ہونے کی دلیل ہے۔

۱۰۔ حضور کا صلوات کے لیے دعا کرنا دلیل ہے کہ اہلیت مستحق صلوات ہیں اس لیے کہ پیغمبر کی دعاؤں میں ہوتی ہے۔

۱۱۔ "انتم منی وانا منکم" ایک اشارہ ہے کہ اہلیت جملہ مراتب فضل و کمال میں سرکار دو عالمؐ کے شریک ہیں۔

۱۲۔ ارادہ تطہیر و اذہاب رجب ایک مستقل دلیل ہے کہ اہلیت آخرت میں بھی آتش جہنم سے مکمل طور پر محفوظ ہیں۔

۱۲۔ روزانہ صبح کو دروازہ نہرلہرا کر سلام کرنا ایک اشارہ ہے کہ جن کا مرتبہ بلند تر ہوتا ہے ان کا کار بھی بلند تر ہونا چاہیے اور اہلیت ایسے ہی ہیں۔

۱۳۔ حدیث میں سرگاز کا اپنے بارے میں یہ فرمانا کہ اللہ نے مجھے بہترین گھرانے میں رکھا ہے خود اہلیت کے بہترین افراد ہونے کی دلیل ہے۔

۱۵۔ آپ نے طہارت اور مساوات کمال کا اعلان کر کے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اہلیت پر صدقہ حرام ہے اس لیے کہ صدقہ ہاتھوں کا میل اور ایک طرح کا کثیف مال ہوتا ہے جو اہل تطہیر کے شایان شان نہیں ہے۔

اس کے بعد علامہ موصوف نے بعض محققین کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اگرچہ اہلیت میں گھر اور گھرانے والے بھی شامل ہو جاتے ہیں لیکن عام اطلاق کے موقع پر رہائشی گھروالے شمار نہیں ہوتے ہیں بلکہ صرف گھرانے والے ہی شمار ہوتے ہیں جو ہمیشہ گھرانے کے ساتھ رہتے ہیں رہائشی گھروالے تو کسی وقت بھی گھر سے جدا ہو سکتے ہیں۔ زواج بلاق کے بعد اپنے گھر یا دوسرے شوہر کے گھر چلی جاتی ہے اور اس کے گھر والوں میں شامل ہو جاتی ہے لہذا وہ اہلیت میں شامل نہیں ہو سکتی ہے۔

قرآن مجید نے ازدواج کو یا نساء النہی کہہ کر خطاب کیا ہے یعنی نبی کی طرف نسبت دی ہے اور اہلیت کی کوئی نسبت نہیں بیان کی ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ اہلیت اور ہیں اور ازدواج اور۔ ازدواج میں حضور شامل نہیں ہیں اور اہلیت میں حضور نے اپنے کو بھی شامل کیا ہے۔

آیت تطہیر میں لفظ بیعت واحد ہے اور ازدواج اہلیت نہیں ہیں بلکہ اہل بیوت یعنی مختلف گھروالی ہیں۔ پھر بیعت پر بھی الف لام داخل کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی خاص گھر ہے۔ جناب ام سلمہ کو علیٰ خیر کہہ کر چادر سے دور رکھنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آیت تطہیر میں ازدواج کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ صرف بیعتن پاک کی عظمت و عصمت و طہارت و جلالت کے اعلان کے لیے نازل ہوئی ہے۔

اصحاب کسا

خدا بڑا کرے تعصب احد اور اہلیت دشمنی کا کہ اسلام کی کوئی مسلمہ حقیقت سلم نہ رہنے پائی اور ہر جگہ حکومت کے نمک خواروں نے کوئی نہ کوئی شبہ پیدا کر دیا۔ آیت تطہیر اہلیت اطہار کی شان میں ہے اور اہلیت سے مراد حضرات خمسہ نجباء ہیں کون نہیں جانتا ہے۔ لیکن دور قدیم و جدید میں ایسے افراد بہر حال پیدا ہوتے رہے ہیں جن کا کام ہی حقائق میں تشکیک کرنا اور مسلمات اسلام کو شبہات کی نذر کر دینا ہے۔ انھوں نے آیت کے قبل و بعد کا سہارا لے کر اسے ازواج پیغمبر اسلام سے مربوط کرنا چاہا ہے اور ضمناً یہ اعتراف بھی کرتے رہے ہیں کہ اہلیت کا دائرہ ازدواج سے زیادہ وسیع ہے اور اس میں حضرات علی و فاطمہ و حسن و حسین کی بھی گنجائش ہے کہ جس کے بعد ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جس نے اس گنجائش کو بھی ختم کر دیا اور اپنے خیال خام میں دلائل قائم کر دیے کہ اہلیت کا اطلاق حضرات معصومین پر نہیں ہو سکتا ہے، اس سے مراد صرف ازدواج پیغمبر ہیں۔ اور پھر دو ایک روایتیں بھی تیار کر دیں جن میں راویوں کی اہلیت کو ازدواج سے وابستہ کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے مقابلہ میں ان تمام احادیث کو نظر انداز کر دیا جن میں اہلیت کی مکمل وضاحت موجود تھی اور حضرات معصومین کے اسما گرامی درج تھے اور جس کے بعد کسی شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ بلکہ جناب ام سلمہ کا روک دینا دلیل تھا کہ اس میں ازدواج شریک نہیں ہیں۔ بہر حال یہ زمانہ کا ایک کرشمہ ہے کہ جس زور پیغمبر نے داخل ہونے کی کوشش کی اسے سرکار دو عالم نے رد کر دیا اور جس کا اس موقع پر پتہ اور نشان بھی نہیں تھا اسے ازغیب آیت میں شامل کر دیا گیا۔

اس وقت بطور حاصل مطالعہ امام احمد بن حنبل اور ان کے زمانہ یا بعد کے مستند علماء اہلسنت کے حوالے ذکر کیے جا رہے ہیں انھوں نے نام بنام حضرات علی و فاطمہ اور امام حسن و امام حسین کی

شان میں آیت کریمہ کے نزول کا ذکر کیا ہے اور جس کے بعد کسی تشکیک اور تردید کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے :

- ۱۔ حافظ ابوداؤد الطیلسی سلیمان بن داؤد بن الجارود البصری صاحب کتاب مسند ج ۸ ص ۲۴ طبع حیدرآباد
- ۲۔ علامہ حافظ ابوعبد اللہ محمد بن محمد بن منیل الشیبانی صاحب مسند ج ۱ ص ۳۳۱ طبع قاہرہ
- ۳۔ حافظ محمد بن عیسیٰ ترمذی صاحب صحیح ترمذی حسب نقل ابن حجر
- ۴۔ حافظ محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کوفی صاحب مسند بحوالہ فلک النجاة ص ۴۲
- ۵۔ علامہ ابوعبد الرحمن احمد بن شیبہ النسائی صاحب خصائص ص ۴
- ۶۔ حافظ محمد بن جریر طبری صاحب تفسیر ج ۲۲ ص ۵ طبع مصر
- ۷۔ حافظ عبدالرحمن بن ابی حاتم محمد الرازی بحوالہ فلک النجاة
- ۸۔ سلیمان بن احمد بن ابوبطریقی صاحب معجم بحوالہ الصواعق
- ۹۔ علامہ جہاں صاحب احکام القرآن
- ۱۰۔ حافظ حاکم ابوعبد اللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری صاحب مستدرک ج ۲ ص ۱۶۶ ط ۳، ۱۲، ۱۵، ۳۱، ۳۵
- ۱۱۔ علامہ محدث احمد بن الحسین بن ہارون الموبد باللہ صاحب کتاب امالی ص ۲۳
- ۱۲۔ حافظ احمد بن الحسین بن علی البیہقی صاحب سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۴۹
- ۱۳۔ علامہ حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی صاحب تاریخ بغداد ج ۱۰
- ۱۴۔ علامہ حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر الاندلسی صاحب استیعاب ج ۲ ص ۴۶۰
- ۱۵۔ علامہ محدث شیخ ابواکسن علی بن احمد الواحیدی النیشاپوری صاحب کتاب اسباب النزول ص ۲۶۷
- ۱۶۔ حافظ وعلی صاحب کتاب فروس بحوالہ الصواعق
- ۱۷۔ حافظ حسین بن سعید الشافعی البغوی صاحب معارج السنہ ج ۲ ص ۲۰۴
- ۱۸۔ علامہ محمود بن عمر الزمخشری صاحب کشف ج ۱ ص ۱۹۳
- ۱۹۔ علامہ قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ الاشیللی صاحب احکام القرآن ج ۲ ص ۱۶۶
- ۲۰۔ ابوالموید حوق بن احمد اخطب خطباء خوارزم صاحب مناقب ص ۳۵
- ۲۱۔ علامہ علی بن اکسین بن ہبہ اللہ دمشقی المعروف بابن عساکر صاحب تاریخ دمشق

۲۲۔ علامہ فخر الدین الرازی صاحب تفسیر معروف

- ۲۳۔ ابوالسعادات مبارک بن محمد بن اثیر الجوزی صاحب جامع الاصول ج ۱ ص ۱۰۱
- ۲۴۔ علامہ محدث شیخ حسن بن الحسین بن علی بن محمد بن بطریق الاسدی صاحب کتاب نبج العلوم
- ۲۵۔ علامہ شیخ عز الدین ابواکسن علی بن اثیر الجوزی صاحب اسد الغابہ
- ۲۶۔ علامہ یوسف الواعظ بن عبداللہ الشہر بابر بن الجوزی صاحب تذکرۃ خواص الائمة
- ۲۷۔ علامہ گنجی شافعی صاحب کفاية الطالب
- ۲۸۔ علامہ کمال الدین محمد بن طلحہ الشافعی صاحب مطالب السؤل
- ۲۹۔ علامہ شیخ ابوعبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی صاحب الجامع لاحکام القرآن
- ۳۰۔ علامہ شیخ یحییٰ بن شرف الدین دمشقی صاحب شرح المہذب
- ۳۱۔ علامہ قاضی بیضاوی صاحب تفسیر معروف
- ۳۲۔ حافظ محمد بن احمد بن عبداللہ الطبری صاحب ذخائر العقبی
- ۳۳۔ علامہ نسفی صاحب تفسیر مدارک
- ۳۴۔ علامہ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری التبریزی صاحب مشکوٰۃ المصابیح
- ۳۵۔ علامہ جلیل ابوالفداء اسماعیل بن کثیر دمشقی صاحب تفسیر معروف
- ۳۶۔ حافظ نور الدین علی بن ابوبکر البیہقی صاحب مجمع الزوائد
- ۳۷۔ شیخ الامام علی بن محمد المعروف بابن الصباغ المالکی صاحب الفصول المہمہ
- ۳۸۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی التسقانی المعروف بابن حجر صاحب اصابہ
- ۳۹۔ شمس الدین ابوعبد اللہ محمد بن احمد الذہبی صاحب تلخیص المستدرک
- ۴۰۔ علامہ شیخ حمید بن احمد الحملی ایہانی صاحب الحدائق الوردیہ
- ۴۱۔ علامہ نظام الدین الحسن الاعرج القمی صاحب تفسیر نیشاپوری
- ۴۲۔ محدث جلیل الید عطار اللہ الحسینی صاحب روضة الاحباب
- ۴۳۔ علامہ جلال الدین السیوطی صاحب درمنثور
- ۴۴۔ علامہ مورخ غیاث الدین بن ہمام الدین صاحب حبیب السیر

- ۴۵۔ شیخ احمد بن بحر المکی صاحب مواعظ محرقہ
 ۴۶۔ علامہ میر محمد صالح کشفی صاحب مناقب مرتضوی
 ۴۷۔ محدث جلیل علاء الدین بن عبد الملک حمام الدین المعروف بالمتقی الہندی صاحب منتخب کثر العمال
 ۴۸۔ علامہ محمد الشریب بنی الخلیب صاحب تفسیر سراج منیر
 ۴۹۔ علامہ شیخ محمد اشرف فی الیامانی صاحب منظوم
 ۵۰۔ علامہ ملا علی القاری صاحب شرح الفقہ الاکبر
 ۵۱۔ صاحب ارجح المطالب
 ۵۲۔ علامہ برہان الدین الشافعی صاحب السیرۃ الجلیۃ
 ۵۳۔ محدث ذرقانی صاحب کتاب معروف
 ۵۴۔ علامہ عبد اللہ بن محمد بن عامر
 ۵۵۔ علامہ شیخ محمد صباں مہری صاحب اسعاف الراغبین
 ۵۶۔ علامہ قاضی الحسین بن احمد بن الحسین الیامانی صاحب الروض النضیر
 ۵۷۔ علامہ شیخ محمد بن علی الشوکانی فتح القدر
 ۵۸۔ شہاب الدین محمود الالوسی صاحب روح المعانی
 ۵۹۔ علامہ شبلنجی صاحب نور الابصار
 ۶۰۔ علامہ صدیق حسن خاں سھوپالی صاحب تشریف البشر
 ۶۱۔ شیخ یوسف بن اسماعیل بنہانی صاحب الشرف الموبد
 ۶۲۔ علامہ ابوبکر بن شہاب الدین الشافعی صاحب رشفۃ الصادی
 ۶۳۔ علامہ السید العلوی الحداد الصادقی الحضری الشافعی صاحب القول الفصل

پگڑہ اور سیرتِ معصومین

سیرت خود ایک ساکت وصامت حقیقت ہوتی ہے اس لیے اس سے استدلال قائم کرنے سے پہلے اس کی نوعیت پر نظر کرنا ضروری ہوتا ہے کہ نوعیت کو دریافت کیے بغیر سیرت سے استدلال ایک بے معنی امر ہوگا۔ مثال کے طور پر یوں سمجھ لیجئے کہ آپ نے کسی معصوم کو دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ظاہر ہے کہ اس نماز سے اتنا تو ضرور اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس وقت میں دو رکعت نماز قائم کرنا جائز ہے لیکن یہ فیصلہ ناممکن ہوتا ہے کہ یہ نماز سنت ہے یا واجب۔ واجب ہے تو صرف معصوم کے لیے واجب ہے یا دوسرے افراد کے لیے بھی واجب ہے۔ اس نماز کی نوعیت دریافت کرنے کے لیے مذہب کے دوسرے قوانین پر نظر کرنا ہوگی۔ مثلاً یہ دیکھا جائے گا کہ اسلام میں واجب نمازوں کی تعداد میں ہو چکی ہے اور معصوم کے خصوصیات کی بھی تحدید کی جا چکی ہے اس لیے یہ نماز واجب نہیں ہو سکتی ہے اور نہ اس کا شمار خصوصیاتِ معصومین میں ہو سکتا ہے اس لیے اس نماز کا مستحب ہونا امر یقینی ہے۔ یہی حال جملہ سیرتوں کا ہے کہ جب تک ان کی نوعیت نہ معلوم ہو جائے اس وقت تک ان کے بارے میں فیصلہ کرنا غیر ممکن ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پڑھے کے بارے میں بھی اسلام کا موقف دریافت کیا جائے تاکہ اس کی روشنی میں سیرت کا تجزیہ کیا جاسکے۔ قرآن و سنت کے اکثر بیانات سے اس موقف کی وضاحت کرنے کے لیے اس وقت معصوم عالم جناب فاطمہ زہرا کا یہ فقرہ پیش نظر ہے جو آپ نے مردوں کی کائنات کے سوال پر ارشاد فرمایا تھا۔ آپ کا سوال یہ تھا کہ عورت کے لیے سب سے اچھی چیز کیا ہے؟ اور معصوم عالم کا جواب یہ تھا کہ عورت کے لیے سب سے بہتر ہے کہ نہ اس پر کسی مرد کی نگاہ پڑے اور نہ وہ کسی مرد کو دیکھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پردہ یک طرفہ ستر کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں طرفین کی حیاد غیرت کو دخل ہے۔ پردہ صرف گھر میں بیٹھنے کا نام نہیں ہے بلکہ گھر سے نکلنے کے بعد بھی مردوں کی نظر سے بچنے کا نام ہے اور گھر میں رہ کر بھی نا محرم کی نگاہ سے

اپنے کو بچائے رکھنے کا نام ہے۔ عورت کو قانونی اعتبار سے گھر کے اندر رہ کر امور خانگی نگرانی کرنا چاہیے۔ اور اگر کبھی رہنے ضرورت نکل بھی آئے تو اپنے کو مردوں کی نظر سے بچائے رکھنا چاہیے یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مرد کو عورت پر حکومت کا درجہ اسی معنی میں دیا ہے کہ وہ عورت کو گھر سے باہر نہ جانے دے۔ بیرون خانہ کی مصلحتوں کو عورت کی نسبت سے مرد زیادہ بہتر جانتا ہے۔ اور اگر ان حالات کے جانتے ہوئے بھی باہر جانے کی اجازت دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی شرم و حیا رخصت ہو چکی ہے اور ظاہر ہے کہ جس کی شرم و حیا رخصت ہو جائے اس کا دین مذہب کہاں رہ جاتا ہے۔

معمومہ عالم کے اسی ارشاد گرامی کی روشنی میں آپ کی اس سیرت کو دیکھا جاسکتا ہے کہ آپ کے دروازے پر سرور کائنات اپنے محرم صحابی کو لے کر آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی تو معمومہ عالم نے اجازت دے دی۔ لیکن آپ نے دوبارہ سوال کیا تو آپ نے عرض کیا کہ گھر آپ کا گھر ہے اجازت کی کیا ضرورت ہے؟۔ آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ میرا ایک صحابی بھی ہے جناب سیدہ نے عرض کی کہ آپ کو تو معلوم ہے کہ میرے پاس ایک چادر ہے جس سے یا سر کو چھپا سکتی ہوں یا پیروں کو۔ ایسی حالت میں کسی صحابی کو گھر کے اندر آنے کی اجازت کیسے دے سکتی ہوں؟۔ واقعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ معمومہ عالم صحابی کو گھر کے اندر آنے سے نہیں روکنا چاہتیں بلکہ پڑنے کے حدود پر روشنی ڈالنا چاہتی ہیں۔ یعنی اگر میرے پاس چادر ہوتی تو ضرور اجازت دے دیتی اور یہی وجہ ہے کہ جب حضرت نے اپنی عبا عنایت فرمادی تو جناب سیدہ نے خوشی صحابی کو اندر آنے کی اجازت دے دی۔

معمومہ کے گذشتہ ارشاد سے بظاہر بھی معلوم ہوتا تھا کہ عورت یا مرد کے دیکھنے کا مطلب اس کے چہرے اور صورت کا دیکھنا ہے۔ لیکن آپ کی سیرت نے اس کی مزید وضاحت اس طرح کر دی کہ اس کے حدود میں قدم و قامت بھی آجاتے ہیں جیسا کہ مشہور ہے کہ آپ نے اسامہ سے پیشگوہ کیا کہ مدینہ میں جنازہ اٹھانے کا طریقہ ناقص ہے اس سے مردے کا قد و قامت نمایاں ہو جاتا ہے اور جب اسامہ نے جیش کے طریقہ سے تابوت بنا کر دکھایا تو آپ کے لب ہائے مبارک پر مسکراہٹ آگئی۔ (بعض روایات میں یہ طریقہ معمومہ کے خواب کا نتیجہ بتایا گیا ہے)۔ ظاہر ہے کہ آپ کا اضطراب

مرنے کے بعد کے لیے تھا جب انسان سے ہر حکم اور فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ اضطراب بتاتا ہے کہ آپ مرنے کے بعد بھی اپنے قد و قامت کو نمایاں نہیں ہونے دینا چاہتی تھیں اور جو مرنے کے بعد اس بات کو پسند نہ کرتا ہو وہ زندگی میں کیسے پسند کر سکتا ہے۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ جب رسول اکرم آپ کو مہلبہ میں لے کر چلے تو آگے خود رہے اور پیچھے حضرت علیؑ کو کر دیا تاکہ فاطمہؑ کا قد نمایاں نہ ہونے پائے اور فاطمہؑ کے نقش قدم پر کسی کی نظر نہ پڑنے پائے۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کی یہی بلندئ نفس تھی جس کی عظمت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ رسول اکرم ابن کثوم نابینا صحابی کو لے کر اپنے گھر میں تشریف لائے اور عائشہ و حفصہ سے کہا کہ حجرے میں چلی جاؤ تو دونوں نے کہا کہ یہ تو نابینا صحابی ہے، اس سے پردہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ سچ ہے کہ وہ نابینا ہے لیکن تم تو نابینا نہیں ہو۔ اسلام جہاں اس کا نظر کرنا پسند نہیں کرتا ہے وہیں تمہارا بھی نظر کرنا پسند نہیں کرتا ہے۔

مذکورہ بالا واقعات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ عورت کی اصلی منزل حدود خانہ ہے اور اس کا اصل منصب امور خانہ کی نگرانی ہے۔ اس کے رخ و رخسار کو نگاہ مرد سے بچانے میں خیر ہے اور اس کے قد و قامت کو اجنبی نظروں سے بچائے رکھنے میں عافیت ہے۔ یہی کردار معاشرہ کی اصلاح کا ضامن ہے اور یہی اصول حیات سماج کی فلاح و بہبود کا ذمہ دار ہے۔ اگرچہ اس کے حدود واجبات سے زیادہ ہیں اور واجبات میں ان میں سے بہت سی چیزیں شامل نہیں ہیں۔ لیکن خیر بہر حال خیر ہے اور حتی الامکان اس کا لحاظ ضروری ہے۔ بلا ضرورت تھکر کو ترک کر دینا بعض اوقات شرک کا باعث ہو جاتا ہے۔

خداوند عالم امت کو حیدر و رسالت اور پیروان مسلک ولایت کو اس خیر کے حاصل کرنے کی توفیق کرامت فرمائے اور ہمارے معاشرہ کو ہر شر و آفت سے محفوظ رکھے۔

نقش زندگانی
حیاتِ امام حسن [ؑ] مجتبی

ولادت: ۱۵، رمضان المبارک ۳۳ هـ
شهادت: ۲۸، صفر ۵۰ هـ

باسمہ سبحانہ

نقشِ زندگانی امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

یومِ زمی الجوسۃ کو مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کا عقد صدیق طاهرہ حضرت فاطمہ سے ہوا، اور اس کے تقریباً ۹ ماہ کے بعد ۱۵ رمضان المبارک ۳۳ھ میں امام حسن کی ولادت باسعادت ہوئی۔ جس کے بائے میں جناب ام الفضل نے یہ خواب دیکھا تھا کہ رسول اکرم کے جسم اقدس کا ایک ٹکڑا میری گود میں آگیا ہے اور سخت پریشان تھیں کہ رسول اکرم نے اس خواب کی یہ تعبیر بتائی کہ عنقریب میری بیٹی فاطمہ کے یہاں فرزند پیدا ہونے والا ہے اور اس کی تربیت کا شرف تمہیں کو حاصل ہوگا۔

ولادت کے موقع پر نام رکھنے کی رسم میں حضرت علیؑ نے سبقت کی اور حضرت زہراؑ نے خود رسول اکرمؐ نے بھی وحی الہی کا انتظار کیا اور جبریل امین یہ پیغام الہی لے کر آئے کہ علیؑ بمنزلہ ہارون ہیں تو ان کے فرزند کا نام ہارون کے فرزند کے نام پر شبر رکھ دو یا عربی زبان کے اعتبار سے حسن اور اس طرح زہرا کے اس پہلے فرزند کا نام حسن طے ہو گیا اور یہ نام خزانہ قدرت سے عطا کیا گیا تھا کہ اس سے پہلے یہ نام کسی کا نہ تھا۔

- القاب میں زکی، طیب، سبط رسول اور نبض رسول "سید" مشہور لقب ہے۔
- کینت ابو محمد ہے، جس کا تذکرہ مسلسل روایات اور زیارات میں وارد ہوا ہے۔
- ولادت کے بعد پہلی غذار رسول اکرمؐ کی زبان مبارک سے حاصل کی جو ظاہری اعتبار سے اثرات رسالت کے منتقل کرنے کا ایک ذریعہ تھی۔
- عقیقہ کی رسم بھی رسول اکرمؐ نے ادا کی، اور اس طرح اسلام میں اس مبارک رسم یا سنت رسول کا آغاز ہو گیا۔

امام حسن مجتبیٰ کی ولادت کا زمانہ وہ تھا جب مسلمان جنگ احد کی تیاریوں میں مصروف تھے اور اس طرح آپ نے عام بچوں کے اعتبار سے لاشعوری دور میں اور امامت کے اعتبار سے مکمل طور پر شعوری اعتبار سے سب سے پہلے "اصحاب باوفا" کی بے وفائی کا سامنا کیا۔ جہاں رسول اکرمؐ میدان میں تقریباً تباہ کر رہے تھے اور مال غیرت کے لالچیوں نے انہیں فوج دشمن کے حوالے کر کے اپنی جان بچالی تھی اور انہیں متعدد زخموں کی اذیت بھی برداشت کرنا پڑی تھی اور پھر بھی نقش اول آپ کی زندگی کا نقش آخر بھی بن گیا۔

● ۳۳ھ کی جنگ احد کے بعد امام حسنؑ نے ۳۴ھ میں جنگ احزاب کا شاہدہ کیا جہاں اصحاب کی یہ کمزوری اور بزدلی دیکھنے میں آئی کہ حضرت علیؑ کی تلوار اور ان کی جرات شیرازہ نہ ہوتی تو رسول اکرمؐ کی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا اور کل کفر کل اسلام پر غالب آجاتا۔

● ۳۵ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی اور اس میں اصحاب کا یہ طرز عمل دیکھنے میں آیا کہ یہ پہلے صلح کیلئے آمادہ ہو جاتے ہیں کہ اس طرح جان بچنے کا راستہ نکل آتا ہے اور اس کے بعد صاحب منصب کے منصب میں بھی شک کرنے لگتے ہیں۔ یہ بھی امام حسنؑ کی زندگی کا ایک المیہ تھا جس سے آپ کو خود اپنے دور میں بھی دوچار ہونا پڑا۔

● ۳۶ھ میں جنگ خیبر ہوئی۔ وہاں بھی یہ منظر سامنے آیا کہ حضرت علیؑ کی شجاعت کا سہارا نہ ہوتا تو تاریخ اسلام میں فرار کے علاوہ کوئی داستان نہ ہوتی اور یہودی ہمیشہ کے لیے اسلام اور مسلمانوں کے سر پر سوار ہو جاتے۔

● ۳۷ھ میں فوج مکہ کا منظر سامنے آیا جہاں مصلحتاً ابوسفیان اور معاویہ نے اسلام قبول کر لیا اور امام حسنؑ نے منافقین کا بھی ایک مجمع دیکھ لیا۔

● ۳۸ھ میں اسلام کے صداقت کے معرکہ میں پہلے پہل امام حسنؑ نے براہ راست شرکت کی اور سب سے آگے آگے رہے۔ یہ معرکہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان تھا، جسے مہابہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ امام حسنؑ کسی کی بنا پر رسول اکرمؐ کی انگلی پکڑ کر چل رہے تھے یا رسول اکرمؐ کو کھانچ رہے تھے کہ آج میں اسے سہارا دے رہا ہوں کل یہ میرے دین اسلام کو سہارا دے گا۔

● ۳۹ھ میں رسول اکرمؐ نے آخری حج فرمایا جس کی واپسی پر مقام غدیر میں حضرت علیؑ کی مولائت

کا اعلان کیا اور صحابہ کرام نے بشمول حضرت عمر اس مولائیت کی مبارکباد پیش کی اور امام حسن نے ظاہری
کی ایک نئی رسم کا شاہدہ کیا۔

● سال ۸ میں ۸ مصفر کو رسول اکرم نے انتقال فرمایا اور امام حسن اپنی زندگی کے پہلے بڑے حادثے
دو چار ہوئے جس کے بعد یہ منظر بھی دیکھنے میں آیا کہ لاکھوں صحابہ کابینہ قبرستان مدینہ پر گئے اور کوئی غسل کن
میں حاضری دینے والا نہیں ہے اور جنازہ میں مخصوص افراد کے علاوہ کوئی نہیں ہے اور اس طرح امام حسن
نے زندگی میں چاہنے والوں کے بتاؤ کے ساتھ مرنے کے بعد بھی "مخلصین" کا سلوک دیکھ لیا۔

اسی سال ۸ میں رسول اکرم کے انتقال کے ۵۰ یا ۹۵ دن کے بعد مادر گرامی کی شہادت کا الہ
برداشت کیا۔ جہاں حق فدک سے محرومی، دروازہ پر آگ کے شعلے، پہلو پر دروازہ گرنے اور حسن کی شہادت
کا منظر بھی دیکھا اور بجز کوئی اقدام نہ کر سکے کہ ذمہ دار مذہب حضرت علی موجود تھے اور اقدامات کے
بلے میں انھیں کو فیصلہ کرنا تھا اور اس طرح امام حسن نے سخت ترین حالات میں بھی صبر و سکوت کی،
پالیسی کا شاہدہ کیا جس کا حوصلہ انھیں قدرت نے روز اول ہی امت کے منصب کے ساتھ عطا
کر دیا تھا۔

● اس سات سال کے وقفہ میں امام حسن کے مختلف کارنامے دیکھنے میں آئے اور ان کے
مختلف فضائل و کمالات کا اظہار ہوتا رہا، مثال کے طور پر:

۱۔ آپ رسول اکرم کے موعظ کی ترجمانی صدیقہ طاہرہ سے کیا کرتے تھے اور ایک دن حضرت علیؑ
بھی پس پردہ اس ترجمانی کے سنیے میں شریک ہوئے تو امام حسن کے بیان میں فرق آگیا اور عرض کرنے
لگے کہ مادر گرامی آج زبان میں وہ روانی نہیں ہے جو پہلے تھی ایسا لگتا ہے کہ کوئی سردار مجھے دیکھ رہا ہے۔
ب۔ رسول اکرم کے سامنے صدقہ کے خرچے رکھے تھے، امام حسن کی نظر پڑ گئی تو رسول اکرم
نے فرمایا کہ "بیٹا کیا تمہیں نہیں معلوم ہے کہ صدقہ ہم اہلبیت پر حرام ہے" جس سے علامہ ابن جریر عسقلانی
نے یہ استنباط کیا ہے کہ امام حسن آنکوش مادہ سے لوح محفوظ کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔

دانش رہے کہ اس روایت میں خرم کے منہ میں رکھ لینے کا بھی ذکر ہے جو شانِ امامت کے بجائے
شانِ دانشین حدیث کے لیے زیادہ سازگار امر ہے۔

ج۔ بعض روایات کی بنا پر آپ سجدہ کی حالت میں پشنت رسول پر آگے تو آپ نے سجدہ کو طول دیدیا

اور پشنت سے اتارنا گوارا نہ کیا۔

د۔ بعض روایات کی بنا پر آپ سجدہ میں آگے گر پڑے تو رسول اکرم نے خطبہ کو قطع کر کے منبر سے
اتر کر آپ کو اٹھایا اور فرمایا کہ یہ میرا فرزند سید ہے۔

۷۔ اسی مختصر عمر میں رسول اکرم نے آپ کی سیادت و سرداری کا بھی اعلان کیا، آپ کو جو انسان جنت
کا سردار بھی قرار دیا، اور آپ کو لفظ امام سے بھی یاد کیا اور آپ کو اپنا ایک جزو بھی قرار دیا۔

۸۔ آپ جس طرح میدانِ مہلبہ میں سب سے آگے رکھے گئے تھے اسی طرح زیرک رہا یعنی جمع ہونے
والے افراد میں بھی آپ سب سے پہلے نانا کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جس کے بعد عدلے کریم نے اہلبیت
کی عصمت و طہارت کا اعلان فرمایا تھا۔

نہ۔ آپ کو مہلبہ کے میدان میں رسول اکرم نے اپنی رسالت و صداقت کے گواہ کے طور پر پیش
کیا تو مدیقہ طاہرہ نے مسلہ فدک میں اپنے والد محترم کی طرف سے فدک کے سہہ ہونے کی گواہی میں
پیش کیا جب کہ فدک کے سہہ کے موقع پر آپ کی عمر بہت سے بہت چار برس کی ہوگی لیکن واضح سی بات
ہے کہ جو شخص چھ برس کی عمر میں رسالت کی گواہی دے سکتا ہے وہ چار برس کی عمر میں سہہ کا گواہ کیوں نہیں
ہو سکتا اور اس کی گواہی کا تحمل کیوں نہیں ہو سکتا ہے۔

ح۔ اسی زمانے میں آپ نے روایت مواعن محرقہ حاکم وقت ابو بکر کلو منبر پر دیکھ کر ٹوک دیا تھا اور
فرمایا تھا کہ میرے باپ کے منبر سے اتر آ اور اپنے باپ کا منبر تلاش کر۔ اس طرح اپنے فرزند رسول یا اپنے
پدر بزرگوار کے صاحب منبر ہونے کا اعلان کر دیا تھا جس کی جرأت عام انسانوں اور بالخصوص بچوں کے
لیے ناممکن ہے۔

ط۔ اسی زمانے میں بروایت اسد الغاب آپ رسول اکرم کے کاندھے پر تھے کہ کسی صحابی نے مبارکباد
دی کہ کیا اچھی سواری ہے؟ تو رسول اکرم نے ٹوک کر فرمایا کہ کہو کہ کیا اچھے سواری ہیں اور اس طرح صحابی پر یہ
واضح کر دیا کہ اسلام میں سواری بن جانا شرف نہیں ہے سواری رسول بن جانا شرف ہے اور اس سعادت بزد
بازو نیست۔

علم امام حسن

ارنچینے کا زمانہ تھا۔ ابو بکرؓ کا دور خلافت تھا۔ ایک شخص نے خلیفۃ المسلمین سے سوال کیا کہ حالت احرام میں شتر مرغ کے انڈے کھا لیے ہیں تو کیا کفارہ دینا ہو گا جب آپ نے مسئلہ کو عبد الرحمن بن عوف کے حوالے کر دیا۔ اس نے سنگینی مسئلہ کو دیکھ کر اسے حضرت علیؓ کے حوالے کر دیا۔ آپ نے امام حسنؑ کو جواب دینے کا حکم دیا۔ امام حسنؑ نے فرمایا کہ اوستیوں پر اتنی ہی مقدار میں اوٹ چھوڑ دیے جائیں اور جو بچتے پیدا ہوں انھیں خانہ خدا کے حوالے کر دیا جائے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ فرزند بعض انڈے خراب بھی تو ہو سکتے ہیں۔ عرض کیا بے شک! لیکن بعض حمل ضائع بھی تو ہو سکتے ہیں۔ (مناقب ابن شہر آشوب)

۲۔ حضرت علیؓ تمام رجب میں تھے ایک شخص نے آکر اظہارِ خلوص کیا۔ فرمایا تو میرا دوست نہیں ہے معاویہ کا جاسوس ہے اور اس سے بادشاہ روم نے چند سوالات کیے ہیں۔ وہ ان کے جوابات سے عاجز تھا تو اس نے تجھے یہاں روانہ کیا ہے اور پھر امام حسنؑ کو جواب دینے کا حکم دیا۔ سوالات تھے: (۱) حق و باطل کا فرق کیا ہے؟ (۲) زمین و آسمان کا فاصلہ کیا ہے؟ (۳) مشرق و مغرب کی فاصلہ کتنی ہے؟ (۴) خنثی کسے کہتے ہیں اور اس کی شناخت کا ذریعہ کیا ہے؟ (۵) وہ دس اشیا کون سی ہیں جن میں سے ہر ایک دوسرے سے قوی تر ہے؟

آپ نے بالترتیب فرمایا کہ حق و باطل کا فاصلہ چار انگشت کے برابر ہے کہ جسے اپنی انگلی سے دیکھا وہ حق ہے اور جسے صرف سنا ہے وہ ناقابل اعتبار ہے۔ زمین و آسمان کا فاصلہ بقدر آہ و مظلوم ہے کہ اس فاصلہ کو وہی طے کر سکتی ہے اور بس۔ مشرق و مغرب کا بعد بقدر سیر آفتاب ہے کہ وہ ایک دن میں یہ فاصلہ طے کر لیتا ہے۔ خنثی اس انسان کو کہتے ہیں جس کے مرد و عورت ہونے کا معاملہ مشتبہ ہو۔ اس کا پہلا طے یہ ہے کہ جوانی میں اعضاء و جوارح کی ساخت دیکھی جائے۔ وہ بھی غیر واضح ہو تو پھر منجاب کرنے کا اندازہ دیکھ کر اس کے مرد یا عورت ہونے کا فیصلہ کر لیا جائے۔ دس اشیا میں ایک سخت شے پتھر ہے جس سے شدید تر وہ لوہا ہے جو اسے توڑ دیتا ہے اور اس سے قوی تر وہ آگ ہے جو اسے بگھلا دیتی ہے اور اس سے قوی تر وہ پانی ہے جو اسے بچھا دیتا ہے اور اس سے قوی تر وہ بادل ہے

جو اسے اٹھائے پھرتا ہے اور اس کا قہر وہ ہوا ہے جس کے کانہوں پر یہ بادل رہتا ہے اور اس سے قوی تر وہ فرشتہ ہے جو ہوا کو حرکت دیتا ہے اور اس سے قوی تر وہ فرشتہ موت ہے جو اسے بھی موت دے گا اور اس سے قوی تر وہ موت ہے جس سے وہ بھی زنج کے گا اور اس سے قوی تر وہ حکم خدا ہے جو موت پر بھی حکمرانی کرتا ہے۔

امام حسنؑ کے ان جوابات میں عظیم ترین علمی، سیاسی اور اجتماعی نکات پائے جاتے ہیں جن میں آپ نے ہر جواب سے معاویہ کو ایک اہم مسئلہ کی طرف توجہ کرنا چاہا ہے تاکہ وہ ہدایت یافتہ نہ ہو سکے تو کم سے کم اپنی طرف سے اتمام حجت کا فریضہ ادا ہو جائے۔

مثال کے طور پر حتی و باطل کے فاصلہ میں سماعت اور بصارت کا حوالہ لے کر اس امر کو واضح کرنا چاہا ہے کہ ہمارے پاس جو سیرت رسولؐ ہے وہ ہمارے مشاہدہ کی بنیاد پر ہے اور تیرے پاس جو سیرت ہے وہ صرف سنی سنائی ہے، اور سنی سنائی کا اعتبار مشاہدہ کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہوتا ہے، لہذا اصل ہمارا دین اور ہمارا مذہب ہے۔

زمین و آسمان کے فاصلہ میں آہ و مظلوم کا حوالہ لے کر اس بات کا اعلان کیا ہے کہ آہ مظلوم ظالموں کے کانوں تک پہنچنے یا نہ پہنچنے آسمان اور عرش خدا تک بہر حال پہنچ جاتی ہے۔

قوی ترین اور شدید ترین اشیا کی ترتیب و تدریج سے اس امر کا اعلان کیا ہے کہ تیرے اختیار میں صرف لوہا، پتھر اور آگ یا پانی ہے اور میرے اختیار میں وہ امر خدا ہے جو ہر صاحب امر کے اختیار میں رہتا ہے اور جس سے زیادہ قوی تر کوئی شے نہیں ہے لہذا ایسے صاحب اختیار کو مجبور سمجھ کر اس کی طاقت سے مقابلہ کرنا جہالت، سفاهت اور حماقت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

۳۔ بادشاہ روم نے حضرت علیؓ اور معاویہ کے اختلافات کا ذکر تو چاہا کہ دونوں کے نمائندوں کو بلا کر صورت حال کا اندازہ کرے۔ چنانچہ اس نے فریقین کے نمائندے طلب کیے۔ معاویہ نے یزید کو بھیجا اور امیر المؤمنین نے امام حسنؑ کو۔ یزید نے بادشاہ روم کی دست بوسی کی اور امام حسنؑ نے منکر پر درگاہ ادا کیا۔ اس نے چند تصویریں نکالیں جن کا کوئی شناخت کرنے والا نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جناب آدم، نوح، ابراہیم، اسماعیل اور جناب شعیب کی تصویریں ہیں اور ایک تصویر کو دیکھ کر رو دیے کہ یہ میرے جد بزرگوار کی تصویر ہے۔ جس پر بادشاہ روم نے عجیب غریب سوال کیا کہ وہ کون سی مخلوق ہے جو بغیر ماں باپ اور

نروادہ کے پیدا ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا وہ سات مخلوقات ہیں: (۱) جناب آدم (۲) جناب حوا (۳) قدیر اسماعیل کا نابد (۴) جناب صالح کا نابد (۵) جناب موسیٰ کا نابد (۶) ایلین (۷) وہ کو آجس نے قابیل کو دفن کا طریقہ سکھایا تھا۔ جس پر بادشاہ روم بید خوش ہوا اور اس نے آپ کو تحفہ و تحائف کا نذرانہ پیش کیا۔ (تفسیر علی بن ابراہیم قمی)

اخلاق

امام حسن اخلاق کریمانہ کی اس وسعت کے مالک تھے کہ خلق حسن ایک محاورہ کی حیثیت رکھتا تھا چنانچہ اس سلسلہ میں متعدد واقعات تاریخ میں نقل کیے گئے ہیں:

۱۔ گھر کی خادمہ سے شور بکڑے پر گر گیا تو آپ نے سزا دینے کے بجائے اسے راہ خدا میں آزاد کر دیا تاکہ اسے کینز ہونے اور کینز ہونے کی بنا پر قابل تعزیر ہونے کا احساس نہ پیدا ہو۔
۲۔ ایک مرد شامی نے راہت روک کر بڑا بھلا کہا تو آپ نے فرمایا کہ اس بات کی ضرورت نہیں ہے، تجھے غذا کی ضرورت ہو تو وہ حاضر ہے۔ لباس کی ضرورت ہو تو وہ حاضر ہے، سواری کی ضرورت ہو تو یہ سواری حاضر ہے۔ وہ اپنی اس حرکت پر بے حد شرمندہ ہوا اور بے ساختہ بول اٹھا کہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنے پیغام کو کس منزل پر رکھے گا۔

۳۔ آپ نے متعدد بار سارا مال راہ خدا میں تقسیم کر دیا اور اپنے لیے کچھ نہ بچایا۔ تو کہنے والے نے عرض کیا کہ حضور آپ تو سب خرچ کر دیتے ہیں اور بے حساب عطا کرتے ہیں۔ فرمایا میں اپنے مال سے کچھ نہیں کرتا ہوں، خدا مجھے دیتا ہے میں غریباؤں کو دیتا ہوں، خدا دینا بند کر دے گا تو میں بھی بند کر دوں گا۔ لیکن میں بند کر کے خدا کی عطا پر بے اعتمادی کا اظہار نہیں کر سکتا (فورا لبصار)۔ اپنے کمال کی تعریف کو عطا پروردگار کی طرف موڑ دینا کمال شرافت اور معراج بندگی کی دلیل ہے جو اہل نفسانیت کو کبھی حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔

۴۔ آپ کا دسترخوان ایک شہرت عام رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات امیر المومنین کے پاس سائل آتے تھے تو فرماتے تھے کہ سوکھی روٹی یہاں حاضر ہے اور اس سے بہتر غذا حسن کے دسترخوان پر ملے گی کہ میں اس وقت امیر کائنات ہوں اور میری ذمہ داریاں بالفعل ہیں جس پر ان

ذمہ داریوں کا بار میرے بعد پڑے گا تو ان کا طرز عمل بھی ایسا ہو گا۔

۵۔ حاکم شام نے مدینہ میں اپنی سخاوت کا مظاہرہ کیا اور سارا مال تقسیم کر کے امام حسن کو طلب کیا اور آپ دربار میں گئے تو اتنا ہی مال طلب کر کے آپ کے حوالے کر دیا کہ آپ فرزند رسول ہیں آپ کا حق سب سے زیادہ ہے۔ آپ نے مال کو دیکھ لیا اور چلنے لگے تو معاویہ کے نوکر نے آپ کی جوتیا سیدھی کر دیں۔ آپ نے سارا مال اسے عطا کر دیا اور یہ واضح کر دیا کہ تیری نظر میں میرا تہ تمام قوم سے بالاتر ہے یہ تیرا اعتراف حق ہے لیکن میں اتنے مال کا حقدار تیرے نوکر کو سمجھتا ہوں، میرے غلاموں کے لیے تو اس مال دنیا کی کوئی قیمت نہیں ہے، ان کے لیے تو خدا نے آخرت میں نعمات جنت کا انتظام کیا ہے اور مجھے سردار جو انان جنت بنا یا ہے۔

آپ کا فلسفہ زہد و قناعت و تسلیم و رضایہ تھا کہ جب آپ کے سامنے جناب ابوذر کا ذکر کیا گیا کہ وہ تو نگری پر ناداری کو اور صحت پر بیماری کو ترجیح دیا کرتے تھے، تو آپ نے فرمایا کہ خدا ان پر رحمت نازل کرے۔ اس سے بہتر یہ تھا کہ انسان قضا و قدر الہی پر توکل کرے اور وہ جس حال میں رکھے اس کو پسند کرے اور اسی کو ترجیح دیتا رہے اور اپنی رلے سے کوئی فیصلہ نہ کرے۔ اپنے فیصلوں کو اپنے مالک کے حوالے کر دینا کمال بندگی ہے۔ وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ۔

شجاعت

پیغمبر اسلام کے بعد مولائے کائنات کی زندگی کے تقریباً ۲۵ سال اس سکوت کے عالم میں گذرے کہ آپ نے ملت اسلامیہ کے مسائل بھی حل کیے، حکومتوں کو اسلامی قوانین کے مطابق شوے بھی دیے، اپنے حق کا سلسل اظہار بھی کیا لیکن نہ حکومت کی ذمہ داریاں آپ کے سپرد کی گئیں اور نہ آپ نے اس سلسلہ میں کوئی مسلح قدم اٹھایا۔ اور ظاہر ہے کہ جب مولائے کائنات کی زندگی کا ایک طویل وقفہ تقریباً تاریخ کے پردہ ماز میں رہ گیا تو امام حسن کے کارہائے نمایاں کا کیا اظہار ہو سکتا ہے۔ صرف چند علمی مسائل کے سلسلہ میں آپ کا ذکر ضرور ملتا ہے لیکن اس کے علاوہ اور کوئی واضح تذکرہ تاریخ میں نہیں ہے۔ البتہ قتل عثمان کے موقع پر جب محاصرہ شدہ لوگوں کو پانی فراہم کرنے کا سوال پیدا ہوا تو امام حسن ہی نے یہ خدمت انجام دی تھی کہ نبی امیر کو اس احسان کا بھی احساس رہے اور پھر امیر المومنین کے نظریہ عمل میں

ہونے کے بعد جب جمل و صفین کے معرکے پیش آئے تو ان میں امام حسن نے شرکت بھی کی اور بعض اوقات پانچ اسلام بھی آپ کے ہاتھوں میں رہا۔ خود اپنی صلح کے بعد جب مساویہ کی شرائط میں تمام نہیں ہوئیں تو آپ حکم خدا کا سامانے کر اٹھ کھڑے ہوئے، اگرچہ آپ نے قوم کی سستی اور یوفانی کا شاہدہ کر لیا تھا اور اس کا بنیاد پر صلح پر آمادہ ہو گئے۔

جنگ عمل میں حضرت عائشہ کو مدینہ واپس جانے پر آپ ہی کی ہیبت سے آمادہ کیا تھا اور نہ ان کے حوصلے شکست کے بعد بھی بلند تھے اور پھر جنگ صفین کے سلسلہ میں جب کوذ کے حالات خواب ہوئے تو امیر المومنین نے آپ ہی کو عاریا سر کے ہمراہ روانہ کیا تھا کہ کوذ کی فضا کو سازگار بنائیں اور اپنے ایک تقریر سے کوذ کے حالات کا رخ تبدیل کر دیا تھا اور تقریباً ۱۰ ہزار کا لشکر تیار کر لیا تھا۔

عبادت

عبادت آل محمد کا شمار اور ان کا طرہ امتیاز ہے۔ ان سے بہتر عبادت گزار کائنات میں نہ پیدا ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ ان کی ایک ایک ضربت عبادت نقلین پر بھاری ہو جاتی ہے۔ امام حسن بھی ان میں آل محمد کی ایک فرد ہیں جنہوں نے خوب خدا میں بے پناہ گریہ کیا۔ (معاشرت راضیہ)

- کبھی وقت وضو آپ کے چہرہ کا رنگ تغیر ہو گیا۔ (ریح الاررار زعفری)
- کبھی راہ خدا میں اپنا سارا مال بار بار تقسیم کر دیا (حلیۃ الاولیاء، اسد الغابہ تذکرہ)
- کبھی ۲۵ حج پیدل کیے جب کہ سواریاں اگے اگے چل رہی تھیں۔ (مستدرک، سنن کبریٰ)

حدیث ہے کہ جب مسجد کوذ میں امیر المومنین کا سراقدس شگافتہ ہو گیا اور آپ خون میں نہانے ہوئے مصلیٰ پر بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے امام حسن ہی کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا اور اپنے لیے سنگین حالات میں بھی نہایت درجہ مشغول و حضور اور اخلاص قلب کے ساتھ نماز پڑھائی تھی کہ ذہن اقدس پر حالات کی سنگین اور سختی کا کوئی اثر نہیں تھا، اور توجہ الی اللہ کے بعد دنیا کا ہر خیال ذہن اقدس سے مٹ گیا تھا۔

شہادت

معاویہ نے جب یہ دیکھ لیا کہ تخت و تاج پر قبضہ کر لینے کے بعد بھی وہ مقصد حاصل نہیں ہوا جو اس

کی نگاہ میں اہم ترین مقصد تھا اور عالم اسلام نے اسے ابوسفیان کے ایک فرزند ہی کی حیثیت سے دیکھ لیا ہے تو اس نے آپ کی زندگی کے خاتمہ کا ارادہ کر لیا۔ متعدد بار آپ کو زہر دیا گیا لیکن قضا و قدر نے بچا لیا۔ یہاں تک کہ مروان کے ذریعہ آپ کی زود جسدہ بنت اشعث کے ہاتھوں زہر دوا گیا اور اسے ایک لاکھ درہم نقد کے ساتھ اس وعدہ سے نوازا گیا کہ اس کے احساس ہوگی کہ زود جیت بزیڈ سے ختم کر دیا جائے گا چنانچہ اس ظالم نے زہر دے دیا اور آپ کے جگر کے بہتر ٹکڑے ہو گئے لیکن اس کے بعد اس ظالم کا بھی وہی انجام ہوا جو دنیا کے ہر ظالم کا جلد یا بدیر ہوا کرتا ہے اور معاویہ نے اسے دریا میں پھینک دیا کہ جب تو حسن جیسے انسان سے وفا نہیں کر سکتی ہے تو بزیڈ سے کیا وفا کرے گی اور اس طرح جسدہ کی زندگی کے ساتھ زود جیت کی عظمت بھی غرق دریا ہو گئی۔

معاویہ کے زہر دلوانے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس نے خبر شہادت امام حسن سننے کے بعد جسدہ شکر ادا کیا اور اس قدر بلند آواز سے تکبیر کہی کہ لوگ دریافت حال پر مجبور ہو گئے اور اس طرح انہیں امام حسن کی خبر شہادت بھی مل گئی۔

معاویہ کے بعد بنی امیہ کا نمبر آیا کہ جب امام حسن کا جنازہ روضہ رسول کی طرف چلا تو بنی امیہ نے مزاحمت کی اور ایک مرتبہ پھر حضرت عائشہ میدان میں آگئیں ماس تہم آپ نچر پر سوار تھیں اور فرمایا کہ حسن کا جنازہ پہلے رسول میں دفن نہیں ہو سکتا اور اس اشتعال انگیزی کا اثر یہ ہوا کہ بنی امیہ نے جنازہ پر تیرا نمازی شروع کر دی اور بنی ہاشم امام حسن کے جنازہ کو واپس لا کر بقیع میں دفن کرنے پر مجبور ہو گئے اور امام حسین نے کسی طرح کی مزاحمت پسند نہیں کی۔ امت کو اس بات کی خوشی ضرور ہوئی کہ پہلے رسول میں دفن ہونے کا شرف اہلبیت کو نہیں حاصل ہو سکا، وہ اس بات سے غافل رہ گئی کہ اہلبیت کی جسگے روز اولیٰ سے قلب رسول میں ہے، انہیں پیغمبر اسلام نے اپنا جزر اور مکر قرار دیا ہے وہ اپنی عظمت میں مسکن اور مدفن کے محتاج نہیں ہیں۔

ازواج

تاریخ کی نشان دہی کی بنیاد پر امام حسن کی پوری زندگی میں مختلف اوقات میں صرف نو ازواج کا پتہ ملتا ہے جن کے اسامیہ ہیں: ام فروہ۔ خولہ بنت منظور۔ ام بشیرہ ثقفیہ۔ رملہ۔ ام الحسن بنت امیر المومنین۔

جدہ ۱۰، اسحاق بنت طلحہ بن عبید اللہ تمیمی۔

لیکن بنی امیہ کے نمک خواروں نے امام حسنؑ کے کردار کو مجروح بنانے کے لیے افسانہ سازی کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا، اور جس طرح امیر المومنینؑ کے خلاف ابو جہل کی بیٹی سے عقد کرنے کا شاخاند تیار کیا تھا اسی طرح امام حسنؑ کے خلاف تعداد ازواج کی داستان سازی کا مقابلہ شروع ہو گیا۔

ابن ابی الحدید علی بن عبد اللہ المدائنی کے حوالے سے شتر ازواج کا پتہ لگایا۔

اور شبلنجی نے نور الایصار میں تیسٹے ازواج کا ذکر کیا۔

قوت القلوب کی میں یہ تعداد ۲۵، اور ۳۰ تک پہنچادی گئی اور اس طرح ہوی نہنگ خواروں نے حتی نمک ادا کر دیا۔ یہ اور بات ہے کہ میزان الاعتدال ذہبی کے بقول مدائنی امام مسلم کی نظر میں ناقابل روایت ہے اور نام کے اعتبار سے اس نے صرف دس ازواج کا نام بتایا ہے۔

شبلنجی اور قوت القلوب کی روایات میں تو راوی کا بھی پتہ نہیں ہے کہ کس نے اس قدر شادیوں میں شرکت کی اور اس کا نکاح نام مرتب کر کے رکھا ہے تاکہ صحیح تعداد محفوظ رہے اور کمی یا زیادتی نہ ہونے پائے۔

مدائنی کا حافظ بھی ازواج کے اعتبار سے تو قوی تھا کہ اس نے شتر کا عدد یاد رکھا لیکن ازواج کے ناموں کے اعتبار سے دس سے زیادہ کا پتہ نہ دے سکا اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے۔ دروغ گو را حافظ نباشد

ازواج کی اس تعداد کے بارے میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں چار سے زیادہ شادیاں جائز نہیں ہیں تو اتنی بڑی تعداد کس طرح جمع ہوگئی۔ کیا ازواج امام حسنؑ اور ملک الموت میں کوئی خاص اختلاف تھا کہ جس دن امام حسنؑ عقد کریں دوسرے دن عورت کا انتقال ہو جائے کہ سن بلوغ کے بعد سے امام حسنؑ کی کل زندگی ۳۲ برس کے قریب ہوتی ہے اور امیر المومنینؑ کے دو درجات میں ۲۵ سال کی خانہ نشینی کے دوران لوگ آل محمدؑ کی طرف رُخ کرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے پیشیاں دینا اور شادی کرنا تو بڑی بات ہے۔ امیر المومنینؑ کا دور حکومت ۲۵ سے شروع ہوتا ہے اور امام حسنؑ کی شہادت ۲۵ میں ہو جاتی ہے اس طرح کل زمانہ پندرہ سال کا ہوتا ہے جس میں ۷ کے اعتبار سے ہر سال ۵ شادیاں اور ۳۵ کے اعتبار سے ہر مہینہ تقریباً دو شادیاں ہوتی ہیں۔

مورخین نے اس مسئلہ کو وفات کے بولے طلاق کے ذریعہ حل کیا ہے اور یہ روایت بھی تیار کی ہے کہ امیر المومنینؑ نے مسجد میں اگر اعلان کیا کہ حسنؑ بہت زیادہ طلاق دیتے ہیں لہذا تم لوگ انہیں اپنی بیٹیاں مت دینا تو قوم نے جواب دیا کہ ضرور اپنی بیٹیاں ان کے حوالے کریں گے چلے وہ جس قدر بھی طلاق دیتے رہیں۔

اس روایت کے مضمرات پر غور کیا جائے تو بنی امیہ کی خواہش کے عین برخلاف امام حسنؑ کے کردار کی بلندی کا اظہار ہوتا ہے اور اس کے حسب ذیل اسباب ہیں:

۱۔ امام حسنؑ کسی دولت مند اور صاحب ثروت انسان کا نام نہیں ہے۔ ان کے پاس کوئی اتنا عظیم سرمایہ نہیں ہے کہ اس قدر عورتوں کا ہرادا کر سکیں اور سب کے نفقہ کا انتظام کر سکیں۔ اس بنیاد پر تو خود عورتوں کی طرف سے طلاق کا مطالبہ ہونا چاہیے تھا نہ یہ کہ امام حسنؑ طلاق دیں اور وہ شادی کرنے پر رضد رہیں۔

۲۔ کسی شخص کے بارے میں یہ بات شہور بھی ہو جائے کہ اس نے دو تین بیویوں کو طلاق دے دی ہے تو کوئی شخص اپنی بیٹی دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا ہے۔ یہ امام حسنؑ کا کمال کردار ہے کہ اس قدر طلاقوں کے بعد بھی شادی کے امکانات باقی رہ گئے اور کوئی زحمت نہیں پیدا ہوئی۔

۳۔ امیر المومنینؑ کے منہ کرنے کے باوجود لوگوں کا پیشیاں دینا اس امر کی علامت ہے کہ لوگوں کو امام حسنؑ کے کردار پر مولائے کائنات کے ارشاد گرامی سے بھی زیادہ اعتبار تھا اور یہ بات خلاف واقعہ ہونے کے باوجود کردار امام حسنؑ کی ایک واضح دلیل ہے۔

۴۔ مورخین نے ازواج کی تعداد کے ذریعہ امام حسنؑ پر جنسی زندگی کا الزام تو لگانا چاہا ہے لیکن کسی مورخ کی عدالت میں مہربان نفقہ کا مقدمہ درج نہیں ہوا ہے اور یہ علامت ہے کہ امام حسنؑ نے اس قدر شادیوں کے بعد بھی حقوق میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے اور ایسے شخص کو شادیاں کرنے کا یقیناً حق ہے۔

۵۔ عام طور سے جنسی الزام خود اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ انسان کے کردار پر لوگوں کو اعتماد ہے ورنہ ایک عیاش اور ہوس پرست انسان پر کوئی بھی الزام لگادیا جائے اس پر جنسی الزام نہیں لگایا جاتا ہے کہ یہ اس کی اخلاقی کے مطابق ہے اور ایسے مسائل الزام تراشی میں کام نہیں آتے ہیں۔ تاکہ صلوة پر نماز ترک کرنے کا الزام کارگر نہیں ہوتا۔ امام جماعت پر یہ الزام اثر انداز ہو سکتا ہے۔

اور پھر ان تمام باتوں کے بعد سلاصت یہ ہے کہ اگر اسلام جنسی زندگی کا مخالف تھا تو اسے اس طرح کی اجازت ہی نہیں دینا چاہیے تھی اور روز اول ہی اعلان کر دینا چاہیے تھا کہ چار پانچ شادیوں کے بعد عقد کرنے کا حق نہیں ہے زوجہ زندہ رہے یا مر جائے۔ لیکن اگر اسلام نے اجازت دی ہے تو اسلام کے جائز کو حرام بنانے کا کام بنی امیہ ہی انجام دے سکتے ہیں کوئی شریف مسلمان یہ کام نہیں کر سکتا ہے۔

امام حسنؑ۔ بانی اسلام کی نگاہ میں

تاریخ کے جن مسلمات میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں ہے ان میں سے ایک عظمت آل محمدؑ کا مسئلہ بھی ہے۔ ان کے منصب اور عہدہ کا اقرار کیا جائے یا نہ کیا جائے، ان کے تعلیمات اور احکام کو تسلیم کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ ان کے فرامین اور ارشادات پر عمل کیا جائے یا نہ کیا جائے یہ ہر حال مسلم ہے کہ یہ حضرات ساری امت سے بالاتر درجہ کے مالک تھے اور مالک کائنات نے انہیں غیر معمولی فضائل و کمالات کا حامل بنایا تھا۔ ان کا آغاز طیب و طاہر تھا، ان کا انجام پاک و پاکیزہ تھا۔ ان کے کمالات شہرہ آفاق تھے اور ان کے فضائل ناقابل انکار تھے۔ زمانہ نے انہیں منصب دار مانا ہو یا نہ مانا ہو، ان کے فضائل کا اقرار ضرور کیا ہے اور دشمن نے بھی انہیں قتل کیا ہے تو ان کے مناقب و کمالات کا اعتراف کرنے کے بعد اور قاتلوں نے بھی انعامات کے مطالبہ میں یہ بات زور سے کہی ہے کہ کسی معمولی آدمی کو نہیں مارا ہے بلکہ ایک عظیم صاحب کمالات و کرامات کو قتل کیا ہے۔

عظمت آل محمدؑ کا انکار درحقیقت ارشادات مرسلہ انعم کا انکار ہے۔ "عظمت آل محمدؑ کا انکار آیات قرآنی، تاریخی حقائق اور عقائدی مسلمات کا انکار ہے۔" "عظمت آل محمدؑ کا انکار روز روشن اور آفتاب نصف النہار کا انکار ہے اور یہ کام شہرہ چشم کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا ہے۔"

امام حسنؑ انہیں آل محمدؑ کی ایک نمایاں فرد ہیں جنہیں تطہیر کی منزل میں مہابہ کے میدان میں بازار میں دوش بیخیز پر، مسجد میں پشت رسول پر، منبر پر آغوش رسالت میں بارہا دیکھا گیا ہے اور جن کی عظمت و جلالت کے اظہار میں سرکار رسالت نے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا ہے اور تاریخ نے دشمن کے بارے میں بھی جو روایت تیار کی ہے اس میں بھی فضیلت امام حسنؑ کا انکار ممکن نہیں ہو سکتا ہے۔

سیرت امام حسنؑ کے خاک کی مناسبت سے سرکارِ دو عالم کے ان چند اقوال و اعمال کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جن سے امام حسنؑ کی عظمت و جلالت کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے، اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ امام حسنؑ سے دشمنی کرنے والا اور انھیں زہر دینے والا کسی قیمت پر مسلمان نہیں کہا جاسکتا ہے۔
روایات علماء اسلام کی کتابوں میں محفوظ ہیں اور ان کا تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ انسان جس کتاب کو بھی اٹھا کر دیکھے گا امام حسنؑ کے فضائل کا ایک دفتر نظر آجائے گا۔

یہاں ابتدا میں صرف ان روایات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جن میں سرکارِ دو عالمؑ نے امام حسنؑ سے اپنی جنت کا اظہار کیا ہے اور اس کے بعد ان روایات کا ذکر کیا جائے گا جن میں امام حسنؑ کی جنت کو اپنی جنت کا لازم قرار دیا ہے کہ اس کے بغیر جنت کی جنت کا تصور بھی بے معنی اور کھوکھلا ہو کر رہ جاتا ہے۔
● امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند ج ۴ ص ۹۳ پر مساویر سے یہ روایت کی ہے کہ میں نے رسول اکرمؐ کو حسنؑ کی زبان اور ان کے لبوں کو چوستے دیکھا ہے، اور خدا ایسی زبان یا ایسے لبوں پر برگزیدہ عذاب نہیں کر سکتا ہے جنہیں رسول اکرمؐ نے چوسا ہو۔

اس حدیث کو محب الدین طبری نے ذخائر العقبیٰ ص ۱۲۶ میں، علامہ خوارزمی نے مقتل الحسین ص ۱۰۵ میں، علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلا ج ۳ ص ۲ میں، علامہ ذہبی نے تاریخ الاسلام ج ۲ ص ۲۵۲ میں، ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۶ میں، ملا علی قلی نے منتخب کنز العمال بحاشیہ مسند ج ۵ ص ۱۰۲ میں، اور علامہ باکثیر حفری نے وسیلۃ المآل ص ۱۶۸ میں نقل کیا ہے۔

اب سوال صرف یہ ہے کہ جن شخص نے اس حدیث کو بیان کیا ہے اس نے خود اس کے مغز اور معنی پر کیوں غور نہیں کیا اور خیال کیوں نہیں کیا کہ اگر امام حسنؑ کی عظمت و جلالت یہ ہے تو انھیں زہر دلوانے والے کے عذاب الہی سے بچنے کا راستہ کیا ہوگا؟ اور یہی دراصل میرے اس دعویٰ کی دلیل ہے کہ عظمت امام حسنؑ کا اقرار ان کے قاتلوں نے بھی کیا ہے، اور یہ بات اس قدر واضح تھی کہ کسی سے اس کا انکار ممکن نہیں ہو سکتا ہے۔

● ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اکرمؐ اپنی زبان امام حسنؑ کے دہن میں دے دیا کرتے تھے اور چوان کی زبان کو چوسا کرتا تھا۔

اس روایت کو حافظ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن حبان اصفہانی نے "اخلاق النبی

و آدابہ" کے ص ۹۰ پر، ابن اثیر نے النہایہ ج ۱ ص ۱۲۱ پر، ابن حجر نے صواعق مرقومہ ص ۱۳۶ پر، سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص ۳ پر، علامہ محمد طاہر صدیقی ہندی نے مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۱۲۴ پر، علامہ امرتسری نے ارجح المطالب ص ۱۶۹ پر درج کیا ہے۔ اور اسے ہر اس مسلمان کو تسلیم کرنا ہوگا جو ابو ہریرہ کی صداقت پر اعتماد رکھتا ہے اور ان کے بیانات کو اسلامی احکام اور مسائل کے بارے میں منہ جانتا ہے۔

● ابو ہریرہ ہی سے نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے امام حسنؑ کو دیکھ کر فرمایا کہ میں نے رسول اکرمؐ کو آپ کے شکم مبارک کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے لہذا آپ اپنا پیرا بن لیں کہ میں شکم اقدس کو بوسہ دے سکوں۔

اس روایت کو علامہ حاکم نیشاپوری نے مستدرک ج ۳ ص ۱۶۸ پر نقل کیا ہے اور اسے بخاری اور مسلم کے شرائط کی بنیاد پر صحیح بھی قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ علامہ طبرانی نے معجم کبیر ص ۱۳۰، ابو بکر شافعی نے تاریخ بغداد ج ۹ ص ۹۵، خوارزمی نے مقتل الحسین ص ۱۰۰، محب الدین طبری نے ذخائر العقبیٰ ص ۱۲۶، ابن منظور صہری نے لسان العرب ج ۹ ص ۲۵۴، علامہ ذہبی نے تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۶۸، اور سیر اعلام النبلا ج ۲ ص ۱۴۲، نور الدین دمشقی نے مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۴۴، علامہ زرنزدی نے نظم درر السعین ص ۲۰۰، ملا علی قلی نے منتخب کنز العمال ج ۵ ص ۱۰۳، ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۶، علامہ کاندھلوی نے حیاة الصحابہ ج ۲ ص ۲۳۹، علامہ شعرانی نے کشف الخمر ج ۱ ص ۸۶، علامہ امرتسری نے ارجح المطالب ص ۲۶۹، علامہ حفری نے وسیلۃ المآل ص ۱۶۸ پر نقل کیا ہے اور یہ امام حسنؑ کی جلالت و عظمت اور سرکارِ دو عالم کی نگاہ میں ان کی مجوبیت کی بہترین دلیل ہے جس کی تباہی بڑے بڑے صحابہ رسولؐ کو رہے تھے۔
● عروہ بن زبیر نے اپنے والد کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے ایک مرد انصاری کے سامنے اپنے فرزند حسنؑ کو گلے لگا کر بوسہ دیا تو اس شخص انصاری نے کہا کہ میں نے تو آج تک اپنے فرزند کو اس طرح پیار نہیں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے تیرے دل سے رحمت سلب کر لی ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔

اس روایت کو علامہ حاکم نیشاپوری نے مستدرک میں صحیح قرار دیتے ہوئے درج کیا ہے

جلد ۳ ص ۱۰۰ اور علامہ ذہبی نے 'الخصائص المستدرک ج ۲ ص ۱۰۰ میں بھی درج کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرکارِ دو عالم نے امامِ حسین سے اظہارِ محبت کو رحمت للعالمین ہونے کا لازم قرار دیا ہے اور ایسے عمل پر ناگواری کا اظہار کرنے والے کو بے رحم قرار دیا ہے۔ جو عظمتِ امامِ حسن کی بہترین دلیل ہے۔

۵۔ مقدم بن سعدی کرب معاویہ کے یہاں حاضر ہوا تو معاویہ نے خبرِ وفاتِ حسن مجتبیٰ شنائی۔ مقدم نے کہا کہ کیا آپ اسے مصیبت سمجھتے ہیں؟ معاویہ نے جواب دیا کہ کونکرہ بھول میں نے یہ منظر دیکھا ہے کہ رسولِ اکرمؐ انھیں اپنی آغوش میں بٹھا کر فرماتے تھے کہ یہ مجھ سے ہے اور حسینؑ علی سے ہے۔

اس روایت کو امام احمد بن حنبل نے 'مسند ج ۴ ص ۱۳۲ میں، علامہ گنجی شافعی نے 'کفایۃ الطالب ص ۲۶۷ میں، محب الدین طبری نے 'ذخائر العقبی ص ۱۳۳ میں، ابن حجر نے 'صواعق محرقة ص ۱۸۹ میں، علامہ طبرانی نے 'معجم کبیر ص ۱۳۳ میں، علامہ سیوطی نے 'الجامع الصغیر ص ۱۹ میں، ملا علی قلی نے 'کنز العمال ج ۱۳ ص ۱۰۰ میں، علامہ مناوی نے 'کنوز الحقائق ص ۷۰ میں، علامہ بدخشی نے 'مفتاح النجا ص ۱۱۳ میں، علامہ حضری نے 'وسیلۃ المآل ص ۱۶۵ میں درج کیا ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امامِ حسن اور سرکارِ دو عالم میں کیا رشتہ اور تعلق تھا اور اس کا اعتراف معاویہ کو بھی تھا، والفضل ماشہدت جہ الأعداء۔

اس مضمون کی اور بھی بے شمار روایات ہیں جن سے سرکارِ دو عالم کی شدتِ محبت کا اندازہ ہوتا ہے اور جن کی تفصیلات کے لیے "ملحقات احقاق الحق" مولفہ آیۃ اللہ المرعشی طالب ثراہ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد ان روایات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جن میں سرکارِ دو عالم نے امامِ حسن کی محبت کو اپنی محبت کا مبیار اور لازم قرار دیا ہے:

۱۔ براہِ راوی ہیں کہ رسولِ اکرمؐ کو اپنے کانہے پر بٹھائے ہوئے فرمایا ہے تھے کہ جسے مجھ سے محبت کرنا ہے وہ اس سے محبت کرے۔

اس روایت کو ابو داؤد نے اپنی 'مسند ص ۹۹ میں، حافظ ابو عبد اللہ بخاری نے اپنی

صحیح ج ۵ ص ۲۶ میں، اور الادب المفرد ص ۲۳ میں، امام مسلم نے اپنی 'صحیح ج ۷ ص ۱۲۹ میں، علامہ ترمذی نے اپنی 'صحیح ج ۱۳ ص ۹۸ میں، احمد بن حنبل نے 'مسند ج ۴ ص ۲۹۲ میں، طبرانی نے 'معجم کبیر ص ۱۳۰ میں، ابو نعیم اصفہانی نے 'حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۵ میں، خطیب بغدادی نے 'تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۳۹ میں، علامہ بیہقی نے 'سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۲۳۳ میں، علامہ بغوی نے 'مصابیح السنن ص ۲۰۵ میں، ابن عساکر نے 'تاریخ دمشق ج ۴ ص ۲۰۲ میں، ابن اثیر نے 'اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۳ میں، علامہ گنجی نے 'کفایۃ الطالب ص ۱۹۶ میں، قاضی عیاض نے 'شفا ج ۲ ص ۲۱ میں، شیخ سلیمان قندوزی نے 'ینابیع المودہ ص ۱۰۹ میں، ابن جوزی نے 'تذکرہ ص ۲۰۲ میں، ذہبی نے 'تاریخ الاسلام ج ۲ ص ۲۱۷ میں، حضری نے 'وسیلۃ المآل ص ۱۶۷ میں، ابن کثیر نے 'البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۴ میں، یعنی نے 'عمدۃ القاری ج ۱۶ ص ۲۲۲ میں، سیوطی نے 'تاریخ الخلفاء ص ۷۲ میں، قسطلانی نے 'ارشاد الساری ج ۶ ص ۱۶۰ میں، ابن حجر نے 'صواعق محرقة ص ۱۳۵ میں، بدخشی نے 'مفتاح النجا ص ۱۱۵ میں، علامہ بہانی نے 'الشرف الموبد ص ۶۰ میں، امرتسری نے 'اربع المطالب ص ۲۶۸ میں درج کیا ہے۔

۲۔ ابو یحییٰ راوی ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ میرا یہ فرزند سردار ہے، جو مجھ سے محبت کرے اسے اس سے محبت کرنا چاہیے۔ ابو نعیم اصفہانی کتاب 'اخبار اصہبان ج ۱ ص ۲۹۱ میں، حضرت علیؑ کی روایت ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا، جو مجھ سے محبت کرے اسے اس سے محبت کرنا چاہیے۔ (منتخب کنز العمال حاشیہ مندہ ص ۱۰۲)

۳۔ از ثنویہ کا ایک شخص راوی ہے کہ سرکارؐ نے فرمایا کہ جو مجھ سے محبت کرے اسے اس سے محبت کرنا چاہیے۔ (تاریخ کبیر بخاری ج ۲ ص ۳۹۱، مسند احمد ج ۵ ص ۳۶۶، تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۲۳، مستدرک ج ۳ ص ۱۶۳، اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۴۷، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۱۷، اصابہ ج ۱ ص ۳۲۸، تاریخ الخلفاء ص ۳۷، کنز العمال ج ۱۶ ص ۲۶۱، اسفان الراغبین ص ۱۹۷)۔

۴۔ انس بن مالک راوی ہیں کہ سرکارؐ نے فرمایا جو اسے ازیت دے گا وہ مجھے ازیت دے گا اور جو مجھ کو ازیت دینے والا ہے وہ خدا کو ازیت دینے والا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۸۴، معجم کبیر طبرانی ص ۱۳۲، منتخب کنز العمال حاشیہ مسند ج ۵ ص ۱۰۲، مفتاح النجا ص ۱۱۵)

ارج المطالب ص ۲۶۹۔

ان روایات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ سرکارِ دو عالم کی نگاہ میں امام حسن کی عظمت و جلالت کیا ہے، اور امام حسن سے محبت نہ کرنے والے اور انھیں اذیت لینے والے کے بارے میں سرکار کا نظریہ کیا ہے!

رب کریم سے التماس ہے کہ امتِ اسلامیہ کو توفیق دے کہ جس کا کل پڑھا ہے اسی کے ارشادات و افکار کا اتباع کرے اور اپنے پاس سے محبت اور نفرت کے میزانِ معیار نہ تیار کرے۔

والسلام علی من اتبع الهدی

صلح امام حسن — محرکات اور مضمرات

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی زندگی میں باطل کے پروپیگنڈوں کی نقاب کشائی کے اعتبار سے مسئلہ تعددِ اذواج اور حقائقِ فہمی کے اعتبار سے مسئلہ صلح بجز اہمیت رکھتا ہے مسئلہ تعددِ اذواج پر مسلسل بحثوں کے بعد مسئلہ صلح پر قدرے تفصیلی بحث کی ضرورت ہے۔

تہمیدی طور پر یہ بات نظر انداز نہیں ہونی چاہیے کہ امام حسن کا کردار ان دونوں مسائل میں بالکل رسول اکرم کا کردار ہے کہ آپ کے بارے میں بھی انہی دو طرح کے مسائل کو حریہ نیا گیا ہے اور کبھی دشمن نے مسئلہ تعددِ اذواج کو ہوس رانی کا موردِ الزام ٹھہرایا ہے اور کبھی بظاہر دوستوں نے صلح کو نبوت میں تشکیک کا ذریعہ قرار دیا ہے اور اس طرح نانا اور نواسے کا اتحاد قہری طور پر منظرِ عام پر آ گیا ہے چاہے دشمن اس امر کا اقرار نہ کرنا چاہے۔

صلح امام حسن کے محرکات پر نظر ڈالنے کے لیے اس کے اس پس منظر کا نگاہ میں رکھنا ضروری ہوگا جو اس صلح کی پشت پر کام کر رہا ہے جس کی صورتِ حال یہ ہے کہ ۱۱ رمضان سنہ ۴۰ کو امیر المومنین کی شہادت اور ان کے دفن و کفن کے بعد امام حسن نے مسلمانوں کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے ایک مختصر مگر انتہائی جامع خطبہ پڑھا:

”ایہا الناس! آج کی شب اس شخص نے انتقال فرمایا ہے جس پر کل و کردار کے اعتبار سے پہلے والے بہت لے گئے ہیں اور نہ بعد والے وہاں تک پہنچ سکے ہیں۔ وہ مرد میدان، رسول اکرم کے ساتھ راہِ خدا میں جہاد کرتا تھا۔ انھیں بچاتا تھا اور جب وہ پرچم سے کہ اسے میدانِ جہاد میں بھیج دیتے تھے تو وہ اسی طرف جبرئیل اور بائیں طرف میکائیل ہوتے تھے اور اس وقت تک واپس نہ آتا تھا جب تک دونوں ہاتھوں پر فرج حاصل نہ کرے۔ ان کا انتقال اس رات میں ہوا ہے جس رات عیسیٰ بن مریم کو آسمان پر اٹھایا گیا ہے اور لاشِ بن زون کا انتقال ہوا ہے۔“

انھوں نے زکریاؑ سے زبردہ چھوٹے ہیں اور زینار حضرت... درہم عطایا سے باقی رہ گئے تھے جس سے ایک خادم خریدنے کا ارادہ تھا اور وہ نہ پورا کا۔

ایما الناس اجماعہ بیچا نسا ہے وہ بیچا نسا ہے اور جو نہیں بیچا نسا ہے وہ بیچا نسا ہے اور اس کا فرزند ہوں جو خدا کی طرف دعوت دینے والا اور سراج نیر تھا۔ میرا شمار ان اہلیت میں ہوتا ہے جن سے خدا نے ہر جس کو دور رکھا ہے اور انہیں مکمل طور پر عنایت فرمائی ہے اور ان کی محبت کو اجر رسالت قرار دیا ہے۔ نیکی ہم اہلیت کی محبت کا نام ہے۔

اس خطبہ کا تمام ہونا تھا کہ قیس ابن سعد نے عرض کی کہ حضور ہاتھ بڑھائیں، ہم کتاب خدا، سنت رسولؐ اور دشمنوں سے جنگ کے نام پر آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بس کتاب خدا اور سنت رسولؐ۔ باقی چیزیں اسی میں شامل ہیں اور انکے سے کسی شرمکے اضافہ کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ کتاب و سنت کے ناقص ہونے کی علامت بن جائے۔ جب تم میری اطاعت کے لیے بیعت کرو گے تو تمہیں میرے دشمن سے جنگ کرنا ہوگی اور میں جس سے صلح کروں گا، اس سے صلح کرنا ہوگی۔ بیعت تمام ہوگئی۔ ۴۰ ہزار افراد نے امام حسنؑ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور آپ امامت واقعی کے علاوہ خلافت ظاہری کے بھی مالک ہو گئے۔ لیکن ادھر معاویہ جو جنگ صفین ہی میں اپنی بیعت کا اعلان کر چکا تھا اور قضیہ حکیم میں اپنی دانست میں خلافت اسلامیہ بھی حاصل کر چکا تھا اور اپنی مکمل حکومت کی راہ ہموار کرنے کے لیے ابن الحکم کے ذریعہ حضرت علیؑ کو شہید کر چکا تھا۔ اسے اس امر کی اطلاع ملی کہ عراق کی حکومت پھر اولاد علیؑ کی طرف جارہی ہے تو فوراً ریشہ دوانیاں شروع کر دیں اور کو ذر پر حملہ کرنے کے لیے ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہو گیا۔ اور امام حسنؑ نے قیس بن سعد کی سرکردگی میں بارہ ہزار کا لشکر معاویہ کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے روانہ کر دیا۔ معاویہ نے اپنی فطری مکاری سے کام لے کر قیس اور امام حسنؑ دونوں کے لشکر میں یہ خبر عام کر دی کہ معاویہ سے صلح ہوگئی ہے اور اب جنگ بلا سبب ہوگئی ہے۔ قیس کے لشکر میں خبر نشر ہوئی کہ امام حسنؑ نے صلح کر لی ہے اور قیس بلا سبب لڑ رہے ہیں، اور امام حسنؑ کے کیمپ میں یہ خبر نشر ہوئی کہ قیس نے صلح کر لی ہے اور امام حسنؑ بلا سبب جنگ کرنا چاہتے ہیں، اور اس طرح لشکر میں چھوٹ پڑ گئی اور حکیم کے موقع پر حضرت علیؑ کو دین سے

خارج کہنے والوں نے امام حسنؑ پر بھی دین سے منحرف ہوجانے کا الزام لگا دیا اور آخری تیویر ہوا کہ امام حسنؑ کے قدموں تلے سے مصلیٰ تک کھینچ لیا گیا اور آپ کو بے حد اذیت دی گئی، اور جب آپ مٹانے کے لیے تو آپ کو زخمی بھی کر دیا گیا کہ آپ کو تا دیر زیر علاج رہنا پڑا۔

اب امام حسنؑ کے حالات اس موڑ پر تھے کہ:

۱۔ امیر المومنین کی شہادت کے بعد معاویہ کی ہمتیں بڑھ گئیں۔ اسے حکیم کو مستحکم کرنے کا موقع مل گیا اور مسلمانوں کو بھی مال و دولت کی طرف جانے کا راستہ مل گیا۔

۲۔ امام حسنؑ کے لشکر میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا، لوگ مسلسل جنگوں سے عاجز آگئے، مال و قیمت کی امیدیں ختم ہو گئیں۔ معاویہ نے رشوت دے کر سرداران لشکر کو بھی خرید لیا اور عید اللہ بن عباس جیسے لوگوں نے بھی خیانت شروع کر دی اور سارے سرداروں کا ہزاروں پکے تویر ایک لاکھ میں پک گئے۔

۳۔ دشمن کی طاقت میں مادی اور معنوی دونوں طرح سے اضافہ ہو گیا۔ مادی اعتبار سے افراد بڑھے، اموال کی فراوانی ہوئی اور معنوی اعتبار سے سب اپنے حاکم کی اطاعت پر کمر بستہ ہو گئے اور ہر حال میں اس کی فرما برداری پر تیار ہو گئے، چاہے وہ اونٹ کو اوٹنی ہی کیوں نہ کہے اور باطل کسی قدر نمایاں کیوں نہ ہو جائے۔

۴۔ مدائن میں پیش آنے والے حادثات اور ساتھیوں کی طرف سے کسی طرح کی کارروائی نہ ہونے کی بنا پر صورت حال اور سنگین ہو گئی اور مقابلہ کے امکانات بالکل ختم ہو گئے۔

۵۔ مسلمانوں کے خون کی حفاظت کی ذمہ داری ہر حال حاکم پر عائد ہوتی ہے اور اسے اُس وقت تک جہاد کا حق نہیں ہوتا ہے جب تک فتح یقینی نہ ہو جائے یا قربانی دین کے حق میں مفید نہ ہو جائے امام حسنؑ کے لیے ظاہری فتح کا تو کوئی امکان نہ تھا، قربانی کی بھی کوئی افادیت نہ تھی کہ صرف چند مخلصین باقی رہ گئے ہیں ان کی زندگی کا بھی خاتمہ ہو جائے گا اور حقیقی اسلام کا کوئی نام لینے والا بھی نہ رہ جائے گا۔

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود معاویہ بھی اپنی تمام مکاریوں کے باوجود یہ سوچ رہا تھا کہ حسن بن علیؑ کو جھکا لینا ممکن نہیں ہے اور ان کی موافقت کے بغیر اپنی حکومت کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے صلح کا راستہ اختیار کیا اور بظاہر انتہائی فریاد لی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سادہ کاغذ بھیج دیا کہ ہم آپ کے شرائط پر صلح کرنے کے لیے تیار ہیں۔

اب امام حسنؑ کے سامنے چند مسائل اُٹکے۔ صلح کا انکار کر دیں تو اسلامی تعلیمات کی خلافت ورزی ہوگی اور صلح پر آمادہ ہو جائیں تو لشکر میں مزید ہنگامہ ہو جائے گا۔ چنانچہ آپ نے مسئلہ کو ساتھیوں کے سامنے رکھا کہ اب بھی جہاد کے لیے آمادہ ہو تو میں اتام جنت کے لیے جہاد کرنے پر تیار ہوں۔ لیکن اگر تمہیں لوگ زندگی چاہتے ہو تو میں کس کے ساتھ جہاد کروں گا۔ لشکر نے مکمل طور پر البقاء البقاء کا نعرہ لگا دیا اور آپ نے دیکھ لیا کہ میرے بارے میں جد بزرگوار رسول اکرمؐ نے جس صلح کا ذکر فرمایا ہے اس کا وقت آ گیا ہے۔ چنانچہ آپ نے صلح کی منظوری دے دی اور جب ذیل شرائط لکھ کر بھیج دیے،

۱۔ حکومت معاویہ کے ہاتھ میں رہے گی بشرطیکہ وہ کتاب خدا اور سنت رسول پر عمل کرے۔

(ابن ابی الحدید)

۲۔ معاویہ کو کسی کو ولی عہد نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔ (اعابہ۔ الامامہ و السیاسہ)

۳۔ اہل عراق کے لیے عمومی طور پر امن و امان کا حصول ہوگا۔ (حیلۃ الیوان)

۴۔ معاویہ اپنے کو امیر المؤمنین نہ کہے گا۔ (تذکرہ خواص الامہ)

۵۔ معاویہ کے پاس شہادتوں کا قیام نہ ہوگا۔ (اعیان الشیعہ)

۶۔ سب علیؑ کا سلسلہ بند کر دیا جائے گا۔ (شرح بیح البلاغ)

۷۔ ہر صاحب حق کو اس کا حق دیا جائے گا۔ (مناقب)

۸۔ شیعوں کے لیے عمومی طور سے امن و امان رہے گا۔ (طبری)

۹۔ ہوا زکا خراج جمل و صفین کے مقتولین کی اولاد کو دیا جائے گا۔ (الامانہ و السیاسہ)

۱۰۔ بیت المال کو ذہب امام حسنؑ کے قبضہ میں رہے گا۔ (تاریخ دول الاسلام)

۱۱۔ معاویہ سالانہ دس لاکھ درہم ادا کرے گا۔ (جوہرۃ الکلام)

۱۲۔ امام حسنؑ، امام حسینؑ اور اہلبیتؑ کے خاندانہ کو کسی طرح کی اذیت نہ دی جائے گی۔ (بحار)

ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا حالات کے پیش نظر جب صلح کی پیش کش کی جائے اور اس طرح کے شرائط پر رضامندی کا اظہار کیا جائے تو جنگ جو افراد کے علاوہ کسی کے لیے جنگ و جدال کا جواز نہیں

رہ جاتا ہے اور ہر انصاف پسند انسان کا فرض بن جاتا ہے کہ وہ صلح پر آمادگی کا اظہار کرے، چاہے

اس صلح کا انجام کچھ بھی کیوں نہ ہو۔

پھر صلح کو نظر انداز کر دینے میں دین و دنیا دونوں کا فساد تھا۔ دنیاوی اعتبار سے سزا آسما۔ باوقفا اور اہل خاندان کے قتل عام کے اور کچھ ہاتھ نہ آتا۔ اور دینی اعتبار سے ہر خون کا مجاب دہ بھی ہونا پڑتا کہ حالات کی مساعدت کے بغیر جنگ کا اعلان کر دینا خود کشی یا خون ریزی کو دعوت دینے کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ ایسے حالات میں صلح اور سکوت کی مثالیں رسول اکرمؐ کی حیات میں بھی موجود تھیں اور مولائے کائنات کی حیات میں بھی۔ بلکہ رسول اکرمؐ نے تو بظاہر کفار کی شرطوں کو تسلیم کر کے صلح کی تھی جس پر حضرت عمرؓ نے اپنے غیظ و غضب کا بھی اظہار کیا تھا اور آپ کی رسالت کو بھی مشکوک بنا دیا تھا، لہذا امام حسنؑ نے صلح کی منظوری دے دی۔

اس کے بعد امام حسینؑ کی جنگ کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا کہ آپ کے سامنے صلح کا کوئی ذکر نہیں آیا بلکہ مزید نے آپ سے براہ راست بیعت کا مطالبہ کیا جس کا مطلب سی دین کی تباہی اور بربادی تھا اور ایسی صورت میں جہاد واجب ہو جاتا ہے ورنہ امام حسنؑ کی زندگی میں اور امام حسنؑ کی شہادت کے بعد بھی دونوں طرح کے حالات میں امام حسینؑ نے معاویہ کے مقابلہ میں صلح حسن کا مکمل لحاظ رکھا اور کسی طرح کے جہاد کا اعلان نہیں کیا جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ صلح و جنگ ایک طرح کے عمل میں جو باطل کے طرز عمل کے مقابلہ میں سامنے آتے ہیں، باطل صلح کی پیش کش کرتا ہے تو صلح کرنی جاتی ہے اور باطل بیعت کا مطالبہ کرتا ہے تو جان قربان کر دی جاتی ہے۔

مضمرات صلح

مضمرات صلح کے بارے میں شرائط کا بنیاد پر مطالعہ کر لینا ہی کافی ہے کہ اس سے واضح طور پر اندازہ ہو جاتا ہے کہ امام حسنؑ نے صلح پر آمادگی کیوں ظاہر کی اور آپ اس صلح سے کس قسم کے نتائج حاصل کرنا چاہتے تھے۔

اجمالی طور پر یہ کہہ دینا کافی ہے کہ آل محمدؑ کا مقصد زندگی خلیفہ شریعت اور صیانت اسلام کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ انھوں نے تمام زندگی اسی امر کی کوشش کی ہے اور ان کے جملہ حرکات و سکنات کا مقصد ہمیشہ تحفظ مذہب رہا ہے۔ کسی اس مقصد کو حکومت لے کر انجام دیا ہے جیسا کہ امیر المؤمنین

نے خلافت کے چوتھے مرحلہ پر کیا ہے اور کبھی حکومت نے کر انجام دیا ہے جیسا کہ صلح امام حسن میں ہوا ہے۔ اسی طرح کبھی دشمنوں کی جان لے کر اس فریضہ کو انجام دیا ہے جیسا کہ بدر و احد کے موکلا میں ہوا ہے اور کبھی اپنی جان دے کر انجام دیا ہے جیسا کہ مسجد کوفہ میں ہوا ہے۔ بلکہ کبھی دونوں اسلوب جمع کر دیے ہیں یَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ جیسا کہ صحرائے کربلا میں ہوا ہے۔

آل محمد کے طرز عمل میں اگر کسی وقت اختلاف نظر آتا ہے تو وہ اختلاف بھی اسی قصد کے حصول کے حالات کا نتیجہ ہے اسے اختلاف کردار سے ہرگز تعبیر نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ اس کی مثالیں سنت الہیہ میں بھی موجود ہیں اور سیرت مرسلہ اعظم میں بھی۔ پروردگار نے اپنے انبیاء کی زندگی کا تحفظ کرنا چاہا تو کبھی موسیٰ کے ہاتھوں کو ایک انگارہ سے بھی نہ بچایا اور اس پر نشان پڑا گیا اور کبھی ابراہیم کو لاکھوں من گڑبوں کے شعلوں کے درمیان سے بچایا۔

رسول اکرمؐ بھی کبھی بدر و احد کے میدانوں میں طاقت کا مظاہرہ کرتے رہے اور کبھی عجیب غریب قسم کی صلح پر آمادہ ہو گئے جو بڑے بڑے صحابہ کرامؓ کی سمجھ میں بھی نہ آئی بات صرف ایک تھی اور ایک۔ اور وہ ہے دین کا تحفظ۔ تحفظ حالات کے اعتبار سے ہوتا ہے اور حالات زمانہ ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔

پھر امام حسن نے صلح کے لیے بہترین موقع دیکھا تھا کہ جن کا باپ کل میرے نانا کی ایک ایک شرط پر ہنگامہ کر رہا تھا اسی باپ کا بیٹا آج میری ہر شرط کو ماننے کے لیے تیار ہے اور میرے سوائے سادہ کاغذ کر دیا ہے جو میری فتح کا پہلا اعلان ہے اور میرے لیے بہترین امکان ہے کہ میں شرائط لکھ کر ایک بہترین دستاویز تیار کر دوں جو صبح قیامت تک فریقین کی نیت اور ذہنیت کی بھی ترجمانی کرتی ہے اور حق و باطل کی شناخت حاصل کرنے والے کی رہنمائی بھی کرتی رہے۔ چنانچہ امام حسن نے اپنی صلح سے حسب ذیل فوائد حاصل کر لیے:

۱۔ حاکم شام معاویہ جو باپ دادا، نانا، یعنی دادھیال اور نانیہال دونوں طرف سے دشمن اسلام تھا اسے گویا دین اسلام کا محافظ بنا دیا، اور اب وہ اسلام کو آل رسول کی میراث بننے کے بجائے اپنی ملکیت سمجھنے لگا اور اس کے تحفظ پر آمادہ ہو گیا جس طرح بزرگوں کا کہنا ہے کہ مجلس مال کو محفوظ رکھنا ہے تو اس کے پاس رکھو اور جس سے چوری کا خطرہ ہو، مال ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

۲۔ ظالمین کا تاریخی کردار یہ رہا ہے کہ حالات کے بدلتے ہی اپنی سابقہ روش کا انکار کر دیتے ہیں اور اپنے کو معصوم ثابت کرنے لگتے ہیں۔ امام حسن نے چاہا کہ سب علی کے بند کرنے کی شرط لگا کر دنیا پر یہ واضح کر دیا جائے کہ شام کے زیر اقتدار نفس رسولؐ سے کس طرح کا برتاؤ کیا جاتا رہا ہے اور آل محمد کس مظلومیت کی زندگی گزارتے رہے ہیں۔

۳۔ اسلامی حکومت کے لیے سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کی بنیاد کتاب و سنت پر ہو۔ اس سے ہٹ کر کوئی حکومت اسلامی کہے جانے کے قابل نہیں ہے۔ امام حسن نے پہلی شرط یہ قرار دی کہ تجھے کتاب خدا اور سنت پر عمل کرنا ہو گا جو اس امر کا کھلا ہوا اعلان تھا کہ شام کی حکومت میں کتاب و سنت پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور امام حسن کی پہلی ترجیح یہ ہے کہ کتاب و سنت پر عمل ہو چاہے حکومت کسی کے ہاتھ میں ہو۔ ہمارا مقصد حکومت نہیں ہے کتاب و سنت پر عمل دوا دہ کرنا ہے۔

۴۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ مسلمانوں کے جان و مال کا تحفظ کرے اور اس کے لیے مردہ راستہ اختیار کرے جو قوانین شریعت اسلام کے خلاف نہ ہو۔ امام حسن کو معلوم تھا کہ حاکم شام بہر حال کسی نہ کسی بہانے میرے اصحاب اور مخلصین جو اسلام کے حقیقی مخلصین ہیں ان کی زندگی کا خاتمہ کر دینا چاہتا ہے اور ان زندگیوں کے تحفظ کا بہترین ذریعہ صلح نامہ ہے جن کے مرتب کرنے کا اختیار میرے ہاتھوں میں آ گیا ہے۔ لہذا آپ نے صلح نامہ مرتب کر کے ان زندگیوں کا تحفظ کر لیا جن کے تحفظ کے لیے اچھے نامے لشکر اور اسلحے بھی ناکافی تھے جیسا کہ تاریخی تجربات سے واضح ہو چکا تھا۔ البتہ اس طرز عمل کا قیاس حمل و صفین کی لڑائیوں پر نہیں ہو سکتا ہے کہ امیر المومنین نے اپنے مخلصین کی زندگیوں کا تحفظ کیوں نہیں کیا اس لیے کہ حمل و صفین میں دشمن حملہ آور تھا اور حملہ آور سے تحفظ کا طریقہ صلح مقابلہ کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا ہے وہاں صلح کی کوئی پیش کش نہیں تھی جسے وسیلہ بنایا جاسکتا جس طرح امام حسن کے سامنے یہ غنیمت موقع آ گیا تھا۔ بلکہ صفین میں بھی جب نیزوں پر قرآن بلند کر دیے گئے اور یہ امکان پیدا ہو گیا کہ جنگ کو روکا جاسکے تو امیر المومنین نے فوراً جنگ کو روک دیا اور دشمن کو خون ریزی کا مزید موقع نہیں دیا۔ حالانکہ آپ کو معاویہ کی نیت کا بھی علم تھا اور آپ اس جنگ بندی کے نتائج سے بھی باخبر تھے۔

۵۔ صلح کے زیر اثر عجمان اہلسنت کو قدر سے آزادی کی سانس لینے کا موقع ملا تو انہوں نے اپنے عقائد اور احکام کا اعلان شروع کر دیا اور اس طرح امت کو بالواسطہ حقائق سے آگاہ کرنے لگے چنانچہ

اذان کے درمیان ولایتِ عملی کا اعلان بھی اسی استفادہ کی ایک کڑی تھی کہ جب معاویہ نے منبروں سے گایاں دلوانا شروع کیں تو علیؑ والوں نے مناروں سے ولایت کا اعلان شروع کر دیا تاکہ دنیا پر یہ واضح ہو جائے کہ گایوں کا یہ سلسلہ کسی عام انسان کے لیے نہیں ہے بلکہ ایک ولی خدا کے لیے ہے، جسے قرآن نے ولی خدا قرار دیا ہے۔ اور ولی خدا کو گایاں دینا خود خدا کو دعوتِ جنگ دینے کے مراد ہے۔ جس کے بعد اسلام کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی ہے اور معاویہ کسی رُخ سے مسلمان نہیں رہ جاتا ہے۔

امام حسنؑ کا تاریخی مناظرہ

صاحبِ احتجاج علامہ طبرسیؒ کا بیان ہے کہ ابو مخنف، شعبی اور یزید بن ابی جبیب مہری کی روایت کی بنا پر اسلام میں اس سے بڑا کوئی مناظرہ نہیں ہوا ہے جیسا مناظرہ معاویہ کے دربار میں اس دن ہوا جس دن دربار میں عمرو بن عثمان بن عفان، عمرو بن العاص، عقبہ بن ابی سفیان، ولید بن عقبہ اور مغیرہ بن شعبہ سب جمع ہو گئے اور سب نے طے کر لیا کہ آج حسن مجتبیٰؑ کو دربار میں بلا کر انھیں خوب برا بھلا کہا جائے گا اور انھیں ذلیل کیا جائے گا۔ چنانچہ عمرو بن العاص نے معاویہ سے اس خواہش کا اظہار کیا۔ معاویہ نے کہا کہ یہ تم سب کے بس کا کام نہیں ہے۔ اس میں تمھاری ہی رسوائی ہوگی۔ لیکن حاضرین نے اصرار کیا اور اس نے امام حسنؑ کو طلب کر لیا۔ آپ نے قاصد سے دربار کے حالات دریافت کیے اور دعائے حفظ از شیاطین پڑھ کر گھر سے نکل پڑے۔ دربار میں پہنچے تو معاویہ نے استقبال کیا اور احترام سے بٹھایا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے کیوں طلب کیا گیا ہے؟ اُس نے کہا کہ ان لوگوں نے یہ ثابت کرنے کے لیے بٹھایا ہے کہ عثمانؓ مظلوم مانے گئے ہیں اور انھیں آپ کے باپ نے قتل کر لیا ہے لہذا آپ ان کا بیان سنیں اور انھیں جواب دیں۔

آپ نے فرمایا کہ یہ دربار تیرا ہے اگر تو نے انھیں بولنے کی اجازت دے دی ہے تو پھر خود بھی سننا پڑے گا اور بہر حال کسی ایک فریق کی طرف سے شرمندہ ہونا پڑے گا مجھے معلوم ہوتا تو میں بھی بنی ہاشم کے اتنے ہی افراد ساتھ لے کر آتا لیکن اب اللہ میرا مددگار ہے۔ یہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں کہیں، میں، بحول و قوت خدا ان سب کا جواب دوں گا۔

یہ سننا تھا کہ عمرو بن عثمان نے اپنی بوا اس شروع کی، اور عثمان کی قرابت اور منزلت کا ذکر کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ بنی ہاشم نے صدکِ وہب سے انھیں قتل کر لیا ہے اور یہ کس قدر ذلت کی بات ہے کہ خلیفہ مارا جائے اور اس کے قاتل آزاد گھومتے رہیں۔ ابھی تو تمھارے ذمہ

ہمارے ۱۹ خون باقی ہیں۔

اس کے بعد عمرو عاص نے اتنا اور اضافہ کیا کہ تمہارے باپ نے ابو بکرؓ کو بھی زہر دیا ہے اور عمر و عثمانؓ کو بھی قتل کیا ہے اور غلط حق کا دعویٰ کیا ہے اور تم امیر المؤمنین بنا چاہتے ہو مگر لاکھ تمہارے پاس عقل اور فکر نہیں ہے۔ ہم نے تمہیں صرف گالیاں سنانے کے لیے بلا یا ہے اور تم ہم میں کوئی عیب نہیں نکال سکتے ہو، اور ہمت ہو تو بیان کرو۔ تمہارے باپ بدترین خلاق تھے خدا نے ہمیں ان کے شر سے بچالیا (معاذ اللہ) اب تم ہمارے اختیار میں ہو۔ ہم تمہیں قتل بھی کر دیں تو کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔

اس کے بعد عقبہ بن ابوسفیان نے تقریر شروع کی کہ تمہارے باپ بدترین قریش تھے۔ قلعہ رحم کرنے والے اور اقرباء کا خون بہانے والے اور تمہارا شمار بھی قاتلان عثمانؓ میں ہوتا ہے ہم تمہیں قتل بھی کر دیں تو ہمارا حق ہے۔ خدا نے تمہارے باپ کو تو فنا کر دیا۔ اب تم خلافت کی امید رکھتے ہو جو ہرگز تمہارا حق نہیں ہے اور نہ تم اس کے قابل ہو۔

اس کے بعد ولید بن عقبہ نے اسی بات کی تکرار کی اور آخر میں کہا کہ عثمانؓ تمہارے بہترین ماموں اور تمہارے گھرانے کے بہترین داماد تھے لیکن تم لوگوں نے حسد کیا اور انہیں قتل کر دیا اب دیکھو کہ خدا تمہیں کیا دکھلاتا ہے۔

اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ نے حضرت علیؓ کی شان میں انتہائی گستاخی کرتے ہوئے کہا کہ عثمانؓ مظلوم مارے گئے اور تمہارے باپ کے پاس اس خون کا کوئی جواز نہیں تھا۔ انھوں نے قاتلان عثمانؓ کو پناہ دی ہے اور وہ ان کے قتل سے راضی تھے جب کہ بنی امیہ بنی ہاشم کے حق میں خود بنی ہاشم سے بھی بہتر تھے اور معاویہؓ تمہارے حق میں تمہارے باپ سے بھی بہتر ہے۔ تمہارے باپ نے رسول اکرمؐ سے دشمنی کی اور ان کے قتل کا منصوبہ بنایا جو رسول اکرمؐ کو معلوم ہو گیا تو بچ گئے۔ پھر انھوں نے ابو بکرؓ کی بیعت سے انکار کر دیا اور انہیں زہر دیا پھر عمرؓ کو قتل کرایا، پھر عثمانؓ کو قتل کرایا، تو اب خدا کی بارگاہ میں تمہاری کیا حیثیت ہے۔ معاویہؓ کو خون عثمانؓ کے قتل کا حق ہے اور علیؓ کا خون عثمانؓ کے خون سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔ خدا اولاد عبدالمطلب میں حکومت اور نبوت کو جمع نہیں کر سکتا ہے۔

یہ سب اپنی اپنی جگہ اس تمام کرچکے تو امام حسنؓ نے تقریر شروع کی: "خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمارے اول کے ذریعہ تمہارے اول کو اور ہمارے آخر کے ذریعہ تمہارے آخر کو راہ ہدایت دکھلائی۔ میرے جد حضرت محمد مصطفیٰؐ پر رحمت پروردگار۔ ایہا الناس! میری بات سنو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔

اے معاویہ! خدا کی قسم یہ سب گالیاں تو نے دی ہیں اور اس کا انتظام تو نے کیا ہے درنہ اگر مسجد بنی نہ ہوتی اور انصار و مہاجرین کا مجمع ہوتا تو کسی کی ہمت نہ ہوتی کہ اس طرح کی بات کر سکے۔ اچھا اب سازش کرنے والوں کو اور دیکھو جس حق کو جلتے ہو اس کی پردہ پوشی نہ کرنا اور میں غلط کہوں تو میری تصدیق بھی نہ کرنا۔

معاویہ! میں گفتگو کا آغاز تجھ سے کر رہا ہوں اور اُس سے کم ہی بیان کروں گا بہت عیب تجھ میں موجود ہے۔

ذرا خدا کو حاضر و ناظر جان کر یہ بتاؤ کہ کیا تمہیں نہیں معلوم ہے کہ جس کو بڑا بھلا کہہ لیا ہے جو اس نے اُس وقت دونوں قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے جب تم لوگ لات و عزیٰ کی پوجا کر رہے تھے۔ اور اس وقت دونوں بیٹوں میں حصہ لیا ہے جب پہلی بیعت کے وقت تم کافر تھے اور دوسری بیعت کے موقع پر بیعت شکن اور منحرف ہو گئے تھے۔

خدا را بتاؤ کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ میرے باپ نے تم سے بدریں اس عالم میں ملاقات کی ہے کہ ان کے ہاتھ میں پرچم اسلام تھا اور تمہارے ہاتھ میں پرچم مشرکین اور تم لات و عزیٰ کے پرستار تھے اور رسولؐ سے جنگ کو واجب سمجھ رہے تھے۔

انھوں نے روز احزاب بھی تم سے مقابلہ کیا ہے جب کہ وہ لشکر اسلام کے علم بردار تھے اور تم لشکر کفار کے۔ ان تمام مقامات پر خدا نے ان کی حجت کو مضبوط بنایا تھا، ان کی دعوت کو ثابت کیا تھا اور ان کی نصرت و امداد کی تھی۔ رسول اکرمؐ ان سے راضی تھے اور تم سے ناراض۔

برائے خدا یہ بتاؤ کہ کیا تمہیں نہیں معلوم ہے کہ رسول اکرمؐ نے بنی قریظہ اور بنی نضیر کا صلہ کیا تھا تو قلعہ کو فتح کرنے کے لیے سعد بن معاذ اور عمر بن الخطابؓ کو بھیجا تھا تو سعد زخمی ہو کر واپس آئے تھے اور عمرؓ نے فرار اختیار کیا تھا، اس عالم میں کہ وہ لشکر کو بزدل بنا رہے تھے اور لشکر انہیں۔

تو رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ کل اسے علم دون گا جو مرد میدان اور کار غیر فرار ہو گا۔ خدا و رسول کی کے دوست ہوں گے اور وہ خدا و رسول کا دوست ہو گا اور فتح کیے بغیر واپس نہ آئے گا۔ اور پھر عمرؓ و ابو بکرؓ و انصار و مہاجرین نے علم داری کی کوشش بھی کی کہ حضرت علیؑ کی آنکھوں میں تکلیف تھی لیکن رسول اکرمؐ نے انھیں بلا کر لعاب دہن سے علاج کر کے پرہم اسلام انھیں نے دیا تھا اور انھوں نے بفضل خدا میدان کو فتح کر لیا تھا جب کہ تم مکہ میں خدا و رسول کے دشمنوں میں تھے۔ تو کیا خدا کے لیے قربانی دینے والا اور خدا سے دشمنی کرنے والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ میں بخدا قسم کہتا ہوں کہ تمہارا دل اب تک مسلمان نہیں ہوا ہے اور تمہاری زبان دل کے خلاف کلمہ پڑھ رہی ہے۔

خدا را بتاؤ کیا تمہیں نہیں معلوم ہے کہ تبوک کے موقع پر رسول اکرمؐ نے انھیں مدینہ میں اپنا جانشین بنایا تھا اور جب منافقین نے طنز کیا اور انھوں نے گذارش کی کہ حضور تمہارے سے جدا نہ کیجیے تو رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ تم میرے وحی اور میرے جانشین ہو اور تمہارا مرتبہ ہارن جیسا ہے اور اس کے بعد علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا کہ جو اس کا دوست ہے وہ میرا دوست ہے اور جو میرا دوست ہے وہ خدا کا دوست ہے اور جو اس کا مطیع ہے وہ میرا مطیع ہے اور جو میرا مطیع ہے وہ خدا کا اطاعت گزار ہے اس کی حکومت کا اقرار کرنے والا میرا اور خدا کا حاکم ماننے والا ہے۔

ذرا خدا کو حاضر و ناظر جان کر بتاؤ کیا تمہیں نہیں معلوم ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول اکرمؐ نے اعلان فرمایا تھا کہ میں تم میں کتاب خدا اور اپنی عزت چھوڑے جا رہا ہوں جو ان سے تمسک ہے مگر وہ نہ ہو گا۔ ان کے حلال کو حلال اور ان کے حرام کو حرام سمجھنا۔ ان کے حکم پر عمل کرنا اور مشابہ پر ایمان رکھنا۔ اہلبیت سے محبت کرنا اور ان کے دوستوں سے بھی محبت کرنا اور دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کرنا۔ یہ حوض کوثر تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ اس کے بعد منبر پر علیؑ کو بلند کر کے فرمایا تھا کہ خدایا! اس کے دوست کو دوست اور اس کے دشمن کو دشمن رکھنا۔ خدایا! اس کے دشمن کو زمین میں ٹھکانا اور آسمان میں جگہ نہ دینا اور اس کی منزل درگ اسفل کو قرار دینا۔ خدا را یہ بتاؤ کہ کیا تمہیں یہ ارشاد رسولؐ نہیں معلوم ہے کہ یا علیؑ تم حوض کوثر سے بعض لوگوں کو اس طرح ہٹکاؤ گے جس طرح اجنبی جانور ہٹکا لے جاتے ہیں۔؟

کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ علیؑ کو رسولؐ نے اپنے مرض الموت میں دیکھ کر گریہ فرمایا تو آپ نے عرض کی کہ آپ روتے کیوں ہیں؟ تو فرمایا کہ مجھے اس بات کا علم ہے کہ لوگوں کے دلوں میں تمہاری طرف سے کینہ ہے جو میرے بعد ظاہر ہو گا۔

خدا را بتاؤ کیا تمہیں نہیں معلوم ہے کہ وقت آخر آپ نے گھر والوں کو جمع کر کے فرمایا تھا کہ خدایا! یہ میرے اہلبیت ہیں، ان کے دوست سے دوستی اور ان کے دشمن سے دشمنی رکھنا اور فرمایا تھا کہ اہلبیت کی مثال سفینہ نوح کی ہے کہ جو اس سے وابستہ ہو گیا نجات پا گیا، اور جو اس سے الگ ہو گیا وہ ہلاک ہو گیا۔

خدا را بتاؤ کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ اصحاب رسولؐ، رسولؐ کی زندگی میں انھیں ولی اور حاکم کہہ کر سلام کیا کرتے تھے؟۔

خدا را بتاؤ کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ علیؑ نے تمام اصحاب سے پہلے اپنے اوپر خواہشات دنیا کو حرام کر لیا تھا اور ان کے پاس موت و حیات کا علم مستقبل کے حادثات کا، علم اور مسائل پر فتاویٰ کا مکمل علم تھا۔ ان کا شمار صاحبان علم و ایمان میں ہوتا تھا اور تمہارا شمار اس زمرہ میں ہوتا تھا جس پر رسول اکرمؐ نے لعنت کی تھی۔

خدا را بتاؤ کیا تمہیں یاد ہے کہ رسول اکرمؐ نے تمہیں بنی خزیمہ کے لیے فرما لکھنے کے لیے بلا یا تو قاصد نے بار بار یہ خبر دی کہ کھانا کھا رہے ہیں تو آپ نے بددعا کی تھی کہ خدایا! اس کا پیٹ کبھی بھر نہ پلے۔ خدا را معاذ یہ بتاؤ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ رسول اکرمؐ نے ایک دن تمہارے باپ کو اونٹ پر سوار دیکھا تھا جب تم اسے کھینچ رہے تھے اور تمہارا بھائی ہٹکارا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ خدایا! اس سوار اور اس کے قائم و ساتق تینوں پر لعنت فرماتا۔

خدا را معاذ یہ بتاؤ کیا رسول اکرمؐ نے ابو سفیان پر سات سو واقع پر لعنت نہیں کی تھی؟۔ ۱۔ جب آپ مکہ سے مدینہ کے لیے نکلے اور ابو سفیان شام سے واپس آیا اور اس نے آپ کو بڑا بھلا کہا اور آپ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن خدا نے آپ کو بچایا۔

۲۔ جس دن ابو سفیان نے قافلہ تجارت کو راستہ بدل کر رسول اکرمؐ سے بچا لیا۔

۳۔ روز احد جب رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ "اللہ مولانا ولا مولیٰ لک" اور ابو سفیان نے

کہا کہ "لنا العزى ولا عزى لکم" تو خدا و رسول اور ملائکہ سب نے اس پر لعنت کی۔

۴۔ روز حنین جب ابوسفیان نے لشکر کفار میں اتحاد پیدا کر لیا اور قرآن نے ڈکوسروں میں اسے کافر قرار دیا اور تم بھی اسی کے ساتھ تھے جب کہ علیؑ رسول اکرمؐ کے ہمراہ تھے۔

۵۔ جس دن تم نے اور تمہارے باپ نے رسول اکرمؐ کی قربانی کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔

۶۔ روز احزاب جب ابوسفیان نے کفار کی طاقت کو مجتمع کیا تھا۔

۷۔ جس دن بارگاہِ افراسنے مل کر رسول اکرمؐ پر حملہ کیا تھا جن میں سے سات بنی امیہ میں سے تھے اور پانچ دیگر قریش میں سے۔

پھر خدا را بتاؤ کہ کیا تمہیں نہیں معلوم ہے کہ عثمانؓ کے خلیفہ بننے کے بعد ابوسفیان مبارکباد کے لیے آیا تو یہ معلوم کر کے کہ کوئی غیر آدمی نہیں ہے انہیں یہ مشورہ دیا کہ جو انان بنی امیہ خلافت تمہارے ہاتھ میں آگئی ہے اب اسے گیند کی طرح نچاؤ کہ جنت و جہنم کوئی چیز نہیں ہے۔

خدا را بتاؤ کیا تمہیں نہیں معلوم ہے کہ روزِ معیت عثمان ابوسفیان نے حسینؑ کا ہاتھ پکڑا اور یقین میں جا کر بآواز بلند پکار کر کہا تھا کہ اے اہل قبور! جس بات کے لیے تم ہم سے جنگ کر رہے تھے وہ اب ہمارے قبضہ میں ہے اور تم خاک میں مل گئے ہو، تو حسین بن علیؑ نے کہا تھا کہ خدا تیرا بڑا کرے اور تیرا صفحہ کالا کرے یہ کیا کہہ رہا ہے؟

معاویہ! یہ ہے تیری داستان۔ اب بتا کیا کسی بات کی تردید کر سکتا ہے؟ تیری لعنت کے لیے ہی کافی ہے کہ جب ابوسفیان نے کلمہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو تو نے ایک مشہور شعر پڑھ کر اسے اسلام لانے سے روک دیا تھا۔ اور جب عمر بن الخطابؓ نے تجھے حاکم بنایا تو تو نے خیانت کی۔ اور جب عثمانؓ گورز بنایا تو ان کا ساتھ نہ دیا اور حالات کا تاشائی بنا رہا۔ اس سے بدتر یہ ہے کہ تو نے خدا و رسولؐ کے خلاف علیؑ سے جنگ کی ہے جب کہ تجھے ان کے فضائل و مناقب اور کارنامے سب معلوم تھے اور تو نے بے گناہ خلق خدا کا خون بہایا ہے جیسے کہ نہ قیامت پر ایمان ہے اور نہ عذاب الہی کا خوف۔ یقیناً انجام کار تمہاری منزل بدترین ہوگی اور ان کی منزل بہترین ہوگی۔

معاویہ! یہ سب تیری شان میں ہے اور زیادہ باتیں اس لیے ترک کر دی ہیں کہ بیان میں

طول ہو جائے گا۔

اس کے بعد اے عمرو بن عثمان!۔ تو وہ احمق ہے جو جواب کے قابل بھی نہیں ہے تیری مثال اس پتھر جیسی ہے جس نے کجور کے درخت سے کہا تھا کہ ذرا سنبھلنا کہ میں اترنے جا رہا ہوں۔ تو اس نے کہا تھا کہ مجھے تیرے بڑھنے ہی کی اطلاع نہیں ہوئی تو اب اترنے کا کیا غم ہو گا۔ خدا کی قسم مجھے یہ خیال بھی نہیں تھا کہ تو بھی ایسی باتوں کی جرات کر سکتا ہے اور مجھے تیرا بھی جواب دینا پڑے گا۔ خیر اب سچ بتا کیا تیرے علیؑ کو بڑا کہنے سے ان کے حسب میں نقص پیدا ہو جائے گا یا وہ رسول اکرمؐ سے دور ہو جائیں گے یا ان کے کارنامے ختم ہو جائیں گے یا ان کا ظلم ثابت ہو جائے گا یا وہ دنیا دار بن جائیں گے؟ تو ان میں سے جو بات بھی کہے گا وہ جھوٹ اور خطا واقع ہوگی۔

تیرا یہ کہنا کہ ہمارے ذمہ ۱۹ خون ہیں تو ان مشرکین کو خدا و رسولؐ نے قتل کر لیا ہے اور یقیناً تو ہی ہاشم میں سے ۱۹ کے بعد بھی تین کو اور قتل کرے گا۔ پھر بنی امیہ کے ۱۹۔۱۹ ملے جائیں گے اور یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ آل مروان میں ہو جائیں گے تو آل خدا کو نیست اور بندگان خدا کو غلام بنائیں گے اور تین سو دس ہو جائیں گے تو ان پر لعنت خدا ثابت ہو جائے گی اور وہ ۴۰ ہو جائیں گے تو سب ایک ساتھ قتل کر دیے جائیں گے۔ اور اتفاق سے اسی وقت حکم بن ابی العاصؓ آگیا تو آپؐ نے فرمایا کہ آہستہ بات کر دو کہ وزع من رہا ہے۔

رسول اکرمؐ نے تو بنی امیہ کی حکومت کو خواب میں دیکھا تھا تو سخت رنجیدہ تھے اور خدا نے انہیں تسلی دیتے ہوئے تیرے خاندان کو شجرہ طعون قرار دیا تھا اور فرمایا تھا کہ ایک شب تو بنی امیہ کی ہزار ماہ کی حکومت سے بہتر ہے۔ حضرت علیؑ کے بعد تمہاری حکومت ہزار ماہ سے زیادہ نہ ہوگی۔

اور تو اے عمرو عاص! تو تو وہ طعون اور اتر ہے جس کا حسب ایک سگ دنیا جیل ہے، تیری ماں وہ زانیہ تھی جس کے یہاں تیری ولادت پر ابوسفیان، ولید بن مغیرہ، عثمان بن الحمر، نضر بن کندہ اور عاص بن دائل سب نے دعویٰ کیا تھا اور آخر میں وہ شخص غالب آگیا جو حسب کا ذلیل، منصب کا نہایت اور بدکاری کا سربراہ تھا، اور آج تو مجھے دشمن رسولؐ کہہ رہا ہے جب کہ تیرے باپ نے رسول اکرمؐ کو ابتر کہا تھا جس پر آیت نازل ہوئی تھی "ان شائستہ"

هو الائبتر" تیرا باپ دشمن رسول اور ابرتر تھا اور تو ابرتری اولاد ہے۔

اس کے بعد تو تمام موافقت اور محارک میں رسول اکرم کے مقابل میں رہا ہے اور تو ان حالات میں شامل تھا جنہوں نے بنی نضی سے ہمارے مسلمانوں کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا۔ وہ تو کرم خدا تھا کہ اس نے تیرے مکر کو ناکام کر دیا اور تیری آرزو پوری نہ ہو سکی کہ اسلام کا کلمہ سر بلند ہوا اور کفر کا کلمہ پست ذلیل ہو گیا۔ عثمان بن عفان کے بارے میں تیرا دعویٰ بھی انتہائی بے حیائی کی دلیل ہے۔ تو نے قند کی آگ کو بھر لیا اور پھر ظلمین بھاگ گیا اور در سے حالات کا تماشائی بنا رہا، اور جب عثمان کا قتل واقع ہو گیا تو معاویہ کے ساتھ لگ گیا اور دین کو دنیا کے عوض بیچ ڈالا۔ ہم نہ اپنی عداوت پر طامت کرتے ہیں اور نہ اپنی محبت کے بارے میں عتاب کرتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تو جاہلیت اور اسلام دونوں دور میں بنی ہاشم کا دشمن رہا ہے۔ تو نے رسول اکرم کی جو بی بیوں میں ستر اشار کی نظم لکھی تھی جس پر حضور نے یہ بد دعا کی تھی کہ پروردگار! میں جو ابی اشعار تو نہ کہوں گا لیکن تو ہر شر کے بدلے ہزار مرتبہ لعنت فرماتا۔ پھر تو نے ایک مرتبہ اور دین کو فروخت کیا تھا جب دوبارہ بنی نضی کے پاس ہدیہ لے کر گیا تھا اور اسے گمراہ کرنا چاہا تھا لیکن تو اس مرتبہ بھی مغلوب اور ناکام ہوا۔ تو نے جناب جعفر اور ان کے گھروالوں کو ہلاک کرنا چاہا تھا لیکن ناکام رہا تو یہ کام عمارہ بن ولید کے حوالے کر دیا۔

اور تو اسے ولید بن عقبہ! میں تجھے عداوت علی پر طامت نہیں کرتا کہ انہوں نے تجھے شراب خوری پر ایشی کوڑے لگائے ہیں اور تیرے باپ کو روز بد قتل کیا ہے۔ پھر تو انہیں کیا بڑا بکے گا۔ خاندانے متعال نے انہیں دس آیتوں میں مرد مومن قرار دیا ہے اور تجھے فاسق۔ تو قریش کے بارے میں کیا کہتا ہے تو تو ذکوان جیسے کافر فرزند ہے۔ تیرا خیال ہے کہ عثمان کو بہنے قتل کیا ہے۔ یہ بات تو ظلم و زبرد و عانت بھی حضرت علی سے نہ کہہ سکے تھے تو ہم سے کہہ رہا ہے؟ اگر تو اپنی ماں سے پوچھے کہ تیرا باپ کون ہے تو وہ بتائے گی کہ اس نے کس طرح ذکوان کو چھوڑ کر تجھے عقبہ بن ابی معیط سے جوڑ دیا تھا اور اس طرح سماج میں بلند ہی حاصل کر لی تھی۔ حالانکہ تیرے اور تیرے باپ کے لیے دنیا میں زلت اور آخرت میں رسوائی ہی ہے اور خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔

اور تو اسے ولید! خدا گواہ ہے کہ تو جس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس سے عمر میں

بڑا ہے۔ تو علی کو کیا بڑا کہے گا۔ تیرے لیے یہی کافی ہے کہ اپنے کو اپنے باپ کا بیٹا ثابت کر لے جس کے بارے میں تیری ماں نے کہا تھا کہ تو جس کی طرف منسوب ہے تیرا باپ اس سے زیادہ لیم اور ذلیل ہے۔

اور تو اسے عقبہ بن ابوسفیان!۔ خدا کی قسم تو قابل جواب بھی نہیں ہے اور نہ تیرے پاس عقل ہے کہ تجھ پر عتاب کیا جائے، نہ تجھ سے کسی خیر کی امید ہے۔ تو اگر علی کو بڑا بھی کہے تو کیا کہا جائے کہ تو علی کے ایک غلام کے برابر بھی نہیں ہے۔ پروردگار تیرے، تیرے ماں باپ اور بھائی کے لیے تاک میں ہے۔ اور تو ان آبار و اجداد کی اولاد ہے جن کے بارے میں قرآن نے اعلان کیا ہے کہ "ان کا انجام جہنم ہے اور انہیں بدترین طعام و شراب سے نوازا جائے گا"۔ تو آج مجھے قتل کی دھمکی مل رہی ہے تو نے اسے کیوں نہیں قتل کیا تھا جسے اپنی زوجہ کے ساتھ بستر میں دیکھا تھا اور جس نے تیری زوجہ پر قبضہ کر کے تیرے بیٹے کو زبردستی تیری طرف منسوب کر دیا تھا۔ تجھے پہلے اپنے معاملہ کا بدل لینا چاہیے اس کے بعد قتل عثمان کی فکر کرنا چاہیے۔ میں تیری زبان سے علی کی بڑائی پر طامت نہیں کرتا کہ انہوں نے تیرے بھائی کو میدان بدر میں تنہا قتل کیا ہے اور تیرے دادا کو حمزہ کے ساتھ مل کر قتل کیا ہے اور دونوں کو واصل جہنم کیا ہے اور تیرے چچا کو حکم رسول سے شہر بدر کیا ہے تو تو اس کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہے۔

رہ گئی میری امید خلافت۔ تو میں اگر ایسا کروں تو یہ میرا حق ہے اور تو اپنے بھائی جیسا بھی نہیں ہے۔ تیرا بھائی تو تجھ سے زیادہ خدا کا سرکش بندہ ہے اور مسلمانوں کا زیادہ خون بہانا چاہتا ہے اور مکر و فریب سے اس حق کا مطلب گارہ ہے جو ہرگز اس کا نہیں ہے۔ اور تیرا یہ قول کہ علی قریش کے حق میں بدترین انسان تھے۔ تو خدا گواہ ہے کہ انہوں نے نہ کسی شریف کو حقیر بنا یا ہے اور نہ کسی بے گناہ کو قتل کیا ہے!

اور تو اسے ضمیر بن شہبہ!۔ خدا کا دشمن ہے اور کتاب خدا کو نظر انداز کرنے والا اور رسول خدا کی تکذیب کرنے والا ہے۔ تو وہ زانی ہے جس پر سنگسار کی سزا ثابت تھی اور گواہوں نے گواہی بھی دے دی تھی لیکن حاکم نے سزا کو طامل دیا اور حق کو باطل کے ذریعہ دغ کر کے صداقت کو غلط بیانیوں سے مغلوب کر دیا تھا اور یہ سب اس لیے ہوا تھا کہ تیرے لیے

آخرت میں دردناک عذاب اور دنیا میں ذلت و رسوائی ہے۔ تو نے ہی جناب فاطمہ بنت رسول کو زخمی کیا تھا اور محسن کو شہید کیا تھا جب کہ رسول اکرمؐ نے انہیں خود تین جنت کا سردار قرار دیا تھا۔ تو نے کس بات پر علیؑ کو بڑا کہا ہے۔ ان کے نسب میں کوئی نقص ہے یا وہ رسول اللہ سے دور ہیں یا اسلام میں کوئی بڑا کام کیا ہے یا فیصلہ میں نا انصافی کی ہے یا دنیا داری میں بڑگئے ہیں۔ تو ایسے الزام لگائے گا تو جھوٹا ہوگا اور سب تیری تکذیب کریں گے۔

تیرا خیال ہے کہ علیؑ نے عثمان کو قتل کیا ہے۔ تو خدا کی قسم ان کا دامن ایسے الزامات سے بالکل پاک و صاف ہے اور اگر ایسا ہوتا بھی تو تجھ سے کیا تعلق ہے۔ تو نے تو زندگی میں بھی عثمانؓ کی مدد نہیں کی اور مرنے کے بعد بھی ان کے کام نہیں آیا۔ تیری منزل طائف میں تھی اور تو بدکار عورتوں کی تلاش میں گھوم رہا تھا اور جاہلیت کا احیاء کر کے اسلام کو فنا کرنا چاہتا تھا۔

حکومت کے بارے میں تیرا اور تیرے ساتھیوں کا قول کہ علیؑ مارے گئے اور تمہیں حکومت مل گئی ہے تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ فرعون نے مصر پر چار سو سال حکومت کی تھی جب کہ موسیٰؑ اور ہارون مستقل اذیتوں کا شکار تھے۔ یہ تو ملک خدا ہے جسے بھی لے دیا جائے۔ وہ تو خود ہی فرماتا ہے کہ:

"شاید یہ آزمائش ہو یا چند روزہ مہلت ہو"

"وہ ہر قریہ کو اہل دولت کی بد عملیوں ہی کی بنا پر تباہ کرتا ہے"

یہ کہہ کر آپ دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے، اور فرمایا کہ خبیث چیزیں خبیث لوگوں کے لیے ہیں۔ اور اے معاویہ! یہ تیرا اور تیرے اصحاب کا حال ہے۔ اور پاکیزہ چیزیں پاکیزہ لوگوں کے لیے ہیں۔ اور یہ علیؑ اور ان کے اصحاب اور شیعہ افراد کا حال ہے۔ معاویہ! تو نے جو کچھ کیا ہے اس کا وبال تیری گردن پر ہے اور ظالموں کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی عذاب الیم ہے۔

پیشین کہ معاویہ اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ، لو اپنے کپے کا مزہ چکھو۔

دلید نے کہا کہ ہم نے تو وہی مزہ چکھا ہے جو تو نے بھی چکھا ہے اور یہ تو دراصل تیرے اوپر حملہ ہوا ہے۔

معاویہ نے بگڑ کر جواب دیا کہ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ حق کی توہین ممکن نہیں ہے۔ لیکن تم لوگوں نے قبول نہیں کیا اور نتیجہ میں ذلیل ہو گئے۔ خدا کی قسم وہ جس وقت دوبار سے نکلے ہیں دنیا میری نظروں میں اندھیر ہو گئی تھی اور میں نے دیکھ لیا تھا کہ تم لوگوں میں کوئی خیر نہیں ہے۔ نہ آج اور نہ آج کے بعد۔ (اجتہاد طبری ج ۱ ص ۴۱۳)

نوٹ: واضح رہے کہ منتصب افراد اس واقعہ کے وقوع سے انکار کر سکتے ہیں لیکن اس کے مندرجات سے انکار نہیں کر سکتے ہیں۔ اور حق کی سر بلندی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ امام حسنؑ کا ہر دعویٰ ناقابل تردید ہے اور ظالموں کا ہر الزام ہمہ لے بنیاد اور باعث رسوائی دنیا و آخرت ہے۔!

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی

خصائص الحسن

انکڑا ہر تین کے خصوصیات کی دو قسمیں ہیں۔

بعض کا تعلق عام افراد امت یا اولیاء اللہ سے ہے کہ ان حضرات میں وہ خصوصیات پائے جلتے ہیں جو دیگر افراد امت یا اولیاء خدا میں نہیں پائے جاتے ہیں۔

اور بعض کا تعلق خود ان کے گھرانے اور خاندان سے ہے کہ رب العالمین نے مواقع اور مصالح کی مناسبت سے ہر امام کو وہ خصوصیات عنایت فرمائے ہیں جو دوسرے ائمہ کی زندگی میں بھی نہیں پائے جاتے ہیں کہ ان کا دوران خصوصیات کا مستحق نہیں تھا یا ان کے دور میں ان خصوصیات کے اظہار کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

ذیل میں امام حسن مجتبیٰ کے دونوں قسم کے خصوصیات کی طرف اجمالی اشارہ کیا جا رہا ہے تفصیلی مطالب واقعات اور کرامات وغیرہ کے ذیل میں بیان ہو چکے ہیں یا بیان ہوتے ہی تھے ہیں۔ ان خصوصیات کے تذکرہ کا سلسلہ نسب شریف اور وقت ولادت سے شروع ہوتا ہے اور شہادت اور اس کے بعد کے واقعات پر منتهی ہوتا ہے۔

امام حسن مجتبیٰ کا سب سے پہلا امتیاز یہ ہے کہ آپ تاریخ بنی آدم میں وہ پہلے انسان ہیں جو مصوم ماں باپ کے ذریعہ عالم وجود میں آئے ہیں اور آپ کے والدین کو وہ عصمت مطلقہ حاصل ہے جس کی مثال انبیاء کرام اور اولیاء خدا کی تاریخ حیات میں بھی نہیں ملتی ہے۔

آپ وہ پہلے انسان ہیں جنہیں رب العالمین نے وہ اوصاف اضافی عنایت فرمائے ہیں جن کی نظیر تاریخ کائنات میں کہیں نہیں ہے۔ آپ کے جد بزرگوار رسول اکرم، آپ کی جدہ ماجدہ خدیجہ الکبریٰ ام المؤمنین، آپ کے والد محترم مولائے کائنات، آپ کی والدہ گرامی صدیقہ طاہرہ فاطمہ زہراء، آپ کے چچا حضرت عقیل و جعفر طیار، آپ کی چھوٹی بہن حضرت ام ابیانی جن کے گھر کو

سجد الحرام کا مرتبہ دیا گیا ہے، آپ کے دادا حضرت ابوطالب جنہیں محسن اسلام اور مری رسول اکرم ہونے کا شرف حاصل ہے۔

واضح رہے کہ ان اوصاف میں اگرچہ امام حسین بھی شریک ہیں لیکن اس حقیقت سے انکا وہ نہیں کیا جاسکتا ہے کہ رب العالمین نے یہ شرف امام حسن کو امام حسین سے پہلے عنایت کیا ہے لہذا اس اعتبار سے آپ اپنے دور میں اس شرف کے اعتبار سے بالکل منفرد تھے اگرچہ آل محمد میں باہمی طور پر کمالات کا موازنہ نہیں ہو سکتا ہے کہ سب ایک نور کے ٹکڑے اور ایک حقیقت نورانیہ کے اجزاء ہیں۔

دورِ کمسنی

کسی کا زمانہ جب عام طور سے دنیا کے بچے کھیل کود میں زندگی گزارتے ہیں۔ اور قرآن مجید نے بھی اسی نکتہ کا لحاظ رکھ کر زندگانی دنیا کو ابتدا میں لہو و لعب اور آخر میں زینت و تفاخر وغیرہ قرار دیا ہے۔ آل محمد کے کمسن افراد ان خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں، جن کا دوسرے انسانوں کی زندگی میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر:

امام حسن کی قوت شامہ اس قدر قوی تھی کہ گھر میں داخل ہوتے ہی مادر گرامی سے فرمایا کہ میں اپنے نانا کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں جس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ امامت کی قوت اس عام انسانوں سے بلند تر اور قوی تر ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کے جسم میں ایک خوشبو ہوتی ہے جس کا ادراک ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا ہے اور اس کے لیے امام حسن جیسی قوت احساس درکار ہے۔

امام حسن کی قوت بھارت یا بصیرت اس قدر قوی تھی کہ جب مولائے کائنات نے پس پردہ بیٹھ کر بیٹے کا بیان سنا چاہا تو فوراً فرمادیا کہ مادر گرامی! آج میرے بیان میں روانی نہیں ہے اور میری زبان میرا ساتھ نہیں لے رہی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا سردار بچھے دیکھ رہا ہے۔

امام حسن نے اس بیان سے یہ بھی واضح کر دیا کہ مجھے سرکار دو عالم نے جو انانیت کا

سردار قرار دیا ہے۔ لیکن میں اپنے پر بزرگوار کو باپ کے بجائے اپنا سردار کہہ کر یاد کر رہا ہوں تاکہ دنیا کو یہ اندازہ ہو جائے کہ اُن کا مقابلہ مجھ جیسے افراد سے نہیں کیا جاسکتا ہے تو امت کے گنہگار افراد کا کیا ذکر ہے۔

فضائل و مناقب

فضائل و مناقب کے اعتبار سے بھی امام حسنؑ کو ایک انفرادیت حاصل ہے جو عام افراد امت کے مقابلہ میں بھی ہے اور بعض اعتبارات سے خود دیگر افراد اہلبیت کے مقابلہ میں بھی۔ مثال کے طور پر:

آپ پہلے انسان ہیں جنہیں کسایمانی میں داخلہ کا شرف ملا ہے اور جنہیں قدرت نے صفت پیغمبر کا پہلا علاج قرار دیا ہے۔

میدان مہلبا میں عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کے دفاع کے لیے حتیٰ وحدائق کے مجسمے بن کر آنے والوں میں آپ سب سے نمایاں فرد کی حیثیت رکھتے ہیں کہ انتہائی کسنی کے باوجود میدان میں اپنے پیروں سے آئے اور رسول اکرمؐ نے آپ کو سب سے آگے رکھا اور اپنے برابر سے طے کا شرف عنایت فرمایا۔

سورہ ہزل اُتی کے نزول کے لیے جن افراد کی بیماری کو سبب قرار دیا گیا ہے اور جن کی شفا وصحت کی نذر کو پورا کرنے کے لیے روزہ رکھے گئے ہیں ان میں امام حسنؑ بھی شامل ہیں اور یہ شرف جنین کے علاوہ دنیا کے کسی انسان کو حاصل نہیں ہوا ہے۔

پروردگار عالم نے جن افراد کی محبت کو اجر رسالت قرار دیا ہے ان میں امام حسنؑ بھی شامل ہیں اور اہم ترین بات یہ ہے کہ اُس وقت آپ انتہائی کسن تھے اور کسنی میں انسان تعلیمات رسالت سے بھی فیضیاب نہیں ہوتا ہے چہ جائیکہ اس کی محبت کو رسالت کی اجرت قرار دے دیا جائے لیکن پروردگار نے یہ شرف امام حسنؑ کو کسنی کے عالم میں عنایت فرمایا ہے۔

اسی کسنی کے دور میں رسول اکرمؐ نے آپ کو جو انسان جنت کا سردار قرار دیا ہے۔ اسی دور میں آپ نے امامت کا اعلان فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ میرے دونوں فرزند

امام ہیں چاہیں قیام کریں یا بیٹھے رہیں۔

سبحان رسولؐ اور سبط پیغمبرؐ ہونے کا شرف بھی آپ کو اسی دور کسنی میں حاصل ہوا ہے۔

دورِ شباب

جوانی کے زمانے میں آپ کو زور بازو اور قوت شجاعت دکھلانے کا موقع ملا ہے تو جملہ وصفین کے معرکوں میں اس بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کیا ہے جس کی نظیر تاریخ اسلام میں نہیں ملتی ہے اور مولائے کائنات نے آپ کے وجود اقدس کی اس قدر توقیر و تقدیر کی ہے کہ جب محمد بن الحنفیہ نے یہ کہہ دیا کہ آپ ہر مرتبہ بھی کو بیچتے ہیں اور حسینؑ کو میدان میں نہیں بھیجتے ہیں آپ نے ٹوٹ کر فرمایا کہ تم میرے فرزند ہو اور یہ دونوں رسول اللہؐ کے فرزند ہیں۔

دورِ امامت

آپ کے دورِ قیادت کا آغاز ایسے سخت حالات سے ہوا ہے جس کی مثال اس سے پہلے کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

آپ نے پہلی نماز جماعت اس وقت پڑھائی ہے جب باپ سامنے خراب میں زخمی بیٹھا ہوا تھا۔ خون فرق اقدس سے جاری تھا۔ ریش مبارک خون سے رنگین ہو رہی تھی اور آپ نہایت درجہ حضور و شہداء سے عبادت الہی انجام دے رہے تھے۔

دوسری مصیبت آپ کے سامنے یہ آئی کہ اُس باپ کو بھی علی الاعلان دفن نہ کر سکے جو خلیفۃ المسلمین ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوا تھا اور جس کے غم میں سارا عالم اسلام سوگوار تھا۔ اس لیے کہ آپ کو شام کے مظالم اور امت اسلامیہ کی بے حیائی اور بے وفائی کا مکمل اندازہ تھا اور یہ خطرہ تھا کہ نشان قبر واضح ہو گیا تو کسی وقت بھی قرآن اقدس کی بے حرمتی کی جاسکتی ہے جس طرح مسلمانوں نے مادر گرامی کی قبر کو کھولنے کا منصوبہ بنا لیا تھا اور مولائے کائنات کے غیظ و غضب کو دیکھ کر اپنی رلے بدلنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

تیسری عظیم ترین مصیبت یہ ہے کہ آپ کو مصلحت اسلام کی خاطر ایسے شخص سے صلح کرنا پڑی

آپ کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ حاکم شام کے اس برتاؤ کے بعد بھی آپ اپنے صلح نامہ کے شرائط پر قائم رہے اور کسی وقت بھی اس کی مخالفت نہیں کی بلکہ اپنے بعد ایسا انتظام اور اس قسم کی وصیت کر کے گئے کہ بنی ہاشم بھی اس صلح نامہ کی مخالفت نہ کرنے پائیں اور آل محمد پر کسی آن بھی عہد شکنی کا الزام نہ آنے پائے۔

شہادت

امام حسن کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ سب سے پہلے شہید ہیں جنہیں زہر دغا سے شہید کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے تاریخ حیات پیغمبر میں اس قسم کے مصائب کا اشارہ ضرور ملتا ہے لیکن امام حسن کی شہادت ایک بالکل واضح اور مسلم واقعے جس کا مورخین اسلام نے بھی اقرار کیا ہے اگرچہ قاتل اور زہر دینے والے کو مشتبہ بنا دینے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔

امام حسن نے اپنی شہادت سے یہ بھی واضح کر دیا کہ رشتہ زوجیت کردار کی ضمانت نہیں ہے اور بد نفس زود جوشوہر کی قاتل بھی ہو سکتی ہے اور ہوس دنیا شامل ہو جائے تو انسان کوئی بھی اقدام کر سکتا ہے۔

شہادت کے بعد جنازہ پر تیروں کی بارش بھی آپ کے امتیازات مصائب میں شامل ہے، جس کی مثال اس سے پہلے کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

پہلے رسول میں دفن کی جگہ کا نہ ملنا بھی آپ کے امتیازات مصائب میں شامل ہے جس سے امت اسلامیہ کی بے حیائی اور بے وفائی کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اصحاب بولے کو پہلے رسول میں جگہ مل سکتی ہے لیکن فرزند رسول کو نانا کے پہلو میں جگہ نہیں مل سکتی ہے۔

الزامات

امام حسن کی زندگی کا ایک رُخ یہ بھی ہے کہ آپ کو امت اسلامیہ نے اس طرح خلیفہ المسلمین تسلیم نہیں کیا جس طرح اس کے پہلے خلفاء اسلام کی شخصیتیں تسلیم کی جاتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنی امیہ نے آپ کے خلاف الزامات کا سلسلہ شروع کر دیا۔

جس کے بارے میں آپ کو مکمل طور پر یقین تھا کہ میرے باپ کا قاتل ہی ہے، اور ابن ملجم کو تلوار، زہر اور ساتھی اسی نے فراہم کیے ہیں اگرچہ مظالم پر پردہ ڈالنے کے لیے ایک ایسی سازش بھی کی گئی ہے جس سے قاتل کا صحیح سراغ نہ مل سکے اور مشتبہ اور مشکوک ہو کر رہ جائے۔ لیکن آپ نے صلح کی اور صلح کر کے واضح کر دیا کہ ہم ذاتی مسائل کو اسلامی مسائل پر مقدم نہیں کرتے ہیں درحقیقت حال اتنی سنگین تھی کہ بعض مخلصین نے بھی آپ کو "مذل المؤمنین" کے لقب سے یاد کرنا شروع کر دیا تھا۔

حقیقت امر یہ ہے کہ باپ کے قاتل سے جنگ کرنا اور اسے قتل کر دینا بہت آسان ہے لیکن اس سے صلح کرنا اور ظاہری حکومت کا اس کے حوالہ کر دینا اس قدر سخت اور سنگین کام ہے کہ اسے امام حسن مجتبیٰ کے علاوہ کوئی انجام نہیں دے سکتا ہے۔

امام حسن کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ نے صلح کے پردہ میں شام کے حاکم ظالم معاویہ بن ابوسفیان سے اس کی بے دینی کا بھی اقرار لے لیا اور اس کے مظالم کا بھی۔ چنانچہ آپ نے صلح نامہ کے سارے درق پر یہ شرط بھی لکھ دی کہ تجھے کتاب و سنت پر عمل کرنا ہو گا اور یہ شرط بھی طے کر دی کہ مولائے کائنات پر جاری سب و شتم کا سلسلہ بند کرنا ہو گا جس کا کھلا ہوا مطلب یہ تھا کہ شام میں کتاب و سنت پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور مولائے کائنات پر سب و شتم کا سلسلہ جاری ہے۔

سنت رسول کا ذکر کر کے آپ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اسلام میں سنت رسول کے علاوہ کسی اور سیرت کی گنجائش نہیں ہے اور دوسری سیرت کا ادعا اسلامی مزاج کے سراسر خلاف ہے۔ اس بات کا مولائے کائنات نے زبانی اعلان کیا تھا لیکن امام حسن نے حاکم شام سے تحریری اقرار لے لیا۔

آپ کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ نے صلح نامہ میں ایسے شرائط لکھ دیے جن کے بارے میں معلوم تھا کہ حاکم شام عمل نہیں کرے گا اور اسے پارہ پارہ کر دے گا اور اس طرح عالم اسلام کو اس کی نیت کا بھی اندازہ ہو جائے گا۔ چنانچہ جب اس نے صلح نامہ کو پارہ پارہ کر کے پیردق تلے

دبا دیا اور کسی نے امام حسن سے کہا کہ آپ دھوکہ کھا گئے تو آپ نے نہایت حسین انداز میں جواب دیا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں نے دھوکہ دیا نہیں اور اس طرح حاکم شام کے دھوکہ باز ہونے کا اقرار قوم سے بھی لے لیا اور حاکم شام کو بھی منوجہ کر دیا کہ نام خدا و رسول پر شتم صلح نامہ کا زیر قدم رکھنے والا مسلمان نہیں ہو سکتا ہے۔

مجان آل محمد کا خاتمہ کر دے۔

امام حسن کا یہ بھی ایک امتیازی کمال ہے کہ آپ نے قوم کے تحفظ کے لیے ایسا طریقہ کار اختیار کیا جو اس سے پہلے راج نہ تھا۔ آپ نے ایک طرف طاقت کا استعمال کیے بغیر قوم کا تحفظ کر لیا اور دوسری طرف سخت ترین دشمن اسلام کو حکومت کے نام پر محافظ اسلام بنا دیا۔ اور وہ بنی امیہ جو روز اول سے اسلام کے ٹھانڈے کے درپے تھے ان کا چشم و چراغ معاویہ بنی امیہ اسلامی سرحدوں کا محافظ بن گیا اور یہ بھی امام حسن کی حکمت عملی کا ایک عظیم کارنامہ ہے جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

سب سے پہلا الزام آپ پر کثرت ازدواج کا لگایا گیا اور اس کے بارے میں طرح طرح کی روایتیں وضع کی گئیں۔ اور اس کی پشت پر عیسائیت نے مکمل طور پر بنی امیہ کی حمایت کی کہ معاویہ کا دربار عیسائیوں کے نمائندوں سے بھرا ہوا تھا۔ معاویہ کی خدیجہ زبیر کی ماں بھی عیسائی تھی۔ اور معاویہ کا طیب خاص بھی عیسائی تھا۔ اور عیسائیت کی نگاہ میں کسی صاحب کردار کے کردار پر سب سے بڑا حملہ کثرت ازدواج ہے۔ جس طرح کہ اسلام کے خلاف سب سے بڑا حربہ مسلہ جواز تعدد ازدواج ہے۔ چنانچہ یہی حربہ روز اولی رسول اسلام کے خلاف استعمال کیا گیا اور بعد میں امام حسن کے خلاف استعمال ہوا اور اس کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ عیسائیت میں شادی کا تصور ہی نہیں ہے اور وہ مذہبی طور پر ہر شالی کردار سے خالی ہے۔

عیسائیت نے عورتوں میں مثالی کردار حضرت مریم کا قرار دیا ہے اور انہوں نے عقد نہیں کیا ہے۔

اور مردوں میں مثالی کردار حضرت عیسیٰ کا ہے اور انہوں نے بھی کوئی عقد نہیں کیا ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی دنیا شادی کی اہمیت سے ناواقف رہ گئی اور اس کے ذہن میں یہ تصور قائم ہو گیا کہ شادی روحانیت اور عظمت کردار کے خلاف ہے اور اسے جہاں بھی دو چار شادیوں کا ذکر دکھائی دیا، یا جہاں کسی شخصیت سے اختلاف پیدا ہو گیا اس کے خلاف سب سے پہلے کثرت ازدواج کا پروپیگنڈہ کیا گیا۔ یا اس کے تعدد ازدواج کو اس کے کردار کی کمزوری کی دلیل بنا دیا گیا۔

امام حسن پر دوسرا الزام خوف اور بزدلی کا تھا۔ اور یہ بات اس سے پہلے کسی نہ کسی شکل میں رسول اکرم اور مولائے کائنات کے بارے میں بھی کہی گئی ہے۔ لیکن اس وقت صورت حال قدرے مختلف تھی لہذا ان حضرات کو اس مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑا جس کا سامنا امام حسن کو کرنا پڑا اور آپ نے اس مصیبت کے باوجود اپنی ہم کو جاری رکھا اور کوئی اقدام ایسا نہیں کیا جسے ظالم بہانہ قرار دے کر بنی ہاشم، یا

کربلائے امام حسینؑ

فرزندِ زہرا

وہ ہادی برحق — جس نے آخری سانس تک دین کا پیغام سنایا!
 وہ قاری قرآن — جس نے نوک نیزہ پر بھی تلاوت کی!
 وہ محافظِ حرم — جس نے حرمتِ کعبہ کے لیے چ کو عرہ سے تبدیل کر دیا!
 وہ پاسانِ شریعت — جس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے وطن عزیز کو ترک کر دیا!
 وہ مجاہد فی سبیل اللہ — جس نے تین دن کی بھوک اور پیاس میں جہاد کیا!
 وہ ذمہ دارِ اسلام — جس نے بقائے دین کے لیے بھرا گھر ٹٹا دیا!
 وہ عبادتِ شکار — جس نے برستے تیروں میں ناز ادا کی!
 وہ سجدہ گزار — جس نے زیرِ خنجر ستم سجدہ کیا!
 وہ مساوات کا علمبردار — جس نے جون کا سر اپنے زانو پر رکھا!
 وہ صاحبِ ایثار — جس نے راہِ حق میں طفلِ شیر خوار کو بھی قربان کر دیا!
 وہ راکبِ حبشِ رسولی — جس کی خاطر مرسلِ اعظمؐ ناقہ بنے!
 وہ محافظِ فروع و اصول — جس نے پشتِ پیغمبرؐ پر اگر سجدہ کو طولانی بنا دیا!
 وہ وارثِ مہلِ عظیم — جس نے بیگانوں کو بھی سیر و سیراب کیا!
 وہ مولائے رحیم و کریم — جس نے حرکِ خطا کو معاف کر کے اسے سچی حر بنا دیا!

مقدمہ کتابِ کربلا

کسی کتاب کے حقائق و معارف اور مطالبے مفاہیم کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس سے پہلے ان کے مطالب کا ایک خاکہ ذہن نشین کر لیا جائے اور اس سے متعلق افراد کردار اور مقامات کا ایک نقشہ مرتب کر لیا جائے تاکہ اسی کی روشنی میں اصل حقائق کا صحیح اندازہ کیا جائے۔

کتابِ کربلا ایک کتابِ ہدایت ہے جس کے ہر گوشہ میں اسلامی تعلیمات اور قرآنی احکام کی تابانی نظر آتی ہے۔

کتابِ کربلا ایک کتابِ عبادت ہے جس کے ہر صفحہ پر عبادت گزاروں کی صفیں نظر آتی ہیں۔

کتابِ کربلا — ایک کتابِ انقلاب ہے جس کا ہر لفظ خون کی روشنائی سے لکھا گیا ہے۔

کتابِ کربلا — ایک کتابِ شہادت ہے جس کے ہر نقطہ میں حیاتِ جاودانی کی مرکزیت پائی جاتی ہے۔

کتابِ کربلا — ایک کتابِ سیاست ہے جس میں تدبیرِ حیات کی ساری تعلیمات اور ظلم سے مقابلہ کی ساری تدبیریں بیان کی گئی ہیں۔

کتابِ کربلا — درحقیقت کتابِ کربلا ہے جس کے مقابلہ میں کوئی کتاب نہ اس سے پہلے مرتب ہوئی ہے اور نہ اس کے بعد مرتب ہونے والی ہے۔

ایسی کتاب کا مکمل ادراک حاصل کرنے کے لیے ان تمام مقدمات پر عبور حاصل کرنا ضروری ہوگا جن کے بغیر اس کتاب کے حقائق کا ادراک ممکن نہیں ہے۔ انہیں مقدمات پر عبور حاصل نہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ اس کتاب کی بے شمار من مانی تفسیریں کی گئیں، طرح

طرح کی شرحیں لکھی گئیں، نئی نئی تاویلیں ایجاد کی گئیں اور کثرت تعبیرات سے حقائق کو خواب پریشاں بنا دینے کی اموی مشین ایجاد ہو گئی۔

کسی نے اس عظیم جہاد کو دو شہزادوں کی جنگ قرار دیا۔ کسی نے اس کو معاذ اللہ امام حسین کی ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ کہا، کسی نے یزید کے جوش جوانی کا نام دیا، کسی نے ارباب بنت اسحاق کے عشق کی داستان وضع کی، کسی نے عام سیاسی لڑائیوں کا رنگ دیا، کسی نے روٹی، کپڑے، مکان کے مسئلہ کا حل قرار دیا اور کسی نے اپنے مفروضات و مزعومات کی روشنی میں اس کی تشریح کرنا شروع کی۔

غرض جتنے مفکر تھے اتنے ہی خیالات، جتنے مقرر تھے اتنے ہی بیانات، جتنے اہل قلم تھے اتنے ہی مقالات اور جتنے اہل غرض تھے اتنے ہی رجحانات۔

مقدمہ کتاب کر بلا کا مقصد یہی ہے کہ اس عظیم جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقت کو اجاگر کیا جائے اور ان تمام سازشوں کو بے نقاب کیا جائے جو حسین انقلاب کے خلاف کی گئی ہیں یا آج تک کی جا رہی ہیں۔

پہلا مقدمہ — شخصیت امام حسینؑ

کر بلا میں بنیادی کردار امام حسینؑ کا ہے جن کے جہاد فی سبیل اللہ کی تابانیاں صفحہ کر بلا پر ہر طرف نظر آتی ہیں اور جن کے اشارہ پر وہ مختصر لشکر مرتب ہوا تھا جس نے ہر طرح کی قربانی دیکر دین الہی کو حیات دائمی اور بقائے جاودانی بخش دی ہے۔

امام حسینؑ کی شخصیت اور عظمت کو نہ پہچاننے ہی کا نتیجہ ہے کہ کر بلا کو دو شہزادوں کی جنگ قرار دے دیا گیا اور اس کی معنوی اور روحانی حیثیت کو نظر انداز کر دیا گیا۔

امام حسینؑ کی شخصیت کسی طرح بھی محتاج تعارف نہیں ہے۔ مسلمان، ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی، پارسی کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو کسی نہ کسی مقدار میں امام حسینؑ کی شخصیت سے باخبر نہ ہو۔ کم سے کم اتنا تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ امام حسینؑ رسول اکرمؐ کے نواسے، مولائے کائنات علی بن ابی طالبؑ کے فرزند، صدیقہ طاہرہ فاطمہ زہراؑ کے نور نظر، امام حسنؑ کے بھائی اور حضرت

ابوطالبؑ کے پوتے تھے اور یہ سارے رشتے وہ ہیں جو انسان کی عظمت و مرتبت کی بہترین علامت ہیں۔

رسول اکرمؐ کا نواسہ ہونا اور پھر ایسا نواسہ ہونا جسے انتہائی گمنی کے عالم میں اسلام کی تریٰ قرآن کی صداقت، توحید کی حفاظت کے معرکہ میں شریک کیا جائے اور اپنے پیروں سے زچل سکیں تو گودی میں اٹھا کر لے جایا جائے اور دنیا پریرہ واضح کر دیا جائے کہ جو اہمیت باقی بزرگوں کی بدعا کی ہے وہی اہمیت حسینؑ کی بد دعا کی ہے، اور جس قدر خاندان کے بزرگ سبب الدعوات ہیں اسی قدر حسینؑ بھی سبب الدعوات ہیں اور جس قدر میدان مباحلہ کو نانا اور ماں باپ کی ضرورت ہے اسی قدر اس فرزند کی بھی ضرورت ہے اور جس قدر اسلام کا حال ان بزرگوں سے وابستہ ہے اسی قدر اسلام کا مستقبل اس کس فرزند سے وابستہ ہے، اور یہ سارے حقائق اس ایک مرکز نقطہ کی وضاحت کر رہے ہیں کہ حسینؑ کا قیاس عام انسانوں پر جاڑ نہیں ہے اور حسینؑ اس خصوصیت کے حامل ہیں کہ انہیں فرزند رسولؐ قرار دیا گیا ہے جب کہ وہ مرسل اعظمؐ کے نواسے ہیں اور اس خصوصیت میں کائنات میں ان کے بھائی کے علاوہ کوئی ان کا شریک نہیں ہے۔

سرکارِ دو عالم نے امت کے فرزندوں سے بڑی محبت کی ہے۔ صحابہ کرام کی اولاد کو بڑی شفقت و عنایت کی نگاہ سے دیکھا ہے، اپنے کو ساری امت کا باپ کہا ہے۔ لیکن اتنی بڑی امت میں سے کسی ایک کو بھی "ابنائنا" کی منزل میں میدان مباحلہ میں نہیں لے گئے ہیں جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اخلاقی اعتبار سے یا فرض اطاعت کے اعتبار سے امت کو اولاد بنا لینا اور ہے اور معنویت، روحانیت، کمالات کے اعتبار سے کسی کا ابنائنا میں شامل ہو جانا اور ہے۔ یہ تھا امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا امتیاز ہے جس میں ساری امت میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے۔ امام حسینؑ شہزادے ہیں اور بے شک شہزادے ہیں۔ لیکن رسول اکرمؐ کے شہزادے ہی اور ان کے مقابلہ میں آنے والا رسول اکرمؐ کے مقابلہ میں آنے والا ہے جسے کسی جہت سے بھی مسلمان نہیں کہا جاسکتا ہے۔

حضرت علیؑ و فاطمہؑ کا فرزند ہونا اور ایسا فرزند ہونا جس کی وراثت میں باپ کا جہاد اور ماں کا ایثار شامل ہو اور جس نے ابتدائی دور ہی سے اپنے ماں باپ کے کردار کا مکمل مشاہدہ

کیا ہو، اور انسانی نگاہ سے نہیں عرفانی، ایمانی، اور نفسی نگاہ سے مشاہدہ کیا ہو اس کی عظمت کردار کی بہترین دلیل ہے کہ ایسے ماحول میں پرورش پانے والا ایسے کرداروں کا وارث اور ایسے حالات کا دیکھنے والا عام انسان بھی اچھے خالص کردار کا حامل ہو سکتا ہے چہ جائیکہ وہ انسان کہ جسے روز اول سے منصب الہی کا حامل بنا کر دنیا میں بھیجا گیا ہو اور جس کی تربیت اسلام کی آغوش میں ہوئی ہو۔ جس کی رضاعت شیرایمان سے مکمل ہوئی ہو، اور جس نے درس گاہ علام الغیوب سے علوم و کمالات حاصل کیے ہوں اور ابتدا ہی سے بزرگوں کے ساتھ مختلف مجاہدات میں شریک رہا ہو۔

حضرت ابوطالب کا پوتا اور وارث ہونا بھی ایک مکمل تاریخ کی نشان دہی کرتا ہے جس میں ایثار، قربانی، جہاد، حفاظتِ دین، تحفظ ناموسِ رسولی جیسے جذبات پائے جاتے ہیں اور جس تاریخ میں اپنے بچوں کا فائدہ گوارا ہے خدا کے رسول کی بھوک گوارا نہیں ہے۔ اپنے بچوں کی قربانی گوارا ہے جیب کبریائی کی قربانی گوارا نہیں ہے۔

امام حسینؑ ایک ایسے ہی خاندان کے چشم و چراغ تھے اور ایک ایسے ہی مقدس اور پاکیزہ ماحول کی ایک فرد تھے۔ امام حسینؑ کے حالات، معاملات، اخلاقیات، آداب، خیالات، روحانیت کا قیاس دنیا کے دوسرے انسانوں پر نہیں ہو سکتا ہے لہذا امام حسینؑ کے جہاد کا موازنہ بھی دنیا کی کسی جنگ سے نہیں کیا جاسکتا ہے۔

دوسرا مقدمہ — یزید

امام حسینؑ کی شخصیت و عرفان کے بعد یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ واقعہ کربلا کے سارے مظالم کے ذمہ دار واقعی یزید کا کردار کیا ہے اور اسے وراثت میں کون سے جذبات و خیالات ملے ہیں اور اس نے ذاتی طور پر کن صلاحیتوں کی تحصیل کی ہے۔

یزید خاندانی اعتبار سے اس دادا ابوسفیان کا پوتا ہے جس نے ہر معرکہ اسلام و کفر میں اسلام کے خلاف لشکر کی ترتیب و تنظیم یا قیادت کا فرض انجام دیا ہے۔ جس کے کمال اسلام کا یہ عالم تھا کہ عثمان بن عفان کی خلافت کے بعد اپنے چیتے فرزند خاندان کو مبارکباد دینے کے لیے آیا تو حالات کو سازگار دیکھ کر اس عظیم عقیدہ کا اعلان کیا کہ اب یہ خلافت تمہارے ہاتھ میں آگئی ہے

اسے گند کی طرح چھاؤ اور اس کا مرکز و محور بنی امیر کو قرار دو، جنت و جہنم کے خیالات کو ذہن سے نکال دو، ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے، دنیا یہی ہے اور راحت دنیا ہی خلافتِ اسلامیہ ہے۔

یزید کی دادی۔ ہندہ جگر خواہ ہے جس نے احد کے میدان میں سید الشہداء حضرت حمزہؑ کے کلیجہ کو نکال کر چبانے کی کوشش کی تھی اور اس طرح ایک عظیم مجاہد اسلام کی توہین اور بے حرمتی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔

تاریخ کے یہ دونوں منظر یاد رکھنے کے قابل ہیں کہ ایک طرف رسول اکرمؐ اس بات پر آنسو بہا ہے جس کو حضرت حمزہؑ کی لاش پر رونے والی عورتوں کا مجمع نہیں ہے اور دوسری طرف ہندہ جنسِ منارہی ہے کہ لاش کے اجزاء جدا کیے گئے اور ان کے کلیجہ کو منہ میں لے کر اپنی دیرینہ تنہا پوری کی گئی اور گویا تحریکِ اسلام سے انتقام لے لیا گیا۔

یزید کا باپ — معاویہ ہے جسے اسلام کے ایک نامور حکمراں نے "کسریٰ العرب" کا لقب دیا تھا اور جس کی خلافت ہر مکتب خیال میں طوئیت اور شہنشاہی خیال کی جاتی ہے اور جس کے بارے میں خود سرکارِ دو عالمؐ نے فرمادیا تھا کہ خلافت کے بعد بدترین طوئیت کا دور گزرنے والا ہے جس میں کسی انسان کی جان، مال اور آبرو محفوظ نہ رہے گی۔

معاویہ فتح مکہ میں مسلمان ضرور ہو گیا تھا لیکن اس اسلام کی حقیقت سرکارِ دو عالمؐ کے حکمِ خرم سے واضح ہوتی ہے کہ آپ نے اپنے تمام افراد کو طلاقاً کہہ کر معافی دی تھی اور یہ ایک سند ہے کہ ان کا شمار اشراف میں نہیں ہے، آزاد کردہ افراد میں ہے۔ اور اسی لیے خاندان رسالت نے کثرتِ مواقع پر یزید اور معاویہ کے بارے میں اس لفظ کا استعمال کر کے انہیں ان کی حقیقت سے خبر کیا ہے۔

معاویہ کا میدانِ صفین میں نفسِ رسولؐ سے مقابلہ کرنا اور موقع پاتے ہی لشکرِ علیؑ کے لیے لہندہ کر دینا، اصحابِ رسولؐ کو قتل کر دینا، خلیفہٴ اول کے فرزند کی لاش کی بے حرمتی کرنا، خلیفہٴ سوم کی طرح کی امداد نہ کرنا اور مدینہ کے باہر لشکر کو روک کر ان کے قتل کا انتظار کرنا اور ان کے ایک تنگ آب کا بھی فراہم نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کفر و شرک کا وہ بقیۃ السلف ہے جس کے دل میں کسی کی ہمدردی نہیں ہے اور یہ نہ مکتبِ خلافت کی اہمیت کا قائل ہے نہ درکِ نبوت

کی۔ اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جو شخص اپنے خاندان کے خلیفہ کا لاوارثی کے عالم میں بھوکا پیاسا قتل ہو جانا گوارا کر سکتا ہے اور خود اپنے ہی خاندان کے چشم و چراغ پر رحم نہ کرتا ہو وہ دنیا کے کسی انسان پر کیا رحم کر سکتا ہے اور اس کے فرزند سے کس طرح کی شرافت کی توقع کی جا سکتی ہے؟ اس کے برخلاف تاریخ میں حضرت علی علیہ السلام کا کردار بھی ہے جنہوں نے رضی عنہ کے میدان میں بندش آب کو گوارا کیا اور نہ خلیفہ سوم کو قصر کے اندر بے آب رہنے دیا فرزند ابوطالب کی اس شرافت و نجابت کا قیاس فرزند ابوسفیان کی اس ذلت و خجانت پر کیا جائے تو یہ تاریخ کا عظیم ترین ظلم ہے جس کی فریاد خود امیر المومنین نے بھی کی ہے کہ مجھے اتنا گرایا گیا، اتنا گرایا گیا کہ اب میرے نام کے ساتھ معاویہ کا نام لیا جانے لگا ہے۔

یزید کی ماں یسویں تھی جو عیسائی خاندان کی ایک عورت تھی اور جس نے ابتدائی دور میں یزید کو اپنے ساتھ صحرا و بیابان میں رکھا تھا اور وہیں عیسائی اصول و قوانین کے مطابق تربیت دی تھی اور نفاق پر عیسائیت کا رنگ چڑھا کر کیلے کو نیم چڑھا بنانے کا کام انجام دیا تھا۔ عیسائیت نے اسلام کے خلاف جو سازشیں کی ہیں ان کا ایک جزو یزید کی تربیت بھی تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس طرح کی شکست عیسائیت کو مہلبہ کے میدان میں ہوئی تھی اس طرح کی شکست کفار و مشرکین اور یہودیوں کو بھی نہیں ہوئی تھی۔ کفار و مشرکین کو یہ اطمینان تو تھا کہ "مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا"

اور پھر شکست کے بعد بھی ہم نے شکست کا اعتراف نہیں کیا۔ لیکن عیسائیت کے دل میں تو یہ ایک ناسور تھا کہ ہم ایسے میدان میں آگے جہاں مقابلہ بھی ممکن نہ تھا اور پھر ہمیں ذلت آمیز شکست کا اعتراف بھی کرنا پڑا لہذا جس قیمت پر ممکن ہو ان پانچ افراد سے انتقام لے لیا جائے جنہوں نے مہلبہ کا معرکہ سر کیا ہے اور لعنت کے حربے سے ہماری قوم کو شکست دی ہے۔ چنانچہ تاریخ کے یہ دو سلمات قابل توجہ ہیں کہ معاویہ کے دربار میں ایک عیسائی طبیب تھا جس کا نام زہر قاتل تیار کرنا تھا اور یہی زہرا بن بلعم کی تلوار میں بھی دیکھا گیا ہے اور جودہ کے پانی میں گدے یعنی معاویہ نے اس زہر کے ذریعہ مہلبہ کی دو عظیم شخصیتوں کا قتل کیا ہے اور عیسائیت کو دوسرے

ہستیوں سے بدل لینے کا موقع فراہم کیا ہے اب ایک امام حسین کی رستی باقی تھی اور عیسائیت کو ان سے انتقام لینا تھا، چنانچہ یسویں کو معاویہ کے گھر میں داخل کیا گیا اور جب یزید پیدا ہو گیا تو اسے اپنے ہاتھوں میں رکھ کر پالا گیا تاکہ ایک ایسی شخصیت تیار کی جائے جس کے دل میں اسلام سے کوئی ہمدردی نہ ہو اور وہ مہلبہ کے مجاہدین کی آخری فرد سے بھی عیسائیت کی شکست کا انتقام لے لے امام حسین دشمنان اسلام کی نگاہ میں دہرے انتقام کا مرکز تھے۔ ایک طرف یزید اپنے باپ دادا کی لڑائیوں کا انتقام لینا چاہتا تھا اور اس کا منشا یہ تھا کہ امام حسین کے ذریعہ جنگ بدر کے مقتولین کا بدلہ لے لیا جائے اور حضرت علی کے مجاہدات کا انتقام ہو جائے اس لیے جب امام حسین نے لشکر یزید سے خطاب کر کے سوال کیا کہ آخر میرا خون کیوں بہایا جا رہا ہے، کیا میں نے دین بدلایا ہے؟ شریعت میں کوئی ترمیم کی ہے؟ احکام الہی میں کوئی تبدیلی کی ہے؟ تو سب نے ایک زبان جواب دیا کہ ہمارے دل میں آپ کے باپ علی کا بغض ہے اور ہم اس کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ اور پھر خود یزید نے بھی اپنے دربار میں فتح و کامرانی کے نشے میں ڈوب کر کہا تھا کہ کاش ہمارے بدر کے بزرگ زندہ ہوتے اور یہ نظر دیکھتے کہ کس طرح ان کے خون کا بدلہ لیا جا رہا ہے۔

کر بلا کا واقعہ امام حسین کی طرف سے حفاظت اسلام کا انتقام تھا تو یزید کی طرف سے شکست کفر کا انتقام۔ کر بلا کے تیو کا فیصلہ اس طرح آسان ہے کہ اگر یزید کا کفر باقی رہ گیا تو انتقام کا مہلبہ ہو گیا اور اگر امام حسین کا بہایا ہوا اسلام باقی رہ گیا تو انتظام کا مہلبہ ہو اور انتقام دوبارہ شکست کھا گیا۔

دوسرا سلسلہ یہ بھی تھا کہ عیسائیت اپنی شکست کا انتقام لینا چاہتی تھی اور اس کے لیے مسونہ کو ذریعہ بنایا گیا تھا۔ امام حسین نے دونوں طرح کے انتقام کا مقابلہ کیا اور یہ واضح کر دیا کہ یزید دو طرف سے کفر کا وارث ہے، بدر کے اعتبار سے مشرکین کے وارث ہے، اور مہلبہ کے اعتبار سے نصاریٰ بنجران کا وارث ہے۔ اور میں بدر و احد کے اعتبار سے محمد مصطفیٰ اور علی مرتضیٰ کا وارث ہوں اور مہلبہ کے اعتبار سے جان و نجات اور عیسیٰ روح اللہ کا وارث ہوں جنہوں نے گہوارہ ہی میں اعلان کر دیا تھا کہ میں بندہ خدا ہوں فرزند خدا نہیں ہوں۔

یزید۔ بذات خود یزید تھا، جس کا کردار تو کردار اس نام بھی اہل نظر و ادب کی نگاہ میں

داخل دشنام ہے۔

یزید کی شخصیت و حیثیت "عالم اسلام میں کبھی زیر بحث نہیں رہی ہے۔ البتہ اس کا اسلام و ایمان ہر دور میں زیر بحث رہا ہے اور اس سے بالاتر یہ بحث رہی ہے کہ وہ قابل لعنت ہے یا نہیں۔ یعنی یہ بات تقریباً مسلمات میں ہے جس کا اقرار ہر غیر متعصب عالم نے کیا ہے کہ یزید کا اسلام واقعی اسلام نہیں تھا اور اس کا کردار واقعا اس قابل تھا کہ اس پر لعنت کی جائے۔

علامہ بزرگنجی نے کتاب الاشاعر میں اور ابن حجر نے مواعظ میں نقل کیا ہے کہ امام بن جنبل کے فرزند عبد اللہ نے اپنے باپ سے یزید پر لعنت کرنے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ جس پر خدا نے لعنت کی ہے اس پر کس طرح لعنت نہ کی جائے اور اس کے بعد قرآن مجید کی اس آیت کا حوالہ دیا جہاں فساد فی الارض کرنے والوں کو ملعون قرار دیا گیا ہے۔

ابن خلدون کا کہنا ہے کہ قاضی ابوبکر بن المرینی المالکی نے اپنی کتاب العوام والعوام میں یہ لکھا کہ کہ حین اپنے بھائی تلوار سے قتل ہوئے ہیں سخت غلٹی کی ہے۔ یزید ہرگز حاکم اسلامی نہ تھا۔ اسلامی حکومت کے لیے عدالت ضروری ہے اور حین سے بالاتر کوئی عادل نہ تھا۔ اس کے بعد متعدد تاریخ کے صفحہ ۲۵ پر اس حقیقت کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ علماء اسلام یزید کے فتنہ پر مشفق ہیں اور فاسق ایسا اسلامی حاکم نہیں ہو سکتا کہ اس کے خلاف اقدام جائز نہ ہو۔ صحابہ کرام اور تابعین کا سکوت یزید کے کردار سے رضامندی کی بنا پر نہ تھا بلکہ وہ خود یزیدی کو پسند نہ کرتے تھے اس لیے یزید کی نصرت کو بھی جائز نہیں قرار دیتے تھے۔

ابن مفلح جنبل کا بیان ہے کہ ابن عقیل اور ابن الجوزی کی نگاہ میں غیر عادل حاکم کے خلاف قیام جائز ہے جس طرح امام حین نے یزید کے خلاف قیام کیا ہے۔ یزید کو اگر ابتدا میں حاکم تسلیم بھی کر لیا جائے تو قتل حین، جنگ حرمت کعبہ اور تاراجی مدینہ کے بعد تو یہ حکومت خود بخود ختم ہو جاتی ہے علامہ تفتازانی نے شرح عقائد نسفیہ میں تحریر کیا ہے کہ یزید کا قتل حین سے راضی ہونا اور اس پر خوشی منانا مسلمات میں ہے اور ایسا انسان صاحب ایمان نہیں ہو سکتا ہے بلکہ قابل لعنت ہے اور اس پر اور اس کے انصار و اعوان پر خدا کی لعنت ہے۔

ابن حزم نے "المملی" ج ۱۱ ص ۱۱۰ میں تحریر کیا ہے کہ یزید بن معاویہ کا قیام صرف دنیا کے

لے تھا اس کے اعمال کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی ہے وہ ظالم نفس تھا۔ بعض علماء کی طرف سے اس کے اعمال کی تاویل سراسر زیادتی ہے۔

جاہل کا بیان ہے کہ یزید کے بدترین جرائم قتل حین، اسیری بنات رسول، توہین سر امام حسین، قتل گری مرزہ، جنگ حرمت کعبہ وہ اعمال ہیں جو قیادت قلب و فطنی آل رسول، بغض عدالت دیکھ پروری اور فتنہ بے ایمانی کی علامت ہیں اور فاسق ملعون ہوتا ہے بلکہ جو ملعون پر لعنت کرنے سے منع کرے وہ خود بھی ملعون ہے۔ (درائے باحظ ص ۲۹۸)

برہان طلیبی نے استاد شیخ محمد مری کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ اور ان کے والد دونوں یزید پر لعنت کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ خدا اسے جہنم کے سست ترین درجات میں جلا دے گا۔ ذہبی نے سیر اعلام النبلا میں بیان کیا ہے کہ یزید بن معاویہ نامی، بدسرشت، بدکردار، شرابی اور بدکار تھا۔ اس نے اپنی حکومت کا آغاز قتل حین سے کیا ہے اور خاندان معاویہ پر کیا ہے۔

سبط ابن الجوزی سے نقل کیا گیا ہے کہ ابن الجوزی سے یزید پر لعنت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ امام احمد نے اس پر لعنت کو جائز قرار دیا ہے اور ہم بھی یزید کو پسند نہیں کرتے ہیں کہ اس کے اعمال بدترین اعمال تھے۔ اب اگر لوگ اس ناپسندیدگی پر راضی ہیں تو ٹھیک ورنہ ہم بھی مرعاً لعنت کرتے۔ (مرآة الزمان ج ۸ ص ۴۹۶)

ان تمام بیانات سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ انصاف پسند علماء اور مورخین نے ہر ذمہ دار یزید کو کافر یا فاسق یا قابل لعنت تسلیم کیا ہے اور کوئی اس کے اعمال، کردار سے انصاف نہیں کر سکا ہے۔

دور حاضر میں بعض اہل قلم نے اگر یزید کی طرف داری کی ہے تو اس کی وجہ یہ قرار دی ہے کہ قتل حین وغیرہ جیسے اعمال کا یزید سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ سب ابن زیاد اور ابن سعد کے اعمال تھے۔ یزید ان اعمال سے بری تھا ورنہ اگر یہ طے ہو جائے کہ ان سارے اعمال کا ذمہ دار یزید ہی ہے تو بے شک ایسا انسان قابل لعنت ہوتا ہے۔

صرف چند بے ایمان اور حیثیت النفس اہل قلم ایسے ہیں جنہوں نے امام حسین کو باغی یا ناجی قرار دیا ہے اور یزید کی حکومت کو جائز اور صحیح قرار دیا ہے اور یہ وہی صنوی نسل یزید ہے جس نے

کل یزید کو امیر المؤمنین تسلیم کیا تھا اور امام حسین کو باغی اور خارجی کہہ کر ان کا خون بہانے کی تدبیر کی تھی۔ لعنة الله علیہم اجمعین۔

تیسرا مقدمہ۔ ہلاکت و شہادت

واقعہ کربلا کے سلسلہ میں ایک سوال یہ بھی اٹھایا جاتا ہے کہ امام حسین نے جان بوجھ کر اصحاب کی مختصر جماعت کے ساتھ کربلا کا رخ کیا۔ یزید کی بے شمار فوج سے مقابلہ کیلئے بیعت سے انکار کیا اور یہ تمام باتیں اقدام قتل کے مراد تھیں جسے اسلام نے ناجائز قرار دیا ہے۔ امام حسین کو ہوا کا رخ دیکھنا چاہیے تھا اور اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیے تھا۔ ہوا کے رخ کے مطابق عمل کیا ہوتا تو اتنا بڑا سامخو نہ ہوتا اور اتنے افراد کا خون نہ ہوتا بلکہ صاحب تھک کر جانے واضح لفظوں میں یہ اعتراض کیا ہے کہ امام حسین کی شہادت (معاذ اللہ) ان کی ناعاقبت ائمہ شیخ کا نتیجہ تھی ورنہ وہ اپنی جان بچا سکتے تھے اور جو انسان بوجھ کر موت کے منہ میں چلا جائے اسے کس طرح مظلوم کہا جاسکتا ہے؟

اس سوال اور اعتراض کے تجزیہ کے لیے چند مراحل پر غور کرنا ہوگا:

مرحلہ اول۔ یہ ہے کہ کیا امام حسین کے لیے جان چکانا ممکن تھا اور اگر ممکن تھا تو اس کا طریقہ کیا تھا۔ اس مقام پر بعض تاریخی حوادث سے ناواقف افراد یہ کہہ دیتے ہیں کہ امام حسین یزید کی بیعت کر لیتے تو ان کی زندگی محفوظ رہ سکتی تھی۔ حالانکہ یہ بات تاریخی حقائق کے باطل خلاف ہے۔ امام حسین نے اس وقت تک کوئی ایسا اقدام نہیں کیا تھا جس اقدام سے یزید کی خلافت کو خطرہ ہوتا۔ یزید کی خلافت کو خطرہ امام حسین کے وجود سے تھا اور اسے یہ اندیشہ تھا یہ آنکھ بند کر کے میرے اعمال کی تائید نہیں کر سکتے اور کسی قیمت پر میرے احکام پر عمل نہیں کر سکتے اور اس طرح امت میں یہ شور و فساد برپا ہوگا کہ یزید میں کوئی عیب، کوئی نقص اور کوئی خرابی ہے جس کی بنا پر فرزند رسول اس کے احکام کو قبول نہیں کرتے اور اس طرح میری حکومت کو استحکام حاصل نہیں ہو سکتا لہذا ان کے وجود کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ مطالبہ بیعت کی زیور نے بہترین بہانہ قرار دیا تھا کہ یہی وہ مسئلہ ہے جہاں امام حسین اتفاق نہ کر سکیں گے ورنہ بیعت

کے بجائے صلح کا مطالبہ ہوگا تو وہ اتفاق کر سکتے ہیں کہ اسے معلوم تھا کہ آل محمد صلح کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اس کے سامنے اس گھرنے کی پوری تاریخ تھی کہ میرے دادا نے آزمایا تو رسول اکرم صلح کے لیے تیار ہو گئے۔ میرے باپ نے تجربہ کیا تھا تو حسن مجتبیٰ صلح کے لیے آمادہ ہو گئے تھے۔ اب میں بھی صلح کے لیے تحریک کروں گا تو حسین آمادہ ہو جائیں گے لہذا کوئی ایسا مطالبہ کرنا چاہیے جس سے امام حسین کسی قیمت پر اتفاق نہ کر سکیں۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ان کے باپ کے گلے میں رکھی ڈالی گئی انہیں کبھی کر گھر سے مسجد تک لایا گیا۔ طرح طرح کی ازیتیں پہنچائی گئیں لیکن انہوں نے بیعت نہیں کی جب کہ تمام صلح میں ۲۵ سال تک خاموش رہے اور حکومت وقت سے مقابلہ نہیں کیا لہذا آل محمد کے صلح سے مطالبہ صلح کے بجائے مطالبہ بیعت پیش کرنا چاہیے اور اس کے ذریعہ ان کی زندگی کا خاتمہ کر دینا چاہیے جیسا کہ خود امام حسین نے اپنے بیانات میں اشارہ فرمایا تھا کہ میں کسی جانور کے سوراخ میں بھی پناہ لے لوں تو یہ مجھے نکال کر قتل کر دیں گے، انہیں میری زندگی کو گوارا نہیں ہے اور یہ میرے وجود کو خطرہ تصور کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ بیعت سے جان بچ سکتی تھی تو زیادتی سوال یہ ہے کہ کیا بیعت، امام حسین کے لیے ممکن تھی اور کیا اسلام ہر راستہ سے حفاظت نفس کی اجازت دیتا ہے چاہے اس سے خود اس کی بربادی کا سامان فراہم ہو جائے؟

اس سوال کا تجزیہ علماء و مفکرین نے دو راستوں سے کیا ہے۔ امام حسین کے ذاتی کمالات اور نبی کریمات وغیرہ کے اعتبار سے۔ کہ کیا یہ خصوصیات اس امر کی اجازت دیتے ہیں کہ امام حسین بیعت کر لیں۔ جس کے باپ نے ایک لمبے کے لیے یزید سے غنیمت حکام کی بیعت نہیں کی ہے جس کے بھائی نے ایک دن کے لیے یزید کے باپ کی بیعت کا ارادہ نہیں کیا ہے وہ یزید جیسے بدترین انسان کی بیعت کر سکتا ہے؛ ہرگز نہیں! اس نکتہ کا احساس ابن سعد کو بھی تھا کہ اس نے اپنے حاکم کو آخری اطلاع نامہ میں تحریر کیا تھا کہ حسین بیعت نہیں کریں گے۔ ان کے پہلو میں ان کے باپ کا دل ہے۔ جہاں امر کی طرف اشارہ تھا کہ امام حسین کے نفسی خصوصیات انہیں بیعت کرنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں دوسرا راستہ شریعت کے احکام و قوانین کا ہے کہ کیا اسلامی قوانین کی روشنی میں ایسے انسان کی بیعت جائز تھی جو حرام محمد کو حلال، اور حلال محمد کو حرام بنا دے۔ قانون الہی کا مذاق اڑانے،

سرور بار شراب پیے، سوتیلی ماں بہن سے زنا کو جائز قرارے اور دو بار عام میں یہ اعلان کرے کہ دین و آئین فقط بنی ہاشم کا کھیل ہے ورنہ کوئی وحی آئی ہے اور نہ خبر نازل ہوئی ہے۔ قرآن و سنت میں کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو عام مسلمان کے لیے بھی اس کی بیعت کو جائز قرار دے سکے۔ بیعت کے قواعد و قوانین میں ان میں ناسخ و فاسخ کی اطاعت کا بھی امکان نہیں ہے۔ بیعت تو بہت بڑی بات ہے۔ لہذا اس نقطہ نظر سے بھی بڑی بیعت کسی عام انسان کے لیے مجاز نہیں ہے۔ امام حسین کا مرتبہ تو ان سب سے بہت بالاتر ہے۔

لہذا یہ تصور کہ امام حسین بیعت کے ذریعہ اپنی زندگی کا تحفظ کر سکتے تھے تاریخ اور شریعت دونوں سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ نہ تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ بڑی کاشتکے متفقین طلب بیعت تھا اور وہ بیعت کے بعد اذیت و آزار سے دستبردار ہو سکتا تھا اور نہ شریعت اسلام کے قوانین کے اعتبار سے امام حسین کے لیے یہ جائز تھا کہ وہ بڑی بیعت سے فاسق و فاجر انسان کی بیعت کرتے امام حسین تو کسی عظیم ترین انسان کی بھی بیعت نہیں کر سکتے تھے کہ وہ خود اپنے دور کے برائے عظیم تر تھے اور ان سے بالاتر کوئی نہیں تھا کہ وہ اس کی اطاعت یا بیعت کرتے اور پھر امام حسین کا ہاتھ اٹھنے سے بیعت لینے کے لیے بنایا تھا بیعت کرنے کے لیے نہیں بنایا تھا۔ ان کا ہاتھ یاد اللہ تھا اور یاد اللہ تمام ہاتھوں سے بالاتر ہوتا ہے وہ کسی کے ہاتھ کے نیچے نہیں آسکتا ہے۔

دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ہلاکت کے معنی کیا ہیں اور کیا امام حسین کے اقدام کو ہلاکت کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اس کا جواب تمام علماء و اخلاقیات نے یہ دیا ہے کہ ہلاکت بلا سبب جان کو برباد کرنے یا اپنی حیثیت سے کٹ کر جان قربان کر دینے کا نام ہے اور امام حسین راہ خدا میں قربانی سے مدد ہے تھے جس سے بالاتر کوئی شے نہیں ہے لہذا ان کے اقدام جہاد کو ہرگز ہلاکت کا نام نہیں دیا جا سکتا ہے۔ دوسری نقطوں میں یوں کہا جائے کہ ہلاکت بربادی کا نام ہے اور بربادی کے معنی یہ ہیں کہ چیز ضائع ہو جائے اور اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو۔ شورہ زار زمین میں دان ڈال دینا اس کے بربادی ہے۔ لیکن زرخیز زمین میں بیج ڈال دینا اس کی بربادی نہیں ہے۔ اور دونوں کا فیصلہ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں دان بے نتیجہ رہتا ہے اور دوسری صورت میں ایک دان سے سات بالیاں پیدا ہوتی ہیں اور ہربالی میں سو سو دانے پیدا ہوتے ہیں، اور اس طرح دان

کا رآمد ہو جاتا ہے۔ برباد نہیں ہوتا۔ اسلام میں جہاد اور شہادت کا قانون اسی لیے رکھا گیا ہے کہ شہادت میں زندگی برباد نہیں ہوتی بلکہ اس کے مقابلہ میں بے شمار نتائج برآمد ہوتے ہیں، اور واضح ترین نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ انسان کی عارضی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور مذہب کو ابدی زندگی مل جاتی ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ مذہب کی زندگی انسان کی زندگی سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔

امام حسین کے اقدام کی صورت حال بھی یہی تھی کہ انھوں نے مشیت الہی کے مطابق وہ وقت، موقع اور مقام منتخب کیا تھا جہاں جان کی قربانی بربادی نہیں تھی بلکہ ایک عظیم تر اور وسیع تر جہاد کا پیش خیر تھی۔ انھیں معلوم تھا کہ اس قربانی کے نتیجہ میں ظلم کے حوصلے پست ہوں گے، مظلوم کو بولنے کا موقع ملے گا، ترمیم شریعت کا راستہ بند ہو جائے گا، خلافت کے نام پر منکرات کا سلسلہ موقوف ہو جائے گا۔ اہل دنیا کو قانون الہی میں دخل اندازی کا موقع نہ ملے گا۔ اور جس ماحول میں بڑے بڑے صحابہ زادوں کو بولنے کی تاب نہیں ہے اس ماحول میں ایک مرد دنیا پنا یا مرد نصرانی بھی حاکم وقت کو ٹوکنے کا حوصلہ پیدا کر لے گا اور یہ حوصلہ تحفظ دین و شریعت کے اعتبار سے بے حد مفید ہوگا۔

امام حسین نے اپنی قربانی ان تمام مصالح کے پیش نظر دی ہے اور وہ سارے فوائد حاصل کر لیے ہیں جو ایک شہادت سے حاصل کیے جا سکتے تھے اسلام کو حیات جاودانی نے دی ہے۔ شریعت کو تحفظ فراہم کر دیا ہے، قرآن کو سر بلند کر دیا ہے، کعبہ کی عظمت و کرامت کو بچا لیا ہے اور دین محمدی کو استحکام و دوام عطا کر دیا ہے اور ایسے نتیجہ خیز عمل کو ہلاکت یا بربادی نہیں کہا جا سکتا ہے۔

تیسرا مرحلہ۔ یہ ہے کہ کیا انسان کے لیے تمام صورتوں میں جان، مال، اُرد کی حفاظت واجب ہے یا بعض حالات میں ان کی قربانی بھی ضروری ہے؟ کھلی ہوئی بات ہے کہ اس مسئلہ کو عقلی طور پر طے کیا جائے تو عقل و فہم فیصلہ دیتی ہے کہ مفید کی عظمت کی راہ میں تینوں کو قربان کیا جا سکتا ہے اور انسانی زندگی میں یہ برابر ہوتا رہتا ہے کہ حالات و مصالح کے تحت مال بھی قربان کیا جا سکتا ہے اور بلند ترین مقاصد کے لیے ظاہری

عزت و جاہت بھی قربان کی جاتی ہے اور واقعی مفایم و اقدار کے لیے جان کی بازی بھی لڑی جاتی ہے۔ کون عقلمند ہے جو اس حقیقت سے انکار کر دے گا اور کون سا باشعور ہے جو اپنی زندگی میں اس قانون پر عمل درآمد نہیں کرتا ہے۔

شرعی اعتبار سے بھی جان و مال و آبرو تینوں رب العالمین کا عطیہ اور اس کی امانتیں ہیں، لہذا انھیں دوسرے کی راہ میں صرف کرنا ناجائز ہو تو ہو خود صاحب مال ہی اگر انھیں امانت کا مطالبہ کرے تو صرف کر دینا ہلاکت نہیں ہے اس سے انحراف کرنا ہلاکت ہے۔ خاصانِ خدا نے ہمیشہ اسی نکتہ کو پیش نظر رکھا ہے کہ جان، جان آفریں کی امانت ہے۔ مال، مالک کی امانت ہے۔ آبرو رب العزت کی امانت ہے۔ لہذا وہ جس طرح رکھنا چاہے گا اسی طرح صرف کر دیں گے اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہے اور نہ ہماری مرضی کی کوئی قدر و قیمت ہے۔

اور جب یہ بات واضح ہو گئی کہ عقل و شرع دونوں کے اعتبار سے قربانی ایک ضرورت ہے اور قربانی کو ہلاکت اور بربادی نہیں کہہ سکتے ہیں تو اب صرف اتنا واضح کرنا ہو گا کہ امام حسین عقل و شرع دونوں کی طرف سے اس قربانی کے لیے مامور تھے اور انھوں نے عقل و شرع دونوں کے قانون پر عمل درآمد کیا ہے۔ اور یہ سلسلہ تاریخی اعتبار سے انتہائی واضح ہے کہ حالات نے عقلی طور پر وجوبِ عالمہ کر دیا تھا اور سرکارِ دو عالم نے خواب کے ذریعہ، شریعتِ اسلام نے تحفظِ اسلام کی ضرورت کے ذریعہ اس وجوب کا اعلان کر دیا تھا جیسا کہ خود امام حسین نے فرمایا کہ میں امتِ جدید کی اصلاح، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے گھر سے باہر نکلا ہوں اور یہ سب امور اسلام میں واجبات اور اہم ترین فرائض شریعت میں تھے۔

چوتھا مقدمہ۔ فتح و شکست

دنیا میں جو صاحب عقل بھی کوئی عمل انجام دیتا ہے اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے اور اسی مقصد کے اعتبار سے کامیابی اور ناکامیابی کا فیصلہ ہوتا ہے۔ عمل کے دوران پیش آنے والے حالات و کیفیات نہ کامیابی کی علامت ہیں اور نہ ناکامی کی۔ ایک فلاح (کاشکار) اپنے کام کا آغاز کرتا ہے تو سب سے پہلے زمین کی حالت خراب ہوتی ہے۔ اس

بعد دان خاک میں بلا دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد زمین پر پہنے والاصاف و شفاف پانی خاک میں جذب ہو جاتا ہے اس کے بعد پیداوار کو سہارا دینے والا کیمیاوی مادہ زیر زمین گم ہو جاتا ہے تو زراعت کا عمل مکمل ہوتا ہے جس میں ظاہری تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ لیکن جب چار مہینے انتظار کرنے کے بعد لہلہاتا ہوا کھیت سامنے آ جاتا ہے تو سب یہی کہتے ہیں کہ فلاح اپنے عمل میں کامیاب ہے۔ کسی نے اس کامیابی پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ دانہ برباد ہو گیا، پانی جذب ہو گیا۔ کھاد کا پتہ نہیں چلا اس لیے کہ کامیابی کا فیصلہ نتیجہ کے اعتبار سے ہوتا ہے حالات اور مقدمات کے اعتبار سے نہیں ہوتا ہے۔

یہی حال خاصانِ خدا کی حیات کا ہے کہ اس میں زحمات، مصیبتیں، آفتیں سب ہیں اور حادثات کی کثرت بھی ہے۔ کوئی پتھر میں دبا دیا گیا، کوئی آدے سے چیر دیا گیا، کسی پر کوڑا پھینک دیا گیا، کوئی سخت ترین مصائب کا شکار ہو گیا۔ لیکن ان تمام مصائب و آفات کو ان کی ناکامی کی علامت نہیں قرار دیا گیا بلکہ اللہ والوں کی فوج کو کامیابی اور کامرانی کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔

اہل دنیا کی نگاہ میں یہی مصائب و آلام ناکامی کی علامت ہو سکتے ہیں کہ وہ خدمات سے راحت چاہتے ہیں، تبلیغات سے مفادِ دنیوی کے طلب گار ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ والے ان مصائب کو اس وقت تک اپنی ناکامی نہیں تصور کرتے جب تک کہ ایک شخص کے بھی راہِ راست پر آجانے کا امکان ہوتا ہے کہ ان کا مقصد اس دنیا میں راحت و آرام طلبی نہیں ہے۔ وہ بندگانِ خدا کو راہِ خدا پر چلانے اور منزلِ قرب الہی تک پہنچانے کے لیے آئے ہیں اور جب تک یہ کام ہوتا رہے گا وہ اپنے کو کامیاب تصور کرتے رہیں گے اور اپنے تصور میں حق بجانب رہیں گے۔ کیا یہ تاریخ کی عظیم حقیقت نہیں ہے کہ جس مرد مجاہدانے بڑے بڑے معرکے سر کیے نام آدمی پہلوانوں کے گلے کاٹے، ایک ایک داریں مرحب و مرکب کے دو ٹکڑے کیے، دو انگلیوں سے درخیر رکھا ڈالیا، ایک ضربت سے کل کفر کا خاتمہ کر دیا، ایک اکیلے دم پر سارے لشکر سے مقابلہ کر لیا وہ ان تمام مجاہدات و فتوحات کو اپنی کامیابی کے اعلان کا عمل نہیں قرار دیتا اور جب سر پر ان ٹم کی تلوار لگتی ہے تو اعلان کرتا ہے کہ "رت کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا"۔

کیا یہ اس بات کی علامت نہیں ہے کہ کامیابی اور ناکامیابی، راحت و تکلیف، الطینان و مصیبت، دولت و غربت، لطف حیات اور تلخ کامی زندگی کی تابن نہیں ہے۔ اس کامیاب صرف مقصد کا حاصل ہونا اور مقصد کے حصول سے محروم ہو جانا ہے۔ مقصد حاصل ہو گیا تو انسان ہزار مصائب کے باوجود کامیاب ہے اور مقصد حاصل نہ ہو سکا تو انسان لاکھوں راحتوں کے باوجود بھی ناکام ہے۔

اس بنیاد پر یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ کربلا کے معرکے میں فاتح کون ہے اور شکست خورد کون؟ دونوں فریقین کا مقصد دیکھنا ہو گا اور پھر مقصد کے حصول و عدم حصول کا جائزہ لینا ہو گا۔ تاریخ اس حقیقت کی بہترین شاہد ہے کہ امام حسین کی نگاہ میں دنیا کا کوئی آرام نہ تھا۔ انہوں نے مصائب کا راستہ اختیار کیا تھا اور بار بار اپنے قتل کی پیش گوئی کر دی تھی، اصحاب کو بھی آزاد کر دیا تھا کہ مصائب میں ساتھ نہیں دے سکتے تو چلے جائیں، مجھے دین محمد کو منکم بنانا ہے اور اس راہ میں تلواروں کو اپنا گلابھی پیش کر سکتا ہوں۔ ایسی حالت میں ان کی مصیبت یا شہادت کو ناکامی کی علامت قرار دینا ایک غفلت یا تعسف یا فلی یا جہالت و حماقت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

اس کے برخلاف یزید حکومت چاہتا تھا۔ اس کے باپ نے اہل کوفہ سے خطاب کے اعلان کر دیا تھا کہ میں نے تم لوگوں سے نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ کے لیے جنگ نہیں کی ہے، میں صرف تم پر حکومت کرنا چاہتا ہوں، اسی حکومت کی بقا کے لیے اس نے اپنے بدترین بیٹے یزید کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا کہ یہ اقتدار کسی بھی صورت سے بنی امیہ میں رہ جائے ورنہ اس کے بیٹے کی نگاہ میں دین و مذہب سب بنی ہاشم کا کھیل تھا۔

اب امام حسین اور یزید کا معرکہ صرف اس مرحلہ پر تھا کہ دین باقی رہے یا مٹ جائے، رسالت حقیقت و واقعیت ثابت ہو یا بنی ہاشم کا کھیل تا شاہ ثابت ہو جائے۔ یزید نے سارا زور صرف کر دیا کہ رسالت تا شاہن بن جائے، دین فنا ہو جائے اور ابوسفیان کے قول کے مطابق یہ گندہ بنی امیہ کے گرد ناچتی رہے اور امام حسین کا سارا جہاد اس مقصد کے لیے تھا کہ دین الہی باقی رہ جائے، رسالت کا وقار زندہ رہے، اسلام کی آبرو ضائع نہ ہونے پائے۔ چاہے اس راہ

میں میری لاش پامال ہو جائے اور میرا بھرا گھر اُڑ جائے۔

ان حالات میں تجویز بالکل سامنے ہے۔ اگر یزید انکار رسالت میں کامیاب ہو جائے تو سماذا انشا امام حسین اپنے مقصد میں ناکام ہوں گے لیکن اگر یزید خود ہی امام زین العابدین کے خطبہ کو قلع کرنے کے لیے اعلان کرانے آشہد ان عتھدنا رَسُوْلُ اللّٰہِ - تو یہ علامت ہے کہ یزید نے شکست کا اعتراف کر لیا اور امام حسین نے کربلا کے بعد شام کا مرکز بھی فتح کر لیا۔

اگر یزید شراب و بیکاری و عیاری کو مذہب میں ردا رکھ سکے تو اپنے مقصد میں کامیاب ہے اور امام حسین کی قربانی فاش ہو گئی، اور اگر یزید کی حمایت کرنے والے بھی شراب و بیکاری کو راجم کہہ رہے ہیں تو یہ علامت ہے کہ امام حسین کامیاب ہیں اور یزید ناکام ہو گیا۔

ان حالات میں تو ان لوگوں کو بھی اپنے نظریہ کا جائزہ لینا پڑے گا جو یہ کہہ رہے تھے کہ امام حسین نے ہر کار خیز نہیں پہچانا اور اسلام کی بڑی بڑی شخصیتوں کے ساتھ نہیں دیا جس کے نتیجے میں قتل ہو گئے اور یا گھر برباد ہو گیا۔ یعنی یہ اہل قلم اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں کہ یزید کے دور میں تمام بڑی شخصیتوں کا موقت امام حسین سے بالکل مختلف تھا۔ سب کسی نہ کسی مصلحت کی بنا پر یزید کی بیعت کیے ہوئے تھے اور اس کے اعمال و افعال سے رضامندی کا اعلان کر رہے تھے اور امام حسین کلمہ کھلا اپنی مخالفت اور بیزاری کا اظہار فرما رہے تھے اور اس راہ میں ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار تھے۔ تو اب یہ فیصلہ آسان ہے کہ اگر یزید کا دین باقی رہ گیا ہے اور اسلام میں وہ تمام منکرات جائزہ گئے ہیں جنہیں یزید اپنے عمل سے جائز ثابت کر رہا تھا تو امام حسین نے حالات زمانہ سے ناواقفیت کا ثبوت دیا ہے اور سماذا انشا دعو کہ کھلے گئے ہیں لیکن اگر یزید کا دین مٹ گیا، یزید کا شرف فنا ہو گیا، یزیدیت رسوائے زمانہ ہو گئی اور وہ اسلام رہ گیا جو اسلام محمدی تھا اور جس کی خاطر امام حسین قربانی دے رہے تھے تو یہ ماننا پڑے گا کہ یزید ہارا۔ امام حسین جیتے اور اس فتح میں ان کے اصحاب و انصار و اہلیت کے علاوہ کسی کا ہاتھ نہیں تھا۔

یاد اخیالوں میں یوں کہا جائے کہ آج جو دین اسلام باقی و زندہ و پائندہ ہے اس کی بنیاد کسی صحابی کا احسان ہے نہ صحابی زادہ کا، نہ کسی شخصیت کا احسان ہے نہ شخصیت پرست

کا۔ یہ صرف تہا امام حسین کی قربانی کا اثر ہے کہ دین الہی زندہ و پائندہ رہ گیا اور تابا زندہ ہے۔ امام حسین کی اصولی کامیابی کے بعد حالات زماں کا جائزہ لیا جائے تو ہر دور کے حالات امام حسین کی کامیابی کا بانگِ دہل اعلان کر رہے ہیں۔ یزید کامیاب ہوتا تو اس کی کامیابی کے اثرات ہوتے۔ لیکن آج نہ اس کی قربانیاں ہیں نہ اس کے نثارین ہیں، نہ چند جنگلِ نذر کے ٹکڑے کوئی اس کا نام لیا ہے، نہ اس کی بارگاہ ہے نہ اس کا تذکرہ ہے، نہ اس کی راہ میں خدا کا رویہ ہے، نہ اس کا پرچم ہے، نہ اس کا کوئی نام و نشان ہے، اور اگر کوئی نام ہے بھی تو داخلِ دشنام ہے۔ لیکن امام حسین آج بھی ہر جہت سے فاتح ہیں اور ہر محرم ان کی فتح کا اعلان کرتا ہے۔ ہر گھر میں عزائے انہیں کا سجا یا جاتا ہے، ہر شاہراہ پر پرچم انہیں کا لہراتا ہے، ہر مذہب میں تذکرہ انہیں کا ہوتا ہے، ہر پیلے سے کو پانی انہیں کے نام پر پلایا جاتا ہے، ہر قانون الہی اور تعلیم اسلام کا پرچا انہیں کی مجالس میں ہوتا ہے، ہر اخبار انہیں کا تذکرہ کرتا ہے، ہر رسالہ انہیں کا تذکرہ کرتا ہے، ہر انہیں کو خراج عقیدت پیش کرتا ہے، ہر شریعت غیر مسلم انہیں کی بارگاہ میں سر نیاڑ جھکا لیتے، ہر مورخ انہیں کو تاریخ ساز قرار دیتا ہے، ہر مفکر انہیں کے فلسفہٴ جہاد کو اپناتا ہے، ہر ادیب انہیں کو صبر و استقلال کی علامت قرار دیتا ہے، ہر انقلابی انہیں کو ہیرو تسلیم کرتا ہے، ہر مومن انہیں کو اپنا سردار تسلیم کرتا ہے، ہر حق انہیں کے گرد چکر لگاتا ہے، اور ہر باطل انہیں کے نام سے گھبراتا ہے، ہر سپاہی کو انہیں کے جہاد سے حوصلہ ملتا ہے اور ہر نیتے انسان کے لیے انہیں کی داستانِ استقلال ہتھیار کا نام کرتی ہے۔

غرض حسینؑ غریبوں کا سہارا، اسلام کا عز و جوادان، مجاہدوں کی طاقت، شریعت کے پامبان اور محبت کے ادبی نگراں ہیں۔ حسینؑ پر ہمارے لاکھوں سلام،
زندہ حق از قوت شبیری است
باطل آنخو داغ حسرت میری است

پانچواں مقدمہ۔ امام حسین اور شریعت

اصول مذہب کے اعتبار سے ہر امام محافظ شریعت ہوتا ہے اور رسالت کے ساتھ

امامت کی ضرورت اسی لیے ہوتی ہے کہ جب رسالت تبلیغ شریعت کا کام مکمل کر دے اور وحی تشریحی کا سلسلہ موقوف ہو جائے تو کوئی ایسا شخص رہے جو اس شریعت کی محافظت کرے تاکہ یہ قانونِ اسلام اپنی حقیقی شکل میں باقی رہے۔ ظاہری شکل میں شریعت علماء امت کے ذریعہ بھی باقی رہ سکتی ہے۔ لیکن احکام و اقدیر کے تحفظ کے لیے ہر حال امامت کی ضرورت ہے اس لیے کہ علماء امت احکام و اقدیر سے باخبر نہیں ہوتے ہیں۔ ان کا مطالعہ لوح محفوظ سے متعلق نہیں ہوتا ہے، وہ کتاب و سنت کا مطالعہ کرتے ہیں اور بقدر فہم احکام شریعت کا استنباط کر لیتے ہیں اور اسی لیے ان کے فتاویٰ میں اختلاف ہوتا ہے اور ان کے مسائل الگ الگ ہوتے ہیں۔ لیکن امام احکام و اقدیر کا مبلغ ہوتا ہے وہ آغوشِ مادر سے لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس کے احکام میں تعدد اور اختلاف و تفاوت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے کہ نہ ایک مسئلہ میں مختلف فتاویٰ احکام ہوں گے اور نہ ایک مسئلہ میں ائمہ ظاہریوں کے مختلف احکام ہوں گے۔

ائمہ ظاہریوں سب محافظ شریعت تھے اور سب نے اپنے فرض کو بخوبی انجام دیا ہے۔ لیکن محافظت کی ذمہ داری تھی:

(۱) محافظت داخلی (۲) محافظت خارجی

محافظت داخلی۔ جہاں احکام و اقدیر کو ذہن میں محفوظ رکھا جاتا ہے اور فتاویٰ ان کی تبلیغ کی جاتی ہے جہاں امت میں اختلاف رائے پیدا ہوا اور واقع سے انحراف کا امکان پیدا ہوا امام نے حکم واقعی بیان کر کے شریعت الہی کا تحفظ کر لیا۔

محافظت خارجی۔ جہاں واقعی احکام دنیا تک پہنچ جانے کے بعد خطرات سے دوچار ہو جائیں اور ان میں تبدیلی کا اندیشہ پیدا ہو جائے۔ ایسے موقع پر بھی امام کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ہر طرح کی زحمت و مشقت کا مقابلہ کر کے حکم واقعی کا تحفظ کرے اور اسے ہر طرح کی تبدیلی سے بچائے۔

اس کا ذکر جو خدمت امام حسین نے انجام دی ہے اس کی مثال تاریخ ائمہ میں بھی نہیں ملتی ہے۔ اس لیے کہ ائمہ مسومین میں باہمی کلمات میں تفاوت تھا اور کوئی امام، امام حسین کے دور کا نہیں تھا۔ بلکہ اس لیے کہ جو حالات و خطرات امام حسین کے دور میں پیدا ہو گئے تھے

وہ حالات و خطرات کسی اور دور میں نہیں پیدا ہوئے تھے۔ اور جو موقع تحفظ شریعت کا امام حسینؑ کو ملا تھا وہ کسی امام کو حاصل نہیں ہوا تھا۔

احکام و تعلیمات کے اعتبار سے اس کی مثال امام جعفر صادقؑ کی حیات میں ملتی ہے کہ جس قدر بیان احکام اور تبلیغ قوانین کا موقع آپ کو ملا کسی دوسرے امام کو نہیں ملا اور اسی لیے ساری فقہ اہلیت کا نام فقہ جعفری ہو گیا کہ آپ کے بیان کردہ احکام سارے مسوئین کے بیان کردہ احکام سے زیادہ ہیں اور شریعت اہلیت پر آپ کے بیانات کی چھاپ لگی ہوئی ہے خطرات و آفات کی منزل میں ہی حیثیت امام حسینؑ کی ہے کہ آپ نے دین الہی کو ان خطرات سے بچایا ہے جن کی مثال کسی مسووم کے دور میں نہیں تھی اسی لیے صاحبان فکر و نظر نے حقیقت اسلام کا تعارف کراتے ہوئے یہ لفظ استعمال کیا ہے کہ "اسلام محوی المحدث ہے اور حسین البقاء" اسلام آغاز کے اعتبار سے محوی ہے کہ اس کے تعلیمات وحی الہی کے ذریعہ سرکارِ دو عالم پر نازل ہوئے ہیں اور بقا کے اعتبار سے حسینؑ ہے کہ اس کے سارے قوانین کو کفر و الحاد کی بے دینی و عیاری، امویت و زیدیت کے خطرات سے امام حسینؑ نے بچایا ہے۔ امام حسینؑ ہر اعتبار سے حافظ شریعت ہیں اس لیے صاحب شریعت کی کیا زندگی تھی کہ وہ بقا و حیثیت کا انتظام کرے جو بقا و شریعت کی علامت بھی ہے اور ضمانت بھی۔ اسی لیے شریعت اسلام نے حیثیت کو ہر اعتبار سے زندہ و پائندہ بنایا ہے۔ امام حسینؑ کی محبت کو فریضہ اسلامی بنایا ہے۔ ان کے تذکرے کو عبادت بنایا ہے۔ ان کے غم میں آنسو بہا، ان کی یاد میں محو رہنا، ان کے مصائب کی یاد میں مرام عزاکا قائم کرنا ان سارے اعمال کو بندگی پروردگار اور اطاعت الہی کا درجہ دیا ہے، یہاں تک کہ اشک افتائی کے ساتھ اشک کفائی کی دعوت اور اس کے مظاہرہ کو بھی وسیلہ نجات قرار دے دیا ہے۔ حافظ شریعت مسووم نے واضح الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ امام حسینؑ پر رونا، رُٹلانا اور رونے والوں کی صورت بنانا سب وسیلہ جنت اور عبادت الہی ہے اگرچہ بعض نا فہم افراد نے اس قسم کے مضامین پر اعتراض کیا ہے کہ صورت بنانا یا کاری ہے اور یا کاری اسلام میں حرام ہے اور فعل مرام کسی صورت سے عبادت نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن ان بے چاروں کو خبر نہیں ہے کہ تباہی اس

شدت تاثر کا نام ہے جس کا اظہار چہرے کے خطوط اور شکل و صورت کے کیفیات سے ہو جاتا ہے چاہے مختلف اسباب کے تحت آنسو نہ نکل سکیں۔ گویا مسووم نے اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بنیادی کام آنسو بہانا اور آنسو بہانے کی دعوت دینا ہے لیکن مسد غم انھیں حدود تک محدود نہیں ہے اور آنسو بذات خود موضوع کلام نہیں ہیں۔ آنسو ایک طریقہ ہے اس جذبہ قلبی کے اظہار کا جو ہر صاحب ایمان کے دل میں پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد اگر آنسو نہ نکل سکیں تو اس جذبہ محبت کا اظہار کسی نہ کسی شکل میں ہونا چاہیے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ دل میں محبت پائی جاتی ہے اور انسان ذکر مصائب یا تصور آلام سے متاثر ہے۔

اسلامی روایات میں اس کی بکثرت مثالیں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ صاحب کنز العمال ج ۱ ص ۱۲۷، مرسل اعظم کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ آپ نے سورہ زمر کی آخری آیات کی تلاوت کی جس میں عذاب جہنم کا تذکرہ ہے تو انصار کی ساری جماعت نے گریہ شروع کر دیا۔ صرف ایک نوجوان تھا جس کی آنکھوں سے آنسو نہ نکلے۔ اس نے پریشان ہو کر عرض کی، سرکارِ امیری آنکھوں سے آنسو نہیں نکلتے "وانی تباکیت" میں صرف تباہی پر اکتفا کر رہا ہوں۔ فرمایا: من تباکئ فلہ الجنة۔ جو رونے والے کی صورت اختیار کرے اس کے لیے بھی جنت ہے۔ جو اس بات کی علامت ہے کہ انسان کا دل اس عذاب سے متاثر ہے اور بے دین افراد کی طرح عذاب آخرت کا مذاق اڑاتا، اس کے تذکرہ پر جسم کا مظاہرہ کرتا، گریہ کن صورت حال اختیار نہ کرتا۔ یہ صورت حال تاثر قلبی کی علامت ہے اور تاثر قلبی بہترین عبادت ہے۔

دوسری روایت کنز العمال ہی میں وارد ہوئی ہے کہ سرکارِ دو عالم نے سورہ نکاح کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ جو اس سورہ کو سن کر بکا کرے گا اس کے لیے بھی جنت ہے اور جو تباہی کرے گا اس کے لیے بھی جنت ہے۔

کتاب اللؤلؤ والمرجان ص ۴۴، اور مجموعہ درام ص ۲۷۲ پر جناب ابوذر سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص رو سکتا ہے تو روئے ورنہ حزن و رنج کو دل کا شمار بنانے اور تباہی کرے کہ سنگدل رحمت الہی سے بعید ہوتا ہے۔

اس روایت میں واضح طور پر تباہی کی دعوت بھی موجود ہے اور اس کا مفہوم بھی بیان کر دیا گیا ہے لہذا انسان تباہی کی روایت کو رد کر سکتا ہے اور نہ اسے ریاکاری قرار دے سکتا ہے۔ شیخ محمد عبدہ کا قول تفسیر المنارج ۸ ص ۳۰۱ میں نقل کیا گیا ہے کہ تباہی مکتفہ البکار ہے ریا نہیں ہے۔

علامہ شریف جرجانی نے فرمایا ہے کہ باب تفاعل عام طور سے صفت غیر موجود کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اسے جائز قرار دیا ہے کہ اس سے تحصیل صفت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جیسا کہ سرکارِ دو عالم کے ارشادات میں ہے کہ بکار ممکن نہ ہو تو تباہی کرو۔ (تعلیقاً ص ۳۸) بکار اور تباہی کی بھی اہمیت تھی جس کے تحت امام محمد باقر نے آٹھ سو درہم میں کیے تھے ان عورتوں کے لیے جو موسم حج میں منیٰ کے میدان میں آپ کے مصائب پر گریہ کریں جس سے تین باتوں کا اندازہ ہوتا ہے:

- ۱۔ گریہ کا اہتمام کرنا اور اس پر پیسہ خرچ کرنا خلاف شریعت نہیں ہے۔
- ۲۔ ایام حج اور میدان منیٰ میں گریہ کرنا منافی حج و مناسک و اعمال حج نہیں ہے۔
- ۳۔ گریہ کا اہتمام ایک اہم دینی افادیت رکھتا ہے کہ اس طرح مظالم و مصائب دونوں کا اعلان ہوتا ہے اور میدان منیٰ اس کے لیے بہترین میدان ہے کہ وہاں حجاج کرام فرصت سے تین دن قیام کرتے ہیں اور راتوں کو ان کے پاس کوئی عمل نہیں ہوتا ہے۔

اس روایت سے یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلام میں عورت کی آواز کو نامحرم نہیں قرار دیا گیا ہے ورنہ امام باقر علیہ السلام عورتوں کے میدان منیٰ میں رونے کی دعوت نہ دیتے اور سرکارِ دو عالم جناب حمزہ کے غم میں مدینہ کی عورتوں کو رونے کی دعوت نہ دیتے۔

عورت کے لیے اپنی آواز نامحرم کو سنانا اور اس میں لگاؤٹ پیدا کرنا شرعاً صحیح نہیں ہے لیکن آواز گریہ میں یہ بات ہرگز نہیں ہوتی ہے البتہ کوئی عورت انفرادی طور پر اپنی آواز نہ سنانے کا جذبہ رکھتی ہے یا غیر مخلصانہ عمل انجام دیتی ہے تو اس کا عمل حرام ہو گا لیکن اس سے اصل قانون پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

فقہ اہلسنت میں بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا ہے کہ عورت کی آواز نامحرم نہیں ہے

اس لیے کہ ان کے یہاں تو دو تہائی دین خاتون ہی کی آوازیں پہنچا ہے اور صحابہ کرام برابر خواتین سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔

فقہی اعتبار سے گریہ و بکا محبوب۔ اور امام حسین کی قربانیوں کے پیش نظر ایک امر مطلوب ہے جس کا اہتمام ہر صاحب ایمان کو کرنا چاہیے۔ قابل افسوس ان افراد کا کہ ادارہ ہے جو گریہ کو عبادت، فرض خلقت، تقاضائے محبت قرار دینے کے باوجود ایک آنسو پھانے کی توفیق حاصل نہیں کرتے اور ذکر مصائب پر ان کی آنکھیں اس جذبہ محبت کی ترجمانی نہیں کرتیں۔ رب کریم جلد صاحبان ایمان کو قول و عمل میں مطابقت اور نیت میں اخلاص کی توفیق کرامت فرمائے!۔

پس منظر

اُن ضمیر فرسوس اور تہمت اہل عقل اور اہل قلم کے علی الرغم جنہوں نے واقعہ کو بلا کو ایک اچانک حادثہ کی شکل میں پیش کرنا چاہا ہے اور امت اسلامیہ کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ حرم سے ملاقات کے بعد امام حسین نے اس بات پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تھا کہ میں ابن زیاد کے پاس حاضری نہیں دوں گا۔ بلکہ جب یزید ہی کی بیعت کرنا ہے تو شام جا کر براہ راست اس کے ہاتھ پر بیعت کروں گا اور اس بنا پر آپ نے کو ذکا اور ادب تبدیل کر کے شام کا رخ کر لیا تھا اور یزید سے ملاقات کرنے کے خواہش مند تھے کہ اچانک ابن زیاد کے حکم پر سرزمین کو بلا پر دوبارہ قافلہ کو روک دیا گیا اور اسے روکنے میں مزاحمت ہو گئی اور بالآخر امام حسین اپنے ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے۔ اس بے عقل اور بے دین تاریخ نویس کو اس قدر بھی شعور نہیں ہے کہ شام جانے والے کا راستہ کیا ہوگا اور وہ کو ذکا اور استہجور کو کس رخ سے شام کا ارادہ کرے گا۔ اور جس نے مذہب میں واضح لفظوں میں یہ کہہ دیا ہے کہ جیسا انسان یزید جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا، وہ یکبارگی اپنے اداہ کو کس طرح تبدیل کر سکتا ہے اور اس کے ذہن پر موت کا خوف کس طرح طاری ہو سکتا ہے جب کہ اس نے بارہا اعلان کیا ہے کہ مجھے میرے نانا نے خبر دی ہے کہ مشیت الہی کا تقاضا یہ ہے کہ میں قربانی دوں اور میرے اہل حرم اسیر ہوں تاکہ نانا کے دین کو بقا اور استحکام کا سہارا ملے۔ حقیقت امر تو یہ ہے کہ واقعہ کو بلا ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے اور کربلا تاریخ کے تسلسل کی ایک کڑی ہے جس کا مقصد آل رسول اور دین اسلام کو فنا کر دینا تھا۔ اور جس کے لیے ایک عرصہ دراز سے منصوبہ بندی ہو رہی تھی۔

سوال صرف یہ ہے کہ اس طرح کی منصوبہ بندی کے لیے کس قدر اہتمام کی ضرورت تھی اور اتنے بڑے اقدام کے لیے کتنے بڑے آدمی کی ضرورت تھی، اور کیا یزید میں یہ ساری

صلاحیتیں پائی جاتی تھیں کہ وہ امام حسین جیسے مدبر اور مفکر انسان کا مقابلہ کرے اور ساری امت کو اپنا ہم خیال بنا کر امام حسین کے سارے گھرانے کو ایک دوپہر میں تہ تیغ کرادے یا یزید کا کاروبار ایک تاریخی سلسلہ کی آخری کڑی تھا جس کے لیے ایک مدت سے ذہن تیار کیے جا رہے تھے اور مزاج کو نئے سانچے میں ڈھالا جا رہا تھا اور ہر آن اس لمحہ کا انتظار کیا جا رہا تھا جب طے شدہ مقدمات کا نتیجہ حاصل کیا جائے اور وہ آخری اقدام کیا جائے جس کی تیاری تقریباً نصف صدی سے کی جا رہی تھی۔

تاریخ اسلام میں وہ مناظر اور وہ عوامل و محرکات محفوظ ہیں جنہوں نے مسلمان ذہنیت کو سخ کر دیا تھا اور امت کو اس موڑ پر لا کر کھڑا کر دیا تھا جہاں غیرت اسلامی اور شرافت انسانی صرف الفاظ کی شکل میں باقی رہ جائے اور اس کی کوئی معنویت نہ رہ جائے۔ تفصیلی تذکرہ کے لیے اوراق اور صفحات نہیں بلکہ کتب اور مؤلفات درکار ہیں۔ اجمالی طور پر کہ بلا میں پیش آنے والے واقعات کے پس منظر میں صرف اُن واقعات کی نشان دہی کرائی جائے گی جنہوں نے امت کے مزاج کو درہم برہم کر دیا تھا اور غیرت اسلامی کو تباہ و برباد کر ڈالا تھا اور جس کے بعد کوئی شخص بھی بے غیرتی کا مظاہرہ کر کے ایک قدم آگے بڑھ جائے تو امت اس کا ساتھ بھی دے سکتی تھی اور اس کے مظالم کو خندہ پیشانی سے برداشت بھی کر سکتی تھی۔ مثال کے طور پر چند نمونہ ملاحظہ ہوں:

۱۔ یزیدی شرارت اور شیطنت کا سب سے بڑا نمونہ یہ تھا کہ اس نے بھرے دربار میں برکال بے حیائی یہ اعلان کر دیا کہ اسلام صرف بنی ہاشم کا کھیل ہے اور نہ کوئی غیر آئی ہے اور نہ کوئی آدمی نازل ہوئی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس قدر مجربان خیال کو پیش کرنے کے بعد یزید کو زندہ نہیں رہنا چاہیے تھا اور رسول اکرم کے کلہوگوا افراد کو اسے تہ تیغ کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہیے تھا۔ لیکن ایسا کہ نہ ہوا، اور قوم نے نہایت آسانی سے اس اعلان کو سن لیا اور اس کا کوئی رد عمل ظاہر نہ ہو سکا جس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ قوم اس طرح کے گستاخ فقرات کی عادی ہو چکی تھی اور اس کی نظر میں اس طرح کے اعلانات میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ قوم یہ سوچ رہی تھی کہ یزید تو رسول اکرم کے انتقال کے بعد مدینہ سے سیکڑوں میل دور اپنے دربار میں اس طرح

کا اعلان کر رہا ہے۔ یزید کے پہلے کے بااقتدار مسلمانوں نے تو خود سرکار دو عالم کی زندگی میں ان کے سامنے یہ کہہ دیا تھا کہ شیخ شخص بزبان بک رہا ہے اور اس پر مرض کا غلبہ ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب رسول اکرم کی محفل میں اتنی بڑی گفتاشی کی جاسکتی ہے تو رسول اکرم کے بعد کیوں نہیں کی جاسکتی ہے اور جب ہزبان کے الزام کو برداشت کیا جاسکتا ہے تو فلاخبر جاء ولائی نزل، کو کیوں نہیں برداشت کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ یزید کے مظالم کی ایک عظیم بنیاد یہ بھی تھی کہ اسے پورے عالم اسلام کا اقتدار حاصل ہو گیا تھا اور وہ اسلامی سرزمین کے ۱۲ لاکھ مربع میل پر حکومت کر رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے پاس اس قدر وسیع اختیار اور طویل و عریض اقتدار نہ ہوتا تو وہ اتنے بڑے اقدام کا ارادہ بھی نہ کرتا۔ لیکن یہ اقتدار و اختیار یزید کی ذاتی صلاحیت یا اس کے حسن تدبیر کا نتیجہ نہیں تھا۔ اس کے پس منظر میں بھی وہ نظام کام کر رہا تھا جس نے یزید جیسے افراد کی حکومت کے لیے زمین ہموار کی اور پھر اس کے نتیجے میں اتنا بڑا واقعہ منظر عام پر آ گیا۔

رسول اکرم کی وفات کے فوراً بعد اور آپ کے جہد اقدس کے دفن سے پہلے مسلمانوں میں اقتدار کی جو سرگشی شروع ہوئی اور انصار و مہاجرین نے جس طرح اسلامی حکومت کا فیصلہ کیا اور جن بنیادوں پر اقتدار پر قبضہ کیا گیا۔ ان کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا جو ہوا جب سقیفہ بنی ساعدہ میں قرآن و سنت کو نظر انداز کر دیا گیا اور رسول اکرم کے مقرر کردہ حاکم کو ناقابل توجہ قرار دے دیا گیا اور اقتدار اسلامی کا سنگ بنیاد ملک، قوم، قبیلہ اور قربت پر رکھ دیا گیا تو اس کا قہری نتیجہ تھا کہ تمام اسلامی صلاحیتوں سے عاری اور تمام شریفانہ اصولی کردار سے بے خبر افراد امت کی تقدیر کے مالک ہو جائیں اور ابوسفیان جیسے انسان کو اپنے چشم و چراغ نامان سے یہ کہنے کا موقع مل جائے کہ اب خلافت کو گیند کی طرح پھاؤ اور بنی امیہ کو کلیدی ہمدون کا مالک بنا دو اور یاد رکھو کہ دنیا، دنیا ہے اور اقتدار، اقتدار۔ اس کے بعد نہ کوئی بخت ہے اور نہ ہیتم۔ سقیفہ کا پہلا نتیجہ ابوسفیان کے اس اعلان کی شکل میں برآمد ہوا، اور دوسرا نتیجہ یزید کے اقتدار اور اس کے مظالم کی شکل میں برآمد ہوا جس کی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ:

”حسین اندر سقیفہ کشتہ شد“

۳۔ یزید کے ساتھ اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں بے شمار نازی، روزہ دار اور حافظان قرآن بھی شامل تھے جو مسلسل آیات قرآن کی تلاوت کرتے جاتے تھے اور قتل حسین کے لیے خنجر تیز کرتے جاتے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس قرآن نے مسلسل حسین کی عظمت، صداقت، طہارت، سودت کا اعلان کیا ہے اس کے پڑھنے والے اور حفظ کرنے والے کس طرح قتل حسین پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے امام حسین کے حقوق کا لحاظ کیوں نہیں کیا؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی ایک تاریخی حادثہ کا لازمی نتیجہ تھا۔ اگر رسول اکرم کے وقت آخر قرآن نے کہ اہلیت کو نظر انداز کرنے کی بنیاد نہ رکھی گئی ہوتی اور رسول اکرم کے سامنے حسینا کتاب اللہ کا نعرہ نہ لگایا گیا ہوتا تو یزیدیوں میں اس انداز کے کردار کی جرأت نہ ہوتی اور انہیں بہر حال یہ احساس ہوتا کہ اہلیت کو نظر انداز کر کے اور ان کے قتل کا منصوبہ بنا کر قرآن سے تسک کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ رسول اکرم کو اس تیور کی اطلاع تھی اور آپ عالیہ واقعات کے آئینہ میں بخوبی مستقبل کا شاہد فرما رہے تھے اسی لیے آپ نے اس نعرہ کی شدت سے مخالفت کی اور ایسے افراد کو محفل سے نکال باہر کر دیا جنہوں نے ایسے مظالم کا سنگ بنیاد رکھا تھا اور ایسے نظریات کا حوالہ دیا تھا جس کا نتیجہ اتنے بڑے ظلم کی شکل میں برآمد ہونے والا تھا۔

۴۔ یزید کی حکومت کے جواز کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ عالم اسلام نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی لہذا اس کی حکومت ایک جائز اسلامی حکومت تھی اگرچہ اس بیعت کی صحیح صورت حال یہی تھی کہ امام حسین کے بیعت سے انکار کرنے کی بنا پر ان کے سارے گھرانے کا فاتحہ کر دیا گیا اور یہ بات واضح کر دی گئی کہ مسلمان حاکم کو عوام کی بیعت سے سر و کار ہے چاہے وہ بیعت اختیاری اور رضامندی سے ہو یا مکمل جبر و اکراہ کے نتیجے میں ہو۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اس قسم کی بیعت کو کس طرح گوارا کیا اور ایسے بیعت لینے والے کو کس طرح حاکم تصور کر لیا؟ اس کا جواب بھی ماضی کے ادراق پریشاں میں محفوظ ہے کہ رسول اکرم کی وفات کے بعد جب امت اسلامیہ نے حکومت کا فیصلہ کر لیا تو پہلا خیال یہ پیدا ہوا کہ لوگوں سے اس حکومت کی بیعت لی جائے اس لیے کہ جس حکومت کی بنیاد قرآن و سنت کی نص اور خدا و رسول کے ارشادات پر نہ ہو اس کا جواز عوامی رائے ہی سے

حاصل کیا جاسکتا ہے اور عوامی رائے حاصل کرنے کے لیے جبر و تشدد ہی استعمال کیا جاسکتا ہے اس لیے کہ عوام اکثر اوقات جبر و اکراہ کے بغیر اتفاق رائے کا اظہار نہیں کرتے۔ چنانچہ اسی تصور کا نتیجہ تھا کہ معام کے ساتھ خواص اور امت کے ساتھ اہلیت کے ساتھ بھی ایک ہی طرح کاربناؤ کیا گیا اور ان سے بھی بیعت کا مطالبہ کر دیا گیا اور انکار کی صورت میں گھر میں آگ لگانے کی دھمکی دی گئی اور بعض روایات کی بنا پر دروازے سے بلند ہوتا ہوا دھواں بھی دکھائی دیا، تو ظاہر ہے کہ ابتدائی دور میں اس طرح کی بیعت کو حکومت کا جواز نہ سمجھا گیا ہوتا اور اس شدت سے بیعت کا مطالبہ نہ کیا گیا ہوتا اور انکار کی صورت میں آگ لگانے کی بات نہ کہی گئی ہوتی تو نہ یزید خلیفہ المسلمین ہوتا، نہ اسے امام حسین سے بیعت طلب کرنے کی ہمت ہوتی اور نہ انکار کی صورت میں خیام حسینی میں آگ لگانے کا حکم دیا جاتا۔ یہ سب انہیں ابتدائی حالات کے نتائج تھے جنس کو بلا کے قریب ترین مقدمات میں شمار کیا جاسکتا ہے اور جن کی بنا پر کربلا ایک وقتی مادہ نہیں ہے بلکہ ایک تاریخی تسلسل کا نتیجہ ہے جس کے مقدمات و مقومات میں بڑے بڑے واقعات اور بڑے بڑے افراد کے نام آتے ہیں۔

۵۔ یزید نے امام حسین سے بیعت لینے کے لیے جن وسائل کو اختیار کیا ان کی آخری کڑی یہ سامنے آئی کہ اگر وہ بیعت نہ کریں تو انہیں بے آب و گیاہ صحرائیں محصور کیا جائے اور ان کے بچوں پر پانی بند کر دیا جائے اگرچہ اس سلسلے میں مظلومیت عثمان کا سہارا لیا گیا تھا جس کا امام حسین سے کوئی تعلق نہیں تھا اور یہ صرف ایک بہانہ اور عوام کو ورغلانے کا ایک ذریعہ تھا ورنہ امام حسین نے تو اس محاصرہ کے دوران بھی انتہائی کمال کردار کا مظاہرہ کیا تھا جو لیے پھرے ہوئے مجمع کے مقابلہ میں کوئی اپنے عزیز ترین آدمی کے بارے میں بھی اختیار نہیں کر سکتا جیسا کہ تاریخ خود کو ابھی دیتی ہے کہ شام کی فوجیں شہر سے باہر کی رہیں اور واقعہ کے واقع ہو جانے تک کسی دفاعی اقدام کے لیے تیار نہ ہوں۔

تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکومت منوانے اور بیعت حاصل کرنے کا یہ کون سا طریقہ تھا۔ بیعت تو ایک رضامندی کا سودا ہے جو انسان ہنسی خوشی کسی کی اطاعت اور فرماں برداری کے لیے اختیار کرتا ہے اس کے لیے کھانا پانی بند کرنے کی ضرورت نہیں

ہوتی ہے اور ایسے اقدام میں اسلامی مزاج کو یقیناً برہم ہو جانا چاہیے تھا اور یزید کے خلاف انقلاب کی ایک لہر دوڑ جانا چاہیے تھی جو کام شہادت امام حسین سے پہلے نہ ہو سکا۔ اور شہادت امام ہی نے اس تحریک کو پیدا کیا اور ملت کے سرداروں میں حرارت کی لہر دوڑادی۔ اس کارا ز بھی بظاہر ماضی کی تاریخ ہی میں پایا جاتا ہے جب مولائے کائنات سے بیعت لینے کے لیے اقتصادی محاصرہ کو ذریعہ بنایا گیا تھا اور حق ذوی القربی کے ساتھ کرنے سے فدک پر قبضہ کر لینے تک کسی وسیلہ سے دریغ نہیں کیا گیا اور امت کو محسوس کر دیا گیا کہ حکومت وقت سے اختلاف کرنے کے نتیجے میں اقتصادی محاصرہ کوئی عیب اور غیر اسلامی اقدام نہیں ہے بلکہ مخالفت کے ساتھ اس طرح کاربناؤ بھی کیا جاسکتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یزید کو بھی اس طرح کے اقدام کی جرأت ہو گئی اور امت اسلامیہ کا احساس بیدار نہ ہو سکا۔

تاریخ میں ایک قدم پیچھے چلے جائے تو یہی برتاؤ خود رسول اکرم کے ساتھ بھی کیا گیا تھا۔ جب آپ نے قبولوا لا الہ الا اللہ کی آواز بلند کی اور کسی قیمت پر کفر سے ہم خیال اور ہم آواز ہونے کے لیے تیار نہ ہوئے تو کفار مکہ نے آپ کا معاشی بائیکاٹ کر دیا اور آپ کو اپنے گھروالوں سمیت تین سال تک نہایت پریشانی کی زندگی گزارنا پڑی اور درختوں کے پتوں تک پر گزارا کرنا پڑا۔

کفر کا یہی اقدام نظیرین کر اسلام میں داخل ہوا اور مسلمانوں نے بھی اپنے مخالفین کے ساتھ یہی برتاؤ روا کر لیا اور ظاہر ہے کہ جب سرکارِ دو عالم کی تربیت کردہ قوم میں ایسے عناصر پیدا ہو سکتے ہیں تو یزید کو تو یہ شرف بھی حاصل تھا اور وہ ایک طرف سے ابوسفیان کا پوتا اور معاویہ کا بیٹا تھا تو دوسری طرف سے عیسائی گھرانے کا چشم و چراغ تھا اور ایسے شخص سے اسلام کے بارے میں ایسی ہی توقعات کی جاسکتی ہیں جن کا مظاہرہ اس کے کردار سے ہوا، اور جس کے ذریعہ اس نے قدیم تاریخ کے بہت سے ورق اُلٹ دیے اور تاریخ کو پھر سے ڈھرا دیا۔

۶۔ یزید نے امام حسین سے مقابلہ کرنے کے لیے ایک یہ حربہ بھی اختیار کیا کہ اسلامی حکومت کے تمام اہم عہدے اپنے خاندان والوں کے حوالے کر دیے اور کسی حاکم نے بھی اہلیت کے ساتھ قدم سے زم رویہ کا تصور بھی کیا تو اسے فوراً برخاست کر دیا گیا اور اس کی

جگہ دوسرے نفاذ غلیظ کا تقرر کر دیا گیا اور یہ سبق بھی اس نے اپنی خاندانی تاریخ سے سیکھا تھا جب خلافت سوم کے آغاز پر اس کے دادا ابوسفیان نے حاکم وقت کو مبارکباد دیتے ہوئے یہ کہا تھا کہ حکومت کے مرکزی عہدے بنی امیہ کے حوالے کر دو اور خلافت کو گیند کی طرح پھاڑا اس لیے کہ جنت و جہنم کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور حاکم نے بھی نہایت سعادت مندی سے اس کی نصیحت پر عمل کیا اور تمام اہم عہدوں پر خصوصیت کے ساتھ ان علاقوں میں جن میں اہلبیت کے ماننے والے پیدا ہو سکتے تھے بدترین عمال اور گورنر مقرر کر دیے۔ کوثر پر سعید بن العاص کو مقرر کیا جس کا کردار عالم آشکار ہے۔ مصر پر عبد اللہ بن عامر کو مقرر کیا جو حاکم وقت کا ماموں زاد بھائی تھا اور اہم مرکزی مقامات پر ولید بن عقبہ فاسق اور عبد اللہ بن سعد کو گورنر بنایا جن میں اول الذکر ایسا بے دین تھا کہ صبح کی نماز چار رکعت پڑھانے کے بعد بھی جمع سے پوچھ رہا تھا کہ ہو تو کچھ اور اضافہ کر دیا جائے اور ثانی الذکر خلیفہ وقت کا رضاعی بھائی تھا۔ اس کے بعد اپنے افراد خاندان کو دولت اور جاگیر بخشنے کا سلسلہ شروع ہوا تو اس کا حساب لاکھوں بلکہ کروڑوں سے گزر گیا۔

ظاہر ہے کہ جب رسول اکرم سے نسبتاً قریب ترین زمانہ میں اور رسول اکرم سے رشتہ داری رکھنے کے بعد انسان اپنے بزرگ خاندان کے مشورہ پر ایسا عمل کر سکتا ہے تو بیزاید تو ان خصوصیات کا حامل نہ تھا اور اس کے لیے ابوسفیان حقیقی دادا کی حیثیت رکھتا تھا اسے تو اس وصیت و نصیحت کا خاص خیال رکھنا چاہیے تھا اور اسی طرح کے کردار کو اختیار کرنا چاہیے تھا۔

اور یہ نتیجہ اس کے رومی کا ہے جو عالم اسلام میں پیدا ہو گیا تھی اور جس کی بنا پر بیزید سے بدکردار انسان کو حکومت کا موقع مل گیا تھا اور پھر حکومت کو سنبھالنے کے لیے ہر وسیلہ اور ہر ذریعہ مباح ہو گیا تھا۔

اس کے علاوہ تاریخ میں اور بہت سی کڑیاں پائی جاتی ہیں جن کو مرتب کر لیا جائے تو تاریخی مادیت کے اعتبار سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم کے بعد امت اسلامیہ نے جو روش اختیار کی تھی اس کا نتیجہ لازمی طور پر ایسا ہی برآمد ہونا چاہیے تھا۔ یہ اور بات ہے کہ بیزید اور ذمہ داری کے اعتبار سے ہر وہ شخص روز قیامت مسئول ہوگا جس نے حالات کو اس ابتر کی

پہنچانے میں کسی طرح کا بھی رول ادا کیا تھا اور جس کی کسی بھی انفرادی یا اجتماعی حرکت سے حالات اس قدر افسوسناک اور ناگفتہ بہ ہو گئے تھے اور امت اسلامیہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی حقیقی قیادت اور واقعی دیانت سے محروم ہو گئی تھی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کربلا کے حصہ مظالم کا مسودہ منشر اور اراق میں بہت دنوں سے جمع ہو رہا تھا اور ظلم اس موقع کی تلاش میں تھا جب ان اور اراق پریشاں کو مرتب کر کے ایک پورے صیغہ ظلم کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کر دے جس طرح کہ حصہ مظلومیت و کردار بھی امام حسین کے بزرگوں اور افراد خاندان کی زندگی میں منشر تھا اور امام حسین نے پورے کردار کو مرتب کر کے ایک وقت میں پیش کر دیا اور بیک وقت تمام انبیاء کے کارناموں کا منظر بن گئے بلکہ اس سے بھی بالاتر۔

از بیع پیمبرے ز آید این کار
والشر کہ اے حسین کارے کردی

منظر کربلا

عاشور کی رات تمام ہو رہی ہے، سپیدہ سحری نمودار ہو رہا ہے اور امام حسین اپنے قدیم مؤذن حجاج بن سروق کو روک کر اپنے فرزند علی اکبر کو حکم اذان سے روکے ہیں کہ امام حسین کے پاس کلمہ کو منافقین کے مقابلہ میں علی اکبر سے بہتر تمام حجت کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

علی اکبر صورت میں، سیرت میں، رفتار میں، گفتار میں رسول اکرم کی شبیہ میں، اور دشمن کو معلوم ہے کہ شبیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے سے اصل سے عداوت کا اظہار ہوتا ہے۔ علی اکبر نے اذان کہی اور یہ آواز ساری فضا سے گونج گئی۔ امام حسین اپنے باوفا اصحاب کے ساتھ نماز صبح کے لیے تیار ہوئے۔ پانی موجود نہیں ہے کہ تجدید وضو کئے۔ خاک گرم کر بلا پر تیمم کر کے اصحاب صف بستہ ہو گئے اور امام حسین نے نماز شروع کر دی۔ ساری رات عبادت الہی، تلاوت، ذکر و فکر اور رکوع و سجود میں گزارنے والی قوم اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے آمادہ ہو گئی اور زندگی کی آخری قدر سے پرسکون نماز ادا کرنے کے لیے خاک کے مصلیٰ پر استادہ ہو گئی۔

نماز تمام ہوئی تھی کہ فضا سے گونج گئی۔ قوم دالوا لگوا رہنا۔ خیمہ حسین کی طرف پہلا تیر میں نے رہا گیا ہے۔ یہ تھا سردار لشکر ابن سعد جو اپنی ریاست و سرداری کے تحفظ کے لیے اور ملک رسے کی گورنری کو بچانے کے لیے فرزند رسول کے خلاف جنگ چھڑنے کا اعلان کر رہا تھا۔ اور چند روزہ دنیا کے عوض ہمیشہ رہنے والی آخرت کو بیچ رہا تھا۔

ابن سعد کا آواز دینا تھا کہ تیروں کی بوجھار شروع ہو گئی اور لشکر یزید کے چار ہزار

لکان داروں نے سردار کے اتباع میں تیروں کا سینٹھ برسانا شروع کر دیا۔

اُدھر امام حسین نے بھی اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ تیر نہیں ہیں۔ یہ موت کے سفیر ہیں لہذا اب مقابلہ کے لیے آمادہ ہو جاؤ۔ اصحاب نے مورچہ بھجال لیے مگر یہ کٹنے مارتے کی جنگ اور افراد کی باہمی نبرد آزمانی نہیں تھی کہ جنگ کا مظاہرہ ہوتا اور مجاہدین کی شجاعت کے جوہر کھلتے۔ یہ دشمن کا انتہائی زد و نازلہ تھا جس کے مقابلہ کے اسباب اصحاب امام حسین کے پاس ناپید تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تیر بارانی کے خاتمہ پر امام حسین نے اپنے اصحاب کا جائزہ لیا تو پالیس سے چھاس تک اصحاب و انصار راہِ خدا میں لپکے تھے جن کے اسما گرامی بعض ایسا قابل کے بیان کے مطابق یہ ہیں:

فیعم بن عثمان، عمران بن کعب بن عمارت، حنظلہ بن عمرو شیبانی، قاسط بن زبیر، کنان بن عمرو شیبیہ، ضرغام بن مالک، عامر بن مسلم، سیف بن مالک، عبدالرحمان اللادجی، عائذ بن یحییٰ العائذی، جاب بن الحارث، عمرو الجندی، حلاص بن عمرو راہسی، سوار بن ابی عمیر، عمار بن ابی سلمہ، نفعان بن عمرو زاہر مولیٰ، عمرو بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عروہ الخفاری، زبیر بن سلیم، عبد اللہ بن زبیر بصری، عبد اللہ بن زبیر بصری، دس غلامان امام حسین، اور دو غلامان امیر المومنین۔ (مناقب)

ظاہر ہے کہ اصحاب کی اتنی بڑی تعداد کے شہید ہو جانے کے بعد لشکر امام حسین میں ایک نمایاں کمی ہو گئی اور امام حسین کو پہلے ہی مرحلے میں اتنی بڑی مصیبت سے دوچار ہونا پڑا جس کا تحمل مشکل تھا لیکن مشکل کشا کے لال کے لیے کوئی امر مشکل نہیں ہے۔ امام حسین کے حوصلے بلند رہے اور اصحاب کے حوصلے امام کے طفیل میں بلند رہے اور سب قربانی کے لیے بہتر تیار رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ توڑی دیر کے بعد جب باضابطہ جنگ کا آغاز ہوا تو باقی ماندہ اصحاب مکمل حوصلے کے ساتھ داد شجاعت دینے کے لیے تیار ہو گئے اور ایک کے بعد ایک راہِ خدا میں جان قربان کرنے لگا۔

سب سے پہلے عبد اللہ بن عمر کلبی میدان میں آئے اور ایک عظیم جہاد کے بعد راہِ خدا میں قربان ہو گئے، عبد اللہ کے بعد سیف بن عمارت، بن سربع جباری اور مالک بن سعد بن سربع

جباری میدان میں آئے اور دونوں نے جہاد کا حق ادا کیا۔

ان دونوں کے بعد بنی غفار کے دو مجاہدین نے میدان میں قدم رکھا۔ عبداللہ اور عبدالرحمن (فرزند ان عمروہ غفاری) ان دونوں حضرات کے راہ خدا میں کام آجانے کے بعد چار افراد نے میدان کا رخ کیا عمرو بن خالد صدادی، سعد، جابر بن حارث، سلمان اور مجمع اور سب نے داد و ثنا دے کر جام شہادت نوش کیا۔ اور آخر میں مسلم بن عویض نے میدان کا رخ کیا اور ایسی جنگ کی کہ دشمنوں کو حوصلہ پست کر دیے اور چلنے پھلنے جیب بن مظاہر کو وصیت کر گئے کہ جب تک زندہ رہنا امام مظلوم کا خیال رکھنا۔

اصحاب کی اس بے مثال قربانی کے بعد ظہر کا ہنگام آگیا اور امام حسین نے جیب بن مظاہر کو جنگ بندی کا پیغام دے کر بھیجا۔ جس کا جواب بدترین انداز سے دیا گیا اور امام حسین نے مکمل دفاعی انتظام کے ساتھ ناز شروع کر دی۔ زہیر بن قین اور سعید امام کے سیز سپر ہو گئے اور ناز تمام ہوتے ہوتے سعید نے خاک پر گر کر آواز دی، فرزند رسول! کیا میں نے وفا کا حق ادا کر دیا؟ اور امام حسین نے سند و فادے کر دنیا سے رخصت کر دیا۔

اس کے بعد جنگ کا دوسرا سلسلہ شروع ہوا، اور ادھر سے جیب بن مظاہر اور ابو شمار میدان میں آئے اور داد و شجاعت دے کر رخصت ہو گئے۔

ان کے بعد حر بن یزید، زہیر بن قین اور ان کے چچا زاد بھائی سلمان بن مضارب نے میدان جہاد کا رخ کیا۔ اور خوب خوب جنگ کی۔ بعض روایات کی بنا پر حر سے پہلے ان کے جوان فرزند علی بن حر نے بھی قربانی پیش کی۔ لیکن ان تینوں حضرات کے بعد عمرو بن قحظہ میدان میں آئے اور ان کی شہادت کے بعد نافع بن ہلال جملی نے شجاعت کے جوہر دکھلائے۔ نافع کے بعد دو غلام واضح اور اسلام میدان میں آئے اور اسلام میں نسل و رنگ کی تفریق کا خاتمہ کر کے درجہ شہادت پر فائز ہو گئے۔

ان غلاموں کے بعد بریر بن خضیر کی باری آئی اور انھوں نے دشمنوں پر ہر طرح حجت تمام کرنے کے بعد جام شہادت نوش کیا۔

پھر اس کے بعد مخلد بن سعد شہابی نے شہادت پائی اور ان کے بعد دو عظیم سپاہی میدان

میں آئے جن کے نام سے دشمن لرز جاتے تھے اور جن کی خامدانی شجاعت کا شہرہ زبان زد خاص و عام تھا جناب مابس بن شیبہ شاکری اور ان کے ہمراہ شاکر کے غلام شوزب جنھوں نے رخصت کا سبق اپنے آقا کے گھرانے سے سیکھا تھا اور منزل قربانی میں غلامی اور آزادی کے تفرق پر نسخ کینچ دیا تھا۔

ان بہادران عرب کے قربان ہو جانے کے بعد جناب ابو ذر کے غلام جون کی باری آئی اور جون نے راہ خدا میں قربان ہوتے ہوتے اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا کہ شرف شہادت کے لیے رنگ یا نسل یا قوم اور قبیلہ کی شرط نہیں ہے۔ اس شرف کے لیے ایمان اور کردار کی ضرورت ہے اور یہ کسی بھی نسل یا قوم کی میراث نہیں ہے۔

جون کے بعد انس بن حارث بن نبیہ الکلبی میدان میں آئے اور ان کی شہادت کے بعد عمرو بن جنادہ نے میدان میں قدم رکھا۔ یہ عمر کے اعتبار سے کس تھے لیکن ہمت و حوصلہ کے اعتبار سے بالکل جوان مرد اور مکمل طور سے آزمودہ کار سپاہی کی طرح جہاد کرنے والے تھے۔

عمرو بن جنادہ کے قربان ہو جانے کے بعد امام حسین کے مستقل موذن حجاج بن مسروق کی باری آئی اور حجاج کی قربانی نے یہ واضح کر دیا کہ شکر یزید کی نگاہ میں داعی حق کی کوئی قیمت نہیں ہے اور یہ فوج اذان اور ناز کی بھی کسی اہمیت کی قابل نہیں ہے۔ ورنہ جو انسان چھ ماہ سے مستقل دعوت ناز دے رہا ہے اور ہر ناز کے وقت بر آواز بلند اذان دے رہا ہے اس کے اس شرف مؤذنت کا تو خیال کیا جاتا اور اس پر تلوار نہ اٹھائی جاتی!

حجاج کی شہادت کے بعد سواری بن ابی عمیر نے قربانی پیش کی اور اس کے بعد شکر امام حسین کے آخری صحابی سوید بن عمرو بن ابی المطاع میدان میں آئے اور ان کی قربانی کے ساتھ اصحاب و انصار کی قربانی کا سلسلہ تمام ہو گیا اور امام حسین کے جملہ اصحاب راہ خدا میں کام آگئے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ناز ظہر کے ہنگام امام عالی مقام کے ساتھ ناز ادا کرنے والے اصحاب صرف چند افراد تھے جنھوں نے ظہر کے بعد قربانی پیش کی ہے ورنہ سب جملہ اولیٰ میں یا اس کے فوراً بعد راہ خدا میں کام آچکے تھے۔

اس کے بعد اعزاز اور بنی ہاشم کے جوانوں کی باری آئی۔

میں انھیں اول قتیل کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ درزا اس نکتہ سے قطع نظر کر لیا جائے تو قدرت نے اولاد ابوطالب کو شہادت کاشرف بھی اسی ترتیب کے ساتھ عنایت فرمایا ہے جس ترتیب کے ساتھ انھیں لباس وجود سے آراستہ کیا تھا یعنی جناب ابوطالب کے چار فرزند تھے۔ طالب عقیل، جعفر اور علی۔ اور ہر ایک دوسرے سے دس سال بڑا تھا۔

اور اس اعتبار سے سب سے پہلے فرزند جناب طالب تھے جن کی اولاد کا کوئی سُراخ تاریخ کر بلا میں نہیں ملتا ہے۔ اس کے بعد ان سے دس سال چھوٹے جناب عقیل تھے لہذا قدرت نے کر بلا میں شہادت کاشرف بھی سب سے پہلے اولاد عقیل کو عطا کیا اور اولاد عقیل میں سفیر حسینی کی حیثیت سے جناب مسلم سب سے پہلی قربانی پیش کر چکے تھے اس لیے قدرت نے کر بلا میں بھی قربانی کاشرف سب سے پہلے انھیں کے فرزند کو عطا کیا جو مسلم کی قربانی کی قبولیت کی عظیم ترین دلیل ہے۔

مورخین کر بلا کے بیان کے مطابق اول قتیل جناب علی اکبر کے بعد سب سے پہلے عبد اللہ بن مسلم میدان میں آئے اور باپ کی جیسی شیرازہ شجاعت کا مظاہرہ کر کے راہ حق میں قربان ہو گئے۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے آٹھ اولاد عقیل کام آئیں۔

جعفر بن عقیل، عبد الرحمن بن عقیل، محمد بن عقیل، عبد اللہ اکبر بن عقیل، محمد بن ابی سعید بن عقیل، محمد بن مسلم بن عقیل اور علی بن عقیل۔

اولاد عقیل کی قربانیوں کے بعد اولاد جعفر طیار کی باری آئی۔ اس لیے کہ اولاد جناب ابوطالب میں جناب جعفر طیار جناب عقیل سے دس سال چھوٹے تھے۔

اولاد جعفر طیار میں جناب عبد اللہ بن جعفر مصالح امامت کی بنیاد پر مدینہ میں رہ گئے تھے لہذا ان کی نیابت میں ان کی اولاد نے قربانیاں پیش کیں۔ عون بن عبد اللہ بن جعفر جن کی والدہ گرامی جناب زینب تھیں اور محمد بن عبد اللہ بن جعفر اور حمید اللہ بن جعفر جن کی مادر گرامی محض مورخین نے جناب نوما کو قرار دیا ہے۔

اولاد جعفر طیار کے بعد اولاد علی کی باری آئی کہ جناب امیر المومنین جناب جعفر طیار سے دس سال چھوٹے تھے۔ البتہ اولاد علی کی قربانی میں جناب عباس عہدہ دار نے یہ اہتمام رکھا کہ پہلے چھوٹے

بنی ہاشم کے شہداء کی ترتیب کے بارے میں علماء اعلام کے درمیان مختلف قسم کے اختلافات پائے جاتے ہیں اور مورخین نے بھی مختلف ترتیب کے ساتھ ان قربانیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن تمام بیانات کے دیکھنے کے بعد جو ترتیب سامنے آتی ہے اس کا اندازہ اس ایک حقیقت کے اندازہ کے بعد بالکل آسان ہو جاتا ہے کہ کر بلا کے شہداء کو "شہداء بنی ہاشم" ضرور کہا جاتا ہے اور یہ سب مورث اعلیٰ کے اعتبار سے ہاشمی ریادت و شرافت ہی کے وارث ہیں۔ لیکن حقیقت امر یہ ہے کہ ان کا کوئی تعلق جناب ہاشم کی دیگر اولاد سے نہیں تھا اور یہ سب نسل ابوطالب سے تعلق رکھتے تھے اور اس اعتبار سے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ کر بلا کی قربان گاہ پر صرف اولاد ابوطالب نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے اور اسلام حقیقی اپنی بقا میں صرف اولاد ابوطالب کا شرف دار ہے۔ اس کے علاوہ اولاد ہاشم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کا کوئی احسان اسلام کی گردن پر ہو۔ بلکہ سب کی گردن پر اسلام اور اولاد ابوطالب کا احسان ہے کہ انھوں نے قربانی دے اسلام کو بچایا اور مسلمان کو مسلمان کہلانے کا موقع فراہم کیا اور نہ مسلمان ہونا بھی ایک جرم ہوتا اور کسی انسان میں اس قدر ہمت نہ ہوتی کہ بنی امیر کے درندوں کے مقابلہ میں اپنے اسلام کا اعلان کرتا۔ اور شاعر اسلامی پر عمل پیرا ہو سکتا۔

اولاد ابوطالب کو نگاہ میں رکھنے کے بعد قربانیوں کی ترتیب کا اندازہ کرنا بڑی حد تک آسان ہو جاتا ہے۔ صرف ایک بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہو گا کہ کر بلا میں حضرت علی اکبر کی حیثیت دیگر شہداء بنی ہاشم سے قدرے مختلف تھی اور وہ اس بنیاد پر کہ علی اکبر ہر اعتبار سے رسول اکرم سے مشابہت رکھتے تھے اور امام حسین کے پاس اتمام حجت کے لیے علی اکبر سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں تھا اور اس لیے آپ نے جہاد کر بلا کے آغاز کا کام علی اکبر کے حوالے کر دیا، صبح عاشور کی اذان علی اکبر نے دی تاکہ فوج بزرگ رسول اکرم کا جو رس کر اپنی غلطی اور بے دینی کی طرف متوجہ ہو جائے اور اس طرح ہلاک بھی ہو تو دلیل اور حجت کے قیام کے بعد اور امام حسین قربانی بھی پیش کریں تو حجت تام کرنے اور حقی و حقاقت کا اعلان کرنے کے بعد۔

حضرت علی اکبر کی اسی خصوصیت کی بنا پر انھیں صبح عاشور اذان کے لیے مقدم کیا گیا اور بعد ظہر خاندان کی قربانیوں کے موقع پر سب سے پہلے میدان میں بھیجا گیا اور روایات و زیارات

سے نیک مشورہ دیا۔ لیکن میں مکہ کی طرف جانے کا عزم کر چکا ہوں اور میرا اور میرے برادران اور اقرباء کا عزم مکمل ہے۔ ان سب کا خیال ایک اور سب کا ارادہ متحد ہے۔ آپ کو اختیار ہے آپ چاہیں تو مدینہ میں رہیں اور مجھے دشمن کی نقل و حرکت سے باخبر کرتے رہیں۔

(مقتل محمد بن ابی طالب)

۴۔ امام حسینؑ اور حضرت ام سلمہ

نانی!۔ مجھے معلوم ہے کہ مجھے ظلم و ستم کے ساتھ شہید ہونا ہے۔ خیریت یہی ہے کہ میرے اہل حرم در بدر پھرائے جائیں، میرے بچے ذبح کیے جائیں، انھیں قیدی بنایا جائے اور فریاد کریں تو کوئی ان کا فریاد رس نہ ہو، اسی میں دین کی بقا اور حیات ہے۔

نانی!۔ میں آج نہ جاؤں گا تو کل جاؤں گا، اور کل نہ جاؤں گا تو پرسوں جاؤں گا۔ موت سے کوئی مفر نہیں ہے۔ میں وہ دن اور ساعت بھی جانتا ہوں جب مجھے قتل ہونا ہے اور وہ جگہ بھی جانتا ہوں جہاں مجھے دفن ہونا ہے۔ گویا میں وہ جگہ دیکھ رہا ہوں اور آپ چاہیں تو آپ کو بھی دکھلا دوں۔ یہ کہہ کر جگہ دکھلا دی اور ایک مشت خاک اٹھا کر جناب ام سلمہ کو دے دی کہ جب یہ خاک خون ہو جائے تو سمجھ لیجیے گا کہ میرا حسین شہید ہو گیا ہے۔ (مقتل عوالم ص ۲۷)

۵۔ امام حسینؑ اور عبد اللہ ابن عمر

اے عبد اللہ!۔ دنیا کی پستی کی اس سے بڑی مثال کیا ہوگی کہ حضرت یحییٰ بن زکریا کا سراپیک زنا زادے کے سامنے پیش کیا گیا اور میرا سراپہ بھی ایک ایسے ہی آدمی کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ بنی اسرائیل طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک کے درمیان شتر انبار کو قتل کر کے یوں کار و بار کرتے تھے جیسے کوئی واقعہ ہوا ہی نہ ہو۔ اس کے بعد بھی اللہ نے فی الفور بدلہ نہیں لیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں انھیں فنا کر دیا۔ (اہون)

۶۔ وصیت نامہ امام حسینؑ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ حسینؑ کی وصیت ہے محمد حنفیہ کے نام۔ حسینؑ کو اہی دیتا ہے کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، حضرت محمد مصطفیٰؐ اس کے بندے اور رسول ہیں، ان کا پیغام حق اور جنت بہنم سب برحق ہیں۔ قیامت بہر حال آنے والی ہے اس میں کسی شک

اور شبہ کی گنجائش نہیں ہے اس وقت اللہ سب کو قبروں سے نکالے گا۔

میں کسی تفریح، غرور، فساد اور ظلم کے ارادہ سے نہیں نکل رہا ہوں۔ میں اپنے جد کی امت کی اصلاح چاہتا ہوں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ نیکیوں کا حکم دوں اور برائیوں سے روکوں، اپنے باپ اور نانا کی سیرت پر چلوں۔ اس کے بعد جو میری بات کو قبول کرنے کا تو اللہ اولیٰ بالحق ہے، اور جو رد کر دے گا اس کے رد کر دینے پر صبر کروں گا، یہاں تک کہ خدا میرے اور اس کے درمیان فیصلہ کرے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

یہ میری وصیت ہے اور میری توفیقات اللہ کی طرف سے ہیں۔ اسی پر بھروسہ ہے اور اسی کی طرف توجہ ہے۔ (مقتل العوالم ص ۵۴)

۷۔ امام حسینؑ کا خط اہل بصرہ کے نام

اما بعد! اللہ نے حضرت محمدؐ کو منتخب کر کے اپنا نبی اور رسول بنایا اور پھر اپنی بارگاہ میں بلا لیا۔ انھوں نے بندگان خدا کو نصیحت کی، پیغام الہی کو پہنچایا۔ ہم ان کے اہلیت اولیاء اور وارث ہیں۔ قوم نے ہمارے اوپر سبقت کی اور ہم نے برداشت کر لیا کہ ہم افتراق کو ناپسند کرتے ہیں اور عافیت چاہتے ہیں۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ ہم اس کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ میں اس پیغام کے ذریعہ تم کو کتاب خدا اور سنت رسولؐ کی دعوت دیتا ہوں۔ منت کو مٹا دینا اور بنا دیا گیا ہے اور بدعت زندہ کی جا رہی ہے۔ اگر تم لوگ میری بات مانو گے تو میں تمہیں حق کی ہدایت کروں گا۔ (طبری ص ۲۰۰)

۸۔ اہل کوفہ کے خط کا جواب

تم نے میرے آنے کے بارے میں جس اشتیاق کا اظہار کیا ہے اس کا حال مجھے معلوم ہوا ہے اس وقت اپنے چچا زاد بھائی اور میرے گھر والوں میں سے ایک معتز فرزند مسلم بن عقیل کو بھیج رہا ہوں تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے۔ اگر صورت حال وہی ہے جس کا تم لوگوں نے اظہار کیا تو میں جلد تمہاری طرف آ رہا ہوں۔ (طبری ج ۶ ص ۱۹۸)

۹۔ مکہ سے روانگی

خدا کا شکر ہے۔ ساری قوت اسی کے ہمارے ہے۔ صلوات و سلام حضرت رسولؐ پر۔ موت

ابن آدم کے گلے کا ہار ہے۔ میں اپنے بزرگوں سے ملنے کا شائق ہوں جیسے یعقوب یوسف سے ملنے کے شائق تھے۔ میں اپنے آخری مرکز تک بہر حال جاؤں گا۔ بلکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ بنی امیہ کے درندے انسان کو کونادیں دکر بلا کے درمیان کڑے کڑے کر رہے ہیں اور اپنے ظلم و ستم کے پیٹ بھر رہے ہیں۔ مرضی خدا ہم اہلبیت کی مرضی ہے، ہم اس کے امتحان پر صابر ہیں، وہی بہترین اجر دینے والا ہے جس سے آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور وعدہ الہی پورا ہو۔ جو میرے ساتھ چلنا چاہتا ہو اسے معلوم رہے کہ میں صبح جا رہا ہوں۔ لقاے الہی کے لیے نفس آمادہ ہے تو میرے ساتھ چلے در نہ نہیں۔

(ابوف ص ۲۳)

۱۰۔ امام حسین اور ابن سعد

ابن سعد! کیا تو مجھ سے جنگ کرنا چاہتا ہے؟ کیا تیرے دل میں خدا کا خوف نہیں ہے؟ کیا تجھے نہیں معلوم کہ میں کس کا فرزند ہوں۔ اب بھی انھیں چھوڑ کر میرے ساتھ آ جا تو اس میں قربت الہی ہے۔ اگر مکان کے گرائیے جانے کا خوف ہے تو میں مجاز میں بہترین مکان سے دوں گا۔ خدا جانے تجھے کیا ہو گیا ہے۔ اللہ تجھے تیرے بستر پر ذبح کرے اور روز قیامت صحت ذکرے۔ خدا کی قسم تو عراق کے دارالگندم سے بہرہ یاب نہ ہو سکے گا۔

(مقتل الخواری ص ۲۲۵)

۱۱۔ شب عاشور

میں خدا کی حمد و ثنا اور ہر سختی و آرام پر اس کا شکر یہ ادا کرتا ہوں۔ پروردگار تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں نبوت کے ذریعہ محرم بنایا، قرآن کا علم دیا، دین کا فہم دیا، ہمارے لیے چشم و گوش و دل قرار دیے اور ہمیں مشرکین میں سے نہیں بنایا۔

اما بعد! میں اپنے اصحاب سے زیادہ با وفا اصحاب اور اپنے اہلبیت سے زیادہ نیک کردار اہلبیت نہیں جانتا ہوں۔ میرے جد نے خبر دی ہے کہ میں عراق میں زمین کو بلا پر آٹار جاؤں گا اور وہیں میری شہادت ہوگی اور اب اس کا ہنگام آچکا ہے۔ کل میری شہادت ہوگی۔ میں تم سب کو اجازت دیتا ہوں کہ رات کا پردہ حائل ہے۔ ہر شخص میرے گھروالوں میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑے اور جہاں چاہے چلا جائے۔ قوم میرے خون کی طالب ہے، مجھے پا کر تھاری تو

ذکرے گی۔

۱۲۔ روز عاشور

(ارشاد مفید۔ طبری ج ۶ ص ۲۳۹)

ایھا الناس! میری بات سنو اور جلد بازی نہ کرو کہ میں اپنے حق کو ادا کروں اور اپنا عذریان کروں۔ اس کے بعد تم قبول کرو اور تصدیق کرو اور میرے ساتھ انصاف کرو تو تھاری نیک بنتی ہے ورنہ پھر فیصلہ خداوندی کے لیے تیار ہو جاؤ کہ وہی میرا مالک اور سرور است ہے۔

ساری تعریف اس خدا کے لیے ہے جس نے دنیا کو پیدا کر کے اسے محل فنا و زوال بنایا ہے جہاں ہر آن ایک نہ ایک تغیر ہوتا رہتا ہے۔ فریب خوردہ وہ ہے جسے دنیا دھوکہ دے، اور شقی و بدبخت وہ ہے جو اس فتنہ کا شکار ہو جائے۔ خبردار! تمہیں یہ دنیا دھوکہ نہ

دے۔ یہ ہر امیدوار کی امید منقطع کر دیتی ہے اور ہر لالچی کو مایوس کر دیتی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے اس امر پر اجماع کیا ہے جس میں غضب پروردگار اور اس کی ناراضگی ہے۔ یہ امر باعث عذاب اور سبب دوری رحمت ہے۔ وہ بہترین رب ہے اور تم بدترین بندے۔ تم نے اطاعت کا اقرار کیا، نبی پر ایمان لائے اور پھر ان کی ذریت پر هجوم کر کے انھیں قتل کرنا چاہتے ہو۔ شیطان تم پر غالب آ گیا ہے اور تمہیں یاد خدا سے غافل بنا دیا ہے۔ خدا تمہارا

بڑا کرے کیا بڑا ارادہ تمہارا ہے۔ انا للہ۔ یہی وہ قوم ہے جو ایمان کے بعد کافر ہو گئی ہے اور ظالمین کے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

ایھا الناس! ذرا مجھے پہچانو میں کون ہوں۔ پھر فیصلہ کرو کہ کیا میرا قتل تمہارا لیے جائز ہے۔ کیا میں تمہارے نبی کی بیٹی کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا میں ان کے وصی اور ابن ام اول المومنین والمصدقین کا فرزند نہیں ہوں؟ کیا حضرت حمزہ سید الشہداء میرے باپ کے چچا نہیں ہیں؟ کیا حضرت جعفر طیار میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا پیغمبر کے اس ارشاد کی خبر نہیں ہے کہ

حسن و حسین جو انان جنت کے سردار ہیں؟۔

اگر میری باتیں صحیح ہیں اور تم تصدیق کرتے ہو جیسا کہ یہ صحیح ہے کہ میرا قول حق ہے، اس لیے کہ میں نے کبھی کبھی باطل سے زبان کو آشنا نہیں کیا کہ اس میں خدا کی ناراضگی اور بندہ کا نقصان ہوتا ہے۔ تو یہ سب کیا ہے؟ اور اگر میری تکذیب کرتے ہو، تو ابھی

جابر بن عبد اللہ انصاری، ابوسعید خدری، سہیل بن سعد ساعدی، زید بن ارقم، انس بن مالک جیسے اصحاب زندہ ہیں ان سے دریافت کر لو، یہ بتائیں گے کہ یہ ارشاد رسول ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ ساری باتیں تھیں میرے قتل سے باز نہیں رکھ سکتیں؟

اگر تھیں میری باتوں میں شک ہو تو کیا اس بات میں شک ہے کہ میں نبی کا نواسہ ہوں؟ تو بتاؤ مشرق و مغرب کے درمیان میرے علاوہ کون رسول کا نواسہ ہے؟ کیا مجھ سے کسی قتل کا بدلہ لے رہے ہو یا میں نے تمہارا کوئی مال تباہ کر دیا ہے یا کسی زخم کا تھما لے رہے ہو.....؟

(طبری ۶ ص ۲۲۳)

۱۳۔ خطبہ دوم بروز عاشور

اے جماعت ضلالت! تمہارے لیے ہلاکت و بربادی ہے کہ تم نے ہم سے فریاد کی اور ہم تمہاری فریاد کو پہنچے تو تم نے وہ تلوار ہمارے خلاف کھینچ لی جو ہمارے دشمنوں پر کھینچنا چاہیے تھی اور وہ آگ ہمارے خلاف بھڑکا دی جو ہم تمہارے دشمنوں کے خلاف بھڑکانا چاہتے تھے۔ تم نے دشمنوں کا ساتھ دیا اور حق و انصاف کا خیال نہیں کیا، تمہیں ان سے کیا ملنے والا ہے؟..... تم سربراہوں کے غلام، کتاب کے نظر انداز کرنے والے، کلمات میں تحریف کرنے والے اور گناہگار جماعت کے اداکان ہو۔ شیطان تمہارے اوپر غالب ہے۔ تم نے سیرتوں کو فراموش کر دیا ہے، دشمنوں کا ساتھ دے رہے ہو، اور ہم سے الگ ہو رہے ہو۔ یہ تمہارا پُرانا طریقہ ہے اسی پر تمہاری بنیادیں قائم ہیں۔ تم بدترین ثمر ہو۔

یہ نا تحقیق ابن نا تحقیق۔ اس نے مجھے دو راہے پر کھڑا کر دیا ہے کہ یا تلوا نکال لوں یا ذلت برداشت کروں۔ ظاہر ہے کہ میں ذلت گوارا نہیں کر سکتا۔ یہ میرے خدا و رسول کی مرضی کے خلاف اور میری پرورش کی پاکیزہ آغوش اور میرے بزرگوں کے طیب ظاہر نفوس کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ میں کینوں کی اطاعت کو شریفوں کی طرح شہادت پر مقدم کروں یہ ناممکن ہے۔ میں اپنے مختصر ساتھیوں کو لے کر راہ خدا میں آگے بڑھ رہا ہوں..... (اہوت ص ۵۶)

۱۴۔ آخری دعا

اے خدا! اے بلند مکان، عظیم الجروت، شدید القوی، مخلوقات سے بے نیاز!

کبریا کی مالک، ہر شے پر قادر، رحمتوں کے اعتبار سے قریب، وعدوں کے صادق، نعمتوں کے کامل کرنے والے، بہترین امتحان لینے والے، تجھے بلایا جاتا ہے تو تو قریب ہے، مخلوقات پر محیط ہے، توبہ کا قبول کرنے والا ہے، ارادوں پر قادر ہے، جو چاہتا ہے حاصل کر لیتا ہے، شکر گزاروں کا شکر یہ قبول کرتا ہے، یاد کرنے والوں کو یاد رکھتا ہے۔ میں احتیاج کے ساتھ تجھے پکار رہا ہوں اور فقر و فاقہ کے ساتھ تیری بارگاہ کی طرف آرہا ہوں، میں رنجیدہ و پریشان حال ہوں اور تجھ سے مدد مانگ رہا ہوں۔ تجھے کافی سمجھ کر تجھ پر بھروسہ کرتا ہوں۔

پروردگار! میرے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ فرما۔ انھوں نے مجھے دھوکہ دیا، نظر انداز کر دیا، قتل کیا، ہم تیرے رسول کی عزت و ذریت ہیں جنہیں تو نے رسالت کے لیے اور وحی کے لیے امین بنایا ہے۔ ہمیں کشتائش احوال عطا فرما، تو ارحم الراحمین ہے۔ میں تیرے فیصلہ پر صابر ہوں۔ تیرے علاوہ کوئی خدا اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو ہی سب کا فریاد رس ہے۔ میں تیرے حکم پر صبر کر رہا ہوں۔ اے بے سہاروں کے سہانے، ہمیشہ رہنے والے.... میرے اور ان کے درمیان بہترین فیصلہ فرما کہ تجھ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ (ریاض المصابیح، مصباح کفعمی اقبال)

شہدائے کربلا

۱- اولادِ ابوطالب

حضرت امام حسین علیہ السلام - حضرت علی اکبر - حضرت علی اصغر - حضرت عباس
 حضرت عبداللہ بن علی - حضرت عثمان بن علی - حضرت جعفر بن علی - حضرت ابوبکر بن علی -
 حضرت ابوبکر بن حسن بن علی - حضرت قاسم بن حسن - حضرت عبداللہ بن حسن - حضرت عون و محمد بن
 عبداللہ بن جعفر - حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل - حضرت محمد بن مسلم - حضرت محمد بن سعید بن عقیل -
 حضرت عبدالرحمن بن عقیل - حضرت جعفر بن عقیل -

۲- شہداءِ بنی اسد

انس بن حوث اسدی - حبیب بن مظاہر اسدی - مسلم بن عویمر اسدی - قیس بن سہر اسدی -

۳- شہداءِ آلِ ہمدان

ابوشامہ عمرو بن عبداللہ - بریر ہمدانی - عابس شاکری - حنظلہ بن اسد عبدالرحمن
 رحمی - سیف بن حوث - عمرو بن عبداللہ ہمدانی -

۴- مذحجی شہداء

جنادہ بن حوث - مجمع بن عبداللہ - نافع بن ہلال - حجاج بن مسروق -

۵- انصاری شہداء

عمرو بن قزظہ - عبدالرحمن بن عبدالرب - جنادہ بن کعب - عمرو بن جنادہ - نئیم بن عجلان - سعد بن حوث -

۶- بھلی اور خشعی شہداء

زہیر بن قین - سلمان بن مضارب - سعید بن عمر - عبداللہ بن بشیر -

۷- کندی اور غفاری شہداء

یزید بن زیاد کندی - حرب بن امرؤ القیس - زاہر بن عمرو - بشر بن عمرو - عبداللہ بن عمرو
 غفاری - جون غلام ابوذر غفاری -

۸- کلی شہداء

عبداللہ بن عمیر - عبدالاعلیٰ بن یزید - سالم بن عمرو -

۹- آزدی شہدار

قاسم بن حبیب - زہیر بن سلیم - نعمان بن عمرو -

۱۰- جدی شہداء

یزید بن جبیط - عامر بن مسلم - سیف بن مالک -

۱۱- تمیمی و طائی شہدار

جاہر بن حجاج - مسعود بن حجاج - عبدالرحمن بن مسعود - بکر بن حماد - عمار بن حسان طائی -

۱۲- ثعلبی شہداء

مرفاہ بن مالک - کنادہ بن عتیق -

۱۳- جہنی و تمیمی شہدار

عقبہ بن صلت - حرم بن یزید تمیمی - عقبہ بن صلت -

۱۴- متفرق شہدار

جلد بن علی شیبانی - قنوب بن عمر - عبداللہ بن یقطر -

انقلاب کربلا

دور حاضر میں عام طور سے انقلاب کا مفہوم یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک ہی نظام کے لئے والوں میں ایک نااہل کو کسی سے اتار کر دوسرے کو اس کی جگہ پر بٹھا دیا جائے۔

اور اس سے بڑا انقلاب یہ ہوا ہے کہ نظام میں بھی جزوی تبدیلی کر دی جائے اور پارٹی کے مشورے کے مطابق ملک کا نیا نظام حکومت مرتب کر لیا جائے۔

تیسری قسم انقلاب کی یہ ہو سکتی ہے کہ نظام کی بنیادی شکل کو مختلف کہا جائے اور درحقیقت ایک ہی قسم کے انسانوں کو مختلف ناموں سے تحت حکومت پر بٹھایا جائے۔ پہلے اسی قسم کا انسان شہنشاہ کے نام سے تخت نشین ہوا اور پھر بدلے ہوئے حالات میں ویسا ہی انسان یا وہی انسان صدر جمہوریہ کے نام سے تخت نشین ہو جائے اور اس کا نام "بنیادی انقلاب" رکھ دیا جائے۔

چوتھی قسم انقلاب کی یہ ہوتی ہے کہ سرحدوں کے محافظہ و مملکت کے اندر داخل ہو جائیں اور بزرگ طاقت قدیم نظام کے نفاذ کا عمل تیز تر کر دیں جس کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ ہوگا کہ اگر حکومت اسے نافذ کرنے میں ناکام رہی ہے اور اسی کی وجہ سے ملک میں بد امنی پھیل گئی ہے جسے فوجی انقلاب کہا جاتا ہے۔ اس انقلاب میں نظام حکومت اور دستور میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوتی ہے صرف نفاذ کے عمل کو تیز تر بنایا جاتا ہے اور اپنی مقبولیت میں اضافہ کے لیے چند خوشگوار تبدیلیوں کا نام لے لیا جاتا ہے ورنہ ملکی دستور بعینہ وہی دستور ہوتا ہے جس کا نفاذ ضروری تھا اور گویا کہ سابق حکومت کے زیر اثر نہیں ہو سکا ہے۔

پانچویں قسم ایک مخلوط انقلاب کی ہے جو بیک وقت سیاسی بھی ہوتا ہے اور فوجی بھی۔ یعنی فوجی حکمران اپنے انقلاب کو عوامی ظاہر کرنے کے لیے ایک فرضی الگشن کر دیتا ہے اور پھر اسی فوجی انقلاب کو عوامی اور سیاسی انقلاب کا نام لے دیا جاتا ہے۔

ان تمام اقسام میں جو بات مشترک طور پر پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ سارے رہنما ایک ہی جیسے ہوتے ہیں اور انہیں عوامی تائید حاصل ہو یا نہ ہو، خدائی تائید بہر حال حاصل نہیں ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں ان کے انقلاب میں کم و بیش وہ ساری کمزوریاں پائی جاتی ہیں جو سابق نظام میں رائج تھیں۔

دور حاضر میں بعض مقامات پر انقلاب کی ایک جدید ترین شکل نکل آئی ہے جسے بظاہر مذہبی انقلاب کہا جاتا ہے لیکن حقیقتاً وہ بھی ایک نیم سیاسی انقلاب ہوتا ہے جیسے کہ دور حاضر کی اکثر اسلامی تحریکات میں دیکھا جاتا ہے کہ نام اسلامی انقلاب کا لیا جاتا ہے اور اعتماد مشرق یا مغرب پر کیا جاتا ہے جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ یا موجودہ حاکم وقت ہی سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ اسلامی نظام کو رائج کرے اور تحریک میں یہ بات مضمر ہوتی ہے کہ جس حاکم نے آج تک اسلام رائج نہیں کیا اور اسلام سے بیگانہ ہو کر اپنا اقتدار جمائے رکھا ہے، جس نے اسلام کے نصاب کی چار کتابیں بھی نہیں پڑھی ہیں۔ اس کا اقتدار تسلیم شدہ ہے صرف اس کا نظام تسلیم نہیں ہے اور یہ نتیجہ اس ذہنی غلامی یا ضمیر فروری کا ہوتا ہے جو انقلابی افراد کو وراثت میں ملی ہے ورنہ اسلامی انقلاب کے معنی تو یہ ہیں کہ سب سے پہلے نااہل حکمران کو معزول کیا جائے جس نے اب تک اسلام سے قطع نظر کر کے حکومت کی ہے اور ملک خدا کو غیر خدا کے راستہ پر چلا یا ہے اور اب حالات کی مجبوری کے تحت اسلامی نظام نافذ کرنا چاہتا ہے۔ ایسے حکمران کے اقتدار کا باقی رکھنا اور اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کرنا ایک سیاسی مکاری ہے جسے اسلامی انقلاب کا نام دیا جا رہا ہے ورنہ اس عمل کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے اپنے دور کے حاکم وقت سے یہی بات کہی تھی جب اس نے اپنی شرافت و عدالت کا مظاہرہ کرنے کے لیے حضرت سے یہ مطالبہ کیا کہ میں تمام صاحبان حقوق کے حقوق واپس کرنا چاہتا ہوں آپ بھی فدک کے حدود کا تعین کر دیں تاکہ میں اسے آپ کے حوالہ کر دوں اور اس طرح آپ کے حق سے بھی سبکدوش ہو جاؤں، تو آپ نے اس دور کے پورے خطہ اسلام کا رقبہ شمار کر دیا تھا کہ مشرق و مغرب

اور شمال و جنوب میں درحقیقت فدک ایک پورے عالم اسلام کا نام ہے اور حاکم وقت حیرت زدہ رہ گیا تھا کہ میں نے تو اتنی بڑی جاگیر کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا میں تو ایک باغ یا ایک جاگیر کے تصور میں تھا جس کے دے دینے کے بعد اپنے اقتدار پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ لیکن یہ تو پورے عالم اسلام کا رقبہ شمار کر رہے ہیں جس کے بعد اپنی حکومت کا کوئی تصور ہی نہیں رہ جاتا ہے۔

امام موسیٰ بن جعفر ہی واضح کرنا چاہتے تھے کہ ظالم کے تحت حکومت پر رہتے ہوئے مظلوم کے حقوق کی ادائیگی کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے حقوق میں تو خود محکمت اسلامیہ بھی شامل ہے جسے بحق و راستہ پیغمبر اور نبص آیات قرآنیہ میں ملنا چاہیے تھا اور اس مملکت پر قبضہ باقی رکھنے کے بعد ہمارے حقوق کی بحالی کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ یہ درحقیقت اسی نکتہ کی وضاحت تھی کہ ظالمین کے اقتدار کو بحال رکھتے ہوئے اسلامی انقلاب کا تصور ایک جاہلانہ تصور ہے جس کے واقعی کوئی معنی نہیں ہیں۔

آثار انقلاب

انقلاب کے جملہ اقسام اپنے آثار کے اعتبار سے بھی مختلف ہوتے ہیں بعض اقسام میں صرف جزوی عملدرآمد ہوتا ہے اور اصل نظام معطل ہی رہتا ہے۔ بعض اقسام میں عملدرآمد کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے لیکن نظام کے اثرات بدستور باقی رہتے ہیں۔ بعض اقسام میں عوام میں محترم شخصیت یا احترام کی نوعیت میں فرق آجاتا ہے۔ لیکن سماج کی حالت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے اور بعض اقسام میں صرف دہشت کا اضافہ ہو جاتا ہے اور باقی حالات بدستور رہتے ہیں۔

اسلام ایسے کسی انقلاب کا حامی نہیں ہے۔ وہ الہی قانون کے تحت سماج کے جملہ شعبوں میں انقلاب چاہتا ہے اور اس کا منشا یہ ہے کہ میں کسی سرزمین پر قدم رکھوں تو وہاں کے عقائد و افکار بدیں، تہذیب و تمدن میں تبدیلی پیدا ہو، اقدار حیات متغیر ہوں، طریقہ زندگی اپنی فرق آجائے، حکومت بدلے، حاکم بدلے، رعایا کا انداز حیات بدلے، اور قدیم دنیا ایک دوسرا

دنیا نظر آنے لگے۔ جس طرح کہ سرکارِ دو عالم کا اسلامی انقلاب تھا کہ آپ نے پھر وہاں کجاویں کو ذہنی طور پر اتنا بلند کر دیا تھا کہ وحدۃ لاشریک کے علاوہ کوئی خدا نہیں رہ گیا تھا۔ سیکڑوں خداؤں میں بھی ہوئی قوم کو ایک توحید کے پرچم تلے جمع کر دیا تھا، حکمترین کو نمازی بنا دیا تھا، لڑیوں کو زکوٰۃ و خمس کا پابند بنا دیا تھا، بے تحاشہ کھانے والوں کو روزہ کا خوگر بنا دیا تھا، غارتگری کرنے والوں کو مجاہد بنا دیا تھا اور مجاہد بنا کر میدان جہاد میں شہادت کے شمس کا مادی بنا دیا تھا۔ سود خواروں کو ایثارگر بنا دیا، جواریوں کو عبادت گزار بنا دیا، شرابیوں کو پارسا بنا دیا، بدکاروں کو پاکیزہ نگاہ بنا دیا۔ اور اس طرح حیوانوں کو انسان، انسانوں کو مسلمان اور مسلمانوں کو صاحب ایمان بنا دیا۔

درحقیقت ایسا ہی انقلاب، انقلاب کہے جانے کے قابل ہوتا ہے، یہ اور بات ہے کہ ایسا انقلاب کسی مریض ذہن کے لیے کبھی قابل قبول نہیں ہوتا ہے۔ نتیجہ ہوا کہ مشرک، کھت پرست، شرابی، جواری، سود خوار، حرام خور، بدکار سب متحد ہو گئے اور مکہ کی گلیوں میں ایک قسم کی "سرد جنگ احزاب" شروع ہو گئی۔ سرکارِ دو عالم نے اپنے قوانین کے استقامت، اپنے قدم کے ثبات اور اپنے پروردگار کی امداد کا سہارا لے کر پورے طوفان کا مقابلہ کیا، اور بالآخر ایک بڑی جماعت کو مسلمان بنا لیا۔ اس راہ میں کانٹے طے، کوڑا ملا، گھایاں ملیں، دھمکیاں ملیں، قتل کی سازش ملی، پروپیگنڈہ ملا، اتہامات و الزامات طے، غریب الوطنی ملی، لیکن سب کے آخر میں کامیابی ملی اور ایک دن وہ بھی آیا جب کہ سے بے وطن کر دیا جائے والا پیغمبر اس شان سے کہ میں داخل ہوا کہ ابوسفیان تک مسلمان ہو گیا اور یہ انداز فتح پروردگار کی طرف سے ہر انقلابی انسان، انقلابی تحریک اور انقلابی جماعت کے لیے ایک نظیر بن گیا کہ اسلامی انقلاب کی راہ میں حلو سے پر اٹھے کی توقع نہیں کرنی چاہیے۔ اس راہ میں گاسیاں ہیں، الزامات ہیں، دھمکیاں ہیں، پروپیگنڈے ہیں، گردہ بندی ہے، زبان کے خنجر اور قلم کے نیزے ہیں، غریب الوطنی ہے لیکن استقامت برقرار ہے تو کامیابی بھی ہے، کامرانی بھی ہے، فلاح بھی ہے، نجات بھی ہے اور فتح مبین بھی ہے۔ استقامت کے بعد وہ دن بھی آسکتا ہے جب ابوسفیان کلمہ پڑھنے لگے اور کفر بھی اسلام کی پناہ ڈھونڈنے لگے۔

اسلامی انقلاب ایک ہم گیر انقلاب تھا۔ تہذیب و تمدن کا انقلاب، عقائد و افکار کا انقلاب، مفاسد و اقدار کا انقلاب، زندگی اور زندگی کا انقلاب۔ اور پھر ہر شہید حیات میں انقلاب ہی انقلاب۔

ظاہر ہے کہ یہ انقلاب جن لوگوں سے برداشت نہ ہو سکا اور اس کی روز افزوں ترقی جن کی نگاہوں میں نہ سما سکی، انہوں نے اس کے خلاف ریشہ در ریشہ دوازیوں کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس کی ہر طرح کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔

دشمن کے اقدامات، ہمیشہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ابتدا میں وہ زور آزمائی کرتا ہے اور جب ناکام ہو جاتا ہے تو ساتھ مل کر نظام کو برباد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بدر و احد اور فتح مکہ کے بعد ابوسفیان کا اسلام اسی تدریجی رد عمل کا اظہار تھا کہ اب مل کر اسلام کو تباہ کرنا ہے۔

چنانچہ اس نے پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد پہلے مولاؑ کے کائنات کی امداد کا راستہ اختیار کیا اور جب آپ نے صریحی طور پر اس امداد کو ٹھکرا دیا اور فرما دیا کہ میں بقاۃ اسلام کی خاطر محض حکومت کو برداشت کر سکتا ہوں کفر کی امداد کو برداشت نہیں کر سکتا کہ اس طرح کفر کو دوبارہ اسلامی دنیا میں کام کرنے کا موقع مل جائے گا۔ تو آپ کے انکار کے بعد تخت اقتدار کا رخ کیا کہ اس سے اظہارِ خلوص کر کے اسلامی اقدار کی تباہی کا عمل شروع کیا جائے چنانچہ چار دن کے اندر اتنا نمایاں فرق ہو گیا کہ نفس پیغمبرؐ کی حمایت کا اعلان کرنے والا حزب اختلاف سے اتنا قریب تر ہو گیا کہ اپنے چشم و چراغ خاندان کو اسلام کا حکمراں بنانے میں کامیاب ہو گیا اور پھر براہ راست اپنے فرزند کو بھی ایک حصہ مملکت کا حاکم بنا دیا جس کے بعد وہ اس کے مقابلہ میں صفت آرا ہو گیا، جس کی حمایت کے لیے کل باپ نے ہر قربانی دینے کا وعدہ کیا تھا۔

اُس وقت اسلام ایک انتہائی خطرناک موڑ پر آ گیا اور داخلی ریشہ دوازیوں کی بنا پر وہ سارے اقدار اچانک تبدیل ہو گئے جو سرکارِ دو عالم کی ۲۳ سالہ ریاضت و محنت سے قائم ہوئے تھے۔ جہاں مملکت میں ایک ایک قطرہ شراب کا فقدان تھا وہاں تختِ خلافت

پر شراب آگئی۔ جہاں نامحرم پر نگاہ کرنا حرم تھا وہاں سوتیلی ماؤں سے زنا کا رواج ہو گیا۔ جہاں علم معیارِ فضیلت تھا وہاں علماء کی توہین شعار بن گئی۔ اسلامی دربار میں رسالت کو بنی ہاشم کا کھیل اور اسلام کو بے بنیاد نظریہ قرار دیا جانے لگا اور اس طرح اناہل باپ کے نالائقی بیٹے نے باپ کی کمی کو پوری کر دیا اور پورا معاشرہ بیکسر تبدیل ہو گیا اب سموت حال یہ ہے کہ بُرائیاں ہیں اور ٹوکنے کی ہمت نہیں ہے۔ حکمران ہیں اور ہنی نہیں ہے۔ فواحش ہیں اور روکنے والا نہیں ہے۔ صاحبانِ علم ہر لب میں اور اپنی حیثیت کے تحفظ میں لگے ہوئے ہیں۔ درباری علماء نبی عن المنکر کے خلاف فتوے صادر کر رہے ہیں اور اسلام فنا کے راستہ پر لے جایا جا رہا ہے۔

ایسے وقت میں ضرورت تھی کہ کوئی ایک مرد مجاہد اٹھے اور پائے ہوس سے طاقت رنقار کھینچ لے، میدان میں نیام سے تلوار کھینچ لے۔

چنانچہ فرزند رسول الثقلین امام حسینؑ اٹھے اور آپ نے ہر مصیبت کو برداشت کرنے کا عزم کر کے اس سیلاب کے سامنے بندھ باندھ دیا۔ آپ نے اپنا بھر گھر قربان کر دیا لیکن دوبارہ ایسا اسلامی انقلاب برپا کر دیا کہ پورے عالم اسلام میں یزیدیت کے خلاف جذبات بھر گھر اٹھے اور چند دنوں میں یہ صورت حال پیدا ہو گئی کہ جس گھرانے میں فقط وراثت پر حکومت کی جاتی تھی وہیں یزید کا بیٹا باپ کے تخت پر بیٹھنے سے انکار کرنے لگا۔

امام حسینؑ کے اس انقلاب میں خواتین کربلا اور بالخصوص ثانی زہراؑ کا بھی ایک عظیم حصہ تھا کہ جس یزید کے سامنے بڑے بڑے سوراؤں میں سانس لینے کی طاقت نہیں تھی اسی کے دربار میں وہ عظیم الشان خطبہ پڑھا کہ دربار ہل گیا اور عوام میں از سر نو حاکم ظالم کے خلاف آواز اٹھانے کا تصور پیدا ہو گیا۔

کربلا کا واقعہ تمام ہو گیا۔ اہل حرم نے کوفہ و شام کے بازاروں اور درباروں کو فتح کر لیا۔ لیکن جس عیسائیت اور بت پرستی نے یزید کو اپنا مشترک نائنہ بنا یا تھا وہ پسا ہو کر دوبارہ باطنی انتقام کا مادہ ہو گئی اور ہر دور میں اسلامی اقدار کی تباہی کا کام شروع ہو گیا۔ اگر مصیبتیں نے اپنی موجودگی کے دور میں اس ریشہ دوازی کا مکمل مقابلہ کیا اور ہر دور میں باطل کو بے نقاب کستے رہے اور ایک اسلامی معاشرہ کے قائم کرنے کی کوشش کستے رہے۔

لیکن غیرت کا زمانہ باطل طاقتوں کو گویا زور آزمائی کا بہترین زمانہ مل گیا اور ہر طرف سے اسلام کی بربادی کا عمل شروع ہو گیا۔ کافر، مشرک، یہودی، عیسائی سب متحد ہو گئے اور سب کا ایک ہی منشا تھا کہ اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے اور یہ ممکن نہ ہو تو اس کے تعلیمات کو بے روح، بے جان اور بے اثر بنا دیا جائے جیسا کہ دورِ یزید میں ہوا تھا کہ اسلام کو تماشہ بھی کہا جا رہا تھا اور نمازیں بھی ہو رہی تھیں۔ گویا باطل طاقتیں چاہتی تھیں کہ دونوں تجربات ایک ساتھ ہوتے رہیں کہ اگر امت کا احساس بالکل مردہ ہو گیا ہے تو اسلام ہی تماشہ بن جائے گا اور اگر امت میں کوئی صاحبِ ضمیر زندہ ہے تو کم سے کم احکام بے روح اور بے جان ہو جائیں گے۔

ہمارے ملکوں میں عیسائیت نے مدتہائے دراز تک اپنی حکومت میں سبھی کام کیا ہے اور اسلام کو فنا نہیں کر سکی تو بے جان ضرور بنا دیا ہے اور سارے اقدار کو کیکر تبدیل کر دیا ہے۔ (یزید بھی عیسائی ماں کا بیٹا اور عیسائی ماحول کا پروردہ تھا اور عیسائیت اس ریشہ روانی میں ہمارت رکھتی ہے)۔ نتیجہ یہ ہے کہ سجدیں آباد ہیں لیکن دل ویران ہیں۔ نمازیں ہیں لیکن بُرائیوں سے روکنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ پاکیزہ کردار افراد سے محبت کا نام ہے لیکن اپنے کردار میں پاکیزگی نہیں ہے۔ تقریروں کا ہنگامہ ہے لیکن اثر کا فقدان ہے۔ مذہب کا چرچا ہے لیکن احکام سے نادانیت عام ہے اور حد یہ ہے کہ امام و رسول پر قربان ہیں لیکن ان کے احکام سے بے خبر ہیں۔ علماء کی جو تیاں اٹھاتے ہیں لیکن ان کے احکام کا بوجھ نہیں اٹھاتے۔ سرکار کے خادم ہیں لیکن سرکار کے دین کے خادم نہیں ہیں۔ علم کو معیارِ فضیلت مانتے ہیں لیکن جاہلوں کا اتباع کتے ہیں۔ غرض کہ زندگی کا ہر عمل بے جان ہو کر رہ گیا ہے اور زندگی اپنے اثرات سے عاری ہو گئی ہے اور جنہیں بیدار کرنا چاہیے تھا وہ خود بھی سو رہے ہیں، بلکہ خوابِ بغفلت کے فضائل بیان کر رہے ہیں تاکہ سونے والا مزید سو جائے اور شاید انہیں یہ خطرہ بھی ہے کہ معاشرہ بیدار ہو گیا تو نقب زنی کے مواقع ہاتھ سے نکل جائیں گے اور مالی مفیت کے ذریعہ ایک مدت میں کھپتی بننے کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

پروردگار امتِ اسلامیہ کو بیداری کی توفیق عنایت فرمائے اور رہبرانِ قوم کو بیداری کی صلاحیت عطا فرمائے۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔

نقشِ حیات

۱۔ اسمِ گرامی۔ حسینؑ (یہ نام خود پروردگار کا رکھا ہوا ہے)۔ ارجح المطالب
۲۔ کنیت۔ ابو عبد اللہ

۳۔ القاب۔ سید، سبطِ اصغر، سید الشہداء وغیرہ

۴۔ والدِ محترم۔ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام

۵۔ والدہ گرامی۔ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام

۶۔ ولادت۔ ۳ شعبان ۶۱۰ھ

۷۔ شہادت۔ ۱۰ محرم ۶۱۱ھ

۸۔ مقامِ ولادت۔ مدینہ منورہ

۹۔ مدفن۔ کربلائے معلیٰ

۱۰۔ ازواج۔ جناب شہر بانو، جناب ام یسلیٰ، جناب رباب

۱۱۔ اولاد۔ امام زین العابدینؑ، علی اکبرؑ، علی اصغرؑ، سیکتہ، فاطمہ (در بنائے مشہور)

امام حسینؑ۔ وسیلۃ العمل بالقرآن

۱۔ حکمِ عبادت پر آخری سانس تک عملی درس دیتے رہے۔

۲۔ حکمِ تقویٰ پر عمل کے لیے سراپا تقویٰ بنے رہے۔

۳۔ حکمِ انفاق پر عمل کے لیے بھرا گھر دیا۔

۴۔ حکمِ جہاد پر بہر نزع اور بہر انداز جہاد کا طریقہ تعلیم فرمایا۔

۵۔ حکمِ تزوید و ترقویٰ کو ہر صوبہ کے لیے زاد راہ بنا دیا۔

- ۶۔ حکم آفرضوا پر سب کچھ راہِ خدا میں دے دیا۔
- ۷۔ حکم استجابت پر تاحیات حکم خدا و رسول پر لیک کہنے کا ذریعہ بنے رہے۔
- ۸۔ حکم تقدیم پر سب کچھ راہِ خدا میں پیش کر دیا۔
- ۹۔ حکم سارِعُوا پر سب کے لیے سبب مغفرت بن گئے۔
- ۱۰۔ حکم دعا پر وسیلہ استجابت دعا بن گئے۔
- ۱۱۔ حکم نصرت خدا پر راہ نصرت پروردگار قرار پائے۔
- ۱۲۔ حکم اجابت داعی خدا پر مستقل داعی الی اللہ بن گئے۔
- ۱۳۔ حکم جستجوئے وسیلہ پر ساری امت کے لیے وسیلہ نجات بن گئے۔
- ۱۴۔ حکم اختیارِ وسیلہ اللہ پر بہترین سبیل و اقرب طرق بن گئے۔

امام حسینؑ اور قرآن

۱۔ تاریخِ رشد گانی

ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کی وصیت کی کہ اس کی ماں نے زمانہٴ حمل اور وقتِ ولادت بڑے رنج کا سامنا کیا ہے اور اس انسان کے حمل اور دورہ پینے کا زمانہٴ کل ملا کر تین مہینے ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ انسان تو نا و تندرست اور ۴۰ سال کا ہو گیا تو اس نے ہماری بارگاہ میں دعا کی کہ بار الہا مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر یہ ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر نازل کی ہیں اور میں ایسا عمل صالح کروں کہ تو راضی ہو جائے اور میری اولاد کو صالح قرار دے کہ میں تیری ہی طرف متوجہ ہوں اور تیرا ہی اطاعت گزار بندہ ہوں۔ (احقاف ۱۵)

۲۔ سکوتِ تامرگ حاکمِ شام

ایمان والو! اپنے عہد کو وفا کرو۔ (مائتہ)

۳۔ خیر مرگ حاکمِ شام

صابرین کی شان یہ ہے کہ مصائب میں کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں

پلٹ کر جانے والے ہیں۔ (بقرہ)

۴۔ دربارِ ولید

اگر وہ لوگ صلح پر آمادہ ہو جائیں تو تم بھی تیار ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ (انفال)

۵۔ مطالبۂ بیعت

خبردار ظالموں کی طرف میلان نہ پیدا ہونے پائے کہ تم جہنم کے حقدار ہو جاؤ۔ (ہود)

۶۔ تترکِ وطن

جو شخص اپنے گھر سے راہِ خدا میں ہجرت کرتا ہے وہ مہربان بھی جاتا ہے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہوتا ہے (نساء)

۷۔ قصد مکہ

جو خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے وہ محفوظ ہو جاتا ہے۔ (آل عمران)

۸۔ ارسالِ مسلمانینِ عقیل

اگر وہ لوگ دین کے بارے میں تم سے مدد مانگیں تو تمہارا فرض ہے کہ ان کی مدد کرو۔ (انفال)

۹۔ خروجِ از مکہ

جو شخص بھی شاعرِ البیہ کی تعظیم کرے گا وہ اس کے تقویٰ کا نتیجہ ہو گا۔ (حج)

۱۰۔ قصد عراق

اے پیغمبر! کہہ دیجیے کہ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں بیٹھ رہو گے تو وہ لوگ بہر حال ملیں گے

جن کا مقدر شہادت ہے۔ (آل عمران)

۱۱۔ امتحان

اللہ تمہارا ایک نہر کے ذریعہ امتحان لے گا جو اس سے پانی نہ پیئے گا وہ مجھ سے ہو گا۔ (بقرہ)

۱۲۔ جہاد

جن لوگوں سے زبردستی جنگ کی جاتی ہے انہیں اللہ کی طرف سے جہاد کی اجازت

دی گئی ہے۔ (حج)

۱۳۔ ختمِ جہاد

اے نفسِ مطمئنہ! اپنے رب کی طرف پلٹ آ۔ تو ہم سے راضی ہے ہم تجھ سے راضی ہیں۔ (زمر)

۱۴۔ شہادت

خبردار! راہِ خدا کے شہیدوں کو مردہ خیال بھی نہ کرنا۔ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں رزق پا رہے ہیں۔ (آل عمران)

امام حسینؑ اور ارشادات رسول اکرمؐ

۱۔ پروردگار! میں حسینؑ کو دوست رکھتا ہوں تو اسے اور اس کے دوستوں کو دوست رکھنا۔ (مسند احمد بن حنبل)

۲۔ میں اہلبیت سے جنگ کرنے والے کے لیے سراپا جنگ اور صلح کرنے والے کے لیے سراپا صلح ہوں۔ (مسند احمد)

۳۔ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ پروردگار حسینؑ کے دوست کو دوست رکھتا ہے۔ (مسند احمد)

۴۔ حسنؑ و حسینؑ جو انانِ جنت کے سردار ہیں۔ (مسند احمد)

۵۔ جو سردار جو انانِ جنت کو دیکھنا چاہتا ہے وہ حسینؑ کی طرف نظر کرے۔ (مسند احمد)

۶۔ حسنؑ و حسینؑ دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔ (مسند احمد)

۷۔ میرے تمام گھرانے میں سب سے زیادہ محبوب حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ (ترمذی)

۸۔ میں نے حسنؑ و حسینؑ کے نام اس لیے رکھے ہیں کہ یہ جنتی نام ہیں۔ (ایضاح نبوی)

۹۔ جو حسنؑ و حسینؑ کو دوست رکھے گا وہ میرا دوست اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ میرا دشمن ہے۔ (ابو سعید)

۱۰۔ مجھے حسینؑ کے رونے سے تکلیف ہوتی ہے۔ (ابن مسیح)

۱۱۔ جو حسنؑ و حسینؑ، ان کے باپ اور ان کی مادر گرامی سے محبت کرے گا وہ جنت میں

میرے ساتھ ہوگا۔ (مسند احمد)

۱۲۔ حسینؑ! تم سید ابن سید، برادر سید، امام، ابن امام، برادر امام، حجت ابن حجت

اور برادر حجت ہو۔ (مؤدۃ القرنی)

۱۳۔ حسینؑ میرا پارہ ہجر ہے۔ جو اسے اور اس کی اولاد کو دوست رکھے اس کے لیے طوبی

ہے اور اس کے قاتل کے لیے جہنم۔ (مؤدۃ القرنی)

۱۴۔ میرا حسینؑ سر زمین طہف پر شہید ہوگا اور یہ امت میرے بعد فتنہ میں مبتلا ہو جائے گی (صحیح الفرائدی)

اندازِ غم حسینؑ

- ۱۔ دل کا رنجیدہ ہونا۔
- ۲۔ دل میں درد کا آٹھ جانا۔
- ۳۔ آنکھوں کا نم ہو جانا۔
- ۴۔ آنسوؤں کا نکل آنا۔
- ۵۔ آنسوؤں کا ٹپکنے لگنا۔
- ۶۔ آنسوؤں کا رخساروں پر جاری ہونا۔
- ۷۔ آواز کا بلند ہو جانا۔
- ۸۔ روتے روتے ہچکیاں بندھ جانا۔
- ۹۔ صدائے نالہ و شہیون کا بلند ہو جانا۔
- ۱۰۔ سر دینے بیٹ لینا۔
- ۱۱۔ اندازِ حزن و غم پیدا کر لینا۔
- ۱۲۔ روتے روتے آنسوؤں کا خشک ہو جانا۔
- ۱۳۔ شدتِ غم سے ترک آب و دانہ کر دینا۔
- ۱۴۔ آنکھوں سے آنسوؤں کے بجائے خون کے قطرے ٹپک پڑنا۔

اسباب بکا و علیٰ الحسینؑ

۱۔ جناب آدمؑ نے عالمِ قدس میں تصویر دیکھی تو روئے۔

۲۔ موسیٰ کے سامنے ذکر آئے گا تو روئے گا۔

۳۔ مرسلِ اعظمؐ کی نگاہ پڑ گئی تو روئے۔

- ۴۔ ارضِ کربلا پر نگاہ سبب گریہ ہے۔
- ۵۔ انبیاء نے نام حسین لیا اور روئے۔
- ۶۔ پیغمبر نے لب و دندان کے بوسے لیے اور روئے۔
- ۷۔ آنتاب الیٰ حسین موجب گریہ ہے۔ جناب نوح نے نام حسین سے کیل اٹھائی اور روئے۔
- ۸۔ ماہ محرم آیا اور آنسو نکل پڑے۔
- ۹۔ مومن سرزمین کربلا پر وارد ہوا اور رویا۔
- ۱۰۔ نام کربلا آیا اور آنسو نکل آئے۔
- ۱۱۔ ٹھنڈا پانی پیا اور امام صادق کے آنسو نکل پڑے۔
- ۱۲۔ خاک کربلا کو سونگھا اور ثنائی زہرا گریہ فرماتے لگیں۔
- ۱۳۔ کسی غریب و مظلوم کا ذکر آیا اور حسین کے مصائب پر رونا آگیا۔
- ۱۴۔ مصائب کربلا پر غور کیا اور آنسوؤں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

فضائل و امتیازات گریہ

- ۱۔ گریہ رسول اکرم سے ارتباط کا ذریعہ ہے۔
- ۲۔ گریہ معصوم عالم کی تسکین کا سبب ہے۔
- ۳۔ گریہ ادا سے حق پیغمبر ہے۔
- ۴۔ گریہ اقدارے سیرت مرسلین ہے۔
- ۵۔ گریہ مصداق اجر رسالت ہے۔
- ۶۔ گریہ تلبیت قلب معصومین ہے۔
- ۷۔ گریہ نصرت حسین ابن علی ہے۔
- ۸۔ گریہ ہمہ وقت عبادت ہے۔
- ۹۔ گریہ و ہر شفاعت ہے۔
- ۱۰۔ گریہ آتش جہنم کو خاموش کرنے کا ذریعہ ہے۔

- ۱۱۔ چشم گریاں رحیم روز قیامت گریاں نہ ہوگی۔
 - ۱۲۔ قطرہ اشک محبوب پروردگار ہے۔
 - ۱۳۔ قطرات اشک کو ملائکہ شیشے میں جمع کرتے ہیں۔
 - ۱۴۔ اشک عزاز خیرہ آخرت اور موجب ثواب بے حساب ہے۔
- خبردار! ان روایات پر کوئی شخص یہ اعتراض نہ کرے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب کسی عمل کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ گریہ خود دعوت عمل ہے۔ گریہ امام حسین سے ربط کی علامت ہے اور ربط حسین مستقل دعوت عمل ہے۔ حسین کا ربط عمل صالح سے ہے بے عملی سے نہیں ہے!۔

محاسن قبل ولادت امام حسین

- ۱۔ جناب آدم نے عرفات میں پنجتن پاک کا واسطہ لے کر دعا کی تو نام حسین پر آنسو نکل آئے اور جبرئیل نے مصائب بیان کیے۔
- ۲۔ شب معراج جنت میں حور نے مصائب بیان کیے اور پیغمبر اسلام سماعت فرماتے رہے۔
- ۳۔ شب معراج دو قصر سرخ و سبز دیکھ کر جنت میں جبرئیل نے مصائب امام حسین بیان کیے اور حضور سرور کائنات نے گریہ فرمایا۔
- ۴۔ جناب آدم سرزمین کربلا سے گزرتے تو ٹھوکر کھانے پر بیروں سے خون جاری ہو گیا اور وحی الہی آئی کہ یہ ارض کربلا ہے اور آدم روئے۔
- ۵۔ سفینہ نوح کو چھٹا لگا تو ارشاد قدرت ہوا کہ سفینہ ارض کربلا سے گزر رہا ہے، اور جناب نوح روئے۔
- ۶۔ جناب موسیٰ اور نصیر کی ملاقات ہوئی تو نصیر نے مصائب آل محمد بیان کیے اور دونوں روئے۔
- ۷۔ بسا اسیلمانی کا گزر کربلا کی سمت سے ہوا تو چکر آگیا اور مالکان بساط نے مصائب کربلا بیان کیے۔

۸۔ جناب ابراہیمؑ نے ملکوت سماوات وارض کے مشاہدہ میں شبیبہؑ میں دیکھی تو گریہ شروع کر دیا۔

۹۔ بیت شکنی کے موقع پر تصور مصائب حسینؑ کی بنا پر فرمایا کہ میں بیمار ہوں۔

۱۰۔ اسماعیلؑ کی قربانی پر ذکر حسینؑ آگیا تو بے ساختہ گریہ فرمایا۔

۱۱۔ جناب ابراہیمؑ کا زمین کر بلا سے گذر ہوا تو گھوڑے سے گر پڑے اور گریہ فرمایا۔

۱۲۔ جناب اسماعیلؑ شط فرات پر گوسفند چرا رہے تھے اور گوسفندوں نے پانی نہیں پیا تو

بیان مصائب کر بلا پر روئے۔

۱۳۔ جناب موسیٰؑ نے حواریین کے درمیان ذکر کر بلا کیا اور سب رونے لگے۔

۱۴۔ جناب موسیٰؑ طور سینا پر بار بار روئے۔

(الخصائص الحینیہ)

مجالس بعد ولادت امام حسینؑ

۱۔ آسمانوں پر تہنیت ولادت کے لیے آنے والے دس لاکھ ملائکہ سے پروردگار عالمؑ نے مصائب حسینؑ بیان کیے۔

۲۔ حجرہ جناب سیدہ میں تذکرہ مصائب کیا گیا۔

۳۔ ازدواج کے حجرات میں بھی تذکرہ کیا گیا۔

۴۔ مسجد پینمبر میں کبھی خود پیغمبرؐ نے بیان کیا، کبھی جبرئیل امینؑ نے اور کبھی بارہ فرشتوں

نے جو زیارت امام حسینؑ کے لیے آئے تھے۔

۵۔ خاک کر بلا جناب ام سلمہ کے حوالہ کرتے ہوئے جناب پیغمبر اسلامؐ کا بیان۔

۶۔ منبر کوفہ سے مولائے کائنات کا بیان مصائب۔

۷۔ صفین سے واپسی پر زمین کر بلا پر مولائے کائنات کا بیان۔

۸۔ صدیقہ طاہرہ کی مجلسیں۔

۹۔ مدینہ میں ام البنین کا بیان۔

۱۰۔ وقت آخرا م حسنؑ کا بیان مصائب جس کے ساتھ خود امام حسینؑ تھے۔

۱۱۔ مدینہ سے زھت کے وقت قبر رسولؐ پر تذکرہ مصائب جس کے ذاکر پیغمبر اکرمؐ تھے اور ساتھ امام حسینؑ۔

۱۲۔ ہاشمی خواتین کے درمیان وقت زھت مدینہ امام حسینؑ کا بیان مصائب۔

۱۳۔ امام حسینؑ کا مدینہ سے روانگی کے وقت ملائکہ اور جنات کے درمیان بیان مصائب۔

۱۴۔ حجاج کے درمیان امام حسینؑ کا بیان مصائب بیت اللہ الحرام میں۔

(خصائص حینیہ)

مجالس بعد شہادت امام حسینؑ

۱۔ مقتل میں ثانی زہرا کا بیان۔

۲۔ لاش مطہر کے گرد جنات کا زور۔

۳۔ کوفہ کے بازار میں اہل حرم کا بیان

۴۔ شام و مدینہ میں اہلبیت کا بیان۔

۵۔ دربار زید میں تذکرہ مصائب۔

۶۔ مسجد اموی میں امام زین العابدینؑ کا خطبہ۔

۷۔ شام کی عورتوں کے درمیان ثانی زہرا کا بیان۔

۸۔ مدینہ کے باہر عابد بیمار کا بیان۔

۹۔ قریب مدینہ جناب ام کلثومؑ کا مراثیہ۔

۱۰۔ قبر حسینؑ پر ملائکہ کا زور و ماتم۔

۱۱۔ آسمانوں پر مجلس صدیقہ طاہرہ۔

۱۲۔ امر معصومین کی مجلسیں۔

۱۳۔ ملائکہ کی مجلسیں۔

۱۴۔ عزاداران حسینؑ کی مجلسیں۔

منازلِ شہادت

- ۱- شہید مربوط بختمی ہوتا ہے۔
- ۲- شہید قوم پر صاحب حق ہوتا ہے۔ اپنی زندگی بے کساری قوم کو زندہ کرتا ہے۔
- ۳- شہید نمونہ ایثار ہوتا ہے۔
- ۴- شہید کا جسم بھی محرم ہوتا ہے۔
- ۵- شہید کا ہر قطرہ خون محبوب پر دروگاہ ہوتا ہے۔
- ۶- شہید نیکیوں کے آخری مرتبے کا نام ہے۔
- ۷- شہید روز قیامت شہادت دیتا ہے۔
- ۸- شہید روز قیامت شفاعت کرتا ہے۔
- ۹- شہید کی خاک تربت طیب و طاہر ہوتی ہے۔
- ۱۰- لفظ شہید ہر قوم و ملت میں قابل احترام ہے۔
- ۱۱- شہید جنت کا خریدار ہوتا ہے۔
- ۱۲- شہید نفس مطمئن اور مرضی حق کا طلبگار ہوتا ہے۔
- ۱۳- شہید صاحب نعمت و فضل الہی ہوتا ہے۔
- ۱۴- شہید زندہ جاوید اور مردوق عند اللہ ہوتا ہے۔

دروس کر بلا

- ۱- وطن کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو، اسلام پر وقت پڑ جائے تو اسے ترک کر دینا چاہیے۔
- ۲- مقصد کی راہ میں ہر طرح کی قربانی ضروری ہے۔
- ۳- حقیقی محبت یہی ہے کہ دوست کی راہ میں جان بھی دے دی جائے۔
- ۴- حریت کا اسلامی مفہوم یہ ہے کہ ظالم کی نوکری سے آزادی حاصل کر لی جائے۔
- ۵- قضاہت کے معنی یہ ہیں کہ نصرت حسین میں قدم آگے بڑھیں، اور ظالموں کو بھی

دعوتِ نماز دی جائے۔

- ۶- حقیقی مسادات یہ ہے کہ غلام کا سر بھی اپنے زانو پر رکھا جائے۔
- ۷- شہامت ہزبات نفس پر قابو پانے اور جذبات کو پابند مشیت بنا دینے کا نام ہے۔
- ۸- تقاضائے وفاق یہ ہے کہ امان نارٹے مگر اسے ٹھکرا دیا جائے۔
- ۹- قربانی کا مفہوم یہ ہے کہ جذبات کی قربانی دی جائے نہ کہ جذباتی قربانی۔
- ۱۰- تبلیغ کا صحیح راستہ یہ ہے کہ راستہ روکنے والے کو بھی پانی پلا دیا جائے۔
- ۱۱- اسلامی جہاد کا انداز یہ ہے کہ شدت مظالم میں بھی جنگ کی ابتدا نہ کی جائے۔
- ۱۲- دشمن لاکھ سرکشی پر آمادہ ہو لیکن دعوت الی اللہ دیتے رہو۔
- ۱۳- میدان جہاد میں قدم جما دو تو لاکھوں کے مقابلہ میں بھی قدم پیچھے نہ ہٹیں۔
- ۱۴- بندگی کی حقیقی شان یہ ہے کہ زیرِ خنجر بھی سجدہ معبود ادا کیا جائے۔

ترجمہ دُعائے عرفہ امام حسینؑ

امام حسینؑ — میدانِ عرفات میں

ماہِ ذی الحجہ کی نویں تاریخ تھی۔ مکہ منظر کے قریب عرفات کے میدان میں حجاج بیت اللہ مصروف ثنا و دعا تھے کہ ایک مرتبہ راوی کی نگاہ دامنِ کوہ کے اس حصہ پر پڑ گئی جہاں سرکارِ سید الشہداء امام حسینؑ اپنے اصحاب و انصار اور اہلِ خاندان کے ساتھ دعا و مناجات میں مصروف تھے۔ زبانِ مبارک پر حروفِ ثنا اور التماس دعا کے فقرات تھے اور خیمِ مبارک سے مسلسل آنسو جاری تھے۔

رُخِ طَرَفِ آسْمَانٍ اور ہاتھ اُٹھے ہوئے

لہجہ میں دعا و مناجات کا انداز اور طریقہ التماس میں ایسا گداز جیسے کوئی گدائے بے نوا سلطانِ السلاطین کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرضِ مدعا کر رہا ہو۔

امت کے لیے اس سے بہتر نسخہ شفا و دعا اور تربیتِ قوم کے لیے اس سے بالاتر اندازِ بیانِ مدعا ممکن نہیں ہے۔ ربِ کریم جلا اہلِ ایمان کو توفیق دے کہ میدانِ عرفات میں حاضر ہو کر یا کم سے کم روزِ عرفہ اس دعا کی تلاوت کا شرف حاصل کریں۔

جوادی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ساری تعریف اس خدا کے لیے ہے کہ جو بے طلب عطا کرنے والا اور بے پایاں کرم کا مالک ہے۔ نہ کوئی اس کے فیصلے کو ٹوک سکتا ہے نہ کوئی اس کی عطا کو روک سکتا ہے اور نہ اس کی سبھی کوئی نے ایجاد کر سکتا ہے۔

اس نے بے مثال چیزیں ایجاد کی ہیں اور اپنی حکمتِ کاملہ سے ہر ضعیف کو حکم بنایا ہے۔ زمانہ کی ایجادات اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں اور انہیں اس کی بارگاہ میں ضائع نہیں ہوتیں۔

ہر عمل کرنے والے کو جزا دینے والا، ہر تقصیر کرنے والے کو صلہ عطا کرنے والا اور ہر فریاد کرنے والے پر رحم کھانے والا ہے۔ منافع کا نازل کرنے والا اور روشن و تابناک نور کے ساتھ کتابِ جامع کا اتارنے والا ہے۔

ہر ایک کی دعا سننے والا، ہر ایک کے رنج کا دفع کرنے والا، درجات کا بلند کرنے والا اور بتاروں کا قلع قمع کرنے والا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے، اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے، وہ بے مثال اور ہر ایک کی سننے والا، ہر چیز کا دیکھنے والا اور ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

خدا یا! میں تیری طرف متوجہ ہوں اور تیری ربوبیت کی گواہی دیتا ہوں۔ مجھے اقرار ہے کہ تو میرا پروردگار ہے۔ تیری بارگاہ میں مجھے پلٹ کر آنا ہے۔

تو نے مجھ پر اس وقت سے انعامات شروع کیے ہیں جب میں کوئی قابلِ ذکر شے نہ تھا۔ مجھے خاک سے پیدا کیا، مختلف صلیبوں سے گزارا، زمانے کے حوادث، دہر کے اختلافات، ہفت سال کے تغیرات و انقلابات سے محفوظ رکھا۔

میرا سفر ایک مدت تک اصحاب سے ارحام کی طرف جاری رہا اور آخر میں یہ تیرا کرم ہوا کہ

تو نے اس دنیا میں بھیج دیا لیکن اپنے کمال رحم و کرم اور تمام لطف و احسان کی بنا پر ان سوال بانگ کی حکومت میں نہیں بھیجا جنہوں نے تیرے عہد کو توڑا اور تیرے اصولوں کو چھٹلایا بلکہ اس ماحول میں بھیجا جہاں آسان ہدایت کے انتظامات تھے اور پھر اسی میں میری نشوونما کا انتظام کیا۔

اس خلقت و تربیت سے پہلے بھی تیرا بہترین برتاؤ اور کامل ترین انعام یہ تھا کہ تو نے ایک قطرہ نجس سے مجھے بنایا اور عجیب تر بنایا۔ گوشت، خون اور کھال کے درمیان تین تین ہڈوں میں رکھا اور خود مجھے بھی میری خلقت سے آگاہ نہ کیا۔ میرے معاملات کو اپنے ہاتھوں میں رکھا اور مجھے میرے حال پر نہیں چھوڑ دیا۔

اب جو تو نے دنیا میں بھیجا تو ہدایت و رہنمائی کے سارے انتظامات کے ساتھ مکمل برابر اور کامل الخلق پیدا کیا۔ میں گوارہ میں پھر رہا تو تو نے حفاظت کا انتظام کیا۔ غذا کے لیے تازہ دودھ فراہم کیا۔ پالنے والی عورتوں کو مہربان بنا دیا۔ رحم دل ماؤں کو کفیل اور نگراں بنا دیا۔ جنات کے آسیب سے محفوظ رکھا۔ زیادتی اور کمی سے بچائے رکھا۔ بے شک اسے خدا نے رحم و کرم تیری، سستی بہت بلند و برتر ہے۔

اس کے بعد جب میں بولنے کے لائق ہوا تو تو نے اور مکمل نعمتیں دیں اور تربیت کے ذریعہ ہر سال مجھے آگے بڑھایا یہاں تک کہ جب میری نظرت کامل ہو گئی اور میرے قوی مضبوط ہو گئے تو تو نے اپنی جنت کو لازم قرار دے دیا۔ مجھے معرفت کا الہام کیا، اپنی حکمت کے عجائبات سے مہوش بنا دیا اور زمین و آسمان کی عجیب ترین مخلوقات کے سمجھنے کے لیے مجھے بیدار مغز بنا دیا اور پھر اپنی یاد، اپنے شکر اور اپنی اطاعت و عبادت کے لیے ہوشیار کر دیا۔ اتنی صلاحیت دی کہ رسولوں کے پیغام کو سمجھ سکوں۔ اتنی آسانی فراہم کی کہ تیری مرضی کی باتوں کو قبول کر سکوں، اور پھر ان سب مواقع پر اپنی مدد اور اپنے لطف و کرم و احسان سے محروم نہیں رکھا۔ مجھے بہترین مٹی سے پیدا کیا اور پھر اسی ایک نعمت پر اکتفا نہیں کی بلکہ طرح طرح کی غذا میں دیں، قسم قسم کے لباس دیے تیرا احسان میرے اوپر عظیم اور تیرا لطف قدیم ہے۔

پھر جب ساری نعمتوں کو مکمل کر دیا اور ساری بلاؤں کو دفع کر دیا تو بھی میری جہالت اور ذہنی جسارت مجھے کرم سے روک نہیں سکی اور تو نے اس راستہ کی رہنمائی کی جو تجھ سے قریب تر بنا سکے،

ان اعمال کی توفیق دی جو تیری بارگاہ میں تقرب کا باعث بن سکیں۔

اب بھی جب میں دعا کرتا ہوں تو قبول کر لیتا ہے اور جب سوال کرتا ہوں تو عطا کر دیتا ہے، جب اطاعت کرتا ہوں تو شکر یہ ادا کرتا ہے اور جب شکر یہ ادا کرتا ہوں تو مزید دے دیتا ہے۔ یہ سب درحقیقت تیرے احسانات و انعامات کی تکمیل ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

تو پاک بے نیاز، پیدا کرنے والا، واپس لے جانے والا، قابلِ حمد و ثنا اور مالکِ مجد و بزرگی ہے۔ تیرے نام پاکیزہ اور تیری نعمتیں عظیم ہیں۔

خدا یا! یہی تیری کن کن نعمتوں کو شمار کروں اور کسے کسے یاد رکھ سکوں تیرے کس کس عطیہ کا شکر یہ ادا کروں جب کہ ساری نعمتیں بڑے بڑے شمار کرنے والوں کے احصاء سے بالاتر اور بڑے بڑے حافظہ والوں کے علم کی رسائی سے بلند تر ہیں۔ اس کے علاوہ جن نقصانات، مصائب اور بلاؤں کو تو نے مالا ہے وہ اُس عافیت و دسترس سے کہیں زیادہ اہم ہیں جن کا میں نے مشاہدہ کیا ہے اور جو میری نگاہوں کے سامنے ہیں۔

پروردگار! میں اپنے ایمان کی حقیقت، اپنے یقینِ محکم، اپنی خالص اور واضح توحید، ضمیر کے پوشیدہ اسرار، نورِ بصارت کی گزرگاہوں، صفحہ پستانی کے خطوط، سانس کے گزرنے کے شگاف، قوتِ شامر کے خزانوں، قوتِ سماعت تک آواز پہنچنے کے سوراخوں، ہونٹوں کے اندر رہے ہوئے رموز، زبان کی حرکت سے نکلے ہوئے الفاظ، دہن کے اوپر اور نیچے کے جڑوں کے ارتباط کی جگہوں، دائرہ کے اُگنے کے مقامات، کھانے پینے کی سہولت کے واسطے، کارسرو کو سنبھالنے والے استخوان، گردن کے اعصاب کے ارتباط کی دستوں، سینہ کی فضاؤں، گردن کے رشتوں کو سنبھالنے والے اعصاب، قلب کے پردہ کو روکنے والے ڈورے، بگڑے ہوئے ٹکڑوں کو جمع کرنے والے اجزاء، پہلو، جوڑ بند، قوائے عمل، اطراف انگشت کے ممتویات و خشکات، گوشت، خون، بال، کھال، اعصاب، شرابین، استخوان، مغز، رگیں، جوارح اور دورانِ رضاعت و شیر خواری مرتب ہونے والے اجزاء بدن اور زمین نے جو میرے وجود کا پار اٹھا رکھا ہے اور اپنی نیند، بیداری، حرکات و سکنات، رکوع و سجود سب کے حوالے سے اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اگر میں ارادہ بھی کروں اور کوشش بھی کروں کہ آخر زمانہ

نیک زندہ رہ کر تیری کسی ایک نعمت کا شکر یہ ادا کروں تو یہ ناممکن ہے۔ مگر یہ کثیر احسان ہی شامل حال ہو جائے۔ مگر وہ خود بھی تو ایک شکر یہ کا طلبگار ہے۔ میرے اوپر ہر وقت ایک نیا احسان ہے اور جس سے ہر آن ایک نئے شکر یہ کا تقاضہ پیدا ہوتا ہے۔

بے شک میں کیا اگر میرے ساتھ تمام شمار کرنے والے انسان شریک ہو کر تیرے جدید و قدیم احسانات کی انتہا دریافت کرنا چاہیں تو ہرگز نہیں کر سکتے اور انہیں شمار کر سکتے ہیں۔ اور یہ ممکن بھی کس طرح ہو گا جب کہ تو نے خود اپنی کتاب ناطق اور خبر صادق کے ذریعہ یہ اعلان کر دیا ہے کہ:

”اگر تم سب مل کر بھی میری نعمتوں کو شمار کرنا چاہو گے تو نہیں کر سکتے ہو۔“

بے شک تیری کتاب صادق، تیری خبر سچی اور تیرا بیان حق ہے۔ تیرے انبیاء و مرسلین نے تیری وحی اور شریعت کو مکمل طریقہ سے پہنچایا ہے اور میں خود بھی اپنی کوشش بہمت حد اطاعت اور وسعت و امکان بھر اس بات کی گواہی دیتا ہوں اور اس پر اپنے ایمان و یقین کا اعلان کرتا ہوں کہ ساری تعریف اس خدا کے لیے ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں ہے کہ اس کی میراث کا مالک ہو جائے۔ کوئی شریک نہیں ہے کہ ایجادات میں جھگڑا کرے، کوئی دلی دست پرست نہیں ہے کہ صنعت میں تعاون کرے۔ وہ پاک و پاکیزہ اور بے نیاز ہے۔ اگر زمین و آسمان میں اس کے علاوہ کوئی بھی خدا ہوتا تو زمین و آسمان دونوں برباد ہو جاتے اور ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جاتے۔

وہ پاک و بے نیاز، ایک، اکیلا اور سب سے مستغنی ہے۔ اس کا کوئی باپ ہے، نہ بیٹا اور نہ ہمسر۔

میں اس کی اس حمد کا اعلان کرتا ہوں جو ملائکہ مقربین اور انبیاء و مرسلین کی حمد کے برابر ہو۔ خدا خیر المرسلین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ اور ان کی آل طیبین و طاہرین پر رحمتیں نازل فرمائے۔

خدا یا! مجھے ایسا بنائے کہ میں تجھ سے اس طرح ڈروں جیسے تجھے دیکھ رہا ہوں۔ اپنے تقویٰ سے میری امداد فرما اور مصیبت سے مجھے شقی اور بدبخت نہ بنا دینا، اپنے فیصلہ کو میرے

حق میں بہتر قرار دے اور اپنے مقدرات کو میرے لیے مبارک بنائے تاکہ جس چیز کو تو نے درمیں رکھا ہے اس کی جلدی نہ کروں اور جس چیز کو مقدم کر دیا ہے اس کی تاخیر نہ پا ہوں۔

خدا یا! مجھے دل کا غمی بنا دے۔ میرے نفس میں یقین، عمل میں اخلاص، بصارت میں نور اور دین میں بصیرت عطا فرما، میرے لیے اعفاد و جوارح کو مفید قرار دیدے اور سماعت و بصارت کو میرا وارث بنا دے، ظلم کرنے والوں کے مقابلہ میں میری مدد فرما اور ان سے میرا انتقام میری نظروں کے سامنے لے لے تاکہ میری آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہو۔

خدا یا! میرے رنج کو دور فرما، میرے غمی امور کی پردہ پوشی فرما، میری خطاؤں کو بخش لے، شیطان کو مجھ سے دور رکھ، میری گرفتاریوں میں رہائی عطا فرما اور دنیا و آخرت میں مجھے بلند ترین درجات پر فائز فرما۔

خدا یا! تیرا شکر کہ تو نے پیدا کیا، تو سماعت و بصارت سمیت پیدا کیا۔ تیرا شکر کہ تو نے خلق کیا تو تمام و کامل خلق کیا۔

یہ صرف تیری رحمت ہے ورنہ تو میری تخلیق سے بے نیاز تھا۔
خدا یا! جس طرح تو نے تخلیق میں خلقت کو معتدل بنایا ہے اور تصویر میں صورت کو حسین اور متناسب بنایا ہے مجھ پر احسان کر کے میرے نفس میں مافیت عطا کی ہے مجھے محفوظ رکھا ہے۔ اور توفیق کرامت فرمائی ہے، مجھ پر انعام کیا ہے اور مجھے ہدایت دی ہے، مجھے احسان کے قابل بنایا ہے اور ہر خیر کا ایک حصہ عطا کیا ہے، مجھے کھانا کھلایا ہے اور پانی پلایا ہے، مجھے بے نیاز بنایا ہے اور سرمایہ و عزت عطا کی ہے۔ میری مدد کی ہے اور مجھے معزز بنایا ہے۔ مجھے اپنی خاص کرامت سے ستر پوشی کرنے والا لباس دیا ہے اور اپنی مخصوص رحمت سے مشکلات کو آسان بنایا ہے۔

خدا یا! تو اب محمد و آل محمد پر رحمت نازل فرما اور زمانہ کے مہلکات اور روز و شب کے تفرقات کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔ دنیا کے ہولناک مواقع اور آخرت کے رنج افزا مراحل سے نجات عطا فرما اور روئے زمین کے ظالموں کی تدبیروں سے محفوظ فرما۔

خدا یا! جس چیز کا مجھے خون ہے اس کے لیے کفایت فرما اور جس چیز سے پرہیز کرتا ہوں،

اس سے بچلے۔ میرے نفس اور دین میں میری حراست فرما اور میرے سفر میں میری حفاظت فرما، اہل و مال کی کمی کو پوری فرما، اور جو رزق تو نے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما۔ مجھے جو خیر نزدیک ذلیل بنا لے اور لوگوں کی نگاہوں میں صاحب عزت قرار دے، جن و انس کے شر سے صبح و سالم رکھنا اور گناہوں کی بنا پر مجھے رسوا نہ کرنا، میرے امرا کو بے نقاب نہ فرمانا اور میرے اعمال میں مجھے مبتلا نہ کرنا، جو نعمتیں دے دی ہیں انھیں واپس نہ لینا اور اپنے علاوہ کسی غیر کے حوالہ نہ کر دینا۔
خدا یا! تو مجھے اپنے علاوہ کس کے حوالے کرے گا؟ اقرباء کے حوالے کرے گا کہ قطعِ خلق کر لیں۔ یا دور والوں کے سپرد کرے گا کہ حملہ آور ہو جائیں۔ یا مجھے کمزور بنا دینے والوں کے حوالے کرے گا جب کہ تو ہی میرا رب اور میرے امور کا مالک ہے۔
خدا یا۔ میں تجھ سے اپنی غربت، وطن سے دوری اور صاحبان اختیار کی نگاہوں میں اپنی ذلت کی فریاد کرتا ہوں۔

خدا یا! مجھ پر اپنا غضب نازل نہ فرمانا کہ تو نے غضب سے آزاد کر دیا تو مجھے کسی کی پرداہ نہیں ہے۔ تو پاک بے نیاز ہے اور تیری عافیت میرے لیے بہت وسیع ہے۔
پروردگار! میں تیرے رونے روشن کے واسطے جس نے زمین و آسمان کو نور کر دیا ہے اور ظلمتوں کو کافور بنا دیا ہے اور اولین و آخرین کے امور کی اصلاح کر دی ہے۔ یہ سوال کرتا ہوں کہ میری موت تیرے غضب کے عالم میں نہ ہو اور مجھ پر تیری ناراضگی کا نزول نہ ہو۔ میں بار بار گزارش کرتا ہوں کہ عذاب نازل ہونے سے پہلے مجھ سے راضی ہو جا اور اپنی ناراضگی کو لطفِ کرم میں تبدیل کر دے تیرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔ تو شہرِ محرم، شعرِ الحرام اور اس عذاب سے آزاد کرانے والے قدم ترین گھر کا مالک ہے جسے تو نے برکتوں سے بھر دیا ہے اور لوگوں کے لیے جائے امن بنا دیا ہے۔

اے خدا! جس نے اپنے علم سے عظیم ترین گناہوں کو معاف کیا ہے اور اپنے فضلِ کرم سے مکمل ترین نعمتیں عطا کی ہیں۔

اے خدا! جس نے اپنے کرم سے بہت کچھ عطا فرمایا ہے۔ اے شدتوں کے لیے ذخیرہٴ بندگان! تنہائیوں کے ساتھی رنج و غم کے فریاد رس، نعمتوں کے مالک! میرے اور میرے

بزرگانِ خاندانِ ابراہیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب کے مالک! اجریل و میکائیل و اسرافیل اور خاتم النبیین محمد مصطفیٰ اور ان کی آلِ طیبین و ظاہرین کے پروردگار! توحید و انجیل و زبور و قرآن کے نازل کرنے والے! کھلیعص و طہ و یسین اور قرآن حکیم کے عرضِ عظیم سے اتارنے والے! تو اس وقت بھی میری پناہ گاہ ہے جب وسیع ترین راستے بھی مشکل ہو جائیں اور بے پناہ وسعتیں رکھنے والی زمین بھی تنگ ہو جائے۔

تیری رحمت نہ ہوتی تو میں ہلاک ہو جاتا کہ تو گرتے ہوئے کو سہارا دینے والا ہے، تیری پردہ پوشی نہ ہوتی تو میں رسوا ہو جاتا کہ تو دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کرنے والا ہے اور تیری کمک نہ ہوتی تو میں بالکل مغلوب ہو جاتا۔

اے وہ خدا! جس نے بلندی اور رفعت کو اپنے لیے مخصوص رکھا ہے اور چاہنے والے اسی کی عزت سے صاحبِ عزت بنے ہوئے ہیں۔

اے وہ خدا! جس کے سامنے بادشاہوں نے ذلت اور خاکساری کا طوق اپنی گردن میں ڈال رکھا ہے اور وہ اس کی بیست سے لرزہ بر اندام ہیں۔

وہ آنکھوں کے خیانت کار اشاروں اور دل کے ہر رنگ رازوں سے باخبر ہے اور اسے آنے والے زمانوں کے تمام حالات و کیفیات کی اطلاع ہے۔

اے وہ خدا! جس کے بارے میں کسی کو نہیں معلوم کہ وہ کیا ہے اور کیا ہے کہ اس کا علم صرف اسی کے پاس ہے۔

اے زمین کو پانی پر روکنے والے اور ہوا کے راستوں کو آسمانوں سے بند کرنے والے! اے وہ خدا جس کے نام بزرگ ترین ہیں اور جس کی نیکیاں ختم ہونے والی نہیں ہیں۔

اے صحرائے بے آب و گیاہ میں یوسفؑ کے لیے قافلے کے روکنے والے! اور انھیں کنوئیں سے نکال کر غلامی کی کیفیت سے بادشاہت تک پہنچانے والے! اے قدرتِ گریہ سے آنکھوں کے سفید ہو جانے کے بعد انھیں یعقوبؑ تک پلٹا دینے والے!

اے ایوبؑ کی بلاؤں اور مصیبتوں کے دور کرنے والے! اور اے ابراہیمؑ کی ضعیفی میں ان کا ہاتھ پکڑ کر بیٹے کے ذبح کے استحسان سے روکنے والے!

اے زکریا کی دعا کو قبول کر کے بھیجی جیسا فرزند عطا کرنے والے اور انھیں تہنائی اور لادارٹی کی مصیبت سے بچانے والے!
اے یونس کو شکم ماری سے نکالنے والے!
اے سینہ سمندر کو چاک کر کے بنی اسرائیل کو نجات دلانے والے اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دینے والے!

اے اپنی رحمت خاص سے ہواؤں کو خوش گوار موسم کی بشارت سے کر بیچنے والے!
اے اپنی گناہ گار مخلوقات پر جلدی عذاب نہ کرنے والے! اور موسیٰ کے مقابلہ میں آنے والے جادو گروں کو عذاب سے بچالینے والے! جب کہ انھوں نے بہت دنوں تک اتنی کا انکار کیا تھا اور رزق خدا کھا کر غیر خدا کی عبادت کی تھی اور اس کے رسولوں کی تکذیب کے ان سے برسوں بیکار رہ چکے تھے۔

اے اللہ! اے اللہ! اے بے مثل ایجاد کرنے والے اور بے مثال پیدا کرنے والے! تیرا کوئی جواب نہیں ہے اور تو ہمیشہ سے ہے، تجھے فنا نہیں ہے تو اس وقت بھی زندہ رہنے والا ہے جب کوئی ذی حیات نہ رہ جائے۔ اے مردوں کو زندہ کرنے والے اور ہر نفس کے اعمال و افعال کی نگرانی کرنے والے!

اے وہ خدا! جس کا شکر یہ میں نے بہت کم ادا کیا ہے لیکن اس نے نعمتوں سے محروم نہیں رکھا ہے۔ میری خطائیں بہت عظیم رہی ہیں لیکن اس نے رُسوا نہیں کیا ہے مجھے گناہ کرتے ہوئے دیکھا ہے اور اسے شہور نہیں کیا ہے۔ اس نے بچنے میں بھی میری حفاظت کی ہے اور ضعیفی میں بھی مجھے رزق دیا ہے۔

اے وہ خدا! جس کی نعمتیں میرے پاس بے شمار ہیں اور اس کے الطاف و مکارم ناقابلِ معاوضہ ہیں۔

اے وہ خدا! جس نے میرا سناخیر و احسان کے ساتھ کیا ہے جب کہ میں نے اس کا مقابلہ بُرائی اور عصیان سے کیا ہے۔

اے وہ خدا! جسے میں نے حالتِ مرض میں پکارا تو شفا دے دی، برہنگی میں آواز دی

تو لباس عطا فرما دیا، بھوک میں پکارا تو غذا دے دی، پیاس میں فریاد کی تو پانی پلا دیا، ذلت میں پکارا تو عزت دے دی، جہالت میں پکارا تو معرفت دے دی، اکیلے میں آواز دی تو کثرت دے دی، غائب کے بارے میں التماس کی تو واپس پھونچا دیا، غربت میں فریاد کی تو غنی بنا دیا، ظلم کے مقابلہ میں لگ لگائی تو عطا فرمادی، مالدار ی میں پکارا تو نعمت واپس نہیں لی اور کچھ نہ ہانکا تو از خود عطا کر دیا۔

اے وہ خدا! جس نے لغزشوں میں سہارا دیا، رنج و غم سے نجات دی، دعا کو قبول کیا، غنی امور کی پردہ پوشی کی، گناہوں کو معاف کیا، مقصد کو پورا کیا، دشمنوں کے مقابلہ میں میری مدد کی۔ میں تیری نعمتوں، تیرے احسانات اور تیری عظیم بخششوں کو شمار کرنا بھی چاہوں تو ہرگز شمار نہیں کر سکتا۔

تو ہی وہ ہے جس نے احسان کیا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے انعام دیا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے لطف و فضل کیا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے بہترین بنا دیا کیا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے فضل و کرم کیا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے کامل نعمتیں عطا کی ہیں۔

تو ہی وہ ہے جس نے رزق دیا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے توفیق دیا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے عطا کیا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے غنی بنایا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے مستحب نعمتیں عطا کیں۔ تو ہی وہ ہے جس نے پناہ دی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے کفایت کی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے ہدایت کی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے محفوظ رکھا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے پردہ پوشی کی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے معرفت کی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے لغزشوں میں سہارا دیا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے طاقت دی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے عزت دی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے امداد کی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے زور بازو عطا کیا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے تائید کی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے نصرت کی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے شفا دی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے عافیت دی ہے۔ اور تو ہی وہ ہے جس نے بزرگی عطا کی ہے۔

تو صاحبِ برکت و عظمت ہے، تیری حمد ہمیشہ ہمیش کے لیے ہے اور تیرا شکر بے حساب و بے نہایت ہے۔ اب اس کے بعد میرا حال زار ہے کہ میں وہ بندہ گناہ گار ہوں جسے اپنے

گناہوں کا اقرار اور اپنی خطاؤں کا اعتراف ہے۔ میں ہی وہ ہوں جس نے بُرائیاں کی ہیں۔ میں ہی وہ ہوں جس نے خطائیں کی ہیں۔ میں ہی وہ ہوں جس نے گناہوں کا ارادہ کیا ہے۔ میں ہی وہ ہوں جس نے جہالت سے کام لیا ہے۔ میں ہی وہ ہوں جس نے غفلت رتی ہے۔ میں ہی وہ ہوں جس کو سبوسنیاں عارض ہوئے۔ میں ہی وہ ہوں جس نے قصداً گناہ کیے ہیں۔ میں ہی وہ ہوں جس نے جان و جگر غلط اقدامات کیے ہیں۔ میں ہی وہ ہوں جس نے بے شمار وعدے کیے ہیں۔ میں ہی وہ ہوں جس نے وعدہ خلافی کی ہے۔ میں ہی وہ ہوں جس نے ہمدوں کو توڑا ہے۔ میں ہی وہ ہوں جس نے بُرائیوں کا اقرار کیا ہے۔ میں ہی وہ ہوں جس نے اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ نعمتیں مجھ پر نازل ہوتی رہی ہیں اور اب بھی میرے پاس ہیں لیکن میں برابر گناہوں میں مبتلا رہا ہوں۔

پروردگار! مجھے معاف فرما دے کہ مجھ جیسے بندوں کے گناہوں سے تیرا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ تو ہر ایک کی عبادت سے بے نیاز ہے اور ہر نیک عمل کرنے والے کو اپنی توفیق و تائید سے بہارا بھی دیتا رہتا ہے۔ میرے مالک اور میرے پروردگار! ساری حمد تیرے لیے ہے۔ خدایا! تو نے مجھے حکم دیا ہے تو میں نے سزا ہی کی ہے اور منع کیا ہے تو میں نے اطاعت نہیں کی ہے۔ اب میرے پاس برائت کے لیے کوئی عذر نہیں ہے اور عذاب کو دفع کرنے کے لیے کوئی صاحب طاقت بھی نہیں ہے۔ میں کس طرح تیرا سامنا کروں اور کس کے سہارے تیری بارگاہ میں حاضر ہوں۔ اس سماعت کے سہارے یا اس بصارت کے ذریعہ۔ اس زبان کے سہارے یا اس دل کے سہارے۔ اس ہاتھ کے وسیلے سے یا ان پیروں کے سہارے سے؟ یہ سب ہی تو تیری نعمتیں ہیں اور ان سب ہی سے تو میں نے تیری معصیت کی ہے۔ یہ سب ہی تو میرے غلات تیری نعمتیں اور دلیلیں ہیں۔ میرے پروردگار! جس نے میری بُرائیوں کو میرے ماں باپ سے بھی مخفی رکھا ہے اور انھیں جھانکنے نہیں دیا ہے۔ عشیرہ و قبیلے سے مخفی رکھا ہے اور انھیں سرزنش نہیں کرنے دیا ہے۔ حکام و سلاطین سے پوشیدہ رکھا ہے اور انھیں سزا نہیں دینے دی ہے۔ جب کہ یہ سب تیری طرح ساری حرکتوں پر مطلع ہوتے تو ایک لمحوں کی بھی ہمت نہ دیتے اور مجھے بالکل نظر انداز کر دیتے بلکہ مجھ سے تعلق کر لیتے۔

اب میں تیری بارگاہ میں حضور و خشیوع، تواضع و انکسار اور اپنی حقارت و ذلت کے

ساتھ حاضر ہوں نہ برائت ذمہ کے لیے کوئی عذر رکھتا ہوں اور نہ گناہوں سے بچانے والا کوئی طاقتور سہارا۔ نہ میرے پاس کوئی دلیل ہے جس سے استدلال کروں اور نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ گناہ میں نے نہیں کیا ہے یا یہ بُرائی مجھ سے نہیں ہوئی ہے۔ میں تو انکار بھی نہیں کر سکتا ہوں اور انکار کروں بھی تو کیا فائدہ ہوگا جب کہ سارے اعضاء و جوارح میرے خلاف گواہی دینے کے لیے تیار ہیں اور مجھے خود بھی اس بات کا یقین ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تو ان بڑے بڑے امور کے بارے میں سوال ضرور کرے گا اور تو حاکم عادل ہے تیرے یہاں ظلم کا گز نہیں ہے لیکن خدایا میرے لیے تو انصاف و عدل بھی تباہ کن ہے۔ میں تو تیرے عدل و انصاف سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں اور صرف فضل و کرم کا معاملہ چاہتا ہوں۔

میرے پروردگار! تو اگر عذاب بھی کرے گا تو یہ میرے گناہوں کا نتیجہ ہوگا تو تیری رحمت تمام ہو چکی ہے اور تو معاف بھی کر دے گا تو یہ تیرے علم و وجود و کرم کا نتیجہ ہوگا۔ کترے عطاوہ کوئی عدا نہیں ہے۔ تو پاک اور بے نیاز ہے اور میں ظلم کرنے والوں میں ہوں۔

تو اکیلا اور بے نیاز ہے اور میں استغفار کرنے والوں میں ہوں۔ تو اکیلا اور بے نیاز ہے اور میں توحید کا کلمہ بڑھنے والوں میں ہوں۔ تو اکیلا اور بے نیاز ہے اور میں توحید اور بے نیاز ہے اور میں امید داروں میں ہوں۔ تو اکیلا اور بے نیاز ہے اور میں رخصت رکھنے والوں میں ہوں۔ تو اکیلا اور بے نیاز ہے اور میں تیری وحدانیت کا اقرار کرنے والوں میں ہوں۔ تو اکیلا اور بے نیاز ہے اور میں تیری بزرگی کا اعتراف کرنے والوں میں ہوں۔ تو اکیلا اور بے نیاز ہے اور میرا اور میرے آباء و اجداد سب کا پروردگار بھی ہے۔

پروردگار! یہ میری حمد و ثنا تیری بزرگی کے اقرار کے ساتھ ہے۔ اور یہ میرا اظہارِ مذکر تیری توحید کے اعتراف کے ہمراہ ہے۔ میں تیری نعمتوں کا ایک ایک کر کے اقرار کرتا ہوں اور پھر یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ کوئی انھیں شمار نہیں کر سکتا۔ وہ جو بے حساب اور بے نہایت ہے شمار ہیں۔ تمام و کامل بھی ہیں اور واضح و روشن اور قدیم و جدید بھی۔

تیری نعمتوں کا سلسلہ روز ازل سے جاری ہے۔ جس دن سے تو نے مجھے خلق کیا اور میری زندگی کا آغاز کیا۔ وہ نعمتیں یہ ہیں کہ تو نے فقیری میں بے نیازی دی ہے، نقصانات کو رفع کیا ہے۔ سہولتوں کے انتظامات کیے ہیں، سختیوں کو دور کیا ہے، رنج و اہم کو برطرف کیا ہے، بدن میں عافیت دی ہے، دین میں سلامتی دی ہے۔ اور یہ نعمتیں اس قدر سے جتنی ہیں کہ اگر اولین و آخرین مل کر میری مدد کریں اور میں ان کا حساب کرنا چاہوں تو نہیں کر سکتا اور نہ وہی سب کر سکتے ہیں۔ تو پاک و پاکیزہ اور بلند و برتر ہے۔ تو رب کریم و عظیم و رحیم ہے اور تیری نعمتوں کا شمار نہیں ہے۔ تیری حمد و ثنا کی منزل تک کوئی پہنچ نہیں سکتا اور تیری نعمتوں کا بدلہ ممکن نہیں ہے۔

پروردگار! محمد و آل محمد پر رحمت نازل فرما اور میرے اوپر اپنی نعمتوں کو مکمل کر دے اور اپنی اطاعت سے نیک بخت بنا دے کہ تو پاک مہربان اور وحدہ لا شریک ہے۔

خدایا! تو مضطر لوگوں کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے، بُرائیوں کو دفع کرتا ہے، تم سیدہ کی فریاد رسی کرتا ہے، بیماروں کو شفا دیتا ہے، فقیروں کو غنی بناتا ہے، دل شکستہ کے دل کو جوڑ دیتا ہے، بچوں پر رحم کرتا ہے، بڑوں کو مدد دیتا ہے، پوچھتا ہے۔ تیرے علاوہ کوئی مددگار نہیں ہے اور تجھ سے بالاتر کوئی صاحب طاقت نہیں ہے۔ تو خدائے علی و کبیر ہے۔

اے پابستہ زنجیر اسیروں کو رہائی دلانے والے! اے کس بچوں کو درازی دینے والے! اے خوف زدہ طالبانِ پناہ کو پناہ دینے والے! اے وہ خدا جس کا کوئی شریک اور وزیر نہیں ہے۔ محمد و آل محمد پر رحمت نازل فرما اور آج کی شام مجھے وہ سب کچھ عطا فرما دے جو تو نے کبھی بھی نیک بندے کو عطا کیا ہے۔ ظاہری نعمتوں کا تسلسل۔ باطنی نعمتوں کی تجدید۔ بلاؤں سے نجات، رنج و غم کا دفعیہ۔ دعاؤں کی استجابت، نیکیوں کی قبولیت، بُرائیوں کی پردہ پوشی وغیرہ۔ تو لطیف بھی ہے اور خیر بھی۔ اور ہر شے پر قادر و قادر بھی۔

خدایا! جس جس کو پکارا جاتا ہے ان میں تو سب سے زیادہ قریب ہے اور جو بھی نیک کہنے والا ہے ان میں تو سب سے جلدی قبول کرنے والا ہے۔ ہر معاف کرنے والے سے زیادہ کریم اور ہر عطا کرنے والے سے زیادہ بخشش والا ہے۔ ہر مشغول سے زیادہ سننے والا ہے۔

اور دنیا و آخرت کے لیے رحمان و رحیم ہے۔ تیرا جیسا کوئی قابل سوال نہیں ہے اور تیرے علاوہ کوئی امیدوں کا مرکز نہیں ہے۔ میں نے تجھے پکارا تو تو نے قبول کیا۔ تجھ سے مانگا تو تو نے عطا کر دیا۔ تیری طرف رغبت کی تو تو نے رحم کیا اور تجھ پر بھروسہ کیا تو تو نے نجات عطا کر دی، تیری پناہ مانگی تو اکیلا ہی کافی ہو گیا۔

خدایا! اپنے بندے اپنے رسول و نبی حضرت محمد مصطفیٰؐ اور ان کی آلِ طیبینؑ کا ہر نیک عمل پر رحمت نازل فرما، اور ہمارے لیے اپنی نعمتوں کو مکمل فرما دے، ہر عطا کو خوش گو اور ہمارے اور ہمارا نام شکر گزاروں میں اور نعمتوں کو یاد رکھنے والوں میں درج فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

خدایا۔ اے وہ پروردگار جس کی ملکیت کے ساتھ اختیارات بھی ہیں۔ اور جس کے اختیارات کے ساتھ قہاری بھی ہے۔ جس نے عاصیوں کی پردہ پوشی کی ہے، استغفار کرنے والوں کو معاف کیا ہے۔ اے طلب گاروں اور رغبت کرنے والوں کی منزلِ آخر۔ امیدواروں کی امیدوں کی آماجگاہ، ہر شے پر علیٰ اعلا رکھنے والے اور غمخواروں پر برافراحت و رحمت و تحمل کا مظاہرہ کرنے والے! خدایا! ہم اس شام کے وقت تیری طرف متوجہ ہیں جسے تو نے با شرف و با عظمت قرار دیا ہے۔ ہمارا وسیلہ تیرا رسول۔ تیری مخلوقات کا منتخب ترین بندہ۔ تیری وحی کا امین۔ تیرے ثواب کی بشارت دینے والا۔ تیرے عذاب سے ڈرانے والا اور روشن چراغ پیغمبر ہے جس کے ذریعہ تو نے مسلمان بندوں پر انعام کیا ہے اور اسے عالمین کے لیے رحمت قرار دیا ہے۔

خدایا! محمد و آل محمد پر دینی رحمت نازل فرما جس کے وہ اہل ہیں۔ اے خدائے عظیم! حضرت محمدؐ اور ان کی آلِ طیبینؑ و طاہرینؑ پر رحمت نازل فرما اور اپنی معافی اور مغفرت کے ذریعہ ہمارے گناہوں کی پردہ پوشی فرما۔

تیری طرف مختلف زبانوں میں آوازیں اور فریادیں بلند ہیں لہذا آج کی شام مجھے ہر اس نعمت میں حمد و ثناء قرار دیدے جسے تو اپنے بندوں پر تقسیم کر رہا ہے اور جس نور سے ہدایت کر رہا ہے اور جس رحمت کو نشر کر رہا ہے اور جس برکت کو نازل کر رہا ہے اور جس لباس عافیت سے پردہ پوشی کر رہا ہے اور جس رزق میں وسعت ہے رہا ہے۔ اے تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحیم کرنے والے۔ خدایا! میں اس وقت واپس جاؤں تو کامیاب، نجات یافتہ، نیک عمل، بہرہ ور اور

اپنے علم کے باوجود جاہل ہوں تو جہالت میں کس طرح جاہل نہ ہوں گا۔

تیری تدبیروں کی نیرنگی اور تیرے مقدرات کی بسرعت تبدیلی نے تیرے با معرفت بندوں کو ان دونوں باتوں سے روک رکھا ہے کہ نہ کسی غلطی کی طرف سے بڑھکون بخونے پاتے ہیں اور نہ کسی ہلاکی و ہر سے مایوس ہونے پاتے ہیں۔

پروردگار۔! میری طرف سے وہ سب کچھ ہے جو میری ذلت و پستی کے مطابق ہے تو تیری طرف سے بھی وہ سب کچھ ہونا چاہیے جو تیرے رحم و کرم کے شایان شان ہے۔
خدا یا۔! تو نے اپنی تعریف لفظ لطیف و رؤف سے کی ہے اور میرے ضعف کے وجود سے پہلے سے اس کا مظاہرہ بھی کیا ہے۔ تو کیا اب ضعف کے ظاہر ہوجانے کے بعد اسے روک لئے گا۔

خدا یا۔! اگر مجھ سے نیکیوں کا ظہور ہو تو وہ تیرے کرم ہی کا نتیجہ ہے اور اگر برائیوں کا ظہور ہوں تو میرے اعمال کا نتیجہ ہیں اور ان پر تیری رحمت تام ہے
خدا یا۔! جب تو میرا کفیل ہے تو دوسرے کے حوالے کس طرح کرے گا؟ اور جب تو میرا مددگار ہے تو میں ذلت سے دوچار کس طرح ہوں گا؟ تو میرے حال پر مہربان ہے تو مایوس اور ناکام ہونے کی کیا وجہ ہے؟

اب میں اپنی فقیری ہی کو واسطہ قرار دیتا ہوں لیکن اسے کس طرح واسطہ قرار دوں، جس کے تیری بارگاہ تک پہنچنے کا سوال ہی نہیں ہے۔ میں اپنے حالات کا شکوہ کس طرح کروں کہ تو خود ہی بہتر جانتا ہے، اپنی زبان سے کس طرح ترجمانی کروں کہ سب تو تجھ پر خود ہی واضح اور روشن ہے۔ تو کیسے میری امیدوں کو ناامید کرے گا کہ وہ تیرے ہی کرم کی بارگاہ میں پیش کی گئی ہیں اور کیسے میرے حالات کی اصلاح نہیں کرے گا جب کہ ان کا قیام تیری ہی ذات سے وابستہ ہے۔

خدا یا۔! میری عظیم ترین جہالت کے باوجود تو کس قدر مہربان ہے اور میرے بدترین اعمال کے باوجود تو کس قدر رحیم و کریم ہے۔

خدا یا۔! تو کس قدر مجھ سے قریب ہے اور میں کس قدر تجھ سے دور ہوں۔ اور جب تو

اس قدر مہربان ہے تو اب کون درمیان میں حائل ہو سکتا ہے۔

خدا یا۔! آثار کے اختلاف اور زمانہ کے تغیرات سے میں صرف یہ سمجھا ہوں کہ تو ہر رنگ میں اپنے کو واضح کرنا چاہتا ہے کہ میں کسی طرح جاہل نہ رہ جاؤں اور بہر حال تجھے پہچان لوں۔
پروردگار! جب میری ذلت و خست میری زبان کو بند کرنا چاہتی ہے تو تیرا کرم تو تیری گائی پیدا کر دیتا ہے اور جب میرے حالات و کیفیات مجھے مایوس بنانا چاہتے ہیں تو تیرے احسانات پھر پُر امید بنا دیتے ہیں۔

خدا یا۔! میں جس کی نیکیاں بھی بُرائیوں جیسی ہیں۔ اس کی بُرائیوں کا کیا مال ہوگا، اور میں جس کی نگاہ کے حقائق بھی دعوے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے ہیں اس کے دعووں کی کیا حقیقت ہوگی۔

پروردگار! تیرے نافذ حکم اور تیری مہربان مشیت نے کسی کے لیے بولنے کا موقع نہیں چھوڑا، اور نہ کسی کو کسی حال پر ثابت رہنے دیا ہے۔ کتنی ہی مرتبہ میں نے اطاعت کی بنا رکھی اور حالات کو مضبوط بنایا لیکن تیرے عدل و انصاف نے میرے اعتماد کو منہدم کر دیا اور پھر فضل و کرم نے مجھے سہارا دے دیا۔

پروردگار! تجھے معلوم ہے کہ اگر فعل و عمل کے اعتبار سے میری اطاعت دائمی نہیں ہے تو عزم و جزم کے اعتبار سے بہر حال دائمی ہے۔ میری حالت تو یہ ہے کہ میں کس طرح عزم کروں جبکہ صاحب اقتدار اور طاہر تو ہے اور کس طرح عزم نہ کروں جب کہ حاکم و آمر بھی تو ہی ہے۔

خدا یا! آثار کائنات میں غور و فکر مجھے تیری ملاقات سے دور تر کیے جا رہے ہیں لہذا کسی ایسی خدمت کا سہارا دیدے کہ میں تیری بارگاہ میں پہنچ جاؤں۔ میں ان چیزوں کو کس طرح راہنما بناؤں جو خود ہی اپنے وجود میں تیری محتاج ہیں۔ کیا کسی شے کو تجھ سے زیادہ بھی ظہور حاصل ہے کہ وہ دلیل بن کر تجھے ظاہر کر سکے۔ تو کب ہم سے غائب رہا ہے کہ تیرے لیے کسی دلیل اور پہنچائی کی ضرورت ہو اور کب ہم سے دور رہا ہے کہ آثار تیری بارگاہ تک پہنچانے کا ذریعہ نہیں۔ وہ آنکھیں انجمی ہیں تو تجھے اپنا نگران نہیں سمجھ رہی ہیں اور وہ بندہ اپنے معاملات حیات میں سخت خسارہ میں ہے جسے تیری رحمت کا کوئی حصہ نہیں ملا۔

خدا یا! تو نے آثار کائنات کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے تو اب نور کے لباس اور ہدایت کی بصیرت کے سہارے اپنی بارگاہ میں واپس بلائے تاکہ میں اس شان سے واپس آؤں کہ میرا باطن اس کائنات کی طرف توجہ سے محفوظ ہو اور میری ہمت اس دنیا پر بھروسہ کرنے سے بلند ہو۔ تو ہر شے پر قدرت و اختیار رکھتا ہے۔

پروردگار! یہ میری ذلت ہے جو تیری جناب میں بالکل واضح اور روشن ہے اور یہ میری حالت ہے جس پر کوئی پردہ نہیں ہے۔ میں تیرے ہی ذریعہ تیری بارگاہ تک پہنچنا چاہتا ہوں اور تیری ہی رہنمائی کا طلب گزار ہوں۔ اپنے نور سے اپنی طرف ہدایت فرما اور اپنی سچی بندگی کے ساتھ اپنی بارگاہ میں حاضری کی سعادت کراست فرما۔

خدا یا! مجھے اہل تقرب کو حاصل ہونے والے حقائق عطا فرما اور جذب و کش رکھنے والوں کے مسلک پر چلنے کی توفیق کراست فرما۔

اپنی تدبیر کے ذریعہ مجھے میری اپنی تدبیر سے بے نیاز کر دے اور اپنے اختیار کے ذریعہ میرے اختیار و انتخاب مستثنیٰ بنا دے اور اضطراب و اضطراب کے مواقع کی اطلاع اور آگاہی عطا فرما۔ پروردگار! مجھے میرے نفس کی ذلت سے باہر نکالنے اور موت سے پہلے ہر شک و شرک سے پاک و پاکیزہ بنانے میں تیری ہی مدد چاہتا ہوں تو تو میری امداد کر اور تجھی پر بھروسہ کرتا ہوں، تو تو کسی اور کے حوالے نہ کر دینا۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تو تا امید نہ کرنا اور صحت تیرے فضل و کرم میں رغبت رکھتا ہوں تو مجھے محروم نہ رکھنا۔ میں تیری جناب سے رشتہ رکھتا ہوں تو مجھے دور نہ کرنا اور میں تیرے دروازہ پر کھڑا ہوں تو مجھے بھگانا دینا۔ تیری مرضی اس بات سے بلند تر ہے کہ اس میں تیری طرف سے کوئی نقص پیدا ہو سکے تو میری طرف سے کیا نقص پیدا ہو سکتا ہے۔ تو اپنی ذات سے اس بات سے بے نیاز ہے کہ تجھے تیری طرف سے کوئی فائدہ پہنچے تو میری طرف سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

خدا یا یہ تو صرف قضا و قدر ہے جو امیدوار بنائے ہوئے ہے ورنہ خواہش تو آرزوئوں کی رسیوں میں جکڑے ہوئے تھی۔ اب تو ہی میرا مددگار بن جاتا کہ تو ہی مدد کرے اور تو ہی راستہ دکھائے۔ اپنے فضل و کرم سے ایسا غنی بنا دے کہ اپنی طلب سے بھی بے نیاز ہو جاؤں۔

تو ہی وہ ہے جس نے اپنے دوستوں کے دلوں میں انوار الہیت کی روشنی پیدا کرائی ہے تو وہ تجھے پہچاننے لگے ہیں اور تیری وحدانیت کا اقرار کرنے لگے ہیں اور تو ہی وہ ہے جس نے اپنے محبوب کے دلوں سے اغیار کو نکال باہر کر دیا ہے، تو اب تیرے علاوہ کسی کے چاہنے والے نہیں ہیں اور کسی کی پناہ نہیں مانگتے ہیں تو نے اس وقت اُن کا سامان فراہم کیا جب سارے عالم سبب و حشت بنے ہوئے تھے اور تو نے اس طرح ہدایت دی ہے کہ سارے راستے روشن ہو گئے ہیں۔ پروردگار! جس نے تجھے کھو دیا اس نے پایا کیا۔؟ اور جس نے تجھے پایا اس نے کھو یا کیا۔؟ جس نے تیرا بدل تلاش کیا وہ مایوس ہو گیا اور جس نے تجھ سے منہ موڑا وہ گھٹائے میں رہا۔ تیرے علاوہ غیر سے امید ہی کیوں کی جائے جب کہ تو نے احسان کا سلسلہ روکا نہیں ہے اور تیرے سوا دوسرے سے مانگا ہی کیوں جائے جب کہ تیرے فضل و کرم کی عادت میں فرق نہیں آیا ہے۔ پروردگار! جس نے اپنے دوستوں کو انس و محبت کی ملاوت کا مزہ چکھا دیا ہے تو اس کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے کھڑے ہوئے ہیں اور اپنے اولیاء کو ہیبت کا لباس پہنا دیا ہے تو اس کے سامنے استغفار کرنے کے لیے استاد ہیں۔ تو تمام یاد کرنے والوں سے پہلے یاد کرنے والا ہے اور تمام مانگنے والوں سے پہلے عطا کرنے والا ہے اور پھر کرم بالائے کرم یہ ہے کہ خود ہی سے کہ خود ہی قرض کا مطالبہ کرتا ہے۔

خدا یا۔! مجھے اپنی رحمت کے دروازے سے طلب کرنے تاکہ میں تیری بارگاہ تک پہنچ جاؤں اور مجھے اپنے احسان کے سہارے اپنی طرف کھینچ لے تاکہ میں تیری طرف متوجہ ہو جاؤں۔ خدا یا۔! میں ہزار گناہ کروں مگر میری امید تجھ سے قطع ہونے والی نہیں ہے اور میں لاکھ اطاعت کروں مگر تیرے جلال سے میرا خوف ختم ہونے والا نہیں ہے۔ سارے عالم نے تیری طرف ڈھکیل دیا ہے اور تیرے فضل و کرم کی اطلاع نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔

خدا یا۔! جب تو میری امید ہے تو میں مایوس کس طرح ہو جاؤں اور جب تجھ پر میرا بھروسہ ہے تو میں ذلیل کس طرح ہو سکتا ہوں۔ اگر تو نے ذلت میں ڈال دیا تو صاحبِ عزت کیسے بنوں گا؟ اور تو نے اپنا بتا لیا تو ذلیل کیسے ہو سکوں گا؟

پروردگار۔! میں کس طرح فقیر نہ بنوں کہ تو نے فیروں کے درمیان رکھا ہے، اور کیسے

فقیرہ سکوں گا جب کہ تو نے اپنے فضل و کرم سے غنی بنا دیا ہے۔ تیرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔
تو نے اپنے کو ہر ایک کو پہنچا دیا ہے تو اب کوئی تجھ سے ناواقف نہیں ہے اور میرے لیے اور بھی واضح
اور نمایاں ہو گیا ہے تو مجھے تیرا جلوہ ہر شے میں نظر آنے لگا ہے۔ تو درحقیقت ہر ایک کے لیے
ظاہر اور روشن ہے۔

اے خدا! جس نے اپنی رحمانیت سے ہر شے پر احاطہ کر لیا ہے تو عرشِ اعظم بھی اس کی
ذات میں گم ہو گیا ہے۔ تو نے آثار و وجود کو دوسرے آثار کے ذریعہ نابود کر دیا ہے اور انبیاء کو
افلاکِ نور کے احاطہ سے محو کر دیا ہے۔

اے وہ خدا! جو عرش کے سراپہ رددوں میں اس طرح پوشیدہ ہوا کہ نگاہیں اس کے دیکھنے
کو ترس گئیں اور کمالِ تجلی سے اس طرح روشن ہوا کہ اس کی عظمت ہر شے پر حاوی ہو گئی۔
تو کیسے چھپ سکتا ہے جب کہ ہر شے میں تیرا ظہور ہے اور کس طرح غائب ہو سکتا ہے جبکہ
ہر ایک کے سامنے وہ کہ اس کے اعمال کی نگرانی کر رہا ہے۔ تو ہر شے پر قادر ہے۔ اور ساری تعزیریں
تیری ذات واجب کے لیے ہے۔

مومنین کرام آخر روز عرفہ مصیبتوں کی دعاؤں کے ان دو فقرات کو ضرور دہرائیں اور یہ
محسوس کریں کہ ہادیانِ اسلام نے اپنے چاہنے والوں کو توبہ و استغفار کے کیسے کیسے طریقے تسلیم
فرمائے ہیں سلاطین دنیا کو ان کا تصور بھی نہیں ہے۔

۱۔ پروردگار! میرے گناہوں سے تیرا کوئی نقصان نہیں ہے اور مجھے معاف کر لینے سے
تیرے یہاں کوئی کمی نہ پیدا ہو جائے گی۔ لہذا جس چیز سے تیرے یہاں کمی کا خطرہ نہیں ہے وہ
دیدے اور جس چیز سے تیرا نقصان نہیں ہے اسے معاف کر دے۔

۲۔ خدا یا! امیری برائیوں کی وجہ سے مجھے اپنی نیکیوں سے محروم نہ کرنا اور اگر میری ذمت
و مصیبت اور میرے رنج و الم پر رحم نہیں بھی کرنا ہے تو کم از کم مجھے مصیبت زدگان اور آفات رسیدہ
کا اجر ہی دیدے۔ اللہم صل علی محمد و آل محمد واجعلنا من اتباعہم و شیعتہم
و اولیائہم و محبتہم و الحمد لله اولاً و آخراً۔

نقش

حیات امام علی بن الحسین

ولادت: ۱۵ جمادی الاولیٰ ۳۸ھ

شہادت: ۲۵ محرم ۹۵ھ

نقشِ حیات امام علی بن الحسینؑ

ولادت: ۱۵ جمادی الاولیٰ ۳۸ھ

شہادت: ۲۵ محرم ۹۵ھ

نقش زندگانی امام زین العابدین علیہ السلام

ماہ جمادی الاولیٰ ۳۵ھ کی پندرہویں تاریخ تھی جب مالک کائنات نے امام حسین کو پہلا فرزند عطا فرمایا جس کا نام نامی علی قرار پایا۔

اور اس طرح امام حسین کے گھر میں اس نام کے باقی رکھنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ کے گھر میں جو فرزند بھی پیدا ہوا عام طور سے اس کا نام علی ہی رکھا گیا تاکہ اس طرح یہ نام زندہ رکھا جاسکے۔ اس لیے کہ دشمنان ایمان کی تکمیل کو کوشش ہی ہوگی کہ یہ نام صحیح ہستی سے مٹ جائے جیسا کہ بعد کے حالات سے مکمل طور پر اندازہ ہو گیا ہے۔

آپ کا لقب زین العابدین، سید الساجدین، سجاد اور ذوالفقنات وغیرہ بے حد شہرت کا مالک ہے۔ کینت کے طور پر آپ کو ابو محمد کہا جاتا ہے۔

آپ کے زین العابدین ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم نے آپ کو یہ لقب عطا فرمایا تھا اور اپنی زندگی میں یہ خبر دے گئے تھے کہ روز قیامت جب زین العابدین کو آواز دی جائیگی تو میرا ایک فرزند علی بن حسین لیکر آتا ہوا بارگاہِ الہی میں حاضر ہوگا۔ لیکن اس کی مزید تائید اس واقعہ سے بھی ہوگی جسے صاحب مناقب اور صاحب شواہد النبوة نے نقل کیا ہے کہ آپ نماز تہجد میں مصروف تھے کہ شیطان نے ہنسی بھرا لہجہ میں کہا کہ آپ کو اذیت دینا شروع کی اور پیروں کے آگے گھٹنے کو چبانے لگا لیکن جب آپ نے کوئی توجہ نہ کی تو شکست کھا کر چلا گیا اور ایک آواز غیب آئی: انا نت زین العابدین۔ ظاہر ہے کہ اس آواز کا کوئی تعلق اس آواز یا ابلیس سے نہیں ہے بلکہ یہ ایک نزلے قدرت ہے جو اس فتح میں کے موقع پر بلند ہوئی تھی جس طرح کہ پہلے علی کی میدانی فتح پر لافقی اٰلِ عٰلِیِّیْن کی آواز فضا سے گونج رہی تھی۔

لقب سجاد کے بارے میں بھی روایت میں وارد ہوا ہے کہ آپ ہر معمولی سے معمولی نعمت پر

کے ملنے یا مصیبت کے دفع ہوجانے یا مومنین کے درمیان اصلاح ہوجانے پر سجدہ شکر کیا کرتے تھے اور اس طرح سجاد کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ حدیث ہے کہ کربلا کی قیامت نیز شب میں بھی آپ نے سجدہ الہی کو نظر انداز نہیں کیا اور جس طرح باپ نے زیرِ نجر سجدہ کیا تھا اسی طرح آپ نے خاکستر گرم کربلا پر سجدہ کیا ہے۔

آپ کے والد گرامی امام حسین علیہ السلام تھے اور والدہ ماجدہ جناب شہر بانو تھیں جن کا نام زینا بھی کہا جاتا ہے اور جن کا انتقال آپ کی ولادت کے بعد دس دن کے اندر ہی ہو گیا تھا۔

جناب شہر بانو کے بارے میں یہ ایک عام شہرت ہے کہ یہ دور عمر بن الخطاب میں فتوحات کے زیر اثر لائی گئی تھیں اور انھوں نے بطور کنیز فروخت کرنے کا ارادہ کیا تھا تو امیر المومنین علی بن ابی طالب نے روک کر قیمت ادا کر کے لے لیا تھا اور اپنے فرزند امام حسین سے ان کا عقد کر دیا تھا لیکن ہندوستان کے مشہور مورخ مولانا شبلی نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ بزرگ دربادشاہ کی بیٹی تھیں جو ۲۱ سال کی عمر میں ۳۵ھ میں تخت نشین ہوا تھا اور مدائن کی وہ فتح جس موقع پر شہر بانو کی گرفتاری کا ذکر کیا جاتا ہے ۳۵ھ یا ۳۶ھ میں ہوئی تھی جس وقت بزرگ درج کی عمر کل ۲۲-۲۴ سال تھی تو اس کی دختر کی عمر کیا ہوگی جسے کنیزی سے بچانے کے لیے فوراً اس کا عقد کر دیا جائے؟ علاوہ اس کے کہ بزرگہ زخم شری نے ربیع الاول میں کھسا ہے اور زخم شری تاریخ میں کسی استناد کے مالک نہیں ہیں۔ بات اصل یہ ہے بزرگ درج بادشاہ اور خلافت عثمان ۳۵ھ میں اصغر کے فتح ہوجانے کے بعد در بدر پھرتا رہا یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت علی نے اپنے دور میں ایران کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے حریت بن جابر کو بھیجا اور اس نے وہاں سے مال غنیمت کے ساتھ ان دو شہزادیوں کو بھیجا جن میں سے ایک کا عقد امام حسین کے ساتھ ہوا اور دوسری کا عقد محمد بن ابی بکر کے ساتھ۔ محمد بن ابی بکر کی زوجہ کا نام گمان بانو تھی۔ (بعض علماء نے شہر بانو نام کی بزرگہ کی بیٹی ہی کا انکار کیا ہے)۔

امام زین العابدین کا زمانہ ولادت مولائے کائنات کا دور خلافت تھا اور اس طرح آپ نے دنیا کی دو سال اپنے دادا کے زیر سایہ گزارے ہیں۔ اس کے بعد سجدہ میں مولائے کائنات کی شہادت ہو گئی تو آپ اپنے پدھر بزرگوار اور عم نامدار امام حسن کے ہمراہ رہے جن کی دختر نیک اختر

جناب فاطمہ سے آپ کا عقد ہوا۔ ۱۰۰ سالہ میں امام حسن کی شہادت کے بعد دس سال اپنے والد محترم امام حسین کے ساتھ گزارے اور ۱۰۰ عرصہ ۱۰۰ سالہ سے آپ کا اپنا دور قیادت شروع ہو گیا۔ اس دور میں آپ کو مختلف بادشاہوں اور ظالموں کا سامنا کرنا پڑا۔ ۶۲۳ء تک یزید برسر اقتدار رہا، ۶۵۶ء میں معاویہ بن یزید اور مروان بن الحکم کی حکومت رہی پھر ۶۵۶ء سے ۸۶ء تک عبدالملک بن مروان کی حکومت رہی اور ۸۶ء سے ۹۶ء تک ولید بن عبدالملک تحت حکومت پرتابض رہا جس نے ۹۵ء میں آپ کو زہر دیا اور شہید کر دیا۔

آپ کے بچپن کے دور میں چند واقعات نظر آتے ہیں جن سے آپ کی جلالت قدر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے:

● ابراہیم بن ادیم راوی ہے کہ میں نے راہ مکہ میں ایک کسبچو کو مکہ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو گھبرا کر پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟ سواری کیوں نہیں ہے اور زادراہ کا انتظام کیوں نہیں کیا ہے تو اس بچے نے جواب دیا کہ "زادی فقوای و راحلحقی رجلائی و قصدی مولای" "میرا زادراہ میرا فقوی ہے اور میری سواری میرے دونوں پیر ہیں اور میرا مقصود میرا مولا ہے۔"

● دوسری روایت میں ہے کہ آپ بیمار ہوئے اور آپ کے پدر بزرگوار امام حسین نے عیادت کرتے ہوئے پوچھا کہ فرزند کوئی خواہش ہو تو بیان کرو۔ تو آپ نے عرض کی کہ خواہش صرف یہ ہے کہ قضاء قدر الہی پر راضی رہوں اور اس کے علاوہ کوئی خواہش نہیں ہے۔ جو وہ چاہتا ہے وہی بہتر ہے اس سے بہتر میں کیا طے کر سکتا ہوں۔ امام حسین نے اس جواب پر گلے سے لگا لیا اور فرمایا کہ میرے لال تمہارا جواب بالکل ابراہیم خلیل سے ملتا جلتا ہے کہ جب ان سے امداد کی پیشکش کی گئی تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جس کا محتاج ہوں وہ میرے حالات کو خوب جانتا ہے اور اس کے فیصلہ کے سامنے تسلیم خم دکھنا ہی اپنی ذمہ داری ہے۔

● آپ کی عمر مبارک واقعہ کربلا کے وقت تقریباً ۲۲-۲۳ سال تھی اور اس دوران آپ کی زندگی کے واقعات بہت کم نظر آتے ہیں اور شاید اس کا راز یہ تھا کہ آپ بزرگوں کے زیر سایہ زندگی گزار رہے تھے اور آپ کی الگ کوئی زندگی نہ تھی جسے خصوصیت کے ساتھ زیر نظر رکھا جاتا۔

واقعات کربلا کے بعد سے آپ کے دور قیادت کا بھی سلسلہ شروع ہوتا ہے اور آپ کے دور مصائب و آلام کا بھی اس لیے اس دور میں آپ کے واقعات بکثرت ملتے ہیں۔ اور میرے خیال میں تاریخ بشریت میں کسی شخص نے بھی قیادت کی ذمہ داری ایسے حالات میں نہیں سنبھالی ہے جن حالات میں قدرت نے یہ کام آپ کے سپرد کیا تھا اور حقیقت امر یہ ہے کہ جس طرح آپ نے اس ذمہ داری کو ادا کیا ہے اس کی مثال بھی تاریخ قیادت میں کہیں نہیں ملتی ہے۔

واقعات کربلا کے بعد جب اہل حرم قید شام سے چھٹ کر مدینہ آئے اور مدینہ والوں کو یزید کے مظالم کا اندازہ ہوا تو ایک مرتبہ احتجاج کی آگ بھڑک اٹھی اور اہل مدینہ نے یزید کے نائندہ عثمان بن محمد کو معزول کر کے عبداللہ بن خنظلہ کو حاکم بنا لیا جو جناب خنظلہ کے فرزند تھے جنہیں عسلی الملّا کہہ جاتا ہے اور جنہیں شہادت کے بعد حسب ارشاد رسول اکرم ﷺ ملا کر منہ غسل دیا تھا۔

یزید نے اس بغاوت کو دبانے کے لیے بدترین خلائق مسلم بن عقبہ کا انتخاب کیا اور اس نے مدینہ پر چڑھائی کا منصوبہ بنالیا۔ اہل مدینہ نے دفاع کا ارادہ کیا اور شہر سے باہر مقام خزہ پر گھمان کا رن پڑا جس کے نتیجے میں دس ہزار مسلمان جن میں سات سو محافظان قرآن بھی شامل تھے قتل کر دیے گئے اور ہزاروں لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی، سارا شہر لوٹ لیا گیا اور تین دن تک مدینہ لشکر یزید پر سماج کر دیا گیا جس کے نتیجے میں اگلے سال ایک ہزار نابالغ بچے پیدا ہوئے۔ یہ واقعہ ۲۸، ۲۷ ذی الحجہ ۶۰ھ کو پیش آیا۔ امام سجادؑ ان حالات کے پیش نظر ایک دیہات نجیح کی طرف منتقل ہو گئے تھے جہاں دور حکومت عثمان میں مولا نے کائنات رہا کرتے تھے اور لشکر یزید نے بھی سارے مدینہ سے غلامی کی بیعت لینے کے باوجود آپ سے تقاضائے بیعت نہیں کیا اور اس کا سب سے بڑا راز یہ تھا کہ یزید ایک مرتبہ مطالبہ بیعت کا شہر دیکھ چکا تھا اور اسے معلوم تھا کہ حکومت کی ساری پریشانیوں اسی ایک مطالبہ کا نتیجہ ہیں لہذا اب اس قسم کی غلطی کی تکرار نہیں ہونی چاہیے ورنہ لشکر یزید سے زکمی شرافت کی توقع تھی اور نہ کسی عرفان امامت کی۔

اس موقع پر مروان جیسے بدترین دشمن نے بھی آپ سے پناہ کی درخواست کی کہ مدینہ مخالف ہو گیا ہے اور میں اپنے بچوں کے لیے خطرہ محسوس کرتا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ میرے گاؤں

بیچ دے میں ان کی حفاظت کا ذمہ دار ہوں اور اس طرح اس شخص کے گھرانے کو پناہ دی جس نے
سب سے پہلے قتلِ امام حسین کا اشارہ دیا تھا۔ (تاریخ کامل)

● مسلم بن عقبہ نے شہر کو فوج کر لینے کے بعد آپ کو طلب کیا اور آپ دربار میں گئے تو وہ
آلِ محمد کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا لیکن جیسے ہی آپ کو دیکھا تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا اور نہایت احترام سے
بٹھایا۔ پھر آپ کے جانے کے بعد لوگوں نے اس طرزِ عمل کی وجہ دریافت کی تو کہا کہ یہ میرا اختیاری
فعل نہیں تھا۔ میں ان کی ہیبت کے سامنے اپنی جگہ پر بیٹھ سکا اور مجبوراً تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔
(مروج الذهب)

● مدینہ منورہ کو ربا د کرنے کے بعد مسلم بن عقبہ نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا لیکن راستہ ہی میں ملکیت
نے روک لیا اور اس نے حسین بن نمیر کو اپنا جانشین بنا دیا۔ حسین بن نمیر نے چالیس روز تک مکہ کا
محاصرہ رکھا اور عبد اللہ بن زبیر کو گرفتار کرنے کے لیے خانہ خدایا راگ برسانی کی لیکن وہ گرفتار نہ ہو سکے
اور اسی دوران یزید بھی واصلِ جنم ہو گیا اور شہر کا نقشہ بدل گیا۔ ابن زبیر نے فوج حاصل کر لی اور حسین
بن نمیر بھاگ کر مدینہ کی طرف چلا گیا وہاں ایک گاؤں کی طرف غلہ کی تلاش میں جا رہا تھا کہ امام سجاد سے
طلاقات ہو گئی اور آپ نے اسے غلہ فراہم کر دیا اور پھر قیمت بھی نہیں لی جس کی بنا پر اس نے یزید کے
بعد آپ کو خلیفہ المسلمین بنانا چاہا لیکن آپ نے واضح طور سے انکار کر دیا اور ظاہر ہے کہ جس خلافت
کو یزید کا بیٹا برداشت نہ کر سکا اسے فرزند حسین بن علی کس طرح برداشت کر سکتا تھا۔

● ۳۵ھ کے اوائل میں یزید کے فی النار ہونے کے بعد ابن زبیر نے حکومت برقعہ کر لیا اور
پھر ایک مرتبہ بنی ہاشم کو اذیت دینے کا منصوبہ بنایا گیا۔ چنانچہ جناب محمد حنفیہ اور ابن عباس جیسے
افراد کو بھی گرفتار کر لیا گیا اور ایک گھر میں بند کر کے آگ لگا دیئے کا پروگرام بنایا گیا کہ اُدھر جناب
مختار کی فوج نے قیام کر دیا اور ان حضرات کی جان بچ گئی۔ ابن زبیر کے مظالم کا یہ عالم تھا کہ امام سجاد
فتنہ ابن زبیر سے سختی کی دعائیں مانگا کرتے تھے اور بے حد مغموم رہا کرتے تھے کہ ایک دن ایک بزرگ
نے اُکرتی دی کہ آپ گھبراہٹ میں نہیں جو خدا سے ڈرتا ہے خدا اس کے لیے معائب سے بچ سکے گا انتظام
خود کرتا ہے اور یہ کہہ کر غائب ہو گئے تو ایک ندائے غیب آئی کہ یہ حضرت مختار ہیں جو آپ کی امداد
کے لیے آئے ہیں۔ (نور الابصار - شوہد النبوۃ)

● یزید کے بعد اس کے فرزند معاویہ بن یزید کو حاکم بنایا گیا لیکن اس کی حکومت چالیس دن یا
بقولے پانچ ماہ سے زیادہ نہ چل سکی اور اُدھر حجاز پر ابن زبیر اور عراق پر عبید اللہ بن زیاد نے قبضہ کر لیا
اور مکہ میں ایک افغان فری پھیل گئی۔

اور اس کا سب سے بڑا راز یہ تھا کہ معاویہ بن یزید نے اپنے خطبہ خلافت میں اس بات پر
زور دیا تھا کہ میرا دادا اور میرا باپ دونوں خلافتِ اسلامی کے لیے نااہل تھے اور ان کے
مقابلہ میں حضرت علی بن ابی طالب اور حسین بن علی یقیناً اس کے اہل تھے لیکن ان لوگوں نے
اُن سے حکومت کو خصب کر لیا اور آج قبر کے گڑھے میں پڑے اپنے عذاب کو بھگت رہے ہیں
ہذا میں ایسی خاصانہ حکومت کو سنبھالنے کے لیے تیار نہیں ہوں جب کہ امت میں ابھی دارِ جنت
علی بن الحسین زندہ موجودہ ہیں۔

اس خطبہ کا تمام ہونا تھا کہ ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا اور مروان نے بات کو دبانے کے لیے
کہا کہ آپ غالباً حضرت عمر کی طرح شوریٰ سے فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا کہ خاموش ہو جا
تجھے میرے بیان کی تاویل کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ حضرت عمر نے بھی شوریٰ کے ذریعہ حضرت
علی پر ظلم کیا تھا اور اب اس ظلم کی بھی تجدید نہیں ہو سکتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معاویہ بن یزید بھی زندہ
نرہ سکا اور اس کے استاد مقصود کو بھی زندہ دفن کر دیا گیا کہ اسی نے اسے بہکایا ہے اور ایسے
نظریات کی تلقین کی ہے۔ دیکھا کہنا ہے اس پر دروگاہ کا جو مردوں سے زندوں کو نکالتا ہے۔

● ۲۱ سال کی عمر میں معاویہ بن یزید قتل کر دیا گیا تو خلافت آل ابی سفیان سے ٹکل کر آل مروان
کی طرف چلی گئی اور ۳۵ھ میں مروان اور اس کے بعد ابن مروان حاکم ہو گیا اور جب جناب مختار
اور عبد اللہ بن زبیر دونوں قتل ہو گئے تو ۳۵ھ میں پورے ملک کا تہما ملک ہو گیا۔ حجاج بن یوسف
جیسے سفاک اور بے ایمان کو حجاز کا گورنر اور پھر پورے علاقہ کا حاکم بنا دیا جس کے نتیجہ میں اُس نے
۱۶ لاکھ افراد کو قتل کیا اور بے گناہ انسانوں کے قتل کے بغیر اسے سکون نہیں ملتا تھا۔

● عبد الملک بن مروان بے حد ظالم اور سفاک تھا اور اس نے امام سجاد کی گرفتاری کا بھی
کلمہ دیا تھا لیکن اس کے سرکاری عالم زہری نے خطرہ سے آگاہ کیا کہ اس طرح ملک میں پھر فتنہ
پھیل جائے گی تو بنی ہاشم کو معاف کر دیا اور باقی افراد برابر ظلم کا نشانہ بنتے رہے۔

۱۷ھ میں عبدالملک نے عراق میں مصعب بن عمیر کو قتل کرایا اور ۲۷ھ میں جہانگیر
عبداللہ بن زبیر کے قتل کے لیے روانہ کیا۔ انھوں نے خانہ خدا میں پناہ لے لی تو حجاج نے
اسے بھی نشانہ بنایا۔ خانہ کعبہ پر مسلسل سنگ باری کی اور آخر میں جمادی الثانی ۲۷ھ میں ابن زبیر
کو گرفتار کر کے تزییح کر دیا۔

ابن زبیر کی گرفتاری کے سلسلہ میں خانہ خدا پر اتنے حملے ہوئے کہ چھت اور دیوار برب
تباہ ہو گئے تو حجاج نے اپنے جرم کی پردہ پوشی کے لیے تعمیر نو کا منصوبہ بنایا لیکن جب بنیاد
قائم کرنے کا وقت آیا تو ایک سانپ نکل آیا اور اس نے کسی کو قریب نہ آنے دیا۔ یہاں تک
کہ امام سجاد کو طلب کیا گیا۔ آپ کے آتے ہی سانپ نے راستہ دے دیا اور آپ نے
سنگ بنیاد رکھ کر فرمایا کہ اب تعمیر شروع کرو۔ اب کوئی زحمت نہ ہوگی۔

اس کے بعد جب حجر اسود کے نصب کرنے کا وقت آیا تو پھر آپ نے اقدام فرمایا،
اور اسی طرح حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کیا جس طرح تعمیر اول کے موقع پر یہ کام سرکار دو عالم
نے انجام دیا تھا اور دنیا پر واضح ہو گیا کہ آل محمد کا رشتہ خانہ خدا اور حجر اسود سے دنیا کے
دوسرے انسانوں کے روابط سے بالکل مختلف ہے۔

اور شاید یہی راز تھا کہ جب شہادت امام حسین کے بعد لوگوں نے خاندان کے بزرگ
ہونے کے اعتبار سے محمد حنفیہ کو امام کہنا شروع کر دیا تو انھوں نے امام سجاد کے سامنے
یہ پیش کش رکھی کہ اس کا فیصلہ خانہ خدا میں حجر اسود سے کرایا جائے تاکہ لوگوں کو حقائق کا صحیح
اندازہ ہو جائے۔ چنانچہ دونوں حضرات تشریف لے گئے۔ پہلے محمد حنفیہ نے سلام کیا اور کوئی
جواب نہ ملا تو امام سجاد نے سلام کیا اور اس کا جواب مل گیا۔ تو گویا حجر اسود نے آپ کی
امامت کی شہادت دے دی اور اس طرح سلسلہ امامت بالکل واضح ہو گیا۔ یہ اور بات ہے
کہ اپنی آنا پر قائم رہنے والے اور مذہب کو جذبات و مفادات سے ملے کرنے والے
اس کے بعد بھی محمد حنفیہ کو امام مانتے رہے اور ان کے سمجھانے کے باوجود نہ سمجھ سکے جس طرح
کہ مولائے کائنات کے سلسلہ افہام کے بعد بھی نصیریوں کی سمجھ میں ان کی بندگی نہ آئی اور
وہ انھیں خدا ہی کہتے رہے۔

جناب مختار ۳۱ھ میں قید سے نکلے، حکومت حاصل کی اور اس کے صحیح مصرف کی طرف
متوجہ ہو گئے۔ شمر، خوئی، عمر سعد، قیس بن اشعث، یزید بن سالک، عمران بن خالد، عبداللہ
بن قیس، زرعہ بن شریک، سنان بن انس، عمرو بن الجماح جیسے کبلا کے قاتلوں اور ظالموں
کو تزییح کیا۔ ابن زیاد موصل میں گورنر تھا اس کی گرفتاری کے لیے ابراہیم ابن مالک اشتر کو
بھیجا انھوں نے اسے وہاں قتل کیا۔ ہنہال کے ذریعہ امام سجاد نے قتل حرمت کا تقاضا کیا تو
اسے بھی فنا کے گھاٹ اتار دیا، اور اس طرح ابن زیاد اور عمر بن سعد کا سراسر نام کی خدمت
میں بھیج دیا اور امام سے دعلے خیر حاصل کی اور بنی ہاشم میں ایک طرح کے سلسلہ 'عسزاکا
خاتمہ ہوا۔

جناب مختار نے شرح دیوان مرتضوی کے مطابق ۳۰۰۔۸۰ دشمنان اہلبیت اور
قاتلان حسین کو تزییح کیا ہے اور اس طرح اپنے کامل جذبہ محبت اہلبیت کا ثبوت فراہم فرمایا ہے،
۱۲ رمضان ۳۱ھ کو آپ کو بھی شہید کر دیا گیا۔

۳۱ھ میں عبدالملک کا بیٹا ولید حاکم بنا اور اسی نے ۳۵ھ میں ۲۵ محرم کو امام کو
زہر دغا سے شہید کر دیا۔ آپ کی شہادت کا یہ اثر ہوا کہ سارے مدینہ میں کہرام برپا ہو گیا اور
یتیم و یتیم و لاوارث سب اپنے والی و وارث کے ماتم میں مصروف ہو گئے۔ انتہایہ ہے کہ
آپ کا ناقہ بھی تین دن تک آپ کی قبر کے قریب سر پٹکتا رہا اور آخر کار دنیا سے رخصت ہو گیا۔

ازواج

تاریخ میں آپ کی مختلف شریک حیات کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن ان میں سب سے نمایاں
حیثیت جناب فاطمہ بنت حسن کی ہے جنہیں امام محمد باقر کی والدہ گرامی بننے کا بھی شرف حاصل تھا
اور باقی سب ام ولد کی حیثیت رکھتی تھیں اور امام کی خدمت میں بے پناہ عظمت کی مالک ہوئی تھیں۔

اولاد

آپ کے ۱۱ فرزند اور ۴ دختران کا تذکرہ ملتا ہے۔ جن کے اسما گرامی یہ ہیں:

امام محمد باقرؑ، عبداللہ حسن، زید، عمر حسین، عبدالرحمان، سلیمان، علی، محمد اصغر، حسین اصغر
غدیو، فاطمہ، علیہ، ام کلثوم۔ (ارشاد مفید)

جناب زید شہیدؑ

امام محمد باقرؑ کے بعد سب سے نمایاں شخصیت جناب زیدؑ کی ہے جو شہید ہیں پیدا ہوئے
تھے اور ۱۲۱ھ میں ہشام کے مظالم سے عاجز آکر مکہ صفر ۱۲۲ھ کو ۴۰ ہزار ساتھیوں کے ساتھ قیام کرنے
پر مجبور ہو گئے۔ حضرت ابوحنیفہ نے آپ کی بیعت کا اعلان کر دیا، اور اس طرح ایک بہترین شکر
تیار ہو گیا۔ لیکن حکومت وقت نے انہیں "امام اعظم" کا لقب دے کر توڑیا اور لشکر میں پھوٹ
پڑ گئی۔ اکثر لوگوں نے جناب زیدؑ کا ساتھ چھوڑ دیا جنہیں آپ نے راضی کے نام سے یاد کیا۔ اور
اس لقب کا کوئی تعلق ان کے وفاداروں سے نہیں تھا۔

حکومتی فوجوں سے غضب کا مقابلہ ہوا۔ آخر میں آپ کی پیشانی پر ایک تیر لگا اور اس کے اثر
سے شہید ہو گئے، لاش مخفی کر دی گئی، لیکن ظالموں نے ڈھونڈ نکالا اور سولی پر لٹکا دیا۔ چار سال
تک اسی طرح لاش ہلکی رہی۔ چار سال کے بعد سولی سے اُتار کر نذر آتش کر دی گئی۔ یہ اور بات ہے
کہ چار سال کے اندر بھی کسی طرح کا عیب نہیں پیدا ہوا، اور یہ شہید راہِ خدا کی زندگی کا بہترین ثبوت
ہے۔ آپ کا قیام مقام واسط میں تھا اس لیے آپ کی اولاد کو زیدی واسطی کہا جاتا ہے۔

آپ کے بعد آپ کے فرزند یحییٰ بن زیدؑ کو بھی ۱۲۹ھ میں شہید کر دیا گیا اور ان کی لاش کو
بھی سولی پر لٹکایا گیا اور آخر میں نذر آتش کر کے خاکستر کو فرات میں بکھرا دیا گیا۔
آل محمدؑ کی قربانیوں کی داستان سے فرات کا کلیجہ پانی ہو گیا اور ظالموں کے دماغ پر کوئی اثر نہ
ہوا۔ وسیع علم الذین ظلموا اُمی منقلب ینقلبون۔

عبادت

آپ کی عبادت کائنات میں شہرہ آفاق تھی اور اسی بنا پر آپ کو ہمیشہ زین العابدین کے
لقب سے یاد کیا گیا ہے اور قیامت میں بھی اسی نام سے پکارا جائے گا۔ یہ اور بات ہے کہ جب

امام محمد باقرؑ نے اس عبادت کی شدت و کثرت سے روکنا چاہا تو فرمایا کہ ذرا وہ صحیفہ تولے اُو جس میں
میرے جد امیر المؤمنین کی عبادتوں کا تذکرہ ہے اور پھر اس صحیفہ کو سامنے رکھ کر فرمایا کہ "من یبلغ
ذٰلک" (اس منزل عبادت کو کون پاسکتا ہے؟)۔ اور کیوں نہ ہو۔ اگر آپ کی عبادت نے
آپ کو زین العابدین بنا دیا ہے تو امیر المؤمنین کی ایک ضربت ثقلین کی عبادت پر بھاری تھی۔
آپ کی ایک کیفیت یہ تھی کہ وضو شروع کرتے تھے تو چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا کہ رب العالمین
کی بارگاہ میں حاضری دینا ہے۔

ناز میں بسا اذکا جہم بید کے مانند لرزتا تھا کہ مالک یوم الدین کی بارگاہ میں کھڑے ہیں۔
ایک نعبد وایاک نستعین کہہ کر کبھی کبھی اس جملہ کی تکرار فرمایا کرتے تھے کہ میں نے
مدد طلب کی ہے تو اُدھر سے مدد کا وعدہ بھی تو ہونا چاہیے۔

نضوع و خشوع کا یہ عالم تھا کہ فرزند کنوئیں میں گر گیا تو ناز میں مصروف رہے اور جب ناز
تام ہو گئی تو کنوئیں سے اپنی امانت کی واپسی کا مطالبہ کیا اور اس طرح بچہ کو نکال لیا کہ دامن بھی
ترنہ ہونے پایا تھا۔

خوف خدا کی یہ کیفیت تھی کہ ناز میں مصروف تھے اور گھر میں آگ لگ گئی تو ناز کو مختصر
نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ میں جہنم کی آگ کے بھانسنے میں مصروف تھا مجھے یہاں کی آگ کی کوئی فکر نہیں تھی
اسے تو حملہ والے بھی بچھا سکتے تھے۔

مدینہ میں آپ کا ایک باغ تھا جس میں پانچ سو نر کے درخت تھے جب باغ میں داخل
ہوتے تھے تو ہر درخت کے نیچے دو رکعت نماز ادا کرتے تھے کہ پروردگار نے یہ رزق عطا
فرمایا ہے اور اسے حوادثِ زمانہ سے تباہ نہیں ہونے دیا ہے۔

آپ نے خاکِ ثنائی ایک سجدہ گاہ بنا رکھی تھی جس پر سجدہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ خاک روز قیامت
ان سجدوں کی گواہی دے گی۔ (منہی الآمال)

بسا اوقات ناز میں سورہ الحمد کی تلاوت کرتے ہوئے مالک یوم الدین کی تکرار فرمایا
کرتے تھے اور لرزتے رہتے تھے کہ میں کس کی بارگاہ میں کھڑا ہوں جو روز قیامت کا مالک ہے
جس کا سارا ملک اس کے قبضہ قدرت میں ہے اور کسی کا کوئی اختیار نہیں ہے اور مال و اولاد کوئی

کام آنے والا نہیں ہے۔

اخلاق

اے محمد میں ہر فرد کا اخلاق ایک انفرادی حیثیت رکھتا تھا۔ لیکن امام سجاد نے اخلاقیات کے مظاہرہ کے ساتھ فلسفہ اخلاقیات کی بھی ایک دنیا آباد کی ہے جس سے انسان اپنے کردار کی بہترین تعمیر کر سکتا ہے۔

آپ کے سامنے کوئی طالب علم دین آجاتا تھا تو اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ رسول کی وصیت ہے۔ گویا اس طرح اسلام میں علم دین کی عظمت و اہمیت کا بھی اظہار فرماتے تھے اور طلب علم دین کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے تھے۔ کاش اہل دولت و اقتدار کے لیے سراپا تعظیم ہو جانے والے افراد کبھی ان غریب طلب کی طرف بھی ایک نظر عنایت فرماتے۔ آپ کے سامنے کوئی سائل بھی آجاتا تھا تو اس کا استقبال فرمایا کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ یہ شخص وہ ہے جو میرے مال کو دنیا سے آخرت تک پہنچا دیتا ہے اور کسی اجرت کا مطالبہ بھی نہیں کرتا ہے۔

آپ نے جس ناقہ پر بیٹھ فرمائے تھے اسے بھی کبھی ایک تازیانہ نہیں لگایا جس کا نتیجہ ہوا کہ آپ کے انتقال کے بعد قبر مطہر و برتین روز تک سلسل گرہ کر کے دنیا سے رخصت ہو گیا کہ ایسے شفیق و مہربان کے بعد زندگی کا کوئی مزہ نہیں ہے۔

آپ کی وہ مادر گرامی جنہوں نے آپ کی تربیت فرمائی تھی آپ ان کے سامنے بیٹھ کر بھی کھانا نوش نہیں فرماتے تھے اور جب کسی نے دریافت کر لیا تو فرمایا کہ میں نہیں چاہتا ہوں کہ انہیں میری وجہ سے کسی چیز کے کھانے میں تکلف ہو۔ یا وہ کسی چیز کو پسند کرتی ہوں اور بھروسہ پرست نہ کرنا چاہتی ہوں اور میں بسعت کر دوں۔

مدینہ میں یزید کے مظالم کے خلاف احتجاج کے موقع پر جب مروان اور حسین بن زبیر جیسے افراد پر دنیا تنگ ہو گئی تو آپ نے مروان کے بچوں کو اپنے گھرمیں پناہ دی اور حسین بن زبیر کو مفت غلہ فراہم کیا۔

مدینہ میں چار سو عباد کے گھرانے تھے جہاں رات کی تاریکی میں سامان غذا پہنچایا کرتے تھے اور اس طرح پشت مبارک پر سامان اٹھانے کا واضح نشان پڑ گیا تھا۔

صحیفہ کاملہ

امام سجاد کی زندگی میں جتنی اہمیت آپ کی نمازوں اور عبادتوں کو حاصل ہے اتنی ہی اہمیت آپ کی دعاؤں کو بھی حاصل ہے اور شاید کسی مصحوم سے بھی اس طرح کی دعائیں نقل نہیں ہوئی ہیں جس طرح کی عظیم دعائیں امام سجاد سے نقل کی گئی ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ جناب ابو حمزہ ثمالی کی دعائے سحر جس میں درس معرفت کے ساتھ عرض دعا کی وہ کیفیت پائی جاتی ہے جس کا غیر مصحوم نہ تصور کر سکتا ہے اور زندہ سلیقہ پیدا کر سکتا ہے۔

صحیفہ کاملہ آپ کی دعاؤں کا مجموعہ ہے جس کے مطالعہ سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کی دعاؤں کا فلسفہ وہ نہیں تھا جو ہمارے یہاں کی دعاؤں کا ہوا کرتا ہے کہ انسان غرض کے موقع پر ہاتھ پھیلا کر مجھ سے کچھ زندگی دینا کا سامان طلب کر لے اور پھر کام نکل جانے کے بعد مصلیٰ پیٹ دے یا دست دعا گرا لے۔ بلکہ آپ اپنی دعاؤں کو عرض دعا سے زیادہ عرض بندگی کا ذریعہ قرار دیتے تھے کہ فلسفہ دعا دراصل غرض برآری نہیں ہے۔ بلکہ وہ احساس عظمت و ربوبیت اور ذلت و جودیت کے مجموعہ کا نام ہے کہ جب تک انسان میں مالک کی عظمت اور اپنی کمزوری کا مکمل احساس نہ پیدا ہو، اس کی دعا، دعا کہے جانے کے قابل نہیں ہے۔

اور جب یہ احساس پیدا ہو جائے گا تو انسان سراپا دعائیں جانے لگا کہ کسی وقت بھی نہ مالک کی عظمت کمزوری میں تبدیل ہو سکتی ہے اور نہ اپنی کمزوری بے نیازی میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید نے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ، اگر تمہاری دعائیں نہ ہوتیں تو پروردگار تمہاری طرف توجہ بھی نہ کرتا۔ اور روایات میں اسی اعتبار سے دعا کو "مغز عبادت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

امام سجاد کی دعاؤں میں ایک نکتہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ آپ نے دعا کو صاحبان ایمان کے

کے لیے تعمیر کردار اور ظالمین کے خلاف احتجاج کا بہترین ذریعہ قرار دیا ہے اور اپنی دعاؤں کے ذریعہ ان مطالب کا اعلان فرما دیا ہے جن کا اعلان دوسرے انداز سے ممکن نہیں تھا۔ یا واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ جو کام امیر المومنین نے اپنے خطبوں سے لیا ہے وہ کام امام سجاد نے اپنی دعاؤں سے لیا ہے، اور اس طرح واضح کر دیا ہے کہ علی کا کام پیغام الہی کا پہنچنا دینا اور ظلم کے خلاف احتجاج کرنا ہے اور بس حالات سازگار ہو جاتے ہیں اور مخاطب بل جلتے ہیں تو یہ کام ان کی طرف رخ کر کے خطبہ کی شکل میں انجام دیا جاتا ہے اور حالات نامساعد ہو جاتے ہیں اور زمانہ مؤثر لیتا ہے تو اس سے منہ پھیر کر مالک کائنات کو مخاطب بنا کر اس سے حالات کی فریاد کی جاتی ہے اور اس طرح حالات کی تنقید کو دعاؤں کی شکل میں ایک دستاویز بنا کر محفوظ کر دیا جاتا ہے، جیسا کہ آپ کی دعائے روز جمعہ یا اور دیگر دعاؤں سے مکمل طور پر واضح ہو جاتا ہے۔

دلائل امامت

اعلانات و اعترافات

روزی قیامت میرے اُس فرزند کو زین العابدین کے لقب سے پکارا جائے گا۔ (سول اکرم)
امام زین العابدین سے زیادہ متقی اور پرہیزگار انسان نہیں دیکھا گیا۔ (سید بن السیب) مطالبہ بول
جو روایت زہری امام زین العابدین سے منسوب کرے وہ بہترین سند کی مالک ہے۔

(ابن ابی شیبہ) طبقات الحفاظ

امام زین العابدین روایات میں انتہائی محتاط، صادق البجور و مستدر علیہ تھے۔ وہ فقہار اہلبیت

میں شمار ہوتے تھے۔ (دمیری) حلیۃ المیوان

آپ کے جلال و جمال کی بنا پر ہر دیکھنے والا تعظیم پر مجبور ہو جاتا تھا۔ (وسیلۃ النجاة)
آپ علم و زہد و عبادت میں امام حسین کی زندہ تصویر تھے۔ (صواعق محرقة)
آپ سے زیادہ عبادت گزار اور فقیہ نہیں دیکھا گیا۔

کرامات

جابر والیبیہ۔ جو امیر المومنین کے دور کی ایک محترم خاتون تھیں اور انھوں نے امیر المومنین سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ بازار کو ذہیں حرام پھلی بیچنے والوں اور ڈاڑھی منڈوں کو اپنے ہاں زیادہ سے ہٹا رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ تم لوگ بنی مروان کے لشکر ہو کہ ڈاڑھی منڈا تے ہو اور موچھیں بڑھاتے ہو۔ یہی خاتون ایک مرتبہ امیر المومنین کی خدمت میں ثبوت امامت حاصل کرنے کے لیے آئیں تو آپ نے سنگ ریزوں پر ہر امامت ثبت کر دی اور اسی کو علامت قرار دیدیا اس کے بعد امام حسن اور امام حسین کی خدمت میں آئیں اور یہی ثبوت لے گئیں، یہاں تک کہ امام سجاد کا در آیا تو ان کی خدمت میں بھی حاضر ہوئیں۔ آپ نماز میں مشغول تھے۔ جاہل نے واپسی کا ارادہ کیا تو آپ نے ایک

اشارہ سے روک دیا۔ جس کا نتیجہ ہوا کہ جبار بیٹیں تو ان کی جوانی بھی واپس آگئی اور اس کے بعد امام رضا کے دور حیات تک زندہ رہیں۔

● امام حسین کی شہادت کے بعد جب بعض لوگوں نے جناب محمد ضیفہ کو امام ماننا شروع کر دیا تو وہ امام سجاد کو ساتھ لے کر انہما حقیقت کے لیے خانہ کعبہ تک آئے اور حجِ اوسو کو سلام کیا جس کا کوئی جواب نہ ملا۔ اس کے بعد جب امام سجاد نے سلام کیا تو حجِ اوسو نے آپ کی امامت کی گواہی دے دی اور اس طرح حق واضح ہو کر سامنے آ گیا۔

● بیخ کار ہونے والا ایک شخص اکثر آپ کی زیارت کے لیے آیا کرتا تھا اور اپنے ہمراہ کچھ تھوڑے بھی لایا کرتا تھا ایک مرتبہ زور ہونے لگا کہ تم ہمیشہ تھوڑے جاتے ہو لیکن ادھر سے کوئی جواب نہیں ملتا ہے۔ اتفاق سے اس مرتبہ وہ امام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کھانا نوش فرما رہے تھے۔ آپ نے اسے شریک طعام کر لیا اور آخر میں ہاتھ دھلوانا چاہا تو اس نے انکار کر دیا کہ یہ خدمت میں انجام دوں گا۔ اس کے بعد جب وہ ہاتھ دھلانے لگا تو آپ اس دھوون کے بارے میں براہ سوال کرتے رہے اور وہ اسے پانی بتاتا رہا اور آپ اسے جو اہرات میں تبدیل کرتے رہے یہاں تک کہ طہیبت جو اہرات سے پڑ ہو گیا تو فرمایا اسے لے جا کر اپنی زد و کوب سے دینا تاکہ اسے کوئی شکایت نہ رہے۔ اس شخص نے واپس آکر زد و کوب جو اہرات تھیں تو وہ حیرت زدہ رہ گئی کہ انہیں غیب کی اطلاع کس طرح ہو گئی اور دوسرے سال شوہر کے ہمراہ زیارت کے لیے روانہ ہو گئی۔ راستہ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس نے آکر امام کو اطلاع دی۔ آپ نے بارگاہِ الہی میں دعا کی اور وہ زائرہ زندہ ہو گئی اور امام کی خدمت میں آکر گواہی دی کہ یہی وہ شخص ہے جنہوں نے ملک الموت سے روح کی واپسی کا تقاضا کیا تھا۔

واضح ہے کہ اس واقعہ میں کوئی بات ناقابل یقین نہیں ہے جو خدا کا ملک الموت کے ذریعہ روح قبض کر سکتا ہے وہ واپس بھی کر سکتا ہے اور جو عیسیٰ بن مریم کو اجازت تھی کہ اگرتا ہے وہ فرزندِ نبرا کو بھی لے سکتا ہے جب کہ آپ کی قربانیاں دینِ خدا کے لیے جناب عیسیٰ کی قربانیاں سے یقیناً زیادہ تھیں۔

● ہشام بن عبد الملک اپنے باپ کے دورِ حکومت میں حج کے لیے آیا تو حجِ اوسو تک پہنچ سکا اس کے بعد امام سجاد آئے تو انہیں خود بخود راستہ مل گیا۔ جس پر لوگوں نے حیرت سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اس نے کہا لا اشرافہ تو فرزدق کو جوش آگیا اور انہوں نے بختِ امام کی شان میں ایک قصیدہ پڑھ دیا جس کے نتیجے میں اس نے انہیں خاتمِ عرفان پر قید کر دیا اور جب امام کو اطلاع ہوئی تو اپنے ۱۳ درہم بطور انعام روانہ کیے۔ فرزدق نے سعادت کی کہ جس نے نبیؐ شہداء شمار کیے ہیں اپنے فریاد تھا اور اپنے مقام پر محفوظ ہے لیکن بندت تو ہماری اپنی ذمہ داری ہے۔

دربارِ یزید میں خطبہٴ امام سجادؑ

بعد الخمر والشاء۔ ایہا الناس! ہمیں چھ صفیں عطا کی گئی ہیں اور میں سات باتوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی ہے،

ہماری صفیں علم، علم، سخاوت، ضاحت، شجاعت اور مومنین کے دلوں میں ہماری محبت ہے۔ اور ہمارے اسبابِ فضیلت یہ ہیں کہ رسولِ مختار ہمیں میں سے ہیں۔ صدیقِ (علیؑ)، طیارِ (جعفرؑ) اسد اللہ (حمزہؑ) سیدۃ نساء العالمین (فاطمہؑ)، سبطین امت و سید شباب اہل الجنۃ (حسینؑ) ہمارے ہی بزرگ ہیں۔ جس نے مجھے پہچان لیا اس نے پہچان لیا اور جس نے نہیں پہچانا اس سے اپنا تعارف کر رہا ہوں۔

میں مکہ و مدینہ کا فرزند ہوں، میں زمزم و صفا کا لال ہوں، میں اُس کا فرزند ہوں جس نے ردا میں زکوٰۃ کو اٹھا کر فریبوں تک پہنچایا ہے، میں بہترین لباس و ردا والے کا فرزند ہوں، میں بہترین زمین پر قدم رکھنے والا کا لال ہوں۔ میں بہترین طوافِ سعی کرنے والے اور بہترین حجِ و طیبہ ادا کرنے والے کا لال ہوں، میں اس کا فرزند ہوں جسے براق پر سوار کیا گیا، میں اس کا لال ہوں جسے راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے جایا گیا اور کیا بے نیاز اور پاکیزہ صفات ہے وہ لے جانے والا۔ میں اس کا لال ہوں جسے جبرئیل سدرۃ المنتہیٰ تک اپنے ساتھ لے گئے، میں اس کا فرزند ہوں جس نے تقرب کی تمام منزلیں طے کر کے اپنے کو دو کمانوں کے فاصلہ تک پہنچا دیا، میں اس کا لال ہوں جس نے ملائکہ کے ساتھ نمازِ ادا کی، میں اس کا فرزند ہوں جس سے ربِ علیل نے وحی کے ذریعہ راز کی باتیں کیں۔ میں محمد مصطفیٰ کا لال ہوں، میں علی مرتضیٰ کا فرزند ہوں، میں اس کا لال ہوں جس نے کفار کی ناک رگڑ دی یہاں تک کہ کلمہ پڑھ لیا، میں اس کا وارث ہوں جس نے رسولِ اکرمؐ کے سامنے دو تلواروں سے جنگ کی، دو نیزوں سے نیزہ بازی کی، دو

قلوب کی طرف نماز پڑھی، دو بیعتوں میں حصہ لیا اور دو ہجرتیں کیں، اس نے بدر و حنین کے معرکے سُر کیے اور ایک پلنگ چھپکنے کے برابر شکر نہیں کیا۔ میں صالح المؤمنین کا فرزند ہوں، میں وارث النبیین، قاتل الملحدین، یصوب المسلمین، نور المجاہدین، زین العابدین، تاج البکائین، اصبر الصابریں، افضل القائین من آل نبیین و رسول رب العالمین کا فرزند ہوں، میں اس کالال ہوں جس کی جبرئیل کے ذریعہ تائید اور میکائیل کے ذریعہ مدد کی گئی، میں حرم مسلمین کے محافظ کالال ہوں، میں بیعت شکن، منحرف اور دین سے نکل جانے والوں سے جہاد کرنے والے، لو اسب سے جنگ کرنے والے اور تمام قریش میں سب سے زیادہ بلند تر انسان کا وارث ہوں، میں اس کا فرزند ہوں جس نے سب سے پہلے دعوت الہی پر لبیک کہی، سب سے پہلا صاحب ایمان تھا، ظالموں کی مکر توڑنے والا، مشرکین کو ہلاک کرنے والا، منافقین کے حق میں سہم ترکش الہی، کلمہ عابدین کی زبان، دین خدا کا مددگار، امر خدا کا ولی، حکمت الہی کا باغ، علم الہی کا خزانہ، جواد و کریم زبیرک و زکی، رضی و مرضی، مجاہد و باہمت، صابر و روزہ گزار، ہنڈ و نیک کردار، بہادر و شجاع، اصحاب کا قطع کرنے والا، دشمنوں کی صفوں کا برہم کرنے والا، سب سے زیادہ مطمئن قلب، سب سے زیادہ صاحب اختیار، سب سے زیادہ فصیح و بلیغ، سب سے زیادہ صاحب عزم و عزیمت، سب سے زیادہ صاحب حوصلہ و ہمت، شیر نستان شجاعت بارانِ حمت، میدانِ جنگ میں نیزوں کی باہمی آویزش اور گھوڑوں کی باہمی دوادوش کے موقع پر ظالموں کو پیس ڈالنے والا اور انھیں ذرات کی طرح ہوا میں اڑا دینے والا، جاز کا شیر، صاحب الجہاز، عراق کا سردار، نص و استحقاق کا امام، مکی و مدنی، اہل بی، تہامی، بدری و احدی، بیعت شجرہ و ہجرت کا مجاہد، عرب کا سردار، میدانِ جنگ کا شیر، مشرین کا وارث، بطلین کا والد، منظر عجائب و غرائب، برہم کن جمعیت لشکر، شہاب ثاقب، نور عاقب، اسد اللہ الغالب، مطلوب کل طالب، غالب کل غالب تھا یحییٰ میراجد علی بن ابی طالب۔

میں فاطمہ زہرا، سیدۃ النساء، طاہرہ بتول، بضتہ الرسول کا فرزند ہوں۔

اس کے بعد مصائب کربلا کا ذکر کر کے دربار میں انقلاب برپا کر دیا اور گو یا ظالم کے دربار میں فضائل و مصائب پر شتمل ایک مکمل تقریر کر دی جو اس جہت سے نامکمل رہ گئی کہ ظالم

یزید نے اذان کے ذریعہ ذکر مصائب کو مکمل نہ ہونے دیا اور اس نے محسوس کر لیا کہ فضائل کی تکذیب آسان ہے لیکن مصائب کے درد کار و کنا آسان نہیں ہے۔

مذکورہ خطبہ میں جو بات قابل توجہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ امام نے ابتداء میں تمام اسلامی آثار کا تذکرہ کر کے اپنی وراثت کا ذکر کیا اور اس کے بعد اپنے کو وارث رسول قرار دیا اور پھر اپنے بزرگوں کے فضائل کا تذکرہ کیا کہ دیکھیں ظالم ان میں سے کس حصہ کو چیلنج کرتا ہے۔ لیکن تاریخ کربلا گواہ ہے کہ یزید خطبہ کے کسی حصہ کو چیلنج نہیں کر سکا بلکہ اس نے اذان شروع کرادی جو امام کی فتحِ بین کا اعلان تھا کہ رسالت کو سنی ہاشم کا کھیل کہنے والا اَشْفَقْنَا أَنْ نَحْمَدَ رَسُولَ اللَّهِ کھلوار ہے اور امام نے اسی مقام پر اپنے حق کا اعلان کر کے رسالت کے ساتھ ذکر امامت کی بنیاد ڈالی دی جس کا سلسلہ بحمد اللہ آج تک قائم ہے اور درباروں کے فنا ہو جانے کے بعد بھی مظلومیت کی بنیادیں استوار ہیں۔

زین العابدین بارگاہ معبود میں!

دعا کرنا بظاہر انتہائی آسان ہے اور واقعاً انتہائی مشکل ہے۔ دنیا کا کون سا انسان ہے جو محتاج نہیں ہے، اور کون سا محتاج ہے جو کسی سے طلب نہیں کرتا ہے۔ درحقیقت اسی طلب کا نام دُعا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جو ناواقف اسرار طلب ہیں وہ محتاجوں سے مانگتے ہیں۔ اور جنہیں طلب کا طریقہ میسر آتا ہے وہ بے نیاز سے مانگتے ہیں۔ محتاجوں سے مانگنے کا نام خوش آمد تعلق، تعریف بے جا، تواضع بے محل اور استعلاء و التماس ہے۔ اور بے نیاز سے مانگنے کا نام دعا ہے۔ بے نیاز نے خود کسی کو اپنا نام نہ بنا دیا ہے تو اس سے مانگنا مذکورہ بالا عناوین سے خارج ہے کہ یہ درحقیقت بے نیاز ہی سے طلب کرنا ہے اور مانگنے والا جانتا ہے کہ یہ افراد اس کے مقابلہ میں حاجت روائی کے دعوے دار نہیں ہیں بلکہ اس کی ناسندگی میں حاجت روائی کا کام اٹھانا دیتے ہیں اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے۔ اگر ایک فرشتہ اس کی طرف سے جان لینے پر آمور ہو سکتا ہے تو ایک بندہ جان دینے پر بھی آمور ہو سکتا ہے۔ اس امکان سے کوئی صاحب عقل انکار نہیں کر سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس قسم کے واقعات کی دنیا الگ ہے اور اس پر بحث کرنے کے لیے بڑی تفصیل درکار ہے۔

دعا جس قدر آسان ہے کہ تقاضائے فطرت، عادت بشر اور مزاج انسانی کے عین مطابق ہے اسی قدر مشکل بھی ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ سہل متنع اگر کوئی چیز ہے تو وہ دعا ہی ہے جو الفاظ کے اعتبار سے انتہائی آسان ہوتی ہے اور اسرار کے اعتبار سے انتہائی مشکل۔

دعا کے لیے جس قدر آداب درکار ہیں، جو پاکیزگی نفس ضروری ہے اور جس طرح کے تصورات لازم ہیں ان کا حاصل کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ دعا، مرکز دعا کی معرفت بر موقوف ہے، اور معرفت زندگی کا عظیم ترین مرحلہ ہے جسے

مولائے کائنات نے ابتداء دین اور بنیاد مذہب قرار دیا تھا۔ معرفت کے بعد بارگاہ کے مطابق الفاظ کا انتخاب کرنا اس سے سخت ترین مرحلہ ہے اور ان تمام مراحل کے بعد طلب میں صدق نیت پیدا کرنا اور ایک انتہائی دشوار گزار مرحلہ ہے۔ ورنہ عام طور سے ایسا ہوتا ہے کہ مانگنے والا، بظاہر خدا کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے رہتا ہے لیکن نظر کسی حاکم کے اقتدار کی دو ٹوند کی جیب، کسی صاحب خیرات کے جود و کرم پر لگی رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس دعا کا نام دعا نہیں ہے اور گہرائیوں پر غور کیا جائے تو یہ توہین دعا ہے۔ دعا معبود پر اعتماد کا نام ہے۔ اور دوسروں پر نگاہ رکھنا بجا اعتماد کی علامت ہے۔ بعض روایات میں تو یہ تک مضمون وارد ہوا ہے کہ اگر کسی شخص کو دعا کی قبولیت پر اعتماد نہ ہو اور وہ صرف حسب عادت یا برائے تجربہ دعا مانگ رہا ہے تو وہ معبود کی توہین کا مرتکب ہو رہا ہے۔ دنیا کے کسی صاحب کرم کے پاس میں بے اعتمادی اس کے کرم کی توہین ہے تو معبود کے کرم کے بارے میں بے اعتمادی کتنی بڑی توہین کا باعث ہوگی۔ اور تجربہ تو اصلاً حدود اسلام سے باہر ہے۔ بھلا کس بندہ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ پروردگار سے مانگ کر اس کے کرم کی آزمائش کرے اور یہ دیکھے کہ وہ کیا جواب دیتا ہے۔ "تمنائے اہل کرم" دنیا میں دیکھا جاتا ہے۔ مذہب میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض علماء کرام نے یہ تاکید کی ہے کہ اپنی دعاؤں میں ائمہ معصومین کے الفاظ کا اتباع کرو اور اس کی معنویت پیدا کرنے کی کوشش کرو کہ تمہارے الفاظ اس کی بارگاہ کے لیے نامناسب ہو سکتے ہیں لیکن ان کے الفاظ میں یہ نقص نہیں ہے۔ وہ کامل الایمان اور کامل المعرفہ تھے وہ جو الفاظ استعمال کر دیں گے وہ یقیناً بارگاہ کے شایان شان ہوں گے اور اس سے مدعا کے حصول کی راہ ہموار ہوگی بلکہ انہیں الفاظ سے انسان اپنے اندر سلیمت معرفت بھی پیدا کر سکتا ہے۔

واضح الفاظ میں یوں کہا جائے کہ ہماری دعائیں تہیہ معرفت ہیں اور مصومین کی دعائیں درس معرفت۔ ہم وہ الفاظ استعمال کرتے ہیں جو ہماری معرفت کا نتیجہ ہوتے ہیں اور انہوں نے وہ الفاظ استعمال کیے ہیں جن سے ہم معرفت باری کی راہیں متعین کر سکتے ہیں۔ "یا من دلی

علیٰ ذاتہ بذاتہ۔ (اسے وہ معبود جس نے خود اپنی ذات کی طرف رہنمائی کی ہے کہ وہ خود ہی راہ نما بھی ہے اور منزل بھی۔

یہ جملہ معرفت کا ایک سمندر ہے کہ اگر دعائیں یہ فقرہ نہ آگیا ہوتا تو انسان کے سامنے معرفت کا صرف ایک ہی راستہ تھا کہ مخلوقات سے خالق کو پہچاننے اور کائنات کی عظمت سے مالک کائنات کی بزرگی و برتری کا اندازہ لگانے۔ لیکن امام کے اس ایک فقرہ نے معرفت کا ایک نیا راستہ کھول دیا ہے اور یہ واضح کر دیا ہے کہ مخلوقات میں خالق کو پہچاننے کی وہ صلاحیت نہیں ہے جو معرفت خود خالق کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یہ مرتبہ ہر ایک کو حاصل نہیں ہے۔ اس کی طرف اشارہ دعائے صباح میں مولائے کائنات نے کیا تھا اور اس کے بعد اس کی مکمل تشریح دعلے ابو حمزہ ثمالی میں امام زین العابدین نے کی ہے، سرکارِ بید الشہداء نے دعائے عرفین اسی حقیقت کی طرف بہت سے اشارے فرمائے ہیں اور معرفت کے بے شمار راستے کھول دیے ہیں۔

دعاؤں کے سلسلے میں مصومین کے الفاظ و کلمات کی تعریف کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ بھلا کس کی مجال ہے جو ان لفظوں کی بلاغت کا اندازہ کر سکے اور اس کے بعد یہ کہے کہ یہ الفاظ اس معرفت کی مکمل ترجمانی کر رہے ہیں یا مسجود کی بارگاہ کے ثنایاں شان ہیں صاحبانِ بصیرت کے بیان کے مطابق صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اس میدان میں جس قدر رہنمائی امام زین العابدین نے کی ہے اور دعا کو جس قدر آپ نے درس و تبلیغ کا ذریعہ بنایا ہے دیکھ سھیت کے یہاں اس کی مثالیں نہیں ملتی ہیں اور غالباً اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دوسرے مصومین کو دوسرے ذرائع بھی فراہم ہو گئے تھے اور انھوں نے ان ذرائع کو بھی درس بصیرت اور تبلیغ دین و مذہب کا ذریعہ بنالیا تھا، یا بعض اوقات انھیں اتنا موقع بھی نہ مل سکا کہ دعاؤں کے ذریعہ اس کا نام کو انجام دے سکتے۔

امام زین العابدین کا زمانہ واقعہ کربلا کے بعد ایک انتہائی حساس اور دشوار گزار دور تھا۔ اس دور میں سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ کسی طرح کا مسلح اقدام ممکن نہیں تھا اور ایک عظیم اقدام کا اثر نظر کے سامنے تھا یعنی مذہب نے اپنی زندگی کے لیے خون کا مطالبہ کیا تھا اور وہ مطالبہ

پورا کیا جا چکا تھا۔ انقلابی تحریک کے لیے وہ مقدس خون ہی کافی تھا اس کے لیے مزید قربانی کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن امام کے لیے خاموش بیٹھنا بھی ممکن نہیں تھا کہ امام ہدایت خلق کا زردار ہوتا ہے اس لیے آپ نے تصویر کے دوسرے رخ پر نظر ڈالی کہ یہ صحیح ہے کہ میرا قیام غیر ضروری ہے اور اسلام کو فی الحال میرے خون کی ضرورت نہیں ہے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ اس وقت مظلومیت کے نام پر قوم گوش برآواز ہے اور الفاظ کی اتنی سخت گرفت ممکن نہیں ہے۔ لہذا ضرورت ہے کہ انھیں الفاظ کے ذریعہ مذہب کی تبلیغ بھی کی جائے اور مظلومیت کی ترویج کا کام بھی انجام دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام بہ شکل خطبہ ممکن نہیں تھا کہ خطبہ میں مسلح اقدام کے اعتراض کے امکانات پائے جاتے تھے اور ایک خوبی ساتھ ممکن تھا جس کی اس وقت مشیت پروردگار کو ضرورت نہیں تھی اس لیے آپ نے دعاؤں کا راستہ اختیار کیا اور انھیں دعاؤں کے ذریعہ تمام مراحل تبلیغ و ترویج مکمل کر لیے۔

آپ کے الفاظ اس قدر جامع، موثر اور مطابق مقصد و مدخل تھے کہ صاحبانِ حاجت آپ کی دعاؤں پر مکمل اعتماد کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کے ایک شاگرد نے آپ کی ایک دعا کے بارے میں یہاں تک کہہ دیا کہ اس دعا کے ذریعہ دعا حاصل نہ ہو تو دعا کرنے والے کو مجھ پر لعنت کرنے کا حق ہے۔ یعنی یہ دعا بارہا کی آزمائی ہوئی ہے اور جب بھی اس کے سہارے مدعا طلب کیا گیا ہے ضرور حاصل ہوا ہے۔ اب انسان کا فرض ہے کہ ان پاکیزہ الفاظ کے لیے پاکیزہ زبان اور پاکیزہ قلب فراہم کرے تاکہ اس کے اثرات و نتائج سے بہرہ یاب ہو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ امام کی اس دعا کا لہجہ، اسلوب اور انداز اس قسم کا ہے کہ دعا کرنے والے کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا مدعا ضرور حاصل ہوگا۔ ”خدا یا! میں تجھے کیسے پکاروں کہ میری حیثیت معلوم ہے (میں میں ہوں) اور تجھ سے کس طرح امیدیں منقطع کروں کہ تیرا کرم بھی معلوم ہے کہ (تو تو ہے)۔ خدا یا! میں تجھ سے سوال نہیں بھی کرتا ہوں تو عطا کرتا ہے۔ بھلا ایسا کون ہے جس سے سوال کروں تب ہی عطا کرے۔ خدا یا! تجھے نہیں بھی پکارتا ہوں تو دعائیں قبول کر لیتا ہے۔ اب تیرے علاوہ کون ہے جو مانگنے ہی پر دیدے۔ خدا یا! تجھ سے تضرع و زاری نہیں بھی کرتا ہوں تو تو رحم کرتا ہے، اب تیرے علاوہ کون ہے جو کرم از کرم تضرع و زاری ہی پر رحم کرے۔ خدا یا! جس طرح تو نے سمندر میں راستہ بنا کر موسیٰ کو نجات دی ہے

میری التماس یہ ہے کہ محمد و آل محمد پر رحمتیں نازل فرما اور مجھے بھی میری پریشانیوں سے نجات دیدے اور میرے لیے فی الفور سہولت و آسانی کا راستہ کھول دے۔ اے ارحم الراحمین! تجھے تیرے فضل و کرم کا واسطہ!

ان الفاظ سے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ انسان اس اخلاص و صدق نیت کے ساتھ دعا کرے اور اپنے دل میں واقفانہ جذبات پیدا کر لے اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کہ ہر فرعون وقت کے مقابلہ میں غریب الوطن موسیٰ کی طرح صرف ذات واجب پر بھروسہ کر لے تو کس طرح ممکن ہے کہ سمندروں میں سے راستہ نہ نکل آئے اور فرعون جیسے ظالموں سے نجات نہ مل جائے اور وہ ظالم فرقاب نہ ہو جائیں۔

آج جب کہ بروبح مصائب کامر کب بنے ہوئے ہیں اور سمندر سرچشمہ رحمت ہونے کے بجائے سرچشمہ آلام و مصائب بن گئے ہیں ان دعاؤں، ان الفاظ، ان کلمات اور ان معارف و جذبات کی شدید ترین ضرورت ہے۔ رب کریم ہم سب کو اس انداز دعا سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری دعاؤں کو شرف قبولیت سے مشرف کرے جن میں سب سے اہم دعا وارث زین العابدین کے ظہور اور قبر زین العابدین کے آبادی کی دعا ہے۔ خدایا! حجت آخر کے ظہور میں تعجیل فرما اور یقیع کے ویران قبرستان کو آباد فرما!

اسلام میں دعا کی اہمیت اور اس کے آداب

دعا

اے پیغمبر! کہہ دو کہ تمہاری دعا نہ ہوتی تو پروردگار تمہاری طرف توجہ بھی نہ کرتا۔ (قرآن کریم) ہم سے دعا کرو، ہم قبول کریں گے۔ دعا کی منزل میں اکڑ جانے والے ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔ (قرآن کریم)

میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں تو کہہ دو کہ میں بہت قریب ہوں اور سب کی دعائیں سن لیتا ہوں۔ (قرآن کریم) کیا میں تمہیں ایسے اسلو کا پتہ دوں جو دشمن سے بچا سکے اور روزی کو فراواں کر سکے یا اسلمو دعا ہے۔ (رسول اکرم)

دعا مومن کی سپر ہے اور جب دروازہ دیر تک کھٹکٹایا جائے گا تو بالآخر کھل جائیگا۔ (امیر المؤمنین) مسئلے مصیبت سے زیادہ سزاوار دعا و دعا صاحب عاقبت ہے جو بلا کے خطرہ سے محفوظ نہیں ہے۔ دونوں کو برابر سے دعا کرنا چاہیے۔ (امیر المؤمنین)

دعا رتبہ بلا کا مستحکم ترین ذریعہ ہے۔ (امام زین العابدین)
دعا سے قضا پلٹ جاتی ہے۔ (امام محمد باقر)

رات بھر ناز پڑھنے والے سے رات بھر دعا کرنے والا افضل ہے۔ امام صادق۔ (نمازیں ریاکاری اور غفلت کا امکان ہے۔ دعا اخلاص اور توجہ چاہتی ہے۔ جوادی)

دعا تیز ترین نیزہ سے زیادہ موثر ہے۔ (امام صادق)

دعا رتبہ بلا کا ذریعہ ہے۔ (امام کاظم)

انبیاء کے اسلو کو اختیار کرو جس کا نام دعا ہے۔ (امام رضا)

آداب و اسباب استجاب دعا

- ۱۔ انسان با وضو دعا کرے۔
- ۲۔ خوشبو استعمال کرے۔
- ۳۔ رو بہ قبلہ ہو۔
- ۴۔ حضور قلب کے ساتھ دعا کرے۔ امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ حضور قلب دعا کے چھ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔
- ۵۔ خدا سے حسن ظن رکھے کہ وہ کریم ہے۔ سائل کو خالی ہاتھ واپس نہ کرے گا۔
- ۶۔ دعائے پہلے صدقہ دے۔
- ۷۔ فعل حرام یا قطع رحم کی دعا نہ کرے۔
- ۸۔ گڑگڑا کر دعا کرے۔ امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ ایسی دعا ضرور مستجاب ہوتی ہے۔ امام صادق فرماتے ہیں کہ پروردگار بندوں سے گڑگڑانے کو برا سمجھتا ہے اور اپنے سامنے گڑگڑانے کو دوست رکھتا ہے۔
- ۹۔ حاجتوں کو بیان کرے۔ امام صادق فرماتے ہیں کہ خداوند ہر ایک کی حاجت جانتا ہے مگر یہ چاہتا ہے کہ انسان خود بھی بیان کرے۔
- ۱۰۔ مخفی انداز سے دعا کرے۔ امام رضا کا ارشاد ہے کہ مخفی انداز کی ایک دعا علانیہ بیشتر دعاؤں سے بہتر ہے۔
- ۱۱۔ اپنی دعائیں دوسرے مومنین کو بھی شامل کرے۔ مرسل اعظم فرماتے ہیں کہ ہمیشہ اپنی دعاؤں میں دوسرے مومنین کو بھی شامل رکھو۔
- ۱۲۔ اجتماع طور پر دعا کرے۔ امام صادق فرماتے ہیں کہ جس جگہ ۴۰ مومنین جمع ہو کر دعا کریں گے وہ دعا ضرور قبول ہوگی اور ۴۰ ممکن نہ ہوں تو چار آدمی دس مرتبہ دعا کریں، اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو ایک آدمی ۴۰ مرتبہ دعا کرے۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ایک آدمی دعا کرے اور باقی لوگ آمین کہیں۔

امام محمد باقر کا طریقہ تھا کہ آپ مشکلات میں گھر کے بچوں اور عورتوں کو جمع کر کے فرماتے تھے کہ میں دعا کروں تم سب آمین کہو۔ (اگرچہ امام کی دعائیں کی محتاج نہ تھی لیکن یہ امت کی تربیت کا بہترین سلیقہ تھا۔ جو آدی)

امام جعفر صادق فرماتے ہیں، دعا کرنے والا اور آمین کہنے والا دونوں شریک دعا سمجھے جاتے ہیں۔

۱۳۔ بارگاہِ احدیت میں اپنی ذلت، عاجزی اور کمزوری کا اظہار کرے کہ پروردگار نے جناب موسیٰ کی طرف وحی کی ہے کہ مجھ سے لرزتے ہوئے دعا کرو، اپنے چہرہ کو خاک پر رکھو، میرے سامنے باقاعدہ سجدہ کرو اور کھڑے ہو کر ہاتھ پھیلا کر دعا مانگو اور خوف زدہ دل کے ساتھ مجھ سے مناجات کرو۔

۱۴۔ دعائے پہلے حمد و ثناء الہی کرے۔ امیر المومنین فرماتے ہیں کہ دعا سے پہلے خدا کی بزرگی کا اقرار کرو اور یہ کہو: "اے وہ پروردگار جو رنگ گردن سے زیادہ قریب ہے، جو انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، جو انتہائی بلند منظر پر ہے، جس کا مثل کوئی نہیں ہے۔ اے بہترین عطا کرنے والے اور بہترین مرکز سوال!۔ اے بہترین رحم کرنے والے!۔ کہ ان الفاظ کے ذریعہ دعا قبولیت سے قریب تر ہو جاتی ہے۔ (یہ الفاظ دلیل معرفت مجدد ہیں۔ جو آدی)

۱۵۔ دعائے پہلے صلوات پڑھے۔ امام صادق فرماتے ہیں کہ صلوات کے بغیر دعا بارگاہِ احدیت تک نہیں پہنچ سکتی۔ بغیر صلوات کی دعا، دعا کرنے والے کے سپرد منڈلاتی رہتی ہے۔ دعا کے قبل و بعد صلوات پڑھو تاکہ خداوند اسی صلوات کے طفیل میں تمہاری دعا بھی قبول کر لے اس لیے کہ صلوات کی دعائے رحمت رد نہیں ہو سکتی۔

۱۶۔ دعا کے بعد بھی صلوات پڑھے۔

۱۷۔ خدا کو محمد و آل محمد کے حق کا واسطہ دے۔

۱۸۔ وقت دعا گریہ کرے۔ امام صادق فرماتے ہیں کہ کسی ضرورت میں دعا کرنا ہو تو پہلے اوصافِ خدا بیان کرو۔ پھر صلوات پڑھو اور پھر گریہ کرو چاہے ایک ہی آنسو ہو۔ امام باقر فرماتے

ہیں کہ بندے کے تقرب کا بہترین وقت وہ ہوتا ہے جب وہ سجدہ میں گریہ و زاری کرتا ہے۔
تاریکی شب میں قطرہ اشک سے زیادہ محبوب کوئی شے نہیں ہے۔ رب العالمین نے جناب عیسیٰ
سے فرمایا کہ اپنی آنکھوں سے مجھے آنسو دو اور اپنے قلب سے شمع دو۔

امام صادق کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن تین آنکھوں کے علاوہ سب آنکھیں روتی
ہوں گی۔ (۱) وہ آنکھ جو نادم سے محفوظ رہی ہے۔ (۲) وہ آنکھ جو اطاعتِ خدا میں بیدار رہی
ہے۔ اور (۳) وہ آنکھ جس نے تاریکی شب میں خوفِ خدا سے گریہ کیا ہے۔

اسحاق بن عمار نے امام صادق سے عرض کی کہ دعا کے لیے رونا چاہتا ہوں تو آنسو
نہیں نکلتے اور عزیزوں کو یاد کرتا ہوں تو آنسو نکلتے آتے ہیں۔ اب کیا کروں؟ فرمایا پہلے عزیزوں
کو یاد کرو اور جب دل بھر آئے تو دعا کرو کہ ایسے وقت میں دعا قبول ہوگی۔

واضح رہے کہ محرماتِ شریعت سے پرہیز کیے بغیر گریہ کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ جیسا کہ
آغازِ بیان میں عرض کیا گیا ہے کہ ظالمین کی سلامتی کی دعا کے ساتھ گریہ و زاری ہے تضرع
و زاری نہیں ہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ صرف رو لینے اور آنسو بہا لینے
کا نام خوفِ خدا نہیں ہے۔ جب تک محرماتِ اسلام اور مصیبتِ خداوندی سے پرہیز نہ کیا جائے
یہ جھوٹا خوف ہے اور اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ (جوادی)

۱۹۔ دعاؤں سے پہلے گناہوں کا اقرار کرے۔ کہ اس طرح خوف پیدا ہوگا، دل نرم
ہوگا، آنکھ نم ہوگی اور دعا قبول ہوگی۔

۲۰۔ ہر تن خدا کی طرف متوجہ رہے۔

۲۱۔ بلا نازل ہونے سے پہلے دعا کرے۔ مرسلِ اعظم فرماتے ہیں کہ تم راحت میں خدا
کو پہچانو وہ مصیبت میں تمہارے کام آئے گا۔

۲۲۔ برادرانِ ایمانی سے التماس دعا کرے۔ کہ رب کریم مومن کی دعا مومن کے حق
میں قبول کرتا ہے۔

۲۳۔ دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرے۔ مرسلِ اعظم فرماتے ہیں کہ اس طرح ہاتھ اٹھا کر
دعا کرو جس طرح مسکین کریم سے کھانا مانگتا ہے۔

امام صادق فرماتے ہیں پناہ مانگنے کے لیے ہاتھ اٹھاؤ تو تمہیں قبلہ کی طرف رہے اور
اور رزق کے لیے دعا کرو تو تمہیں آسمان کی طرف رہے۔ اور دشمن کے مقابلہ میں دعا کرو تو
دونوں ہاتھ سر سے زیادہ اونچے رہیں۔

۲۴۔ برادرانِ مومنین کے حق میں دعا کرے۔

۲۵۔ دعا قبول ہو یا نہ ہو برابر دعا کرتا رہے۔ شاید کہ تاخیر میں مصلحت پروردگار ہو،
اور دعا محبوب پروردگار ہے لہذا محبوب عمل کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔

۲۶۔ دعا کے بعد دونوں ہاتھوں کو چہرہ پر ملے۔ بلکہ سر اور سینہ پر بھی ہاتھ پھیرے۔

۲۷۔ دعا کے خاتمہ پر ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کہے۔

۲۸۔ دعا کے بعد اپنے کردار کو پہلے سے بہتر بنائے۔ ایسا نہ ہو کہ بعد کے اعمال دعا کو
قبولیت سے روک دیں۔

۲۹۔ دعا کے ساتھ تمام محرمات اور معاصی کو ترک کرے کہ بدعتی، جنتِ باطن، نفاق،
نازکاتِ تاخیر کر دینا اور والدین کی نافرمانی دعا کو قبولیت سے روک دیتی ہے۔

۳۰۔ بندوں کے جملہ حقوق ادا کر کے دعا کرے ورنہ جس کے ذمہ کسی کا حق ہوگا اس کی
دعا قبول نہ ہوگی۔

۳۱۔ وقت دعا ہاتھ میں عقیق یا فیروزہ کی انگلی ٹھہرائے۔

۳۲۔ دعا کی عبارت بھی غلط نہ ہو کہ اس کا بھی اثر ہو سکتا ہے۔

اسبابِ استجابتِ دعا

دعا کے ان آداب کے ساتھ ان اسباب کا اختیار کرنا بھی ضروری ہے جن کے ذریعہ دعا
قبولیت سے قریب تر ہوجاتی ہے اور اس کا تعلق کسی زمان سے ہوتا ہے اور کبھی مکان سے،
اور کبھی افعال و احوال سے۔ مثال کے طور پر زمان کے اعتبار سے بہترین وقت دعا، شبِ جمعہ،
روزِ جمعہ، آخر روزِ جمعہ، آخر شب، ماہِ رمضان، شبِ ہائے قدر، شبِ عرفہ، روزِ عرفہ، شبِ بیست
روزِ بیست، شبِ عیدِ فطر و انجمنی، شبِ عیدِ غدیر، روزِ ہائے عید، شبِ اولِ رجب، شبِ شہادتِ

شب نیمہ رجب، روز نیر رجب، روز ولادت پیغمبر، وقت زوال، وقت باران رحمت، وقت طلوع فجر، طلوع آفتاب، وقت اذان۔

(کاش تبرک اوقات میں رسمی خوشیوں اور گناہوں کے بجائے دعاؤں کی پابندی کی جاتی اور اس کے برکات سے فائدہ اٹھایا جاتا۔ مگر ہمارا معاشرہ ابھی ان حقیقتوں سے دور ہے۔ قدیم استعماری ماحول سے نجات ملے گی تو یہ سارے حقائق سامنے آجائیں گے۔ جو آدمی)

مکان کے اعتبار سے۔ مسجد، خانہ کعبہ، میدان عرفات، میدان مزدلفہ، روضہ رسول، حائر امام حسین، مشاہد مقدسہ دعا کے لیے بہترین مقامات ہیں۔ افعال و احوال کے اعتبار سے نماز کے بعد کی دعا، مریض کی دعا عیادت کرنے والے کے حق میں، سائل کی دعا معطلی کے حق میں، روزہ دار، بیمار، حاجی، عمرہ کرنے والے، مظلوم، مومن محتاج، وقت افطار، ماں باپ کی دعائے خیر اور دعائے بددلوں قبولیت سے زیادہ قریب رہتی ہیں۔

بعض دعائیں قبول نہیں

جو شخص گھر میں بیٹھ کر بغیر محنت و مشقت و وسعت رزق کی دعا کرے۔
جو شخص بیوی کے حق میں بددعا کرے حالانکہ طلاق کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہے۔
جو شخص قرض دار کے انکار پر بددعا کرے حالانکہ گواہ فراہم کرنے کا حق اس کے ہاتھ میں تھا۔
جو شخص ایک مرتبہ رزق خدا کو برباد کر کے دوبارہ رزق کی دعا کرے۔
جو شخص مکان بدل سکتا ہو اور ہمسایہ کے حق میں بددعا کرے۔

جو شخص گناہوں پر مصروف ہو، بندوں پر ظلم کرتا ہو، مال حرام کھاتا ہو اور پھر دعا کرے کہ ایسی دعا کرنے والے طعون ہوتے ہیں ان کی دعا مستجاب نہیں ہوتی۔ (مفتاح الجنات علامہ حسن الامین عالمی)

مذکورہ بالا شرائط و آداب اور اسباب کو دیکھنے کے بعد یہ حقیقت بھی سامنے آجاتی ہے کہ ہماری دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں اور یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مصومین کی دعا رکھوں نہیں ہوتی اور ان کا ہر دعا کس طرح پورا ہو جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ مصلحت الہی کے عارف اور موزونہ شہادت کے دانا ہیں وہ اس قوی ترین اسلحہ کو جا دویا استعمال نہیں کرتے بلکہ اس کے عمل استعمال سے مکمل طور

پر واقف ہیں اور شہادت الہی کو دیکھے بغیر استعمال نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ادنی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو ہم تباہی اور بربادی کی دعا شروع کر دیتے ہیں اور وہ زفر اعدا میں گھرنے کے بعد بھی قوم کی ہدایت کی دعا کرتے ہیں۔ ہم اپنی بڑی کے اظہار کے لیے دعا کا استعمال کرنا چاہتے ہیں اور وہ دین خدا کی صداقت و حقانیت کے لیے مبالغہ کارادہ کرتے ہیں۔

دعا کی اہم ترین ضرورت اور دعا کرنے والے کی عظیم ترین معرفت کو دیکھنا ہوتا تو کلا کے میدان میں دیکھے جہاں ہر مصیبت، ہر آفت، ہر بلا مصیبت زدہ انسان کو بددعا کی دعوت دے رہی ہے۔ ہر قربانی ماں کو اپنے لال کی سلامتی کی دعا پر مجبور کر رہی ہے۔ ہر اڑھٹی ہوئی مانگ، مٹھی ہوئی جوانی، برباد ہوتا سہاگ بددعا پر آمادہ کر رہا ہے۔ لیکن زکوٰئی ماں اذن امام کے بغیر بچہ کی سلامتی کی دعا کرتی ہے۔ زکوٰئی خاتون اپنے گود کے خالی کرنے والے، اپنے سہاگ کو اُجاڑنے والے اور اپنے باغ تننا کو برباد کرنے والے کے حق میں بددعا کر رہی ہے۔ بلکہ ہر ایک کی زبان پر صبر، استقامت، قبولیت قربانی اور فزع عظیم کی دعا ہے۔ اور کیوں نہ ہوتا اس قافلہ کا قافلہ سالار وہ دانائے روز و شبیت، ناز پروردہ رسول انقلین ہے جس نے جو ان بیٹے کا لاشہ اٹھایا، ۳۴ سال کے بچائی کو روایا، بھانجوں اور بھتیجیوں کا داغ دیکھا، احباب انصار کے لاشے اٹھائے، چھ مہینے کے بچے کی قربانی دی، کس بچی کو روتا چھوڑ کر میدان میں گیا، ماں کے گریہ کی آواز سنی، باپ کو میدان میں جاہم کو ترک کر دیکھا، نانا کو برہنہ سر تباہ حال دیکھا، کونین میں تہلک اور تلاطم کا مشاہدہ کیا اور ان سب مصائب کے هجوم میں پیشانی خاک پر رکھی تو یہی کہا کہ خدایا! میں نے اپنے وعدے کو پورا کر دیا اب تو بھی نانا کی امت کی بخشش کا خیال رکھنا۔ ایسے ہی وقت میں شاعر نے حالات کی ترجمانی کی ہے کہ جب فرزند رسول زفر اعدا میں گھر گیا، زہرا کا چاند شام کی فوجوں کے بادل میں چھپ گیا، آسمان کی نگاہیں حسین کو تلاش کرنے لگیں:

عش پر سید قرار دل کو نین کجا است
آسمان گفت کہ مشغول دعا است حسین

دعائے سحر ابو حمزہ الثمالی

باسم سبحانہ

دعائے سحر جناب ابو حمزہ ثمالی

جناب ابو حمزہ ثمالی کا اسم گرامی ثابت بن دینار تھا۔ کوفہ کے رہنے والے تھے اور وہاں کے زاہدوں میں شمار ہوتے تھے۔

قبیلہ ثمالہ کی طرف منسوب ہیں جو بنی ازد کی ایک شاخ ہے۔ اس قبیلہ کو ثمالہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ثمالہ کے معنی بقایا کے ہیں اور اس قبیلہ نے ایک جنگ میں شرکت کی جس میں سارا قبیلہ کام آگیا صرف چند افراد باقی رہ گئے جنہیں ثمالہ کہا جاتا تھا۔ فضل بن شاذان کی روایت ہے کہ امام رضاؑ نے انہیں اپنے دور کا سلمان فارسی قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ انہوں نے چار اماموں کی خدمت میں حاضری دی ہے۔ امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ، امام جعفر صادقؑ اور موسیٰ کاظمؑ۔

امام جعفر صادقؑ نے ابوبصیر سے فرمایا کہ ابو حمزہ سے ملاقات کرنا تو میرا سلام کہ دینا اور کہنا کہ تم فلاں ہسینہ میں فلاں دن انتقال کر جاؤ گے۔ ابوبصیر نے عرض کی کہ وہ آپ کے واقعی شیعوں میں ہیں؟ فرمایا بیشک میرے پاس جو کچھ بھی ہے تم لوگوں کے لیے خیر ہے۔ ابوبصیر نے عرض کی مولا! کیا آپ کے شیعوں آپ کے ساتھ رہیں گے؟ فرمایا، بے شک اگر ان کے دل میں خوفِ خدا اور رسول ہے اور گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں تو یقیناً وہ ہمارے ساتھ، ہمارے درمیں ہوں گے۔ (جوادی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعائے سحر ابو حمزہ الثمالی

خدایا! اپنے خطاب کے ذریعہ ہماری تہنید نہ کرنا اور میں اتنی چھوٹ نہ بنے دینا کہ ہم دھوکہ مٹا پڑ جائیں۔ ہمارے پاس خیر کہاں سے آئے گا! اس کا مرکز تو تیری ہی ذات ہے اور ہم نجات کیسے پائیں گے اس کا اختیار تو تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔

خدایا! نیک کردار بندے بھی تیری نصرت و امداد سے بے نیاز نہیں ہیں اور بد عمل انسان بھی تیرے اختیار سے باہر نہیں ہیں۔ پروردگار! پروردگار! ہمارے پروردگار! ہم نے تجھے تیرے ہی ذریعے سے پہچانا ہے اور تو نے ہی ہماری رہبری کی ہے ورنہ تو نہ ہوتا تو ہم کیا جانتے کہ تو کون ہے تعریف ہے بس اس خدا کی جس کو پکارتا ہوں تو سن لیتا ہے۔ اگرچہ میں اُس کے بھلانے پر دیر کرتا ہوں اور تعریف ہے اس خدا کی جس سے عرض حاجت کرتا ہوں اور بلا سفارش راز دل کہتا ہوں۔ تو حاجت روائی کر دیتا ہے۔ اگرچہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔

میں اُس کے علاوہ کسی کو نہیں پکارتا کہ سب رد کرتے ہیں اور اُس کے سوا کسی سے اُس نہیں لگاتا کہ سب مایوس کر دینے والے ہیں۔

شکر ہے کہ اُس نے اپنے حوالے رکھ کر عزت دی ہے ورنہ لوگوں کے حوالے کر دیتا تو لوگ ذلیل کر دیتے۔ وہ بے نیاز ہو کر بھی ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم کو یوں برداشت کرتا ہے جیسے ہم نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔ وہ سب سے زیادہ قابل تعریف اور لائق شکر ہے۔

پروردگار! تیری طرف آنے والوں کے راستے ہموار ہیں اور تیری عطا کیے ہوئے چیزیں ہمیں۔ تیرے امیدواروں کی استعانت عام ہے اور تیرے فریادوں کے لیے دروازے کھلے

ہوئے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تو ایدواروں کا حاجت روا اور فریادوں کا فریاد رس ہے۔ تیرے جو دو کرم کی التماس اور تیرے فیصلوں پر راضی رہنا ہی تمام بخیلوں کے انکار کا بدلہ ہے اور تمام صاحبانِ حیثیت کے اختیارات سے آزادی ہے۔

پروردگار! تیری طرف آنے والوں کی مسافت بہت کم ہے اور تو اپنے بندوں سے پوشیدہ نہیں ہے جب تک اعمال درمیان میں پردہ نہ ڈال دیں۔

میں اپنے مقاصد اور اپنی حاجتیں لے کر تیری طرف آ رہا ہوں تجھی سے فریاد ہے اور تیری ہی دعا کا وسیلہ ہے۔ میں نہ قبولیت کا حق رکھتا ہوں اور نہ معافی کا حق دار ہوں۔

صرف تیرے کرم اور تیرے صادق الوعد ہونے کا سہارا ہے۔ تیری توحید پر ایمان اور تیری معرفت کا یقین مطمئن بنائے ہوئے ہے کہ تیرے سوا کوئی پالنے والا اور کوئی مبدؤ نہیں ہے تو تھا اور لا شریک ہے۔

پروردگار! تیرا ہی فرمان ہے اور تو ہی صادق الوعد ہے اور تیرا ہی یہ قول برحق ہے کہ "فضل خدا کا سوال کرو، وہ تمہارے حال پر بڑا مہربان ہے۔" اور عبودیت تیری صفت نہیں کہ سوال کا حکم دے اور پھر عطا کرے جب کہ تو تمام اہل مملکت کو بار بار بلا طلب عطا کرنے والا ہے تو نے پیچھے میں ہیں اپنی نعمتوں میں پالا ہے اور بڑے ہونے پر نام آور بنایا ہے۔

اے دنیا میں احسان و فضل و نعمت سے پالنے والے اور آخرت میں عبودیت کا اثنا دینے والے! میری یہ معرفت ہی میری رہنما ہے اور میری محبت ہی میری شفیع ہے۔ مجھے اپنے رہنما کی رہنمائی پر اعتماد اور اپنے شفیع کی شفاعت پر بھروسہ ہے۔

پروردگار! تجھے اس زبان سے پکار رہا ہوں جسے گناہوں نے گونگا بنا دیا ہے اور تجھ سے اس دل سے مناجات کر رہا ہوں جسے جرائم نے برباد کر دیا ہے۔

پروردگار! میری اس دعا میں خوف بھی ہے اور رغبت بھی۔ گناہوں کو دیکھتا ہوں تو ڈر جاتا ہوں اور کرم کو دیکھتا ہوں تو بڑا امید ہو جاتا ہوں۔

عبودت۔ تو معاف کرے گا تو بہترین رحم کرنے والا ہے اور عذاب کرے گا تو ظالم نہیں ہے بلکہ انصاف کرنے والا ہے۔

میں اپنے بُرے اعمال کے باوجود تیرے جو دو کرم کے واسطے سے مانگنے کی جرأت کر رہا ہوں اور میری بے حیائی کے باوجود میرا سہارا تیری رحمت اور تیری مہربانی ہے۔

مجھے امید ہے کہ میں ان حالات میں بھی ناامید نہ ہوں گا تو اب میری امیدوں کو پورا کر، اور میری دعاؤں کو سن لے۔ اے بہترین دعاؤں کے مرکز اور عظیم ترین امیدوں کے مصدر۔

پروردگار! میری امیدیں عظیم ہیں اور میرے اعمال بدترین ہیں۔ مجھے اپنے عبودیت سے بقدر امید دے دے اور سیر بدترین اعمال کا محاسبہ نہ فرما کہ تیرا کرم گناہ گاروں کی مجازات سے بالاتر ہے اور تیرا علم کوتاہ علموں کی مکافات سے بلند تر ہے۔

پروردگار! میں تیرے فضل و کرم کی پناہ لینے کے لیے تیری طرف بھاگ کر آیا ہوں۔ اب تو اس شخص کو لاج رکھ لے اور اپنے وعدہ مغفرت کو پورا کر دے۔

میں کیا اور میری اوقات کیا؟ تو ہی اپنے فضل و کرم و مغفرت سے بخش ہے۔

پروردگار! اپنی پردہ پوشی سے مجھے عزت دے اور اپنے کرم سے میری تیبہ کو نظر انداز فرما دے کہ تیرے علاوہ کسی اور کو ان گناہوں کا علم ہوتا تو میں کبھی گناہ نہ کرتا اور تیرے عذاب

میں بھی عجلت کا خیال ہوتا تو میں گناہوں سے پرہیز کرتا۔ نہ اس لیے کہ تیری ہستی معمولی اور تیری ذات ناقابلِ توبہ ہے (معاذ اللہ) بلکہ اس لیے کہ تو بہترین پردہ پوش، کریم، مہربان، محبوب

کا چھپانے والا، گناہوں کا بخشنے والا اور غیب کا جاننے والا ہے۔ تو اپنے کرم سے گناہوں پر پردہ ڈال دیتا ہے اور اپنے علم سے عذاب کو مائل دیتا ہے۔

پروردگار! علم کے بعد بھی اس علم پر تیرا شکر ہے اور قدرت کے بعد بھی اس مہربانی پر تیرا احسان ہے۔ مجھے ہی علم گناہوں کی ہمت دلاتا ہے اور ہی پردہ پوشی بے حیائی کی

دعوت دہتی ہے۔ یہی عظیم رحمت اور وسیع مغفرت کا خیال صحیحیت کی طرف تیز رفتاری سے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کرتا ہے۔

اے عظیم و کریم! اے حی و قیوم! اے گناہوں کے بخشنے والے! اے توبہ کے قبول کرنے والے! اے عظیم احسان کرنے والے اور ہمیشہ سے کرم عام کرنے والے! اب

وہ تیری پردہ پوشی کہاں ہے، اب وہ تیری عظیم معافی کہاں ہے، وہ کائنات احوال کہاں ہے،

وہ فریاد سی کہاں چلی گئی، وہ وسیع رحمت، وہ عظیم عطیہ، وہ بلند ترین برتاؤ، وہ فضل عظیم، اور احسان قدیم سب کہاں ہیں۔

اے کریم! اپنے کرم سے بچالے، اپنی رحمت کے ذریعے نجات دیدے۔

اے محسن و منعم! میرا اعتماد نجات کے بارے میں اپنے اعمال پر نہیں ہے بلکہ تیرے فضل و کرم پر ہے۔ تو اہل تقویٰ اور اہل مغفرت ہے، بلا مانگے نعمتیں عطا کرتا ہے اور گناہ بھی بخش دیتا ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس کس چیز کا شکر یہ ادا کروں۔ نیکیوں کے مشہور کر دینے کا یا برائیوں پر پردہ ڈال دینے کا؟ بہترین عطیوں کا یا مصیبتوں سے نجات دلانے کا؟ اے محبت کرنے والوں کے دوست اور پناہ گزینوں کی خشکی چشم۔ تو ہمارا محسن ہے اور ہم تیرے گناہ گار۔ اب ہماری برائیوں کو اپنے رحم و کرم کے ذریعہ دور کر فرما۔

ہماری کون سی جہالت ہے جو تیرے کرم سے زیادہ وسیع ہو جائے اور کون سا زمانہ ہے جو تیری مہلت سے زیادہ طویل ہو جائے۔ تیری نعمتوں کے مقابلے میں ہمارے اعمال کی کیا قیمت ہے اور تیرے کرم کے سامنے ہم اپنے اعمال کو کیا شمار کریں۔ گناہ گاروں کے لیے تیری وسیع تر رحمت تنگ نہیں ہو سکتی۔ اے وسیع مغفرت کرنے والے اور دونوں ہاتھوں سے عطا کرنے والے میرے مالک تو اپنے دروازے سے دھتکار بھی دے گا تو میں کہیں جاؤں گا نہیں اور تجھ سے امید لگائے رکھوں گا اس لیے کہ مجھے تیرے جود و کرم کا عرفان ہے اور یہ معلوم ہے تو صاحب اختیار ہے۔ جس پر چاہے عذاب کر سکتا ہے اور جس پر جس طرح چاہے رحم کر سکتا ہے۔ نہ کوئی تیرے ملک میں تیرے مقابل ہے اور نہ تیرے امر میں شریک۔ نہ تیرے حکم کا مخالف ہے اور نہ تیری تدبیر میں رکاوٹ پیدا کرنے والا، خلق و امر سب تیرے ہاتھ میں ہے اور تو صاحب برکت اور عالمین کا پروردگار ہے۔

پروردگار! میری منزل تیری پناہ کے طلب گار، کرم کے امیدوار، احسان کے آشنا، اور نعمت کے شناسا کی سی ہے۔ تو وہ سخی ہے جس کے یہاں معافی کی کمی نہیں اور فضل کا نقص نہیں اور رحمت کی قلت نہیں۔ ہم تیرے عفو و درگزر، فضل و رحمت کا یقین رکھتے ہیں اور تو

یقیناً ہمارے یقین کو جھوٹا نہیں کرے گا اور ہماری امید کو ناامید نہیں کرے گا۔ کریم تیرے بارے میں یہ بردگانی نہیں ہے۔ ہم تجھ سے بہت کچھ امید رکھتے ہیں اور بہت کچھ امید لگانے بیٹھے ہیں۔

ہم نے گناہ کیا ہے اور ہمیں پردہ پوشی کی امید ہے۔ تجھے پکارا ہے اور تیرے سُن لینے کا یقین ہے۔ ہماری امید کو پورا فرما کہ ہمیں اپنے اعمال کا تقاضا بھی معلوم ہے۔ لیکن یقین بھی ہے کہ رحمت کے حقدار ہوں یا نہ ہوں تو ضرور رحم کرے گا۔ تو اپنے فضل و کرم سے ہم جیسے تمام گنہ گاروں پر ہر باری کرتا ہے۔ ہمارے اوپر بھی اپنی شان کے مطابق رحم فرما کہ ہم تیری عطا کے محتاج ہیں۔

اے خدائے غفار! ہم نے تیرے نور سے ہدایت پائی ہے اور تیرے فضل کی بدولت مستغنی ہو گئے ہیں۔ تیری نعمتوں میں صبح و شام گزار رہے ہیں اور ہمارے گناہ تیری نظر کے سامنے ہیں۔ اُن کے بارے میں تُو بہرہ و استغفار کر لے ہے ہیں۔ تو نعمتیں دے کہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم گناہ کر کے اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ تیرا خیر برابر ہماری طرف آ رہا ہے اور ہمارا شر برابر تیری طرف جا رہا ہے۔

فرشتہ برابر تیری بارگاہ میں ہماری بد اعمالیوں کا دفتر لے کر حاضر ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود تیری نعمتوں میں کمی نہیں آتی اور تُو برابر فضل و کرم کر رہا ہے۔

تجھ جیسا حلیم، عظیم اور کریم کون ہے۔ تیرے سب نام پاکیزہ، تیری ثنا جلیل، تیری نعمتیں بزرگ اور تیرے افعال کریمانہ ہیں۔ تیرا فضل و کرم وسیع اور تیرا علم و تحمل اس بات سے عظیم تر ہے کہ تو ہمارے افعال کا مقابلہ کرے۔ پروردگار! میرے مالک! میرے پروردگار! ہمیں معاف کر دے، ہمیں بخش دے اور ہماری مغفرت فرما۔

ہمیں اپنے ذکر میں مشغول رکھ، اپنے عذاب سے محفوظ رکھ، اپنی ناراضگی سے پناہ دے، اپنے عطایا سے سرفراز فرما، اپنے فضل و کرم کو ہمارے شامل حال کر، ہمیں حج بیت اللہ اور زیارت قبر پیغمبر نصیب فرما کہ تو قریب بھی ہے اور مجیب بھی ہے۔

پروردگار! ہمیں اطاعت پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ ہمیں اپنی شریعت اور اپنے

رسول کی سیرت پر اس دنیا سے اٹھانا۔

ہمیں اور ہمارے والدین کو بخش دے اور ان پر اس طرح رحمت نازل فرما جس طرح انھوں نے بچنے میں ہمیں پالا ہے۔ ان کے احسان کے بدلے میں احسان اور گناہوں کے بدلے میں مغفرت عطا فرما۔ زندہ و مردہ، حاضر و غائب، مرد و عورت، صغیر و کبیر، غلام و آزاد سب کی مغفرت فرما۔ کسی کو تیرے برابر قرار دینے والے جھوٹے گمراہ اور خسارہ میں ہیں۔

پروردگار محمد وآل محمد پر رحمت نازل فرما۔ ہمارا خاتمہ خیر ہو کر۔ دنیا و آخرت کے مشکلات میں ہماری مدد فرما۔ کسی بے رحم کو ہمارے اوپر مسلط نہ فرما دینا، ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھنا، اور اپنی نعمتوں کو ہم سے سلب نہ کر لینا، ہمیں رزق واسع و حلال و طیب عطا فرما، اپنی حراست و حفاظت میں رکھ۔ حج بیت اللہ اور زیارت قبر رسول و ائمہ طاہرین کی توفیق عطا فرما اور ہمیں ان مشاہد مقدسہ اور مقامات شریفہ سے دور نہ رکھنا۔

پروردگار! ایسی توفیق تو بے گناہوں اور ایسے خیر و عمل خیر کا حوصلہ دے کہ شب و روز تجھ سے ڈرتا رہوں اور تمام زندگی نیکیوں پر عمل پیرا رہوں۔

پروردگار! جب بھی یہ کہتا ہوں کہ اب میں آمادہ ہو گیا اور تیار ہو کر نماز کے لیے کھڑا ہو گیا اور تجھ سے مناجات شروع کر دی تو مجھے نماز میں نیند آنے لگتی ہے اور مناجات میں بے کفنی محسوس ہونے لگتی ہے اور جب بھی یہ سوچتا ہوں کہ اب میرا باطن درست ہو گیا ہے اور میری منزل تو امین سے قریب تر ہو گئی ہے تو کوئی نہ کوئی مصیبت آڑے آجاتی ہے اور میرے قدموں میں لغزش پیدا کر دیتی ہے اور تیری خدمت کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو نے مجھے اپنے دروازے سے بٹا دیا ہے اور اپنی خدمت سے دور کر دیا ہے یا اپنے حق کا خیال نہ کرنے والا دیکھ کر دربار سے الگ کر دیا ہے یا اپنی جانب سے کنارہ کش پاکر مجھے چھوڑ دیا ہے یا جھوٹوں کی صف میں دیکھ کر نظر انداز کر دیا ہے یا نعمتوں کا شکر گزار نہ پاکر محروم کر دیا ہے۔ یا مجلس علماء سے الگ دیکھ کر ترک کر دیا ہے یا غافلوں میں دیکھ کر رحمتوں سے ایس کر دیا ہے یا اہل باطل کا ہم نشین پاکر انھیں کے حوالے کر دیا ہے یا میری آواز کو ناگوار قرار دے کر اپنی بارگاہ سے دور کر دیا ہے یا میرے جرائم و معاصی کا بدلہ دے دیا ہے یا

میری بے حیائی کی سزا دی ہے۔

پھر حال اب بھی تو صاف کرنے تو حیرت کی بات نہیں ہے کہ مجھ سے پہلے بھی کتنے گناہوں کو صاف کر چکا ہے۔ تیرا کم مقصرین کے انتقام سے بالاتر ہے اور میں تیرے فضل کی پناہ چاہتا ہوں اور تیرے غضب سے تیری رحمت کی طرف جاگ کر آیا ہوں۔ تیرے وعدہ و وعادی کی دنیا کا سیر وار ہوں کہ تیرا فضل وسیع اور تیرا علم عظیم ہے۔ تو اعمال کا بدلہ لینے سے بالاتر ہے۔ پروردگار! میں کیا اور میری بسا ما کیا؟ اپنے فضل و کرم سے عطا کر اور اپنے عفو کو شامل حال کر اور میری پردہ پوشی سے عزت عطا کر اور اپنی مہربانیوں کی بنا پر سرزنش سے درگزر فرما۔

پروردگار! میں وہی بچ ہوں جسے تو نے پالا ہے۔ میں وہی جاہل ہوں جسے تو نے علم دیا ہے۔ میں وہی گمراہ ہوں جسے تو نے ہدایت دی ہے۔ میں وہی پست ہوں جسے تو نے بلند کیا ہے۔ میں وہی پیا سا ہوں جسے تو نے سیراب کیا ہے۔ میں وہی برہنہ ہوں جسے تو نے لباس پہنایا ہے۔ میں وہی فقیر ہوں جسے تو نے غنی بنایا ہے۔ میں وہی ضعیف ہوں جسے تو نے قوت دی ہے۔ میں وہی ذلیل ہوں جسے تو نے عزت دی ہے۔ میں وہی مریض ہوں جسے تو نے شفا دی ہے۔ میں وہی سائل ہوں جسے تو نے عطا کیا ہے۔ میں وہی گناہگار ہوں جس کی تو نے پردہ پوشی کی ہے۔ میں وہی خطا کار ہوں جسے تو نے سنبھالا ہے۔ میں وہی نادار ہوں جسے تو نے بکثرت عطا کیا ہے۔ میں وہی کمزور ہوں جس کی تو نے مدد کی ہے اور میں وہی نکالا ہوا ہوں جسے تو نے پناہ دی ہے۔ میں وہی ہوں جس نے تنہائی میں تجھ سے چاہ نہیں کی اور مجمع میں تیرا خیال نہیں کیا۔ میرے مصائب عظیم ہیں۔ میں نے اپنے مولا کی شان میں گستاخی کی ہے۔ میں نے آسمان و زمین کے خدا کے جبار کی مخالفت کی ہے۔ میں نے گناہ کے لیے رشوت دی ہے۔ میں نے گناہ کے نام پر تیزی سے سبقت کی ہے۔

میں وہی ہوں جسے تو نے ہمت دی ہے تو میں سنبھلا نہیں۔ پردہ پوشی کی ہے تو میں نے چاہ نہیں کی۔ گناہ کیے ہیں تو بڑھتا ہی چلا گیا، اور تو نے نظروں سے گرا دیا تو کوئی پرواہ نہیں کی پھر بھی تو نے اپنے علم سے ہمت دی اور اپنے پردہ سے جب پوشی کی جیسے کہ تجھے خبر ہی نہیں ہے کہ میں کیا ہوں اور مجھے گناہوں کے عذاب سے اس طرح بچایا ہے جیسے کہ تجھے خود شرم آگئی ہے۔

پروردگار! میں نے جب بھی گناہ کیا ہے۔ تو میں تیری خدائی کا منکر یا تیرے حکم کا معمولی سمجھنے والا یا تیرے عذاب کے لیے آمادہ یا تیرے وعدہ عتاب کی توہین کرنے والا نہیں تھا۔ بلکہ صورت حال صرف یہ تھی کہ گناہ سامنے آیا اور نفس نے اسے آراستہ کر دیا۔ خواہشات نے غلبہ پایا اور بدبختی نے ساتھ دے دیا۔ تیری عیب پوشی نے ہمارا دے دیا اور میں گناہ کر بیٹھا۔

اب تو ہی بتا کہ میں گناہ کر بیٹھا تو تیرے عذاب سے کون بچا سکتا ہے؟ اور کل کون چھٹکارا دلا سکتا ہے اور اگر تو نے ناامید کر دیا تو کس سے امید وابستہ کروں گا؟۔

میرے سارے اعمال تیرے نامہ اعمال میں محفوظ ہیں اور اگر تیرے کرم و دستِ رحمت کی امید نہ ہوتی تو میں انہیں یاد کر کے مایوس ہو چکا ہوتا لیکن تو سننے والا اور امیدوں کا بر لائے والا ہے۔

پروردگار! دین اسلام کے حقوق، قرآن کی حرمت اور رسولِ عربی، قریشی، ہاشمی، مکی، مدنی کی محبت کے واسطے سے تجھ سے قربت چاہتا ہوں۔ میرے اس انس کو دشت سے تبدیل نہ فرما دینا اور میرا اجر ان لوگوں جیسا قرار نہ دینا جو کسی اور کی پرستش کرتے ہیں اس لیے کہ ایک قوم نے صرف جان بچانے کے لیے اسلام اختیار کیا تھا تو تو نے ان کا مدعا چاؤا کر دیا اور ہم تو دل و جان سے ایمان لائے ہیں تاکہ تو ہمیں معاف کر دے تو اب ہماری امیدوں کو بھی پورا فرما اور ہمارے دلوں میں بھی اپنی آس کو ثابت کر دے اور ہدایت کے بعد ہمارے قلوب کو گمراہی سے محفوظ رکھنا۔ ہمیں رحمت عطا فرما کہ تو بہترین عطا کرنے والا ہے۔ پروردگار! تیری عزت کی قسم اگر تو بھڑک بھی دے گا تو ہم تیرے دروازے سے جائیں گے نہیں اور تجھ سے آس نہیں توڑیں گے۔ ہمارے دل کو تیرے کرم کا یقین ہے اور ہمیشہ تیری وسیع رحمت پر اعتماد ہے۔

میرے مالک! بندہ مالک کو چھوڑ کر کدھر جائے اور مخلوق خالق کے ماسوا کس کی پناہ لے۔ پروردگار! تو زنجیروں میں جکڑ بھی دے گا اور جمع عام میں عطا سے انکار بھی کر دے گا اور لوگوں کو ہمارے عیوب سے آگاہ بھی کر دے گا اور میں جہنم کا حکم بھی دے دے گا اور اپنے نیک بندوں سے الگ بھی کر دے گا تو بھی میں تجھ سے امید کو منقطع نہیں کروں گا اور تیری معافی سے آس نہ توڑوں گا اور تیری محبت کو دل سے نہ نکالوں گا اس لیے کہ میں تیری نعمتوں اور پردہ پوشی

کو فراموش نہیں کر سکتا۔

پروردگار! میرے دل سے محبت دنیا کو نکال دے اور مجھے اپنے منتخب بندے حضرت خاتم النبیین کے ساتھ قرار دے۔ مجھے منزل تو بہ تک پہنچا دے اور توفیق دے کہ میں اپنے نفس کے حالات پر گریہ کر سکوں۔ میں نے اپنی عمر کو خواہشات اور بے جا امیدوں میں برباد کر دیا ہے اور اب نیکیوں سے مایوس لوگوں کی منزل میں آگیا ہوں کہ اگر اس عالم میں دنیا سے چلا گیا اور اُس قبر میں پہنچ گیا جسے اپنے آرام کے لیے ہموار نہیں کیا اور اُس میں عمل صالح کا فرش نہیں بچھایا تو مجھ سے بدتر حالت والا کون ہوگا۔

میں کیسے زروؤں جب کہ مجھے نہیں معلوم کہ میرا انجام کیا ہوگا۔ مجھے نفس برابر دھوکہ دے رہا ہے اور روزگار برابر منتلائے فریب کیے ہوئے ہے۔ موت کے پر میرے بالائے سر جنبش کر رہے ہیں۔ میں کیسے زروؤں؟ میں جاں کنی کا تصور کر کے رو رہا ہوں۔ میں قبر کی تاریکی اور لحد کی تنگی کے لیے رو رہا ہوں۔ میں منکر و نکیر کے سوال کے لیے رو رہا ہوں۔ میں اپنی قبر سے برہنہ، ذلیل اور گناہوں کا بوجھ لاد کے نکلنے کے تصور سے رو رہا ہوں۔ جب دہینے بائیں دیکھوں گا اور کوئی پُرسان حال نہ ہوگا۔ سب اپنے اپنے حال میں پریشان ہوں گے۔ کچھ نیک بندے ہوں گے جن کے چہرے روشن اور ہشاش بشاش ہوں گے تو (انہیں میری کیا پرواہ) اور کچھ چہرے خود ہی ذلیل اور گرد آلود ہوں گے (تو وہ کیا کریں گے)۔

پروردگار! میرا اعتماد، میرا بھروسہ، میری امید، میرا سہارا صرف تیری ذات ہے تیری رحمت کی آس لگائے ہوں کہ تو جسے چاہتا ہے مرکزِ رحم بنا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنے کرم سے ہدایت دے دیتا ہے۔ تیرا شکر ہے کہ تو نے دل کو شرک سے پاک رکھا ہے اور زبان کو توبہ کے لیے آزاد رکھا ہے۔ ورنہ یہ گوئی زبان کیا شکر ادا کرے گی اور یہ حقیر اعمال کیا تجھے راضی کریں گے۔ تیرے شکر کے سامنے اس زبان کی کیا حیثیت ہے اور تیری نعمتوں کے مقابلے میں میرے اعمال کی کیا حقیقت ہے۔

پروردگار! تیرے کرم نے آس دلائی ہے اور تیرے شکر نے اعمال کو قبول کیا ہے۔ تیری ہی طرف رغبت ہے اور تجھی سے خوف، تجھی سے امید ہے اور تیری ہی طرف توجہ

کھینچ کر لے جاتی ہے۔ ہمت تیری جناب میں ٹھہر گئی ہے اور تیری نعمتوں کی طرف راغب ہے۔
خاص امید اور خوف تیری ہی ذات سے وابستہ ہے۔ محبت تجھ ہی سے مانوس ہے اور باقی تیری
ہی طرف بڑھا ہے۔

خدا یا! میرا دل تیری یاد سے زندہ ہے اور میرا دردِ خوف تیری مناجات سے ٹھہرا ہے۔
میرے مالک! میری امیدوں کے مرکز! میرے سوال کی انتہا! میرے اور میرے گناہوں کے
درمیان جدائی پیدا کر۔ میں قدیم ترین امیدوں اور عظیم ترین اُس سے کی بنا پر سوال کرتا ہوں کہ
تو نے اپنے اوپر رحمت و رافت کو واجب کر لیا ہے۔ سارا امر تیری ذاتِ لا شریک سے وابستہ
ہے اور ساری مخلوقات تیرے عیال و اختیار میں ہے۔ سب تیرے سامنے سر جھکائے ہوئے
ہیں اور توبہ العالمین اور صاحبِ برکت ہے۔ پروردگار! اُس وقت رحم کرنا جب حجت قطع
ہو جائے۔ زبانِ جواب سے عاجز ہو جائے اور سوال سُن کر ہوش و حواس اڑ جائیں۔

اے عظیم ترین امید کے مرکزِ فاقہ کی شدت میں مایوس نہ کرنا، اور میری چہالت کی بنا پر
مجھے واپس نہ کر دینا اور صبر کی قلت کی بنا پر منع نہ کر دینا۔ میری فقری کی بنا پر مجھے عطا کرنا اور
میری کمزوری پر رحم کرنا۔

خدا یا تیرے ہی اوپر اعتماد بھروسہ اور توکل ہے اور تجھ ہی سے امید وابستہ ہے،
تیری رحمت سے وابستگی ہے اور تیری جناب میں ڈیرہ ڈال دیا ہے۔ تیرے کرم کی بنا پر سوال
کر رہا ہوں اور تیری سخاوت کے نام پر مانگنا شروع کر رہا ہوں۔ تیرے پاس فاقوں کا علاج
اور غربت کا تدارک ہے۔ تیری معافی کے زیر سایہ قیام اور تیرے جو دو کرم پر نگاہ ہے۔ تیرے
نیک برتاؤ پر مستقل نظر میں جمائے ہوئے ہوں ایسے حالات میں مجھے جہنم میں جلا نہ دینا، اور جہنم
میں ڈال نہ دینا کہ تو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ ہمارے خیالات کو غلط نہ ہونے دینا۔
پروردگار! تجھ پر اعتماد ہے تو ہمارے فقر و فاقہ کو جانتا ہے۔ لہذا اپنے ثواب سے محروم نہ کرنا۔
پروردگار! اگر موت قریب آگئی اور اعمال نے تجھ سے قریب نہیں کیا ہے تو اب گناہوں
کے اعتراف کو وسیلہ قرار دیتا ہوں کہ تو اگر معاف کر دے گا تو تجھ سے زیادہ منصفانہ فیصلہ کرنے والا کون ہے
اس دنیا میں میری غربت اور وقتِ موت میرے کربِ قبر میں میری تنہائی اور لحد میں میری اشد

اور وقتِ حساب میری ذلت پر رحم کرنا اور میرے ان تمام گناہوں کو معاف کر دینا جن کی لوگوں کو اطلاع
بھی نہیں ہے اور پھر اس پردہ داری کو برقرار رکھنا۔

پروردگار! اُس وقت میرے حال پر رحم کرنا جب میں بستر مرگ پر ہوں اور احبابِ کربوں
بدلوارہے ہوں۔ اُس وقت رحم کرنا جب میں تختہ غسل پر ہوں اور ہمسایہ کے نیک افراد غسل دے
رہے ہوں۔ اُس وقت رحم کرنا جب تابوت میں اقرباء کے کاندھوں پر سوار ہوں۔ اُس وقت میرا
کرنا جب تہا قبر میں وارد ہوں اور پھر اُس نے گھر میں میری غربت پر رحم کرنا تاکہ تیرے علاوہ
کسی سے مانوس نہ ہوں۔

میرے مالک! تو اگر مجھے میرے حوالے کر دے گا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا اور تو سنبھالا
زدے گا تو میں کس سے فریاد کروں گا۔ تیری عنایتِ شایہ حال نہ ہوگی تو میں کس کے سامنے
دردِ دل کا اظہار کروں گا اور تو مشکلات میں سکون نہ دے گا تو میں کس سے پناہ مانگوں گا۔

پروردگار! تو رحم نہ کرے گا تو میرا درد سرا کون ہے۔ اور تیرا فضل نہ ہوگا تو میں کس سے
امید رکھوں گا۔ وقتِ نکل جانے پر نگاہ سے بھاگ کر کس کی طرف جاؤں گا۔ پروردگار! میں تیرا
امیدوار کرم ہوں۔ مجھ پر عذاب نہ کرنا۔ میری امیدوں کو پورا کرنا۔ میرے خوف کو تمام کر دینا کہ
اتنے گناہوں میں تیری مغفرت کے علاوہ کسی کی امید نہیں ہے۔

پروردگار! میں تجھ سے وہ سوال کر رہا ہوں جس کا میں حق دار نہیں ہوں لیکن تو اہل تقویٰ
اور اہل مغفرت ہے۔ مجھے معاف کر دے اور نگاہِ کرم سے وہ لباسِ عنایت کر جس سے سارے
عیب چھپ جائیں اور پھر کسی گناہ کا حساب نہ ہو۔ تو بہت ہی قدیم ترین محسن ہے۔ عظیم ترین معاف
کر دینے والا ہے اور درگزر کرنے والا ہے۔

پروردگار! تو انہیں بھی عطا کرتا ہے جو مانگتے نہیں ہیں۔ تیری خدائی کے منکر ہیں۔ میں تو
سوال بھی کر رہا ہوں، یقین بھی رکھتا ہوں کہ خلقِ وامر سب تیرے ہاتھ میں ہے، تو صاحبِ برکت
اور رب العالمین ہے۔

پروردگار! تیرا بندہ تیرے دروازہ پر کھڑا ہے۔ فقر و فاقہ یہاں تک کھینچ کر لایا ہے دعاؤں
سے در احسان کو کھٹکھٹایا ہے۔ اب تو اپنا رخ پھیر نہ لینا اور میری بات سُن لینا۔ میں اس یقین کے

ساتھ دعا کر رہا ہوں کہ تو رہ نہیں کرے گا۔
پروردگار! کوئی سائل تجھے عاجز نہیں کر سکتا اور کوئی عطا تیرے خزانے میں کمی نہیں کر سکتی
تو اپنے قول کے مطابق ہے اور میرے قول سے بالاتر ہے۔

پروردگار! میں تجھ سے صبر جمیل، وسعت قریب، قول صادق اور اجر عظیم کا سوال کرتا ہوں۔ میں
تجھ سے ہر چیز کا سوال کرتا ہوں چاہے مجھے معلوم ہو یا نہ ہو۔ میں تجھ سے وہ سب کچھ مانگ رہا ہوں جو
بندگان صالحین نے مانگا ہے کہ تو بہترین مسؤل اور سخی ترین عطا کرنے والا ہے۔

میری دعا کو میرے نفس، میرے اہل و عیال، میرے والدین، میری اولاد، متعلقین، برادران
سب کے بارے میں قبول فرما۔ میری زندگی کو خوش گوار بنا۔ مردت کو واضح فرما کہ میرے حالات کی
اصلاح فرما۔ مجھے طولانی عمر، نیک عمل، کامل نعمت اور پسندیدہ بندوں کی مصاحبت عطا فرما جن کی زندگی
پاکیزگی اور سرور و کرامت و نعمت میں گذری ہے۔ تیرے پاس ہر شے کا اختیار ہے اور تیرے
علاوہ کسی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔

مجھے اپنے ذکر خاص کے لیے مخصوص کرے اور میرے کسی بھی عمل خیر کو ریا کاری، غرور
اور تکبر کا نتیجہ نہ قرار دے۔ مجھے خضوع و خشوع والوں میں شمار کر۔

پروردگار! مجھے رزق میں وسعت، وطن میں امن و امان، اہل و عیال، مال و اولاد میں
خفگی چشم۔ نعمتوں میں قیام۔ جسم میں صحت، بدن میں قوت، دین میں سلامتی اور اطاعت خدا و رسول
کا حوصلہ عطا فرما۔ جب تک بھی میں زندہ رہوں ماہ رمضان اور شب قدر میں نازل ہونے والے
ہر خیر میں میرا حصہ وافر قرار دے اور ہر نثر ہونے والی رحمت، ہر لباس عافیت، ہر دفعہ بلا۔ ہر
حسنہ و مقبول اور ہر گناہ معفو میں میرا حصہ قرار دے۔

مجھے حج بیت اللہ کے لیے اس سال اور ہر سال توفیق دے۔ اپنے فضل و کرم سے رزق واسع
عطا فرما۔ بُرائیوں سے دور رکھ۔ تمام قرضوں اور حقوق کو ادا کر دے کہ کسی شے کی تکلیف نہ جائے۔
دشمنوں اور حاسدوں کے گوش و چشم کو میری طرف سے موڑ دینا اور ان سب کے مقابلہ
میں میری مدد فرمانا۔ مجھے خفگی چشم، فرحت قلب عطا فرما۔ ہر رنج و غم سے نکلنے کا راستہ عطا فرما۔
ہر مخالف کے کمر و شر کو زیر قدم قرار دیدے۔ ہر شیطان ہر سلطان اور بد اعمال کے شر سے محفوظ

رکھنا۔ گناہوں سے چلک کرے۔ جہنم سے نجات دیدے۔ جنت میں جگہ عطا فرمائے جو صالحین
سے عقد کرادے کہ یہ سب تیرے فضل و کرم و رحمت و رافت کے نتائج ہیں۔ مجھے اپنے صالح
اولیاء و حضرات محمد و آل محمد سے ملائے جن کے اوپر ہمیشہ تیری رحمت و رافت اور تیرا درود و سلام
ہے۔

خدا یا! پروردگار! تیری عزت و جلال کی قسم کہ اگر تو نے مجھ سے میرے گناہوں کا عاثر
کیا تو میں تجھ سے تیری معافی کا مطالبہ کروں گا۔ اور اگر تو نے مجھ سے میری ذلت کے بارے میں
پوچھا تو میں تجھ سے تیرے کرم کے بارے میں سوال کروں گا اور اگر تو نے مجھے جہنم میں ڈال دیا تو
میں سب کو بتا دوں گا کہ میں تیرا چاہنے والا تھا۔

پروردگار! اگر تو صرف اولیاء کرام اور اہل اطاعت ہی کو بخشے گا تو گناہگار کدھر
جائیں گے اور اگر صرف اہل و فانی پر نگاہ کرم کرے گا تو بد عمل کس سے فریاد کریں گے۔
پروردگار! تجھے معلوم ہے کہ اگر تو مجھے جہنم میں ڈال دے گا تو تیرے دشمن خوش ہوں گے
اور جنت عطا کرے گا تو تیرا رسول خوش ہوگا اور ظاہر ہے کہ تو اپنے رسول کی خوشی کو دشمن
کی خوشی پر مقدم رکھے گا۔

پروردگار! میرا سوال یہ ہے کہ میرے دل میں اپنی جنت اور اپنا خوف بھرنے۔ مجھے
اپنی کتاب کی تصدیق، اپنے اوپر ایمان، اپنا خوف اور اشتیاق عنایت فرما کہ تو صاحب جلال و اکرام
ہے۔ میری نگاہ میں اپنی ملاقات کو محبوب بنائے اور اس ملاقات میں راحت و وسعت و کرامت
قرار دے دے۔

پروردگار! مجھے ماضی کے صالحین سے ملائے اور آئندہ کے صالحین میں قرار دیدے۔
مجھے صالحین کے راستے پر چلا اور نفس کے مقابلے میں دیگر صالحین کی طرح میری بھی مدد فرما۔ مجھے
ثبات قدم عطا فرما، اور جن بُرائیوں سے نکال دیا ہے ان میں دوبارہ واپس نہ جانے دینا۔
خدا یا! مجھے وہ ایمان چاہیے جو تیری ملاقات سے پہلے تمام نہ ہو۔ اسی پر زندہ رہوں اور
اسی پر مر جاؤں اور پھر دوبارہ اسی ایمان پر اٹھوں۔ میرے دل کو ریا کاری اور شک و شبہ سے
محفوظ رکھنا کہ میرا عمل خالص رہے۔

پروردگار! مجھے دین میں بصیرت، احکام میں فہم، علم میں تفقہ، رحمت کے ڈوہرے سے اور مصیبت سے روکنے والا تقویٰ عطا فرما۔ میرے چہرے کو نورانی بنا لے۔ میرے اندر ثواب کی رغبت پیدا کر دے۔ مجھے اپنے راستے اور اپنے رسول کے طریقے پر موت عطا فرما۔ پروردگار! میں کسل مندی، کمزوری، غم، بزدلی، بخل، غفلت، سنگ دلی، فقر و فاقہ اور جملہ بلاؤں اور ظاہری و باطنی تمام بد اعمالیوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

پروردگار! میں اُس نفس سے پناہ مانگتا ہوں جو قانع نہ ہو۔ اُس شکم سے پناہ مانگتا ہوں جو سیر نہ ہو۔ اس قلب سے پناہ مانگتا ہوں جو خشوع نہ رکھتا ہو۔ اس دُعا سے پناہ مانگتا ہوں جو قبول نہ ہو، اور اُس عمل سے پناہ مانگتا ہوں جو کار آمد نہ ہو۔

پروردگار! میں اپنے نفس، دین، مال اور تمام نعمتوں کے بارے میں شیطان رجیم سے پناہ مانگتا ہوں۔ تو بہترین سُننے والا اور جاننے والا ہے۔

معبود! تیرے غضب سے پناہ دینے والا کوئی نہیں ہے اور تیرے علاوہ کوئی ٹھکانہ بھی نہیں ہے۔ لہذا مجھے عذاب میں مبتلا نہ کرنا، ہلاکت میں واپس نہ کر دینا اور عذاب الیم میں پلٹا نہ دینا۔

پروردگار! میرے اعمال کو قبول فرما۔ میرے ذکر کو بلند فرما۔ میرے درجات کو اعلیٰ قرار دے۔ میرے بوجھ کو ختم کر دے۔ میری خطاؤں کو نظر انداز کر دے۔ میری منزل، میری گفتگو، میری دعائیں کا ثواب جنت اور اپنی رضا کو قرار دیدے۔ میرے تمام مطالب کو پورا فرما اور مجھے اپنے فضل و کرم سے مزید عطا فرما کہ میں تیری ہی طرف متوجہ ہوں۔

پروردگار! تو نے اپنی کتاب میں ہم سے فرمایا ہے کہ ہم اپنے ظالموں کو معاف کر دیں تو ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے تو اسے معاف کر دے اس لیے کہ تو مجھ سے زیادہ اس کا حق دار ہے اور تو نے حکم دیا ہے کہ ہم اپنے دروازے سے سائل کو واپس نہ کریں تو ہم تیرے دروازے پر آئے ہیں۔ اب ہمیں بھی بغیر حاجتوں کو پورا کیے ہوئے واپس نہ کرنا۔ تو نے حکم دیا ہے کہ ہم اپنے غلاموں سے نیک برتاؤ کریں، ہم بھی تو تیرے بندے ہیں۔ اب تو بھی ہمیں جہنم سے آزاد کر دے۔

اے رنج و غم کی پناہ گاہ اور سختیوں کے فریاد رس! ہم تیری بارگاہ اور تیری پناہ میں حاضر ہوئے ہیں۔ تیرے علاوہ کسی کی پناہ درکار نہیں ہے اور نہ کسی سے کشائش احوال کی التماس ہے۔ تو فریاد رسی کر۔ رنج و غم کو دور فرما، کہ تو اسیروں کا رہا کرنے والا اور کثیر گناہوں کا مسامحت کرنے والا ہے۔ میرے مختصر اعمال کو قبول فرما اور میرے کثیر گناہوں کو بخش دے۔ تو بہترین ہر مان اور بخشنے والا ہے۔

پروردگار! میں تجھ سے وہ ایمان مانگتا ہوں جو دل میں پیوست ہو جائے۔ اور اُس یقین صادق کا طلب گار ہوں جس کے بعد یہ اطمینان ہے کہ جو میرے حق میں لکھ دیا گیا ہے وہ ضرور پہنچے گا۔ اب اپنی تقسیم سے میری زندگانی کو خوش حال بنا لے کہ تو ارحم الراحمین ہے۔

نقش
 حیات امام محمد باقر

ولادت : یکم رجب ۱۱۵۷ هـ
 شهادت : ۷ ذی الحجہ ۱۱۸۴ هـ

نقش زندگانی امام محمد باقر علیہ السلام

ماہ رجب ۱۰۰ھ کی پہلی تاریخ تھی جب مطلع امامت پر یہ پانچواں چاند نمودار ہوا اور اس کی روشنی سے سارا مدینہ منور ہو گیا۔ قدرت کا یہ خاص اہتمام تھا کہ آپ کو سلسلہ امامت کا پانچواں امام اور سلسلہ عصمت کا ساتواں معصوم قرار دیا تو سن ولادت بھی ۵۷ھ رکھا تاکہ اس سے دونوں حقائق کی طرف اشارہ ہو جائے اور اس کے بعد عمر شریف بھی ۷۰ سال قرار دی جس سے سنہ وفات کا معین کر لینا بھی بے حد آسان ہو گیا اور امامت و عصمت کی ابتدائی نسبت آرتھک معنوی طورہ گئی۔

اسم گرامی الہام خداوندی کے مطابق محمد قرار پایا جو سلسلہ عصمت میں پیغمبر کے بعد پہلی مرتبہ اختیار کیا گیا اور پھر اس کی علامت بن گیا کہ پیغمبر کے بعد جس دین کے تعلیمات کو بنی امیہ کے مظالم نے تباہ کر دینا چاہا تھا اس کا احیاء کرنے والا ہنمام محمد دنیا میں آ گیا ہے اور اب ان تعلیمات کو جو نہیں کیا جاسکتا ہے۔

گنیت ابو جعفر قرار پائی اور القاب باقر، شاکر اور ہادی وغیرہ قرار پائے جن میں سب سے زیادہ شہرت لقب باقر یا باقر علوم النبیین یا باقر علوم الاولین والآخرین کو حاصل ہوئی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بقر کے معنی وا شگاف کرنے کے ہیں اور آپ نے اسرار و رموز علوم و فنون کو اس قدر وسعت دی ہے اور ان کی اس طرح تشریح کی ہے کہ دوسرے افراد کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی ہے۔ حد یہ ہے کہ عالم اسلام کے امام اعظم بھی آپ کے خرم علم کے خوشہ چینوں میں تھے اور انھوں نے بھی آپ کے علوم سے استفادہ کیا ہے اور انھیں مناسب مواقع پر آپ نے مفید ترین ہدایات دی ہیں۔

● آپ کے والد ماجد امام زین العابدین علی بن حسین اور آپ کی والدہ گرامی فاطمہ

بنت الحسن تھیں اور اس اعتبار سے آپ کو ابن ابی العزیز کہا جاتا ہے کہ آپ ماں باپ دونوں طرف سے ہاشمی اور علوی ہیں۔

● آپ کی ولادت کے وقت معاویہ بن ابی سفیان کا دور حکومت چل رہا تھا۔ سنہ ۶۰ھ میں معاویہ کی وفات ہوئی تو یزید کا دور شروع ہوا۔ ۶۰ھ میں یزید واصل جہنم ہوا تو ۶۵ھ میں اس کے فرزند معاویہ بن یزید اور مردان نے حکومت کی اور اس کے بعد ۶۵ھ سے ۶۸ھ تک عبد الملک بن مردان کا دور حکومت رہا۔ ۶۸ھ میں عبد الملک کا خاتمہ ہوا تو ۶۹ھ تک دس سال ولید بن عبد الملک نے حکومت کی۔ ولید کے بعد ۶۹ھ سے ۷۰ھ تک سلیمان بن عبد الملک حاکم رہا۔ ۷۰ھ میں عمر بن عبد العزیز کی حکومت قائم ہوئی لیکن قوم اس کی قدر سے نصفانہ روش کو برداشت نہ کر سکی اور یہ سلسلہ جلد ہی ختم ہو گیا جس کے بعد ۷۰ھ میں یزید بن عبد الملک حاکم بنا اور پھر ۷۰ھ میں ہشام بن عبد الملک کی حکومت قائم ہو گئی جس کا سلسلہ امام کے آخر حیات تک قائم رہا، اور اسی نے آپ کو زہر دغا سے شہید کرایا۔ ہشام کا خاتمہ ۷۲ھ میں ہوا۔

● خاندانی اعتبار سے ۷۰ھ کے آغاز تک زندگی کے ۳۲ سال آپ نے جد بزرگوار امام حسین کے زیر سایہ گزارے۔ اس کے بعد ۷۰ھ تک تقریباً ۳۸ سال والد بزرگوار کے ساتھ رہے اور ۷۰ھ کے بعد ۱۹ سال اپنا دور قیادت گزارا۔ جس میں اسلام کی تمام تر ذمہ داری آپ کے اوپر تھی اور آپ نے اسے برکمال حسن و خوبی انجام دیا۔

آپ کے بچپن کے چند واقعات سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ باقی تمام تفصیلات کا ذکر بنی امیہ کے مظالم کی نذر ہو گیا۔

۱۔ ایک مرتبہ آپ تقاضائے مصلحت الہیہ کی بنا پر کنوئیں میں گر گئے۔ اُس وقت امام سجادؑ جو نماز تھے اور اہل خانہ سب پریشان تھے۔ لیکن امام نے نماز تمام کرنے کے بعد جب فرزند کو کنوئیں سے نکالا تو لباس بھی تر نہیں ہوا تھا۔ اس لیے کہ امام خشک و تردونوں کا حاکم ہوتا ہے اور اس کی مرضی کے بغیر کوئی اسے متاثر نہیں کر سکتا ہے۔

۲۔ علامہ جامی کے نقل کے مطابق ایک شخص نے راہ حج میں سات سال کے بچے کو مکہ مکرمہ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو حیرت زدہ ہو کر سوال کیا فرزند! تم کون ہو؟ کہاں جا رہے ہو اور

زاد راہ کیا ہے؟ تو فرمایا میرا سفر من اللہ الی اللہ (اللہ سے اللہ کی طرف ہے)۔ میرا زاد راہ تقویٰ ہے، اور میرا نام محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہے۔ (خطبہ النبوة)

● آپ کے امتیازات میں ایک امر یہ بھی ہے کہ رسول اکرمؐ نے جب جابر بن عبد اللہ انصاری کو اپنے جانشین اور اولیاء امر کے نام بتائے تو آپ کا نام لے کر فرمایا کہ میرے اس وارث سے تمہاری ملاقات ہوگی تو میرا سلام کہہ دینا جس کے بعد جابر باوجود ضعیفی آپ کو ہر طرف تلاش کرتے رہے اور ایک دن امام سجادؑ کے ہمراہ جاتے ہوئے راستہ میں ملاقات ہوگئی تو آپ نے باپ کے حکم کے مطابق جابر کی پیشانی کو بوسہ دیا اور جابر نے گلے سے لگا کر رسول اکرمؐ کا سلام پہنچایا۔ (صواعق محرقة)

اس سلام کے بارے میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ جس رسولؐ کو ساری دنیا نے اسلام سلام کر رہی ہے اور جس کی بارگاہ تک کروڑوں مسلمان اپنا سلام پہنچانے کے لیے بے چین ہیں اس نے آپ کے نام سلام کہلوا بھیجا ہے اور اس طرح یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ دنیا میں کسی اور کو علیہ السلام کہا جاسکتا ہو یا نہیں۔ ائمہ طاہرینؑ اور آل رسولؐ کو بہر حال کہا جاسکتا ہے کہ اپنی زندگی میں خود رسول اکرمؐ دس ہجرت تک ان کے دروازے پر سلام کرنے کے لیے آئے اور اپنے بعد آنے والے کو سلام کہلوا بھیجا۔

● اسی کسی میں آپ نے ۲۸ رجب سنہ ۸ھ سے ۸ ربیع الاول سنہ ۱۲ھ تک کے کربلا و کوفہ کے مصائب برداشت کیے اور کسی لمحہ بھی دامن صبر و تحمل کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ورنہ ایسے مصائب کو بڑے بڑے انسان برداشت نہیں کر سکتے ہیں تو بچوں کا کیا تذکرہ ہے خصوصیت کے ساتھ تین روز کی تشنگی خود کربلا کے میدان میں اور پھر مسلسل بھوک اور پیاس کو فوشام کے راستوں اور قید خانوں میں۔

● ۱۳ھ میں آپ نے پہلا تاریخی کارنامہ انجام دیا جو اسلامی تاریخ سے محو نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ۱۳ھ تک مسلمانوں میں رومی کے راج تھے اور عیسائی افراد ان سکون کے ذریعہ اپنے عقائد کی ترویج کر رہے تھے۔ بعد الملک نے اپنے دور حکومت میں ان سکون کو ترک کر کے ان پر کھلا لانا اللہ لکھنے کا حکم دے دیا۔ اس کی اطلاع قیصر روم کو ملی تو اس نے روک دیا اور

اس سلسلہ میں رشوت بھی دینا چاہی لیکن عبد الملک نے قبول نہیں کی جس کے بعد اس نے تہدید کی کہ اگر میرے سکون کی شکل بگاڑ کر اس پر کھ لکھ لیا گیا تو میں اسلام اور رسول اسلام کے بارے میں گالیاں لکھوں اگر سکے راج کر دوں گا جسے سن کر عبد الملک کے ہوش و حواس اڑ گئے اور اس نے بعض مشیروں کے کہنے کی بنا پر مجبوراً امام محمد باقرؑ کی طرف رجوع کیا اور آپ نے فرمایا کہ سفیر روم کو روک لیا جائے اور نئے سکے اس انداز کے ڈھالے جائیں جن کے سانچے ایسے ہوں اور وزن اس قدر ہو۔ ان سکون کے ایک طرف کلمہ توحید ہو اور دوسری طرف کلمہ رسالت اور سنہ ایجاد بھی لکھ دیا جائے اور انہیں فوراً راج کر دیا جائے اور رومی سکون کو لغو قرار دے دیا جائے۔

چنانچہ عبد الملک نے ایسا ہی کیا اور یہ سارا کام مکمل ہو جانے کے بعد سفیر روم کو آزاد کیا گیا اور قیصر روم کو اطلاع کر دی گئی کہ اب حکومت اسلامی میں رومی سکے لغو ہو چکے ہیں اور نئے سکے راج ہو چکے ہیں لہذا اسلام کو کسی طرح کا کوئی خطرہ نہیں رہ گیا ہے اور یہ سارا کام امام محمد باقرؑ کے مشورہ کے مطابق انجام دیا گیا ہے۔ قیصر روم اس خبر کو سن کر دمگ رہ گیا اور اسے اندازہ ہو گیا کہ خانوادہ رسالت کے علاوہ کوئی اس الہی سیاست کا وارث نہیں ہو سکتا ہے جس نے سیمت کو پھر ایک مرتبہ شکست دے کر مہابہ کی صداقت اور فتح کا اعلان کر دیا۔ (خطبہ الجہادان دیمیری)

ان تمام احسانات کے باوجود جب عبد الملک کا بیٹا ولید حاکم ہوا تو اس نے بنی ہاشم پر بے پناہ ظلم کیے اور یہاں تک طے کر دیا کہ ان کے مکانات منہدم کر کے مسجد میں شامل کر دیے جائیں اور اگر برغوشی دینے کے لیے تیار نہ ہوں تو مکانات میں آگ لگا دی جائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ پھر حرم شریف کے دروازہ پر تازہ آگ اور کلڑیوں کا منظر دیکھنے میں آیا جس کے بعد بنی ہاشم نے مکانات خالی کر دیے اور ان کے مکانات بے نشان کر دیے گئے جب کہ حضرت عمرؓ کے خاندان والوں سے حصہ کا مکان واپس نہیں لیا گیا اور ان کے قبضہ کو برقرار رہنے دیا گیا۔ یہ واقعہ ۱۳ھ کا ہے۔

● ۱۴ھ میں امام سجادؑ کی شہادت ہوگئی تو اس کے بعد آپ کے علمی خدمات کا سلسلہ شروع ہو گیا جس کا ذکر کمالات اور کرامات کے ذیل میں آئے گا۔

اخلاق حسنہ

محمد بن المنکدر صوفی مسلک انسان تھا اس نے امام کو ضعیفی کے عالم میں دو اشخاص پر

تکبیر کے ہونے باہر جاتے دیکھا تو طنز کیا کہ بنی ہاشم کے شیوخ بھی کب دنیا کے لیے مس بارے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کب معاش کب دنیا نہیں ہے اطاعت الہی ہے۔ میں اس وقت مر بھی جاؤں تو یہ موت اطاعت الہی میں ہوگی۔

● آپ کسی وقت غمزدہ فرماتے تھے تو فوراً کہتے تھے "اللَّهُمَّ لَا تَغْتَبْنِي" (خدا یا! مجھ سے ناراض نہ ہونا) یہ دنیا واقفاً اس قابل نہیں ہے کہ یہاں کوئی انسان خوش ہو سکے خصوصیت کے ساتھ جسے ہر وقت آخرت کا خیال ہو، اس کی ہنسی بھی مصلحت امت کی خاطر ہو سکتی ہے ورنہ اس کی زندگی میں ہنسی اور مسرت کہاں؟

شہادت

عزیزی الحجریؒ کو ہشام بن عبدالملک نے آپ کو زہر دغا سے شہید کرا دیا اور آپ اپنے بزرگوں کی طرح جام شہادت نوش فرما کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انتقال سے پہلے اپنے فرزند امام جعفر صادقؑ کو غسل و کفن وغیرہ سے متعلق وصیتیں فرمائیں اور خصوصیت کے ساتھ یہ وصیت فرمائی کہ میرے مال میں سے ۸۰۰ درہم میری عزا داری کے لیے مخصوص کر دیے جائیں اور دس سال تک حج کے موقع پر منیٰ کے میدان میں میرا غم منایا جائے۔ چونکہ اس تاریخ کو عام طور سے حجاج اس علاقہ میں رہتے ہیں اور سارا عالم اسلامی حج بیت اللہ کے لیے اکٹھا ہوتا ہے۔ اس طرح لوگوں کو حکام وقت کے مظالم اور آل محمدؑ کے فضائل و کمالات اور ان کے احکام و تعلیمات کا علم ہوتا رہے گا اور یہ دین کی ترویج کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس واقعے سے عزا داری کے اہتمام اور اس کے اخراجات پر بھی واضح طور پر روشنی پڑتی ہے۔

نقش انگشتری

العزّة لله يا العزّة لله جميعاً

ایک انگشتری اپنے جد بزرگوار امام حسینؑ سے حاصل کی تھی جس کا نقش تھا ان اللہ

بالغ امره۔

دلائل امامت

اعترافات

● امام محمد باقر عبادت، علم اور زہد وغیرہ میں اپنے پدر بزرگوار امام زین العابدینؑ کی مکمل تصویر تھے۔ (صواعق محرقة)

● آپ علم، زہد، تقویٰ، طہارت، صفائے قلب اور دیگر محاسن میں اس درجہ پر فائز تھے کہ ان محاسن کو آپ کی ذات گرامی سے امتیاز حاصل ہوا۔ (مطالب السؤل)

● آپ تابعین کے تیسرے طبقہ میں تھے اور بہت بڑے عالم، عابد اور ثقہ تھے۔ (ابن شہاب زہری، امام نسائی)

● کسی کے سامنے علماء راستے چھوٹے نہیں دکھائی دیے جتنے آپ کے سامنے دکھائی دیے۔ حدیث ہے کہ حکم صیحا عالم بھی آپ کے سامنے سہرا نہ اٹھتا تھا۔ (ارجح المطالب)

● امام محمد باقرؑ کے فضائل لکھنے کے لیے ایک مکمل کتاب درکار ہے۔ (روضۃ الصفا)

● آپ عظیم الشان امام اور مجمع جلال و کمال تھے۔ (فصل الخطاب)

● علم دین، احادیث، علم سنن اور تفسیر قرآن کے جتنے ذخیرے آپ سے ظاہر ہوئے ہیں اتنے امام حسن اور امام حسینؑ کی اولاد میں کسی سے نہیں ظاہر ہوئے۔ (ذوالابصار)

● آپ کے علمی فیوض و برکات و کمالات سے بے بعیرت اور دیوانے کے علاوہ کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ (ابن جریر)

● آپ علامہ دوران اور سید کبر الشان تھے۔ علوم میں تبحر اور وسیع الاطلاع تھے۔ دو فیاض الامین

● آپ بنی ہاشم کے سردار تھے اور تبحر علمی کی بنا پر باقر کے لقب سے مشہور ہوئے کہ علوم کی تہہ تک پہنچ کر اس کے حقائق و کمالات لیتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ذہبی)

● آپ کے علمی تذکرے ساری دنیا میں مشہور ہیں اور مالک جہنمی نے آپ کی شان میں اشعار بھی لکھے ہیں۔ (الاتحاف شبراوی)

● امام ابو حنیفہ کے معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق کے فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا ہے۔ (سیرۃ النعمان)

● آپ سے انسانوں کی طرح جنات بھی علمی استفادہ کیا کرتے تھے جیسا کہ راوی نے بارہ افراد کو دیکھ کر حضرت سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ اصل میں جنات ہیں۔ (شواہد النبوة)

علمی کمالات

● علامہ شبراوی کا بیان ہے کہ آپ نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا کہ اگر آپ قیاس سے شریعت طے کر لیتے ہیں تو ان سوالات کے جوابات دیجیے:

۱۔ پیشاب زیادہ نجس ہے یا منی؟ انھوں نے کہا، منی۔ فرمایا، پیشاب صرف دھونے سے کیوں پاک ہو جاتا ہے اور منی میں غسل کی ضرورت کیوں ہوتی ہے؟

۲۔ قتل بڑا جرم ہے یا زنا؟۔ کہا قتل۔ فرمایا پھر قتل میں دو گواہ کیوں کافی ہیں اور زنا میں چار گواہوں کی ضرورت کیوں ہے؟

۳۔ نماز کی عظمت زیادہ ہے یا روزہ کی؟۔ کہا نماز کی۔ فرمایا پھر حائضہ عورت پر روزہ کی قضا کیوں واجب ہے اور نماز کی قضا کیوں واجب نہیں ہے؟

● امام ابو حنیفہ نے جہالت کا اعتراف کر لیا اور جواب دریافت کیا تو فرمایا کہ میں جو اب بتا رہا ہوں لیکن آئندہ دین خدا میں قیاس سے کام نہ لیجئے گا۔ یاد رکھیے کہ پیشاب کا تعلق صرف منی سے ہوتا ہے اور منی پورے جسم کی طاقت کا پھوڑ ہے اس لیے منی میں پورے جسم کا غسل واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح قتل میں ایک مجرم ہوتا ہے اور ایک مقتول، تو دو گواہ کافی ہیں لیکن زنا میں دو مجرم ہوتے ہیں لہذا چار گواہ درکار ہیں۔

● حائضہ کو روزہ سے صرف ایک ہینڈ میں دو چار ہونا پڑتا ہے لہذا اس کی قضا آسان ہے اور نماز ہر ماہ ترک ہوتی ہے لہذا اس کی قضا مشکل ہے۔ پھر روزہ کے ساتھ زندگی کے دوسرے

کام ہو سکتے ہیں لیکن نماز کے ساتھ دوسرے کام نہیں ہو سکتے ہیں۔ (اتحاف)

● علامہ شبلی نجی کا بیان ہے کہ علامہ ابن عمر بن عبید نے آپ سے اس آیت کے معنی دریافت کیے کہ زمین و آسمان جڑے ہوئے تھے ہم نے دونوں کو الگ کر دیا اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ دونوں کے راستے بند تھے۔ جب کھول دیے گئے تو آسمان سے پانی برسنے لگا اور زمین سے غلہ پیدا ہونے لگا۔ (نور الابصار)

● طاؤس یانی نے آپ سے دریافت کیا کہ وہ کون سی چیز ہے جس کا فقوڑا حلال ہے اور زیادہ حرام۔ فرمایا وہ نہر طالوت کا پانی تھا جو صرف ایک چٹو تک حلال تھا اور زائد حرام۔ پوچھا وہ کون روزہ تھا جس میں کھانا پینا جائز تھا؟ فرمایا جناب مریم کا روزہ تھا جس میں صرف بات کرنے کی پابندی تھی۔

● پھر دریافت کیا کہ وہ کون سی شے ہے جو کم ہوتی ہے بڑھتی نہیں ہے؟ فرمایا وہ عمر ہے۔ پوچھا وہ کون سی شے ہے جو بڑھتی ہے گھٹتی نہیں؟ فرمایا وہ سمندر کا پانی ہے۔ کہا کہ وہ کون سی چیز ہے جو صرف ایک مرتبہ فضا میں بلند ہوئی؟ فرمایا وہ کوہ طور ہے جو بنی اسرائیل کے سردوں پر مسلط کیا گیا تھا۔ عرض کی وہ کون لوگ ہیں جن کی بیٹی گواہی بھی جھوٹ قرار پائی؟ فرمایا وہ منافقین ہیں جو رسول کو رسول کہتے تھے لیکن خدا نے انھیں جھوٹا قرار دیا ہے۔ پوچھا عالم انسانیت کا پلہ کب ہلاک ہوا؟ فرمایا کبھی نہیں البتہ پلہ حصہ اس دن ختم ہوا ہے جس دن قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا کہ اس وقت صرف چار افراد کی آبادی تھی۔ کہا انسانی نسل کس طرح آگے بڑھی؟ فرمایا کہ جناب حوا کے بطن سے جناب شیث پیدا ہوئے اور انھیں سے نسل آدم آگے بڑھ گئی!

کرامات

● ایک شخص نے دروازہ پر دق الباب کیا اور کینز دروازے کے پاس آئی تو اس کی طرف بوقت کرنا چاہی۔ آپ نے اندر سے آواز دی۔ خبردار! دیوار ہمارے درمیان حجاب نہیں بنتی ہے۔ خوف خدا پیدا کر اور ایسے اقدامات مت کیا کر۔

● ایک شخص نے اپنے بالوں کی سفیدی کا شکوہ کیا تو آپ نے دست شفقت پھیر دیا اور سارے بال سیاہ ہو گئے۔

● ابو بصیر آپ کے نابینا صحابی تھے۔ انھوں نے بصرات کی درخواست کی تو آپ نے آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر بینا بنا دیا۔

● ایک کوئی نے کہا کہ آپ کے پاس فرشتے آتے ہیں جو دوست و دشمن کا پتہ بتا دیتے ہیں فرمایا تیرا کام کیلئے؟ اس نے کہا کہ گندم فروشی۔ فرمایا غلط ہے۔ اس نے کہا کبھی کبھی جو بھی بیچتا ہوں۔ فرمایا یہ بھی غلط ہے تو صرف خرما کا کاروبار کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ آپ کو کیسے معلوم ہو گیا۔ فرمایا اسی فرشتے نے بتایا ہے جو دوست اور دشمن کا پتہ بتاتا ہے اور دیکھتین دن کے بعد تو اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔

● ایک دن آپ نے فرمایا کہ اگلے سال یہاں مدینہ پر نافع بن ازرق حملہ کرے گا اور تم لوگ دفاع نہ کر سکو گے اور ایسا ہو کر رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

● آپ نے جناب زید کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ یہ کو ذمہ قیام کریں گے اور بالآخر قتل کیے جائیں گے اور ان کے سر کی تشہیر ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (شواہد النبوة۔ نور الابصار)

● ہشام بن عبد الملک نے آخر دور حکومت میں حج کیا تو اتفاق سے وہاں امام باقر اور امام صادق بھی موجود تھے۔ امام صادق نے فضائل آل محمد کے بارے میں خطبہ پڑھا تو وہ سخت ناراض ہوا اور واپس جا کر آپ کو شام طلب کر لیا۔ دونوں حضرات تشریف لے گئے تو تین دن دربار میں حاضر کا موقع نہیں دیا۔ چوتھے دن تشریف لے گئے تو کہا کہ تیرا انداز ہی کیجیے۔ امام باقر نے فرمایا کہ میں ضعیف ہو گیا ہوں۔ اس نے کہا کہ یہ کام تو کرنا ہی ہے۔ چنانچہ آپ نے تیرکان لے کر ٹھیک نشانے پر تیر لگا دیا اور فرمایا کہ ہم آل محمد کا مقابلہ نہیں ہو سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ آپ حضرات اس قسم کے دعویٰ کیا کرتے ہیں۔ آپ کے بعد حضرت علیؑ بھی علم غیب کے مدعی تھے۔ فرمایا اس میں حیرت کیا ہے۔ سارا خشک و تر قرآن مجید میں موجود ہے اور قرآن امام مبین کے سینے میں رکھا گیا ہے اور وہ امام مبین تھے۔ (جلال العیون)

● ہشام نے اہل دربار سے کہا کہ میں محمد باقرؑ کو ذلیل کروں گا اور جب میں خاموش ہو جاؤں

تو تم لوگ تذلیل کرنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب سب اپنی حرکتیں کر چکے تو آپ نے فرمایا کہ: بادشاہ ہم کو خدا نے عزت دی ہے اور جس کو خدا عزت دیتا ہے اسے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا ہے۔ آخرت بہر حال صاحبان تقویٰ کے لیے ہے۔ یہ سن کر ہشام کو غصہ آ گیا اور اس نے آپ کو قید کرنے کا حکم دے دیا۔ قید خانہ میں پہنچ کر آپ نے قیدیوں کے درمیان ایسی تقریر کی کہ اس کی گونج باہر تک سنائی دی اور لوگوں نے ہشام سے کہا کہ یہ اس علاقہ میں رہے تو انقلاب برپا ہو جائے گا تو اس نے آپ کو مدینہ روانہ کر دیا اور حکم دے دیا کہ راستہ میں کھانا پانی نہ دیا جائے۔ آپ راستہ طے کرتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ وہاں بھی لوگوں نے سامان لینے سے انکار کر دیا۔ آپ نے پہاڑ پر جا کر بد دعا کا ارادہ کیا تو ایک شخص نے قوم کو پکار کر کہا کہ اس جگہ جناب شعیب نے بد دعا کی تھی۔ خبردار! اب عذاب نازل ہونے والا ہے تو لوگوں نے گھبرا کر سامان لے دیا اور آپ آگے بڑھ گئے۔ (جلال العیون)

● شام کی قید سے رہا ہونے کے بعد آپ مدینہ جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک مقام پر جمع کثیر دکھائی دیا۔ آپ ادھر بڑھ گئے اور حالات دریافت کیے۔ لوگوں نے کہا کہ آج عالم نصاریٰ کی زیارت کا دن ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ راہب دیر سے برآمد ہوا اور حضرت کو دیکھ کر مدہوش ہو گیا۔ پوچھا کہ آپ کا تعلق کس امت سے ہے؟ فرمایا امت مہمور سے۔ کہا اس کے عالموں میں ہیں یا جاہلوں میں؟ فرمایا میں جاہل نہیں ہوں۔ کہا کیا کوئی سوال کرنے آئے ہیں۔ فرمایا نہیں۔ تو پھر میں سوال کر سکتا ہوں؟ فرمایا بے شک!

اس نے کہا کہ شب بروز میں کون سا وقت ہے جس کا شمار ساعات دنیا میں نہیں ہے؟ فرمایا وہ طلوع فجر اور طلوع آفتاب کے درمیان کا وقفہ ہے جس کا شمار دن و رات دونوں میں ہوتا ہے۔ یہ جنت کا وقت ہے جس وقت بیمار کو سکون مل جاتا ہے، رات بھر کے جاگے کو نیند آجاتی ہے اور اہل آخرت میں ذوق بندگی بیدار ہو جاتا ہے۔

اس نے کہا کہ آپ حضرات کا عقیدہ ہے کہ جنت کی غذاؤں کے استعمال کے بعد بھی پیٹاب پانچنانہ کی ضرورت نہ ہوگی تو کیا دنیا میں اس کی کوئی مثال ہے؟ فرمایا کہ پشمک ہار میں غذا کھاتا ہے اور ان ضروریات سے بے نیاز رہتا ہے۔ پھر دریافت کیا کہ جنت کی نعمتیں

استعمال سے کم نہ ہوں گی اس کی کوئی مثال ہے؟ فرمایا کہ ایک چراغ سے لاکھوں چراغ جل جاتے ہیں اور روشنی میں کمی نہیں آتی ہے۔ کہا وہ دو شخص کون سے ہیں جو ایک ساتھ پیدا ہوئے اور ایک ساتھ مرے لیکن ایک کی عمر ۵۰ سال تھی اور دوسرے کی ۵۰ سال۔ فرمایا وہ عزیز و عزیز تھے جن میں عزیز کو خدا نے درمیان میں سو سال کے لیے مُردہ بنا دیا پھر زندہ کر دیا اور اب دونوں جانی ایک ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے تو عمر میں سو سال کا فرق تھا۔ راہب یہ جواب سن کر خاموش ہو گیا اور کہا کہ ان کے ہوتے ہوئے کسی کو بولنے کا حق نہیں ہے اور نہ میں اب کسی کے سوال کا کوئی جواب دوں گا اور یہ کہہ کر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ (جلاء العیون جلد ۱)

ازواج و اولاد

شیخ مفید وغیرہ کے بیان کے مطابق آپ کی سات اولاد تھی۔

امام جعفر صادق اور عبداللہ۔ اور ان دونوں کی والدہ جناب فاطمہ فرود بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر تھیں۔

ابراہیم اور عبداللہ۔ ان دونوں کی والدہ ام حکیم بنت اسد بن مغیرہ اشقی تھیں۔

علی، زینب۔ ان دونوں کی والدہ ام ولد تھیں۔

ام سلمہ۔ ان کی والدہ بھی ام ولد تھیں۔

بظاہر آپ کی اولاد صرف امام جعفر صادق سے آگے بڑھی ہے۔ اگرچہ تاریخوں میں عبداللہ کے ایک فرزند اسماعیل کا بھی ذکر ہے جنھیں امام صادق کے اصحاب میں شمار کیا گیا ہے، اور ایک دختر تھیں جنھیں ام خیر کہا جاتا تھا۔ اور علی بن باقر کی ایک صاحبزادی فاطمہ کا ذکر بھی ہے جن سے امام موسیٰ بن جعفر نے عقد فرمایا تھا، اور ام سلمہ کے ایک فرزند اسماعیل بن محمد ارتط کا ذکر بھی ہے جنوں ابو السرایا کے ساتھ خروج کیا تھا۔ واللہ اعلم

اصحاب و تلامیذ

امام محمد باقر علیہ السلام سے روایات اخذ کرنے والوں میں صحابہ میں جناب جابر بن عبداللہ

انصاری، تابعین میں جابر بن زید الجعفی، کسان السجستانی۔ فقہاء میں ابن المبارک، زہری، ابو یوسف، مالک، شافعی، اوزاعی، زیاد بن المنذر اور بہت سے مورخین اور مفسرین کا نام آتا ہے۔ لیکن آپ کے واقفی اصحاب اور تلامذہ میں یہ حضرات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

جابر بن عبداللہ انصاری، جابر بن زید الجعفی، زرارہ، عامر بن عبداللہ بن شریک العامری، فضیل بن یسار البصری، سلام بن المستنیر، برید بن معاویہ، حکیم بن ابی نعیم، محمد بن مسلم اشقی، عبداللہ بن ابی یعفر، زیاد بن المنذر ابو الجارود، زیاد بن ابی رجاہ ابو سعیدہ الحداد، زیاد بن سوقة، زیاد بن ابی زیاد المنقری، زیاد الاحلام، ابو بصیر یحییٰ بن ابی القاسم کفوف (اسحاق)، حمران، بکیر، عبدالملک، عبدالرحمان بن یزید، محمد بن اسماعیل بن یزید، عبداللہ بن الیمون القدرج، محمد بن مروان الکوفی، اسماعیل بن الفضل الباشمی از اولاد نوفل بن الحارث، ابو ہارون الکفوف، ظریف بن ناصح، سعید بن الاسکاف الدولی، اسماعیل بن جابر الشعمی الکوفی، عقبہ بن بشیر الاسدی، اسلم الملکی، ابو بصیر لیث بن البختری المرادی، کیت بن زید الاسدی، ناجیہ بن عمارہ العیداوی، معاذ بن مسلم النخوی۔ بشیر الرجال وغیرہ ان میں سے محمد بن اسماعیل بن یزید کے بعد کے تمام افراد کا شمار اصحاب امام صادق میں بھی ہوتا ہے اور ان حضرات نے دونوں ائمہ سے استفادہ کیا ہے۔

ذیل میں مذکورہ بالا اصحاب میں سے بعض کے اجمالی حالات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے،

۱۔ جابر بن عبداللہ انصاری

رسول اکرم کے اصحاب میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے سلام کے حامل تھے۔ آپ کے ہمراہ بدر اور دیگر محارک میں شریک رہے ہیں۔ ان کے والد بیعت عقبہ میں شریک تھے۔ دوسری بیعت عقبہ میں جابر خود بھی شریک تھے۔ امیر المؤمنین کے مخلصین میں شمار ہوتے تھے۔ ان کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ روز اربعین ۳۵ امام حسین کے سب سے پہلے زائر ہی ہیں جن کی زیارت اربعین کا تذکرہ کتب مقاتلہ و زیارات میں موجود ہے۔

۲۔ ابو بصیر لیث بن البختری المرادی

نہایت درجہ ثقہ اور معتبر تھے۔ امام صادق کا ارشاد ہے کہ میرے باپ کی فقہ کو چار افراد نے محفوظ رکھا ہے۔ ابو بصیر، زرارہ، محمد بن مسلم اور برید بن معاویہ الجعفی۔

۱۔ فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں شگ ہو تو کیا کرنا چاہیے؟
 ۲۔ بدن یا کپڑا پیشاب سے نجس ہو جائے تو کس طرح پاک کیا جائے؟
 ۳۔ رمی حمرات میں سات میں سے ایک کنکری گر جائے تو کیا کیا جائے؟
 ابو کھش نے امام کے قول پر عمل کیا اور جب ابولیلیٰ جواب نہ دے سکا تو کہا کہ یہ سوالات امام صادقؑ نے تعلیم فرمائے ہیں اور فرمایا ہے کہ جب تجھے سنت رسولؐ کا علم نہیں ہے تو محمد بن مسلم کی شہادت کے رد کرنے کا کیا حق ہے۔ ابولیلیٰ سخت نادم ہوا اور محمد بن مسلم کی گواہی کو نافذ کر دیا۔

● دوسری مرتبہ امام کے دو نمائندے شریک قاضی کے پاس گئے اور دو سوالات کیے،
 تھری مسافت کیا ہے اور جمع کی شرط کیا ہے۔؟ اور جواب حدیث سے مانگا اور جب وہ جواب نہ دے سکا تو کہا کہ ہم سے محمد بن مسلم نے امام باقر کے واسطے سے یہ حدیث رسولؐ بیان کی ہے کہ قہر دو برید (نامہ بر) کی مسافت پر واجب ہوتا ہے اور جمع پانچ افراد کے اجتماع پر واجب ہوتا ہے جس میں ایک امام ہوتا ہے۔ شریک اس جلالت علمی کو سن کر حیرت زدہ رہ گیا۔
 ۴۔ جابر بن یزید الجعفی

کو ذکے دہننے والے تھے لیکن امام باقر کی خدمت میں آکر مدینہ میں رہ گئے تو حضرت نے فرمایا کہ اپنے کو ذکامت کہنا مدینہ کا بتانا اور نہ لوگ اذیت کریں گے۔ عرض کی کہ یہ غلط بیانی تو نہیں ہے؟۔ فرمایا ہرگز نہیں! جب تک تم مدینہ میں ہو مدینہ کے رہنے والے ہو۔ اس میں غلط بیانی کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

نعمان بن بشر راوی ہیں کہ ایک شخص نے جابر کو ایک خط لاکر دیا۔ انھوں نے آنکھوں سے لٹکایا اور کھول کر پڑھا اور افسردہ ہوئے اور کو ذر دانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر عجیب و غریب حرکات کرنے لگے کہ ایک کلاڑی پر گھوڑے کی طرح سوار ہو کر بچوں کے ساتھ دوڑنے لگے۔ لوگوں نے کہا کہ جابر دیوانے ہو گئے ہیں۔ تھوڑے دنوں کے بعد ہشام بن عبد الملک کا فرمان کو ذکے حاکم کے پاس آیا کہ جابر کو قتل کر کے ان کا سر بیچ دو۔ اس نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک مرد فقیر تھے لیکن فی الحال پاگل ہو گئے ہیں۔ انھیں قتل کرنے سے یہ قافلہ

۳۔ ابو بصیر عبد اللہ بن محمد الاسدی

یہ ان چھ اصحاب میں ہیں جنہیں افق کہا گیا ہے۔ ابو بصیر اسدی، محمد بن مسلم، فضیل بن یزید، برید العجلی، زرارہ اور ابو بصیر المرادی۔

۴۔ ابو بصیر یحییٰ بن القاسم الاسدی

باپ کا نام اسحاق تھا۔ خود نابینا تھے اور نہایت درجہ ثقہ اور مرد فقیر تھے۔ بعض حضرات نے چھ فقہاء میں ان کا شمار کیا ہے اور نقل کیا ہے کہ امام صادقؑ نے اپنی عدم موجودگی میں ان کی طرت رجوع کرنے کا حکم دیا تھا۔

۵۔ زرارہ بن اعین

نہایت درجہ مرد دانا، فقیہ، محکم، ادیب اور ثقہ تھے۔ ایک مرتبہ امام صادقؑ کی بزم میں ان کا ذکر آیا تو آپ نے اس انداز سے تذکرہ کیا جس سے پہلے ذم نکلتا تھا۔ انھیں اطلاع ملی تو اپنے فرزند کو حضرت کی خدمت میں دریافت حال کے لیے بھیجا۔ آپ نے فرمایا کہ تم میرے واقعی دوست ہو لیکن کیا کروں دنیا میرے دوستوں کی دشمن ہے۔ لہذا میں اس طرح ذکر کرتا ہوں کہ میری دوستی کا اظہار نہ ہو، اور اس طرح میرے چاہنے والے دشمنوں کے شر سے محفوظ رہیں۔

واضح ہے کہ زرارہ چار بھائی تھے۔ زرارہ، حمران، بکیر، عبد الرحمان۔ اور یہ سب سب نہایت درجہ مخلص قسم کے شیعہ تھے اور کسی کے بارے میں انحراف کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔
 ۶۔ محمد بن مسلم تقفی کوئی

امام باقرؑ و صادقؑ کے نہایت مخلص صحابی تھے۔ امام باقرؑ سے تیس ہزار اور امام صادقؑ سے ۱۶ ہزار حدیثیں اخذ کی ہیں۔ امام باقرؑ نے ایک مرتبہ تواضع و انکساری کا حکم دے دیا تو خرم فروشی شروع کر دی اور اس کے بعد آٹاپیسنے لگے جس کی بنا پر انھیں طمان بھی کہا جاتا ہے۔ ابو کھش کا بیان ہے کہ میں امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ قاضی ابولیلیٰ نے محمد بن مسلم کی شہادت کو رد کر دیا ہے۔ تم کو ذکے جانا تو ابولیلیٰ سے مل کر تین سوال کرنا اور کہنا کہ شرط یہ ہے کہ جواب حدیث رسولؐ سے ہو:

ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی رائے بدل دی اور امام کے خط کی مصلحت سامنے آگئی اور یہ علوم ہو گیا کہ اگر ظاہر میں کس طرح اپنے چاہنے والوں کی زندگیوں کا تحفظ کیا کرتے تھے اور مجاہدان آل محمد کے لیے عرصہ حیات کس قدر تنگ ہو گیا تھا۔ جابر کا انتقال ۲۵ھ میں ہوا ہے یعنی امام محمد باقر کے چودہ سال کے بعد۔

اقوال حکیمانہ

بہترین امتزاج یہ ہے کہ علم کو حلم کے ساتھ ملا دیا جائے۔
مکمل کمال دین میں فقہت، مصائب پر صبر اور معیشت کی تقدیر یعنی آمد و خرچ کے توازن کا حساب رکھنا ہے۔

بیس سال کی ہمراہی قربت کا درجہ پیدا کر لیتی ہے۔
تین چیزیں دنیا اور آخرت کے مکارم میں ہیں: ظلم کرنے والے کو معاف کر دینا، قطع تعلقات کرنے والوں سے صلہ رحم کرنا، اور جاہلوں کی جہالت کو برداشت کرنا۔
جو خود اپنے نفس کو موغظ نہ کر سکے اسے دوسروں کا موغظ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔
کتنے لوگ ایسے ہیں جو لوگوں سے خوشامد میں کہتے ہیں کہ خدا تمہارے دشمن کو ذلیل کرے حالانکہ ان کا دشمن خود خدا ہی ہوتا ہے۔

جس عالم کے علم سے فائدہ اٹھایا جائے وہ ستر ہزار عابدوں سے بہتر ہے۔
واضح رہے کہ اگر ظاہر میں کے ارشادات میں علماء کے مراتب پر بے حد زور دیا گیا ہے اور ان کی مصاحبت اور ان سے علمی استفادہ کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ رسول اکرم سے پوچھا گیا کہ جنازہ میں شرکت کرنا افضل ہے یا مجلس عالم میں؟ فرمایا کہ اگر جنازہ اٹھانے والے موجود ہیں تو مجلس عالم میں شرکت افضل ہے ہزار جنازوں میں شرکت، ہزار مریضوں کی عیادت، ہزار شب کی نماز، ہزار روز کے روزے، ہزار درہم صدقہ اور ہزار حج مستحب ہے۔

عالم کے ساتھ غیر جامع مسجد میں نماز ہزار رکعت کے برابر ہے اور مسجد جامع میں ایک لاکھ رکعت کے برابر۔

عالم کو صدقہ دینا سات ہزار گنا ثواب رکھتا ہے۔
نوزائیدہ رئیسوں سے حاجت طلب کرنا سانپ کے منہ سے درہم نکالنا ہے کہ فرود ت بھی ہے اور خطرہ بھی ہے۔

نیکیوں کے چار خزانے ہیں: (۱) حاجت کا پوشیدہ رکھنا۔ (۲) صدقہ کا چھپا کر دینا۔ (۳) درد کا اظہار نہ کرنا۔ (۴) مصیبت کا بیان نہ کرنا۔

مجموعہ درام کی روایت ہے کہ احنف نے اپنے چچا مصعب سے درد دل کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا، فرزند! اپنے حالات کی شکایت مت کیا کرو کہ دوست سے کہو گے تو رنجیدہ ہوگا اور دشمن سے کہو گے تو خوش ہوگا۔ پھر ان لوگوں سے کیا کہتا ہے جو خود اپنے درد کا علاج نہیں کر سکتے ہیں۔ کہتا ہے تو اس سے کہو جس نے درد دیا ہے اور وہی رفع کرنے پر قادر ہے۔ دیکھو میری ایک آنکھ چالیس سال سے کام نہیں کر رہی ہے لیکن میں نے آج تک اپنی زوجہ سے بھی اس کی شکایت اور فریاد نہیں کی ہے۔

خبردار! کسل مندی اور بے قراری سے دور رہنا کہ کسل مندی آدمی کسی کے حقوق نہیں ادا کر سکتا ہے اور بے قراری آدمی حق پر صبر نہیں کر سکتا ہے۔

اس مقام پر ایک دلچسپ حکایت ابو الجراح اقصی کے بارے میں شہور ہے کہ اس سے پوچھا گیا کہ آپ کا استاد کون ہے؟ تو اس نے کہا کہ ابو جحراں۔ (ابو جحراں وہ کیڑا ہے جو غلات کو ڈھیل کر سوراخ تک لے جاتا ہے)۔ لوگوں نے حیرت زدہ ہو کر کہا کہ مذاق نہ کیجئے۔ انہوں نے کہا کہ میں حقیقت کہہ رہا ہوں اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک رات میں نے اس کیڑے کو ایک پوراغ کے اسٹول پر چڑھتے دیکھا۔ لیکن اس کے چلنے ہونے کی بنا پر بار بار گر جاتا تھا۔ میں تادیر دیکھتا رہا اور یہ دیکھا کہ اس نے سات سو مرتبہ کوشش کی اور ناکام رہا یہاں تک کہ میں نماز صبح کے لیے چلا گیا۔ جب واپس آیا تو اس کو روشنی کے قریب اسٹول کے اوپر پایا اور یہ طے کر لیا کہ کسل مندی سے کوئی کام نہیں ہو سکتا ہے اور مسلسل کوشش ایک دن بہر حال کامیابی سے ہمکنار بنا دیتی ہے۔

● تواضع یہ ہے کہ محفل میں اپنے مرتبہ سے کم تر جگہ پر بیٹھے۔ جو سامنے آجائے اُسے سلام

کرے اور حق بجانب ہونے کے باوجود بحث و مباحثہ نہ کرے۔

● حیا اور ایمان ایک ہی رشتہ کے دو گوہر ہیں۔ ایک رخصت ہو جاتا ہے تو دوسرا بھی اسی کے ساتھ چلا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ اسلام نے حیا و غیرت پر بے حد زور دیا ہے۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ اسلام برہنہ ہے اور اس کا لباس حیا و غیرت ہے۔ جس کے پاس حیا نہیں ہے اس کے پاس دین بھی نہیں ہے۔ قیامت اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک بچوں اور عورتوں کی حیا ختم نہ ہو جائے۔

● امام رضاؑ کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ ایک منافق نے آپؑ پر طنز کر دیا کہ آپ کے بعض دوست شراب پیتے ہیں تو آپؑ فرط حیا و غیرت سے پسینہ میں ڈوب گئے۔

کاش! امامؑ سے تمک رکھنے والے اور ان کی محبت کا دعویٰ کرنے والے اس صورت حال کا صحیح احساس کرتے اور اپنی بد اعمالیوں سے امامؑ کو شرمندہ نہ کرتے۔ امامؑ کا دور گذر چکا ہے تو ابھی زمانہ کا ایک امامؑ زندہ موجود ہے اور وہ ہمارے اعمال کو برا دیکھ رہا ہے اور اس طنز و مزاح کو بھی برا بر سن رہا ہے جو دشمنانِ اہلبیتؑ کی طرف سے ہماری بد اعمالیوں اور بے عملیوں کی بنا پر ائمہ معصومینؑ پر وارد کیے جا رہے ہیں۔

● صبح سویرے صدقہ دینا شیطان کے شر کو دور کرتا ہے اور سلطان کے شر سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔

● جابر بن یزید جعفی سے فرمایا کہ کیا ہماری محبت کے لیے فقط دعوائے محبت کافی ہے؟ ہرگز نہیں۔ واللہ ہمارا شیعہ وہ نہیں ہے جو خدا کی اطاعت نہ کرے اور تقویٰ اختیار نہ کرے۔ جابر! ایک زمانہ تھا جب ہمارے شیعہ تواضع و انکسار، ذکر خدا، نماز و روزہ، خبر گیری ہمسایہ، اعانت فقراء و مساکین و ایاتام، تلاوت قرآن سے پہچانے جاتے تھے۔

جابر نے عرض کی کہ حضورؐ آجکل کے دور میں تو ایسے افراد نظر نہیں آتے ہیں۔ فرمایا جابر! بہر حال ہماری محبت کی علامت یہی ہے ورنہ کوئی شخص رسول اکرمؐ سے زبانی محبت کرے اور ان کی سیرت پر عمل نہ کرے تو وہ محبت بھی کار آمد نہیں ہے اگرچہ رسول اکرمؐ کا مرتبہ امیر المؤمنینؑ سے بالاتر ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْمُهَدٰی

نقش
حیات امام جعفر صادقؑ

ولادت: ۱۰ زیح الاول ۸۳ھ

شہادت: ۲۵ شوال ۱۴۸ھ

نقش زندگی امام جعفر صادق علیہ السلام

● ماہ ربیع الاول ۸۳ھ کی ۷ تاریخ تھی جب تاریخ عصمت کا دوسرا "آفتاب صداقت" مطلع انسانیت پر ظہور کر رہا تھا جس طرح کہ آج سے تقریباً ۱۳۵ سال پہلے اسی تاریخ کو سرکارِ دو عالم کی ولادت باسعادت کے طفیل میں اس کائنات کو پہلے "آفتاب صداقت" کے مطلع اوار بننے کا شرف حاصل ہوا تھا۔

● گویا نگاہ قدرت میں ماہ ربیع الاول کی ۷ تاریخ صداقت کے لیے اس آگئی اور قدرت نے ہر صادق کو پہنچنے کے لیے اسی مبارک تاریخ کا انتخاب کیا اور اس طرح داد اور پوسے کی تاریخ صداقت بھی متحد ہو گئی اور چون کہ مسلک آل محمد ذاتی افکار کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ خدائی اخبار کا مجموعہ ہے اور اخبار کا دایہ مدار مغرب کی صداقت ہی پر ہوا کرتا ہے لہذا مذہب کی حقانیت کا انحصار منجھ صادق کی صداقت پر قرار پاتا ہے اور اس طرح بہترین مذہب وہ مذہب قرار پائے گا جس کے اصول کا بیان نبی صادق کے ذریعہ ہو، اور تشریحات و تفصیلات کے بیان کا کام امام صادق سے متعلق کر دیا جائے۔

آپ کے والد کا اسم مبارک امام محمد باقر علیہ السلام تھا اور والدہ گرامی جناب ام فروہ تھیں جو جناب قاسم بن محمد بن ابی بکر کی صاحبزادی تھیں اور جن کے بارے میں خود امام صادق کا بیان ہے کہ ان کا شمار ان افراد میں تھا جو صاحبان ایمان، نیک کردار اور پرہیزگار تھے اور جن سے اللہ نے محبت کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ آپ کی تربیت جناب قاسم کی آغوش میں ہوئی جن کو مدینہ کے سات عظیم فقہار میں شمار کیا جاتا تھا اور ان کی پرورش اس محمد کی آغوش میں ہوئی جن کے بارے میں امیرالمومنین نے فرمایا تھا کہ یہ اگرچہ ابو بکر کے صلب سے ہیں لیکن درحقیقت میرے فرزند کہے جانے کے قابل ہیں اور اس علی کی فرزند کی کنیت تھا کہ حاکم شام نے انھیں اتنی سخت سزا دی کہ گھر سے کی

کمال میں بند کر کے زندہ جلوا دیا۔

● جناب ام فروہ کی ذاتی قابلیت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ نے بائیں ہاتھ سے جرابوں کو مس کیا تو کسی شخص نے اعتراض کر دیا کہ یہ خلاف سنت ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ انا لا غنیا عن من علمت (ہم اس گھر کے افراد ہیں جو تیرے جیسے افراد کے علم سے مستغنی اور بے نیاز ہیں۔)

● امام صادق کا اسم گرامی جعفر تھا جس کے معنی نہر کے ہیں اور جو جنت میں ایک وسیع نہر کا نام بھی ہے جس سے قدرت کی طرف سے یہ اشارہ مقصود تھا کہ آپ کے علوم و کمالات سے ایک عالم سیراب ہونے والا ہے اور آپ کے علوم کی وسعتیں جنت کی نہروں جیسی ہیں اور آپ سے واقعی فیض حاصل کرنے والا گویا اہل جنت میں ہے۔

● کنیت ابو عبد اللہ تھی اور القاب صابر، فاضل اور صادق وغیرہ تھے جن میں صادق کا لقب رسول اکرم نے اس تذکرہ میں عطا فرمایا تھا جس میں اپنے بعد کے داروں اور جانشینوں کا تذکرہ فرمایا ہے تھے اور فرمایا تھا کہ میرے اس وارث کا لقب صادق ہوگا۔ (جلال العیون) اور اس کا ایک راز یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اولاد رسول میں ایک شخصیت جعفر کذاب کی بھی پیدا ہو گئی انھوں نے غلط دعویٰ آیت کر کے امام زمانہ سے مقابلہ کیا اور کذاب قرار پائے۔ اس لیے اس اشتباہ سے بچنے کے لیے آپ کو مسلسل صادق کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ اگرچہ دوسرے جعفر بھی بعد میں تواب قرار پائے لیکن عام طور سے ان کا تعارف اسی لقب سے ہوتا ہے جس سے ان کے غلط دعویٰ پر روشنی پڑتی ہے چاہے بعد میں گناہ معاف ہی کیوں نہ ہو جائے۔

● آپ کے بارے میں آپ کی والدہ ماجدہ کا بیان ہے کہ شکم اقدس میں برابر ماں سے کلام کیا کرتے تھے اور ولادت کے بعد بھی سب سے پہلے زبان مبارک پر کلمہ شہادتین جاری کیا اور ایک مرتبہ پھر واضح کر دیا کہ امام اسلام لاتا نہیں ہے اسلام لے کر آتا ہے۔

آپ کی انگشتری کا نقش "اللہ ولی وعصمتی من خلقہ" اللہ خالق کل شیء انت نفی فاعصمتی من الناس۔ "ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ استغفر اللہ" (باخلاق روایات)

● آپ کی تاریخ ولادت کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ یہ تاریخ سال کے ان چار اہم دنوں میں شامل ہے جس دن روزہ رکھنے کا بے حد تواب قرار دیا گیا ہے اور جن میں ۷ ربیع الاول کے علاوہ

۲۵ ذی قعدہ، ۲۷ رجب اور ۸ رذی الحج روز غدیر خم جیسی اہم تاریخیں بھی شامل ہیں۔

● آپ کی ولادت عبدالملک بن مردان کے دور حکومت میں ہوئی جس کا سلسلہ تقریباً ۱۵۰ تک رہا۔ اس کے بعد ۱۵۰ھ سے ۱۶۰ھ تک ولید بن عبدالملک کا دور رہا۔ ولید کے بعد سلیمان بن عبدالملک چند دنوں کے لیے حاکم بنا۔ پھر قھوڑے عرصہ تک عمر بن عبدالعزیز کی حکومت رہی۔ ۱۹۰ھ میں یزید بن عبدالملک برسر اقتدار آیا۔ پانچ سال کے بعد ہشام بن عبدالملک کا دور شروع ہوا جو تقریباً ۲۰ سال باقی رہا۔ ۱۹۵ھ میں ولید بن یزید بن عبدالملک نے حکومت سنبھالی اور اس کے فوری خاتمہ پر ۱۹۵ھ میں یزید ناقص برسر اقتدار آیا اور چند دنوں کے بعد ابراہیم بن الولید کو حکومت مل گئی اور اس کے بعد مروان الحار برسر اقتدار آیا جس کے خاتمہ سے بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور ابوالعباس سفاح نے ۱۹۵ھ میں تخت و تاج پر قبضہ کر لیا اور عباسی دور حکومت کا آغاز ہو گیا۔ ابوالعباس سفاح کی چار سالہ حکومت کے بعد منصور دو ایبھی کو اقتدار مل گیا اور اس کا سلسلہ ۱۵۵ھ تک جاری رہا جس میں ۱۵۵ھ میں اس نے امام کو زہر دے کر شہید کر دیا۔

تاریخ حکومت اموی و عباسی کے مطالعہ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی حکومت یا خلافت کا ایمان اور کردار سے کوئی تعلق نہیں تھا اور وراثت یا طاقت کے زور پر سارا کاروبار چل رہا تھا۔ چنانچہ اس کا سب سے زیادہ دلچسپ اور عبرتناک ثبوت یہ ہے کہ خلفاء اسلام کی فہرست میں یزید ناقص، ولید فاسق، ابوالعباس سفاح، منصور دو ایبھی اور مروان الحار جیسے نام ملتے ہیں جن کے نام ہی سے ان کے ناقص، فاسق، خوں ریز و سفاک، پیسے پر مرنے والا، اور گدھا ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور ان تمام اوصاف و کمالات کے بعد بھی سب خلیفہ المسلمین تھے اور اسی اسلامی ذوق کا نتیجہ ہے کہ آج تک مسلمان حکومتوں کے حکام بے دین، جاہل و مشربانی، جواری اور عیاش نظر آ رہے ہیں اور عالم اسلام انہیں اولی الامر قرار دے کر ان کے احکام کی اطاعت کو سرمایہ دین و ایمان قرار دے رہا ہے۔ بھلا کیا مقابلہ ہے اس بے دین اور بد کردار تاریخ کا۔ اس مہم اور فنا فی اللہ تاریخ سے۔ جس کی کوئی فرد صاحب علم ہے تو کوئی صاحب اطلاق، کوئی صبر کا مجسمہ ہے تو کوئی عبادت کا نمونہ، کوئی وسعت علوم کا ذمہ دار ہے تو کوئی صداقت کا شہنشاہ کسی نے تحمل و کلم غیظ کا مظاہرہ کیا ہے تو کسی نے راضی برضائے الہی رہنے کا، کسی کا تقویٰ شہوا نفاق

بنائے تو کسی کی طہارت قلب، کوئی عسکری طاقت کا مرتع ہے تو کوئی اصلاح عام کا ذمہ دار، بین تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا

● عبدالملک کے دور حکومت کے خاتمہ تک امام کی عمر صرف تین سال تھی لہذا اس حکومت سے کسی خاص سابقہ کا سوال نہیں ہے۔ سلیمان بن عبدالملک، ولید بن یزید بن عبدالملک، یزید ناقص، ابراہیم بن الولید اور مروان الحار خود ہی چند روزہ حاکم تھے لہذا ان کا تذکرہ کرنا ہی بیکار ہے۔

● امام کے دور زندگی میں ابتدائی طور پر حکومت کرنے والے افراد میں دس سال ولید بن عبدالملک کا دور حکومت ہے اور درمیان میں ۲۰ سال ہشام بن عبدالملک کا زمانہ ہے اور آخر میں تقریباً ۲۰-۲۲ سال منصور دو ایبھی کا دور حکومت ہے۔ لیکن ان اداواریں بھی ولید کا پورا دور حکومت اور ہشام کا نصف دور حکومت امام محمد باقر سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے بعد ۱۹۵ھ میں آپ کی شہادت کے بعد امام کا دور قیادت شروع ہوا جس کا ابتدائی مقابلہ ہشام بن عبدالملک سے رہا اور آخری مقابلہ منصور دو ایبھی سے۔ لیکن پھر بھی تاریخ خلافت کے تفاوت کے لیے بعض افراد کا مختصر تذکرہ ضروری ہے۔

● امام کی ابتدائی زندگی کا حاکم وقت ولید بن عبدالملک تھا جس کے فسق و فجور کا یہ عالم تھا کہ خود اپنی حسین و جمیل بیٹی سے زنا کیا اور جب کسی نے اعتراض کیا کہ اس طرح بڑی بدنامی ہوگی تو اس نے صاف کہہ دیا کہ لوگوں کی ملامت کا خیال کرنے والے کبھی اپنے قصود کو حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔

● ایک مرتبہ ظالم نے خانہ کعبہ کی چھت پر بیٹھ کر شراب پینے کا منصوبہ بنایا تاکہ دنیا پر واضح ہو جائے کہ اسلام میں خلیفہ کے دقار کے علاوہ کسی شے کا نہ کوئی دقار ہے نہ احترام۔ اس نے قرآن مجید سے جگ میں جانے کے لیے فال نکالی اور آیت خلافت منشا کل آئی تو قرآن کو تیروں لافٹا بنا کر کہہ دیا کہ روز قیامت اپنے خدا سے کہہ دینا کہ مجھے ولید نے پارہ پارہ کر دیا ہے۔ یہ ہے مسلمانوں کا ایمان بالقرآن کہ ایسے افراد کو بھی خلیفہ المسلمین تسلیم کرنے کے بعد مہمان اہلیت پر یہ طنز کرتے ہیں کہ ان کا ایمان قرآن مجید پر نہیں ہے۔ بے شک اگر ایمان بالقرآن کے لیے اس مشق تیر نمازی کی بھی شرط ہے تو اللہ ہر مسلمان کو ایسے ایمان سے محفوظ

رکھے۔

● ولید کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ اذان کی آواز سن کر کینز سے جماع کرنے میں مصروف ہو گیا اور جب مسلمان نماز پڑھانے کے لیے بلانے کے لیے آئے تو اسی کینز کو اپنا لباس پہنا کر بیچ دیا اور مخلص مسلمانوں نے نہایت ہی "تخضوع و خشوع" کے ساتھ کینز کے پیچھے نماز پڑھی، اور یہ بات پھر واضح ہو گئی کہ بنی امیہ کے پرستاروں میں زاونٹ اور اونٹنی کی تمیز ہے اور نہ مرد اور عورت کی۔ یہ ہر کس و ناکس کو اپنا امام اور راہنما تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں بلکہ جو جس قدر بے دین ہو گا اتنا ہی بڑا خلیفۃ المسلمین اور ولی امر امت ہو گا۔

● امام جعفر صادق کے چچا زاد بھائی جناب یحییٰ بن زید کو اسی ظالم نے قتل کر دیا تھا اور پھر ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا تھا اور آخر میں ایک مدت کے بعد سولی سے اتروا کر نذر آتش کر دیا تھا۔ اور اس طرح خلافت اسلامیہ کی بھی حقیقت واضح ہو گئی تھی اور خلیفۃ المسلمین کے حسد کی آگ بھی بجھ گئی تھی۔

● ہشام بن عبد الملک کا دور حکومت آپ کی جوانی کا دور زندگی تھا جب آپ ہشام کی عمر سے وارد ہونے والے مصائب کا باقاعدہ مشاہدہ کر رہے تھے بلکہ بعض اوقات ان کا نشانہ بھی بن رہے تھے۔ ہشام انتہائی چالباز، کجسوس، سخت مزاج، خود سر بہ اخلاق، لالچی اور شکی قسم کا انسان تھا۔ ذرا ذرا سے شبہ پر افراد کو تہ تیغ کر دیا کرتا تھا۔ آل رسول کا قتل عام اس کا خاص مشغلہ تھا چنانچہ اس نے ۶۸۰ء سے ۶۸۶ء تک خالد بن عبد اللہ قسری کو عراق کا گورنر بنا کر رکھا جس نے ایک عام تباہی مچادی اور اس قدر بے دینی پھیلانی کہ ہشام کو رسول اللہ سے بہتر قرار دے دیا۔ (تاریخ کامل)

● ہشام نے حج کے موقع پر امام زین العابدین کی عظمت کا مشاہدہ کیا تو جل کے رہ گیا۔ اور جب فرزدوق نے آپ کی شان میں قصیدہ پڑھا تو انھیں مقام عسفان میں قید کر دیا اور سخت سزا دی۔

● اسی شخص نے جناب زید کو شہید کر دیا۔ ان کی لاش کو چار سال سولی پر لٹکا کر رکھا اور آخر میں لاش مبارک کو نذر آتش کر دیا۔

● اسی ظالم نے امام باقر کو جبراً مدینہ سے شام طلب کیا اور انھیں بے صدا زیت دی اس وقت امام صادق بھی آپ کے ہم سفر تھے اور راستہ میں مرد راہب سے ملاقات کر کے اپنے کمالات کی بنیاد پر اسے مسلمان بنایا تھا۔

● اسی ہشام نے جناب زید کو کینز زادہ کہہ کر طنز کیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ جناب اسماعیل جو خود پیغمبر خدا تھے اور سرکار دو عالم کے جد بزرگوار تھے وہ بھی تو جناب ابراہیم کی کینز جناب ہابزہ کے بطن سے تھے تو کیا ان کا مرتبہ کچھ کم ہو گیا یا وہ نبوت کے لائق نہیں رہ گئے۔

● منصور دو انبیائی۔ بنی عباس کا دوسرا حکمران تھا جس کی تدبیر اور تنظیم مملکت کے چرچے بہت ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ جلد مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ شخص انتہائی سفاک اور قاتل تھا اور یہی اس کا کمال تدبیر ہے کہ شبہات پر قتل کر دیا کرتا تھا یہاں تک کہ بنی ہاشم اور علویین کا کیا ذکر ہے۔ امام مالک کو صرف اس جرم میں کوڑے لگوائے کہ انھوں نے کسی وقت سادات کی حمایت کر دی تھی اور امام ابو حنیفہ کو جناب زید کی بیعت کی بنا پر قید کر دیا اور آخر میں ۶۸۶ء میں زہر دلوادیا۔ سادات کو قتل کر دینا، دیواروں میں زندہ چنوا دینا، تعمیرات میں ان کے خون کا گارا استعمال کرنا تو منصور کے روزمرہ میں شامل تھا۔ اس ظالم کے ظلم کی انتہا تھی کہ سادات قید خانہ میں مرجاتے تھے تو ان کی لاش بھی باہر نہ نکھواتا تھا اور اس طرح قید خانہ کی فضا اور مکدر ہو جاتی تھی اور زندگی مزید دو بھر ہو جاتی تھی۔ لیکن سادات کرام نے ان حالات میں بھی زندگی گذاری اور تلاوت قرآن کے ذریعہ اوقات نماز کا تعین کر کے عبادت الہی میں زندگی بسر کرتے رہے۔

امام حسن کی اولاد کا وجود منصور کے لیے ناقابل برداشت تھا چنانچہ جناب عبد اللہ محض کے احتجاج کی بنا پر پہلے انھیں قید کر لیا۔ اس کے بعد ان کے دونوں فرزندوں کو قتل کر دیا۔ جب نفس زکیہ نے منصور کے مظالم کو ناقابل برداشت قرار دے کر کوہ فی قیام کیا اور ابراہیم نے مصر میں احتجاج کا پروہم بلند کیا تو ابتدا میں بعض لوگوں نے ساتھ بھی دیا اور ایک فوج بھی تیار ہو گئی لیکن آخر میں مقابلہ کی سختی میں فوج کام نہ آسکی اور دونوں اپنے اپنے لشکر کے درمیان قتل کر دیے گئے۔ سادات کرام کے حوصلے اس کے بعد بھی بلند رہے چنانچہ جناب عبد اللہ محض

جنھوں نے صحراؤں کی زندگی اختیار کر لی تھی اور ایک موقع پر اپنے بیٹوں سے ملاقات کر کے انھیں وصیت کی تھی کہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہوتی ہے اور اسی بنیاد پر ان حضرات نے قیام کیا تھا۔ جب جناب عبداللہ محض کے سامنے ان کے فرزند محمد نفس زکیہ کا سر دکھایا گیا اور انھوں نے ناز تمام کر کے اپنے فرزند کے سر کو دیکھا تو فرمایا شاہاش! تو نے خدائی عہد کو پورا کیا اور تیری تلوار نے تجھے دنیا کی ذلت سے بچالیا اور تیرے تقویٰ نے تجھے آخرت کے عذاب سے محفوظ کر لیا۔ اور یہ کہہ کر سر لانے والے سے فرمایا کہ منصور سے کہہ دینا کہ ہمارا کام تمام ہو چکا ہے۔ اب اس کے بعد تیری باری ہے اور انصاف بہر حال خدائی بارگاہ میں ہو گا۔ اس کے بعد ایک ایسی سانس لی کہ دم نکل گیا اور اپنے بچوں کی قربانی پیش کر کے ان کے ہمراہ بارگاہ احدیت میں حاضر ہو گئے۔

● منصور کے وہ مظالم جن کی بنا پر ان حضرات نے قیام کو ضروری قرار دے لیا تھا۔ ان کا ایک معمولی نظریہ تھا کہ اس نے مدینہ سے تقریباً ۷۰-۵۰ حسنی سادات کو گرفتار کر لیا اور ان کے گلے میں طوق اور پاؤں میں ڈوبہری زنجیریں ڈال کر انھیں مدینہ سے باہر نکالا جس کی خبر یا کر امام صادق اس مقام تک آئے اور اس منظر کو دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ زار و قطار رونے لگے اور فرمایا کہ اب حرم خدا و رسول کی حرمت بھی محفوظ نہیں رہ سکتی اور اس کے بعد ۲۰ دن تک بخاریں مبتلا رہے۔ آپ نے یہ بھی چاہا کہ اپنے چچا حضرت عبداللہ محض کے پاس جا کر انھیں اس حادثہ کی تعزیت پیش کریں لیکن ظالموں نے نہ جانے دیا اور اس طرح ایک دوسرے کے غم میں شرکت بھی نہ کر سکے۔

ظاہر ہے کہ ایسے ظالم اور جلاور بادشاہ کی نگاہ میں جب سادات حسنی کے عام افراد کی زندگی ناقابل برداشت تھی تو امام جعفر صادق تو بہر حال امام اور مجسمہ کالات تھے اور ان کی شخصیت قوم کی نگاہ میں بے حد معزز اور محترم تھی۔ ان کا وجود منصور کی نگاہ میں کس طرح قابل برداشت ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے بار بار آپ کو زہر دینے کی کوشش کی اور متعدد بار دربار میں اس قصد سے طلب کیا کہ آپ کی تذلیل کی جائے اور آخر کار قتل کر دیا جائے لیکن جب تک مصلحت الہی حیات سے وابستہ ہے کوئی کسی کی زندگی کا خاتمہ نہیں کر سکتا ہے اور جسے خدا عزت دینا چاہتا ہے اسے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا ہے۔

منصور نے ایک مرتبہ بغرض تذلیل طلب کیا تو دربار میں ایک کبھی بار بار منصور کی ناک پر

بیٹھ جاتی تھی۔ اس نے جھجھکا کر سوال کیا کہ آخر خدا نے اسے کیوں پیدا کر دیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ دنیا کے ظالم و جاہل بادشاہوں کو ذلیل کرنے کے لیے تاکر انھیں اپنی اوقات کا اندازہ ہو جائے اور یہ بھولیں کہ ایسی ناقوانی اور بے کسی کے باوجود سارے عالم پر کس طرح ظلم و ستم کر رہے ہیں۔

دوسری مرتبہ حضرت کو طلب کیا تو کثیر تعداد میں جادو گر اکٹھا کر لیے جن کا مقصد یہ تھا کہ اپنے جادو سے امام کی توہین و تذلیل کریں لیکن قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ آپ نے شیر تالین کی طرز اشارہ کر دیا اور اس نے مجسم ہو کر تمام جادو گروں کو نکل لیا جس کے بعد منصور نے آپ سے جادو گروں کو واپس کرنے کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر موسیٰ کے حوصلے جادو گروں کو واپس کر دیا ہوتا تو میں بھی واپس کر دیتا لیکن اب نہیں ہو سکتا ہے۔ (دمعہ ساکبہ)

گویا یہ اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ ہم وارث موسیٰ ہیں اور تو وارث فرعون۔ تو جو کل موسیٰ سے مقابلہ کرنے والوں کا شہر ہوا تھا وہ آج کے جادو گروں کا ہوا ہے، اور جو کل کے فرعون کا انجام ہوا تھا وہ عنقریب تیرا انجام ہونے والا ہے۔

● بعض اوقات تو منصور نے یہاں تک طے کیا کہ آپ کے گھر میں آگ لگا دی جائے تاکہ تمام افراد خانہ گھر کے اندر جل کر مر جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اور گھر میں آگ لگ گئی۔ اصحاب نے بچانے کی پوری کوشش کی لیکن حضرت نے کوئی توجہ نہ کی اور آخر میں آگ سے خطاب کر کے فرمایا کیا تجھے نہیں معلوم ہے کہ انا ابن ابراہیم الخلیل (میں ابراہیم خلیل کا فرزند ہوں)۔ تیری کیسا مجال ہے کہ مجھے یا میرے گھر والوں کو جلا سکے۔ چنانچہ آگ تم گئی اور آپ نے دامن قبا کی ہوا دے کر اسے گلزار بنا دیا۔ (مذکرۃ المعصومین)

● منصور نے ایک مرتبہ سو جاہل اور گنوار افراد کو دربار میں اکٹھا کیا کہ حضرت صادق کے آگے ہی ان پر حملہ کر دیں اور ان کا خاتمہ کر دیں۔ لیکن قدرت کا انتظام کہ جب حضرت تشریف لائے تو سب تلواریں پھینک کر قدموں پر گر پڑے اور منصور نے خطرہ کا احساس کر کے آپ کو راتوں رات وطن واپس کر دیا اور پھر زہر دوا دیا۔ (دمعہ ساکبہ)

ایک مرتبہ منصور نے حضرت سے یہ تقاضا کیا کہ آپ مجھ سے خوف زدہ کیوں نہیں ہوتے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ذیبر سے پاس کا خوف ہو اور ذیبر سے پاس آخرت ہے جس کی امید ہو۔

اس نے کہا کہ آپ میرے ساتھ رہیں اور نصیحت کرتے رہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جسے آخرت عزیز ہوگی وہ تیرے ساتھ رہے گا اور جسے دنیا عزیز ہوگی وہ تجھے نصیحت نہ کرے گا۔ (حیاء الامام موی کاظم)

● منظر کے بار بار دربار میں طلب کرنے کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ امام قوم کے سامنے آتے رہے اور لوگ ان کے حالات اور کمالات سے باخبر ہوتے رہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اس نے حضرت کو ایک ہندی طبیب کی موجودگی میں طلب کیا اور اس نے رعب جانے کے لیے تقریر شروع کر دی۔ آپ نے فرمایا کہ میں طب تجھ سے بہتر جانتا ہوں مجھے مرعوب کرنے کی کوشش نہ کر۔ اس نے کہا کہ آپ کیا جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ طب کے بنیادی اصول یہ ہیں کہ مرض کا علاج اس کی ضد سے کر دیا جائے۔ اس کا علاج سرد چیزوں سے اور سردی کا علاج گرم چیزوں سے۔ اس کے بعد امراض کا مرکز موصوفہ ہے لہذا پہلے اس کی اصلاح کر دو اس کے بعد کسی علاج کی فکر کرو، اور تیسری بات یہ ہے کہ بہترین علاج پر ہیز ہے۔

طیب ہندی نے آپ کی بات کی تائید کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ علم کتاب نہیں ہے، یہ عطائے پروردگار ہے۔ اس کے بعد آپ نے طیب سے حسب ذیل سوالات کیے:

(۱) آنسوؤں اور رطوبتوں کی جگہ سر میں کیوں ہے؟ (۲) بال سر پر کیوں ہیں؟ (۳) پیشانی پر بال کیوں نہیں ہیں؟ (۴) پیشانی پر شکن کیوں ہے؟ (۵) دونوں پلکیں آنکھوں کے اوپر کیوں ہیں؟ (۶) ناک دونوں آنکھوں کے درمیان کیوں ہے؟ (۷) آنکھیں باہمی شکل کی کیوں ہیں؟ (۸) ناک کا سوراخ نیچے کی طرف کیوں ہے؟ (۹) منہ پر دو ہونٹ کیوں بنائے گئے ہیں؟ (۱۰) سامنے کے دانت تیز اور داڑھ چوڑی کیوں ہے اور ان دونوں کے بیچ میں لمبے دانت کیوں ہیں؟ (۱۱) دونوں ہتھیلیاں بالوں سے خالی کیوں ہیں؟ (۱۲) مردوں کے داڑھی کیوں ہوتی ہے؟ (۱۳) بال اور بال میں جان کیوں نہیں ہوتی ہے؟ (۱۴) دل صنوبری شکل کا کیوں ہے؟ (۱۵) پھیپھڑے کے دو حصے کیوں ہوئے اور وہ اپنی جگہ کیوں حرکت کرتا ہے؟ (۱۶) جگر کی شکل محدب کیوں ہے؟ (۱۷) گرنے کی شکل لوہے کے دانے کی طرح کیوں ہے؟ (۱۸) گھٹنے آگے کو کیوں جھکتے ہیں؟ (۱۹) دونوں ہاتھوں کے تلوے بیچ سے خالی کیوں ہیں؟

طیب ہندی ان سوالات کو سن کر مدہوش ہو گیا کہ ان کا تعلق فن طب سے نہیں ہے بلکہ

اسرار خلقت اور رموز کائنات سے ہے اور رموز کائنات کو نماندہ خالق کائنات کے علاوہ کوئی نہیں بنا سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے امام سے ان سوالات کے جوابات کا تقاضا کر دیا۔ اور آپ نے بالترتیب اس طرح جوابات بیان فرمائے:

(۱) سر آنسوؤں اور رطوبتوں کا مرکز نہ ہوتا تو گرمی کی شدت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ (۲) بال سر پر نہ ہوتے تو تیل وغیرہ جڑوں تک نہ پہنچ سکتا اور دماغ سردی اور گرمی سے محفوظ نہ ہو سکتا۔ (۳) پیشانی بالوں سے اس لیے خالی ہے کہ اس جگہ سے آنکھوں تک نور پہنچتا ہے۔ (۴) پیشانی پر شکنیں اس لیے ہیں تاکہ آنکھیں پسینہ وغیرہ سے محفوظ رہیں۔ (۵) پلکیں اس لیے بنائی گئی ہیں تاکہ تمازت آفتاب بقدر ضرورت اثر کر سکے اور سونے میں بھی ہولت ہو۔ (۶) ناک دونوں آنکھوں کے درمیان اس لیے ہے تاکہ نور و حصول میں تقسیم ہو کر آنکھوں تک پہنچے۔ (۷) آنکھیں باہمی شکل کی اس لیے ہیں کہ سر و وغیرہ کا استعمال آسانی سے ہو سکے۔ (۸) ناک کا سوراخ نیچے کی طرف اس لیے ہے تاکہ رطوبتیں آسانی سے خارج ہو جائیں۔ (۹) ہونٹ اس لیے بنائے گئے ہیں کہ اوپر سے آنے والی رطوبتیں دہن کے اندر نہ جانے پائیں اور منہ میں خداز کر سکے۔ (۱۰) ڈاڑھی مردوں کو اس لیے دی گئی تاکہ مرد اور عورت میں امتیاز قائم ہو سکے۔ (۱۱) اگلے دانت اس لیے تیز ہیں تاکہ چیر کا کاٹنا آسان ہو، اور داڑھ اس لیے چوڑی ہے تاکہ غذا کا پینا آسان ہو، اور دونوں کے درمیان کے دانت اس لیے لمبے ہیں کہ دونوں کو سنبھال کر رکھیں۔ (۱۲) ہتھیلیوں پر بال اس لیے نہیں ہیں تاکہ چھونے میں اور سختی اور نرمی کا امتیاز کرنے میں آسانی ہو۔ (۱۳) بال اور ناخن میں جان اس لیے نہیں ہے کہ انھیں بار بار کاٹنا پڑتا ہے۔ (۱۴) دل صنوبری شکل کا اس لیے ہے کہ پھیپھڑے میں باآسانی داخل ہو سکے اور اس کی ہوا سے ٹھنڈک پاتا رہے۔ (۱۵) پھیپھڑے کے دو حصے اس لیے ہیں تاکہ دل ان کے درمیان ہے۔ (۱۶) جگر محدب اس لیے ہے تاکہ باقاعدہ معدے کے اوپر رہے اور اپنی گرانی اور گرمی سے غذا کو ہضم کرتا رہے۔ (۱۷) گردہ لوہے کی شکل کا اس لیے ہے کہ مٹی پشت کی جانب سے اس میں آتی ہے اور اس کے پھیلنے اور سکڑنے سے آہستہ آہستہ نکلتی ہے۔ (۱۸) گھٹنے پیچھے کی طرف اس لیے نہیں جھکتے ہیں کہ چلنے میں آسانی ہو ورنہ آدمی چلنے وقت گر پڑتا۔ (۱۹) دونوں ہاتھوں

ان کی شاکردی کیوں کر اختیار کرتے لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ شمشہ ہے۔ امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت جعفر صادق سے کیا نسبت حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیت کے گھروں سے منسلک ہیں اور صاحب البیت اور اہل بیت ہیں۔

(علامہ شبلی سیرۃ النعمان)

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں آئندہ اور گذشتہ کا علم اور الہام کی صلاحیت اور ملائکہ کی باتیں منسنے کی طاقت دی گئی ہے۔ (شواہد النبوة جامی)

استاد اعظم جابر بن حیان بن عبد اللہ کو ذہین پیدا ہوا۔ اوائل عمر میں طبیعیات کی تعلیم اچھی طرح حاصل کر لی اور امام جعفر صادق ابن امام محمد باقر کے فیض صحبت سے خود امام ہو گیا۔

(انسائیکلو پیڈیا اسلامک ہسٹری)

حضرت امام جعفر صادق کے مقالات علم کیما اور علم جفر و فال میں موجود ہیں اور آپ کے شاگرد تھے جابر بن حیان موافق طرسوسی جنہوں نے ہزار درق کی ایک کتاب تالیف کی تھی جس میں حضرت امام جعفر صادق کے پانچ سو رسالوں کو جمع کیا تھا۔ (وفیات الاعیان ابن خلکان)

جابر بن حیان نے امام جعفر صادق کے پانچ سو رسائل کو جمع کر کے ایک کتاب ہزار صفحوں کی تالیف کی تھی۔ (دائرة المعارف القرآن الرابع عشر علامہ فرید وجدی)

مختصر یہ ہے کہ تمام ائمہ طاہرین کے اصحاب کی مجموعی تعداد تقریباً ساڑھے چار ہزار ہے جس میں سے چار ہزار صرف امام صادق کے اصحاب ہیں جن کا ذکر کتابوں میں موجود ہے اور اس طرح اصحاب ائمہ میں مصنفین کی تعداد تقریباً تیرہ سو ہے جن میں سے اکثریت امام صادق کے اصحاب کی ہے۔ آپ کے چار سو اصحاب نے چار سو اصول تیار کیے تھے جن کو بعد میں جوامع حدیث میں یکجا کر دیا گیا اور پھر ایک ایک صحابی نے متعدد کتابیں تالیف کی ہیں۔ مثال کے طور پر فضل بن شاذان نے ۱۸۰ کتابیں تالیف کی ہیں اور یہ صدر اسلام کے قریب کتابوں کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے جو اصحاب ائمہ نے جمع کیا ہے اور جس کی مثال کسی فرقہ یا مذہب کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

مصنفین کے علاوہ حافظین احادیث میں جناب جابر جعفی ۷۰ ہزار احادیث کے حافظ تھے۔ ابان بن تغلب کوئی ۳۰ ہزار حدیثیں حفظ تھیں، اور اسی طرح دیگر اصحاب کا عالم تھا جن کے بارے

میں امام صادق نے فرمایا تھا کہ یہ چار افراد نہ ہوتے تو میرے باپ کی فقہ ختم ہو جاتی۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ قریب والوں سے زیادہ استفادہ دور والوں نے کیا اور جس طرح رسول اکرم کی صحبت میں فارس سے آنے والا سلمان تمام اصحاب پر سبقت لے گیا۔ اسی طرح امام صادق کے اصحاب میں زرارہ بن اعین کی حیثیت ہے جن کے دادا بلا دروم کے ایک مقدس راہب تھے اور انہوں نے امام کی خدمت میں آکر بے پناہ عظمت حاصل کر لی اور مختلف کتابوں کے مصنف بھی قرار پائے۔

یہ بات بھی انتہائی افسوسناک ہے کہ ان تمام فضائل و کمالات اور معلومات و اعترافات کے باوجود امام بخاری نے آپ کی حدیثوں کو اپنی کتاب بخاری میں جگہ نہیں دی جب کہ اس میں مروان اور عمران بن حطان خارجی جیسے افراد کی روایتیں موجود ہیں اور انہیں ثقہ کا درجہ دیا گیا ہے اور اس سے بدتر بات یہ ہے کہ یحییٰ بن سید تظان نے یہاں تک گستاخی کر دی ہے کہ میرے دل میں امام جعفر صادق کی طرف سے کچھ شبہ ہے اور میری نظر میں مجالدان سے زیادہ محبوب ہے جب کہ بقول علامہ و جید الزمان امام صادق کے مقابلہ میں مجالد کی کیا حیثیت ہے اور ان کو امام سے کیا نسبت ہے۔ درحقیقت ایسے ہی گستاخانہ بیانات سے اہلسنت بدنام ہوتے ہیں کہ ان کو ائمہ اہلبیت سے کچھ محبت اور عقیدت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ امام بخاری پر رحم کرے کہ مروان اور عمران بن حطان اور کئی خوارج سے تو انہوں نے روایت کی ہے اور امام جعفر صادق سے جو اہل علم رسول اللہ ہیں ان کی روایت میں شبہ کرتے ہیں۔ (انوار اللغز طبع حیدرآباد دکن)

● ابوحنیفہ، محمد بن الحسن آپ کے شاگرد، ابو یزید طیفور آپ کے سقا، اور ابراہیم بن ادہم اور مالک بن دینار جیسے افراد آپ کے غلام تھے۔

کرامات

آپ کے کرامات دو طرح کے ہیں۔ بعض کا تعلق علم و معرفت سے ہے جن کا ظہور مناظروں اور مباحثوں کی شکل میں ہوا ہے اور بعض کا تعلق عملی دنیا اور ظہور عجائبات و معجزات سے ہے جنہیں عرف عام میں معجزہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امام کی زندگی میں دونوں طرح کے

کرامات بے مثل و بے نظیر ہیں جن کی مثال پیش کرنا ناممکن ہے۔ مثال کے طور پر طبعی اعتبار سے۔

● عبدالملک بن مروان کے دربار میں ایک قدری عالم آیا جس کا نظریہ یہ تھا کہ انسان اپنے مسائل میں بالکل آزاد ہے اور خدا کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اس نے اپنے دعویٰ پر ایسے دلائل پیش کیے کہ تمام اہل علم عاجز رہ گئے۔ آخر میں عبدالملک نے مدینہ سے امام باقر کو طلب کیا۔ آپ نے امام صادق کو بھیج دیا۔ عبدالملک نے اعتراض کیا کہ یہ ان کے بس کا کام نہیں ہے۔ آپ نے اُس شخص سے خطاب کر کے فرمایا کہ تجھے سورہ حمد یاد ہے۔ اس نے تلاوت شروع کر دی۔ جب آیات نعبد و آیات نستعین پر پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ اگر خدا کے اختیار میں کچھ نہیں ہے تو اس سے مدد مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سننا تھا کہ وہ قدری مدہوش ہو گیا اور مجلس مناظرہ برخاست ہو گئی۔ (تفسیر برہان)

● ابو شاہک دیہانی نے آپ سے وجود خدا پر دلیل طلب کی تو آپ نے ایک انٹے کا حوالہ دیا کہ یہ ایک بند قلوب ہے جس کے اندر دو متضاد قسم کی چیزیں ہیں لیکن ایک دوسرے کو متاثر نہیں کرتی ہیں اور پھر کسی کے داخلہ کے بغیر اس کے اندر سے پتے بھی نکل آتے ہیں تو اگر کوئی خدا نہیں ہے تو ان پھول کا خالق کون ہے اور انٹے کی اس حیثیت کا محافظ کون ہے۔ (اصول کافی)

● ابو حنیفہ نے اپنے کمال علم کا اظہار کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ ذرا یہ تو بتاؤ کہ آنکھ میں نمک کان میں تلخی، ناک میں رطوبت اور لبوں میں شیرینی کیوں ہے؟

پھر وہ کون سا کلام ہے جس کی ابتدا کفر ہے اور انتہا اسلام؟

پھر عورت کے یہاں حیض اور حمل جمع کیوں نہیں ہوتے ہیں؟

ابو حنیفہ نے اپنی عاجزی کا اقرار کر لیا تو آپ نے فرمایا کہ آنکھ میں نیگیسی نہ ہوتی تو معدہ چشم بہر جاتا۔ کان میں تلخی نہ ہوتی تو کیرے کوڑے داخل ہو جاتے اور ناک میں رطوبت نہ ہوتی تو سانس کی آمد و رفت خشک ہو جاتی اور خوشبو اور بدبو کا احساس نہ ہو سکتا، لبوں میں شیرینی نہ ہوتی تو کھانے کے ذائقہ کا احساس نہ ہوتا۔

وہ کلام جس کی ابتدا کفر ہے اور انتہا اسلام ہے وہ کلام توحید ہے کہ اس میں لا الہ الا اللہ ہے

اور الا اللہ اسلام۔

عورت کے یہاں حیض و حمل کا اجتماع اس لیے نہیں ہوتا ہے کہ خون کا رخ بچو کی طرف پھیر دیا جاتا ہے اور اسی سے اس کی غذا فراہم کی جاتی ہے۔

عملی کرامات

آپ کے اظہار عجائب و غرائب سے متعلق کرامات کی چند مثالیں یہ ہیں:

● ایک شخص نے آپ سے بیان کیا کہ حکیم ابن عباس کلبی آپ کی ہجو کرتا ہے اور اس نے اپنے اشعار میں زید شہید کو برا بھلا کہا ہے اور عثمان کو حضرت علی سے بہتر قرار دیا ہے۔ آپ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیے۔ خدایا! اس پر کسی جانور کو مسلط کر دے۔ چنانچہ ایک شیر نے اس کا خاتمہ کر دیا اور حضرت نے خبر پاتے ہی سجدہ شکر ادا کیا کہ خدا نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا۔ (شواہد النبوة)

● ابو بصیر حرام کی طرف غسل کرنے کے لیے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک جماعت کو دیکھا جو حضرت کی زیارت کے لیے جا رہی تھی۔ سوچا کہ پہلے زیارت کر لیں اس کے بعد غسل کریں گے جیسے ہی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا کہ نبی اور امام کے گھر میں ایسی حالت میں نہیں جانا چاہیے (غسل مقدم ہے جو آداب زیارت میں بھی شامل ہے)۔

● یونس بن یطیان سے آپ نے فرمایا کہ زمین و آسمان کے خدا نے ہمارے اختیار میں ہیں اور یہ کہہ کر ایک ٹھوکہ ماری اور زمین سے ایک ڈبہ سونے سے بھرا ہوا نکال دیا۔ یونس نے کہا کہ حضور ان اختیارات کے باوجود چاہنے والے پریشان رہتے ہیں۔ فرمایا کہ ان کے لیے یہ دنیا نہیں ہے جنت ہے۔

● ۳۱ھ میں آپ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تو دیکھنے والے نے دیکھا کہ آپ کہہ ابو یقیس پر بیٹھے ہوئے بارگاہ احدیت میں نحو مناجات ہیں یا حاجی یا حاجی، یا رحیم یا رحیم، یا ارحم الراحمین یا ارحم الراحمین۔ اور یہ سب کہنے کے بعد عرض دعا کیا کہ خدایا! مجھے غذا کے لیے انگور چاہیے اور لباس کے لیے ایک چادر درکار ہے۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک انگور کی ٹوکری اور ایک چادر کا نزول ہوا تو میں نے کہا کہ میں نے آپ کی دعا پر آمین ہی تھی لہذا میرا بھی حق ہے تو آپ نے مجھے بھی شامل کر لیا۔ اور خدا گواہ ہے کہ میں نے زندگی میں کبھی ایسے

انگور نہ دیکھے تھے۔ چادر کے لیے میں نے عرض کی کہ مجھے ضرورت نہیں ہے لیکن اس کے بعد جب مقام سعی کی طرف بڑھے تو ایک سائل نے چادر کا سوال کر لیا اور آپ نے اسے بھی دے دیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کون صاحب کرامت بزرگ ہیں؟ تو اس نے کہا یہ حضرت جعفر بن محمد الصادق ہیں۔ (کشف الغمہ - مطالب السؤل)

● ایک شخص نے آپ سے معجزہ جناب ابراہیم کے بارے میں سوال کیا کہ انھوں نے کن طور کو ذبح کر کے زندہ کیا تھا تو آپ نے طاؤس، غراب، باز اور کبوتر کو آواز دی اور جب سب اکٹھا ہو گئے تو انھیں ذبح کر دیا اور پھر ٹکڑے ٹکڑے کر کے اجزا کو منتشر کر دیا اور پھر آواز دی تو سارے ٹکڑے یکجا ہو گئے اور آپ نے واضح کر دیا کہ ہم ابراہیم خلیل کے وارث ہیں۔ رب العالمین نے ہمیں بھی اسی کمال سے سرفراز فرمایا ہے۔ (شواہد النبوة)

● ایک شخص نے حج میں جلتے ہوئے حضرت کو دس ہزار درہم دینے کی میری واپسی تک میرے لیے ایک مکان کا بندوبست کر دیجئے گا۔ آپ نے واپسی پر اسے بتایا کہ میں نے جنت میں انتظام کر دیا ہے اور حدود دار بولکھ کرنے دیئے۔ اس نے اس پرچہ کو قبر میں رکھنے کی وصیت کر دی جس نے کے بعد دوسرے دن قبر پر وہی پرچہ دیکھا گیا جس میں دوسری طرف لکھا تھا کہ حضرت جعفر بن محمد نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔

شہادت

یہ بات تقریباً متفق علیہ ہے کہ آپ کی شہادت زہر دغا سے ہوئی ہے اور آپ کو منصور دوانیقی نے زہر دلوایا ہے جس کی کوشش متعدد بار کی گئی۔ لیکن جب وقت آگیا تو زہر نے اپنا اثر کر دیا اور آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اگرچہ بعض مورخین نے منصور کو بری کرنے کے لیے یوں تحریر کیا ہے کہ آپ کی شہادت منصور کے زمانہ میں ہوئی ہے۔

بہر حال ماہ شوال کی ۱۵ تاریخ ۶۱۱ھ و شنبہ کا دن تھا جب آپ اس عالم فانی سے رخصت ہوئے اور جنت البقیع میں سپرد خاک کیے گئے۔ عمر مبارک کی ۶۵ سال تھی جو دنیا سے رخصت ہونے والے تمام مصومین میں سب سے طویل ترین عمر ہے۔ اس کے بعد امام زمانہ کے علاوہ کسی کی طویل عمر

نہیں ہے۔ وہ حکم پروردگار زندہ ہیں اور اس وقت تک رہیں گے جب تک ظلم و جور سے بھری ہوئی دنیا عدل و انصاف سے معمور نہ ہو جائے۔

● آپ کے آخر وقت کا یہ واقعہ قابل توجہ ہے کہ آپ نے تمام اہل خانہ اور اعضاء و اولاد کو جمع کر کے یہ وصیت فرمائی کہ ہم اہلیت کی شفاعت نماز کو ہلکا اور معمولی سمجھنے والے تک نہیں جاسکتی ہے۔ جو نماز کی اہمیت، آئی محمد کے اہتمام بندگی، شفاعت کے واقعی مفہوم، تشیع کے مکمل تعارف اور کردار سازی کے بہترین سامان کی حیثیت رکھتی ہے۔

ازواج و اولاد

شیخ مفید علیہ الرحمہ کے بیان کے مطابق آپ کی اولاد دس تھی:

اسماعیل، عبداللہ، ام فروہ۔ ان تینوں کی والدہ جناب فاطمہ بنت حسین بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب تھیں۔

اسحاق، محمد، امام موسیٰ کاظم۔ ان حضرات کی والدہ حمیدہ مصفاة تھیں جنھیں رب العالمین نے تمام عیوب سے پاک و پاکیزہ رکھا تھا۔

عباس، علی، اسماء، فاطمہ۔ ان سب کی والدہ الگ الگ ام ولد تھیں جنھیں ان کی والدہ بننے کا شرف حاصل ہوا تھا۔

ایک وضاحت

آپ کے سب سے بڑے فرزند جناب اسماعیل تھے جو آپ کی نظر میں بے حد عزیز اور محترم تھے اور انھیں اسباب کی بنا پر بہت سے افراد کا یہ خیال تھا کہ آپ کے بعد امامت انھیں کا حصہ ہے لیکن ان کا انتقال حضرت کی زندگی ہی میں ہو گیا اور آپ نے اس حادثہ پر بے حد رنج و غم کا اظہار کیا اور جنازہ کو مدینہ لاکر بقیع میں دفن کرایا۔ خود جنازہ کے ہمراہ پارہ ہنڈ چلے اور مختلف مقامات پر جنازہ کو روک کر لوگوں کو اسماعیل کی زیارت کرائی تاکہ کسی کو ان کی وفات میں شبہ نہ رہ جائے۔ اور دفن کے بعد بھی بعض لوگوں کو رقم دی کہ اسماعیل کی طرف سے حج نیابت کریں

تاکر یہ بھی ان کی وفات کا ایک ثبوت بن جائے۔ لیکن ان تمام تاکیدات کے باوجود عالم اسلام میں بکثرت ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو اسماعیل کی امامت کے قائل ہیں اور ان کے بعد سلسلہ امامت کو امام موسیٰ کاظم کی طرف واپس کرنے کے بجائے اسماعیل کی اولاد کی طرف لے جانا چاہتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اسماعیل کے انتقال کے بعد ان کے فرزند محمد امام ہوئے اور یہ سلسلہ ان کی نسل میں ابھی تک باقی ہے۔ اور بعض افراد خود جناب اسماعیل کی زندگی کے قائل ہیں۔

دیار مغرب میں جن فاطمی سلاطین کی حکومت قائم ہوئی ان کا تعلق بھی نسل اسماعیل ہی سے تھا اور ان کے پہلے بادشاہ کا نام عید اللہ محمد بن عبد اللہ بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن الامام جعفر الصادقؑ تھا اور ان کا لقب مہدی باللہ تھا۔ ان حضرات نے بنی عباس کے دور میں ۲۴۴ سال حکومت کی ہے جس کا سلسلہ معتاد و مستفاد کے دور سے شروع ہوا تھا جو تقریباً غیبت صغریٰ کا زمانہ تھا۔ ان بادشاہوں کی تعداد چودہ ہے اور انھیں اسماعیلیہ یا عید یہ کہا جاتا ہے۔

قاضی نور اللہ شومتری کا ارشاد ہے کہ قرامطہ اسماعیلیہ کے علاوہ ایک جماعت ہے۔ بعض بنی عباس کے ٹمک خواروں اور ہوا خواہوں نے فاطمیین کو بدنام کرنے کے لیے قرامطہ کو بھی اسماعیلیہ میں شامل کر دیا ہے حالانکہ دونوں کا کوئی ربط نہیں ہے۔

امیر المومنین نے اپنے خطبوں میں غیب کے اخبار بیان کرتے ہوئے عید اللہ کی مغرب میں حکومت کا ذکر فرمایا تھا اور انھیں صاحب بدار کی اولاد میں قرار دیا تھا۔ صاحب بدار سے مراد جناب اسماعیل تھے جن کی امامت کے باسے میں بدار واقع ہوا تھا یعنی لوگوں کا خیال تھا کہ امامت ان کا حق ہے۔ لیکن ان کے انتقال سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی طرف منتقل ہو گئی یہ کہ وہ واقعا امام تھے اور بعد میں خدا کی رائے بدل گئی اور اس نے انھیں معزول کر کے یا موت دے کر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو امام بنا دیا۔ اس قسم کا بدار بندوں کے علوم اور اعمال میں تو ہو سکتا ہے لیکن خدا کے علم و عمل میں اس قسم کے بدار کا کوئی امکان نہیں ہے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ امور کائنات میں بدار کی وہی حیثیت ہے جو احکام میں نسخ کی ہوتی ہے کہ جس طرح خدا احکام کو منسوخ کر دیتا ہے تو اس کا مطلب رائے کی تبدیلی یا پیشانی نہیں

ہوتا ہے بلکہ حکم کی میعاد کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی طرح جب مسائل کائنات میں بدار واقع ہوتا ہے تو اس کا مطلب حقائق کی تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ حقائق کا اظہار ہوتا ہے جس کا تصور قبل سے لوگوں کے ذہن میں نہیں ہوتا ہے اور لوگ اس کے خلاف کا تصور یا عقیدہ رکھتے ہیں اور بعد میں حقیقت کا اظہار کر دیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اصحاب کرام

امام جعفر صادقؑ کے مدرسہ تربیت کے طلاب کی تعداد چار ہزار (۴۰۰۰) سے بھی زیادہ ہے اور اس میں بڑے بڑے امر امت کے نام بھی شامل ہیں۔ لیکن وہ اصحاب کرام جنہوں نے امام سے باقاعدہ کسب فیض کیا ہے اور آخر دم تک جاہد حق پر قائم رہے ہیں ان کی تعداد اس سے یقیناً کم ہے۔ اگرچہ یہ تعداد بھی بہت بڑی ہے اور اس میں بعض نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ لیکن ان قابل ذکر افراد میں بھی بعض وہ افراد ہیں جن کا شمار امام محمد باقر کے اصحاب میں بھی ہوتا ہے بلکہ وہ انھیں کے اصحاب میں شمار کیے جاتے ہیں اور بعض کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ امام صادق کے اصحاب میں کیا جاتا ہے۔ اس لیے ذیل میں صرف دوسری قسم کے چند نامندہ اسما گرامی کا ذکر کیا جا رہا ہے :

۱۔ ابان بن تغلب

کو فد کے رہنے والے تھے۔ قبیلہ بکر بن وائل سے تعلق رکھتے تھے اور انتہائی ثقہ قسم کے انسان تھے جو علم قرأت میں ان کا اپنا ایک مقام تھا اور ان کی اپنی ایک قرأت تھی جو قرآن کے درمیان مشہور ہے۔ انھوں نے امام سجاد سے بھی کسب فیض کیا ہے لیکن امام باقر نے انھیں اپنے دور میں حکم دیا تھا کہ مسجد میں بیٹھ کر فتویٰ دیں کہ میں اپنے اصحاب میں ان جیسے افراد کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے امام جعفر صادق سے تیس ہزار حدیثیں حفظ کی تھیں امام کی طرف سے منظرہ کرنے پر بھی مامور تھے تاکہ احقاق حق کا سلسلہ برقرار رہے۔ ۱۱۰ھ میں وفات پائی اور امام صادق نے ان کی وفات پر انتہائی حزن و الم کا اظہار فرمایا۔ روایات میں ہے کہ ابان مدینہ آجاتے تھے تو مسجد مدینہ طالبان علوم و روایات کے مجمع سے بڑھ جاتی تھی اور ہر شخص ابان کی زبان سے

احادیث سننے کا شائق رہا کرتا تھا۔

۲۔ اسحاق بن عمار صیرفی کوفی

شیوخ احادیث میں شمار ہوتے تھے اور انتہائی درجہ کے مرد ثقہ تھے۔ ان کے بھائی یونس، یوسف، اسماعیل، قیس اور ان کے بھتیجے علی و بشیر فرزندان اسماعیل بھی سب محدثین کے درمیان نمایاں افراد میں شمار ہوتے تھے۔

ابتدائی دور کے علماء رجال انھیں فطی المذہب کہا کرتے تھے اور ان کی روایت کو صحیح کے بجائے موثق کا درجہ دیا کرتے تھے۔ لیکن شیخ بہائی نے تحقیق فرمائی ہے کہ اس نام کے دو راوی ہیں۔ اسحاق بن عمار بن حیان جو امام سے تعلق رکھتے تھے اور مرد معتبر تھے اور اسحاق بن عمار بن موسیٰ جو فطی المذہب تھے لیکن موثق تھے۔ اول الذکر کا ذکر رجال نجاشی میں ہوتا ہے اور ثانی الذکر کا ذکر رجال شیخ میں۔ اور شیخ بہائی کی یہ تحقیق ایک مدت تک رائج رہی لیکن آخر میں علامہ طباطبائی نے یہ تحقیق فرمائی کہ اسحاق بن عمار صرف ایک ہی شخص کا نام ہے اور وہ امامی المذہب اور مرد معتبر تھے۔ لہذا ان کی روایت کو صحیح کا درجہ حاصل ہونا چاہیے۔

۳۔ برید بن مغویہ العملی الکندی

ابوالقاسم کثیف تھی۔ جو اصحاب امام میں شمار ہوتے تھے اور امام باقر اور امام صادق کے حواریین میں تھے۔ امام صادق ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کربلا کے پرچم چاہیں، محمد بن مسلم، برید بن مغویہ، لیث بن ابی مرزبان، ابو بصیر، زرارة بن ابیہن۔ یہ حضرات نہ ہوتے تو فقہ اہلبیت سٹ کر رہ جاتی۔ انھوں نے سن ۱۱۷ھ میں وفات پائی اور ان کے فرزند قاسم بن برید بھی رواۃ اصحاب امام صادق میں شمار کیے جاتے ہیں۔

۴۔ ابو حمزہ الثمالی

امام صادق ان سے فرمایا کرتے تھے کہ تمہیں دیکھ کر میرے دل کو سکون ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ ان کی لڑکی گڑھی اور اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا تو جراح کو علاج کے لیے لایا گیا۔ اور وہ بیٹی کی حالت دیکھ کر رو پڑے۔ قدرت کو اس انداز پر اس قدر رحم آگیا کہ ہاتھ خود بخود درست ہو گیا اور جراح کھسکی کے آثار تلاش کرتا رہ گیا۔ یہ امام سجاد کی خدمت میں بھی حاضر رہے اور اکثر زیارت امیر المومنین کے

لیے حاضر ہوا کرتے تھے تو فقہاء شیعہ کا مجمع لگ جاتا تھا اور لوگ ان سے علمی استفادہ کیا کرتے تھے، سن ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔

۵۔ حریر بن عبد اللہ سجستانی

اصلاً کوفہ کے رہنے والے تھے۔ لیکن بغرض تجارت سجستان جایا کرتے تھے۔ اس لیے سجستانی کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ ان کی کتاب الصلوٰۃ علماء کے درمیان کافی شہرت کی مالک ہے۔

۶۔ حمران بن اعین شیبانی

زرارہ کے بھائی تھے۔ امام باقر نے انھیں شیعہ ہونے کی سند دی تھی اور ان کی وفات پر فرمایا تھا کہ ایک مرد مومن کا انتقال ہو گیا۔ حمران نے ایک مرتبہ امام صادق سے عرض کی کہ آپ کے شیعوں کی تعداد اس قدر قلیل ہے کہ ایک بکری کا گوشت بھی ختم نہیں کر سکتے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس سے زیادہ تعجب چیز بات یہ ہے کہ پیغمبر اکرم کے بعد امیر المومنین کے واقعی مخلصین صرف مسلمان، ابو ذر اور مقداد تھے اور عمار بھی ان میں شامل ہو گئے تھے۔

۷۔ زرارة بن اعین

امام جعفر صادق کے اصحاب میں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے فیض بن مختار سے فرمایا تھا کہ زرارة نہ ہوتے تو میرے پدر بزرگوار کی حدیثیں ختم ہو جاتیں یونس بن عمار نے امام صادق کے سامنے زرارة کے حوالے سے امام باقر کی ایک حدیث نقل کی تو آپ نے فرمایا کہ زرارة نے نقل کیا ہے تو یقیناً صحیح ہوگی۔ جمیل بن دراج نے کہا کہ ہم لوگ زرارة کے سامنے طفل مکتب نظر آیا کرتے تھے۔ امام صادق نے فرمایا کہ تمہارا نام فرست اہل جنت میں بغیر الف کے لکھا ہے تو عرض کی کہ میرا اصلی نام جعفر ہے۔ زرارة تو بعد میں مشہور ہو گیا ہے۔ امام صادق کے انتقال کے دو ماہ کے بعد انھوں نے بھی انتقال کیا لیکن اپنے بیٹے اولاد کا ایک سلسلہ چھوڑ گئے جو اہل علم و فضل اور مروءین دین و مذہب تھے۔

۸۔ صفوان بن بہران شمالی کوفی

کوفہ کے رہنے والے تھے اور اونٹوں کو کرایہ پر چلانے کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ امام موسیٰ کاظم نے فرمایا کہ تم اپنے اونٹ ہاروں کو کرایہ پر دیتے ہو تو عرض کی کہ فقہار و مکملین ہا

فرمایا کہ جب تک وہ واپس آجائے تم یہ آرزو رکھتے ہو کہ وہ واپس آجائے تو میرے اونٹ اور میرا کرایہ مل جائے؟ عرض کی بے شک! فرمایا کہ ظالم کی بقا کی آرزو کرنے والا بھی روزِ قیامت انہیں کے ساتھ محسوس ہوگا۔ تو صفوان نے یہ سن کر سارے اونٹ بیچ ڈالے اور ہارون کو یہ معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ اگر تمہارا اچھا سابقہ نہ ہوتا تو میں تمہیں قتل کر دیتا۔

زیارت دارش، زیارت اربعین اور دعائے طلعہ کی روایت صفوان ہی سے وارد ہوئی ہے اور یہی ایک مدت تک امام صادقؑ کو مدینہ سے کوفہ لاتے رہے اور خود بھی بیس سال تک برابر قبر امیر المومنینؑ کے قریب جا کر نماز ادا کرتے رہے۔

۹۔ عبد اللہ بن ابی یعفور

امام باقرؑ اور امام صادقؑ کے حواریں میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت پر منکمل ایمان و اعتماد رکھتے تھے اور حضرت نے بھی بار بار ان کے حق میں دعائے رحمت کی ہے۔ امام صادقؑ کی زندگی ہی میں طاعون میں انتقال فرمایا تو حضرت نے مفضل بن عمر کے خط میں بے حد مدح و ثنا فرمائی، اور فرمایا کہ میں نے ان سے زیادہ خدا و رسولؐ و امامؑ کی اطاعت کرنے والا نہیں دیکھا ہے۔

۱۰۔ فضیل بن یسار البصری

ابو القاسم کینت تھی۔ جلیل القدر اصحاب امام صادقؑ میں تھے اور اصحاب اجماع میں شمار ہوتے تھے یعنی ان کی روایت کی صحت پر تمام علماء اجماع و اتفاق تھا اور امام صادقؑ فرمایا کرتے تھے کہ جسے اہل جنت کو دیکھنا ہو وہ فضیل کے چہرہ کو دیکھ لے۔

۱۱۔ فیض بن المختار الکوفی

امام باقرؑ و امام صادقؑ و کاظمؑ کے اصحاب اور رواۃ میں شمار ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اپنے وصی کا تعارف کرایے تو آپ اندر تشریف لے گئے اور فیض کو بھی بلایا اور تھوڑی دیر کے بعد امام موسیٰ کاظمؑ ہاتھ میں تازیانہ لیے ہوئے وارد ہوئے تقریباً پانچ سال کی عمر تھی۔ امام صادقؑ نے وصی کا تعارف کرتے ہوئے فرمایا کہ فرزند! یہ تازیانہ کیسا ہے؟ عرض کی کہ میرا بھائی علیؑ اس سے سب کو مار رہا تھا تو میں نے اس سے چھین لیا ہے۔ فرمایا فیض! یہ ہے میرا وصی اور جانشین۔ عرض کی مولا! کچھ اور وضاحت فرمائیں؟ فرمایا

کہ صحت ابراہیمؑ و موسیٰؑ رسول اکرمؐ سے دراشت میں بھٹک پونچے ہیں اور میں نے اس فرزند کو دلاش بنا دیا ہے۔ عرض کی مولا! کچھ اور وضاحت فرمائیں؟ فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار دعا کیا کرتے تھے تو میں آمین کہتا تھا اور میں دعا کرتا ہوں تو یہ فرزند آمین کہتا ہے۔ عرض کی مولا! مزید ایشاد فرمائیں؟ فرمایا کہ پدر بزرگوار آرام فرمانا چاہتے تھے تو میں اپنے بازوؤں کو تکیہ بنا دیا کرتا تھا اور میں آرام کرنا چاہتا ہوں تو یہ سہارا دیتا ہے لہذا اس کی امامت کا اقرار کرو اور اپنے مخصوص اصحاب تک اس امر کی اطلاع پہنچا دو۔ فیض نے امام موسیٰؑ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور پلٹ کر یونس بن علیان سے اس واقعہ کو بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ میں خود امامؑ کی زبان سے اس کی تصدیق کراؤں گا۔ یہ کہہ کر در دولت پر حاضر ہوئے تو حضرت نے اندر سے پکار کر فرمایا کہ یونس! تحقیق مت کرو جو کچھ فیض نے بیان کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔

۱۲۔ لیث بن البختری

ابو بصیر کے نام سے مشہور ہیں اور ان کا شمار بھی ان نیک کردار افراد میں ہوتا ہے جنہیں جنت کی بشارت دی گئی ہے اور جنہیں اصحاب اجماع میں شمار کیا جاتا ہے اور ان کی روایات کی صحت پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

ابو بصیر کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تم علباء بن ذراع الاسدی کے وقت آخرو موجود تھے تو انہوں نے کیا کہا تھا! میں نے عرض کی کہ انہوں نے بتایا تھا کہ آپ نے ان کے بارے میں جنت کی ضمانت لی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سچ کہتا ہوں میں نے گریہ شروع کر دیا کہ کاش یہ شرف مجھے بھی حاصل ہو جاتا۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا بھی ضامن ہوں۔ میں نے عرض کی کہ اپنے آبا و اجداد سے بھی سفارش فرمادیجئے فرمایا کہ وہ بھی ضامن ہیں۔ عرض کی کہ رب العالمین سے بھی شفاعت کر دیں۔ فرمایا کہ وہ بھی ضامن ہے اور جو شخص بھی اہلبیت کی محبت میں راسخ اور صاحب کردار ہوگا آل محمدؑ اس کی جنت کے ذمہ دار ہوں گے۔

۱۳۔ محمد بن علی بن نعمان کوفی

ابو جعفر کینت تھی اور کوفہ میں طاق الحامل میں دکان رکھے ہوئے تھے اس لیے مومن طاق

کے لقب سے مشہور تھے اور دشمن ان کی حاضر جوابی سے عاجز آکر انہیں شیطان طاق کہا کرتے تھے۔ علم کلام اور مناظرہ کے ماہر تھے۔ مختلف کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ ابو حنیفہ سے بارہا مناظرہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ابو حنیفہ نے عقیدہ رجعت کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ مجھے پانچ سو اشرفی قرض دے دو رجعت میں لے لینا۔ ابو جعفر نے کہا کہ میں حاضر ہوں لیکن تم ضمانت لے آؤ کہ رجعت میں تم انسان ہی کی شکل میں آؤ گے ورنہ بندر کی شکل میں آگے تو میں کس سے مطالبہ کروں گا۔

● امام صادقؑ کی وفات کے بعد ابو حنیفہ نے یہ طعن کیا کہ اب تو تمہارے امام مر چکے ہیں؛ تو ابو جعفر نے رجعت کہا کہ تمہارا امام تو وقت معلوم تک زندہ رہے گا تمہیں کیا فکر۔

● ایک دن ابو حنیفہ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے دور سے ابو جعفر آتے دیکھا تو کہا کہ دیکھو شیطان آ رہا ہے۔ ابو جعفر نے اس جملہ کو سن لیا اور فوراً قرآن مجید کی آیت کی تلاوت کر دی کہ ”ہم نے شیاطین کو کافرین کی طرف بھیج دیا ہے تاکہ وہ ہمیشہ انہیں ازیت دیتے رہیں۔“

● کو ذمہ ایک مرد خارجی ضحاک نامی تھا، اپنے کو امیر المؤمنین کہا کرتا تھا اور لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیا کرتا تھا۔ ایک دن مومن طاق اس کے پاس گئے اور کہا کہ میں نے تمہارے عدل و انصاف کی بہت تعریف سنی ہے لہذا میں تمہارے اصحاب میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔ اس نے موقع غنیمت جان کر خوش آمدید کہا اور اصحاب میں شامل کر لیا۔ مومن طاق نے کہا کہ آپ حضرت علیؑ کے مخالف کیوں ہیں؛ اس نے کہا کہ انھوں نے صفین میں حکم قبول کر لیا تھا اور یہ اسلام کے خلاف ہے۔ مومن طاق نے کہا کہ میں آپ سے اس موضوع پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ نے اپنی بات ثابت کر دی تو آپ کے مرتبہ کا قائل ہو جاؤں گا لیکن بحث میں فیصلہ کون کرے گا، بغیر ثالث کے فیصلہ ممکن نہیں ہے۔ ضحاک نے اپنے اصحاب میں سے ایک شخص کو حکم بنا دیا۔ مومن طاق نے جو یہ کو منظور کرتے ہوئے کہا کہ ایسا انسان! اس شخص نے حکم منظور کر لیا ہے لہذا یہ اسلام سے خارج ہو گیا ہے۔ یہ سنا تھا کہ لوگوں نے اسے اس قدر مارا کہ بے دم ہو گیا۔

۳۴۔ محمد بن مسلم بن رباح الطحان الشافعی الکوفی

بزرگان اصحاب امام باقرؑ و صادقؑ میں تھے۔ ان کی روایات کی صحت پر علماء کا اجماع و اتفاق ہے۔ مدینہ میں چار سال قیام کر کے ۳۰ ہزار حدیثیں امام باقرؑ سے اور ۱۶ ہزار حدیثیں امام صادقؑ

سے حاصل کی تھیں۔

عبداللہ بن ابی یعفور نے امام صادقؑ سے دریافت کیا کہ اگر آپ تک رسائی ممکن نہ ہو تو احکام دین کو کس سے اخذ کیا جائے؛ فرمایا کہ محمد بن مسلم میں کیا خرابی ہے، وہ تو میرے پروردگار کے نزدیک بھی محرم تھے۔

● محمد بن مسلم کا بیان ہے کہ ایک رات ایک عورت نے میرے دروازہ پر دق الباب کیا اور یہ مسئلہ دریافت کیا کہ اگر عورت مراٹے اور شکم میں بچہ زندہ ہو تو کیا کیا جائے۔ میں نے کہا کہ امام محمد باقرؑ نے اس مسئلہ میں فرمایا ہے کہ شکم کو چاک کر کے بچہ کو نکال لیا جائے۔ مگر میں ایک گوشہ نشین انسان ہوں تھا میرا یہ کس نے بتایا ہے؛ اس نے کہا کہ یہ مسئلہ ابو حنیفہ کے سامنے پیش آیا تھا۔ انہیں جواب نہیں معلوم تھا تو مجھے آپ کے پاس بھیجا گیا ہے۔ دوسرے دن میں مسجد میں وارد ہوا تو دیکھا کہ ابو حنیفہ اس مسئلہ کو اپنے نام سے بیان کر رہے ہیں۔ میں نے اشارہ کیا کہ میں یہاں موجود ہوں تو گھر آ کر کہا کہ ایک لٹو تو زندہ رہنے دو۔

● قاریخ کی بنا پر محمد بن مسلم ایک دولت مند انسان تھے۔ امام باقرؑ نے انہیں نصیحت کی کہ تواضع سے کام لیا کرو، تو سارا کاروبار چھوڑ کر گھومنے لگے۔ لوگوں نے اصرار کیا کہ یہ کام آپ کے شایان شان نہیں ہے تو آپ اپنے کی چلی لگالی اور اسی بنا پر انہیں طمان کہا جانے لگا۔

۱۵۔ معاذ بن کثیر الکسانی الکوفی

شیوخ اصحاب امام صادقؑ میں شمار ہوتے ہیں۔ امام موسیٰ کاظمؑ کی امامت کی نص کے راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔ کرباس فریڈی کا کام کرتے تھے۔ جب کاروبار بند کیا تو امام صادقؑ نے فرمایا کہ کاروبار کا بند کر دینا کار شیطانی ہے۔ کاروبار کے بند کر دینے سے دو تہائی عقل حاصل ہو جاتی۔

● ایک مرتبہ عرفات کے میدان میں بے پناہ جمع دیکھ کر امامؑ سے عرض کی کہ اس سال حجاج بہت زیادہ ہیں۔ آپ نے قریب ہلا کر فرمایا کہ یہ تو جمع ہے ورنہ اصل حاجی تم لوگ ہو، اور خدا تمہارے ہی جیسے افراد کے اعمال کو قبول کرتا ہے۔

۱۶۔ علی بن خنیس بزاز کوفی

ان کا شمار بھی اولیاء اللہ اور اہل جنت میں ہوتا ہے۔ امام صادقؑ نے اپنے گھر کے امور کا کھلا

مقرر کر دیا تھا اور آپ پر بے حد اعتماد فرماتے تھے بلکہ داؤد بن علی نے اسی محبت اور اعتماد کی بنا پر انہیں قتل کر دیا تھا۔ تو جب امام صادقؑ کو حادثہ کی اطلاع ملی تو کمرے سے تشریف لے آئے اور داؤد بن علی کے پاس جا کر فرمایا کہ تو نے اس شخص کو قتل کیا ہے جو خدا کی بارگاہ میں تجھ سے یقیناً بہتر تھا۔ تو یاد رکھنا کہ معنی کی منزل جنت الفردوس ہے۔ اس نے معذرت کی کہ میں نے نہیں قتل کیا ہے بلکہ انہیں سیرانی نے قتل کیا ہے۔ تو آپ نے سیرانی سے انتقام لیا اور اسے قتل کر دیا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے آخر شب سرسجدہ میں رکھ کر داؤد بن علی کے حق میں بددعا کی تو تھوڑی دیر کے بعد اس کے گھر سے گریہ و زاری کی آوازیں بلند ہو گئیں اور معلوم ہوا کہ وہ دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔

۱۷۔ ہشام بن محمد بن السائب الکلبی

ابوالمنذر کینت تھی۔ علم الانساب کے ماہر تھے۔ ایک عارضہ کی بنا پر حافظہ خراب ہو گیا تھا اور سب بھول گئے تھے تو امام صادقؑ سے فریاد کی آپ نے ایک جام عنایت فرمایا اور اسے پی لیا تو پورا حافظہ واپس آ گیا۔ حضرت ان سے بے حد محبت فرماتے تھے اور علم الانساب میں مشہور نساب کلبی انہیں کا نام ہے۔

۱۸۔ یونس بن ظبیان کوفی

بعض علماء درجال نے ان کے بارے میں تشکیک کی ہے لیکن محدث زوریؒ نے خاتمہ ترک میں ان کی ذائقہ کے دلائل تحریر فرمائے ہیں اور امام صادقؑ کی طرف سے دعائے رحمت۔ بلکہ بشارت جنت کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان کے مرویات میں امام حسینؑ کی ایک زیارت، نعت اشرف میں زیارت امیر المومنینؑ کے بعد کی دعا "اللهم لا جسد من امرئ" وغیرہ جیسی مشہور زیارتیں، اور دعائیں بھی شامل ہیں۔ فجزاهم اللہ عنا وعن الاسلام خیر الجزاء۔

اقوال حکیمانہ

۱۔ اے حمران بن اعین! ہمیشہ ان لوگوں پر نگاہ رکھو جو دولت اور طاقت میں تم سے کم ہوں اور انہیں مت دیکھو جو تم سے بالاتر ہوں کہ اس طرح قناعت بھی پیدا ہوتی ہے اور بارگاہِ اہل بیت سے اضافہ کا استحقاق بھی پیدا ہوتا ہے۔

یاد رکھو کہ یقین کے ساتھ تھوڑا عمل بھی بے یقینی کے عالم میں کثیر عمل سے بہتر ہوتا ہے۔ بہترین تقویٰ یہ ہے کہ انسان محرمات سے پرہیز کرے، مومنین کو اذیت نہ دے اور غیبت نہ کرے۔ اور بہترین زندگی یہ ہے کہ بہترین اخلاق کا مالک ہو اور نافع ترین مال کا نام قناعت ہے اور بدترین جہالت خود پسندی ہے۔

۲۰۔ حمران! اگر ممکن ہو کہ گھر سے باہر نہ نکلو۔۔۔ کہ باہر آئے نہ میں اپنے کو غیبت بھوٹا حسد، ریا، تصنع وغیرہ سے محفوظ رکھنا پڑتا ہے اور یہ ہر ایک کے بس کا کام نہیں ہے۔ بہترین صوفی انسان کے لیے اس کا گھر ہے جہاں ہر شے محفوظ رہتا ہے۔

واضح رہے کہ اس حدیث کے انداز بیان ہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں ترک دنیا کی تعلیم نہیں دی گئی ہے بلکہ ترک معصیت کی تعلیم دی گئی ہے کہ ہر انسان یہ جانتا ہے کہ گھر میں بیٹھا ممکن نہیں ہے اور ہزاروں دینی اور دنیاوی ضروریات کے لیے بہر حال باہر آنا پڑتا ہے لہذا اس کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنا چاہیے کہ جب لوگوں سے ملاقات کرے تو ان گناہوں میں مبتلا نہ ہونے پائے۔

۳۔ جب بلاؤں پر بلاؤں کا اضافہ ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بلاؤں سے عافیت نصیب ہو گئی۔ یہ قرآن کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے کہ "إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا" (ہر تنگی کے ساتھ سہولت بھی ہے اور کوئی شے بھی جب اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو اس کی فضا کا آغاز ہو جاتا ہے۔

۴۔ جب دنیا کسی شخص کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے تو دوسرے کی خوبیاں بھی اسی کے حساب میں لکھ دیتی ہے اور جب منہ پھیر لیتی ہے تو اس کی خوبیاں بھی دوسروں کے حساب میں ڈال دیتی ہے۔ (دنیا کی بے اعتباری اور بے اعتمادی کی اس سے بہتر تصویر کشی نہیں ہو سکتی ہے جس کا نقشہ صبح و شام دیکھنے میں آتا رہتا ہے۔)

۵۔ ایک شخص کو نصیحت فرمائی کہ اپنا زاد آخرت خود ہتیا کرو۔ اپنا سامان پہلے سے خود روانہ کرو اور اپنے دھی خود بنو۔ خبردار! اپنے ضروریات کے بارے میں دوسروں پر بے اعتماد مت کرنا کہ وہ مرنے کے بعد روانہ کر دیں گے۔

۶۔ عبد اللہ بن جنذب کو نصیحت فرمائی کہ "بہترین زندگی کے لیے ضروری ہے کہ رات میں سونا کم کرو اور دن میں باتیں کم کرو"۔ رات میں کم سونے کا فائدہ اعمالِ آخرت کی شکل میں

ظاہر ہوتا ہے اور دن میں کم بات کرنے کا فائدہ محنت و مشقت اور کسب معاش کی شکل میں نمایاں ہوتا ہے۔
● ۷۔ احتیاط میں سلامتی ہے اور جلد بازی میں شرمندگی۔ ناوقت کام شروع کرنے والا تجربہ ہی ناوقت ہی حاصل کرتا ہے۔

ہم اہلیت میں ان لوگوں کو دوست رکھتے ہیں جو ماعقل، باہم، فقیہ، طیب، خوش اخلاق، صابر، صادق اور با وفا ہوتے ہیں کہ یہ سب صفات انبیاء و مرسلین کے ہیں، اور جس کے پاس یہ صفات ہوں اسے شکر خدا کرنا چاہیے اور جو ان صفات سے محروم ہو اسے رو رو کر دعا کرنا چاہیے کہ رب العالمین ان صفات سے آراستہ بنا دے۔

● ۸۔ کسی شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ موت کے معنی کیا ہیں؟ تو فرمایا موت کی حقیقت یہ ہے کہ خدا تمہیں وہاں زندیکھے جس جگہ سے منع کیا ہے اور وہاں سے غائب نہ پائے جس جگہ دیکھنا چاہتا ہے۔
● ۹۔ جو شخص معمولی ذلت کے مقابلہ میں بزرع و فزع شروع کر دیتا ہے وہ آخر میں بڑی ذلت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(یہ ارشاد گرامی ایک مخصوص موقع پر فرمایا گیا ہے جہاں امام کے سامنے مسئلہ یہ تھا کہ ظالموں کی طرف سے توہین کو برداشت کر لیں یا پھر احتجاج کریں اور اس کے نتیجے میں قتل وغیرہ جیسے خطرات سامنے آجائیں اور ان کے دفع کرنے کے لیے زیادہ دشوار گزار مراحل کا سامنا کرنا پڑے۔)

● ۱۰۔ ابلیس کے پاس غصہ اور عورت سے زیادہ طاقتور کوئی شکر نہیں ہے۔

(۱) ابلیس انسان کو تباہ کرنے کے لیے کبھی غصہ کو ذریعہ بناتا ہے اور کبھی عورت کو۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ غصہ کوئی ذلیل صفت ہے یا عورت کوئی حقیر مخلوق ہے۔ غصہ اپنے موقع پر ایک انتہائی ضروری صفت ہے کہ یہ نہ ہو گا تو انسان بے غیرت اور بے حیا ہو جائے گا اور اس طرح عورت اپنے مقام پر ایک انتہائی حسین مخلوق ہے جس کے بغیر انسان کی زندگی ادھوری رہ جاتی ہے لیکن ابلیس اسے گمراہی کے ذریعے کے طور پر استعمال کرتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ اپنے کو وسائل ابلیس کے طور پر استعمال ہو کر اپنی حیثیت کو تباہ و برباد نہ کرے اور مرد کا بھی فرض ہے کہ جب وہ وسائل ابلیس کے طور پر استعمال ہونے لگے تو اس سے پرہیز کرے۔)

فقہ جعفری کیا ہے؟

اس موضوع پر تفصیلی تبصرہ سے پہلے اس شخصیت کی زندگی کا جائزہ لینا ضروری ہے جس کے انتساب سے اس قانون اسلام کو فقہ جعفری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا اسم گرامی جعفر ہے جس کے معنی وسیع نہر کے ہیں۔ آپ کی شخصیت نگاہ قدرت میں ایک دریائے علم ہے جس سے امت اسلامیہ کے تشنگان علم و معرفت کو سیراب ہونا ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ دریا اپنے پیاسوں کو سیراب کرنے کے لیے کسی گھاٹ اور کنارے کی شرط نہیں رکھتا ہے جو جس وقت آجائے اور جس نیت سے آجائے دریا بہر حال سیراب کرے گا۔ اب کوئی اپنی شرارت سے خود ہی ڈوب جائے تو اس کی ذمہ داری دریا پر نہیں ہے۔

صادق آپ کا مشہور ترین لقب ہے جس سے دوست اور دشمن دونوں نے آپ کو یاد کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ صادق کے صحیح معنی بھی یہی ہیں کہ جان کے دشمن اور خون کے پیلے بھی صداقت کا انکار نہ کر سکیں جیسا کہ حضور سرور کائنات کی حیات طیبہ میں دیکھا گیا ہے کہ آپ کے خرید دشمن بھی آپ کو صادق و امین کے لقب سے یاد کرتے تھے اور آپ کی صداقت کا انکار نہیں کر سکتے تھے۔

قدرت کا بھی عجیب انتظام تھا کہ تاریخ عصمت کے دو مشہور ترین صادق دونوں کو ایک ہفتاد و پنج میں اس دنیا میں بھیجا۔ رسول اکرم کی تاریخ ولادت ۷ ربیع الاول اور امام جعفر صادق کی

تاریخ ولادت بھی، تاریخ الاولیہ ہے۔

گویا، تاریخ الاولیہ کی تاریخ وہ مبارک تاریخ تھی کہ کائنات کا ہر جزوہ صداقت اسی تاریخ کو مناسبت کیا اور دنیا کے مانے ہوئے صادقین اسی تاریخ کو دنیا میں تشریف لائے تو اب مجھے کہنا پڑتا ہے کہ کوئی خواص المصادقین "تلاش کرنا چاہتے ہو تو، تاریخ الاولیہ کی سمجھ بڑھ کر صداقت کے نونے نظر آجائیں گے اور پھر اسی معیار پر باقی صادقین کو تلاش کر لینا۔

نقشہ زندگی

امام صادق علیہ السلام کی ولادت، تاریخ الاولیہ ۲۸ سال گزرا ہے، یعنی آپ نے اس دنیا میں تقریباً ۲۵ سال گزارے ہیں، جو تمام معصومین میں سب سے زیادہ عمر ہے کہ اب تک جو معصومین دنیا سے جا چکے ہیں ان میں امام صادق سے زیادہ کوئی اس دنیا میں نہیں رہا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی معصوم اپنی طبیعت سے اس دنیا سے رخصت نہیں ہوا اور جسے جس قدر زندہ رہنے کا موقع دیا گیا وہ اسی قدر اس دنیا میں زندہ رہا اور جب زہر دیا یا شمشیر جھانکنا بنا دیا گیا تو رضائے الہی پر تسلیم خم کیے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گیا۔ امام زمانہ کی طویل عمر کا راز بھی یہی ہے کہ آپ اہل دنیا کی دسترس سے دور ہیں ورنہ یہ اہل زمانہ آپ کو بھی زندہ نہ رہنے دیتے۔ قدرت کو حجت آخر کو باقی رکھنا تھا اس لیے آپ کو حجاب غیب میں بچا کر رکھا اور دنیا پر واضح کر دیا کہ ہم جسے بھانا چاہتے ہیں اسے کوئی مٹا نہیں سکتا۔ ہم فرعون کے قہر میں موسیٰ کو بچا سکتے ہیں اور فراعزہ عصر کے درمیان حجت آخر کا تحفظ کر سکتے ہیں۔

امام صادق علیہ السلام نے زندگی کے ۱۲ سال اپنے جد بزرگوار امام زین العابدین کے ساتھ گزارے۔ ۱۳ سال میں امام زین العابدین کی شہادت ہو گئی تو آپ اپنے والد محترم کے ساتھ رہے۔ ۱۴ سال میں امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت ہو گئی تو امامت سلسلہ کی مکمل ذمہ داری آپ کے سر عائد ہو گئی اس وقت آپ کی عمر مبارک ۳۰ برس کے قریب تھی اور بنی امیہ اور بنی عباس کی جنگ اقتدار شروع ہو چکی تھی۔ ۱۵ سال میں بنی امیہ کا جراح نکل ہوا اور بنی عباس حمایت حق آل محمد کے نام پر برسر اقتدار آئے۔ امام کی زندگی کے منصبی دور میں ۸ سال بنی امیہ کی حکومت رہی اور ۵ سال

بنی عباس کا اقتدار رہا۔ اور پوری زندگی کا حساب لگایا جائے تو آپ کی حیات میں دس بنی امیہ کے بادشاہوں نے حکومت کی اور دو بنی عباس کے بادشاہ رہے۔ ایک سفاک جو ختم ہو گیا اور دوسرا منصور جس نے آپ کو زہر دغا سے شہید کیا۔

امامت اور سیاست

امامت کی زندگی کا یہ قابل لحاظ موقع ہے کہ آپ کی زندگی میں حکومت نے بارہ پلٹے کھلے اور اس طرح کہ ایک مکمل اقتدار کا تاج و تخت پامال ہو گیا اور دوسرے کے سر پر تاج رکھ دیا گیا اور سب کی کوشش یہی رہی کہ کسی طرح آپ کو شکست دے دی جائے اور آپ کو ذلیل و رسوا کر دیا جائے لیکن بارہ قلابازیاں کھانے کے بعد بھی حکومت اپنے من میں کامیاب نہ ہو سکی اور امامت اپنے خدمات میں صرف رہی اور دنیا کو آواز دیتی رہی۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ امام سیاست سے بے خبر ہوتا ہے۔ آئیں اور اگر دیکھیں کہ اہل سیاست کس طرح شکست کھا رہے ہیں اور امامت کس طرح فتح مبین حاصل کر رہی ہے۔

حکومتوں کے ان انقلابات میں ایسے مواقع بھی آئے جب امام کو تخت و تاج کی پیش کش کی گئی اور بنی عباس کے کمانڈران چیت نے چاہا کہ حمایت آل محمد کے دعویٰ کی توثیق کے لیے امام کو ساتھ لے لیا جائے لیکن آپ نے واضح لفظوں میں انکار کر دیا اور بتا دیا کہ میں انجام کار سے باخبر اور نیتوں سے آگاہ ہوں۔ مجھے حکومت کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ اگر خاندان میں کوئی شخص قیادت کے لیے تیار بھی ہوا تو اسے بھی متنبہ فرمادیا کہ اس انقلاب کا انجام اچھا نہیں ہے اس سے کنارہ کش رہنا ہی مناسب ہے۔

ایسے ہی مواقع کو دیکھ کر اکثر سادہ لوح افراد یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ آل محمد کا ملکی سیاست سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے اور انہوں نے ہمیشہ اپنے کو حکومت دنیا سے الگ رکھ رکھا تھا فکر آخرت کی ہے اور عبادتوں میں زندگیاں گزاری ہیں۔ استواری طاقتوں نے اس خیال کو اور بھی راسخ بنا دیا ہے تاکہ آل محمد کے باشعور پرستار حکومت سے غافل ہو جائیں اور استعمار کو اپنے منصوبوں کی تکمیل کا موقع مل جائے۔ حالانکہ تاریخ کا ادنیٰ مطالعہ بھی اس بات کا گواہ ہے کہ مرسل اعظم یا ان کے اہل بیت علیہم السلام

ہے تو ہم آل محمد کے عز و غم میں اضافہ ہو جاتا ہے کہ ہم اپنے حق کو غیروں کے ہاتھوں میں دیکھتے ہیں اور منبر رسول پر نا اہلوں کے خطیوں کا شاہدہ کرتے ہیں۔

یہ ارشادات و اقوال اس بات کی دلیل ہیں کہ امامت کے فرائض سیاست سے الگ نہیں ہیں اور ہر امام نے اپنے دور میں بقدر امکان سیاسی مسائل میں مداخلت کی ہے اور جہاں حالات سازگار نہیں رہے وہاں بھی تنقید سے کنارہ کشی نہیں فرمائی۔ امامت کو سیاست سے الگ کر دینے کی پالیسی استعمار کی ہے جو اہل دین و دیانت کو حکومت سے بے دخل کر کے اپنی من مانی کرنا چاہتے ہیں جو کام کل کے حکام بزرگ طاقت کر رہے تھے وہ آج کے استعماری ذہن بزرگ فلسفہ انجام دے رہے ہیں۔

حقیقت فقہ

اس تہجد کے بعد فقہ سے متعلق گفتگو کا آغاز ہوتا ہے۔

فقہ کے معنی عربی زبان میں فہم اور سمجھ کے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے "لکن لا تفقهون تسبیحہم" کائنات کی ہر شے تسبیح پروردگار کر رہی ہے لیکن تمہیں ان کی تسبیح کا فقہ و فہم نہیں ہے۔

علماء کی اصطلاح میں فقہ دین کے مسائل کے تفصیلی اور استدلالی علم کا نام ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: فقہ اکبر جسے آج کی زبان میں علم کلام کہا جاتا ہے۔ اور فقہ اصغر جسے علم فقہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ علم فقہ اسلام کے فروعی احکام کے تفصیلی دلائل سے جاننے کا نام ہے اور فقہ عرف عام میں انہیں احکام کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے۔

فقہی مدارک

اسلام کے مکاتب فقہ میں دو بنیادیں مشترک طور پر پائی جاتی ہیں۔ ایک کتاب خدا اور ایک سنت رسول کہ انہیں کسی نہ کسی شکل میں ہر مسلمان نے احکام کا مدرک تسلیم کیا ہے۔ قرآن کی تفصیل و تاویل میں لاکھ اختلاف ہو سنت کی تعبیر و تشریح میں کسی قدر اختلاف کیوں نہ ہوں لیکن

نہ کبھی حکومت سے کنارہ کشی نہیں کی اور ہمیشہ اس فکر میں رہے کہ دنیا میں حکومت الہیہ قائم ہو جائے اور تباہی کے راستے پر جانے والی دنیا سیاست الہیہ کے راستے پر چل پڑے۔ اسلام میں پہلی حکومت سرکار دو عالم ہی نے قائم کی ہے جہاں مکمل طور پر سرکار ہی کے احکام چلتے تھے اور آپ ہی پوری مملکت کا انتظام فرماتے تھے اس کے بعد مولا نے کائنات نے بھی مقصد سے وقفہ میں ملنے والے موقع کو نظر انداز نہیں کیا اور اپنے امکان بھر حکومت الہیہ کے قیام کی کوشش کرتے رہے اور خود ہی ارشاد فرمایا کہ "ہماری حکومت کا مقصد قیام حق اور دفاع باطل ہوتا ہے ہم اہل ہوس نہیں ہیں لیکن حکومت سے الگ ہونا بھی نہیں چاہتے۔" ہاں جب آل محمد نے دیکھا کہ حکومت ہمارے نام کو استعمال کرنا چاہتی ہے اور ہم اس کی روش کو تبدیل نہیں کر سکتے ہیں تو طبعی اختیار کرنی اور عدم تعاون کی مکمل پالیسی کا اعلان کر دیا تاکہ ان کے نام کا غلط استعمال نہ ہو سکے اور ان کی شرکت کو حکومت کے اسلامی ہونے کی دلیل نہ بنایا جاسکے۔

قیام حکومت امامت کے فرائض میں سے ایک فریضہ ہے۔ جب بھی اس کے حالات پیدا ہو جائیں گے امام حکومت ضرور قائم کرے گا اور سیاسی مسائل کو اپنے ہاتھوں میں لے لے گا اور جب اس کے حالات سازگار نہ ہوں گے تو بھی کنارہ کش ہو کر حجرہ میں بیٹھنے کا بلکہ اس کی پالیسیوں کی کڑی نگرانی کرتا رہے گا اور حتی الامکان اس کی رہنمائی تنقید یا مداخلت سے کنارہ کشی نہیں کرے گا۔ امام زین العابدین نے اپنے گریہ مسلسل کے درمیان تنقید سے کام لیا۔ امام محمد باقر نے بھی تنقید فرمائی۔ امام جعفر صادق اور اس کے بعد کے ائمہ مصومین نے واضح طور پر مداخلت کی پالیسی اختیار کی اور حکومت کی ملازمت بلکہ اس کے ہاتھ سامان کرایہ پر دینے کی بھی ممانعت کر دی اور امام موسیٰ کاظم نے صفوان جہال سے یہاں تک فرمادیا کہ جب تم اپنے اونٹ حکومت کو کرایہ پر دیتے ہو تو تمہارا دل چاہتا ہے کہ کرایہ دار اس وقت زندہ رہے کہ اونٹ مر کر یاہ کے واپس آجائیں۔ یاد رکھو ظالم کے لیے حیات کی تنہا کرایہ بھی اعانت ظلم ہے اور میں اپنے چاہنے والوں کے لیے اتنی مقدار میں اعانت بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ یہ کسی کنارہ کش کا اندازہ نہیں ہے یہ ایک "ناقد بصیر" کا کردار ہے جو امام موسیٰ کاظم نے انتہائی سختی کے دور میں بھی اختیار فرمایا۔ اور اس سے پہلے امام محمد باقر نے فرمایا تھا کہ جب بھی کوئی روز عید آتا

کتاب و سنت مدرک احکام ہیں۔ اس کے بعد بنیادی مسئلہ یہ ہے اگر کوئی مسئلہ کتاب و سنت میں نہ ہو تو کیا کرنا چاہیے۔

لیسے مسائل بے شمار ہو سکتے ہیں اس لیے کہ حضور سرور کائنات کے دور میں زندگی محدود اور سادہ تھی اس وقت اس قدر پیچیدہ مسائل پیدا نہیں ہوئے تھے۔ آپ کے بعد فتوحات اور توسیع دائرہ حکومت کے ذریعہ اور دیگر اقوام کے اختلاط کے نتیجے میں بے شمار مسائل پیدا ہو گئے اور زندگی کا انداز بالکل تبدیل ہو گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ ان مسائل کا حل کیا ہو گا اور ان کے بائے میں کیا قانون بنایا جائے گا؟

اس سلسلے میں ایک مدرسہ فکریہ ہے کہ سرور کائنات کو ان حالات کا علم تھا اور آپ جانتے تھے کہ امت میں ایسے مسائل پیدا ہوں گے اور امت کو ان مسائل کے حل کی ضرورت پڑے گی۔ اسی لیے آپ نے جاتے جاتے امت کو قرآن اور اہل بیت کے حوالے کر دیا تاکہ نئے مسائل قرآن مجید میں نہ مل سکیں تو ان کو حل کرنے کے لیے اہل بیت موجود رہیں اور پروردگار نے اہل بیت کے سلسلہ کو دائمی اور ابدی بنا دیا کہ کوئی دور ایسا نہ آئے۔ جب مسائل پیدا ہوں اور حلال مسائل نہ ہوں مشکلات ہوں اور کوئی مشکل کشا نہ ہو۔

لیکن دوسرے مکتب فکر نے اس راستہ کو اختیار نہیں کیا اور حضور کے سلمے "حسبنا کتاب اللہ" کہہ کر اپنے کو اہل بیت سے الگ کر لیا۔ نتیجہ ہوا کہ حسبنا کام نہ آیا اور ایسے مسائل پیدا ہو گئے جن کا حل قرآن مجید بلکہ سنت پیغمبر میں بھی نہیں مل سکا، ایسے وقت میں تمام لوگ مجبور ہوئے کہ قیاس کا دامن پکڑ جائے اور اپنی عقل کے سہارے احکام سازی کا کام شروع کیا جائے۔

مولانا شبلی نے اس طرز عمل کو امت اسلامیہ پر حضرت عمر کا بہت بڑا احسان قرار دیا ہے کہ انہوں نے اس راستہ کی طرف راہنمائی کر دی ورنہ امت کے پاس مسائل کا کوئی حل نہ ہوتا۔ اور کئی بات یہ ہے کہ یہ کام انہیں کو کرنا بھی چاہیے تھا اس لیے کہ حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ بھی انہوں نے دیا تھا اور اہل بیت سے کنارہ کشی کی بنیاد بھی انہوں نے ڈالی تھی۔

فرق یہ ہے کہ مدینہ میں مدرسہ قیاس "زیادہ کامیاب نہ ہو سکا کہ وہاں کی زندگی پھر بھی سادہ

تھی اور مسائل زیادہ نہ تھے وہاں کے لوگوں نے زیادہ حصہ کام احادیث سے چلایا اور وہاں کے مدرسے کو اہل حدیث کا مدرسہ کہا گیا۔ اس کے برخلاف عراق کے مسائل عم کی فتوحات کی بنا پر بے حد پیچیدہ ہو گئے تھے اور وہاں قیاس کی بے حد ضرورت تھی۔ نتیجہ ہوا کہ عراق کا مدرسہ فکر "مدرسہ رائے اور قیاس" ہو گیا۔ ادھر حکومتوں کی کش مکش کا بھی آغاز ہو گیا۔ بنی عباس کی جنگ نے قومیت کا روپ دھا ریا۔ بنی امیہ کی پشت پر عرب رہے اور بنی عباس کی حمایت بحجرت کی اور اہل حدیث و اہل قیاس کا جھگڑا جواز و عراق میں تبدیل ہو گیا۔ جواز اہل حدیث کے ہاتھوں میں چلا گیا اور عراق اہل قیاس کے ہاتھوں میں آ گیا امام مالک کو اہل حدیث کا امام کہا جانے لگا اور امام ابوحنیفہ کو اہل قیاس کا امام بنا دیا گیا حالانکہ علماء کے اعداد و شمار کے مطابق امام مالک کے یہاں قیاس کی مقدار امام ابوحنیفہ سے بھی زیادہ ہے لیکن سیاسی تقسیم میں وہ جواز کے حصہ میں آئے اور یہ عراق کے حصے میں آ گئے۔

ایک ایسے مرکز آراء دور میں جب اہل حدیث اور اہل قیاس۔ بنی امیہ و بنی عباس اور جواز و عراق کی جنگ چل رہی تھی امام جعفر صادق نے ایک تیسری آواز بلند کی اور امت کو ایک نئے راستہ کی ہدایت کی۔ اسی راستہ کو فقہ جعفری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امام علیہ السلام نے اس جنگی دور میں ضروری سمجھا کہ اپنی آواز کو جواز و عراق دونوں جگہ عام کیا جائے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کا مدرسہ فرقہ مدینہ میں بھی تھا اور کوفہ میں بھی۔ کوفہ میں تو آپ کا مدرسہ اتنا عظیم تھا کہ اس میں چار ہزار افراد زیر تعلیم تھے اور یہ معمولی صلاحیت کے لوگ نہیں تھے بلکہ بڑے بڑے جید علماء تھے جن میں سے بہت سے بعد میں مدعی امامت بھی ہو گئے۔ علی بن محمد و شام کا بیان ہے کہ میں نے مسجد کوفہ میں... حلقے دیکھے جن کے اساتذہ یہ کہہ رہے تھے کہ یتیم حضرت جعفر بن محمد کی دین ہیں اور ہم سے انہوں نے بیان کیے ہیں۔

ایسے حالات کو پیش نظر رکھنے کے بعد فقہ جعفری کی برتری حل کر سامنے آ جاتی ہے کہ یہ فقہ "اہل بیت کرام" کی فقہ ہے۔ امام صادق کی طرف انتساب تو صرف حالات کی بنا پر ہے کہ جس قدر احکام آپ نے بیان فرمائے ہیں اتنا موقع کسی دوسرے امام کو نہیں مل سکا ہے۔ ورنہ اس فقہ میں تمام معصومین کے ارشادات شامل ہیں اور اہل بیت کرام سے تنگ اپنی پسند کا معاملہ نہیں ہے بلکہ حکم خدا اور رسول ہے جسے "کون ذوا مع الصادقین" اور "حدیث ثقلین" میں بیان کیا گیا ہے۔ ہم نے نبی کو نبی اس لیے نہیں مانا کہ انہوں نے اپنے کو نبی کہا ورنہ ہر مدعی نبوت کو نبی تسلیم کر لیتے۔

ہم نے نبی کو نبی اس لیے مانا ہے کہ جس خدا نے وحدہ لا شریک کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے تھے اس نے انہیں نبی بنایا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ جو رسول تمہارے حوالے کرے اسے لے لو اور جس چیز سے روک دے اس سے رک جاؤ۔ رسول کے بعد اہل بیت اطہار کو بھی ان کے دعویٰ کی بنا پر تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ حدیث ثقلین کی بنا پر تسلیم کیا ہے۔ اعلان غدیر کی بنا پر تسلیم کیا ہے۔ رسول اکرم کے قول و عمل کے اشاروں کی بنا پر تسلیم کیا ہے تو اب فقہ اہل بیت کا تسلسل یہ ہے کہ تقاضائے عقل و فطرت کی بنا پر خدا کو مانا اور حکم خدا کی بنا پر رسول کو مانا اور حکم رسول کی بنا پر اہل بیت کو مانا۔ تو جب سلسلہ اطاعت و مذہب اوپر سے چلا تو بھی اہل بیت پر آکر رکا۔ ان کے علاوہ مرسل اعظم نے کسی فقیہ یا امام مذہب کو واجب اطاعت نہیں قرار دیا اور نہ اس کے قول و فعل کی ضمانت لی ہے۔ اور یہی سلسلہ جب نیچے سے امت کی طرف سے چلا تو ساری امت میں چار فقیہ برتر قرار دیئے گئے کہ ان کا علم، ان کی نقاہت اور دینی ہیبت کا جواب نہیں ہے اور جب ان چاروں کا جائزہ کیا گیا تو امام ضیل، امام شافعی کے تابع نظر آئے۔ امام شافعی، امام مالک کا اتباع کرتے ہوئے دکھائی دیئے اور امام مالک و امام ابوحنیفہ جو اہل حدیث اور اہل قیاس کی جماعت کے سربراہ اور مجاز و عراق کے مرجع مسلمین تھے دونوں امام جعفر صادق کے شاگرد نظر آئے تو ہم نے فیصلہ کر لیا کہ استاد کی فقہ کے ہوتے ہوئے شاگرد کی فقہ پر اعتماد کرنا ناقضاً دانش مندی نہیں ہے۔

امام جعفر صادق، امام مالک اور ابوحنیفہ کے ایسے استاد تھے کہ امام مالک کی نظر میں ان سے بڑا کوئی فقیہ نہیں تھا اور امام ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ ”اگر دو سال امام جعفر صادق کی شاگردی نہ کی ہوتی اور ان سے استفادہ علیہ نہ کیا ہوتا تو نعمان ہلاک ہو جاتا۔“

ہلاکت سے بچانے والے جعفر بن محمد ہی ہیں اور علوم سے مستفیض کرنے والے اہل بیت اطہار ہی ہیں، ایسے حالات میں ایسے قابل استاد کو چھوڑ کر شاگرد کی فقہ پر اعتماد کرنا کہاں کی دانش مندی ہے؟

بعض متعصب اہل نظر نے اس قول کی صداقت میں شبہ کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ امام جعفر صادق سے تین برس بڑے تھے اور ان کے باقاعدہ ہم عصر تھے۔ لہذا ان کی

شاگردی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

ان بے چاروں نے یہ سوچنے کی بھی زحمت نہیں کی کہ استاد کی سن سال سے نہیں طے ہوتی ہے علم اور قابلیت سے طے ہوتی ہے۔ جناب آدم نے ملائکہ کو وہ سب کچھ بتا دیا جو انہیں نہیں معلوم تھا حالانکہ ملائکہ جناب آدم سے عمر میں بہت بڑے تھے۔

امیر المؤمنین نے خلفائے وقت کو اتنا بتایا اور سکھایا کہ خود حضرت عمر نے فرمایا ”اگر علی نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا“ حالانکہ وہ عمر میں جناب امیر سے بڑے تھے۔ استفادہ علیہ کے لیے سن و سال کا حساب نہیں کیا جاتا۔ صلاحیت اور قابلیت دیکھی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ علامہ شبلی نے اس مقام پر نہایت حسین بات فرمائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسے شبہات صرف تعصب کی پیداوار ہیں اور دیانت و انصاف کے خلاف ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ نہایت درجہ لائق و قابل و دانش مند تھے لیکن وہ جعفر بن محمد جیسے نہیں ہو سکتے۔ امام ابوحنیفہ باہر کے آدمی ہیں اور امام جعفر صادق اہل بیت میں ہیں اور اہل بیت گھر کے حالات سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔

اس مقام پر یہ بات قابل توجہ ہے کہ علامہ شبلی نے سیرۃ النعمان میں جو کچھ امام جعفر صادق اور حضرت ابوحنیفہ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے اسی نکتہ کی روشنی میں صدر اسلام کا فیصلہ کیوں نہیں کیا اور مذکورہ معاملہ میں اس نکتہ کو کس طرح فراموش کر گئے کہ حضرت ابو بکر باہر کے آدمی ہیں اور جناب فاطمہ دختر پیغمبر ہیں۔ پیغمبر کی حدیث کو جس طرح وہ جان سکتی ہیں دوسرا کوئی نہیں جان سکتا ہے۔

بہر حال امام جعفر صادق سے ارتباط اور فقہ جعفریہ سے تشک دونوں قسم کی سیر علمی کا نتیجہ ہے۔ تلاش علم میں اوپر سے چلیں تو امام جعفر صادق اہل بیت کے فرد کی حیثیت سے ہی اکرم کے مقدر کردہ مرجع مسلمین قرار پاتے ہیں اور تلاش ہدایت میں ادھر سے چلیں تو امام جعفر باقی ائمہ مذہب کے استاد نظر آتے ہیں اور استاد کے ہوتے ہوئے شاگرد پر اعتماد کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

یہ امت اسلامیہ کی بد قسمتی ہے کہ ارباب حدیث نے ان خصوصیات کو دیکھتے ہوئے

بھی امام جعفر صادق سے انحراف کیا اور امام بخاری نے عمران بن حطان خارجی کی روایت کو درج کرنے کے باوجود امام جعفر کی روایت کو بخاری میں جگہ دینے کے قابل نہیں سمجھا۔ کیا یہ صریحی ظلم اور علمی خیانت نہیں ہے اور جب خواص ایسی خیانت کر سکتے ہیں تو عوام سے کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ وہ تو اتنی بڑی کتاب حدیث میں امام کا نام بھی نہیں دیکھتے انھیں کیا اسلام کا امام کی شخصیت اور ان کی علمی جلالت کیا ہے۔

فقہ جعفری کے امتیازی مدارک

یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ قرآن حکیم اور سنت پیغمبر کو تمام امت اسلامیہ نے اپنی فہم کے لیے مدارک قرار دیا ہے۔ اس کا اندازہ کچھ بھی رہا ہو اور تاویل و تشریح و تعبیر میں کتنی دھاندلی کی گئی ہو قرآن حدیث کی سندی حیثیت کو چیلنج نہیں کیا گیا اور کسی نہ کسی شکل میں ان دونوں کو تسلیم کیا گیا ہے۔

تسلیم کی آخری حد یہ ہے کہ دنیا کی ہر عیاری، منکاری، سلاطین زمانہ کی ہر خیانت و جنایت کے لیے آیات قرآنی اور سنت پیغمبر کا سہارا لیا گیا ہے۔ تاریخ ملوک و سلاطین کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ سلاطین زمانہ نے کس طرح مذہب کا مذاق اڑایا ہے اور درباری علمائے کس طرح آیات احادیث کی تعبیر و تفسیر میں مذہب کا ستیاناس کیا ہے۔

کبھی "لا تحقر دوا الصلوٰۃ" کو ناز سے روکنے کا ذریعہ بنایا گیا۔ کبھی "ویل للمصلین" کو نازیوں کی مذمت کی دلیل قرار دیا گیا اور کبھی "اضعافاً مضاعفۃ" کو معمولی سود کے جواز میں پیش کیا گیا۔ غرض دنیا کی ہر منکاری و عیاری کے لیے قرآن حکیم کو سہارا بنایا گیا اور تاویل کے زور پر فرقہ باز لے لے گئے۔ حکیم امت نے انھیں حالات کو دیکھ کر فریاد کی تھی:

"خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں"

قرآن و حدیث کے بعد جب تیسرے مدارک کا سوال اٹھا تو امت اسلامیہ نے اپنی جہالت کا علاج علم کے زور پر کیا اور اپنی عقل سے احکام دین وضع کرنا شروع کر دیے۔ جہاں ایک قانون نظر آیا وہاں اس کے جیسے دوسرے مواقع پر بھی وہی قانون نافذ کر دیا اور حکم الہی کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور یہ حوصلہ اتنا بلند ہوا کہ رسول اکرم کی حدیث پر بھی اپنے قیاس کو

مقدم کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ نے پیغمبر اکرم کے اس ارشاد پر کہ میدان جہاد کے مال غنیمت میں پیدل جہاد کرنے والے کا ایک حصہ ہے اور سوار کے دو حصے ہیں۔ یہ نوٹ لگا دیا کہ میں اپنی عقل سے اس حدیث اور اس قانون کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ اس قانون میں گھوڑے کا درجہ مسلمان کے برابر قرار دیا گیا ہے اور میں مسلمان کی ایسی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔ یعنی پیغمبر اسلام ایسی غلطی کر سکتے ہیں تو کریں میں ایسی غلطی نہیں کر سکتا۔

یہ قیاس کی حد آخر ہے کہ اس نے مسلمانوں کے حوصلے اس قدر بلند کر دیے کہ احکام سازی میں قول خدا و رسول بھی پیچھے رہ گیا اور امت نے شریعت سازی کا کام شروع کر دیا۔ وہ اسلام جس نے پیغمبر کو بھی شریعت کے حلال و حرام میں دخل دینے کا حق نہیں دیا تھا اور ان کا کام بھی صرف اتباع حکم خدا قرار دیا تھا۔ اس کے ماننے والے امت کے فقہاء کے لیے اس حق کے بھی قائل ہو گئے۔ اور قیاس کی برکت سے ایک نیا اسلام معرض وجود میں آ گیا۔ اور علامہ شبلی جیسے مورخین و محققین نے اسے خلیفہ دوم کے احسانات و کمالات میں شمار کر لیا۔

امام جعفر صادق اس صورت حال کو دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔ آپ نے تحفظ دین اسلام کی خاطر ہر طرح کی زحمت برداشت کر کے اس قیاس کا مقابلہ کیا۔ اور خود مکتب قیاس کے سربراہ ابوحنیفہ سے بارہا یہ فرمایا کہ خبردار شریعت میں قیاس نہ کرنا۔ قیاس ایلیس کا کام ہے۔ ایلیس کی مگر ابی کا دادا دراز یہ ہے کہ اس نے حکم خدا میں قیاس سے کام لیا اور آگ اور خاک کا جھگڑا اٹھا کر حضرت آدم کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ قیاس ایک ایلیسی حربہ ہے جو حکم خدا کی بربادی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن حکومت وقت کی امداد اور ہوسرس جاہ و منصب نے ان تمام بدایات پر عمل نہ کرنے دیا اور بالآخر اسلام نذر قیاسات ہو گیا۔

امام جعفر صادق نے جن جن مقامات پر ابوحنیفہ کو قیاسات سے روکا ہے اس کی مثالیں تاریخ میں یوں ملتی ہیں:

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ۔ اگر تم عقل سے احکام طے کر لیتے ہو تو ذرا اپنی عقل سے سوچ کر یہ بتاؤ کہ ہر دور گزار نے آنکھ میں نیکی زبان میں شیرینی اور کان میں تلخی کیوں رکھی

ہے؛ ابو حنیفہ نے سکوت اختیار کیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ جب تم اپنی خلقت کو نہیں سمجھ سکتے ہو تو اللہ کی شریعت کو کیا سمجھو گے۔ یاد رکھو کہ آنکھوں میں ٹمکنی اس لیے ہے کہ یہ چربی کا ڈبہ ہے، اس میں نمک نہ ہوتا تو کھل جاتا۔ کانوں میں تلخی اس لیے ہے کہ جانور اندر جا کر زندگی کے درپے نہ ہو جائیں۔ زبان میں حلاوت اس لیے ہے کہ اشیا کا ذائقہ معلوم ہو سکے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا۔ اچھایہ بتاؤ وہ کون سی شے ہے جس کی ابتدا کفر ہے اور انتہا اسلام۔ امام ابو حنیفہ نے جواب سے معذوری ظاہر کی تو آپ نے فرمایا،

”بڑے افسوس کی بات ہے تمہیں کلمہ اسلام کی بھی خبر نہیں ہے جس کا لالہ کفر ہے اور کالا اللہ اسلام ہے۔“

اس کے بعد فرمایا، اچھایہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص حالت احرام میں ہرن کے سامنے کے چار دانت جنھیں رباعیہ کہتے ہیں، توڑ ڈالے تو اس کا کفارہ کیا ہوگا؟ ابو حنیفہ نے کہا، یہ مسئلہ بھی معلوم نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا، تمہیں یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ہرن کے ایسے دانت ہوتے ہی نہیں ہیں۔

امام علیہ السلام نے اس موقع پر ایک سوال انسان کے بارے میں کیا۔ ایک حیوان کے بارے میں اور ایک ایمان کے بارے میں اور سربراہ رائے و قیاس تینوں سے عاجز رہے تو امامت نے آواز دی کہ جسے انسان حیوان اور ایمان کی خبر نہیں ہے اسے دین الہی میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ یاد رکھو! سنت میں قیاس کیا جائے تو دین بدنام ہو کر رہ جائے گا۔ خبردار! اسلام میں قیاس سے کام نہ لینا۔ اسلام دین الہی ہے اس میں بشری عقل کا دخل نہیں ہے۔

اس قسم کا ایک دوسرا واقعہ علامہ دمیری نے حیوۃ الیوان میں لکھا ہے کہ ابو حنیفہ امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے قیاس کی تردید کرتے ہوئے چند مسائل کو از روئے قیاس حل کرنے کی دعوت دی۔

فرمایا کہ یہ بتاؤ قتل بڑا گناہ ہے یا زنا؟ ابو حنیفہ نے کہا قتل۔ فرمایا، پھر کیا وجہ ہے کہ قتل میں دو گواہ درکار ہیں اور زنا میں چار گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابو حنیفہ سے کوئی جواب نہ دیا جاسکا۔

پھر فرمایا۔ اچھایہ بتاؤ کہ نماز کی زیادہ اہمیت ہے یا روزہ کی؟ عرض کی نماز زیادہ اہم ہے۔ فرمایا، پھر کیا وجہ ہے کہ عورت ایام حیض میں نماز، روزہ دونوں چھوڑ دیتی ہے اور بعد میں روزہ کی قضا واجب ہوتی ہے لیکن نماز کی قضا واجب نہیں ہوتی ہے۔ ابو حنیفہ نے سکوت اختیار کیا۔

فرمایا۔ بتاؤ پیشاب زیادہ نجس ہے یا منی؟ عرض کی پیشاب کر اسے دو مرتبہ دھونا پڑتا ہے۔ فرمایا، پھر کیا وجہ ہے کہ پیشاب کے بعد صرف عضو کی طہارت کی جاتی ہے اور منی خارج ہونے کے بعد غسل کرنا پڑتا ہے؟ ابو حنیفہ نے معذرت کی۔ فرمایا، دیکھا تم نے کہ دین خدا میں قیاس کا کوئی امکان نہیں ہے۔ یاد رکھو! یہ احکام بھی خلافت عقل نہیں ہیں۔ اسلام کا ہر قانون عقل کے مطابق ہے اگرچہ تمہاری عقل کی ایجاد اور پیداوار نہیں ہے۔

قتل اور زنا کا فرق یہ ہے کہ زنا میں مجرم دو ہوتے ہیں اور قتل میں ایک۔ اس لیے وہاں چار گواہ درکار ہیں اور یہاں صرف دو۔

نماز اور روزہ کا فرق یہ ہے کہ روزہ سال میں ایک مہینے میں ترک ہوتا ہے اور نماز ہر مہینے میں۔ پھر روزہ کی قضا میں کاروبار حیات پر اثر نہیں پڑتا ہے اور نماز کی قضا سے سارا کاروبار مسئلہ ہو جاتا ہے اس لیے روزہ کی قضا واجب کر دی گئی ہے اور نماز کی قضا معاف کر دی گئی۔

پیشاب اور منی میں فرق یہ ہے کہ پیشاب شانہ سے خارج ہوتا ہے اس میں صرف عضو کی طہارت کافی ہے۔ اور منی سارے جسم کی طاقت کا پتہ ہے جس کا مادہ ہر حصہ جسم سے اخذ کیا جاتا ہے اس لیے اس میں غسل ضروری ہے۔

امام علیہ السلام نے ابو حنیفہ کی ناواقفیت کے اظہار کے ساتھ اسلامی احکام کے ان مصالح کی طرف بھی اشارہ کر دیا جن کی طرف عام انسانوں کے عقل و شعور کی توجہ کے امکانات نہ تھے اور آخری جواب میں یہ بھی واضح کر دیا کہ جب منی سارے جسم کے پتہ کا نام ہے تو انسان کا فرض ہے کہ عورت سے جنسی تعلقات قائم کرتے وقت اس نکتہ کو ذہن میں رکھے اور جسم کے کسی حصے کو بھی کسی اور کام میں مصروف نہ ہونے دے ورنہ اس طرف سے آنے والی طاقت کمزور ہو جائے گی اور اس کا اثر آنے والی نسل پر پڑے گا۔ ماں باپ کی ایک لڑکی غلطی اولاد کے لیے پوری زندگی کا مسئلہ بن جائے گی۔

عقل کے مطابق اپنی زندگی کا قانون مرتب کر لینا اور اس کے مطابق زندگی گزار لینا جس طرح کہ دنیا کے دوسرے نظاموں میں یہی صورت حال ہے کہ انسان ہی قانون بناتے ہیں اور انسان ہی عمل کرتے ہیں۔ مذہب اور دنیاوی نظام کا فرق ہی یہ ہے کہ مذہب کا قانون آسمان سے آتا ہے اور دنیا کا قانون انسان بناتے ہیں اب اگر مذہب کی قانون سازی بھی انسانوں کے حوالے کر دی گئی تو مذہب کا نام مذہب کیوں رہ جائے گا اس کا شمار بھی دنیا کے دوسرے عام قوانین میں ہو جائے گا۔

فقہ جعفری میں عقل بڑی اہمیت رکھتی ہے لیکن اس کا کام تعمیل احکام کی راہیں ہموار کرنا ہے احکام سازی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اگر شریعت میں وجوب یا حرمت کا قانون ذیل کے قواعد آزادی کا فیصلہ عقل ہی کرے گی اور یہ کہے گی کہ اب آپ پر عمل کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اگر شریعت میں یہ چیز واجب یا حرام ہوتی تو اس کے بیان کی ذمہ داری صاحب شریعت پر ہوتی اور صاحب شریعت کے بیان نہ کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ یہ شے واجب یا حرام نہیں ہے اور اب آپ کو مکمل اختیار ہے کہ جس کے واجب ہونے کا شبہ ہو رہا ہے اسے ترک کر دیں اور جس کے حرام ہونے کا شبہ ہے اسے اختیار کر لیں۔

اسی طرح اگر قانون شریعت میں اجمالی طور سے معلوم ہو جائے کہ سفر کی ایک منزل پر پہنچنے کے بعد نماز بہر حال واجب رہتی ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہے کہ اس منزل پر نماز قصر ہو جاتی ہے یا نہیں۔ تو یہ فیصلہ عقل ہی کرے گی کہ ایسے مقامات پر دونوں طرح کی نمازیں پڑھنا چاہئیں تاکہ یقین ہو جائے کہ جو ذمہ داری ہمارے سر آئی تھی ادا ہو گئی اور اب کوئی فریضہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔

قانون کی منزل میں شریعت مند ہے اور تعمیل کی منزل میں عقل۔ حکم دینا شریعت کا کام ہے اور عمل کی راہیں ہموار کرنا عقل کا کام ہے۔ اہل قیاس نے اس فرق کو محسوس نہیں کیا اور انہوں نے شریعت میں بھی عقل کی دخل اندازی کو مباح کر دیا جس کا نتیجہ ہوا کہ قوانین شریعت تماشائے نگاہ اور ہر شخص اپنی عقل، اپنی فکر اور اپنے خیال کے مطابق شریعت میں تحریف و ترمیم کرنے لگا۔

فقہ جعفری کی حقیقت

فقہ جعفری کو سمجھنے کے لیے حسب ذیل نکات کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے اس کے بغیر اس فقہ

یاد رہے کہ بعض علماء نے مذکورہ بالا واقعہ کو امام محمد باقرؑ کے حالات میں لکھا ہے لیکن مجھے اس موضوع سے کوئی بحث نہیں ہے میرا مقصد تو صرف یہ گزارش کرنا ہے کہ دین الہی میں عقل بشر کو دخل دینے کا حق نہیں ہے۔ مسلمان کا کام احکام پر عمل کرنا ہے احکام بنانا نہیں ہے۔ احکام کے سلسلے میں پروردگار نے رسولؐ اور آل رسولؑ کے ذریعہ دین کو کامل کر دیا ہے اور اب کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کا حل اسلام کے دامن میں نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ علماء تشیع نے آج تک قیاس کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھا اور استنباط احکام میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ ان کے پاس اہلیت طاہرینؑ کے ارشادات کا ذخیرہ موجود ہے اور اہلیت اس دور میں بھی جب مرسل اعظمؐ کے بعد نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے تھے اور انہوں نے مسائل کا حل کامل بیان کر دیا ہے اب کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کا حل ارشادات معصومینؑ میں موجود نہ ہو۔ تمک دامن اہلیت، ہی کا نتیجہ ہے کہ علماء امامیہ کو قیاس و استحسان جیسے مدارک کی ضرورت نہیں پڑی اور انہوں نے ساری زندگی احکام الہیہ کے سایہ میں گزار دی ہے۔

فقہ جعفری اور عقل

اس مقام پر یہ توہم نہ ہو کہ اسلام دین عقل ہے تو فقہ جعفری نے عقل کی اس قدر شدید مخالفت کیوں کی ہے۔ فقہ جعفری نے عقل کی مخالفت نہیں کی ہے۔ اس کو اپنے دائرہ میں رکھا ہے۔ دین جعفری میں اصول دین کا پورا کاروبار عقل ہی کے حوالہ ہے۔ توحید سے لے کر قیامت تک کا عقیدہ عقل کے ذمہ ہے اور ہر مقام پر عقل ہی کو فیصلہ کرنا ہے۔ اس عباد پر نبیؐ اور امامؑ کو کو بھی بولنے کا حق نہیں ہے وہ صرف راہ نمائی کر سکتے ہیں حکومت نہیں کر سکتے یہ میدان عقل کا میدان ہے اور کسی شخص کو دوسرے کے میدان میں قدم رکھنے کا حق نہیں ہے جس طرح کہ شریعت کا میدان نبیؐ اور امامؑ کا میدان ہے اس میں عقل دخل اندازی نہیں کر سکتی ہے۔

شریعت میں عقل کا کام فقط احکام کا تلاش کرنا اور اس کی تعمیل کے راستے ہموار کرنا ہے اور بس۔ احکام بنانا اس کا کام نہیں ہے ورنہ عقل اس اہم کام کو انجام دے سکتی تو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران کے اوصیاء اور اتنی کتابوں اور صحیفوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ ہر شخص اپنی

کا امتیاز اور اس کی عظمت سمجھ میں نہیں آسکتی ہے۔

۱۔ فقہ جعفری صرف امام جعفر صادق کی فقہ نہیں بلکہ تمام اہلبیت کرام کے احکام کا مجموعہ ہے۔
۲۔ اس فقہ کے علم، امام جعفر صادق ائمہ مذاہب کی طرح مجتہد نہیں تھے بلکہ پروردگار کی طرف سے احکام واقعی کے بیان کرنے والے تھے۔

۳۔ اہلبیت کرام سے ترک صرف ان کی ذاتی صلاحیت کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ حکم رسول اکرم کی بنا پر ہوتا ہے جس نے اس ترک میں نجات کی ذمہ داری لی ہے۔

۴۔ امام جعفر صادق حضرت مالک و ابو حنیفہ کے استاد تھے اور استاد کی فقہ کے ہوتے ہوئے شاگرد سے ترک کرنا خلاف عقل و انصاف ہے۔

۵۔ فقہ جعفری کا مدرک قرآن حکیم سیرت پیغمبر اور ارشادات اہلبیت طاہرین ہیں جنہیں قرآن کے ساتھ مفسر قرآن بنا کر پیغمبر اسلام چھوڑ گئے

۶۔ فقہ جعفری میں قیاس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۷۔ فقہ جعفری میں عقل کا کام تعمیل احکام کی راہ میں تلاش کرنا ہے، احکام سازی نہیں ہے۔

۸۔ ائمہ معصومین نے ہر دور میں حکومت الہیہ کے قیام کی کوشش کی ہے اور اس وقت تک خاموش نہیں ہوئے جب تک اس عمل کو ناممکن یا عارضی طور پر نامناسب نہیں خیال کیا۔

۹۔ فقہ جعفری میں قیاس کی ضرورت اس لیے نہیں پڑتی کہ نبی اکرم کے بعد نئے مسائل پیدا ہوئے تو حل کرنے والے اہلبیت طاہرین موجود تھے اور وہ گھر کے حالات سے بہتر طور پر واقف تھے۔

۱۰۔ فقہ جعفری کے اہم مدارک میں حدیث کے چار مجموعے ہیں :

۱۔ کافی محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ — ۱۶۱۹۰ حدیثیں

۲۔ من لایحضرہ الفقیہ۔ محمد بن علی بابویہ متوفی ۳۵۱ھ — ۵۹۶۳ حدیثیں

۳۔ تہذیب۔ محمد بن الحسن الطوسی متوفی ۳۶۶ھ — ۱۳۵۹ حدیثیں

۴۔ استبصار۔ محمد بن الحسن الطوسی متوفی ۳۶۶ھ — ۵۵۱۱ حدیثیں

اس کے علاوہ احادیث کے اور مجموعے بھی ہیں جن کے ہوتے ہوئے جدید ترین مسائل میں بھی قیاس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، قیاس کی ضرورت ان مسلمانوں کو پڑتی ہے جن کے عملات

میں سے مکرر احادیث نکال دینے کے بعد صحیح مسلم میں چار ہزار کے قریب اور صحیح بخاری میں اس سے بھی کم حدیثیں باقی رہ جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اتنے مختصر مجموعے سے اتنے اہم مسائل حل نہیں کیے جاسکتے اور پھر اگر ان میں سے بھی ضعیف اور غیر مستبرک روایتیں الگ کر دی جائیں تو شریعت کی دنیا میں قیاس کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہ جاتا ہے۔

فقہ جعفری اور اہم

فقہ جعفری کے خصوصیات، امتیازات اور اس کی حقانیت و برتری کا جائزہ لینے کے بعد ایک نظر اپنے حال زار پر ڈالنا بھی ضروری ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ جس فقہ جعفری کی بقا کے لیے ہم نے قربانیاں دی ہیں اور جس کی نسبت سے قوموں کے درمیان ہم نے اپنا امتیاز قائم کیا ہے۔ اس سے ہمارا ارشہ کیا ہے؟

یاد رکھیے فقہ قانون بندگی و زندگی کا نام ہے۔ فقہ رضائے الہی کی تحصیل کا ذریعہ ہے۔ فقہ انسانی زندگی کا نظام ہے۔ کوئی انسان اپنی اسلامی زندگی علم فقہ کے بغیر نہیں گزار سکتا ہے اور کسی شخص کے لیے رضائے الہی کی تحصیل فقہ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ تو کیا ہم اپنی پوری زندگی کا جائزہ لے کر بتا سکتے ہیں کہ ہم نے دین کے حلال و حرام، واجب و مستحب، جائز و ناجائز، ظاہر و خفیہ کو دریافت کرنے کے لیے زندگی کا کتنا وقت صرف کیا ہے اور اس راہ میں کتنا سرمایہ خرچ کیا ہے؟

فقہ جعفری ہم سے دعوت و اجتماع اور جلسہ و جلوس کا مطالبہ نہیں کرتی۔ احکام خدا کے مطابق زندگی گزارنے کا مطالبہ کرتی ہے اور اس سلسلے میں ہماری کارکردگی صرف کے برابر ہے۔

ہم نے گھر کی تعمیر، فرنیچر کی فراہمی، دیواروں کے رنگ و روغن، عورتوں کے زیورات، راحت پسند زندگی، ریڈیو، ٹی۔وی، سی۔آر جیسے مہلات پر لاکھوں کا سرمایہ خرچ کیا ہے اور کسی ایک عالم کو بٹھا کر اپنی عبادات کی تصحیح، اپنے اعمال کی صحت کے لیے دس روپے بھی خرچ نہیں کیے ہیں۔

اپنے بچوں کی دینی تعلیم کے لیے مدرسے میں کرنے کا تصور بھی نہیں کیا اور اگر کسی سوچا ہے تو صرف یہ کہ بچوں کو قرآن شریف اور دینیات کی پہلی کتاب پڑھا دی جائے، فقہ آل محمد کا حتی ادا ہو جائے اور اس معلوم ہوتا ہے کہ دین کے جملہ عبادات، معاملات، تجارت، زراعت و ملازمت، سیاست،

اقتصادیات، اجتماعیات، اخلاقیات سب دینیات کی پہلی کتاب میں موجود ہیں۔ یادین آل محمد صرف آٹھ ورق کی کتاب کا نام ہے کہ ہر شخص اپنے بچوں کو ایک کتاب پڑھا کر خوش ہو گیا کہ اس نے فقہ جعفری کا حق ادا کر دیا ہے اور دس پیسے میں جنت خرید لی ہے جیسا کہ خود اپنے ہاتھ میں سوچا ہے کہ اصول دین اور فروغ دین کو زبانی یاد کر لیا اور فقہ آل محمد کا حق ادا ہو گیا۔

یاد رکھیے ہماری ساری زندگی ہلے بھلے کار اور بے مصرف ہے۔ اگر ہم نے زندگی کے ایک ایک قدم کے لیے قانون شریعت دریافت نہیں کیا اور اس کے مطابق زندگی نہیں گزاری۔ صادق آل محمد کی نظر میں دینی احکام کا معلوم کرنا اس قدر اہم ہے کہ آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص میرے اصحاب کو کوڑے مار کر انھیں علم دین حاصل کرنے پر آمادہ کرے تو مجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ مجھے بے خبر اور بے عمل قسم کے چاہنے والے درکار نہیں ہیں، مجھے مولا اور آقا کہنے والوں کی ضرورت نہیں مجھے باعمل مخلصین درکار ہیں اور صاحبان معرفت اصحاب۔

علامہ طبرسی تحریر فرماتے ہیں کہ امام زمانہ کے ظہور کے بعد حضرت جوطرز حکومت اختیار فرمائیں گے اس کا انداز یہ ہوگا کہ اگر کوئی بیس سال کا جوان علم دین اور احکام شریعت سے بے خبر پایا گیا تو اسے فی الفور تہ تیغ کر دیں گے۔ اس وقت مدرسہ قائم کر کے پڑھانے کا سلسلہ نہ ہوگا بلکہ بے خبری کی سزا کا سلسلہ قائم ہوگا۔ زمانہ غیبت زمانہ اہمیت ہے جسے ہوش میں آنا ہے وہ آجائے۔ اس کے بعد انجام بہت خراب ہے۔ انھیں اس بات کی فکر نہ ہوگی کہ ہم انھیں کیا کہتے ہیں اور کیا مانتے ہیں۔ انھیں صرف اس بات کی فکر ہے کہ ان کے دین، مذہب، مقصد اور احکام کے ساتھ ہمارا سلوک کیسا ہے اور ان کی فقہ کو ہم نے کس قدر دریافت کیا ہے اور کس طرح عمل کیا ہے۔ ہمارے فوجوان جو صبح سے شام تک اپنے خیال میں مولا کے خوش کرنے کا انتظام کرتے ہیں اور طریقہ وضو و غسل اور انداز نماز سے بھی باخبر نہیں ہیں۔ کیا یہ نہیں سمجھتے کہ آنے والا خوشامد پسند اور شہنشاہ نہیں ہے وہ دین کا ذمہ دار ہے۔ اسے نام کی فکر نہیں ہے کام کی فکر ہے۔ وہ خود مختار نہیں ہے بسندہ پروردگار ہے کیا یہ فوجوان اس ذوالفقار حیدری کا احساس نہیں رکھتے جو امام کے ساتھ ایسے تمام بے خبر اور بے عمل افراد کا فیصلہ کرنے آ رہی ہے۔

عزیزو! موقع غیبت ہے۔ وقت باقی ہے۔ غیبت کے زمانہ کو اک ہمت کا زمانہ تصور

کر و اور اپنے دین کا علم حاصل کر و اپنی نسل کو ان کا دین سکھاؤ۔ راحت طلب زندگی کا اثنا ذفرخت کر کے علم دین پر صرف کرو۔ قبریں صوفیست، زیورات اور ٹی۔ وی نہیں ہائے گا۔ قبریں علم دین ہی کام آئے گا۔ مرکزی لائٹ یہاں کے لیے ہے وہاں کے لیے صرف احکام دین کی روشنی کام آنے والی ہے۔

ربت کریم سے التماس ہے کہ ہمیں اور ہماری بے خبر اور بے عمل قوم کو علم و عمل کی توفیق عنایت فرمائے اور ہمیں یہ موقع عطا کرے کہ ہم امام عصر کی ذوالفقار سے قتل ہونے کے بجائے ان کے انصار میں شامل ہو جائیں۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔

نقش

حیاتِ امام موسیٰ بن جعفرؑ

ولادت: ۷ صفر ۱۲۸ھ

شہادت: ۲۵ رجب ۱۸۳ھ

نقشِ زندگی امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام

ماہ صفر ۱۲۸ھ کی ساتویں تاریخ تھی۔ امام جعفر صادقؑ مع اپنی اہلیہ محترمہ جناب حیرہ خاتون حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تھے اور واپسی میں مکہ و مدینہ کے درمیان مقام الراء میں مقیم تھے کہ امام موسیٰ کاظمؑ کی ولادت باسعادت ہوئی جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ائمہ طاہرینؑ ایسے اوقات میں بھی سفر حج کو نظر انداز نہیں فرماتے تھے جب گھر میں ولادت میں صرف دو مہینے باقی رہ گئے تھے اور سفر بھی اُس دور کا سفر تھا جب آج جیسے وسائل یقیناً فراہم نہیں تھے اور تقریباً ۱۰۰۰ کیلومیٹر کا فاصلہ اونٹوں کے ذریعے طے کرنا ہوتا تھا اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جس قدر اس سفر اور عمل کی اہمیت ائمہ طاہرینؑ کی نگاہ میں تھی اسی قدر ان کی ازواج مطہرات کی نگاہ میں بھی تھی ورنہ ان حالات کا لحاظ کر کے معذرت کر لیتیں اور سفر کو آئندہ سال کے لیے ملتوی کر دیتیں جو دور حاضر کا عام طریقہ کار ہے۔

بلکہ ہمیں سے یہ سلسلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ ازواج ائمہ معصومینؑ بھی حج بیت اللہ کے لیے جاتی تھیں یا نہیں اور اس فریضہ کا تعلق صرف مردوں سے ہے یا عورتوں سے بھی ہے۔ یقیناً حج ایک ایسی عبادت ہے جس میں عین طرح کی استطاعت کی شرط ہے۔ مالی استطاعت، بدنی استطاعت اور راستگی استطاعت۔ اگر بعض ازواج مطہرات کی زندگی میں حج کا تذکرہ نہیں ہے تو عین ممکن ہے کہ یہ ان کی عدم استطاعت کا نتیجہ ہو جس طرح کہ بے شمار مومنین غلصین عدم استطاعت کی بنا پر اس سعادت سے محروم رہ جاتے ہیں اور اس کا کوئی تعلق مرد اور عورت کے فرائض کی تفریق سے نہیں ہوتا ہے ورنہ استطاعت اور وجوب کے بعد حج نہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

جناب حمیدہ کا بیان ہے کہ میرے فرزند نے ولادت کے بعد رُخ آسمان کی طرف کیا اور زبان پر کلمہ شہادتین جاری کیا جو اس سے پہلے کے معصومین کے آغاز حیات کا طریقہ کار

رہا ہے اور آپ کے دہنہ بازو پر یہ آیت کدہ تھی،

”تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا“

آپ کا اسم گرامی موسیٰ قرار پایا اور مشہور لقب کاظم ہوا جس کے معنی غصہ کو پنی جانے والے کے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس لقب کی ایک مصلحت یہ بھی ہو کہ پیغمبران اولوالعزم میں جس موسیٰ کا ذکر آتا ہے ان کی صفت قرآن مجید نے ”غضبان“ بیان کی ہے تو قدرت نے جاہک ایک موسیٰ کاظم بھی پیدا ہو جائے تاکہ دونوں طرح کے الہی کردار ملنے آجائیں اور تاریخ نبوت امامت سے یہ فرق بھی واضح ہو جائے کہ اگر قبر و جلال کا مرقع دیکھنا ہو تو نبی موسیٰ کو دیکھو اور اگر علم و تحمل پروردگار کا نمونہ دیکھنا ہو تو امام موسیٰ کو دیکھو۔

نام موسیٰ میں ایک مصلحت الہی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ کے قاتل کا نام ہارون تھا تو قدرت نے روز اول واضح کر دینا چاہا کہ انسان ناموس کے فریب میں نہ آئے اور کردار پر مکمل نگاہ رکھے۔ در نہ یہی ہارون ایک وقت میں موسیٰ کا ہمزاد و دساز، معاون و مددگار بھی ہو سکتا ہے اور دوسرے وقت میں ایک موسیٰ کا قاتل بھی ہو سکتا ہے۔ اصلی اور نقلی، حقیقی اور جعلی میں یہی واقعی فرق ہے اور شاید یہی راز تھا کہ جناب موسیٰ نے جناب ہارون کے وزیر بنانے کی درخواست پروردگار سے کی تھی کہ پروردگار ہارون کو وزیر بنائے گا تو وہ ہارون صاحب ایمان اور نیک کردار ہوگا اور انسان کسی ہارون کو بادشاہ اور خلیفہ بھی بنائے گا تو وہ نالائق اور نااہل ہی رہے گا۔ حقیقہ نے ایک موقع پر اس مضمون کو اس طرح نظم کیا تھا:

دنیا کا امن لوٹ کے مامون بن گئے دولت سیٹی اتنی کہ قارون بن گئے
ان بندگان زر کی میاست تو دیکھیے موسیٰ کو زہرے کے بھی ہارون بن گئے
آپ کے دوسرے القاب میں عبد صالح، صابر، امین اور باب الحوائج وغیرہ زیادہ شہرت رکھتے ہیں۔ کنیت ابو الحسن الادنی، ابو ابراہیم، ابو الحسن الماضی، ابو علی، ابو اسماعیل وغیرہ۔

باب الحوائج کی تفسیر یوں بیان کی جاتی ہے کہ آپ کے روزِ مبارک سے برابر آن تک ہجرت اور کرامات کا ظہور ہو رہا ہے اور بعض اہل قلم نے تو ان واقعات کو جمع کر کے مکمل کتابیں بھی تالیف کر دی ہیں اور معنی مشاہدین کے بیان کے مطابق ان کرامات کو جمع کیا ہے اور حقیقت امر یہ ہے کہ

بندوں میں ان نوح ریز واقعات کے بعد جن میں وجہ کا پانی کئی دن تک رنگین رہا۔ مذہب تشیع کا باقی رہ جانا بھی امام موسیٰ بن جعفر کی ایک زندہ کرامت ہے جس سے کسی قیمت پر انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مصائب تو آپ کی زندگی میں بھی آتے ہی رہے لیکن جس طرح کل کے مصائب سے سلسلہ امامت نہیں منقطع ہو سکا تھا اسی طرح بعد کے مصائب سے سلسلہ مذہب اہلبیت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکا اور امام شافعی کا یہ ارشاد صحیح ثابت ہوا کہ قبر موسیٰ کاظم ایک تریاقِ مجرب ہے۔

آپ کی ولادت مروان الثمار کے دور حکومت ۱۲۸ھ میں ہوئی۔ تین سال کے بعد اس کی آبائی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور بنی عباس کا پہلا بادشاہ سفاح تخت نشین ہوا۔ ۱۳۶ھ سے ۱۳۷ھ تک اس کا دور حکومت رہا۔ ۱۳۶ھ میں منصور دوایقی حاکم بنا جس نے ۱۳۷ھ میں امام جعفر صادق کو زہر دیا جس سے شہید کرادیا اور ۲۰ سال کی عمر سے امام موسیٰ کاظم کا دور قیادت شروع ہوا۔ ۱۳۷ھ میں منصور کی جگہ پر ہمدی عباسی آیا جس نے دس سال حکومت کی اور ۱۳۷ھ میں اس کی جگہ ہادی کو ملی جو ایک سال سے زیادہ زچل سکا اور پھر ۱۳۸ھ میں ہارون تخت نشین ہو گیا۔ جس نے ۱۳۸ھ میں امام موسیٰ کاظم کو زہر دے کر شہید کرادیا جس وقت آپ کی عمر مبارک ۵۵ سال کی تھی جس میں سے ۲۰ سال والدین کے زیر سایہ گزرے اور ۳۵ سال اپنے دور میں قیادت امت کے زہر دار رہے۔

● آپ کے بچپن کے کمالات میں ایک واقعہ یہ ملتا ہے کہ صفوان جمال نے آپ کو گھر سے اس عالم میں نکلنے دیکھا کہ ہاتھ میں بکری کے بچے کے کان تھے اور اس سے سجدہ رب کا تقاضا کر رہے تھے اور گویا صفوان کو متوجہ کر رہے تھے کہ ہم اہلبیت کی شان یہ ہے کہ جانور بھی ہماری طرف منسوب ہو جاتے ہیں تو ہم ان سے سجدہ رب کا تقاضا کرتے ہیں اور اس کے بغیر اپنا بنانا گوارا نہیں کرتے ہیں صفوان نے عرض کی کہ اگر آپ اس سے سجدہ کر سکتے ہیں تو اسے مرنے کا حکم بھی دے سکتے ہیں! آپ نے فرمایا کہ صفوان موت و حیات خدا کے اختیار میں ہے۔ ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ گویا آپ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ انسان کو اپنے فرائض کی فکر کرنی چاہیے۔ امور خداوندی میں دخل امتدازی شانِ عبادت کے خلاف ہے اور اس سے انسان کسی وقت بھی موزدِ محتاب ہو سکتا ہے۔ یہ واقعہ آپ کی تین برس کی عمر کا ہے۔ (ہمار)

● عمر مبارک پانچ برس تھی جب ابوحنیفہ امام جعفر صادق سے مسئلہ جبر و اختیار پر بحث کرنے کے

لیے آئے تو آپ نے والد بزرگوار سے پہلے مہمان کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سلاطین کی صورتیں ہیں کیا تو عمل بندوں کے اختیار سے ہوتا ہے یا خدائی جبر سے وقوع پذیر ہوتا ہے یا دونوں کی شرکت رہتی ہے۔ اگر عمل بندوں کے اختیار سے ہوتا ہے تو یہ آپ کے نظریہ کے خلاف ہے، اور اگر خدائی جبر یا شرکت سے ہوتا ہے تو قانونی طور پر اسے عذاب کا بھی ذمہ دار یا شریک بنا چاہیے لیکن ایسا نہیں ہے تو اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ بندہ خود اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور خدا پر ان اعمال کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ (بخاری - امالی سید مرتضیٰ)

حقیقت امر یہ ہے کہ عقیدہ جبر جابر سلاطین کی ایک ایجاد ہے جو ایسے عقائد کے ذریعہ اپنے جرائم کی پودہ پوشی کرنا چاہتے تھے اور ان کا مقصد یہ تھا کہ عوام ہمیں مجبور محض سمجھ کر ہم سے ہمارے جرائم کا محاسبہ نہ کریں ورنہ ہمارا زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔

حضرت ابو حنیفہ اس واقعہ سے بے حد متاثر ہوئے اور انھیں اپنی توہین کا احساس ہو گیا اور اس کے انتقام کی فکر میں لگ گئے۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام موسیٰ کاظم کو اسی زمانہ میں ایسی جگہ نماز پڑھتے دیکھ لیا جہاں سنانے سے لوگ گزر رہے تھے تو فوراً امام جعفر صادق سے شکایت کر دی۔ آپ نے فرزند سے شکایت کو بیان کر کے جواب کا مطالبہ کیا۔ امام کاظم نے عرض کی کہ میرا خدا رک گردن سے زیادہ قریب ہے۔ لہذا راہ گیر میرے اور اس کے درمیان حائل نہیں ہو سکتے ہیں۔ (مناقب)

یہ جواب درحقیقت اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ جب انسان کا ذہن جلال و جمال پر کوئی نہیں ہوتا ہے اور توجہ کے ہٹ جانے کا خطرہ ہوتا ہے تو ایسے مقامات پر نماز کا پڑھنا مکروہ ہو سکتا ہے لیکن اگر خدا رک گردن سے زیادہ قریب تر ہو جائے اور نگاہ میں جلوہ ربوبیت کے علاوہ کوئی جلوہ نہ سما سکے تو ایسی نمازیں کوئی کمزوری نہیں ہے اور یہی امت اور امامت کی عبادتوں کا نمایاں فرق ہے۔

● دوسرے موقع پر ابو حنیفہ امام صادق سے ملنے کے لیے آئے اور اس فرزند کو دیکھ لیا تو عملی طور پر شکست دینے کے لیے ایک عجیب و غریب قسم کا سوال کر لیا کہ اگر کوئی مسافر آپ کے شہر میں آجائے تو قتلے حاجت کے لیے کہاں جائے؟ فرمایا کہ مکان کی دیواروں کی پشت

کا سہارا لے، ہمسایہ کی تنگناہوں سے اپنے کو بچائے۔ نہروں کے کنارے سے رہیز کرے۔ جن مقامات پر درختوں کے پھل گرتے ہیں وہاں نہ بیٹھے۔ مکانوں کے صحن سے الگ، شاہراہوں اور راستوں سے الگ، مسجدوں کو چھوڑ کر، قبلہ کے استقبال اور استہبار سے بچ کر اور اپنے کپڑوں کو سنجال کر جہاں چاہے بیٹھ سکتا ہے۔ ابو حنیفہ یہ سن کر بہوت ہو گئے اور ان کے ساتھی عبد اللہ بن مسلم نے کہا کہ میں نے نہ کہا تھا کہ خاندان رسالت کے بچے بھی عام بچوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ (بخاری - مناقب)

● اسی دور کسبی میں امام صادق نے چاہا کہ لوگوں کے سامنے اپنے فرزند کے کمالات کو نمایاں کریں تو آپ نے ایک مرتبہ فرمایا بیٹا! ذرا اس مصرع پر مصرع تو لگاؤ،

تَخَّ عَنْ الْقَبِيحِ وَلَا تُرِدْهُ

آپ نے عرض کی: وَمَنْ أَوْلَيْتُمْ حَسَنًا فَرِحْنَا

پھر آپ نے فرمایا کہ: سَتَلْفِي مِنْ عَدُوِّكَ كُلِّ كَيْفٍ

عرض کی: إِذَا كَاذَ الْعَدُوِّ فَلَا تُكِيدُهُ

حقیقت یہ ان مصرعوں کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

امام صادق — بڑائیوں کا نہ ہرگز کبھی ارادہ کرو۔

امام کاظم — کرو جو خیر تو کچھ اور بھی زیادہ کرو۔

امام صادق — یہ مانا دیکھو گے تم دشمنوں کے کرو فریب۔

امام کاظم — نہ اختیار مگر تم کبھی یہ جاہد کرو۔

● شکستہ میں امام صادق کی شہادت سے آپ کے دور قیادت و مصیبت کا آغاز ہوتا ہے۔

امام صادق علیہ السلام کو معلوم تھا کہ بچے زہر دینے والا منصور میری اولاد کے ساتھ کیا برتاؤ کرے گا۔ چنانچہ آپ نے اپنے اس سوال کے بارے میں ایک وصیت نامہ تیار کیا جس میں پانچ افراد کو ذمہ دار قرار دیا: (۱) منصور و داہیقی (۲) سلیمان حاکم مدینہ (۳) عبد اللہ فطخ فرزند امام صادق (۴) امام موسیٰ کاظم (۵) اور (۵) جناب حمیدہ۔

امام کی شہادت کے بعد منصور نے حاکم مدینہ کو خط لکھا کہ ان کے وصی کو گرفتار کر کے قتل

کرد۔ اس نے وحی کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وصیت نامہ میں اس کا اور حضور کا نام بھی ہے تو اس نے
معدت کر لی اور امام کی سیاست الہیہ کا پلا مرقع منظر عام پر آ گیا۔

● اس کے بعد ہمدی عباسی نے براۓہ قتل آپ کو مدینہ سے طلب کیا تو راستہ میں منزل زبالہ
پر ابو خالد سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے گرفتاری کا منظر دیکھ کر اظہارِ افسوس کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں
غلام تاریخ کو واپس آؤں گا۔ چنانچہ جب حمید بن قحطیبہ کو قتل پر مامور کیا گیا تو ہمدی نے جناب امیر
کو خواب میں دیکھا کہ اسے قتل کر دینا چاہتے ہیں اور اس نے بیدار ہو کر فوراً حمید کو قتل سے روک دیا
اور آپ حسب وعدہ مقررہ تاریخ پر زبالہ واپس پہنچ گئے اور فرمایا کہ ابو خالد اس کے بعد جب بارہ
گرفتار کیا جاؤں گا تو واپسی کا کوئی امکان نہ ہوگا اور میری قبر بغداد ہی میں بنے گی۔ اسی ہمدی بن ہنوف
نے بطور رد مظالم فدک کی واپسی کا ارادہ کیا تھا، تو آپ نے پورے ملک اسلامی کے حدود میان
کر شیہ تھے کہ فدک باغ نہیں ہے یہ اسلامی حکومت کا استعارہ ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی رائے بدل دیا
کہ ظالم کسی نہیں چھوڑ سکتے ہیں بلکہ دین و دنیا سب کچھ چھوڑ سکتے ہیں۔

بارون رشید اگرچہ علم دوست شہور ہو گیا ہے لیکن انتہائی عیاش اور دشمن سادات تھا۔
عیاشی کا یہ عالم تھا کہ خود اپنے باپ کی مدخولہ کنیز سے جماع کیا اور ابویوسف نے یہ فتویٰ بھی دے دیا
کہ اگر وہ اپنے کو مدخولہ کہتی ہے تو اس کے بیان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

دوسری کنیز سے خریدنے کے بعد فوراً جماع کرنا چاہا تو کسی نے اعتراض کر دیا کہ شریعت پیغمبر
میں ایک حیض تک انتظار کرنا ضروری ہے۔ اس نے امام ابویوسف کو ایک لاکھ درہم سے کر یہ فتویٰ
حاصل کر لیا کہ یہ قانون خریداری کا ہے۔ آپ اپنے فرزند کو ہیرے کے پھر دوبارہ اس سے ہیرے کر لیں۔ یہ
میں انتظار کی ضرورت نہیں ہے اور اس طرح ابویوسف کو دولت کی لذت مل گئی اور بارون کو عورت
کی لذت حاصل ہو گئی اور شریعت پیغمبر آفسو بہاتی رہ گئی۔

سادات کشی کا یہ عالم تھا کہ سلسلہ میں نفس زکیہ کے بھائی عبد اللہ کو زندہ دیوار میں چنوا دیا۔
قرحین پر جو بیری کا درخت تھا اسے کوڑا دیا جس کے بارے میں رسول اکرم نے فرمایا تھا کہ خدا بیری
کا درخت کاٹنے والے پر لعنت کرے۔ (جلال السیون)

● طوس میں حمید بن قحطیبہ کو قتل سادات کا حکم دے دیا اور اس نے ایک وقت میں ساٹھ

سادات کو ذبح کر دیا۔

● سلسلہ میں رقیہ بنت اللہ کے پہلے مکہ و مدینہ کا سفر کیا اور دوسرے امام کو قتل کرنے کے
پہلے تلاش کیے لیکن ناکام ہو گیا۔ ایک مرتبہ حضرت سے فرزند رسول ہونے کی دلیل کا مطالبہ
کیا جب کہ عام طور پر اولاد نبیوں کے ذریعہ چلا کرتی ہے تو آپ نے ایک طرف جناب عیسیٰ کے ذریعہ بتایا
میں ہونے کا حوالہ دیا اور دوسری طرف آیت مباہلہ کی تلاوت کی اور بارون قتل کا ہمارا تلاش کر سکا۔
● دوسری مرتبہ مدینہ میں قبر پیغمبر کو بیان الہم کہہ کر سلام کیا تو امام نے یا ابتکہ کہہ کر سلام کر دیا
جس پر حکومت سے مقابلہ کرنے کے جرم میں گرفتار کر کے بغداد لے آیا لیکن خواب میں جناب امیر
کو غضب ناک شکل میں دیکھ کر آزاد کر کے مدینہ واپس کر دیا اور قتل نہ کر سکا۔

ان تدبیروں سے عاجز آ کر قید خانہ میں ایک حسین و جمیل عورت کو بیچ دیا تاکہ زنا کا الزام
لگا کر قتل کر اسکے لیکن جب نگران افراد نے قید خانہ کا جائزہ لیا تو عورت کو سجدہ میں پایا اور پھر
اس نے بیان کیا کہ میں یہاں آئی تو میں نے دیکھا کہ یہ عمو مناجات ہیں اور ادھر سے لیک کی آوازیں
آ رہی ہیں تو میں نے سوچا کہ عبادت کا اس سے بہتر موقع نہیں ہو سکتا ہے چنانچہ جناب مجھے صرف
سجدہ ہی میں لطف آتا ہے۔ (مناقب)

● اپنی زندگی کے تحفظ کے ساتھ امام علیہ السلام حتی الامکان دوستوں کی زندگی کا بھی تحفظ
کرتے رہے۔ چنانچہ اسی پر دو گرام کے تحت اپنے ایک مخلص علی بن یقین کو بارون کا وزیر بنوا دیا
اور جب انھوں نے خلعت شاہی امام کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا تو اسے واپس کر دیا اور فرمایا کہ
تمہیں اس کی ضرورت نہ ہو سکتی ہے اور یہی ہوا کہ جب لوگوں نے بارون سے شکایت کی کہ یہ سارا
سامان امام موسیٰ کاظم کو بھیج دیتے ہیں تو اس نے فوراً تلاش لی اور خلعت مل گیا تو علی بن یقین کو
انعام دیا اور شکایت کرنے والے کو ہزار کوڑوں کی سزا دی جس میں پانچ سو کوڑوں ہی میں وہ
داخل جہنم ہو گیا۔ (نور الابصار)

● دوسرے موقع پر علی بن یقین نے پیروں کے مسج کے بارے میں سوال کیا کہ اوپر سے نیچے
ہو یا نیچے سے اوپر ہے۔ تو آپ نے پورا اہلسنت کا طریقہ وضو لکھ کر بھیج دیا اور ابن یقین نے
اسی طرح وضو شروع کر دیا یہاں تک کہ لوگوں نے پھر بارون سے شکایت کی کہ یہ خبیث ہیں اور

اس نے چھپ کر ابن یقین کا دفن دیکھا تو انھیں انعام دیا اور دشمنوں کو سخت سزا کا حکم لے دیا جس کے دور روز کے بعد حضرت کا حکم آیا کہ تقیر کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اب اسی طرح وضو کرو جس طرح داتا احمدی سے۔ (مناقب)

ہارون تمام تدبیروں سے عاجز ہو گیا تو اپنے وزیر یحییٰ برکی کے مشورہ سے محمد بن اسماعیل کو مدینہ سے بغداد طلب کیا کہ ان کے ذریعہ امام کے قتل کا انتظام کرے۔ محمد امام سے اس لیے بظن تھے کہ ان کے والد اسماعیل کی امامت نہیں چل سکی تھی چنانچہ مدینہ سے رخصت ہوتے وقت امام سے ملنے کے لیے آئے تو آپ نے چار سو دینار اور ۱۵۰ درہم دے کر فرمایا کہ میں تمہارے قرض کو ادا کر سکتا ہوں اور تمہاری کفالت کر سکتا ہوں۔ بغداد جانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر جاتے ہو تو خبردار! میرے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین نہ کرنا۔ لیکن اس کے بعد بھی محمد نے بغداد پہنچ کر ہارون سے شکایت کی کہ مدینہ میں موسیٰ کاظم کی حکومت چل رہی ہے اور ایک نیام میں ردو لکھا نہیں ہو سکتی۔ جس پر ہارون نے محمد کو دو لاکھ درہم بطور انعام دیے اور انھیں رخصت کر دیا لیکن قدرت کا یہ انتظام اور انتقام تھا کہ محمد دوسرے ہی دن دنیا سے چل بسے اور وہ دینار کام نہ لے سکے بلکہ اس کے رخصلات آتش جہنم کا انتظام ہو گیا۔

ہارون ان خبروں سے اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً حج کا ارادہ کر لیا اور مدینہ پہنچ کر حضرت کو ۶۰ شوال ۱۹۵ھ کو عین حالت نمازیں گزارا کر لیا اور گھر والوں سے رخصت بھی نہ ہونے دیا اور بصرہ روانہ کر دیا۔ ایک ماہ ۱۰ روز کے طویل سفر کے بعد ۲۰ رزی الحج کو حضرت بصرہ پہنچے اور آپ کو وہاں قید کر دیا گیا اور ایک سال قید میں رکھا گیا۔ امیر بصرہ ہارون کا چچا زاد بھائی عیسیٰ بن جعفر تھا اس نے سفارش لکھی کہ یہ بندہ خدا صرف عبادت میں مصروف رہتا ہے اسے آزاد کر دے تو اس نے امام کو بغداد طلب کر کے فضل بن ریح کے قید خانہ میں رکھ دیا۔ وہاں فضل بھی حضرت کے کردار سے متاثر ہو گیا تو سندی بن شاہک ملعون کو نگران بنا دیا اور اس نے زہر سے حضرت کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ اس حالت میں کہ آپ طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے تھے اور اس کے بعد جنازہ بھی حائلوں کے حوالے کر دیا۔ لیکن جس پر بغداد پر سلیمان نے توفیق کیا اور جنازہ کو احترام سے دفن کر دیا۔ امام علی رضا نے باعجاز مدینہ سے بغداد آکر امام کی تجرید و تکفین کے فرائض انجام دیے۔ امام کی شہادت ۲۰ شوال ۱۹۵ھ

کو واقع ہوئی ہے۔ آپ کو بغداد میں دفن کیا گیا ہے جسے دور حاضر میں کاظمین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ازواج و اولاد

آپ کی اولاد کی تعداد کے بارے میں علماء کرام کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ابن شہر آشوب نے ان کی کل تعداد تیس بتائی ہے۔ صاحب عدۃ الطالب نے اسے بڑھا کر ساٹھ بنا دیا ہے جن میں ۲۷ لڑکیاں ہیں اور ۲۳ لڑکے۔ شیخ مفید کا ارشاد ہے کہ ان کی کل تعداد ۲۷ ہے۔ ۱۸ فرزند اور ۱۹ لڑکیاں۔ ان سب کے اسما گرامی یہ ہیں:

حضرت علی بن موسیٰ الرضا، ابراہیم، عباس، قاسم، اسماعیل، جعفر، ہارون، حسن، احمد، محمد، حمزہ، جواد اللہ، اسحاق، عبید اللہ، زید، حسین، فضل، سلیمان، فاطمہ کبریٰ، فاطمہ صغریٰ، رقیہ، حلیمہ، ام ایہیا، رقیہ صغریٰ، کلثوم، ام جعفر، لبانہ، زینب، خدیجہ، آمنہ، حسنہ، برہہ، عباس، ام سلمہ، میمونہ، ام کلثوم۔

آپ کی نسل مبارک کا سلسلہ تیرہ اولاد سے جاری ہوا ہے جن میں چار کی اولاد سب سے زیادہ ہے امام علی رضا، ابراہیم، محمد باقر، جعفر۔ آپ کے چار بیٹے ایسے ہیں کہ جن کی اولاد نہ بہت زیادہ اور نہ بہت کم ہے۔ زید النار، عبید اللہ، عبید اللہ، حمزہ (احسن المقال جلد ۱ صفحہ ۱۳۲)

پانچ فرزندوں کی اولاد قدرے کم تھی۔ عباس، ہرون، اسحاق، حسین، حسن۔ واضح رہے کہ سید شریف رضی جنہوں نے مولائے کائنات کا کلام نوح البلاغ کی شکل میں جمع کیا ہے اور سید شریف مرتضیٰ جو علم الہدیٰ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں اور اپنے دور کے بہترین حکم و مانتظر تھے۔ یہ دونوں حضرات بھی امام موسیٰ کاظمؑ کی اولاد میں ہیں اور ان کی قبریں بھی کاظمین ہی میں ہیں۔

شیرازی حضرت شاہ چراغ سید احمد جن کا مراد مرجع خلائق بنا ہوا ہے اور لوگ برابر زیارت کے لیے آتے ہیں اور اپنی مرادیں حاصل کرتے ہیں یہ بھی امام موسیٰ کاظمؑ ہی کی اولاد میں ہیں جو حضرت کی نگاہ میں بے حد عزیز اور محبوب تھے اور جنہوں نے راہ خدا میں ایک ہزار عظام آزاد کیے تھے۔ ان کی

قرنِ مخفی تھی لیکن بادشاہ وقت تلاش میں نکلا تو ایک روشنی دکھائی دی جس کو دیکھ کر لوگوں نے توجہ دلائی کہ شاہ! چراغ نظر آ رہا ہے شاید کوئی آبادی ہے جس کی بنا پر ان کا لقب شاہ چراغ ہو گیا۔ انہیں کے روضہ کے قریب ان کے ایک بھائی سید محمد کا روضہ بھی ہے جنہیں کثرت عبادت کی بنا پر سید محمد ماہد کہا جاتا تھا۔

تہران میں شاہ عبدالعظیم کے روضہ کے برابر جناب حمزہ کا روضہ ہے جن کی زیارت خود حضرت شاہ عبدالعظیم بھی اپنے دور حیات میں کیا کرتے تھے اور وہ بھی امام موسیٰ کاظم کے ایک فرزند تھے اور نہایت درجہ صاحب کرامت تھے۔

آپ کی صاحبزادیوں میں جناب فاطمہ کا مرتبہ نہایت درجہ بلند ہے جنہیں مصوٰۃ قم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ۲۳ برس میں مامون نے امام رضا کو مدینہ سے مرو طلب کر لیا تو ایک سال کے بعد آپ بھائی کی زیارت کے اشتیاق میں مدینہ سے روانہ ہو گئیں، راستہ میں بیمار ہوئیں حضرت تم آپ کو تم لے آئے۔ موسیٰ بن خروج کے مکان میں قیام فرمایا اور مکان سفر یا فراق برادر کے صدمہ سے مہاروز کے بعد دنیا سے انتقال فرما گئیں۔ اشرف قم نے نہایت ہی عزت و احترام کے ساتھ تجہیز و تکفین کا انتظام کیا اور ارض بابلون پر سپرد خاک کر دیا جہاں آج آپ کا روضہ مبارک پایا جاتا ہے۔

صاحب تاریخ قم نے تجہیز و تکفین کے سلسلہ میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ جب جنازہ تیار ہو گیا تو سلسلہ یہ پیدا ہوا کہ سرداب میں کون اتارے گا؟ تو ایک بزرگ کا انتخاب کیا گیا اور انہیں طلب کیا گیا۔ لیکن ان کے آنے کے بعد دیکھا گیا کہ ریگستان کی طرف سے دو سوار آرہے ہیں جنہوں نے جنازہ کے قریب پہنچ کر سواری سے اتر کر نماز جنازہ ادا کی اور اس کے بعد سرداب میں جنازہ کو سپرد خاک کر کے فوراً چلے گئے اور کسی کو نہ معلوم ہوسکا کہ کون افراد تھے۔ اس کے بعد موسیٰ بن خروج نے قبر مطہرہ پر ایک سائبان بنا دیا اور اس کے بعد زینب بنت امام جو آؤنے قبۃ کی تعمیر کرائی جو آج انتہائی ترقی یافتہ شکل میں پایا جا رہا ہے اور مزع خاص و عام بنا ہوا ہے۔

۱۔ امام موسیٰ بن جعفر کی اولاد کے برکات و خیرات کا تذکرہ کرتے ہوئے اس حقیقت کا اظہار بھی نامناسب نہ ہو گا کہ ہمارے دور کے دو عظیم اعظم علماء جو علم و معرفت اور جہاد و سیاست کے میدان میں تاریخ اسلام میں بے مثل و بے نظیر ہیں یعنی آیت اللہ العظمیٰ السید ابوالقاسم الخوئی اور

رہبر انقلاب اسلامی آیت اللہ العظمیٰ روح اللہ الخمینی یہ دونوں حضرات امام موسیٰ کاظمؑ ہی کی اولاد میں ہیں اور ان حضرات کا وجود امام کی زندگی کے دونوں پہلوؤں کی ترجمانی کر رہا ہے کہ اگر آپ کے علمی خدمات کو دیکھنا ہے تو ان کے ایک فرزند کو دیکھو، اور اگر ان کے جہاد راہ خدا کا اندازہ کرنا ہے تو ان کے دوسرے فرزند کے جہاد کو دیکھو جس نے انتہائی پریشانی اور غریب الوطنی کے عالم میں وہ کار نمایاں انجام دیا ہے جس سے قید خانہ بغداد میں اپنے جد بزرگوار کے مجاہدہ کی یاد تازہ کرادی جہاں دو سطروں کے خط سے قہر بارون کی چولیس ہلادیں کہ "اے ہارون! ہر چلنے والا دن ایک دن تیری راحت میں کم کرتا ہے اور ایک دن میری مصیبت میں۔ اس کے بعد ہسم دونوں بارگاہ الہی میں حاضر ہونے والے ہیں جہاں اپنے اپنے حسابات کو دیکھنے والے ہیں۔

شواہد امامت امام موسیٰ بن جعفر

۱۔ مفضل بن عمر الجعفی

ایک معتبر ترین بزرگ ہیں۔ آپ نے امام صادق سے دریافت کیا کہ آپ کے بعد کا امام کون ہے جس کی امامت کا اعتراف کیا جائے اور اس کی اطاعت کی جائے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میرا فرزند موسیٰ۔ (بخاری ج ۱۱ ص ۲۳۴)

۲۔ یزید بن سلیمان

ایک صاحب دین و علم بزرگ ہیں۔ حج بیت اللہ کو جاتے ہوئے رات میں امام صادق سے ملاقات ہو گئی تو عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ حضرات ائمہ اطہار ہیں لیکن موت سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے۔ تو اگر یہ حادثہ پیش آگیا تو آپ کے بعد ذمہ دار دین کون ہوگا؟ آپ نے اپنے فرزند موسیٰ کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس کے پاس علم، حکمت، فہم، سخاوت، معرفت، احکام، حسن اخلاق، حسن جوار جیسے تمام فضائل موجود ہیں۔ یہ ایک دروازہ رحمت ہے اور اس کے پاس ان سب سے ماوراء ایک فضیلت اور بھی ہے!

راوی نے عرض کی کہ وہ کیا ہے؟

فرمایا کہ اللہ اس کی نسل سے اس شخص کو پیدا کرے گا جو اس امت کا مددگار فریاد رس، اس کی ہدایت کا پرچم، فوجیہ اور بہترین انسان ہوگا۔ اس کے ذریعہ اللہ زندہ گیوں کا تحفظ کرے گا، اختلافات کی اصلاح کرے گا، پراگندگی اور انتشار کو دور کرے گا۔ برہنہ کو لباس اور بھوکے کو غذا، خوف زدہ کو امن حاصل ہوگا، باران رحمت کا نزول ہوگا۔ وہ بہترین فرزند اور بہترین بزرگ ہوگا۔ اس کا قول قابلِ فیصل اور اس کی خاموشی علم و حکمت ہوگی۔ (بخاری ج ۱۱ ص ۲۳۴)

۳۔ داؤد بن کثیر

عرض کرتے ہیں کہ فرزند رسول۔ آپ سے پہلے تمام لوگ دنیا سے جا چکے ہیں اور اب اگر یہ حادثہ پیش آگیا تو کس کی طرف رجوع کیا جائے گا؟ فرمایا میرا فرزند موسیٰ!

۴۔ فیض بن المختار

امام صادق کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امام موسیٰ کے بارے میں باتیں کرنے لگے کہ اتنے میں آپ بیت الشرف سے واپس ہوئے اور امام صادق نے فرمایا کہ فیض! یہی وہ ہے جس کے بارے میں تم سوال کر رہے تھے، اٹھو اور اس کے حق کا اقرار کرو۔ فیض نے امام کے دست اقدس اور پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر سوال کیا کہ مولانا اس کی اطلاع دوسروں کو دی جاسکتی ہے؟ فرمایا بے شک اپنے اہل و عیال اور رفقاء کو باخبر کر دینا لیکن یہ خبر عام نہ ہونے پائے کہ زمانہ انتہائی خطرناک خواب ہے اور حکومت وقت ہر وقت حجت خدا کی زندگی کے درپے ہے۔ (بخاری ج ۱۱ ص ۲۳۴) اصول کافی

۵۔ ابراہیم کوخنی

امام صادق کی خدمت میں حاضر تھے کہ امام موسیٰ بن جعفر تشریف لے آئے، ابراہیم نے ظہیم کو اپنے فرمایا کہ ابراہیم! میرے بعد تمہارا امام ہی ہے اس کے بارے میں ایک قوم ہلاک ہو جائے گی اور ایک نیک بخت ہوگی۔ خدا اس کے قاتل پر لعنت کرے اور اس کے مذاب کو دو چنڈ کرے۔ اس کے صلب سے بہترین اہل زمانہ پیدا ہوگا جو دنیا سے ظلم اور ظالمین کا خاتمہ کرے گا۔ اس کی نسل سے وہ بارہواں امام ہوگا جس کا اقرار کرنے والا رسول اکرم کے ساتھ جہاد کرنے والے کے برابر ہوگا۔

گفتگو یہاں تک پہنچی تھی کہ کوئی اجنبی شخص آگیا اور امام خاموش ہو گئے یہاں تک کہ ابراہیم چلے گئے اور دل میں گفتگو کے نامکمل رہ جانے کا صدمہ رہ گیا۔ دوسرے سال پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ وہ انتہائی تنگی اور دشواری اور جزع و خوف کے بعد شیعوں کے حالات کی اصلاح کرے گا اور ان کے رنج و الم کو دور کرے گا۔ خوش قسمت ہے وہ شخص جو اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابراہیم یہ سن کر بے حد خوش ہوئے کہ امام کی گفتگو مکمل ہو گئی۔ (بخاری ج ۱۱ ص ۲۳۴)

۶۔ عیسیٰ العلوی

امام صادق کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اگر خدا نخواستہ کوئی حادثہ پیش آگیا تو آپ

کے بعد امام کون ہوگا؟ فرمایا میرا فرزند موسیٰ! عرض کی کہ اس کے بعد؟ فرمایا، اس کا فرزند! عرض کی اگر اس کے وارثوں میں ایک بھائی اور ایک فرزند ہو تو وارث کون ہوگا؟ فرمایا اس کا فرزند۔ عرض کی کہ اگر میں اسے نہ پہچان سکوں؟ فرمایا بس اسی قدر ایمان رکھو کہ پروردگار! جو اس کے بعد تیری جنت ہے وہی میرا امام ہے۔ (اصول کافی ج ۱ ص ۲۰۹-۲۱۰، بحار ج ۱ ص ۲۳۵)

۷۔ معاذ بن کثیر

امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں پروردگار سے دعا کرتا ہوں کہ جس طرح اپنے پدر بزرگوار کی جگہ آپ کو یہ مرتبہ دیا ہے۔ آپ کی اولاد میں بھی ایسا صاحب مرتبہ پیدا کرے۔ فرمایا کہ اللہ اسے پیدا کر چکا ہے اور یہ کہہ کر اپنے فرزند موسیٰ کی طرف اشارہ کیا جو اس وقت آرام فرما رہے تھے۔ (اصول کافی ج ۱ ص ۳۰۸)

۸۔ منصور بن حازم

امام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی کہ کسی کی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اگر کوئی حادثہ پیش آگیا تو آپ کے بعد امام کون ہوگا؟ فرمایا یہ میرا فرزند موسیٰ! (جن کی عمر اس وقت صرف پانچ سال کی تھی)۔ (اصول کافی ج ۱ ص ۳۰۹)

۹۔ سلیمان بن خالد

ایک جماعت کے ساتھ امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھے کہ امام موسیٰؑ آگے تو آپ نے فرمایا کہ میرے بعد یہی تمہارا امام اور ولی ہوگا۔

۱۰۔ اسحاق بن جعفر

کہتے ہیں کہ میں والد محترم کی خدمت میں حاضر تھا کہ عمران بن علی نے آپ سے سوال کیا کہ آپ کے بعد ذمہ دار دین کون ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا جو سب سے پہلے یہاں حاضر ہوگا۔ اتنے میں امام کوئی بزم میں داخل ہوئے جن کی عمر صرف چند برس کی تھی۔ (ارشاد ص ۲۶۵، کشف الغم ص ۲۲۳)

۱۱۔ علی بن جعفر

کہتے ہیں کہ میرے والد محترم نے اپنے اصحاب کی ایک جماعت سے فرمایا کہ میرے فرزند موسیٰ کے ساتھ بہترین برتاؤ کرنا کہ وہ بہترین خلاق ہے اور میرے بعد میرا جانشین ہوگا۔

۱۲۔ زرارہ بن اعین

کہتے ہیں کہ میں امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا جہاں حضرت موسیٰ بن جعفر بھی موجود تھے اور ایک جنازہ بھی رکھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے اصحاب میں سے عمران، ابو بصیر اور داؤد رقی کو طلب کرو۔ میں نے سب کو حاضر کیا اور اتفاق سے مفضل بن عمر اور دیگر افراد بھی آگئے تو آپ نے اسماعیل کے رخ سے چادر کو ہٹا کر فرمایا کہ داؤد یہ زندہ ہیں یا مردہ؟ عرض کی یہ تو انتقال کر چکے ہیں۔ آپ نے سب کو گواہ بنایا اور اس کے بعد غسل و کفن کا سلسلہ شروع کیا۔ غسل و کفن کے بعد آپ نے دوبارہ سب کو چہرہ کی زیارت کرائی کہ یہ اسماعیل ہیں جن کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس کے بعد آپ نے دفن کا حکم دیا۔ جب جنازہ قبر میں اتارا گیا تو آپ نے پھر سب کو چہرہ دکھلایا اور پوچھا کہ دفن ہونے والا کون ہے؟ سب نے عرض کی "اسماعیل"۔ آپ نے اپنے فرزند موسیٰ کا ہاتھ پکڑا کر فرمایا کہ یہ امام برحق ہے اور حق اس کے ساتھ ہے اور اس کی نسل میں رہے گا۔

ان تمام تصریحات کا مقصد صرف یہ تھا کہ قوم کو اسماعیل کی موت کے بارے میں کوئی شبہ نہ رہ جائے اور امام موسیٰؑ کی امامت کا یقین ہو جائے۔ اس لیے کہ ایک طبقہ کو حضرت اسماعیل کی امامت کا خیال بہر حال پیدا ہو چلا تھا۔ اور ایک قوم آج تک اس غلط فہمی میں مبتلا ہے جس کا کوئی جواز نہیں ہے۔

اعترافات

آپ علم و معرفت، فضل و کمال میں امام جعفرؑ کے وارث اور جانشین تھے اور دنیا کے سب سے بڑے عبادت گزار عالم اور سخی تھے۔ (ابن حجر کی)

آپ انتہائی قدر و منزلت کے مالک اور عظیم الشان مجتہد تھے، عبادات و طاعت میں مشہور زمانہ اور کرامات میں شہرہ آفاق تھے۔ تمام رات عبادات میں بسر کرتے تھے اور دن میں صدقہ و صیام انجام دیا کرتے تھے۔ (ابن طلحہ شافعی)

آپ بڑی قدر و منزلت والے منفرد امام تھے اور عظیم الشان مجتہد خدا تھے۔ نازوں کی وجہ سے تمام رات جاگتے تھے اور دن میں روزہ رکھتے تھے۔ (علاء دہلوی)

آپ اپنے دور کے سب سے بڑے عالم، عبادت گزار، سخی اور بلند نفس انسان تھے۔
 (ابن صباغ بالکلی،
 آپ عابد ترین اہل زمانہ اور کریم ترین دوراں تھے۔ آپ کے فضائل و کمالات بے شمار
 ہیں۔ (حسین واعظ کاشفی)

آپ قدر و منزلت کے اعتبار سے بزرگ ترین اہل عالم تھے اور اپنے پدر بزرگوار کی نص کے
 مطابق دلی امر امت قرار پائے تھے۔ (روضۃ الاحباب)

کرامات

● شفیق بلخی جو صوفیوں میں ایک خاص اہمیت کے مالک ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں ۱۲۵۱ھ
 میں حج بیت اللہ کے لیے نکلا تو مقام قادسیہ پر ایک شخص کو ایک جمع کے درمیان دیکھا اور حلیہ
 سے اندازہ کیا کہ کوئی صوفی ہے جو قوم کے سر پر بار بننا چاہتا ہے۔ میں آگے بڑھا کہ اسے تنبیہ کروں، تو
 اس نے میرا نام لے کر آواز دی کہ خبردار! بدگمانی مت کر تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ کوئی بعد صالح ہے۔
 میں ان کی تلاش میں آگے بڑھا تو دوسرے مقام پر دایٰ نضہ میں پھر مشغول عبادت دیکھا
 اور ارادہ کیا کہ معافی طلب کروں کہ میں نے بدگمانی کیوں کی تھی۔ قریب پہنچا تو اس شخص نے آواز
 دی کہ خدا تو بے کرنے والے کے گناہ کو بخش دیتا ہے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ کوئی ابدال میں سے ہے لیکن
 وہ پھر آگے بڑھ گیا۔ منزل زبالہ پر میں نے پھر دیکھا کہ کنویں سے پانی بھرنا چاہتا تھا کہ پیالہ کنویں میں
 گر گیا اور اس نے خدا سے مناجات کی کہ پیالہ کے بغیر میرا کام نہیں چل سکتا ہے اور نکلنے کا کوئی
 وسیلہ بھی نہیں ہے تو پانی کنویں میں بند ہوا اور اس نے بھرا ہوا پیالہ نکال لیا اور وضو کر کے چار
 رکعت نماز ادا کی اور ایک ٹھی ریت پیالہ میں ڈال کر کھانا شروع کر دیا۔ میں نے قریب جا کر بھوک
 کی شکایت کی تو مجھے بھی عنایت فرمادیا اور میں نے دیکھا کہ بہترین ستو ہے جس کو کھانے کے بعد
 پورے سفر میں مجھے بھر کبھی بھوک نہیں لگی۔ مکہ مکرمہ میں میں نے پھر دیکھا کہ ایک ٹیلہ پر بیٹھے ہوئے
 محو عبادت ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور یہ سلسلہ صبح تک جاری رہا۔ پھر انھوں نے طواف
 کیا اور ان کے گرد بے شمار افراد تھے جو ان کا بے حد احترام کر رہے تھے تو میں نے کسی شخص سے

پوچھا کہ یہ صاحب کرامات کون ہیں؟ تو اس نے بتایا کہ یہ فرزند رسول امام موسیٰ بن جعفر ہیں۔ تو
 مجھے خیال آیا کہ اس قسم کے کرامات اس گھرانے کے علاوہ اور کسی مقام پر ممکن نہیں ہیں۔
 (نور الابصار، شواہد النبوة)

● عیسیٰ مدائنی حج بیت اللہ کے لیے گئے اور مکہ میں ایک سال رہنے کے بعد مدینہ چلے گئے
 وہاں بھی ایک سال قیام کا ارادہ تھا تو کراہ پر مکان لیا اور امام موسیٰ کاظمؑ کے یہاں آنا جانا شروع
 کر دیا۔ ایک رات امام کی خدمت میں حاضر تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کہ جلدی جاؤ
 تمہارا مکان منہدم ہو گیا ہے۔ وہ دوڑ کر پہنچے تو کیا دیکھا کہ لوگ سامان نکال رہے ہیں۔ دوسرے
 دن امام کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے دریافت کیا کہ کوئی چیز کم تو نہیں ہوئی ہے۔ عیسیٰ نے
 کہا کہ صرف ایک پشت کم ہو گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے لوگوں نے سامان نکالنے میں کم کر دیا ہے۔ فرمایا
 کہ اسے تم انہدام سے پہلے بیت اللہ میں رکھ کر بھول گئے تھے۔ اب جا کر مالک کی لڑکی سے دریافت
 کرو، وہ لا کر دے دے گی۔ عیسیٰ مدائنی نے واپس آ کر دریافت کیا تو امام کے ارشاد کے مطابق
 پشت مل گیا۔ (نور الابصار)

● ایک شخص نے ایک صحابی کے ہمراہ تھو دینار روانہ کیے۔ اس نے مدینہ پہنچ کر سوچا کہ اسے
 پاک کر لیا جائے۔ پاک کرنے کے بعد گنا تو ایک کم تھا۔ اس نے ایک دینار اپنے پاس سے ملا دیا،
 اور حضرت کی خدمت میں قبلی پیش کر دی تو آپ نے فرمایا کہ اسے زمین پر اُتار دے۔ اس نے اُتار
 دیا تو آپ نے اس کا دینار یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ صاحب مال نے وزن کے اعتبار سے بھیجا تھا اور
 عدد میں اس کی تعداد زنا نونے ہی تھی، لہذا تمہیں اپنے پاس سے ملائے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔
 (شواہد النبوة)

● ایک شخص کا بیان ہے کہ علی بن یقین نے میرے ذریعہ سوالات روانہ کیے۔ میں نے حضرت کو
 لفاظی دیا۔ آپ نے اسے کوسلے بغیر اپنی آستین میں سے ایک خط نکال کر دیا اور فرمایا کہ اسے علی
 بن یقین کو دے دینا اور کہنا کہ یہ تمہارے سوالات کے جوابات ہیں۔ (شواہد النبوة)

ابو حمزہ بطنی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سفر حج میں ایک شیر نظر آ گیا اور اس نے حضرت کے
 پاس آ کر کہہ کہا اور آپ نے اسی کی زبان میں جواب دے دیا تو چلا گیا۔ میں نے اس کرامت کا راز

دریافت کیا تو فرمایا کہ اس کی شیرنی کو کوئی تکلیف تھی۔ اس نے دعا کی التماس کی تھی تو میں نے دعا کر دی اور وہ مطمئن ہو کر چلا گیا۔ (تذکرۃ المعصومین)

اخلاقیات

یوں تو ائمہ معصومین کی ساری زندگی مجسمہ اخلاق و تہذیب ہو کر تھی لیکن خصوصیت کے ساتھ اجتماعی زندگی میں اور تبلیغی میدان میں آپ حضرات نے ایسے ایسے اخلاق فاضلہ کا اظہار کیلئے کہ اس سے متاثر نہ ہونا ایک سنگِ دل اور بد بخت ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ علیؑ نے منہاج الکرار میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے کہ جب آپ بغداد میں انتہائی پریشانی کی زندگی گزار رہے تھے تو ایک دن ایک راستے سے گزر رہے تھے دیکھا کہ گھر کے اندر رقص و رنگ کی محفل چلی ہوئی ہے اور باہر گانے کی آواز آ رہی ہے۔ اسی اثنا میں گھر کی کیز کوڑا پھینکنے کے لیے باہر آگئی۔ آپ نے اُس سے پوچھا کہ یہ مکان کسی بندہ کا ہے یا آزاد کا؟ اس نے فوراً جواب دیا کہ آزاد کا۔ آپ نے فرمایا کہ بے شک اگر بندہ ہوتا تو اپنے مالک کی اطاعت کرتا، اور یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے۔ کیز مگر کے اندر واپس آئی تو صاحب خانہ بشارت نے تاخیر کا سبب پوچھا۔ اُس نے واقعہ بیان کیا۔ بشارت کے دل پر واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ ننگے پیر دوڑ پڑے اور حضرت سے ملاقات کر کے بارگاہِ احدیت میں استغفار کیا اور تمام عمر اس واقعہ کی یاد میں ننگے پیر چلے۔ اور جب بعض افراد نے سوال کیا کہ اس پابریگی کا راز کیا ہے؟ تو کہا کہ پروردگار نے زمین کو بیاط اور فرش سے تعبیر کیا ہے اور یہ بندہ کی مجال نہیں ہے کہ مالک کے فرش پر جوتا پہن کر چلے۔

ایک مختصر سے جملہ سے انسان کے کردار میں اتنا بڑا انقلاب پیدا کر دینا کہ شراب کی بابت سے تقویٰ اور طہارت کی منزل تک آجائے، امام موسیٰ کاظمؑ ہی کی زندگی کا کارنامہ ہو سکتا ہے جس کی مثال اولیاء اللہ کی تاریخ میں بھی نہیں ملتی ہے۔ اُدھر قید خانہ میں ہارون کی بھیجی ہوئی عورت سے سجدہ کراینا اور اسے راہِ عبادت پر لگانا دینا امام کی عملی تبلیغ کا بہترین نمونہ ہے۔ جس کے بعد بابتِ باسانی کہی جا سکتی ہے کہ بدترین حالات میں اپنے کردار کا پچا لینا مہر کے معصوم جناب یوسفؑ کا کیا تھا اور آئی ہوئی عورت کو اپنے راستے پر لگانا دینا بغداد کے قیدی امام موسیٰ بن جعفرؑ کا کارنامہ ہے۔

بشارت مانی کے کردار میں اس قدر انقلاب پیدا ہو گیا کہ ان کے حالات میں حسبِ میل میکانہ کلمات بھی نقل کیے گئے ہیں:

● آخرت کو اپنا راس المال اور سرمایہ قرار دوتا کہ دنیا میں جو کچھ مل جائے اسے فائدہ شمار کرے
● تمہارے موعظ کے لیے ہی کافی ہے کہ بعض افراد خود مر چکے ہیں۔ لیکن ان کے تذکرہ سے
دلوں کو زندگی مل رہی ہے اور بعض افراد خود زندہ ہیں لیکن ان کے دیکھنے سے قنوت قلب اور سنگِ دلی پیدا ہوتی ہے۔

● حدیثوں کی بھی زکوٰۃ ادا کیا کرو کہ کم از کم دو سو حدیثوں میں سے پانچ پر تو عمل کر لیا کرو۔
● محمد بن نعیم نے حالتِ مرض میں موعظ کی فرمائش کی تو فرمایا کہ اس گھر میں ایک چوٹی تھی جو گرمی میں دانے اکٹھا کرتی تھی تاکہ سردی میں استعمال کرے کہ اچانک ایک دن دانے لے کر نکلی تو ایک پڑیائے چین لیا اور نہ جمع کیا ہوا کام آیا اور نہ وہ مقصد حاصل ہوا جس کا ارادہ کیا تھا۔ یہی حال انسان کا بھی ہے تو اسے چوٹی ہی کے حالات سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ (الکئی والالقباب)

نقش انگشتر

آپ کی انگشتری کا نقش تھا "حسبى اللہ" جو آپ کے دور کے حالات کی مکمل ترجمانی اور مظالم کے مقابلہ میں آپ کے توکل علی اللہ کا واضح اعلان تھا۔

عبادت

امام موسیٰ کاظمؑ کا اندازِ عبادت بھی دنیا کے دوسرے افراد سے بالکل مختلف تھا۔ آپ قید خانہ کی زندگی میں بھی اس بات پر شکر خدا کرتے تھے کہ عبادت کے لیے بہترین ماحول نصیب ہو گیا ہے اور اسی بات پر حکومت و قوت کے ہوش و حواس اُڑ جاتے تھے کہ ان بدترین حالات میں بھی ان کے ذہن میں اضطراب اور پریشانی کی کیفیت نہیں ہے جب کہ حکومت ان کے ہم غلام سے مضطرب ہے۔

آپ کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ صبح کی نماز کے بعد سجدہٴ معبود میں رکھتے تھے تو ظہر کے

حقائق زندگی اور امام موسیٰ بن جعفر

زندگی اور زندگی کے حقائق کو بے نقاب کرنے میں ائمہ معصومینؑ نے جو کردار ادا کیا ہے اس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں نہیں ملتی ہے۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی انہیں ائمہ اہلبیت کی ایک فرد تھے، لہذا آپ کا دور اگرچہ شدت مصائب و آلام کا دور تھا لیکن آپ نے اپنے فرض منصبی کو ادا کرنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی اور مسلسل حقائق مذہب کو بے نقاب کرتے رہے۔

ذیل میں صرف چند موضوعات کے بارے میں آپ کے ارشادات کو نقل کیا جا رہا ہے جنہیں مختلف علماء و مفتیین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور جن سے امامت کے افکار و نظریات کا مکمل اندازہ ہو سکتا ہے:

ایمان:

ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ بہترین عمل کون سا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ جس کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہ ہو سکے۔

عرض کی وہ کیا ہے؟

فرمایا کہ ایمان! جو سب سے بلند ترین اور شریف ترین منزل عمل و کردار ہے۔

عرض کی ایمان قول و عمل دونوں کا نام ہے یا صرف قول بلا عمل کا؟

فرمایا کہ ایمان کل کامل عمل ہے۔ قول تو اس کا ایک جز ہے جس کی وضاحت کتاب عزیز

نے خود ہی کر دی ہے۔

عرض کی، ذرا کچھ اور وضاحت فرمائیں کہ ہم لوگ سمجھ سکیں۔

فرمایا کہ ایمان کے درجات و درجات و طبقات و منازل ہیں۔ ایمان انتہائی کامل بھی ہوتا ہے

اور انتہائی ناقص بھی اور نسبتاً کامل بھی۔

عرض کی کیا ایمان میں زائد و ناقص ہوتا ہے۔؟

ہر مقام سر اٹھاتے تھے اور عصمت کے باوجود یہ مناجات کرتے تھے کہ پروردگار! تیرے بندہ کے گناہ بہت عظیم ہیں لہذا تیری بخشش بھی اسی اعتبار سے ہونی چاہیے۔ جو اس بات کی علامت ہے کہ امام کو اپنی قوم سے کس قدر ہمدردی تھی اور ان کی شفاعت کے بارے میں کس قدر اہتمام فرمایا کرتے تھے کہ آپ کو روایات میں "حلیف السجدة الطویلة" کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔

خود ہارون رشید نے بھی یہ شان عبادت دیکھ کر داروغہ زندان سے کہا تھا کہ یہ بندہ خدا اس قید کا حتی دار نہیں ہے لیکن کیا کیا جملے کر اسے قیدی بنائے بغیر اپنی حکومت نہیں چل سکتی ہے۔

اسی شان عبادت و زندگی کا اثر تھا کہ جس قید خانہ میں رہے داروغہ زندان اور ملازمین آپ کے ہمدرد بن گئے اور حکومت کے اصرار کے باوجود زہر دینے یا ایذا پہنچانے پر آمادہ نہیں ہوئے۔

یہاں تک کہ سندی بن شاہک ملعون نے زہر بھی دیا تو ضمیر کی طامت اور عوام کی بغاوت کے خوف سے اسٹی افراد کو جمع کر کے ان سے شہادت طلب کی کہ امام کو زہر نہیں دیا گیا ہے اور یہ بالکل صحیح و سالم

حالت میں ہیں جس پر آپ نے ان لوگوں کو گواہی دینے سے منع کیا اور فرمایا کہ میں تین دن کے بعد اس زہر کے اثر سے دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ خبردار! تم لوگ اپنے ہاتھوں کو اس خون ناحق سے

رنگین نہ کرو۔ جس کا نتیجہ ہوا کہ ان لوگوں کے جانے کے بعد ظالم سندی بن شاہک نے چادر کے اندر آپ کو اس طرح پھینکا شروع کیا جس طرح کپڑا پھوڑا جاتا ہے اور اس کے زیر اثر آپ کی شہادت واقع ہو گئی۔ جس کے بعد پھر جنازہ کو دکھلا کر لوگوں سے گواہی طلب کی گئی کہ کسی زخم و خیرہ کا نشان نہیں

ہے اور یہ اپنی موت سے دنیا سے گئے ہیں۔ جو ظالم کے احساس ظلم اور امام کی فتح مبین کی بہترین علامت ہے۔

ہے۔ ولا تحسبن اللہ غافلاً عما یعمل الظالمون۔

فرمایا، بے شک!
عرض کی کس طرح؟

فرمایا، اللہ نے ایمان کو انسان کے اعضاء و جوارح پر تقسیم کر دیا ہے اور ہر عضو کو ایمان کی ایک ذمہ داری سپرد کی ہے۔ کچھ ذمہ داریاں دل کی ہیں جن کا خلاصہ سمجھنا اور تعقل کرنا ہے۔ وہ جسم کا امیر و رئیس ہے اس کی رائے کے بغیر کوئی عضو حرکت نہیں کر سکتا اور کچھ ذمہ داریاں ہاتھوں، پیروں، آنکھوں، کانوں اور شرمگاہوں کی ہیں۔ دل کا فرض زبان سے مختلف ہوتا ہے اور زبان کا فرض آنکھوں سے آنکھوں کا فرض کانوں سے مختلف ہوتا ہے اور کانوں کا فرض ہاتھوں اور پیروں سے اور ہاتھوں اور پیروں کا فرض شرمگاہوں سے مختلف ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر دل کا فرض یہ ہے کہ اقرار، معرفت، تصدیق، تسلیم و رضا اور عقیدہ سے کام لے اور یہ سمجھے کہ خدا واحد لا شریک ہے۔ اس کا کوئی فرزند و ہمسر نہیں ہے۔ حضرت محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں وغیرہ... (اصول کافی ج ۲ ص ۳۸)

علم:

مورخین نے نقل کیا ہے کہ امام موسیٰ کاظمؑ کاظم مسجد پیغمبر میں داخل ہوئے تو کیا دیکھا کہ لوگ ایک شخص کے گرد جمع ہیں اور اس کی انتہائی تعظیم و تکریم کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ کون ہے۔ لوگوں نے عرض کی کہ بہت بڑا عالم ہے!
فرمایا کہ یہ بڑا عالم کیا ہوتا ہے۔ عرض کی کہ یہ تمام عرب کے انساب اور واقعات و حادثات کا جاننے والا ہے۔

فرمایا۔ یہ وہ علم ہے جس کا جاننا مفید ہے اور نہ جاننا مضر نہیں ہے۔ اسے علم نہیں کہتے ہیں۔ علم کی تین قسمیں ہیں، آیت مکر، فریضہ عادلہ اور سنت قائمہ۔ اس کے علاوہ سب فضل ہے علم نہیں ہے۔ حقیقی علم یہ ہے کہ انسان چار باتوں کی اطلاع پیدا کرے۔ (۱) خدا کو پہچانے۔ (۲) پہچانے کہ اس نے انسان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہے۔ (۳) یہ دریافت کرے کہ وہ بندے سے کیا چاہتا ہے۔ (۴) یہ معلوم کرے کہ کون سی چیزیں انسان کو دین سے خارج کر دیتی ہیں۔

علم فقہ:

دینی معلومات کے بارے میں اپنے اصحاب کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

”علم دین حاصل کر دو کہ یہ بصیرت کی کلید، عبادت کی تکمیل، بلند منزلوں کا ذریعہ اور اعلیٰ مراتب دنیا و آخرت کا دیباچہ ہے۔ عابد کے مقابلے میں عالم کا وہی مرتبہ ہے جو تاروں کے مقابلے میں آفتاب کا مرتبہ ہے۔ جو علم دین حاصل نہ کرے اللہ اس کے کسی عمل سے راضی نہ ہوگا۔“
”عالم سے نزلہ پر بھی گفتگو کرنا جاہل سے فرسٹ نعل پر بات کرنے سے بہتر ہے۔“
”علماء رسولوں کے امانت دار ہیں جب تک کہ دنیا داری میں داخل نہ ہوں۔ یہی میرے بعد بزرگوں کا بھی ارشاد ہے۔“

ایک شخص نے عرض کی کہ فرزند رسول! آخر دنیا داری میں داخل ہونے کا مطلب کیا ہے؟
فرمایا کہ ”سلاطین کی پیروی“ کہ ایسا کرنے والے علماء سے احتیاط کرنا بہر حال ضروری ہے۔

عمل:

اگر معصومین نے عبادات کی طرح کسب معاش کے لیے بھی زحمات برداشت کی ہیں اور اہل دنیا کو یہ درس دیا ہے کہ یہ انسان کا ایک بہترین فریضہ ہے۔ امام جعفر صادقؑ ہاتھ میں کدال لیے پسینہ میں غرق محنت کر رہے تھے کہ ایک شخص نے گزارش کی کہ حضور یہ مجھے دے دیجیے، میں یہ کام کر دوں گا۔؟

فرمایا کہ ”طلب رزق کے لیے آفتاب کی تازت میں کام کرنا مجھے بے حد پسند ہے۔“
امام موسیٰ بن جعفرؑ اپنی زمین میں محنت کر رہے تھے کہ حسن بن علی بن ابی حمزہ کی نظر پڑ گئی عرض کی کہ آپ کیوں زحمت فرما رہے ہیں باقی لوگ کہاں چلے گئے؟ فرمایا کہ یہ کام مجھے بہتر افراد نے بھی انجام دیا ہے۔

عرض کی کہ وہ کون حضرات ہیں؟ فرمایا کہ مرسل اعظمؐ اور مولائے کائنات۔ اور یہ تو جملہ انبیاء و صالحین کی سیرت رہی ہے۔ (من لایحضرہ الفقیہ ص ۲ ص ۳)۔ اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنی اولاد کو سستی اور کسل مندی سے منع فرمایا کہ اس سے دنیا اور آخرت دونوں کا نصیب برباد ہو جاتا ہے۔ سستی کرنے والا مردوں کے علم میں ہوتا ہے کہ اس کے پاس کوئی نکلنا اور تیر نہیں ہوتی ہے۔
خدمت خلق:

اپنے اصحاب کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ:

”جس کے پاس کوئی برادر مومن مدد مانگنے کے لیے آئے اور وہ باوجود قدرت کے اسے رو کر دے تو گویا اس نے ولایت الہی کے رشتہ کو منقطع کر دیا ہے اس لیے کہ پروردگار نے قضا و جوارح مومنین کا حکم دیا ہے۔ اور مومن کا مدد مانگنے کے لیے آنا درحقیقت ایک رحمت پروردگار ہے۔ انسان نے اس کے مدعا کو پورا کیا تو گویا ہمارے رشتہ کا خیال رکھا اور وہی رشتہ پروردگار کا ہے۔ اور مومن کو رو کر دیا تو پروردگار اس کے اوپر آگ کے سانپ مسلط کرنے کا جو قبر میں بھی اسے اذیت پہنچاتے رہیں گے“

”روسے زمین پر ایسے بندگان خدا موجود ہیں جو لوگوں کی حاجت برآری کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ روز قیامت کے ہول سے محفوظ رہیں گے اور جو بھی کسی مومن کو خوش کرے گا، پروردگار روز قیامت اس کے دل کو خوش مال بنا دے گا۔“ (وسائل الشیوخ باب الامر بالمعروف)

محاسبہ نفس:

محاسبہ نفس ایک انتہائی ضروری عمل ہے جس کی طرف ائمہ معصومین نے اپنے چاہنے والوں کو برابر توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ امام موسیٰ بن جعفر نے بھی فرمایا:

”جو شخص اپنے نفس کا محاسب نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ محاسبہ نفس کا فائدہ یہ ہے کہ نیکی کرنے والوں میں اضافہ کرتا ہے اور برائی کرنے والوں کو توبہ و استغفار کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔“

تہذیب اخلاق

حضرت فرماتے ہیں کہ ”نیکیاں زیادہ بھی ہوں تو انہیں زیادہ نہ سمجھو، اور برائیاں کم بھی ہوں تو انہیں کم نہ سمجھو کہ قلیل گناہ ہی بڑھ کر کثیر ہو جاتا ہے اور تنہائیوں میں خدا سے ڈرتے رہو تاکہ اپنے نفس کے ساتھ انصاف کر سکو۔“

”ماں باپ کے ساتھ بہترین برتاؤ کرنا کہ جنت تک منحصر ہو اور برائتاؤ نہ کرو کہ جہنم تک محدود ہو کر رہ جاؤ۔“

”اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ کرنا شکر ہے اور اس کا ترک کر دینا کفرانِ نعمت ہے۔ نعمتوں کا سلسلہ شکر سے ملا دو اور اپنے اموال کا تحفظ زکوٰۃ کے ذریعہ کرو۔ بلاؤں کو دعاؤں کے ذریعہ رو کرو، اور یاد رکھو کہ دعا رد بلا کے لیے ایک پر ہے۔“ (وما توفیقی الا باللہ۔)

جہاد امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام

ائمہ معصومین کی زندگی کے بارے میں یہ ایک عجیب و غریب تصور پایا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ حکومت اور اقتدار سے بیزار رہے ہیں اور تنہائی کی زندگی پسند فرماتے رہے ہیں۔ ان کے سامنے جب بھی اقتدار کا مسئلہ آیا تو انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ہم اہل آخرت ہیں، ہمیں دنیا کی حکومت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ہمارے لیے تسبیح و تہلیل پروردگار ہی بہت کافی ہے اور ہم اسی سے اپنی عاقبت و آخرت کا انتظام کر لیں گے۔

یہ تصور اس قدر عام ہوا کہ صاحبانِ علم و فضل نے بھی اس مقولہ کو دلیل شرف بنا لیا کہ ہمیں دنیا کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم اللہ والے ہیں، ہمارے لیے گوشہ نشینی اور عزلت گزینی ہی بڑی چیز ہے اور ہماری نجات کے لیے ہی زندگی کافی ہے۔

ارباب اقتدار نے اس تصور کو اور بھی ہوا دی اور اس قدر عام کیا کہ اگر کسی صاحبِ علم و کمال نے اصلاحِ عالم کا ارادہ بھی کیا تو تخلصِ عوام نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ آپ کی شان کے خلاف ہے۔ آپ کا کام محراب میں بیٹھ کر تسبیح و تہلیل الہی کرنا ہے۔ دنیا کا کام اہل دنیا سنبھال لیں گے آپ کو زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہل دنیا کو کھل کر کھیلنے کا موقع مل گیا اور اسلامی مقدمات، خدائی احکام، شعار اسلام، شریعت اسلام سب کھیل تماشہ بن گئے اور جس میں جس قدر تحریف و ترمیم کا امکان تھا اس میں اسی قدر دخل اندازی کی گئی اور حقیقت کے چہرہ کو سوج کر دیا گیا کہ آج اسلام کی صحیح تصویر کو دین جدید تصور کیا جا رہا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ائمہ معصومین ہمیشہ حکومت اور اقتدار ہی کی فکر میں رہے اور انہوں نے تسبیح و تہلیل کو معاذ اللہ بیکاری کا مشغلہ قرار دے لیا تھا۔ ایسا تصور خود بھی ایک کفر کے مرادف ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ وہ حکومت و اقتدار سے الگ بھی رہے اور اس سے ملدگی

کا اعلان بھی کرتے رہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ قیام حکومت کی فکر بھی کرتے رہے اور ان دونوں میں کوئی تضاد یا اختلاف بھی نہیں ہے۔

بات صرف یہ ہے کہ حکومت و سیاست میں دخل اندازی کے دو طریقے ہیں :

(۱) سیاست استقلالی (۲) سیاست اتباعی

سیاست استقلالی کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کا نظام صاحبان ایمان کے ہاتھ میں ہو اور وہ جس طرح چاہیں اسلامی قوانین کی روشنی میں نظام حکومت کو چلائیں اور سارے معاملات و مقدمات کا خود فیصلہ کریں۔

سیاست اتباعی کے معنی یہ ہیں کہ اقتدار کسی اور کے ہاتھ میں رہے اور صاحبان ایمان جہاز حکومت میں شامل ہو جائیں اور حکومت کے اشاروں پر اسلام کو بھی چلاستے رہیں۔

اسلام جس سیاست کا شدید ترین مخالف ہے اور جسے مجبوری کے علاوہ کسی شکل میں بھی جائز قرار نہیں دیتا ہے وہ اتباعی سیاست ہے جس کا مطلب ہی درحقیقت اسلامی احکام کی بربادی ہے اور اس طریقہ کار کو اسلام اس قدر قبیح قرار دیتا ہے کہ اس کے نظام میں ایک مستقل باب ہے

”اعانت ظالم“ اور ”ولایت جائز“۔ جس کے سلسلہ میں اسلام نے ہر ایسے کام کو حرام قرار دیا ہے جس سے ظالمین کی مدد ہوتی ہو اور ان کے نظام حکومت کو تقویت حاصل ہوتی ہو۔ اس نئے کام کو صرف صاحبان ایمان کو مصائب سے بچانے کے لیے جائز قرار دیا ہے ورنہ اسے بدترین تصور کیا ہے۔

امام موسیٰ بن جعفر کا علی بن یقین کو اجازت دینا بھی اسی باب سے تھا کہ آپ صاحبان ایمان کے جان و مال کا تحفظ کرنا چاہتے تھے ورنہ علی بن یقین کو یہ تصور بھی ہو جائے کہ میں امام موسیٰ بن جعفر کے ہم نامے حاکم وقت کو حاکم تصور کرتا ہوں تو عالم ایمان سے خارج ہو جائیں گے اور ان کے حق میں ممکن بھی نہ تھا۔ ابن یقین ہارون کو کسی قابل بھی سمجھتے ہوئے تو عہدہ پانے کے

وقت امام سے مسئلہ دریافت نہ کرتے اور حکومت کی طرف سے ملنے والے انعامات کو امام کی خدمت میں پیش نہ کرتے۔ یہ بات خود اس بات کی زدہ دلیل ہے کہ سیاست اتباعی کا جو از صرف ممالک و اموال کی جان و مال و آبرو کے تحفظ کے لیے ہے۔ اس کا قوم میں حیثیت پیدا کرنے، عوام کا استحصال کرنے اور حکومتوں سے سہولتیں حاصل کرنے یا مفت کی گاڑی میں سوار ہونے کے لیے کوئی حلف

نہیں ہے۔ یہ کام حرام تھا، حرام ہے اور حرام رہے گا۔ ظالمین سے کسی طرح کا تعاون بھی جائز نہیں ہے۔ امام موسیٰ بن جعفر نے اس تعاون پر اتنی دور سے پابندی لگائی تھی کہ چاہنے والوں کے ذہن میں تعاون کے جواز کا تصور بھی نہ ہونے پائے۔ علی بن یقین نے ابراہیم جمال سے ملاقات کی تو امام نے ابن یقین کی ملاقات سے بھی انکار کر دیا کہ مبادا ابن یقین کو عہدہ کا غرور پیدا ہو جائے اور ”سیاست تحفظ“ ”سیاست اتباعی“ میں تبدیل ہو جائے۔

صفوان جمال سے یہ فرمانا کہ ظالموں کو اونٹ کرایہ پر دینا بھی عملِ خطر ہے کہ اس طرح ظالم کی حیات کی تلبید ہوتی ہے کہ وہ سفر سے زندہ واپس آئے اور کرایہ وصول ہو جائے۔ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ امام اپنے اصحاب کو ہر طرح کے امکانی تعاون سے بھی دور رکھنا چاہتے تھے۔ خود امام علی رضا کا ولی عہدی سے سلسلہ انکار کرنا اور پھر شرط و طریقہ سے قبول کرنا ایک دلیل ہے کہ ائمہ معصومین سیاست اتباعی کے شدید ترین مخالف تھے اور اسلام کے دائرہ میں سیاست استقلال کے علاوہ اور کسی سیاست کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دینا چاہتے تھے۔

ارباب حکومت کی طرف سے عہدوں کی پیش کش سیاست اتباعی تھی اور انقلابی جماعت کی طرف سے قیادت کی پیش کش سیاست ناکام۔ اسی لیے ائمہ معصومین نے دونوں سے انکار کر دیا اور اس کے لیے بہترین عذر خدمتِ دین اور عبادتِ الہی جیسے مشاغل کو قرار دیا جو صحیح ترین عذر بھی تھا اور اس میں کسی طرح کے تغیر اور توریہ کی ضرورت بھی نہیں تھی اس لیے کہ واضح طور سے انکار کر دینا

مقابلہ کو دعوت دینا تھا اور اس کے لیے حالات سازگار نہ تھے ورنہ قیام ہی کیوں فرماتے اور اس کے بعد بہترین عذر عبادتِ الہی ہی کا مشغلہ تھا جس میں اپنی طرف سے حکومتوں کو مطمئن بھی کر دینا تھا کہ ہم سے کسی طرح کے انقلاب کا خطرہ نہیں ہے اور ایک طرح کی ہدایت بھی تھی کہ عبادتِ الہی کو ترک کر کے حکومت کرنا خلاف اسلام ہے اور یہ حکومت عبادتِ الہی کے یقیناً منافی ہے ورنہ حکومت کا واضح جواب ہوتا کہ آپ اہل آخرت ہیں تو آخرت اور حکومت میں کوئی تضاد نہیں ہے یا عبارت اور

طکرانی میں کسی طرح کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دونوں کام ایک ساتھ ہو سکتے ہیں۔ لیکن حکومت کو معلوم تھا کہ ہمارے نظام میں اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔ جیسا کہ خود ائمہ معصومین نے بھی مختلف مواقع پر واضح کر دیا تھا چنانچہ جب منصور نے امام صادق سے کہا کہ آپ ہمارے دربار میں کیوں نہیں آتے ہیں

تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس دنیا ہے کہ تیرا خوف پیدا ہو، اور تیرے پاس آخرت ہے کہ اس کی طلب کی جائے۔ اس نے پھر امر اور کیا کر برائے نصیحت ہی آیا کیجئے تو آپ نے فرمایا کہ جسے دنیا کی طلب ہوگی وہ تجھے نصیحت نہ کرے گا اور جسے آخرت کی طلب ہوگی وہ تیرے ساتھ نہ رہے گا۔

امیر مصعب بن زید کی حیات میں جس حکومت و سیاست سے کنارہ کشی کا ذکر ملتا ہے وہ اجتماعی سیاست ہے ورنہ استقلالی سیاست اسلام کے اسکانی فرائض میں ہے اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے اسکان بھر حکومت اسلامی کے قیام کی کوشش کرے اور کم از کم سیاست ظلم اور نظام باطل کے خلاف آواز ہی بلند کرے تاکہ حق اور باطل کا امتیاز قائم ہو جائے اور عوام کو دھوکہ نہ ہونے پائے جیسا کہ امیر مصعب بن زید کی حیات میں مسلسل نظر آتا ہے۔

امام موسیٰ بن جعفرؑ کی زندگی کے ساتھ ایک حادثہ یہ بھی رہا ہے کہ آپ کے جہاد پر حکومتوں نے اس شدت سے پردے ڈالے ہیں کہ اب وضاحت بھی مشکل ہو گئی ہے اور عوام اناس کے ذہن میں صرف یہی ایک تصور رہ گیا ہے کہ ”مولانا انتہائی اسیری گزر گئی۔ زندان میں جوانی و پیری گزر گئی۔“ حالانکہ انتہائی مظلومیت کے بعد بھی امامؑ کی زندگی صرف ایسی نہیں تھی۔ آپ ۱۲ سالہ میں پیدائے ہوئے اور ۱۸ سال میں شہادت پائی ہے۔ مجموعی عمر ۵ سال ہے اور ۵ سال میں ہارون کی قید کا سلسلہ تقریباً ۴ سال رہا ہے تو باقی چالیس سال کی زندگی تو قید میں نہیں رہی اس کے تو یقیناً کچھ اعمال، اشغال، خدمات اور مجاہدات ہوں گے اور ان کا تذکرہ تو تاریخ میں ہونا چاہیے تھا۔ لیکن یہ تذکرہ اس ”طویل زندگی کے اعتبار سے انتہائی مختصر ہے۔ زندگی کو طویل اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ امام جو آڈ تو صرف ۲۵ سال ہی زندہ رہے ہیں اور امام عسکریؑ صرف ۲۸ سال زندہ رہے تو اس اعتبار سے ۵۵ سال کی عمر مظالم کے دور میں کچھ کم نہیں ہے لیکن تذکرہ ہر حال بہت مختصر ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس مختصر تذکرہ کے درمیان بھی جہاد سلسل کی جھلکیاں صاف نظر آ جاتی ہیں۔

آپ نے زندگی کے بیس سال بدر بزرگواری کے زیر سایہ گزارے ہیں۔ اس کے بعد ۲ سال آپ کا اپنا دور امامت رہا ہے۔ دور امامت سے مراد منصب امامت نہیں ہے کہ وہ امام اپنے ساتھ لے کر آئے۔ دور امامت سے مراد ہدایت امت کی مستقل ذمہ داری کا دور ہے، اور اس ۲۵ سال میں چار خاتم بنی عباس گئے ہیں۔ دس سال منصور دوانیقی کا دور رہا ہے۔ دس سال

اس کے فرزند ہمدی کا دور رہا ہے۔ ایک ڈیڑھ سال ہمدی کے فرزند ہادی کا دور رہا ہے اور پھر تیرہ چودہ سال ہارون رشید کا دور رہا ہے۔ اور یہ چاروں حکام اپنے وقت کے انتہائی ظالم، جاہل، دشمن اہلیت اور جلا دشمن تھے اور امام نے ان کے دور حکومت میں بھی بقدر امکان جہاد کیسے اور کسی وقت سیاست اتباع کو راجح نہیں ہونے دیا ہے

ان حکام وقت کا مختصر تعارف یہ ہے:

منصور: ایک ایک دانق (پیسہ) کے نخل کی وجہ سے دوانیقی کہا جاتا تھا۔ ایسا دشمن اہلیت تھا کہ اس کے مرنے کے بعد جب اس کا خزانہ کھولا گیا ہے تو اس میں صرف سادات اور مہمان اہلیت کے سروں کا ذخیرہ تھا اور سب پر شہیدوں کا نام اور ان کا شجرہ لکھا ہوا تھا۔ اس ظالم نے حسنی سادات کو دیواروں اور ستونوں میں زندہ چنوا دیا تھا جس کا ایک شہور واقعہ یہ ہے کہ ایک بچہ کو زندہ دیوار میں چنوا دیا تو اس نے فریاد کی اور ممان نے ہوس کے لیے ایک سوراخ چھوڑ دیا اور رات کو اگر باہر نکال دیا۔ بچے نے منت کی کہ میری والدہ کو میرے گھر جا کر میری ربائی کی اطلاع کر دینا ورنہ وہ بہت پریشان ہوں گی۔

ہمدی: اس سے بھی بدتر حاکم تھا۔ ابتدا میں اس نے نرمی کا برتاؤ کیا لیکن اس کے بعد امام کو بار بار مدینہ سے بغداد طلب کیا کہ قتل کر دیا جائے۔ لیکن بفضل الہی کامیاب نہ ہو سکا۔ اسی نے امام کو فدک واپس کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن آپ نے فرمایا کہ اس کے حدود تمام مملکت اسلامیہ کے حدود ہیں، اور فدک خلافت کی ایک تعبیر ہے۔ اسلامی حکومت کے بغیر باغ کی کوئی حیثیت نہیں ہے کہ یہ باغ درحقیقت اسلامی حکومت کے استحکام کا ذریعہ ہے اور اس کے بغیر ہماری نظروں میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ فدک صرف ایک باغ ہوا جاگیر ہو، ہم سب کو اسلام کی راہ میں صرف کرنا چاہیے ہیں اور یہی ہمارے جد بزرگواری اور جد ماجدہ کا مقصد تھا جس کے لیے انھوں نے قیام فرمایا تھا۔

ہادی: یہ باپ سے بھی بدتر تھا اور اس نے حکومت پاتے ہی قتل امام کے منصوبہ کا اعلان کر دیا لیکن حضرت نے شکر اکر فرمایا کہ خود پہلے اپنی خیر منے اس کے بعد مجھے قتل کرنا چاہتا ہے منصور کی تکمیل سے پہلے ہی واصل جہنم ہو گیا۔

ہارون: علماء اسلام نے اس کے فضائل کے دفتر کھول دیے ہیں حالانکہ یہ ایک انتہائی عیاش شخص تھا اور علماء کو اپنے سے قریب حسب خواہش فتویٰ حاصل کرنے کے لیے رکھے ہوئے تھا۔ اس نے امام کو بغداد لانے سے پہلے حج کا سفر کیا تاکہ مکہ یا مدینہ میں امام کے حالات کا جائزہ لے اور مسجد الحرام میں امام سے بحث بھی کی۔ جب حضرت نے لاجواب کر دیا تو پھر مدینہ جا کر باقاعدہ ملاقات کی اور یہ طے کر لیا کہ ان کو مدینہ سے بغداد طلب کر لیا جائے۔

نقوشِ سیاست

امام موسیٰ بن جعفرؑ کی زندگی کے سیاسی نقوش حسب ذیل ہیں:

۱۔ علی بن یقظین کو وزیر مملکت بنوادیاتا کہ مومنین کے جان و مال و آبرو کا تحفظ ہو سکے اور حکومت کے ارشے بھی واضح ہو سکیں کہ حتی الامکان ان کو تکمیل سے روکا جاسکے۔

۲۔ علی بن یقظین کے ذریعہ اتنا خرچ فرام ہوتا رہے کہ فقراء مومنین کی کفالت ہو سکے اور ایام آل محمد تباہ و برباد نہ ہو سکیں۔

۳۔ اصحاب کو ہر طرح کے تعادوں سے باز رکھنا تاکہ حکومت سے بیزاری کی فضا قائم رہے اور عوام میں یہ احساس بیدار ہو کہ ایسے افراد ملک خدا میں حکومت کرنے کے اہل نہیں ہیں۔

۴۔ حکومت کے مطالبات پر مدینہ سے بغداد اور بغداد سے مدینہ کا سفر کرتے رہے کہ اس طرح ہر مقام کے لوگوں سے رابطہ قائم ہوگا اور انھیں اسلام کا مفہوم سمجھایا جاسکے گا چنانچہ سندی بن شاہک جیسے ملعون کی قید میں بھی رہ کر اس کے بعض گھردالوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا اور اس کی نسل میں ایک پورا قائماند محبانِ اہلبیت کا پیدا ہو گیا۔

۵۔ حج کے موقع پر مسجد الحرام میں بیٹھ کر مسائل بیان کرتے رہے اور لوگوں کو اسلام کی عظمت اور اہلبیت کی جلالت سے باخبر کرتے رہے یہاں تک کہ ہارون نے مسئلہ پوچھنا چاہا تو فرما دیا کہ باادب کھڑے ہو کر سوال کرو تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہارون جاہل ہے اور جاہل کو حاکم سلطین بننے کا حق نہیں ہے۔

ہارون نے مدینہ میں قبرینبر سے خطاب کر کے سلام کیا اور کہا "السلام علیک

یا بن العمر" تاکہ اپنی قربت کا اظہار کرے۔ تو آپ نے فوراً سلام کیا، "السلام علیک یا ائبۃ" تاکہ قوم کو اندازہ ہو سکے کہ وہ قربت دار ہے تو ہم فرزند رسول ہیں۔

۶۔ فذک کے حدود بیان کر کے واضح کر دیا کہ ہمارا حق ایک علاقہ کا نہیں ہے۔ ہمارا حق پورے عالم اسلام پر ہے جس پر ظالموں نے قبضہ کر رکھا ہے۔

اس کے علاوہ بھی امام کی زندگی میں تبلیغ دین، خدمت اسلام اور تربیت اصحاب کے بے شمار مواقع پائے جاتے ہیں۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام موسیٰ بن جعفر کا کام گوشہ نشینی اور عزلت گزینی نہیں تھا بلکہ وہ حقیقتاً امام وقت تھے اور امام نظام اسلام کا ذمہ دار ہوتا ہے اور وہ اپنے امکان بھر قیام اسلام کے لیے جہاد کرتا رہتا ہے۔ اب اس جہاد مسلسل کا آخری نتیجہ کب ظاہر ہوگا اور واقعی نظام عدل و انصاف کب قائم ہوگا اس کا علم پروردگار کو ہے۔

خدا یا! ہم ایک ایسی حکومت کے طلب گار ہیں جس سے اسلام کو سرفرازی نصیب ہو اور نفاق کو ذلت۔ ہم تیرے دین کی دعوت دیں اور تیری راہ کی قیادت کریں اور اس طرح دنیا اور آخرت کی کرامت اور عزت حاصل کر سکیں!۔

والسلام علی من اتبع الهدی

جہاد باللسان

انہی معصومین کی زندگی سراپا جہاد ہے۔ انہوں نے ہر میدان زندگی میں جہاد کیا ہے اور ہر محاذ پر دین اسلام کے تحفظ کے لیے قربانیاں دی ہیں۔ راہ خدا میں لگا کھانا، جام شہادت نوش کر لینا اور قید خانوں میں زندگی بسر کرنا یہ سب جہاد کی مختلف قسمیں ہیں۔ لیکن ان سب مجاہدات کے ساتھ جہاد باللسان کا سلسلہ بھی جاری رہا اور حسب امکان مخالفین حق و حقانیت کو زیر کر کے دین اسلام اور حقائق مذہب کا تحفظ کرتے رہے۔

امام موسیٰ کاظمؑ کی زندگی کا ایک بڑا حصہ قید خانوں میں گذرا ہے۔ لیکن اس کے باوجود جب بھی موقع ملا ہے آپ نے اسلامی حقائق کو بے نقاب کرنے اور دشمنان حق و حقیقت کو خاموش کرنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی ہے۔

تاریخ اسلام میں آپ کے مختلف مباحثات و مناظرات کا ذکر موجود ہے جن سے آپ کے علمی جہاد اور تحفظ دین کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۱۔ نفعی انصاری نے آپ کو بارون رشید کے دربار میں داخل ہوتے اور حاجب دربار کو آپ کی غیر معمولی عزت کرتے دیکھ کر نہایت ہی معاندانہ لہجہ میں سوال کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ اس نے کہا آپ نہیں پہچانتے ہیں۔ یہ آل ابوطالب کے بزرگ اور موسیٰ بن جعفر ہیں۔

نفعی نے اہل دربار کو سرزنش کرنا شروع کر دی کہ یہ لوگ ایسے شخص کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں جو کسی وقت بھی تخت و تاج پر قبضہ کر سکتا ہے۔ یہ باہر نکلے گا تو میں اسے فروز شرمندہ کر دوں گا۔ عبدالعزیز نے منع کیا کہ آپ ایسا ارادہ نہ کریں یہ اہمیت رسولؐ ہیں اور جو ان سے مقابلہ کرتا ہے وہ ضرور رسوا ہوتا ہے۔ لیکن نفعی نے ایک زبانی اور جب آپ باہر تشریف لائے تو راستہ روک کر کہا کہ آپ کون ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ نسب کے بارے میں پوچھتے ہو تو حضرت محمد مصطفیٰؐ، حبیب خدا حضرت اسماعیل ذبیح اللہ، حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا فرزند ہوں، وطن کے بارے میں پوچھتے ہو تو وہاں کا ہوں جس کا جہاد تمام مسلمانوں پر واجب ہے اور تم بھی مسلمان ہو تو تم پر بھی واجب ہے۔ مقابلہ کرنا چاہتے ہو تو یاد رکھو کہ میدان جنگ میں ہماری قوم کے شرکوں نے تمہاری قوم کے مسلمانوں کو اپنے برابر کا نہیں سمجھا تھا اور میدان میں صاف کہہ دیا تھا کہ ہمارے برابر کے افراد کو ہمارے مقابلہ کے لیے

بھیجو۔ نفعی یہ سن کر بے حد شرمندہ ہوا اور راستہ چھوڑ کر الگ کھڑا ہو گیا۔ (ذریعۃ النظر ص ۴۵)
۲۔ بارون رشید نے ابو یوسف کی قابلیت کو دیکھ کر انہیں حکم دیا کہ امام سے سخت ترین سوالات کریں تاکہ آپ جواب نہ دے سکیں تو جمع عام میں آپ کی ہنسی ہو جائے۔ ابو یوسف نے آپ سے دریافت کیا کہ حالت احرام میں سایہ کرنے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا کہ حرام ہے۔ سوال کیا کہ اگر کوئی شخص خیر کے اندر چلا جائے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا یہ حلال ہے۔ عرض کی کہ دونوں میں فرق کیا ہے؟

فرمایا کہ حالت حیض میں عورت نماز اور روزہ دونوں چھوڑ دیتی ہے اور اس کے بعد روزہ کی تہا واجب ہوتی ہے اور نماز کی تہا واجب نہیں ہوتی ہے۔ تو ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ ابو یوسف نے کہا کہ یہ حکم خدا ہے۔ فرمایا کہ وہ بھی حکم خدا ہے۔ چنانچہ ابو یوسف شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا۔ (مناقب)

۳۔ ابو حنیفہ نے امام صادقؑ کی خدمت میں شکایت کی کہ آپ کے فرزند ایسی جگہ پر نماز پڑھ رہے تھے جہاں سامنے سے لوگ گذر رہے تھے تو آپ نے سکوت اختیار فرمایا، استنہ میں امام موسیٰ بن جعفرؑ آگے تو فرمایا کہ فرزند! ابو حنیفہ کو یہ شکایت ہے۔ فرمایا کہ میرا خدا گذرنے والوں سے زیادہ مجھ سے قریب تر ہے۔ لہذا کوئی میرے اور اس کے درمیان حائل نہیں ہو سکتا ہے۔ ابو حنیفہ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور حضرت نے اپنے فرزند کو گلے سے لگایا۔ فرزند اسے عزیز اسرار الہی میں تیرے قربان! — (بحار ج ۱۲ ص ۹۳)

۴۔ علماء ہود کا ایک وفد امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ نبوت حضرت محمدؐ کی دلیل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کتاب اللہ اور وہ تمام احکام حلال و حرام، جو

پروردگار نے آپ کو عطا فرمائے ہیں۔

ان لوگوں نے کہا کہ اس کی دلیل کیا ہے کہ آپ جو فرما رہے ہیں وہ صحیح ہے؟
اتفاق سے امام موسیٰ بن جعفر کسنی کے عالم میں محفل میں موجود تھے آپ نے فوراً فرمایا کہ
اس کی دلیل کیا ہے کہ تم لوگ جو کچھ حضرت موسیٰ کے بارے میں کہتے ہو وہ سب صحیح ہے؟
ان لوگوں نے کہا کہ ان باتوں کو صادقین نے نقل کیا ہے۔

فرمایا کہ یہی کیفیت پیغمبر اسلام کے کرامات کی ہے کہ ان کی گواہی بھی ایک ایسے بچہ نے
دی ہے جو بغیر تعلیم و تعلم کے تھا اسے سامنے اتنا مہمت کر رہا ہے۔ علماء یہودیہ سن کر قانع ہو گئے اور
مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ امام نے اپنے فرزند کی پیشانی کا بوسہ دیا اور فرمایا کہ بے شک تم میرے
بعد حق کے امین اور دین کے ذمہ دار ہو۔ (بخاری ج ۴ ص ۱۶۸)

۵۔ برہہ عیسائیوں کا ایک بہت بڑا عالم تھا اور ہمیشہ حق کی جستجو میں رہا کرتا تھا ہر آنک
کہ کسی نے ہشام بن الحکم کا ذکر کیا تو وہ ان کے پاس سو علماء نصاریٰ کے ساتھ حاضر ہوا اور مختلف
مسائل علم کلام پر گفتگو کی۔ اس کے بعد امام صادق کی خدمت میں حاضری دی۔ وہاں امام موسیٰ کاظم
سے ملاقات ہو گئی۔ ہشام نے اپنی گفتگو کی داستان سنائی۔ آپ نے برہہ سے خطاب کے فرمایا
تھا اور اپنی کتاب کے بارے میں کیا اندازہ ہے؟ عرض کی کہ میں اس کا عالم ہوں۔
فرمایا تمہیں اس کی تاویل پر کتنا اعتبار ہے؟
عرض کی مکمل اعتبار ہے۔

یہ سن کر آپ نے انجیل کے فقرات کی تلاوت شروع کر دی اور برہہ حیرت سے دیکھتا
رہا یہاں تک کہ آپ کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے کہنے لگا کہ میں تقریباً ۵۰ سال سے ایسے ہی
عالم کی تلاش میں تھا اور یہ کہہ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

اس کے بعد امام صادق کی خدمت میں حاضری دی۔ ہشام نے پورا واقعہ بیان کیا۔ آپ
نے فرمایا کہ یہ کمالات ذریت در ذریت چل رہے ہیں۔ برہہ نے امام صادق سے پوچھا کہ آپ
حضرت کو تورات و انجیل کا علم کہاں سے حاصل ہو گیا؟

فرمایا کہ یہ ہمارے پاس صاحبان کتاب کی وراثت ہے۔ ہم لوگ اسی طرح تلاوت کرتے

ہیں جس طرح خود وہ لوگ کیا کرتے تھے۔ پروردگار کسی ایسے کو محنت نہیں قرار دیتا جو کسی مسئلہ میں
ناداقتیت کا اعلان کر دے۔

برہہ حضرت کی گفتگو سن کر بے حد متاثر ہوا اور آپ کے اصحاب میں داخل ہو گیا۔ آپ
کے بعد امام موسیٰ کاظم کی خدمت میں رہا اور آپ ہی کے دو برجیات میں انتقال کیا۔

(بخاری ج ۴ ص ۱۶۸)

۶۔ راہب نصرانی: شام کا رہنے والا ایک راہب نصرانی تھا جو اپنی قوم میں بے حد
احترام کا مالک تھا اور سال میں ایک دفعہ قوم کے سامنے آتا تھا اور لوگ اس کی زیارت کے
لیے جمع ہوتے۔ اتفاق سے اسی موقع پر امام کاظم علیہ السلام نے بھی اس سے ملاقات کی اور
اس نے امام کو دیکھا تو فی الفور متوجہ ہو گیا۔

کیا آپ مرد مسافر ہیں؟

فرمایا بے شک!

ہماری قوم سے ہیں یا ہمارے خلاف؟

فرمایا تمہاری قوم سے نہیں ہوں۔

کیا امت مرحومہ سے تعلق رکھتے ہیں؟

فرمایا بے شک!

اس کے علماء میں ہیں یا جہلاء میں؟

فرمایا جہلاء میں سے نہیں ہوں۔

یہ بتائیے کہ درخت طوبیٰ کی اصل آپ کے نزدیک حضرت محمد کے گھر میں ہے اور ہمارا
زادہ حضرت عیسیٰ کے گھر میں ہے اور اس کی شاخیں ہر گھر میں ہیں۔ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے؟
فرمایا، درخت طوبیٰ کی مثال آفتاب جیسی ہے جو اپنی منزل پر رہتا ہے۔ لیکن اس کی
شعاعیں ہر جگہ موجود رہتی ہیں۔

یہ بتائیے کہ جنت کی غذائیں کھانے سے کیوں کر کم نہ ہوں گی؟

فرمایا، اس کی مثال چراغ جیسی ہے کہ اس سے بے شمار چراغ جلا لیے جاتے ہیں تو

بھی روشنی میں کمی نہیں ہوتی ہے۔

جنت میں ایک طویل سایہ ہے وہ کیلہ ہے؟

فرمایا، طلوع آفتاب سے پہلے کا وقت ظلِ محدود کہا جاتا ہے۔

اہل جنت غذا میں استعمال کریں گے تو بول و براز کی احتیاج کیوں کرنے ہوگی؟

فرمایا ان کا صاحب شکم مادر میں پوجا جیلے۔

جنت کے خدام بغیر ام و حکم کس طرح خدمت انجام دیں گے؟

فرمایا، انسان کسی چیز کا شائق ہوگا تو اس کے اثرات ظاہر ہو جائیں گے اور خدام اس

کی تعمیل کے لیے تیار رہیں گے۔

جنت کی کنجی سونے کی ہے یا چاندی کی؟

فرمایا، جنت کی کنجی لا الہ الا اللہ ہے۔

آپ نے بالکل صحیح فرمایا۔ یہ کہہ کر اپنی قوم کے ساتھ شرف بہ اسلام ہو گیا۔

(مناقب۔ حیاۃ الامام موسیٰ بن جعفر)

یاد رہے کہ ایسا ہی ایک واقعہ امام محمد باقر علیہ السلام کے حالات کے ذیل میں بھی نقل

کیا گیا ہے اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے۔ اگر معصومین علیہم السلام میں سب کا قول و عمل

یکساں اور متحد ہوتا ہے، ان کے اول و آخر کے بیان میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے۔

اصحاب و تلامذہ

۱۔ حماد بن عیسیٰ

انہوں نے امام سجاد سے امام جواد تک کا دور دیکھا ہے اور اصحاب اجماع میں شمار ہوتے

ہیں۔ نقل روایات میں اس قدر محتاط تھے کہ امام صادق سے نقل ہونے والی صرف شجر روایات

کو اخذ کیا اور ان میں سے بھی چھان پھٹک کے بعد صرف بیٹل کو اختیار کیا جس میں کسی طرح کے

نقص و تغیر کا امکان نہیں تھا۔

امام کاظم سے دعائے خیر کی التماس کی تو آپ نے مکان، زوجہ، فرزند، خادم اور چاش

سال تک حج کی دعا دے دی اور اہم کی دعا کی برکت سے تمام نعمتیں حاصل ہو گئیں۔ لیکن پچاس سال تک حج کے بعد پھر حج کا ارادہ کیا تو غسل اہرام کرتے وقت سیلاب کی نذر ہو گئے اور غریقِ حوض کا لقب پا گئے۔

۲۔ ابو عبد اللہ عبد الرحمن بن الحجاج البجلی الکوفی

صفوان بن یحییٰ کے استاد تھے اور امام صادق و کاظم کے اصحاب میں شمار ہوتے تھے۔

ایک عرصہ کے بعد راء حق کی طرف آئے اور امام رضا سے بھی ملاقات کی اور اسی زمانہ میں انتقال

بھی فرمایا۔ امام علی رضا نے انہیں جنت کی بشارت دی ہے اور امام صادق ان سے فرمایا

کرتے تھے کہ اہل مدینہ سے مناظرہ کرو، مجھے اپنے اصحاب میں تم جیسے افراد کی ضرورت ہے۔

ابو الحسن کی طرف سے یہ روایت بھی نقل کی گئی ہے کہ آپ نے عبد الرحمن کے

بارے میں فرمایا کہ وہ دل پر گراں تھے لیکن اس کا مفہوم علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ دشمنوں

کے دل پر گراں تھے یا میرے دل میں گراں قدر تھے یا اس اعتبار سے گراں تھے کہ ان کا نام

عبد الرحمن تھا اور ان کے باپ کا نام حجاج تھا اور صاحبانِ ایمان کے دلوں پر یہ دونوں نام

گراں ہیں۔ جیسا کہ سبط ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن جعفر نے اپنے ایک فرزند کا

نام معادیر رکھ دیا تھا تو سارے بنی ہاشم نے ان سے ترک تکلم کر دیا کہ بنی ہاشم اس نام کو محفلت

کے طور پر بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

۳۔ عبد اللہ بن جندب بجلی کوفی

اصحاب امام کاظم و امام رضا میں ثقہ جلیل القدر تھے اور حضرت کے وکیل بھی تھے۔

امام رضا نے انہیں خدا و رسول کے راضی ہونے کی ضمانت دی تھی اور انہیں جنت کی بشارت

بھی دی تھی۔

انہیں کے بارے میں یہ مشہور روایت ہے کہ میدانِ عرفات میں زار و قطار رو رہے تھے

تو ابراہیم بن ہاشم نے کہا کہ میں نے اس شان کا وقت تو کبھی نہیں دیکھا۔ تو فرمایا کہ خدا کی قسم

میں نے اپنے حق میں کوئی دعا نہیں کی ہے اور ہر دو عالم را در ان ایمانی کے حق میں کی ہے کہ امام

موسیٰ کاظم نے فرمایا ہے کہ جو شخص برادرانِ ایمانی کے حق میں دعا کرتا ہے رب کریم کی طرف سے

عزائم سے آواز آتی ہے کہ تجھے اس کا ایک لاکھ گنا دیا جائے گا۔ تو میں نے نہیں چاہا کہ قدرت کی طرف سے ایک لاکھ گنا کا انکار کروں اور اپنی گناہگار زبان سے اپنے حق میں صرف ایک دُعا کروں جس کے قبول ہونے کی بھی کوئی ضمانت نہیں ہے۔

انھیں عبداللہ بن عبدالمطلب نے ایک مرتبہ امام رضا کو خط لکھا کہ میں ضعیف العمر ہو گیا ہوں، لہذا ایسا کوئی ورد تعلیم دیں کہ میرے علم و فہم میں اضافہ ہو جائے اور وہ میرے لیے سبب تقرب الہی ہو۔ تو آپ نے فرمایا کہ بکثرت یہ ورد پڑھا کرو، "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، وَلا حَوْلَ وَلا قُوَّةَ اِلا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ"

۴۔ ابو محمد عبداللہ بن المغیرہ کوفی

فقہاء اصحاب میں مرد ثقہ تھے اور دین و دوزخ میں بے مثل و بے نظیر تھے۔ اصحاب اجماع میں شمار ہوتے تھے اور تقریباً تیس کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ میں واقفیت فرقت سے تعلق رکھتا تھا۔ اتفاق سے حج کے لیے گیا تو دیوار کعبہ سے لپٹ کر گریہ کر کے دعا کی کہ خدایا مجھے صحیح دین کی ہدایت فرما تو اچانک یہ خیال پیدا ہوا کہ امام رضا سے ملاقات کروں۔ چنانچہ حج کے بعد مدینہ گیا اور حضرت کے در دولت پر حاضر ہوا کہ اطلاع بھجوائی کہ ایک شخص عراق سے ملنے کے لیے آیا ہے۔ ایک مرتبہ اندر سے آواز آئی کہ عبداللہ بن مغیرہ آجاؤ۔ میں حیرت زدہ رہ گیا اور میں نے فوراً حضرت کی امامت کا کلمہ پڑھ لیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جاؤ تمہاری دعا مستجاب ہو گئی، تو مجھے حضرت کی امامت کا مزید یقین کامل ہو گیا اور الحمد للہ کہ اسی عقیدہ پر قائم ہوں۔

۵۔ عبداللہ بن یحییٰ الکاہلی الکوفی

یہ اور ان کے بھائی اسحاق دونوں امام صادق اور امام کاظم کے راویوں میں شمار ہوتے ہیں اور امام کاظم ان پر خصوصی عنایت فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ علی بن یقین کو نصیحت فرمائی تھی کہ کاہلی کا خاص خیال رکھنا اور اسی بنا پر وہ ان کے تمام مصارف کی کفالت کیا کرتے تھے اور سارے خاندان کا خرچ چلایا کرتے تھے یہاں تک کہ ایک مرتبہ حج کے بعد امام کاظم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ عبداللہ! اب خیر زیادہ کرو کہ تمہارا وقت موت قریب آ گیا ہے۔ عبداللہ نے رونا شروع کر دیا۔ فرمایا گریہ مت کرو، تمہارا شمار میرے شیعوں میں ہے اور تمہاری عاقبت بخیر ہے۔ یہ سن کر

عبداللہ سرور ہو گئے اور چند دنوں کے بعد انتقال کر گئے۔

۶۔ علی بن یقین

اصلاً کوفہ کے رہنے والے تھے۔ لیکن قیام بغداد میں تھا۔ اجلاہ اصحاب امام کاظم میں تھے اور حضرت کی خصوصی عنایت کامر کرتے تھے۔ ۱۲۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے جس کے بعد ان کے والد مروان الحمار کے خوف سے وطن چھوڑ فرار کر گئے اور والدہ نے بھی مدینہ میں قیام کر لیا یہاں تک کہ مروان الحمار قتل ہو گیا اور بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی تو دونوں ظاہر ہوئے اور علی بن یقین کے والد نے مدینہ میں انتقال کیا اور علی بن یقین امام کاظم کی خدمت میں حاضر رہے یہاں تک کہ حضرت نے جنم سے نبوت کی ضمانت عطا فرمائی اور حضرت کے حکم سے بادشاہ کے وزیر مقرر ہو گئے۔ امام صادق نے بھی پچھنے ہی میں انھیں دعائے خیر سے نوازا تھا اور علی بن یقین نہایت درجہ صاحب خیرات تھے یہاں تک کہ ایک سال میں ایک سو پچاس افراد کو اپنی طرف سے حج کرنے کے لیے روانہ کیا۔

علی بن یقین کے واقعات و دروزارت شہرہ آفاق ہیں۔ امام کاظم ان پر اس قدر مہربان تھے کہ ایک مرتبہ ابراہیم جمال سے ملاقات نہیں کی تو حضرت نے مدینہ میں ان سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ابراہیم کو راضی کرو اور پھر باعجاز ایک رات میں انھیں مدینہ سے کوفہ پہنچایا اور انھوں نے ابراہیم سے معافی مانگی اور پھر واپس حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

علی بن یقین نے ۱۸۲ھ میں اس وقت انتقال کیا جب امام موسیٰ کاظم قید خانہ میں تھے۔ بعض حضرات نے سن وفات ۱۸۲ھ قرار دیا ہے۔

۷۔ مفضل بن عمر کوفی جعفی

شیخ بخاشی اور علامنے ان کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے لیکن دیگر علماء اہل بیت نے تعریف اور توثیق کی ہے اور نقل کیا ہے کہ امام صادق اور امام کاظم کے دکلا میں تھے اور امام صادق نے ان کے پاس ایک رقم رکھوائی تھی کہ اس کے ذریعہ اصحاب کے درمیان کوئی اختلاف ہو جائے تو صلح کریں اور محمد بن سنان کی روایت ہے کہ امام کاظم نے فرمایا کہ جس طرح مفضل میرے لیے باعث انس و راحت ہیں اسی طرح تم حضرت رضا اور جواد کے لیے باعث انس و راحت ہو گے۔ عبداللہ بن فضل ہاشمی راوی ہیں کہ میں امام صادق کی خدمت میں تھا کہ مفضل بن عمرو وارد ہو گئے۔ حضرت نے خندہ پیشانی کے ساتھ ان کا استقبال کیا

اور فرمایا کہ خدا کی قسم میں تمہیں دوست رکھتا ہوں اور اسے کاش کہ میرے کل اصحاب اتنے ہی صابغ ہوتے جتنے تم ہو، بفضل نے عرض کی مولا! اتنا بلند نہ کیجئے۔ فرمایا کہ میں نے تمہیں تمہارا مقام دیا ہے۔ عرض کی تو پھر جابر بن یزید کا کیا مقام ہوگا؟ فرمایا کہ جس طرح رسول اکرمؐ کے لیے سلمان فارسی تھے۔ عرض کی اور داؤد بن کثیر رقی؟ فرمایا کہ جس طرح مقداد بن الاسود تھے۔

اس کے بعد عبداللہ سے فرمایا کہ رب العالمین نے ہماری ارواح کو اپنے نورِ عظمت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری ارواح کھاری ارواح سے۔ میرے پاس میرے تمام شیعوں کی فہرست موجود ہے بشرطِ مشرق و مغرب مل کر بھی نہ ایک فرد کا اضافہ کر سکتے ہیں اور نہ کمی۔ عبداللہ نے فہرست کا اشتیاق ظاہر کیا تو آپ نے صحیفہ نکال کر دکھلایا اور عبداللہ نے آخر میں اپنا نام دیکھ کر سب سے ہنسا دیا۔

۸۔ ابو محمد ہشام بن المعلم

کو ذمہ پیدا ہوئے۔ واسط میں پلے بڑھے اور آخر میں بغداد میں مقیم ہو گئے۔ وہیں ان کی تجارت کا سلسلہ تھا۔ اصحاب امام صادقؑ و امام کاظمؑ میں شمار ہوتے ہیں اور نہایت درجہ کے ذکی اور ہوشمند تھے۔ علم کلام اور مناظرہ میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ شامہ میں کو ذمہ انتقال فرمایا تو امام رضاؑ نے ان کے حق میں دعلے رحمت فرمائی اور امام جو اؤ کے سامنے ان کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ خدا ان پر رحمت نازل کرے وہ ہم اہلبیت کے حق سے بہترین دفاع کرنے والے تھے۔

عمر بن یزید راوی ہیں کہ ہشام ابتدا میں جہمی مذہب کے قائل تھے۔ ایک مرتبہ امام صادقؑ سے مناظرہ کی خواہش کی تو میں نے حضرت سے وقت لیا۔ ہشام حاضر ہوئے تو آپ نے ایک سوال کر دیا جس کا جواب نہ دے سکے اور چند روز کے بعد جواب لے کر آئے تو آپ نے دوسرا سوال کر دیا۔ پھر چند روز تک جواب تلاش کرتے رہے اور اب جو تیسری مرتبہ آئے تو حضرت کی ہیبت سے کلام کرنے کی ہمت نہ پڑی اور اسے توفیق پروردگار قرار دے کر ایمان لے آئے اور امام صادقؑ کی خدمت میں اس قدر ترقی کی کہ آپ نے عمران بن اسحاق بن قیس، یونس بن یعقوب اور مومن طاق کی موجودگی میں انہیں صدر مجلس میں جگہ دی اور فرمایا تھانا ناصرنا بقلبہ ولسانہ۔ اور پھر ہشام کو مناظرہ میں اتنا کامل بنا دیا کہ کوئی شخص بھی انہیں شکست نہیں دے سکتا تھا۔ یہ ان کے دفاعِ حق اہلبیت کا اثر تھا کہ بارون نے ان کی گرفتاری کا حکم دے دیا اور وہ روپوش ہو گئے یہاں تک کہ ان کے گھر والوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس آئنا میں جب وقت وفات قریب آیا تو

بشیر سے فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد مجھے غسل و کفن دے کہ جنازہ کو کناس میں رکھ دینا اور ایک پرچہ لکھ دینا کہ یہ ہشام کا جنازہ ہے جس نے حکومت کے خوف سے انتقال کیا ہے تاکہ حکومت کو میرے مرنے کا یقین ہو جائے اور میرے گھر والے رہا ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور متعدد لوگوں کی شہادت کے بعد ان کے اہل خانہ کو رہا کر دیا گیا کہ اب حکومت کو ہشام کے خطرہ سے نجات مل گئی ہے۔

۹۔ یونس بن عبد الرحمن

ہشام بن عبد الملک کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ امام باقرؑ اور امام صادقؑ کی بھی زیارت کی ہے لیکن روایت کا شرف امام کاظمؑ سے حاصل کیا ہے۔ اصحابِ اجماع میں بھی شمار ہوتے ہیں اور امام رضاؑ لوگوں کو مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ انہوں نے ایک کتاب "یوم ولیدہ" بھی لکھی ہے جسے امام عسکریؑ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اول سے آخر تک پڑھ کر فرمایا کہ یہی میرا اور میرے آباء و اجداد کا دین ہے۔ یونس نے شہدہ میں انتقال فرمایا اور امام رضاؑ نے تین مرتبہ انہیں جنت کی بشارت دی تھی اور انہیں مثل سلمان قرار دیا تھا کہ انہوں نے فرقہ و اقلیت کا شدت سے مقابلہ کیا اور لوگوں کو امام رضاؑ کی امت کی طرف دعوت دی اور نہایت سے لوگوں نے امام کاظمؑ کے بعد امامت کے سلسلہ کو روک دیا تھا اور امام رضاؑ کی امامت کا انکار کر کے امام کاظمؑ کے سارے اموال اور حقوق پر قبضہ کر لیا تھا۔

۱۰۔ یونس بن یعقوب الجعفی الہمدنی

حضرت معاویہ بن عمار کے بھانجے تھے۔ ابتدا میں غالباً عبداللہ انطخ کی امامت کے قائل تھے بعد میں امام کاظمؑ کی طرف رجوع کیا اور معتبر ترین اصحاب امامؑ میں شامل ہو گئے یہاں تک کہ آپ کے وکیل بھی ہو گئے۔ امام رضاؑ کے زمانے میں مدینہ میں انتقال فرمایا تو حضرت نے تجنیز و تکفین کا مکمل انتظام فرمایا اور تمام لوگوں کو جنازہ میں شرکت کا حکم دیا اور بقیع میں قبر کا انتظام فرمایا جس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ عراقی تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے چاہنے والے تھے لہذا اگر انہیں بقیع میں جگہ نہ دی گئی تو ہم بھی اپنے جنازہ سے وہاں دفن نہ کریں گے۔ جس کے بعد انہیں قبر کی جگہ دی گئی اور حضرت نے متولی قبرستان کو ۴۰ دن قبر پر پانی پھرنے کا حکم دیا کہ یونس خدا کی نگاہ میں اس قدر عزیز ہیں کہ اس نے انہیں عراق سے جو اپنے قبر تک پہنچا دیا ہے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

نقش

حیات امام علی بن موسیٰ الرضاؑ

ولادت: ۱۱ ذی قعدہ ۱۲۸ھ

شہادت: ۲۳ ذی قعدہ ۲۰۳ھ

نقش زندگی امام علی رضا علیہ السلام

ماہ ذی قعدہ ۱۲۸ھ کی گیارہویں تاریخ تھی جب مدینہ منورہ میں پیغمبر اسلام کے آٹھویں وارث اور سلسلہ امامت کے آٹھویں امام کی ولادت باسعادت ہوئی اگرچہ بعض روایات میں ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۵ھ ہے۔

● والد بزرگوار امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تھے اور والدہ ماجدہ جناب نجمہ خاتون جن کے بارے میں مرسلِ اعظم نے خواب میں جناب حمیدہ خاتون کو نصیحت فرمائی تھی کہ جو کارشتہ میرے فرزند موسیٰ کاظم سے کرے اور خود ان کا بیان ہے کہ میں خواب میں اپنے فکرم میں تسبیح و تہلیل کی آوازیں سنا کرتی تھی مجھے حمل میں کسی طرح کی گرانی کا احساس نہیں ہوا اور ولادت کے بعد میرے فرزند نے رخ آسمان کی طرف کر کے زیر لب کچھ فقرات کہے جو میں نہ سمجھ سکی اور امام موسیٰ کاظم سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ میرا فرزند حجت خدا ہے۔

● امام موسیٰ کاظم نے کان میں اذان و اقامت کہی اور عقیقہ کا اہتمام کیا کہ امام ختم شدہ پیدا ہوتا ہے۔

● جناب نجمہ کے اسماء گرامی مختلف حالات و روایات یا زیباؤں کے اعتبار سے مختلف ہیں: مکرم، اردی، سکن، سمان، ام البنین، خیزران، صقر، شقرا، اور امام علی رضاؑ کی ولادت کے بعد سے انھیں طاہرہ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

● امام رضاؑ کا اسم گرامی علیؑ، کنیت البراء حسن اور القاب صابر، فاضل، رضی، وفی ترقی علیہ السلام فیظا الممدین وغیرہ تھے لیکن سب سے زیادہ مشہور لقب رضا ہے جو آپ کو آپ کے جد بزرگوار حضرت محمد مصطفیٰؐ عطا فرما کر گئے تھے یہ اور بات ہے کہ جب دنیا نے آپ کی حکومت کو پسند کر لیا تو اس لقب کی شہرت زیادہ ہو گئی اور اس طرح یہ بات واضح ہو گئی کہ خدا کے پسندیدہ بندہ کو ایک نیک انسان

اہل دنیا کو پسند کرنا ہی پڑتا ہے چاہے وہ علی مرتضیٰ کی شکل میں ہو یا علی رضا کی شکل میں۔

● آپ کی ولادت سے تقریباً ۱۵ دن قبل آپ کے جد بزرگوار امام جعفر صادق کا انتقال ہو گیا تھا جن کی آرزو تھی کہ اپنے اس فرزند کو دیکھ لیتے جیسا کہ آپ نے اپنے فرزند امام موسیٰ کاظم سے فرمایا تھا کہ عنقریب تمہارے یہاں ایک فرزند پیدا ہونے والا ہے جو عالم آل محمد ہوگا کاش! میں اس کے زائے کو درک کر لیتا۔

● آپ کے دور کے سلاطین میں وقت ولادت منصور دوم ایشی کی حکومت تھی ۶۵۷ھ سے ۶۸۱ھ ہدی عباسی کا دور شروع ہوا ۶۶۱ھ میں ہادی تخت نشین ہوا اور ۶۸۱ھ سے ہارون کی حکومت کا آغاز ہوا۔ ۶۹۱ھ میں امین تخت نشین ہوا اور ۶۹۵ھ سے مامون کی سلطنت کا آغاز ہو گیا۔ اسی ظالم نے ۷۲۰ھ میں حضرت کو زہرے کر شہید کر دیا۔

منصور، ہدی، ہادی اور ہارون کا تعارف کرایا جا چکا ہے۔ امین و مامون ہارون رشید کے دو فرزند تھے۔ ایک عرب عورت سے تھا امین۔ اور ایک عجمی کیزے سے تھا مامون۔ امین انتہائی عیاش، بد قماش اور اوباش تھا اور مامون قدر سے ہوشیار، علم دوست اور باہر تھا لیکن عجمی ماں کی وجہ سے عرب لے ولی عہد ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہارون امین کو جانشین بنانا نہیں چاہتا تھا کہ اس میں سلطنت کی تباہی اور بربادی کا خطرہ ہے لیکن قبائل کے دباؤ سے مجبور ہو کر سلطنت کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا۔ شام، حجاز اور یمن کے عربی علاقے امین کو دے دیے اور ایران، خراسان اور ترکستان کا علاقہ مامون کو دے دیا اور اس طرح ایک مصیبت سے تو نجات مل گئی لیکن دوسری مصیبت یہ آئی کہ دونوں فرزندوں نے اپنی اپنی حکومت سنبھال لی اور باپ لا وارث ہو کر رہ گیا۔ خلیفہ المسلمین ہونے کے باوجود بیٹوں کے رحم و کرم پر زندگی گزار رہا تھا اور وہ انتہائی معمولی غذا، معمولی لباس اور معمولی سواری پر زندگی گزارنا چاہتے تھے تاکہ دوبارہ اقتدار کا حوصلہ نہ پیدا ہو جائے اور حکومت واپس نہ ہو جائے اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ خاصاً حکومت اور بے دین طرز اقتدار کا آخری انجام یہی ہوتا ہے اور اتنی سزا تو پردہ کا ظالم حکمرانوں کو دنیا ہی میں دے دیتا ہے تاکہ انہیں آخرت کے انجام کا بھی اندازہ ہو جائے اور خود اپنے حالات سے بھی عبرت حاصل کر سکیں۔

● باپ کی زندگی سے شروع ہونے والی رسدگنی اس کے مرتے ہی منظر عام پر آگئی اور دونوں

بھائیوں کو فکر پیدا ہو گئی کہ پورے عالم اسلام پر بلا شرکت غیر سے اقتدار قائم کر لیں۔ چنانچہ ایک طرف سے عرب کی حمایت اور دوسری طرف سے عجم کی حمایت کا زور شروع ہوا اور آخر کار فریقین میں جنگ و جدال کا سلسلہ شروع ہو گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ عجمی فوج غالب آئی اور عرب شہزائے کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا اور ایک مرتزبہ پر واضح ہو گیا کہ غیر اسلامی نظام میں نہ اخوت ہوتی ہے نہ ہمدردی نہ سفاکوں ہوتا ہے نہ قاعدہ۔

کس قدر فرق ہے اس دنیا داری میں اور اُس دین داری میں کہ دنیا داروں کے دو بھائی ایک جھوٹے

سے ملک میں متحد نہ رہ سکے اور قتل و خون کی فوبت آگئی اور دین کے ذمہ داروں میں دو بھائی ملک عظیم یعنی جنت کے سردار بنا دیے گئے اور کسی طرح کا کوئی اختلاف نہ پیدا ہو سکا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انہی حکومت سنبھالنے والوں کا کردار اور ہوتا ہے اور زلف رسول سنبھالنے والوں کا طریقہ کار اور۔

۶۵۷ھ تک اپنی زندگی کے ۳۰ یا ۳۱ سال والہ گرامی کے زیر سایہ گزارے اور حالات کا برابر جائزہ لیتے رہے جس میں طویل سلسلہ قید و بند بھی شامل تھا اور شدید ترین سرکاری دباؤ بھی تھا یہاں تک کہ طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے زہرے دیا گیا اور اسی انداز سے قید خانہ سے جنازہ نکالا گیا بغداد کے پل پر امام الرافضہ کبکر جنازہ کو رکھ دیا گیا اور حائلوں کے ذریعہ جنازہ اٹھا کر توہین و تحقیر کی آخری حسرت بھی نکال لی گئی۔

ظاہر ہے کہ اس دور میں امام رضا نے مصائب کے ساتھ باپ کے طرز عمل کا بھی مشاہدہ کیا اور یہ دیکھتے رہے کہ اسلامی نظام کی ترویج میں کیا طریقہ کار اختیار کیا جا رہا ہے اور کس حکمت الہیہ سے کام لیا جا رہا ہے۔ حکومت کے اعمال کی طرف سے غافل ہو جانا شان ہدایت کے خلاف ہے اور حکومت سے سیدھی ٹکڑ لے لینا بلا فائدہ قتل و دعوت دینا ہے اور اپنی خاموشی سے حکومت کو شاید حاصل کرنے کا موقع دینا بھی باعث موافقہ ہے۔ امام موسیٰ کاظم نے ایک درمیانی روش اختیار کی اور اپنے اصحاب میں سے بعض کو دربار میں و ذریعہ مقرر کر دیا تاکہ حکومت کے عزائم کی نگرانی ہوتی رہے اور چاہنے والوں کے جان و مال و آبرو کا تحفظ کیا جاسکے اور بعض کو اس قدر برات اور بیزارئی کا درس دیا کہ اگر بادشاہ وقت کو اونٹ کرایہ پر دینے کے بعد یہ آرزو بھی پیدا ہو جائے کہ بادشاہ زندہ رہے اور کرایہ مل جائے تو یہ آرزو انسان کو ظالموں کے مددگاروں میں شامل کر دیتی ہے جس کا کھلا ہوا مفہوم یہ تھا کہ علی بن نقیطن وزیر ہونے کے بعد بھی بادشاہ کی حیات کی آرزو نہیں کر سکتے تھے اور ان کے ذہن میں

اس قدر صلاحیت تھی کہ کرسی کی پرواہ کیے بغیر کام کر سکیں تو انھیں وزارت تک کا کام سپرد کر دیا گیا اور اس قدر درباری تقرب کی اجازت دے دی گئی اور صفوان جمال کے دل و دماغ میں اس قدر صلاحیت نہیں تھی تو ان کے لیے مصلحت یہی تھی کہ حکومتی نظام سے دور رہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کراہی کی خاطر سلاطین جو رکی حیات کی آرزو پیدا ہو جائے اور طاقت تباہ و برباد ہو کر رہ جائے۔

اس کے علاوہ خود ہارون کو بھی مختصر خط کے ذریعہ تنبیہ فرمائی کہ ہرگز نہ دلا دن تیری رحمت کے دن کم کر رہا ہے اور میری مصیبت کے دن کم کر رہا ہے، اس کے بعد دونوں کو عادل حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور اپنے اپنے اعمال کا انجام دیکھنا ہے جن کا کھلا ہوا مطلب یہ تھا کہ ہم بیزار ہونے کے بعد بھی اپنے فریضہ ہدایت سے غافل نہیں ہے اور آخر سانس تک ظالموں کو ان کے انجام سے اس طرح باہر رکھنا چاہتے ہیں جس طرح مولائے کائنات نے ابن بطیم کو بیدار کر کے ناز کی دعوت دی تھی حالانکہ آپ بخوبی جانتے تھے کہ ابن بطیم جیسے افراد کی ناز کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

انھیں حالات میں آپ نے ۳۰ یا ۳۵ سال کی عمر میں قیادت امت کی ذمہ داری سنبھالی اور یہ چاہا کہ اس کردار کو زندہ رکھا جائے جس کی مثال والد بزرگوار نے پیش کی ہے تاکہ کسی شخص کو یہ دم و لگان نہ پیدا ہونے پائے کہ باپ کے مصائبِ آلام کو دیکھ کر زندگی کی روش تبدیل کر دی ہے اور حکومت سے کسی طرح کی سازش قبول کر لی ہے۔ چنانچہ سنیہ سے تقریباً ۷۰ سال تک اسی انداز پر لگاتار جس طرح کہ امام موسیٰ کاظم کی زندگی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ امام کو قید خانہ میں نہ رہنے کے شہید کر دینے اور آگے جنازہ کی بے حرمتی نے ہارون کے غلات ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا کہ اب اس میں مزید ظلم کرنے کی طاقت نہ رہ گئی تھی۔ اور ادھر داخلی حالات نے بھی اسے حکومت تقسیم کر کے لاوارث اور بے بس پہنچنے پر مجبور کر دیا تھا جس کی بنا پر امام رضا کا یہ دور قدرے سکون سے گذر گیا اور آپ کو ان مصائب کا سامنا نہیں کرنا پڑا جن مصائب سے آپ کے والد بزرگوار کو گذرنا پڑا تھا۔ اور یہ آل محمد کی تاریخ حیات کا عجیب و غریب سانچہ ہے کہ ہر امام کو پہلے والے امام کے مقابل میں تقریباً مختلف بلکہ متضاد حالات کا سامنا کرنا پڑا ہے اور اس کا سب سے بڑا اثر یہی تھا کہ حکومت ایک حربہ کو آزمانے کے بعد ناکام ہوجاتی تھی تو وہ حربہ تبدیل کر دیتی تھی اور بعد والے امام کو بالکل نئے قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑتا تھا مثال کے طور پر معاویہ بن ابی سفیان نے مولائے کائنات سے صفین کے میدان میں انتہائی ٹوں ریر حکم کی جنگ

کی اور آپ کی شہادت کے بعد امام حسن سے صلح کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ معاویہ نے امام حسن سے صلح کی اور یزید امام حسین سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

یزید نے خود جو انان بنی ہاشم کے درمیان رہنے والے امام حسین سے بیعت کا مطالبہ کیا اور کہ بلا کا عظیم سانحہ پیش آیا اور قیدیوں اور لاوارثوں کے درمیان رہنے والے طوق و سلاسل میں پکڑے ہوئے امام زین العابدین سے بیعت کا مطالبہ نہیں کیا۔

امام زین العابدین کی زندگی خاموشی و گوشہ نشینی اور عبادت میں گذر گئی اور امام محمد باقر و امام جعفر صادق کو میدان میں آکر کھل کر کام کرنا پڑا۔ امام جعفر صادق نے اتنا کھل کر کام کیا کہ سارا مذہب مذہب جعفری ہو گیا اور امام موسیٰ کاظم کو تقریباً ۴۰ سال قید خانہ میں رہنا پڑا۔

امام موسیٰ کاظم کی شہادت بھی قید خانہ میں ہوئی جب کہ آپ کا جسم زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اور امام علی رضا کو ولی عہد مملکت بنا دیا گیا۔ امام علی رضا ولی عہد مملکت رہے اور امام محمد تقی کو کوئی عہدہ نہ ملا اور انھیں دارالحکومت سے مدینہ جانا پڑا۔ امام محمد تقی سرکاری داماد قرار دیے گئے اور امام علی تقی قید خانوں میں رہے۔

غرض تاریخ کا یہ متضاد سلسلہ اس امر کی واضح علامت ہے کہ حکومت وقت کو مسلسل اپنی شکست کا احساس تھا اور اس کے نتیجے میں خود وہی حاکم وقت یا اس کا وارث اپنی روش کو فوراً تبدیل کر دیتا تھا اور آل محمد کو ایک نئی سیاسی چال کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ جس سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ آل محمد کے پاس تقلیدی قسم کے وسائل یا وراثی قسم کے اسالیب حیات نہیں تھے اور نہ وہ سابقہ تعلیم و تربیت کی بنا پر کام کیا کرتے تھے بلکہ وہ مرکز الہام و القاد خداوندی تھے اور اسی کے سہارے تمام جدید ترین اسالیب ظلم و ستم اور طریقہ ہائے کمزور فریب کا باآسانی مقابلہ کرتے رہتے تھے اور انھیں کسی طرح کی کوئی زحمت نہیں ہوتی تھی۔

امام علی رضا کو اس سلسلہ کے سب سے پہلے ظلم کا اس انداز سے سامنا کرنا پڑا کہ ہارون نے محمد بن جعفر سے قیام کا بہانہ لے کر تمام سادات کے گھروں کی تباہی کا حکم دے دیا اور عیسیٰ جلوی نے لشکر یزید کی یاد تازہ کرا دی۔ مدینہ کی غارت گری کے دوران امام رضا کے گھر کا بھی تضح کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ انا محم زنگھریں داخل ہو سکتے ہیں اور نہ خواتین کے جسم کو ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ میں

سارا سامان اور زبور خود ہی لاکر لے دیتا ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ نے جسم پر رہنے والے لباس کے علاوہ گھر کا سارا سامان لاکر لے دیا اور ظالم اس غارت گری پر خوش ہو گئے اور اسے اپنی فتح قرار دینے لگے۔

آپ کے طرز حیات کے بارے میں شیخ صدوق نے ابراہیم بن عباس سے نقل کیا ہے کہ نہ آپ کو کبھی نندگلائی کرتے دیکھا گیا ہے اور نہ کسی کی بات کو کاٹتے دیکھا گیا ہے۔ ہر شخص کی حاجت روانی آپ کا فرض تھا۔ کسی کی طرف پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ کسی کے سامنے ٹیک لگا کر نہیں بیٹھتے تھے غلاموں کے ساتھ بھی سختی سے گفتگو نہیں فرماتے تھے، بلند آواز سے قہقہہ نہیں لگاتے تھے، دسترخوان پر اپنے ساتھ تمام نوکروں اور غلاموں کو بھی بٹھالیا کرتے تھے۔ راتوں کو کم سوتے تھے اور اکثر راتوں میں شب بیداری فرماتے تھے۔ ہر مہینہ میں پہلی اور آخری جمعرات اور درمیانی بدھ کو روزہ رکھا کرتے تھے۔ رات کی تاریکی میں صدقات اور خیرات عطا فرمایا کرتے تھے۔ اندر معمولی کپڑا پہنتے تھے اور باہر کبھی کبھی ضرورت کے اعتبار سے اچھا لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔

● ایک شخص نے عام میں آپ سے بدن سلنے کا مطالبہ کر دیا تو آپ نے فوراً قبول کر لیا اور دریا میں کسی شخص کی نظر پڑ گئی اور اس نے متوجہ کیا تو وہ شخص قدموں پر گر پڑا اور اپنے فریاد کو کوئی بات نہیں ہے انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔ (نور الابصار)

● کھانے کے وقت اگر کوئی شخص تعظیم کے لیے اٹھنا چاہتا تھا تو منع فرمادیتے تھے کہ رزق خدا کا احترام ضروری ہے، کھلنے کے وقت قیام نہیں کرنا چاہیے۔

● آپ کے خادم یا سرکابیان ہے کہ ہم لوگ میوہ کھاتے وقت ایک حصہ کھاتے تھے اور ایک حصہ پھینک دیتے تھے تو آپ نے تنبیہ کی کہ رزق خدا کو ضائع مت کرو جو ضرورت سے زیادہ ہوئے فقراء اور مستحقین کے حوالے کر دو۔

● عطریات اور خوشبو کا بڑا شوق رکھتے تھے اور سجدہ پروردگار آپ کا شمار تھا جن کا سلسلہ نماز صبح کے بعد سے ظہر تک بھی قائم رہ جاتا تھا۔

● اپنے شیعوں کو متنبہ فرمایا کرتے تھے کہ تمام اعمال ہر روز شام کے وقت تھامے امام کے سلنے پیش کیے جاتے ہیں اور وہ تمہارے حق میں استغفار کرتے ہیں۔ (لہذا تم اپنے گناہوں سے ان کا دل مت

ڈکھاؤ اور ایسے بن جاؤ جیسے کہ ان کے شیعوں کو ہونا چاہیے۔

● ایک مرتبہ آپ نے روز عرفہ ۹ ذی الحجہ کو گھر کا سارا سامان راہ خدا میں نٹا دیا اور فضل بن سہل کو یہ دیکھ کر خطرہ پیدا ہو گیا کہ اس طرح کا کام ہم لوگ انجام نہیں دے سکتے ہیں تو فوراً اعتراض کر دیا کہ یہ تو ایک قسم کا خسارہ ہے۔ فرمایا کہ یہ خسارہ نہیں ہے بلکہ فائدہ ہے۔ رب کریم ایک کے بدلے میں دس عطا کرنے والا ہے۔

طب الرضا

دیگر علوم و کمالات کے علاوہ علم الابدان کے بارے میں بھی آپ کے ہدایات ہر دور میں صحت و عافیت کے بہترین نسخہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور اسی بنا پر آپ کے جذباتی ارشادات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے:

● ماں کے دودھ سے بہتر بچہ کی کوئی غذا نہیں ہے۔
● سرکہ بہترین غذائے جسم ہے۔ جس گھر میں سرکہ ہوگا اس کے اہل خانہ کبھی محتاج نہ ہوں گے۔
● انار میں ایک دانہ جنت کا ہوتا ہے۔
● منقہ صفرا کو درست کرتا ہے، بلغم کو دور کرتا ہے، پٹھوں کو مضبوط کرتا ہے اور نفس کو پاکیزہ بناتا ہے۔

● شہد میں شفا ہے اور شہد کا تحفہ واپس نہیں کرنا چاہیے۔
● گلاب جنت کے پھولوں کا سردار ہے۔
● بنفشہ کاتیل سر میں لگانے سے گرمیوں میں ٹھنڈک اور سردیوں میں گرمی کا فائدہ ہوتا ہے۔
● زیتون کاتیل استعمال کرنے والا چالیس دن تک شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔
● قرآن پڑھنے، شہد کھانے اور دودھ پینے سے حافظہ بڑھتا ہے۔
● گوشت کھانے سے شفا حاصل ہوتی ہے اور مرض دور ہوتا ہے۔ جو شخص چالیس دن گوشت نہ کھائے وہ بد اخلاق ہو جائے گا۔

● کھانے کی ابتدا نمک سے ہونی چاہیے اس سے بیشتر امراض کا دفعیہ ہو جاتا ہے جن میں

ہزام بھی شامل ہے۔

- سورشتتر انبیاء کی غذا ہے۔ اس سے دل نرم ہوتا ہے اور آنسو پیدا ہوتے ہیں۔
- کھانا ٹھنڈا کر کے اور پیار کے کنارے سے کھانا چاہیے۔
- اچھا کھانا، اچھا جوڑہ پہننا، قرض سے بچنا، کثرتِ جماع سے پرہیز کرنا مفید ہوتا ہے۔
- خدا سے روزی صدقہ دے کر طلب کرو۔

• بالوں کی سفیدی کا الگ حصہ سے شروع ہونا سعادت مندی اور اقبال مندی کی علامت ہے اور رخساروں سے شروع ہونا سعادت کی نشانی ہے، اور گیسوؤں سے شروع ہونا شجاعت ہے اور گدھی سے شروع ہونا فحشمت ہے۔

اعترافات

- آپ تمام لوگوں میں جلیل القدر اور عظیم المرتبت تھے۔ (ابن حجر)
- آپ کی باتیں حکیمانہ، آپ کا عمل درست اور آپ کا کردار محفوظ عن الخطاء تھا۔ علم و حکمت میں کامل اور روشن زمین پر بے نظیر شخصیت کے مالک تھے۔ (عبدالرحمن جامی)
- ابراہیم بن عباس کے بیان کے مطابق ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا گیا۔ علامہ عبداللہ قرطبی
- آپ اشرف مخلوقات زمانہ تھے۔ (جیب السیر)
- آپ کو وراثت میں علم ماکان وما یون عطا ہوا تھا۔ (وسیلۃ النجاة)
- آپ ہر زبان اور ہر لغت میں داناترین مردم تھے اور ہر شخص کو اس کی زبان میں جواب دیا کرتے تھے۔ (روضۃ الاحباب)
- آپ بارہ اماموں میں تیسرے علی تھے۔ کامل الایمان اور عظیم الشان، انتہائی کریم۔ اور صاحب فضائل و مناقب، آپ کے براہین شرف و امامت انتہائی روشن تھے۔ (مطالب السؤل)
- آپ کے کمالات کے لیے یہی کافی ہے کہ مامون رشید جو ایک علم دوست انسان کہا جاتا ہے اور جس کا دربار اہل علم و فضل کا مرکز تھا۔ اس نے آپ کو صرف ولی عہدی نہیں بلکہ پوری سلطنت کی پیش کش کر دی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ آپ نے اسے قبول نہیں فرمایا۔

• مامون کے دربار میں جس قدر بھی مناظرے ہوئے ہیں سب میں علماء یہود و نصاریٰ اور ملحد بے دین و دہریہ قسم کے دانشوروں نے آپ کے بے پناہ علم و فضل کا اقرار کیا ہے۔

• محمد بن عیسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے آپ کے تحریری جوابات کو جمع کیا تو ان کی تعداد اٹھارہ ہزار تھی۔

• جاثلیق نصرانی عالم تھا۔ ہر مسلمان سے یہ کہتا تھا کہ عیسیٰ کی شخصیت اتنا قافی ہے اور تمہارا رسول کی شخصیت اتنا قافی ہے۔ لہذا اتفانی کو لے لیا جائے اور اختلافی کو چھوڑ دیا جائے مسلمان عاجز تھے لیکن آپ کے سامنے یہ دلیل آنی تو آپ نے فرمایا کہ اتفاق اُس عیسیٰ پر ہے جو ہمارا رسول کی بشارت دینے آئے تھے اور بندگی کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی آخری رسول یا خدا قسم کے عیسیٰ ہیں تو ان کی شخصیت ہم مسلمانوں کو تسلیم نہیں ہے۔

کرامات

- حج کے موقع پر بارون حضرت کو دیکھ کر دوسرے دروازہ کی طرف جا رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ لاکھ دوڑ بھاگے قرین ایک ہی جگہ پر ہوں گی جو بالآخر ہو کر رہیں۔
- ایک شخص خراسان کے ارادہ سے نکلا، اس کی لڑکی نے ایک حلد دیا کہ اسے فروخت کر کے فیروزہ خرید لینا۔ راستہ میں مقام مرو پر امام کے ایک دوست کا انتقال ہو گیا۔ آپ نے کفن کے لیے کپڑا طلب کیا۔ اس نے انکار کر دیا کہ میرے پاس کپڑا نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تیری لڑکی نے ایک حلد تجھے دیا ہے۔ اس نے اقرار کر لیا اور حلد لے دیا اور پھر یہ سوچا کہ یہ صاحب کرامات ہیں، ان سے مسائل دریافت کیے جائیں۔ چنانچہ قریب آیا تو جمع لگا ہوا تھا۔ منتظر کھڑا رہا۔ آپ نے ایک لغاف عنایت فرمادیا کہ اس میں تیرے سوالات کے جوابات ہیں۔
- ریان بن صلت آپ کی خدمت میں ایک جامہ اور چند سکے مانگنے آئے جن پر آپ کا اسم گرامی کندہ ہو تو آپ نے سوال سے پہلے دو جامے اور تیس سکے عنایت فرمادیے۔
- ابو اسامیل نے شکایت کی کہ مجھے عربی زبان نہیں آتی ہے تو آپ نے لبوں پر دست مبارک پیر کر لے عربی میں گویا بنا دیا۔

● جعفر بن صالح سے فرمایا کہ تیرے یہاں جوڑواں بچے پیدا ہوں گے توڑکے کا نام علی اور لڑکی کا نام ام عمر رکھنا۔ اس کے یہاں ولادت ہوگئی تو اپنی ماں سے کہا کہ حضرت نے یہ نام تجویز فرمایا ہے لیکن ام عمر عجیب نام ہے۔ اس نے کہا کہ یہ تمہاری دادی کا نام ہے اور حضرت نے انہیں کے نام پر نام رکھ دیا ہے۔

● امین اور مومن کو دیکھنے کے بعد فرمایا کہ عنقریب مومن امین کو قتل کر دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

● ایک شخص نے حج کے بارے میں بہت سے سوالات کیے تو آپ نے سب کے جوابات دینے کے بعد فرمایا کہ تم جس لباس کے بارے میں پوچھنا بھول گئے تھے اس میں احرام درست ہے۔ ● جڑیوں کے ایک جھنڈے شور مچانا شروع کیا تو آپ نے ایک صحابی کو حکم دیا کہ ایک سائے ان کے بچوں کو اذیت دے رہا ہے جاؤ اسے قتل کر دو۔ انہوں نے جا کر سانپ کو دیکھا اور لے کر ختم کر دیا۔ (شواہد النبوة)

● ایک زمینداری کے علاقہ کی طرف جاتے ہوئے اصحاب کو حکم دیا کہ بارش کا سامان لے لیں۔ لوگوں نے عرض کی کہ اس جھل تو گرمی کا زمانہ ہے بارش کہاں ہے؟ فرمایا کہ میری بات پر عمل کرو۔ چنانچہ لوگوں نے عمل کیا اور وہاں پہنچتے ہی بارش شروع ہوگئی۔ (علامہ الوری)

● محمد بن عیسیٰ نے خواب میں دیکھا کہ رسول اکرمؐ میرے شہر کی مسجد میں تشریف فرما ہیں اور میں نے ان کی خدمت میں حاضری دی تو ان کے سامنے خرم کا ایک طشت رکھا تھا۔ میں نے خرمے طلب کیے تو آپ نے ایک مٹھی خرمے سے دیے جن کی تعداد اٹھارہ تھی۔ میں سمجھا کہ اب میری زندگی میں ۸ سال باقی رہ گئے ہیں۔ چند روز کے بعد خبر ملی کہ امام رضاؑ تشریف لائے ہیں۔ میں اشتیاق ملاقات میں وارد مسجد ہوا تو بیعت ایسا ہی منظر دیکھا اور حضرت سے خرم کا مطالبہ کیا۔ آپ نے ایک مٹھی خرمے سے دیے جن کی تعداد اٹھارہ تھی تو مجھے سخت حیرت ہوئی اور میں نے عرض کی یا بن رسول اللہ! کچھ اور عنایت فرمائیے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہؐ نے زیادہ دیے ہوتے تو میں بھی زیادہ عنایت کر دیتا جس کو دیکھ کر ابن عیسیٰ اور حیرت زدہ رہ گئے اور نبوت و امامت کا اتحاد عمل و کردار منظر عام پر آگیا۔ (صواعق محرقة۔ نور الایصار۔ اربع المطالب)

نقش انگشتر

آپ کے پاس دو انگشتریاں تھیں۔ ایک ذاتی تھی جس کا نقش تھا "ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ" اور دوسری وراثت میں ملی تھی جس کا نقش تھا "حسبی اللہ"۔

عزاداری

یہ ایک تاریخی بات ہے کہ ائمہ مصومینؑ نے حالات زمانہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے طرز تبلیغ کو ہمیشہ زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ رکھا ہے اور ان کا اصول تبلیغ یہی تھا کہ بات کو حالات کے مطابق ہونا چاہیے ورنہ بے اثر ہو جائے گی بلکہ بسا اوقات مضر اور نقصان دہ بھی ثابت ہوگی جیسا کہ ان حضرات کے ارشادات میں تقیہ پر زور دینے اور اسے اپنا اور اپنے آباء و اجداد کا دین قرار دینے سے ظاہر ہوتا ہے۔ انہیں حالات کا تقاضا تھا کہ کبھی خطبہ کی زبان اختیار کی اور کبھی دعا کی۔ واقعہ کربلا کے بعد تبلیغ کی ایک اور زبان ایجاد ہوگئی جس کا نام تھا عزاداری۔

عزاداری درحقیقت ائمہ مصومینؑ کے تبلیغی مشن کے ایک انتہائی محتاط عنصر کا نام تھا جہاں بظاہر اپنے حالات اور اپنے گھروالوں پر گزرنے والے مصائب پر گریہ کیا جاتا تھا جس سے عام طور پر ہر شخص کو ہمدردی ہو جاتی ہے اور کوئی شخص اس کی مخالفت نہیں کرتا ہے لیکن پھر اس کے زیر اثر دین کے اس عظیم پیغام کو نشر کیا جاتا ہے جس کے نشر کرنے ہی کے نتیجے میں یہ حالات پیش آئے تھے۔ یعنی شہادت کے قبل اور شہادت کے بعد تبلیغ دین کا سلسلہ ایک ہی رہتا ہے صرف اس کا عنوان اور اس کی زبان بدل جاتی ہے۔ چنانچہ امام سجادؑ سے لے کر آخری امام تک جب کسی قدر حالات نے اجازت دی ائمہ مصومینؑ نے تبلیغ دین کے اس عنصر پر زور دیا اور فرس عزا چھ کر ایک طرف تو لوگوں کو اس سبب کے تلاش کرنے کا جذبہ دیا جس کے باعث یہ حالات اور مصائب پیش آئے تھے اور اس طرح اس دین تک پہنچنے کا موقع فراہم کیا جس کی تبلیغ کے لیے یہ مصائب برداشت کیے گئے تھے اور دوسری طرف ذکر مصائب کے ذیل میں ان تبلیغات کا بھی انتظام کیا گیا جو اٹھارہرہن کی زندگی اور ان کے منصب کا لائحہ عمل اور نصب العین تھا جس کا ایک پر تو آج تک

مشاہدہ میں آرہا ہے کہ فرش عزاء کے طفیل میں تفسیر حدیث، تاریخ، احکام، عقائد سب کا تذکرہ ہوجاتا ہے اور عنوان عزاداری ہی رہتا ہے۔ حالانکہ عزاداری کا اثر فی مفهوم تو صرف غم منانا اور سامان ہر صبر کو فراہم کرنا ہے جس سے ان مسائل کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ عام مصائب کے موقع پر تو کوئی ان باتوں کو سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتا ہے جیسا کہ خود عزاداری کے بعض مواقع پر ایسا انداز دیکھنے میں آتا ہے۔

امام جعفر صادقؑ اور امام علی رضاً کا دور قدر سے فرصت اور ہمت کا دور تھا ہذا ان حضرات نے اس تبلیغی عنصر کو بھی کافی فروغ دیا، فرش عزاء بچھایا، لوگوں کو جمع کیا، شاعر یا خطیب سے ذکر مصائب کا مطالبہ کیا اور سامعین کو بلند آواز سے گریہ کرنے پر زور دیا تاکہ ذکر مصائب عام ہو اور لوگ اس کی بنیادیں تلاش کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔

امام علی رضاً کے دربار میں ابو علی دعبیل بن علی بن رزین نزاعی حاضر ہوتے ہیں۔ آپ کی ولی عہدی کا دور ہے۔ مروین آپ کا قیام ہے۔ دعبیل نے قصیدہ پیش کرنے کی خواہش کی۔ امام نے فرش پھوادی۔ پس پردہ خوانین کو طلب کر لیا اور اس کے بعد دعبیل سے قصیدہ منانے کی فرمائش کی۔ دعبیل نے پورا قصیدہ سنا دیا تو آپ نے ایک شعر کے اضافہ کی خواہش فرمائی اور اس میں خود اپنی شہادت کا ذکر فرمایا اور قبسر کی طرف اشارہ فرمایا۔ دعبیل نے عرض کی کہ مولا! یہ کس کا ذکر ہے؟ فرمایا کہ یہ میری شہادت اور میری قبر کی طرف اشارہ ہے۔ (شواہد النبوة)

اس کے علاوہ آغاز محرم کے ساتھ ہی سوگواری کا سلسلہ شروع ہوجاتا تھا اور اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی بات پر بھی رونائے تو میرے جد بزرگوار پر آنسو بہاؤ اس لیے کہ انھیں بھوکا پیاسا شہید کیا گیا ہے۔ ان تمام الفاظ اور کلمات سے امت اسلامیہ کو ان حالات کی طرف متوجہ فرمایا کرتے تھے جن کے پیش نظر یہ عظیم واقعہ پیش آیا تھا اور جس واقعہ نے اسلام کو بقا کی ضمانت فراہم کی تھی۔

واقعہ رہے کہ اس واقعہ کے بعد امام نے دعبیل کو ایک سوا شرفی کا انعام بھی عطا فرمایا۔ جس پر حضرت کا اسم گرامی کندہ تھا کہ خدمت اہلبیت کا مطلب مفت کام کرنا نہیں ہے۔ خدمت کرنا امت کا کام ہے اور انعام دینا اہلبیت کی اپنی ذمہ داری ہے۔ دعبیل نے معذرت کی کہ میں نے یہ قصیدہ دربار داری کے عنوان سے نہیں کھلایا بلکہ اخلاص و محبت کی بنا پر کھلایا ہے۔ فرمایا اس کا

اجرا لگ ہے۔ دعبیل نے ایک جبر کا مطالبہ کیا جو آپ نے عنایت فرمادیا اور جب راستہ میں ڈاکوؤں نے حملہ کیا تو اسی جبر کی برکت سے سارے قافلہ کو نجات مل گئی بلکہ ان ڈاکوؤں نے باصرار تمام اس جبر کو ایک ہزار دینار میں خرید لیا کہ یہ امام رضا کا عطا کیا ہوا ہے۔

شہادت

۲۳ ذی قعدہ ۲۳ھ کو مامون نے زہر دوا کر حضرت کو شہید کر دیا جس کے بارے میں آپ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یہی شخص قتل کرے گا (دوسرا کہ) اور پھر اس کی تفصیل بھی بیان فرمائی تھی اور اس دن بھی جس دن مامون نے طلب کیا تھا ابو العلت سے فرمادیا تھا کہ اگر میرے سر پر چادر ہو تو مجھ سے کوئی سوال نہ کرنا اور سمجھ لینا کہ میری زندگی کا آخری وقت آگیا ہے حضرت دربار میں تشریف لے گئے۔ مامون نے زہر آلود انگوڑ جنھیں سوئی کے ذریعہ زہر میں بچھایا گیا تھا پیش کیے۔ آپ نے انکار فرمایا جو مخالفت خود اختیاری کا بنیادی فریضہ تھا۔ اس نے اصرار کیا کہ اس سے بہتر انگوڑ آپ کو نہیں ملیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ جنت میں اس سے لپھے انگوڑ ہیں۔ اس نے اصرار کیا کہ آپ کو میری نیت پر شرب ہے؟ آپ نے دیکھا کہ اب قتل یقینی ہو گیا ہے اور انکار میں بھی سوہن کا مجرم قرار دیا جاؤں گا اس لیے چند دانے نوش فرمائیے اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ مامون نے پھر پوچھا کہ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ فرمایا جہاں تو نے بھیجا ہے وہاں جا رہا ہوں۔ یہ کہہ کر بیت الشرف میں تشریف لے آئے۔ ابو العلت نے حالات سے اندازہ کر لیا اور دروازہ پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں اندر سے آہٹ محسوس ہوئی۔ دیکھا کہ امام کے پہلو میں ایک کس فرزند موجود ہے۔ پوچھا آپ کس طرف سے آگے دروازہ تو بند ہے اور آپ کون ہیں؟ فرمایا کہ میں ان کا فرزند محمد بن علی ہوں۔ مجھے خدا نے مدینہ سے یہاں پہنچایا ہے اور اسی نے اندر تک پہنچا دیا ہے، ہمارے لیے فاصلے اور دور درو اور حائل نہیں ہوتے، ہم اہلبیت میں جب کوئی دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کا وارث اس کے پاس رہتا ہے اور اس سے تمام امانتیں اپنی تحویل میں لے لیتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب حضرت کا انتقال ہو گیا اور اس شہزادے نے غسل و کفن لے کر نماز ادا کر کے جنازہ تیار کر دیا تو کہا کہ اب اعلان کر دو۔ چنانچہ اعلان ہو گیا۔ حکومت نے مظالم کی پردہ پوشی کے لیے سرکاری سوگ کا اعلان

کر دیا اور دوبارہ غسل کونکے بعد نہایت ہی اہتمام کے ساتھ ہارون کے سرخانے دفن کر دیا گیا۔ (شواہد النبوة)
 علامہ شبلی نے اس امر میں شبہ ظاہر کیا ہے کہ آپ کو مامون نے زہر دیا ہو کہ یہ مامون کے مزاج
 اور اس کی ظلم دوستی کے خلاف ہے۔ حالانکہ جو شخص اپنے بھائی کو معاف نہیں کر سکتا ہے اس سے امام
 کے بارے میں کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ مامون کے زہر دینے کا تذکرہ حسب ذیل کتابوں میں موجود ہے
 روضة الصفا، شواہد النبوة، کامل، مروج الذهب، نور الابصار، الغزوی، مطالب السؤل، حبيب السیر،
 الانساب سمعی، تہذیب تہذیب الکمال، مختصر اخبار الکفلاء وغیرہ جس کے بعد یہ کہنا انتہائی زیادتی
 ہے کہ مامون کے زہر دینے کا تذکرہ علماء اہلسنت کی کتابوں میں نہیں ہے اور یہ صرف شیعوں کی طبع زاد
 روایت ہے جو مامون کی عداوت میں وضع کی گئی ہے۔

پھر اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ مامون نے زہر دینے کا انتظام نہیں کیا ہے تو سوال یہ پیدا
 ہے کہ ایک ولی عہد مملکت اور سرکاری داماد کے زہر دغا سے شہید ہونے کے بعد مامون نے سرکاری
 طور پر قاتلوں کا پتہ لگانے اور انہیں سزا دینے کا کیا انتظام کیا اور تاریخ میں آج تک ان قاتلوں کا سراغ
 کیوں نہیں مل سکا؟ بنی امیہ تو ایک عثمان کے قتل پر متعدد بار امیر المؤمنین علیہ السلام کو مورد الزام قرار
 دے کر ان سے جنگ کریں اور بنی عباس کا "خليفة عادل" اپنے ولی عہد مملکت اور داماد کے بارے
 میں کوئی تحقیق نہ کرے اور صرف تجویز و تکلیف کے ظاہری اور رسمی کاروبار پر مسلک کو تمام کر دے۔ کیا یہ بات
 مولانا شبلی کے علاوہ بھی کسی انسان کی عقل میں آسکتی ہے اور کیا اس غفلت یا تغافل کے جرم سے
 مامون رشید کو معاف کیا جاسکتا ہے اور کیا ایسی غیر رشید حرکت کے بعد بھی مامون کو رشید کہا
 جاسکتا ہے۔

واضح رہے کہ بعض روایات میں تاریخ شہادت ۷۰۰ھ اور بعض میں آخر صفر بھی ذکر کی گئی
 ہے لیکن سن شہادت سب نے متفقہ ہی ذکر کیا ہے۔

ازواج و اولاد

علمائے نزدیک آپ کی اولاد کے بارے میں قدرے اختلاف ضرور پایا جاتا ہے کہ بعض
 حضرات نے دو فرزندوں کی نشان دہی کی ہے امام محمد تقی اور موسیٰ اور بعض نے ایک کا اور

اضافہ کیا ہے۔ فوراً ابصار نے پانچ فرزند اور ایک دختر کا ذکر کیا ہے جن کے اسماء یہ ہیں: امام محمد تقی،
 حسن جعفر، ابراہیم، حسین، عائشہ۔ لیکن اس بات پر تقریباً سب کا اتفاق ہے کہ آپ کی نسل کا سلسلہ
 امام محمد تقی ہی سے آگے بڑھا ہے جس کی بنا پر شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے یہ تصریح کی ہے کہ آپ کے صرف
 ایک فرزند امام محمد تقی تھے اور بس۔ اور یہی بات شیخ طبرسی نے اعلام الوریٰ میں درج کی ہے اور
 صاحب عمدۃ الطالب نے بھی نقل کی ہے جس کے بعد یہ کہنا آسان ہے کہ سادات رضوی درحقیقت امام
 محمد تقی کی اولاد ہیں لیکن چونکہ امام رضا اپنی ولی عہدی کی بنیاد پر ایک عام شہرت کے مالک تھے اور
 آپ کے خاندان کے تمام افراد جو دہشت بعد پیدا ہوئے وہ بھی ابن الرضا ہی کے لقب سے یاد
 کیے جاتے تھے اس لیے سادات تقویٰ نے بھی اپنے کو رضوی ہی کہنا شروع کر دیا اور یہ سلسلہ آج تک
 جاری ہے ورنہ حقیقت کے اعتبار سے رضوی، تقویٰ اور جوادی یہ سب ایک نسل کے افراد ہیں جن کا
 سلسلہ براہ راست امام محمد تقی جو آدے سے شروع ہوتا ہے اور ان کے ذریعہ امام علی رضائیک پہنچتا ہے
 اور اس سلسلہ کو امام رضائیک اس لیے بھی پہنچایا جاسکتا ہے کہ جن ائمہ کی دو طرح کی اولاد تھی موصیٰ
 اور غیر موصیٰ، ان کے یہاں غیر موصیٰ اولاد کی نسل کو اس امام کی طرف منسوب کیا گیا اور موصیٰ فرزند
 کی نسل کو فرزند کی طرف منسوب کیا گیا لیکن امام رضا کی دو طرح کی اولاد نہیں تھی لہذا آپ کی تمام
 نسل کو آپ ہی کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے اور یوں بھی ائمہ طاہرین ایک ہی شجرہ طیبہ کے کمرات
 ہیں لہذا کسی کی اولاد کو دوسرے بزرگ کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے اس میں کسی طرح کی قباحت
 نہیں ہے۔ سب اولاد رسول اور اولاد زہرا ہیں اور سب کا وجود وعدہ گوثر کی محسوس اور
 شاہدہ میں آنے والی تائید ہے جس کے ذریعہ خدا نے اپنے حبیب کو اطمینان دلایا ہے اور جس کا
 سلسلہ صحیح قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔

آپ کے ازواج میں صرف ایک زوجہ محترمہ کا ذکر ملتا ہے جن کا نام خیزران تھا اور انہیں
 کوسیکہ بھی کہا جاتا تھا۔ ان کا تذکرہ سرکار دو عالم نے اپنی حدیث میں بھی فرمایا تھا کہ ان کے فرزند پر
 میری جان قربان۔ ان خاتون کا سب سے بڑا امتیاز ذاتی کمالات کے علاوہ یہ تھا کہ یہ جناب ماریہ طیبہ
 کے خاندان سے تھیں، اور ماریہ قبلیہ سرکار دو عالم کی نگاہ میں ایک محترم زوجہ تھیں، جنہیں جناب
 ابراہیم کی والدہ بننے کا شرف بھی حاصل ہوا تھا اور جن کا فرزند امام حسین کا ذریعہ قرار پایا تھا کہ اس طرح

اس مہسی کو زندہ رکھا جائے جس کی بقا سے دین اسلام کی بقا اور جس کی شہادت سے عقیدہ توحید کی زندگی وابستہ ہے۔

ایک خصوصیت

امام رضاؑ کے امتیازات میں ایک یہ بات بھی ہے کہ امام موسیٰ کاظمؑ نے مدینہ چھوڑتے وقت شسترہ افراد کو جمع کر کے ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا تھا اور اس پر شترہ افراد سے گواہی حاصل کی تھی جس کا مضمون یہ تھا کہ میرا وارث میرا فرزند علی رضاؑ ہے۔ اس لیے کہ آپ کو معلوم تھا کہ اب میں مدینہ واپس نہ آؤں گا اور وقت آنے پر میرا فرزند میرے پاس نہ ہوگا کہ میں اس کی جانشینی کا اعلان کر سکوں ایسے واقف کی مثال دوسرے ائمہ ظاہرین کے حالات میں نہیں ملتی ہے۔

اصحاب و تلامذہ

۱۔ دجبل بن علی الخزازی

اپنے وقت کے عظیم ترین شاعر اور ادیب تھے۔ ان کا عقیدہ تاریخ ادب میں شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ امام رضاؑ کی شان میں قصیدہ لکھنے کے بعد خراسان کا رخ کیا کہ سب سے پہلے حضرت کوثر بن علیؑ حضرت نے سن کر بے حد تعریف کی اور فرمایا کہ اسے ہر ایک کو مت سنانا۔ لیکن جب قصیدہ کی شہرت زیادہ ہوئی تو مامون نے دربار میں طلب کر کے قصیدہ کی فرمائش کی۔ دجبل نے اسے ٹال دیا تو اس نے امام رضاؑ کو طلب کر کے آپ سے سفارش کرائی اور دجبل نے امام کے حکم پر قصیدہ سنا دیا تو مامون نے ۵۰ ہزار درہم انعام دیے اور امام نے بھی اسی قدر دجبل پر عنایت فرمائی۔ دجبل نے عرض کی کہ مولا! مجھے مال دنیا درکار نہیں ہے مجھے اپنا جبر عنایت فرمادیجیے جو آخرت میں میرے کام آئے گا۔ آپ نے اسے بھی عنایت فرمادیا اور فرمایا کہ اسے محفوظ رکھنا یہ کبھی کام آئے گا چنانچہ راستہ میں ڈاکوؤں کے حمل کے وقت وہی جبر سارے قافلہ کے کام آیا اور اسی کی برکت سے ڈاکوؤں نے سارے قافلہ کا مال واپس کر دیا۔

بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ دجبل نے اپنے قصیدہ میں بغداد میں ایک قبر کا ذکر کیا تو

امام نے فرمایا کہ اس میں دو اشعار کا اور اضافہ کر لو تاکہ قصیدہ مکمل ہو جائے اور یہ کہہ کر آپ نے طوس کی قبر کے بارے میں دو شعر ارشاد فرمائے۔ دجبل نے عرض کی مولا! یہ کس کی قبر ہے؟ فرمایا یہ میری قبر کا ذکر ہے اور جو شخص بھی عالم غربت میں میری زیارت کرے گا وہ روز قیامت میرے ساتھ مشورہ ہوگا۔ اور یہ کہہ کر سو دینار رضوی بھی عنایت فرمائے جن پر حضرت کا اسم گرامی کندہ تھا اور دجبل نے اسے بطور تبرک محفوظ کر لیا۔

۲۔ حسن بن علی بن زیاد الوشاء الجبلی الکوفی

امام رضاؑ کے مخصوص اصحاب میں تھے اور ان کے نانا ابی اس میرنی امام صادقؑ کے نمایاں اصحاب میں شمار ہوتے تھے اور انھوں نے وقت آخر امام صادقؑ کی اس روایت کا ذکر کیا تھا کہ حضرت نے فرمایا تھا کہ جس کے دل میں ہم اہلبیت کی واقعی محبت ہوگی اسے آتش جہنم مس نہیں کر سکتی ہے۔

شیخ طوسیؒ نے احمد بن محمد بن عیسیٰ قمی سے نقل کیا ہے کہ میں طلب احادیث میں قم سے کوفہ گیا تو وہاں حسن بن علی بن الوشاء سے ملاقات ہوئی اور میں نے ان سے مطالبہ کیا کہ علاؤن رزین اور ابان بن عثمان کی کتابوں کو روایت کرنے کا اجازہ مرحمت فرمائیے تو انھوں نے کہا کہ پہلے آپ کتابیں نقل کر لیں پھر میں سن لوں گا تو میں نے کہا کہ آپ ابھی سنا دیں اس لیے کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے تو حسن بن علی بن الوشاء نے کہا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ لوگوں میں حدیث کا اس قدر شوق ہے تو میں احادیث کا ذخیرہ اکٹھا کر لیتا اس لیے کہ میں نے اسی مسجد کوفہ میں نو سو ایسے شیوخ کو دیکھا ہے جو امام جعفر صادقؑ کی حدیثیں بیان کر رہے تھے۔

ابن شہر آشوب کا بیان ہے کہ حسن بن علی بن الوشاء کو امام رضاؑ کی امامت میں قدر سے تردد تھا تو ایک مرتبہ مسائل کا ایک ذخیرہ تیار کر کے حضرت کی خدمت میں بغرض امتحان وارد ہوئے یہ ابھی دروازہ ہی پر تھے کہ ایک خادم نے آکر پوچھا کہ تم میں حسن بن علی بن الوشاء کون ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں ہوں۔ تو خادم نے ایک لفظ دیتے ہوئے کہا کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ اس میں تمہارے سوالات کے جوابات موجود ہیں۔ یہ سنا تھا کہ ان کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا اور انھوں نے حضرت کی امامت کا یقین کامل پیدا کر لیا۔

سید حسن بن علی بن فضال شیلی کوفی

امام رضاؑ کے مخصوص اصحاب اور راویان احادیث میں تھے۔ فضل بن شاذان کا بیان ہے کہ میں مسجد میں درس قرأت حاصل کر رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ کسی ایسے شخص کا تذکرہ کر رہے ہیں جو دامن گوہ میں رہتا ہے اور مسلسل عبادت کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جا فوراً صرا بھی اس سے اس قدر مانوس ہو گئے ہیں کہ اس کے پہلو میں پڑتے ہیں اور وہ سجدہ کو اس طرح طول دیتا ہے جیسے کوئی انسان دنیا سے گذر چکا ہو۔ میں حیرت میں تھا کہ ایسا انسان کون ہو سکتا ہے کہ اتنے میں ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور میرے والد نے بڑھ کر استقبال کیا اور نہایت درجہ احترام کا برتاؤ کیا تو اس کے جانے کے بعد میں نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ حسن بن علی بن فضال تھے۔ میں نے کہا کہ یہ وہی مایہ معرفت ہیں؟ — وہ تو پہاڑ پر رہتے ہیں۔ فرمایا کہ ہاں آج آ کر آئے ہیں اور میرے پاس اکثر آتے رہتے ہیں۔ میرے دل میں ان کا اتنا احترام پیدا ہو گیا کہ میں اکثر ان کے پاس جا کر ابن بکر وغیرہ کی کتابیں سنا کرتا تھا اور اکثر میرے پاس خود آ کر سنا یا کرتے تھے اور یہ صرف ان کا جذبہ دین داری تھا ورنہ ایک سال پہلے سالار مامون طاہر بن الحسین الخزاعی حج کر کے کوڈواپس آیا تو اس نے بار بار حسن بن علی بن فضال سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی لیکن انھوں نے اس کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ حسن کی وفات ۲۲۷ھ میں واقع ہوئی ہے۔

۴۔ حسن بن محبوب السمرقانی البجلي الكوفي

اپنے دور کے امکان اربعہ اور اصحاب اجماع میں شمار ہوتے تھے۔ عام طور سے لوگ انھیں زراد بکتے تھے لیکن امام رضاؑ نے فرمایا کہ سمرقانی کا کہنا کہ وہ کلفا سرد زرہ سازی کے بارے میں قرآن میں استعمال ہوا ہے اور امت اسلامیہ کو الفاظ قرآن کو اہمیت دینا چاہیے۔ ان کے والد نے ان کی تربیت کا اس قدر اہتمام کیا تھا کہ علی بن زباب کی ایک ایک حدیث حفظ کرنے پر ایک ایک درہم انعام دیا کرتے تھے۔ حسن بن محبوب کا انتقال ۲۲۷ھ کے اواخر میں تقریباً ۶۵ سال کی عمر میں ہوا ہے۔

۵۔ زکریا بن آدم بن عبد اللہ بن سعد اشعری قمی

امام رضاؑ کے مخصوص اصحاب اور مقررین بارگاہ ہیں تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سے عرض کی کہ میں

اپنے گھر والوں سے الگ ہونا چاہتا ہوں کہ ان میں اتنی بہت پیدا ہو گئے ہیں۔ فرمایا ایسا ہرگز مت کرنا کہ رب العالمین تمہارے ذریعہ ان سے اسی طرح بلاؤں کہ وہ فتح کرتا ہے جس طرح کہ امام موسیٰ کاظمؑ کی قبر کے طفیل میں اہل بغداد کی بلاؤں کو دفع کرتا ہے۔

علی بن السیب الہمدانی نے امام رضاؑ سے عرض کی کہ میری منزل بہت دور ہے اور میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا ہوں تو احکام دین کس سے حاصل کروں؟ آپ نے فرمایا ذکر بایں آدم قمی جو میری نظر میں دین و دنیا دونوں میں مامون و محفوظ ہیں۔

بعض مورخین کا بیان ہے کہ انھیں یہ سعادت بھی حاصل تھی کہ ایک سال امام رضاؑ کے ساتھ حج میں گئے تو مدینہ سے مکہ تک حضرت کے ساتھ ایک ہی حمل میں سوار رہے۔ علامہ مجلسیؒ نے تاریخ قم کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے اشعری خاندان کے بارے میں دعا فرمائی تھی کہ خدا یا ان کے صغیر و کبیر کی مغفرت فرما۔

زکریا بن آدم کی قبر قم کے قبرستان شیمان کبیر میں مشہور ہے اور انھیں کے پہلو میں ان کے چچا زاد بھائی زکریا بن آدم بن عبد اللہ بن سعد اشعری کی قبر ہے۔

۶۔ صفوان بن یحییٰ ابو محمد بجلي کوفی

اپنے دور کے معتبر ترین راویوں میں شمار ہوتے تھے۔ امام رضاؑ اور امام جوادؑ کے اصحاب میں تھے بلکہ حضرت کے وکیل بھی تھے۔

علامہ کشتی نے انھیں بھی اصحاب اجماع میں شمار کیا ہے اور بعض مورخین نے نقل کیا ہے کہ صفوان عبد اللہ بن جنید اور علی بن نعمان کے ساتھ شریک تجارت تھے اور تینوں حضرات پابندی کے ساتھ روزانہ ۵ رکعت نماز ادا کیا کرتے تھے اور انھوں نے آپس میں یہ معاہدہ کیا تھا کہ جو بعد میں رہ جائے گا وہ دوسروں کی طرف سے بھی عمل کرے گا۔ چنانچہ صفوان اپنے دونوں ساتھیوں کے انتقال کے بعد روزانہ تین مرتبہ ۵ رکعت نماز پڑھتے تھے اور سال میں تین ماہ کے روزے رکھتے تھے اور اپنے مال کی زکوٰۃ تین مرتبہ ادا کرتے تھے اور احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کرایہ پر اونٹ لے کر کوڈوا رہے تھے تو کسی شخص نے دو دینار کوڈوا پہنچانے کے لیے دے لیے تو اس وقت تک اونٹ پر سوار نہیں ہوئے جب تک مالک سے اس قدر بار کے اضافہ کی اجازت نہیں لے لی۔ اگرچہ مؤرخین کلام کی حاجت برآری کا یہ جذبہ تھا کہ صفوان بن یحییٰ

سے انکار بھی نہیں کیا کہ میں نہیں لے جا سکتا ہوں۔

صفوان نے امام صادق کے اصحاب میں سے چالیس افراد سے روایت بیان کی ہے اور
سنہ ۱۲۰ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا ہے جہاں امام جو آؤنے کنن اور حنوط وغیرہ کا انتظام کیا اور اسماعیل
بن موسیٰ کو حکم دیا کہ ان کی نماز جنازہ ادا کریں۔

۷۔ محمد بن اسماعیل بن بزیر

مرد ثقہ اور انصاف اصحاب امام رضا ہیں تھے۔ امام جو آؤ کا زمانہ بھی درک کیا ہے۔ ان کا شمار
وزراء میں بھی ہوتا تھا اور علی بن نعمان نے ان کے بارے میں وصیت کی تھی کہ میری ساری کتاپیں
محمد بن اسماعیل بن بزیر کو دے دی جائیں۔ انھوں نے امام جو آؤ سے کفن کے واسطے پیرا بن بھی
طلب کیا تھا تو آپ نے اسے ارسال فرمایا اور فرمایا کہ اس کے تکر نکال دیے جائیں۔ راہ مکہ میں
مقام قبہ میں انتقال فرمایا جس کے بارے میں محمد بن احمد بن یحییٰ اشعری کا بیان ہے کہ میں نے علی بن
بلال کے ساتھ ان کی قبر کی زیارت کی تو انھوں نے ان کے حوالے سے امام رضا کی یہ حدیث نقل کی
کہ اگر کوئی شخص قبر پر ہاتھ رکھ کر سات مرتبہ سورہ انا انزلناہ پڑھ دے گا تو پڑھنے والا اور
مردہ دونوں ہول قیامت سے محفوظ ہو جائیں گے۔

محمد بن اسماعیل کی جلالت قدر کے بارے میں یہ واقعہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ علامہ طباطبائی
بحر العلوم کے والد ماجد جناب سید مرتضیٰ نے علامہ کی ولادت کی رات خواب میں دیکھا تھا کہ امام رضا نے
محمد بن اسماعیل کو ایک شیخ دے کر میرے گھر میں بھیجا ہے اور انھوں نے وہ شیخ روشن کر دی تو ساری رضا
منور ہو گئی۔

یقیناً علامہ بحر العلوم کا وجود ایک شیخ فروزاں کی حیثیت رکھتا تھا جس نے پورے عالم علم و تقویٰ کو روشن
اور منور کر دیا تھا لیکن یہ محمد بن اسماعیل کا مرتبہ تھا کہ اس شیخ فروزاں کی بشارت دینے کے لیے امام رضا
نے ان کا وسیلہ اختیار فرمایا کہ گویا یہ شیخ علم محمد بن اسماعیل کی روایات اور ان کے برکات کے واسطے
سے روشن ہوگی اور یہ بات دونوں حضرات کے شرف و کمال اور فضل و اجلال کے لیے کافی ہے۔

۸۔ نصر بن قابوس

امام صادق، امام کاظم اور امام رضا تینوں حضرات سے روایت نقل کی ہے اور ۲۰ سال تک

امام صادق کے وکیل رہے ہیں۔ امام کاظم کے مخصوص اصحاب میں تھے اور ان سے امام رضا کی امامت
کی نص کی روایت کی ہے۔

• شیخ کشی نے ان کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ امام موسیٰ کاظم ان کا ہاتھ پکڑ کر ایک جرد تک
لے گئے جہاں امام رضا مشغول مطالعہ تھے اور فرمایا کہ نصر اس فرزند کو پہچانتے ہو، عرض کی کہ یہ علی بن
موسیٰ الرضا ہیں۔ فرمایا اور یہ کتاب، عرض کی آپ بہتر ملتے ہیں۔ فرمایا یہ کتاب جعفر ہے جسے صرف
انبیاء اور اوصیاء پڑھ سکتے ہیں۔ جس کے بعد حضرت کی امامت کا یقین اور کامل ہو گیا۔

• دوسرے موقع پر نصر نے امام موسیٰ کاظم سے عرض کی کہ میں نے آپ کے والد سے ان
کے وصی کے بارے میں دریافت کیا تھا تو انھوں نے آپ کا نام بتایا تھا۔ اب آپ کا وصی کون ہوگا؟
تو آپ نے فرمایا کہ میرا فرزند علی بن موسیٰ!۔

اقوال حکیمانہ

۱۔ ہر شخص کا واقعی دوست اس کی عقل ہے اور اس کا واقعی دشمن اس کی جہالت ہے۔
(یقیناً عقل ہی ایک ایسا دوست ہے جسے نادان دوست نہیں کہا جا سکتا اور جہالت ہی
ایک ایسا دشمن ہے جسے دانادشمن نہیں کہا جا سکتا ہے)۔

۲۔ پروردگار تین چیزوں کو سخت ناپسند کرتا ہے: بے جا بحث و مباحثہ، مال کا ضائع کرنا اور
زیادہ سوال کرنا۔

(رسول اکرم نے بھی فرمایا ہے کہ چار چیزوں سے دل کی موت واقع ہو جاتی ہے: مسلسل گناہ
کرنا، عورتوں سے زیادہ گفتگو کرنا، احق آدمی سے بحث و مباحثہ کرنا اور بدحواسی دولت مند کے ساتھ
انصاف بیٹھنا)۔

۳۔ ہم اہلبیت وعدہ کو ایک قرض سمجھتے ہیں اور اس کی ادائیگی کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

(حقیقت امر یہ ہے کہ ہماری دنیا و آخرت کی تمام بھلائی اہلبیت طاہرین کے وعدہ وادارسی
اور وعدہ شفاعت سے وابستہ ہے اور اس یقین سے متعلق ہے کہ وہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتے ہیں)۔

۴۔ ایک زمانہ آنے والا ہے جب مائیت کے فوجے گوشہ نشینی میں ہوں گے اور ایک حصہ

سکوت میں ہوگا۔

(بے شک ایسا دور ہر انسان کی زندگی میں آسکتا ہے۔ لیکن انسان کا فرض ہے کہ گوشہ نشینی اور سکوت دونوں صورتوں میں اپنے فرائض سے غافل نہ رہے کہ فرائض کی ادائیگی عاقبت طلبی بہر حال زیادہ ضروری ہے ورنہ جناب آدم جنت ہی میں رہ جاتے اور آل محمد عرش اعظم ہی پر رہ جاتے)۔
۵۔ کسی شخص نے دریافت کیا کہ فرزند رسول! آپ نے کس عالم میں صبح کی؟ تو آپ نے فرمایا کہ چار مصیبتوں کے درمیان۔ عمر کم ہوتی جا رہی ہے، اعمال محفوظ ہوتے جا رہے ہیں، موت تعاقب میں لگی ہوئی ہے اور جہنم اپنی تاک میں ہے۔

(کاش ہم گناہگاروں کو ان حقائق کا احساس ہو جاتا جن کی طرف امام معصوم نے توجہ دلائی ہے)۔
۶۔ بنی اسرائیل میں کوئی شخص اس وقت تک عابد نہیں شمار ہوتا تھا جب تک دس سال تک سکوت نہ اختیار کرے۔

(بے شک عابد بننے کے لیے سکوت ضروری ہے۔ لیکن عالم بننے کے لیے تکلم بھی لازم ہے اور عالم کا مرتبہ بقول معصومین عابد سے بہر حال بہتر ہے)۔

۷۔ جو انسان خدا کے مختصر رزق پر راضی ہو جاتا ہے خدا اس کے مختصر عمل پر بھی راضی ہو جاتا ہے۔
دکاش انسان اس نکتہ کی طرف متوجہ ہو جاتا کہ جس طرح وہ خدا سے رزق کا مطالبہ کرتا ہے اسی طرح خدا نے اس سے عمل کا مطالبہ کیا ہے۔ تو اگر وہ کم رزق پر راضی نہیں ہوتا ہے تو خدا سے کس طرح تقاضا کرتا ہے کہ وہ اس کے کم عمل پر راضی ہو جائے)۔

۸۔ دنیا کے تمام مصائب میں سب سے بڑی مصیبت علماء کی موت ہے۔

۹۔ روز عرفہ آپ نے سارا مال راہِ خدا میں لٹا دیا تو فضل بن سہل نے اعتراض کیا کہ یہ تو ایک بڑا خسارہ ہے! فرمایا کہ یہ خسارہ نہیں بلکہ فائدہ ہے۔ نقصان اسے نہیں کہتے ہیں جس کے نتیجے میں اجر و کرامت حاصل ہو جائے۔

۱۰۔ انسان خیر کے عالم میں ہو تو اسے مغرور نہیں ہونا چاہیے بلکہ پروردگار سے برابر دعا کرنی چاہیے کہ خدا یا! اس خیر کو سلامت رکھنا اور اسے منزل تمام و کمال تک پہنچا دینا۔

(درحقیقت ہر کار خیر ہمیشہ انہیں دونوں خطرات سے دوچار رہتا ہے۔ کسی ریاکاری اور دست برداری

وغیرہ کا جذبہ شامل ہو جاتا ہے تو عمل صحیح و سالم نہیں رہ جاتا ہے اور اجر و ثواب کے بجائے عذاب و عقاب کا استحقاق پیدا کر دیتا ہے اور کبھی اس جہت سے صحیح و سالم رہ جاتا ہے لیکن اس کے مکمل ہونے کی نوبت نہیں آتی ہے اور درمیان ہی میں کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ امام علی رضاً نے اسی نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ انسان اپنے کار خیر پر مغرور ہونے کے بجائے ان دونوں باتوں کی فکر کرے جن پر اجر و ثواب کا دار و مدار ہے اور جن کے بغیر کوئی کار خیر، کار خیر کہے جانے کے قابل نہیں ہے۔ رب کریم ہر مرد مومن کو خیر کی توفیق دے اور پھر اس کو ہر عیب و نقص سے محفوظ رکھتے ہوئے درجہ تمام و کمال تک پہنچانے کی سعادت عنایت فرمائے۔!

مسئلہ ولی عہدی

امام علی رضا علیہ السلام کی زندگی کے تمام واقعات میں سب سے زیادہ اہمیت مسئلہ ولی عہدی کو حاصل ہے اسی لیے علماء اعلام نے عام طور سے اس مسئلہ کو قابل بحث قرار دیا ہے اور اس کے اسباب پر اجمالی یا تفصیلی طور پر روشنی ڈالی ہے۔

یہاں اس مقام پر بحث کے تفصیلات میں داخل ہونے سے پہلے ایک امر کی طرف توجہ دلانا بے حد ضروری ہے جس کو عام طور سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ معصومین علیہم السلام کی زندگیوں میں چند مواقع اور مراحل ہیں جن کے بارے میں دور قدیم سے بحث ہوتی چلی آ رہی ہے اور آج تک اس سلسلہ کی بحث جاری ہے جب کہ ٹھیک اسی قسم کے دوسرے مسائل ہیں جن کو زیر بحث نہیں لایا گیا ہے حالانکہ ان کی اہمیت بھی زیر بحث مسائل سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ مثال کے طور پر صلح حدیبیہ، صلح امام حسن، جنگ بندی صفین، تعدد ازواج امام حسن، عدم قیام امام صادق، ولی عہدی امام رضا وغیرہ سے برابر بحث کی جاتی ہے اور اس کے متوازی مسائل غزوات پیغمبر اسلام، قیام امام حسین، مجاہدات مولائے کائنات جیسے مسائل کو اس قدر اہمیت نہیں دی جاتی ہے۔ اور شاید اس سبب سے بڑا راز یہ ہے کہ معصومین کے بارے میں ایک عام عقیدہ تمام عالم اسلام بلکہ عالم انسانیت میں یہ پایا جاتا ہے کہ یہ باطل سے برسر پیکار تو ہو سکتے ہیں لیکن باطل سے اتفاق رائے نہیں کر سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جہاں پیکار اور اختلاف کا ذکر آتا ہے وہاں بحث رک جاتی ہے کہ یہ کام مطابق اصول انجام پایا ہے

اور جہاں اتحاد و اتفاق کی بڑا آتی ہے وہاں بحث شروع ہو جاتی ہے کہ سرکارِ دو عالم نے کفار سے کیوں صلح کر لی اور امامِ حسن کا حاکمِ شام سے کس نقطہ پر اتفاق ہو گیا یا مولائے کائنات نے تکلمِ کبیرہ کیسے کیا یا امامِ حسن جیسے مردِ باخدا نے متعدد شادیاں کس طرح کر لیں (بہ فرضِ صحت روایت) یا امامِ جعفر صادقؑ نے حالات کے سازگار ہوتے ہوئے بھی اپنے حق کا اعلان کیوں نہیں کیا، یا امامِ علی رضی اللہ عنہ نے ایک ظالم اور بے دین حکومت کا عہدہ کس طرح قبول کر لیا۔ اور یہ بات درحقیقت ائمہِ مطہرین کی عظمت و کردار کی ایک نشانی ہے کہ ان کے بارے میں یہ عقیدہ عام ہے کہ وہ باطل سے برسوں بچا رہے ہوتے ہیں ہم رنگ اور ہم آہنگ نہیں ہو سکتے ہیں اور خود امامِ رضاؑ نے بھی ولی عہدی کے موقع پر اسی نکتہ کو نگاہ میں رکھا تھا کہ اس سے وہ عام جذبہ یا عقیدہ مجروح ہو گا جو ہم اہلبیت کے بارے میں پایا جاتا ہے اور جو واقعتاً ہماری عصمت اور عظمت کا راز ہے۔ لہذا آپ نے ولی عہدی پانے کے فوراً بعد اظہارِ مسرت اور شکرِ خدا کرنے کے بجائے بارگاہِ احدیت میں معذرت کی کہ پروردگار! جس طرح یوسفؑ نے حالات کے پیش نظر عینِ زمر کا عہدہ قبول کر لیا تھا اسی طرح میں نے اس ولی عہدی کو قبول کیا ہے ورنہ میں کسی ظالم کا عہدہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں اور میرے امکان کی بات نہیں ہے۔

واضح رہے کہ ولی عہدی کی بحث میں دو طرح کے رجحانات پائے جاتے ہیں بعض لوگ مامون کے طرفدار ہیں تو انہیں مامون کے کردار کی صفائی دینا ہے اور بعض لوگ امامِ رضاؑ کے عقیدت مند ہیں تو انہیں امام کے اقدام کی بنیاد تلاش کرنا ہے۔

مامون پرست لوگوں میں عصرِ حاضر کے شہور مورخ احمد امین دہخدا نے اس واقعہ کے بعض اسباب کو یوں واضح کیا ہے کہ:

۱۔ مامون امامِ رضاؑ کو منظرِ عام پر لا کر ان کی حقیقت کو بے نقاب کرنا چاہتا تھا کہ ائمہ اہلبیت سے الگ رہتے ہیں تو ان کے چاہنے والوں کو ان کی عظمت و عصمت اور ان کے تقویٰ اور تقویٰ کے بارے میں پردہ پگندہ کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور وہ ان کی شخصیت کو بے مثل و بے نظیر بنا کر پیش کر دیتے ہیں۔ مامون نے چاہا کہ انہیں منظرِ عام پر لے آیا جائے تاکہ لوگ ان کی حقیقت سے باخبر ہو جائیں اور انہیں بھی اندازہ ہو جائے کہ نظامِ حکومت ہنسٹانے کے بعد انسان اس تقدس کی زندگی

نہیں گزار سکتا ہے۔

۲۔ فضل بن یسہل جیسے افراد خراسانی ہونے کی بنا پر امامِ رضاؑ اور عام اہلبیت سے خاص عقیدت رکھتے تھے اور مامون کو یہ خطرہ تھا کہ یہ افراد کسی وقت بھی بغاوت کر سکتے ہیں۔ لہذا انہیں خوش کرنے کے لیے امامِ رضاؑ کو ولی عہدی کا عہدہ دے دیا گیا۔

۳۔ مامون معتزلی عقیدہ کا آدمی تھا اور اعتزال بڑی حد تک تشیع سے قریب تر ہے لہذا اس کے افکار میں تشیع سرایت کر گیا اور اس نے امامِ شیعہ کو ولی عہدِ مملکت بنا دیا۔

اس کے بعد خود مامون کے تشیع پر حسبِ ذیل دلائل قائم کیے گئے ہیں:

۱۔ مامون حضرت علیؑ کی افضلیت کا قائل تھا اور وہ اس سلسلہ سے لوگوں سے بحث بھی کیا کرتا تھا۔

ب۔ مامون امامِ رضاؑ سے لوگوں کے مناظرے کرتا رہتا تھا تاکہ ان کا فضل و شرف ظاہر ہو سکے اور لوگ ائمہ اہلبیت کی افضلیت کے قائل ہو جائیں اور اسی بنیاد پر کسی کے باوجود امامِ محمدیؑ کا مناظرہ بھی بنیاد پر کسی کے باوجود امامِ محمدیؑ سے کر دیا۔

ج۔ مامون قرآن کو مخلوق تسلیم کرتا تھا اور یہی ائمہ اہلبیت کا عقیدہ تھا۔

د۔ مامون متعہ کو جائز سمجھتا تھا اور یہ بات مذہبِ شیعہ کے خصوصیات میں ہے۔

لا۔ مامون نے فدک کی واپسی کا اعلان کر دیا تھا جو فدک کے حق زہر تسلیم کرنے اور خلیفہ اول کے غضب کرنے کے مترادف تھا۔

و۔ مامون نے ایک بیٹی کا عقد امامِ رضاؑ سے کر دیا اور دوسری کا عقد امامِ جوآ سے کر دیا جو اس بات کی علامت ہے کہ اسے ائمہ اہلبیت سے خاص عقیدت حاصل تھی۔

ان دلائل کے تفصیلی جائزے کے لیے ایک مکمل کتاب درکار ہے۔ اجمالی طور پر صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ مامون کی طرف سے ولی عہدی کی پیش کش خود تشیع کی بنیاد کے خلاف ہے کہ تشیع ائمہ مطہرین کی حکومت اور مولائیت کے اعتراف کا نام ہے۔ تشیع میں دوسرے حاکم اور ان کے ولی عہد ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور یہی وہ بات ہے جو خود امامِ رضاؑ نے بھی فرمائی تھی کہ یہ عہدہ تجھے خدا نے دیا ہے تو دوسرے کو دینے کا حق نہیں ہے اور بندوں سے طاہرے تو میرے لیے کا کوئی جواز نہیں ہے

اس لیے کہ میں بندوں کو اس امر کا مجاز نہیں سمجھتا۔ اور اس کے بعد جب تک مامون نے مجبور نہیں کیا اور قتل کا اشارہ نہیں دیا اس وقت تک آپ نے قبول نہیں فرمایا۔

مناظروں کا معاملہ یہ ہے کہ اس سے مامون اپنے فضل و شرف کا اظہار کرنا چاہتا تھا کہ میرے دربار میں ایسے ایسے افراد پائے جاتے ہیں اور اس کا امام رضا کے فضل و شرف سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس فضل و شرف کے اعتراف کا واقعی ماحصل تو یہ تھا کہ خود دستبردار ہو کر حق کو حق دار کے حوالے کر دیتا۔

خلق قرآن یا متعہ کا مسئلہ اصل تشیع سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ہے۔ ایسے جزئی مسائل میں دو مذاہب کے افراد میں اتفاق رائے ہو سکتا ہے جیسا کہ تاریخ کے مطالعہ سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ متعہ کو وہ افراد بھی جائز جانتے تھے جن کا مذہب شیعہ سے کوئی تعلق نہیں تھا اور آج بھی رسل جیسے لوگ اگر اسے زندگی کے مسائل کا لازمی حل قرار دیتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انھوں نے مذہب شیعہ قبول کر لیا ہے۔ مذہب شیعہ ایک مکمل مذہب ہے۔ اس کا ایک دو احکام سے کوئی تعلق نہیں ہے اور مامون جیسے افراد نے تو ان مسائل کو بھی صرف عوام کی توجہ کو سیاسی مسائل کی طرف سے ہٹانے کے لیے ایجاد کیا تھا اور نہ عوام کو ان مسائل سے کیا تعلق ہے اور ان میں قرآن کے مخلوق یا قدیم ہونے کے بنیادی فرق کے محسوس کرنے کی کس قدر صلاحیت پائی جاتی ہے اس کا اندازہ ہر صاحب علم و اطلاع کر سکتا ہے۔

ترویج کے مسئلہ کا بھی عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کی صورت حال تمام تر سیاسی ہے جس کی مثالیں سرکارِ دو عالم کی زندگی میں بھی مل سکتی ہیں کہ ابوسفیان کی بیٹی کا عقد حضور اکرم سے اس وقت ہوا تھا جب وہ واضح طور پر کفر کی صفوں میں شامل تھا اور کسی نفاق کا بھی سلسلہ نہیں شروع ہوا تھا۔

پھر ایک گھر کی دو بیٹیوں کا باپ اور بیٹے سے غمگینا اور وہ بھی بن و سال کے بے پناہ تفاوت کے ساتھ یا شادی کی بگاڑنا کیے بغیر خود اس امر کی دلیل ہے کہ یہ اقدام ایک سیاسی حیثیت کا مالک ہے اور اس کا عقیدہ یا عقیدت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مسئلہ فدک کا اٹھانا بھی ایک سیاسی اقدام تھا اور نہ اسے امام کی اہمیت کا خیال ہوتا تو امام

رضا کے بعد امام جواد کے ولی عہد مملکت ہونے کا اعلان کرتا جب کہ ایسا کچھ نہیں ہوا اور حالات نے ایسا پلٹا دکھایا کہ خود امام رضا ہی کا وجود برداشت نہ ہو سکا۔ امام جواد کے بارے میں ایسی نکتہ کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ہاں زہر دینے کے جرم کی پردہ پوشی کرنے کے لیے فرزند کو داماد ضرور بنایا گیا۔ جو دور قدیم سے تاریخ میں ہوتا چلا آ رہا تھا اور ظالم اپنے ظلم اور اپنی شقاوت کی پردہ پوشی کے لیے بڑی شخصیتوں کو اپنا داماد بنایا کرتے تھے اور اس طرح عوام کو کھلا ہوا دھوکہ دیا کرتے تھے۔

فضل بن سہل کے بارے میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ اس نے اپنے امکان بھر مامون کو اس اقدام سے روکا تھا اور اس کے محرک ولی عہدی ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

حقیقی اسباب ولی عہدی

بات صرف یہ ہے کہ حالات نے مامون کو اس موڑ پر پہنچا دیا تھا جہاں بنی ہاشم کا راضی کرنا ضروری ہو گیا تھا اور امام رضا کی شخصیت کا سہارا لینے بغیر اس کا زندہ رہنا مشکل ہو گیا تھا اس لیے اس نے اس قسم کا سیاسی قدم اٹھایا اور اس کے حسب ذیل اسباب محرک قرار پائے:

۱۔ امام رضا کو اپنے زیر نظر رکھا جائے تاکہ عوام سے زیادہ قریب نہ ہونے پائیں اور اس طرح ان کی عوامی شخصیت کے خطرہ سے اپنا تحفظ کر لیا جائے اور نہ ان کی شخصیت کسی وقت بھی حکومت کے لیے خطرہ بن سکتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یہ خواب بھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا اور امام نے ولی عہدی سے فائدہ اٹھا کر عوامی رابطہ بڑھایا اور اس سے بہت کچھ فائدہ حاصل کر لیا جس کی تفصیل نتائج ولی عہدی کے ذیل میں بیان کی جائے گی۔

۲۔ امام کی ملاقاتوں کو دشوار تر بنا دیا جائے تاکہ ان کے علوم و احکام کی اشاعت نہ ہو سکے جو ہر دور کے حکام جو در کاہل علم کے ساتھ برتاؤ رہا ہے کہ بظاہر اعزاز و احترام کے نام پر عوام سے رابطہ توڑ دیا جائے اور عوام کو ان کے صحیح نظریات و تعلیمات سے آگاہ نہ ہونے دیا جائے اور اس طرح حکومت کو ان کے تعلیمات کی خود ساختہ ترجمانی کا موقع مل جائے۔

۳۔ عوام میں امام موسیٰ کاظم کی شہادت کے زیر اثر پیدا ہونے والے جذبات کا علاج کیا جائے کہ حکومت اہلبیت کی دشمن نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی ہاتھ امام موسیٰ کاظم کی شہادت میں ہے۔

۴۔ امام رضاؑ کی وزارت سے حکومت کی عظمت میں اضافہ کیا جائے کہ جس دربار کے وزراء میں امام رضاؑ جیسے افراد شامل ہوں اس کے سلطان وقت کی صلاحیتوں کا کیا عالم ہوگا اور اس حکومت کو کس طرح غیر شرعی کہا جاسکتا ہے جس کی وزارت کا کام فرزند رسولؐ حضرت علی بن موسیٰ انجم دے رہے ہوں۔

۵۔ عوام کے خیالات کو ایک نئے موضوع کی طرف موڑ دیا جائے اور ہر گھر میں ایک نئی بحث ایجاد کر دی جائے جس کا تصور بھی قوم کے ذہن میں کبھی نہ رہا ہو اور اس طرح بہت سے بنیادی مسائل کی طرف سے عوام کی توجہ ہٹا دی جائے جن سے حکومت کو سخت قسم کے سیاسی خطرات لاحق ہیں۔

۶۔ عوام میں یہ احساس پیدا کر دیا جائے کہ حکومت مصالح امت کے بارے میں اس قدر مخلص ہے کہ اپنے بھائی کو قتل کر کے باہر کے افراد کو ولی عہد بنانے کے لیے تیار ہے جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ مامون اپنے گھر میں حکومت نہیں رکھنا چاہتا ہے۔ امت اور ملت کو فائدہ پہنچانا چاہتا ہے، چاہے وہ گھر کے افراد سے حاصل ہو یا باہر کے افراد سے۔

۷۔ علویین کی طرف سے اٹھنے والی انقلابی آوازوں اور تحریکوں کا دباننا اس امر پر موقوف ہو گیا تھا کہ ان کے سربراہ کو حکومت میں شامل کر لیا جائے اور انھیں یہ باور کر دیا جائے کہ حکومت نے اپنا طرز عمل تبدیل کر دیا ہے اور اب وہ انھیں ان کا مکمل حق دینے کے لیے تیار ہے لہذا انھیں کسی قسم کے اقدام کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے بعد ان کا ہر اقدام خود ان کی نغسانیت اور جاہ طلبی پر محمول کر دیا جائے۔

۸۔ مامون کے ذہن میں یہ خیال بھی تھا کہ وہ کسی قدر اقتدار کا مالک کیوں نہ ہو جائے اور اس کی حکومت میں کسی قدر وسعت کیوں نہ پیدا ہو جائے۔ حکومت کی شرعی حیثیت بہر حال اس بات پر موقوف ہے کہ رسول اکرمؐ کے خاندان کی عظیم ترین شخصیت اس حکومت کی تائید کرے۔ اور وہ نظام حکومت میں شامل ہو جائے اور فرزند رسول اکرمؐ کی تائید کے بغیر کوئی اس حکومت کو صحیح معنوں میں اسلامی حکومت کہنے کے لیے تیار نہ ہوگا اور مامون کی دلی خواہش یہی تھی کہ اس کی حکومت کو شرعی حکومت کہا جائے۔ وہ اس قسم کا عیاش اور او باش بادشاہ نہیں تھا جو بہر حال کسی پر قابض رہتا

چاہتا ہو چاہے اس کی حیثیت کتنی ہی غیر شرعی کیوں نہ ہو کہ اس طرح کی حکومت کسی وقت بھی اسلامی جذبات کا نشانہ ہو سکتی ہے اور یہ احساس درحقیقت وہی احساس تھا جو ابتداء سے خلفاء اسلام کے ذہن میں رہا ہے اور جس کی بنا پر مولائے کائنات اور امام حسینؑ سے بیعت کا مطالبہ کیا گیا تھا کہ اس کے بغیر حکومت شرعی کہے جانے کے قابل نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس سے پہلے والوں نے بیعت کا مطالبہ کیا تھا اور وہ اس کا شرع دیکھ چکے تھے اس لیے مامون نے اس مطالبہ کو ایک جتن شکل دے دی کہ انھیں غلام بنانے کے بجائے حاکم یا شریک حکومت بنایا جائے کہ اس طرح مقصد بھی حاصل ہو جائے گا اور آل رسولؐ کو غلام بنانے کا الزام بھی مائد نہیں ہوگا۔

امام علیؑ رضائے اسی نکتہ کے پیش نظر ولی عہدی میں یہ شرط رکھ دی تھی کہ میں امور مملکت میں کسی طرح کی مداخلت نہیں کروں گا اور کوئی کام میرے نام پر نہیں ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ مجھ سے کوئی مشورہ لیا جائے گا تو میں صحیح مشورہ ضرور دوں گا کہ یہ تاریخ امامت میں ہر علیؑ کا طریقہ کار رہا ہے اور اس اصول حیات سے کوئی بھی متدین انسان انحراف نہیں کر سکتا ہے۔ شخصیت سے اختلاف الگ ایک چیز ہے اور اسلامی مقاصد کا تحفظ ایک الگ چیز ہے۔ پہلے محاذ پر تائید غلامت شروع ہو سکتی ہے لیکن دوسرے محاذ پر تائید عین اسلام اور عین تدین ہے۔

۹۔ مامون بنی فاطمہؑ کو حکومت میں شریک کر کے ایک طرف اپنی حکومت کو علویین کے انقلابات اور ان کے احتجاجی اقدامات سے بچانا چاہتا تھا اور دوسری طرف بنی عباس کے خون کا تحفظ کرنا چاہتا تھا کہ ملک میں احتجاجی تحریکات تیزی سے بڑھ رہی ہیں اور علویین کے انقلابات روز افزوں ترقی کرتے جا رہے ہیں۔ اس طرح اگر اختلاف برقرار رہا تو بنی عباس حکومت کی حمایت کرنے پر مجبور ہوں گے اور اس کے نتیجے میں علویین کی تلواروں کا نشانہ بن جائیں گے اس لیے کہ شخص سرکاری حفاظتی انتظامات میں نہیں رکھا جاسکتا ہے اور ہر شخص کے لیے حفاظتی دستے نہیں فراہم کیے جاسکتے ہیں اور نہ وہ خود اپنے دفاع کی طاقت رکھتا ہے۔

۱۰۔ مامون بنی عباس کو بھی متوجہ کر دینا چاہتا تھا کہ اگر امین کی حمایت کے نام پر کوئی آواز اٹھائی گئی اور آپس میں اختلاف پیدا کیا گیا تو میں علویین کو اپنے ساتھ لے کر ان کا قلع قمع بھی کر سکتا ہوں اور آخر میں حکومت علویین کے حوالے بھی کر سکتا ہوں جس کے بعد بنی عباس قیامت تک اقتدار

کے خواب ہی دیکھتے رہیں گے۔

ان تمام اسباب کے پیش نظر مومن نے یہ طے کر لیا کہ امام علی رضاؑ کو حکومت میں شامل کر لیا جائے اور ایک وقت ان تمام فوائد کو حاصل کر لیا جائے اور اسی بنیاد پر اس نے امام رضاؑ کو مدینہ سے مرو طلب کیا۔ امام علیہ السلام بھی ان تمام سرکاری مصالح سے بخوبی واقف تھے اور آپ کسی قیمت پر نہیں چاہتے تھے کہ آپ کے کسی عمل سے بھی کسی ظالم کو ادنیٰ فائدہ پہنچ سکے کہ اس طرح اپنا شمار بھی ظالموں کے محسوسوں اور مددگاروں میں ہو جائے گا جس کی جواب دہی روز قیامت انتہائی شدید ہے چنانچہ آپ نے بھی منکروا و مکسر اللہ کی پالیسی کے پیش نظر اپنا لائحہ عمل طے کر لیا اور یہ چاہا کہ جس راستے سے ظالم وار کرنا چاہتا ہے اسی راستے سے اس کے مکرو کو اس کی گردن پر ڈال دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے سفر تو منظور کر لیا لیکن اس سفر کا پہلا فائدہ یہ قرار دیا کہ تمام راستے میں اپنے کمالات اور اسلام کے حقیقی تعلیمات کو واضح کرتے رہے تاکہ امت پر اتنا جھٹ بھی ہوتا رہے اور اسلام کی تبلیغ کا کام بھی انجام پاتا رہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات ذاتی اور انفرادی قسم کے سفر میں نہیں ہو سکتی تھی اس لیے کہ عوام الناس کسی دور میں بھی کمال کے پرستار نہیں ہوتے ہیں وہ ہمیشہ اقتدار کے پرستار ہوتے ہیں اور اہل اقتدار ہی کی روش پر نظر رکھتے ہیں۔ نااہل انسان بھی نظام حکومت میں شامل ہو جائے تو سڑکوں پر اس کے شتاقان دید کی بیخیز لگ جاتی ہے گیٹ بنائے جلتے ہیں، جھنڈیاں لٹکانی جاتی ہیں، نعرے لکھے جاتے ہیں اور اہل انسان محفل میں بھی داخل ہو جائے تو کوئی حرکت دیکھنا گوارا نہیں کرتا ہے۔ امام رضاؑ ان تمام حقائق اور حالات سے خوب واقف تھے اس لیے آپ نے سفروں کی عمدی کو بہترین موقع تصور کیا۔ مذہب کے حقائق کو عام کرنے اور امت کو اپنی صلاحیت اور اپنے کمالات و کرامات سے آگاہ کرنے کا۔ چنانچہ آپ نے سفر کے دوران حسبِ میل کمالات و کرامات کا مظاہرہ فرمایا جن کی مثال شاید انفرادی سفر میں مل سکتی۔ لیکن اس سرکاری سفر میں ان حقائق کا اظہار ضروری تھا لہذا آپ نے اپنے فریضہ شرعی میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی اور دیکھی تکلف اور انکسار سے کام لیا۔ انکسار کی جگہ ذاتی اخلاق ہے۔ مذہبی احکام و تبلیغیات میں انکسار سے کام نہیں لیا جاسکتا ہے۔

● آپ نیشاپور پہنچے تو بے شمار افراد اشتیاق زیارت میں جمع ہو گئے اور ۲۴ ہزار محدثین قلم و دوات لے کر آگے کہ آپ سے حدیث سُن کر نقل کریں گے۔ اولاً آپ سے زیارت کا مطالبہ کیا گیا اور آپ نے پردہ عمل بٹا دیا تو مجمع نے زیارت کی اور شور مچا رہا۔ گویا قوم نے سرکارِ دو عالم کو ہمالیہ پہنچا

دیکھ لیا۔ زیارت کے بعد حدیث کا تقاضا کیا گیا تو آپ نے اپنے آباء و اجداد کے حوالے سے رب العالمین کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا کہ "کلہ لا الہ الا اللہ میرا ایک قلعہ ہے اور جو اس قلعہ میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا"۔

اس طرح ایک طرف تو اسلام کے بنیادی مسئلہ اور اس کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا کہ نبأت کا واحد راستہ قلعہ توحید میں داخل ہو جانا ہے۔ شرک میں بہر حال نبأت نہیں ہے چاہے اس کا تعلق جنوں سے ہو یا شخصیتوں سے یا درہم و دینار سے اور اس کے بعد اس حقیقت کا بھی اعلان فرما دیا کہ یہ لکھ بھی تنہا نبأت کا گناہ نہیں ہے اس کے بھی اپنے کچھ شرائط ہیں جن میں سے ایک میں بھی ہوں، اور اس طرح اصول اسلام کا مکمل اعلان فرما دیا کہ اول مرحلہ پر توحید ہے اور اس کے بعد شرطیں میں نبوت ہے اور اس کے بعد شرطیں ہیں امامت ہے جس کی ایک فرد میں بھی ہوں کہ اس سلسلہ پر ایمان اختیار کیے بغیر نبأت کا کوئی امکان نہیں ہے اور کلہ لا الہ الا اللہ کسی اخروی فائدہ کا وسیلہ نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا اعلان ایک ایسی شخصیت کی طرف سے جسے ولی عہد مملکت بنایا جا رہا ہے سرکاری اعتبار سے بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور امام علیہ السلام نے راستہ ہی میں واضح کر دیا کہ میری امامت کے اقرار کے بغیر کوئی اسلام مکمل نہیں ہے چاہے امت اور عوام کے دل میں ہو یا حکام اور خلفاء اسلام کے دل میں۔

دوسری طرف امام نے قوم پر یہ بھی واضح کر دیا کہ میرے اسلامی معلومات ان راویوں کے ممنون کہ نہیں ہیں جن پر امت نے اعتماد کیا ہے اور جن کے ذریعہ قوم نے اسلامی احکام حاصل کیے ہیں، اس لیے کہ یہ تمام راوی غیر معصوم ہیں اور ان میں بہر حال خطا اور غلطی کا امکان پایا جاتا ہے۔ میرا سلسلہ، عصمت کا سلسلہ ہے جو میرے آباء و اجداد کا سلسلہ ہے، اور اس کی انتہا سرکارِ دو عالم پر اور پھر ان کے ذریعہ جبریل و میکائیل، لوح و قلم سے گزرتا ہوا رب العالمین تک پہنچ جاتا ہے، اور ایسے سلسلہ کے ہوتے ہوئے انتہائی افسوس ناک بات ہے کہ قوم ایک غیر معصوم سلسلہ روایت پر اعتماد کرے اور معصوم سلسلہ کو نظر انداز کرے۔

● ب۔ خراسان پہنچ کر آپ نے وضو کے لیے پانی طلب فرمایا۔ قوم کے پاس پانی موجود نہیں تھا تو آپ نے ایک چشمہ جاری فرما دیا جس کا سلسلہ مدتوں تک جاری رہا۔ اور یہ بھی قوم کے لیے ایک

انتباہ تھا کہ ایسی صاحب کرامت شخصیت کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص اسلامی حکومت
واقفہ کا اہل نہیں ہو سکتا ہے۔

● ج۔ شہر طوس میں نزول اجلال فرمایا تو دیکھا کہ وہاں کے لوگ سنگ تراشی کا کام کر رہے
ہیں اور انھیں پتھر توڑنے میں بے حد زحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو آپ نے رب العالمین کی بارگاہ
میں التماس کی اور پتھر نرم ہو گیا جس کے بعد قوم کے کاروبار میں سہولت ہو گئی اور آپ کی کرامت
نقش کا بجز نہیں گئی۔

● ۵۔ قریرہ سناباد میں قبراؤں کے قریب جا کر ایک خط کھینچ کر فرمایا کہ یہ میری قبری جگہ ہے
اور وہاں نماز بھی ادا فرمائی اور قوم پر واضح فرمایا کہ رب العالمین نے مجھے علم غیب سے بھی نوازا ہے
اور میں مستقبل کے حالات سے بھی باخبر ہوں۔ میرے لیے کوئی شے پردہ راز میں نہیں ہے اور میرا قیاس
مامون جیسے افراد پر نہیں کیا جا سکتا ہے۔

● ۸۔ مرو وارد ہونے کے بعد مامون نے حکومت پیش کی، اپنے انکار فرمایا کہ کوئی بھی علی
حکومت کا خواہش مند نہیں ہوتا ہے اور دنیا کے ہر اقتدار سے بے نیاز ہی رہتا ہے۔ اس کے بعد
اس نے دلی عہدی کی پیش کش کی تو آپ نے فرمایا کہ جسے حکومت پسند نہیں ہے وہ دلی عہدی کو لے کر
کیا کرے گا لیکن اس نے کہا کہ اسے تو قبول کرنا ہی پڑے گا۔ تو آپ نے حالات کے خطرہ کو دیکھ کر
رضامندی کا اظہار فرمایا اور اس موقع پر دو تین حقائق کا اعلان بھی فرمادیا:

پہلی بات تو یہ ہے کہ میں امور حکومت میں دخل نہیں دوں گا اور نصب و عزل کی ساری
ذمہ داری خود مامون پر ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر مجھ سے کوئی مشورہ لیا جائے گا تو مشورہ ضرور دوں گا تاکہ حکومت
مجھے کنارہ کش قرار دے کر مشوروں سے بے نیاز نہ بن جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ دلی عہدی کی ایک تحریر بھی ہونی چاہیے جس کا مضمون یہ ہوگا کہ چون کہ
مامون نے ان حقوق کو تسلیم کر لیا ہے جن کا اقرار اس کے آباؤ اجداد نے نہیں کیا تھا لہذا میں وسیع
کو قبول کیے لیتا ہوں اگرچہ علم جفر و جامہ کا تقاضا یہ ہے کہ یہ امر منزل اتمام کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس
دستاویز پر آپ نے فضل بن سہل، یحییٰ بن اکثم، عبداللہ بن طاہر، ثمامہ، بشر بن معتمر اور حماد بن

نہمان جیسے نمایاں افراد سے دستخط بھی کر لیے۔ (نور الابصار)

● ۹۔ ۶ رمضان ۱۸ھ کو جلسہ ولی عہدی منعقد ہوا۔ ۳۳ ہزار افراد نے امام کے ہاتھ پر
بیعت کی۔ حکومت کا لباس بنی ہاشم کے احترام میں سبز کر دیا گیا، سکہ پر امام علی رضا کا نام کندہ کر دیا
گیا، مامون نے ام حبیب کا عقدا نام سے کر دیا اور اس طرح ولی عہدی کو ہر نفع سے مستحکم بنا دیا اور کوئی
سیاسی حربہ اس کے استحکام کے بارے میں نظر انداز نہیں کیا اور امام بھی اس بات پر مطمئن رہے
کہ اس طرح قوم پر میری عظمت کا اظہار ہو رہا ہے اور لوگ حق و باطل کو نہایت واضح طور پر پہچان
سکتے ہیں۔

● سنا۔ ولی عہدی کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ امام کی آمد و رفت دربار میں شروع ہو گئی اور آپ
جب بھی آتے دربار نہایت درجہ احترام سے پیش آتے اور پردہ اٹھا کر امام کو اندر لے آتے۔ لیکن
ایک دن بنی عباس نے طے کیا کہ ان کا احترام نہ کیا جائے گا ورنہ لوگ تمام تر علویین کے ساتھ ہو جائیں
چنانچہ اب جو حضرت تشریف لے آئے تو کسی نے حجاب در اٹھانے کی زحمت نہیں کی۔ اُدھر قدرت
نے یہ انتظام کیا کہ ایک تیز ہوا چلی اور پردہ خود بخود اٹھ گیا، آپ اندر داخل ہو گئے۔ اور باہر
جاتے وقت پھر دوبارہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا جس سے قوم پر پھرنے سے توجت تمام ہو گئی
اور سب مثل سابق خدمت پر آمادہ ہو گئے۔ (شواہد النبوة)

● ج۔ چند دنوں کے بعد عید کا موقع آ گیا۔ مامون نے ولی عہدی کو مزید واضح کرنے کے
لیے حضرت سے نماز عید پڑھانے کی خواہش کی۔ آپ تیار ہو گئے اور بیت الشرف سے بالکل
اُس انداز سے برآمد ہوئے جس طرح سرکارِ دو عالم برآمد ہوا کرتے تھے۔ نہایت سادگی کا انداز،
بندگی پروردگار کا عزم نمایاں، تکبیر کی آواز زبان مبارک پر اور آپ کی آواز پر درد و دیوار سے
تکبیروں کی آواز۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک شور مچ رہا ہو گیا اور فضل بن سہل نے فوراً مامون کو اطلاع دی
کہ اگر آج نماز اور خطبہ مکمل ہو گیا تو حکومت تیرے ہاتھ سے نکل جائے گی اور مامون نے فوراً کہا بھیجا
کہ فرزند رسول آپ کو بہت زحمت ہو رہی ہے آپ واپس تشریف لے آئیں، میں نماز پڑھا دوں گا۔
امام واپس چلے آئے لیکن ولی عہدی کا واقعی فائدہ حاصل ہو گیا کہ اس کے طفیل درد و دولت پر مسلمان
جمع ہو گئے اور انھوں نے اپنی آنکھوں سے سرکارِ دو عالم کا انداز بندگی دیکھ لیا جس کے بعد یہ عازنہ

انتہائی آسان ہو گیا کہ اہل سیاست کا طرز زندگی کیا ہوتا ہے اور اہل دین و مذہب کا طریقہ عبادت کیا ہوتا ہے۔

● ط۔ دلی عہدی کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ مامون دربار میں آنے والے مختلف مذاہب کے علماء سے مناظرہ کرنے لگا اور ہر موقع پر حضرت کو طلب کرنے لگا کہ آپ ان لوگوں کے جوابات عنایت فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے کبھی جاثلیق عالم نصاریٰ سے مناظرہ فرمایا اور کبھی اس الجالوت عالم یہود سے اور کبھی عالم مجوس سے اور سب کو شکست دے کر اسلامی تعلیمات و عقائد کا تحفظ بھی کیا اور قوم پر یہ بھی واضح کر دیا کہ تخت و تاج پر قبضہ کر لینا آسان ہے لیکن بسا اعلیٰ و فضل پر قدم رکھنا آسان نہیں ہے۔ یہ صرف علیؑ کا حصہ ہے جو روز ازل سے قدرت نے ان کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے اور ان کا کام امت کی شکل کشائی اور اسلام کے وقار کا تحفظ ہے۔

● ی۔ دربار میں آمد و رفت کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ ایک مرتبہ ملک میں قحط پڑا تو حاکم نے مجبور ہو کر آپ کو دعا کے لیے طلب کیا۔ آپ نے دعا فرمائی اور بارش ہو گئی تو بنی عباس اگ بگولہ ہو گئے کہ اگر روزانہ اسی طرح ان کے فضل و شرف کا اظہار ہوتا رہتا تو بنی عباس کی جگہ کہاں رہ جاتے گی۔ چنانچہ حمید بن مہران نامی ایک شخص نے طے کر لیا کہ حضرت کی توہین کر کے گا چنانچہ اس مرتبہ آپ دربار میں داخل ہوئے تو اس نے گستاخانہ انداز سے کہا کہ آجکل لوگ آپ کو صاحب کرامت کہہ رہے ہیں اور آپ کے بارے میں طرح طرح کے فضائل نشر کیے جا رہے ہیں۔ حدیث ہے کہ بعض افراد تو یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ آپ پانی برسا دیتے ہیں، آخر ان کرامات کی انتہا کہاں ہوگی؟

آپ نے فرمایا کہ میں نے کسی سے ایسے امور کی نشر و اشاعت کے بارے میں نہیں کہا ہے اور نہ میں اس طرح سے شخصیت بنانا چاہتا ہوں اور یہ بارش بھی فضل خداوندی سے ہوئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ دعائیں نے کی تھی جو بندہ کا کام ہے۔ اس کے بعد پروردگار نے اسے قبول کر لیا ہے تو یہ اس کا فضل و کرم ہے۔ میں اس کے فضل و کرم کو تو نہیں روک سکتا ہوں۔ اس نے کہا کہ آپ کو صاحب کرامت ہونے کا خیال ہے تو اس قائلین کے شیر کو حکم دیں کہ وہ مجسم ہو کر مجھے کھا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرا کام نہیں ہے لیکن تیرا یہی حوصلہ ہے تو میں یہ بھی کیے دیتا ہوں۔ چنانچہ یہ کہہ کر شیر کی طرف اشارہ فرمایا۔ قائلین کے دندلوں شیر مجسم ہو گئے اور اس ظالم کاغاثیرہ کر دیا۔ مامون یہ دیکھ کر ہوش ہو کر گر پڑا جب ہوش آیا تو اس نے عرض کی کہ

فرزند رسول! اب شیر کو واپس کر دیجیے۔ آپ نے پھر حکم دیا اور شیر تصویر کی صورت میں قائلین کی طرقت واپس ہو گیا۔ (شرح عیون اخبار الرضا)

اس واقعہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ امام علیہ السلام نے دلی عہدی کو اظہار حقانیت کا بہترین وسیلہ قرار دے لیا تھا اور اس سلسلہ میں کوئی موقع فرودگذاشت نہیں فرماتے تھے۔ شیر قائلین کو حکم دے کر اور حمید کاغاثیرہ کر کے آپ نے مامون پر واضح کر دیا تو نے ابھی تک مجھے پہچانا نہیں ہے، میں ایک موسیٰ کا فرزند ہوں اور موسیٰ کے سامنے کسی فرعون کا کوئی حربہ چلنے والا نہیں ہے۔ کیا تجھے نہیں معلوم ہے کہ جب فرعون نے سارے شہر کے جادو گر اکٹھا کر لیے تھے اور ان کے ذریعہ جناب موسیٰ کا مقابلہ کرنا چاہا تھا تو موسیٰ نے ایک عصا سے سارے سانہوں کاغاثیرہ کر دیا تھا اور فرعون کے اقتدار کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا تھا۔ اب میں ایک موسیٰ کا وارث ہوں، میرا باپ بھی موسیٰ بن جعفرؑ ہے، اور میرے جد بزرگوار رسول اکرمؐ نے بھی اپنے کو ایک موسیٰ قرار دیا ہے، لہذا میرے سامنے کسی فرعون کا اقتدار یا کسی سامری کا جادو نہیں چل سکتا ہے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ امام علیہ السلام نے اس دلی عہدی کو قبول نہ فرمایا ہوتا تو ان فوائد کا حاصل کرنا ناممکن تھا اور اگر ان میں سے کوئی واقعہ پیش آ بھی جاتا تو خود حکومت اور اس کے کارکنوں کے اس کی پردہ پوشی کرتے اور کسی کو ان کمالات و کرامات کا اندازہ ہو سکتا اور نہ ان بیانات اور تعلیمات کی اعلیٰ ہو سکتی۔ دلی عہدی کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہوا کہ جس سے پردہ پوشی کا خطرہ تھا اسی نے نشر و اشاعت کا کام شروع کر دیا کہ اب یہ امام علی رضی اللہ عنہ کے کرامات کا اعلان نہیں ہے ایک دلی عہد مملکت کے کرامات و اذلیت علیہ السلام کے حسن انتخاب کا اعلان ہے اور اس کی اشاعت بہر حال حکومت کی ذمہ داری ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ جو کام امام حسن نے معاویہ بن ابی سفیان کو حکومت دے کر لیا تھا کہ چور کو پہرہ دار بنا دیا تھا۔ وہی کام امام علی رضی اللہ عنہ نے دلی عہدی کو لے کر انجام دیا ہے کہ مخالف طاقت ہی کو فضائل و کمالات اور احکام و تعلیمات کے نشر و اشاعت کا ذریعہ بنا دیا جائے۔ اور یہ امت کا انصاف و انصاف ہے جس کا مطالعہ کرنا، اس پر غور و فکر کرنا اور اس کے اسرار و رموز کا پتہ لگانا بہر صاحب بصیرت کی ذمہ داری ہے تاکہ صحیح اسلامی اقدامات و تحریکات کا اندازہ کیا جاسکے۔

نقشِ حیاتِ امام محمد تقی جو اڈا

ولادت: ۱۰ رجب ۱۹۵ھ
شہادت: ۲۹ ذی قعدہ ۲۲۰ھ

نقشِ زندگیِ امام محمد تقی علیہ السلام

ماہِ رجب ۱۹۵ھ کی دسویں تاریخ تھی جب امام رضاؑ کو پروردگار نے وہ فرزند عطا فرمایا جسے ان کے جملہ کمالات کا وارث اور ان کے منصب کا جانشین قرار دیا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک کے تقریباً ۴ سال گزر چکے تھے اور لوگ کبھی آپ کی امامت میں شک کرتے تھے کہ آپ کا کوئی فرزند نہیں ہے اور کبھی آپ کو طعنے دیتے تھے کہ رب العالمین نے آپ کو لاد لہ قرار دیا ہے یہاں تک کہ ایک شخص نے آپ کو خط لکھ دیا کہ آپ لاد لہ ہیں لہذا آپ کی امامت مشکوک ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ عنقریب مجھے پروردگار ایسا فرزند عنایت کرے گا جو میرا وارث ہوگا اور حق و باطل کے درمیان امتیاز قائم کرنے والا ہوگا۔ (اصول کافی)

واضح رہے کہ امام علی رضا علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں۔ ایک مامون رشید کی بیٹی تھی جس کا عقد باپ نے سیاسی مصالح کے تحت آپ سے کر دیا تھا اور ایک جناب سبیکہ تھیں جنہیں امام رضاؑ نیزران اور ریجانہ کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے اور جو جناب ماریہ قبلیہ کے خاندان سے تھیں اور ان کی کنیت ام الحسن تھی۔ لیکن یہ قدرت کا انتظام تھا کہ اس نے آپ کے وارث کو ایک عجم خاتون کے بطن سے پیدا کیا اور "سرکاری بیٹی" کو اس شرف سے محروم رکھا کہ اس طرح منصب الہی کی غلط تقسیم کا تصور نہ پیدا ہونے پائے اور یہ طریقہ کار قدرت کا اس پہلے بھی رہا ہے کہ اس نے سیاسی اور مصلحتی شایروں کو روادار رکھا ہے لیکن ان رشتوں کو بار آور نہیں ہونے دیا کہ کسی طرح کی غلط فہمی کو رواج نہ دیا جاسکے۔

• آپ کی عمر مبارک ۳ یا ۴ سال کی تھی کہ امام رضاؑ نے بعض افراد کے جواب میں اس امر کی تصریح فرمادی تھی کہ یہ میرا فرزند میرے منصب کا وارث ہے اور یہی امام وقت ہے اور اس کی امامت پر تعجب کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ خداوند عالم نے پیچھے ہی میں جناب سبیکہ کو نبی قرار دیا ہے،

اور یہ اس کی اپنی مصلحت ہے کہ کسی کے منصب کا اعلان گہوارہ میں کرادیتا ہے اور کسی کا اعلان ۴۰ سال تک روک لیا جاتا ہے۔ (اصول کافی)

خراسان آنے کے بعد بھی خیرانی کے والد کا بیان ہے کہ میں نے حضرت سے پوچھا کہ آپ کا وارث کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ابو جعفر۔ میں نے عرض کی کہ وہ تو ابھی کس ہیں؟ فرمایا کہ مالک کائنات نے اس سے زیادہ کم عمر میں جناب عیسیٰ کو نبی و صاحب کتاب اور صاحب شریعت بنا دیا تھا، لہذا یہ کوئی حیرت انگیز امر نہیں ہے۔ (اصول کافی)

● آپ کی کنیت ابو جعفر اثنائی تھی اس لیے کہ امام محمد باقرؑ کو بھی ابو جعفر کہا جاتا تھا، اور آپ کے مشہور القاب میں قانع، مرتضیٰ، نجیب، تقی اور جواد وغیرہ ہیں جن میں آخر الذکر کی شہرت خود کاظمین وغیرہ کے علاقہ میں زیادہ ہے اگرچہ لفظ تقی سے آپ کو ہمارے علاقوں میں بآسانی پہچان لیا جاتا ہے۔

● بادشاہان وقت میں وقت ولادت ہارون رشید کے فرزند امین کی حکومت چل رہی تھی ۱۹۰ھ میں اسے اس کے بھائی مامون نے قتل کر دیا تو وہ تخت نشین ہو گیا اور ۱۹۱ھ تک اس کا دور حکومت رہا۔ اس کے انتقال کے بعد متعم عباسی خلیفہ ہو گیا اور اسی نے ۲۰۲ھ میں ۲۵ سال کی عمر میں آپ کو زہر دے کر شہید کر دیا۔

● امام رضاؑ کی شہادت ۲۰۳ھ میں ہوئی ہے لیکن آپ کو مدینہ سے دوسری صدی کے خاتمہ سے پہلے ہی طلب کر لیا گیا تھا، اور اس طرح آپ اپنے والد المحترم کے سایہ عاطفت سے نہایت ہی کسمپرسی محروم ہو گئے اور پھر بظاہر دونوں میں ملاقات بھی نہیں ہو سکی یہاں تک کہ آپ خراسان باعجاز تجہیز و تکفین کے لیے تشریف لے آئے اور اس وقت بھی آپ کی عمر ۷۰-۸۰ برس سے زیادہ نہ تھی۔

● امام جوادؑ کی عمر تمام ائمہ ظاہرین میں سب سے کم رہی اور آپ نے دار دنیا میں صرف ۲۵ سال گزارے ہیں لیکن کمالات و فضائل اور نشر علوم و احکام میں کسی طرح کی کمی یا کوتاہی نہیں ہوئی اور ایک ایک جلسہ میں ۳ ہزار سوالات کے جوابات عنایت فرمادیے ہیں جس جلسہ کا سلسلہ تین روز تک مسلسل قائم رہا تھا۔

امام علی رضاؑ کو زہر دینے کے بعد اور سردار امامت کے اس اعلان کے بعد کہ جہاں تو نے بھیجا ہے وہاں جا رہا ہوں۔ مامون کے سارے تانے بانے ایک مرتبہ پھر بکھر گئے تھے کہ اب تک تو صرف عباسیوں کو شکایت تھی کہ ہمارے ہوتے ہوئے علویین میں ولی عہدی کیونکر چلی گئی اور اب علویین کو بھی شکایت پیدا ہو گئی کہ زہری دینا تھا تو ولی عہدی کا ڈھونگ رچانے کی کیا ضرورت تھی اور پھر سرکاری دانا دبانے کا کیا کام تھا چنانچہ اس طرح مامون ایک عجیب و غریب کشمکش میں مبتلا ہو گیا اور اسے تمام تر فکر اپنے مظالم کی پردہ پوشی کی ہو گئی۔ چنانچہ پہلا پروگرام یہ بنایا کہ امام محمد تقیؑ کو مدینہ سے دارالخلافہ بغداد طلب کر لیا جائے اور ان کی عظمت اور ان کے تقرب کا اعلان کر دیا جائے تاکہ علویین میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ اگر اس نے باپ کو زہر دیا ہوتا تو بیٹے کے ساتھ اس طرح کا احترام کا برتاؤ نہ کرتا۔ چنانچہ آپ کو طلب کر لیا گیا اور آپ مدینہ سے بغداد پہنچ گئے۔ خدا برار کے سیاست دنیا کا کہ یہ انسان کو طرح طرح کے حربے سکھاتی رہتی ہے اور عام طور سے ارباب اقتدار اپنے اقتدار کا زور دکھلانے کے لیے بڑی شخصیتوں کو در بیک در بار میں اذن باریابی نہیں دیتے ہیں کہ اس طرح دربار کی عظمت کا اظہار ہو جائے گا اور ہر شخص کو سلوم ہو جائے گا کہ بادشاہ سلامت کے اذن کے بغیر کوئی دربار میں قدم بھی نہیں رکھ سکتا ہے چنانچہ امام محمد تقیؑ کو بھی کسی مقام پر ٹھہرا دیا گیا۔

اتفاق وقت کہ ایک دن بادشاہ کی سواری برآمد ہوئی اور آپ ایک راستہ میں کھڑے ہوئے بچوں کا کھیل دیکھ رہے تھے کہ کس طرح سماج کے بچے بے تربیت ہونے کی بنا پر اپنا وقت کھیل کو دینے ضائع کر رہے ہیں اور کس طرح سلاطین زمانہ امت کی تربیت و تعلیم کی طرف سے غافل ہو گئے ہیں۔ کہ اچانک بادشاہ کی سواری آگئی اور بچے بھاگ گئے کہ حکومت نے انہیں صرف شاہی آداب اور سلطنتی احترام کی تربیت دی تھی، کھیل کود کے بارے میں انہیں کوئی تربیت نہیں دی گئی تھی۔

امام جوادؑ کا طرز عمل بچوں سے بالکل مختلف رہا۔ جب وہ سب کھیل رہے تھے تو آپ دیکھ رہے تھے اور جب وہ سب بھاگ گئے تو آپ اپنی جگہ پر کھڑے رہے یہاں تک کہ سواری قریب آگئی اور بادشاہ نے اس جرأت پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا کہ تم نے راستہ کیوں نہیں چھوڑا؟

آپ نے فرمایا کہ نہ راستہ تنگ تھا اور نہ میں گنہگار تھا بھاگنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی۔ صرف ایک ہی امکان تھا کہ تو ایسا ظالم ہو کہ بلا سبب بھی سزا دیتا ہو اور یہ میں نہیں کہہ سکتا ہوں۔ اس نے مزید حیرت کا اظہار کیا اور آگے بڑھ گیا۔ واپسی میں ایک پھلی شکار کر کے لایا اور اسے مٹھی میں دبا کر آپ کا امتحان لیا کہ یہ کیا ہے؟ آپ نے نہایت تفصیل کے ساتھ پھلی کی اصل تک بیان فرمادی کہ رب العالمین نے آسمان و زمین کے درمیان دریا پیدا کیے ہیں اور ان دریاؤں میں پھلیاں پیدا کی ہیں اور سلاطین وقت کو شکار کا ذوق دیا ہے اور وہ اپنے بازوں کے ذریعہ ان پھلیوں کا شکار کر کے خاندان نبوت کا امتحان لیا کرتے ہیں۔

مامون یمن کی حیرت زدہ رہ گیا اور پوچھا کہ ذرا اپنا تعارف تو کرائیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں محمد بن علی بن موسیٰ الرضا ہوں۔ اس نے فوراً گلے سے لگا لیا اور اس طرح اپنے فضل و کمال کے سہارے دربار تک رسائی ہو گئی۔

مامون نے پہلے بھی آپ کے کمالات کے بارے میں بہت کچھ سُن رکھا تھا اور اب تو معلومات کی تصدیق ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس نے دربار میں آتے ہی یہ اعلان کر دیا کہ میں اپنی بیٹی ام الفضل کا عقد اس فرزند سے کرنے والا ہوں۔ عباسیوں میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی کہ کل علی رضا کو داماد بنایا تھا اور اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا اور آج پھر دوبارہ غلطی کی بازی ہے۔ لوگوں نے دے بے الفاظ میں اعتراض بھی کیا۔ کہ ایسا ہی ارادہ ہے تو پہلے بچہ کی تربیت و تعلیم کا انتظام کیجیے اس کے بعد عقد کریں ورنہ بڑی بدنامی ہوگی کہ خلیفۃ المسلمین نے اپنی اہلی خاصی لڑکی کو ایک کسن اور اُن پر بچہ کے حوالے کر دیا ہے اور یہ بات حکومت کے حق میں انتہائی میسوب اور مضر ثابت ہوگی۔

مامون نے کہا کہ میں اپنا ارادہ تبدیل نہیں کر سکتا ہوں اور یہ بچہ اُن پر بڑھ نہیں ہے۔ اس کا نام محمد ہے اور یہ تمہارے علمائے زیادہ علم رکھتا ہے، تمہیں یقین نہ ہو تو ابھی امتحان کر کے دیکھ لو تمہیں خود ہی اپنے علم و فضل کا اندازہ ہو جائے گا۔

لوگوں نے موقع کو غنیمت سمجھ کر یحییٰ بن اکثم کو تلاش کیا جو اس دور کا قاضی القضاۃ اور سب سے بڑا عالم تھا کہ یہ امام محمد تقی سے بحث کر کے ان کی علمی حقیقت کو آشکار کرے۔ یحییٰ نے وارد

ہوتے ہی سوال کی اجازت طلب کی اور اسلامی فقہ کا سب سے مشکل مسئلہ کفارات کا چھڑ دیا کہ اگر کوئی شخص حالت احرام میں شکار کرے تو اس کا کفارہ کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ آپ کا سوال ناقص ہے، پہلے سوال کو مکمل کریں اس کے بعد جواب دیا جائے گا۔ اس نے کہا کہ سوال میں کیا نقص ہے؟ فرمایا کہ اس مسئلہ کی ۲۲ صورتیں ہیں:

۱۔ شکار چل میں تھا یعنی حدود حرم سے باہر یا حرم میں؟

۲۔ شکار کرنے والا میلے سے باختر تھا یا جاہل؟

۳۔ عمدًا شکار کیا ہے یا دھوکے سے شکار ہو گیا ہے؟

۴۔ شکار کرنے والا آزاد تھا یا غلام؟

۵۔ بالغ تھا یا نابالغ؟

۶۔ پہلی مرتبہ شکار کیا تھا یا بار بار شکار کر چکا تھا؟

۷۔ شکار پرندہ تھا یا کوئی اور جانور؟

۸۔ چھوٹا تھا یا بڑا؟

۹۔ شکاری اپنے عمل پر نادم تھا یا مُصر؟

۱۰۔ شکار رات کے وقت کیا گیا ہے یا دن میں؟

۱۱۔ احرام حج کا تھا یا عمرہ کا؟

آپ نے ان میں سے کس صورت کے بارے میں سوال کیا ہے؟

یحییٰ مبہوت ہو کر رہ گیا اور مامون نے حضرت سے خطبہ عقد پڑھنے کی خواہش کر دی۔

آپ نے خطبہ پڑھا اور ام الفضل سے آپ کا عقد ہو گیا۔ حکومت کی طرف سے تمام حاضرین کو

انعامات تقسیم کیے گئے اور جلسہ تقریباً برضاست ہو گیا کہ ایک مرتبہ مامون نے کہا کہ فرزند ہوو!

اب آپ ہیربانی کر کے ان سوالات کے جوابات بھی عنایت فرمادیں تاکہ درباری افراد مستفید ہو سکیں۔

آپ نے فرمایا:

۱۔ اگر حالت احرام میں حدود حرم سے باہر شکار کیا ہے اور شکار پرندہ ہے اور بڑا بھی

ہے تو کفارہ ایک بکری ہے۔

ب۔ اگر یہی شکار حدود حرم کے اندر ہوا ہے تو دو بکریاں۔

ج۔ اگر پزندہ چھوٹا تھا تو ذنب کا پھر حوماں کا دودھ پھوڑ چکا ہو۔

د۔ اور اگر یہ شکار حرم میں ہوا ہے تو اس پزندہ کی قیمت اور ایک ذنب۔

لا۔ اگر شکار چوپایہ ہے تو اگر دستھی گدھ ہے تو کفارہ ایک گائے اور شتر مرغ ہے تو کفارہ

ایک اونٹ اور ہرن ہے تو ایک بکری۔

و۔ اور یہی شکار حدود حرم میں ہوا ہے تو کفارہ دو گنا۔

ز۔ اہرام عمرہ کا ہے تو کفارات کو خانہ کعبہ تک پہنچانا ہوگا اور قربانی مکہ میں ہوگی،

اور اگر اہرام حج کا ہے تو قربانی منیٰ میں ہوگی۔

ح۔ کفارات کے بارے میں واقف اور ناواقف میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سب کو کفارہ

ادا کرنا پڑے گا۔

ط۔ قصداً شکار کرنے میں کفارہ کے علاوہ گناہ بھی ہوگا، دھوکے کے شکار میں گناہ

نہیں ہے۔

ی۔ آزاد کا کفارہ خود اس کے ذمہ ہوگا اور غلام کا کفارہ مالک کو ادا کرنا ہوگا کہ غلام خود

بھی مالک کی ایک ملکیت ہی شمار ہوتا ہے، وہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا ہے۔

ح۔ بالغ پر کفارہ واجب ہے نابالغ پر کسی طرح کا کفارہ نہیں ہے۔

ل۔ پشیمان انسان آہرت کے عذاب سے بچ جائے گا اور اصرار کرنے والے کو اس

عذاب کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔

اس کے بعد مامون نے نبیؐ سے کہا کہ آپ کے سوالات کے جوابات تو ہو گئے اب ابو جعفر

آپ سے سوال کریں گے اور آپ کو اس کا جواب دینا ہوگا۔ نبیؐ جو اپنے ہی سوال کی تفصیل سے عاجز

تھا وہ امام کے سوال کا جواب کیا دے گا لیکن "حکم حاکم مرگ مغفبات" کے طور پر تیار ہو گیا اور

حضرت نے یہ سوال کر دیا کہ بتائیے وہ عورت کون سی ہے جو صبح کے وقت ایک مرد پر حرام تھی، دن

پڑھے حلال ہو گئی۔ نہر کے وقت پھر حرام ہو گئی عصر کے وقت پھر حلال ہو گئی۔ مغرب کے وقت

پھر حرام ہو گئی عشاء کے وقت پھر حلال ہو گئی۔ آدھی رات کو پھر حرام ہو گئی۔ اور صبح کے وقت

پھر حلال ہو گئی۔

نبیؐ اس سوال کو سن کر بدحواس ہو گیا اور اپنی عاجزی کے اقرار پر مجبور ہو گیا اور آخر کار

حضرت ہی سے جواب کا مطالبہ کر دیا۔

آپ نے فرمایا کہ یہ کسی شخص کی کینز تھی جو غیر مالک کے لیے حرام تھی۔ پھر اس نے خرید لیا

تو حلال ہو گئی۔ پھر آزاد کر دیا تو دوبارہ حرام ہو گئی، پھر عقد کر لیا تو دوبارہ حلال ہو گئی، پھر صیغہ ظہار

پڑھ کر اسے اپنی ماں جیسا کہہ دیا تو پھر حرام ہو گئی۔ پھر کفارہ دے دیا تو پھر حلال ہو گئی۔ اس کے

بعد طلاق سے دی تو پھر حرام ہو گئی اور پھر رجوع کر لیا تو پھر حلال ہو گئی۔ اس طرح ایک ہی عورت

ایک ہی مرد کے لیے چار مرتبہ حلال ہوئی اور چار مرتبہ حرام۔ اور یہ کوئی عمدہ نہیں ہے یہ شریعت اسلام

کا کھلا ہوا مسئلہ ہے جس کے ادراک کے لیے شریعت پر مکمل عبور درکار ہے جو شرف رب العالمین سے

صرف ما نوادہ رسالت کو عنایت فرمایا ہے۔ (صواعق محرقة، نور الابصار، شرح ارشاد وغیرہ)

عقد کے بعد حکومت کی طرف سے حاضرین کی طوہ اور عطریات سے تواضع کی گئی اور محفل عقد

برخواست ہو گئی۔ مامون کا دعویٰ اصحیح ثابت ہوا اور عباسیوں کو ذلت آمیز شکست نصیب ہوئی کہ

آل محمد کسی تعلیم اور تربیت کے محتاج نہیں ہیں، یہ اپنے علوم و کمالات اپنے ساتھ لے کر آتے ہیں

اور کسی استاد کے سامنے زانوئے ادب تہ نہیں کرتے ہیں۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ام الفضل کو امام محمد تقیؑ کے گھر میں وہ سکون و آرام اور وہ

سامان عیش و نشاط نہیں فراہم ہو سکتا تھا جس کی مامون کے گھر میں فرادانی تھی اور جس ماحول میں اس

کی پرورش ہوئی تھی۔ یہ بات ام الفضل پر یہی واضح تھی اور مامون کو بھی یہ معلوم تھا کہ جس بچے کے باپ

کو زہر دے کر شہید کرنا چکا ہے اور جو کسی کی بنیاد پر کچھ کاروبار کرنے کے قابل بھی نہیں ہے، وہ

مادی نقطہ نظر سے یقیناً اپنی ذرہ جو کہ وہ آرام نہیں پہنچا سکتا ہے جس کا ماحول اس کو اپنے والدین

کے گھر میں حاصل تھا اور اس بنیاد پر مامون کو ایسا اقدام نہیں کرنا چاہیے تھا اور ام الفضل کو

بھی بروقت انکار کر دینا چاہیے تھا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب عقد برائے عقد ہوتا تو ان

امور کا لحاظ کیا جاتا ہے اور جب عقد برائے سیاست ہو تو اس میں سن و سال یا مال و منال کی رعایت

نہیں کی جاتی ہے۔ ایسے عقد میں تو صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن مصلحت کے تحت رشتہ کیا جا رہا ہے

اس مصلحت کا حصول ممکن ہے یا نہیں۔ باقی معاملات پر نظر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ مامون کی نظر میں سیاسی فائدہ یقینی الحصول تھا اور اسی بنیاد پر اس نے ام الفضل کو بھی راضی کر لیا تھا اور شاید یہ بھی سمجھا دیا ہو کہ تمہیں شوہر کے گھر نہیں رہنا ہے لہذا اس کے حالات سے کیا تعلق ہے تمہارا باپ خلیفہ المسلمین ہے اور تمہارے راحت و آرام کے لیے یہ خلافت ہی کافی ہے شوہر کے درمائل آسانی پر نظر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن حالات بالکل برعکس ثابت ہوئے کہ چند روز کے بعد امام محمد تقی مدینہ جاتے اور ام الفضل کو ساتھ لے جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس مقام پر یہ کہنا مشکل ہے کہ مامون نے کن حالات کی بنا پر آپ کو جانے کی رضامندی دے دی اور اس نے اپنی بیٹی کی دل جوئی کے لیے جبراً آپ کو کیوں نہیں روکا جب کہ یہ بات اس کے اختیار میں تھی۔ شاید اس کی ایک مصلحت یہ بھی رہی کہ چند دنوں کے اندر امام محمد تقی کے جس قدر کمالات سامنے آچکے تھے وہ کسی وقت بھی مامون کے لیے خطرہ بن سکتے تھے اور لوگوں کی توجہ اس کی طرف سے ہٹ کر امام محمد تقی کی طرف ہو سکتی تھی لہذا اس نے عافیت اسی میں سمجھی کہ ان کو مدینہ کے لیے رخصت کر دیا جائے لیکن یہ بات ام الفضل کے مصالح اور اس کے مزاج کے بالکل برخلاف تھی لیکن "مرتا کیان کرتا" بالآخر شوہر کی اطاعت ضروری تھی اور ابھی بغاوت کے اعلان کا مناسب وقت نہیں آیا تھا۔ چنانچہ وہ بھی امام علیہ السلام کے ساتھ مدینہ جاتے پر رضامند ہو گئی اور حضرت ام الفضل کو لے کر مدینہ روانہ ہو گئے۔ مدینہ پہنچ کر حضرت پریشانی سادگی اور تقدس کا ماحول اور پھر عیش و عشرت کے ماحول سے دوری جیسے سب مصائب تو ام الفضل کی جان کے لیے تھے ہی کہ ادھر امام محمد تقی نے نسل امت کے قیام کی خاطر جناب سمانہ خاتون سے عقد کر لیا جو جناب عمار یاسر کے خاندان سے تھیں اور اس رشتہ سے ان کا سماجی احترام بھی مامون کی بیٹی سے کم نہ تھا۔ عقد ثانی کی خیرام الفضل کے دل پر بجلی بن کر گری جو عام طور سے تمام عورتوں کا حال ہوتا ہے جو جالیکہ خلیفہ المسلمین کی بیٹی۔ اس کی موجودگی میں دوسری عورت کا آنا اس بات کی علامت ہے کہ اس کا وجود شوہر کے لیے اطمینان بخش یا دوسرے سکون حیات نہیں ہے اور یہ اس کی نظر میں اس کی کھلی ہوئی توہین ہے۔ چنانچہ اس نے فی الفور اپنے باپ کو اس حادثہ کی اطلاع دی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ دو میں سے ایک رشتہ کو فی الفور ختم ہو جانا چاہیے۔ لیکن مامون ایسی کش مکش میں گرفتار تھا کہ اس کے اسکان میں فی الفور کچھ نہ تھا، اس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ جس چیز کو خدا نے حلال

کیا ہے اسے کس طرح حرام کر سکتا ہوں۔ اور شاید مامون کو ایک پریشانی یہ بھی تھی کہ اگر اس مسئلہ میں امام محمد تقی سے باز پرس کی گئی تو ہو سکتا ہے کہ ان کی طرف سے خود میرے حرم کے بارے میں آواز اٹھ جائے اور میں اس بیخبر مجاہد کی کوئی صفائی نہ دے سکوں جو ہر وقت میرے حرم میں لگی رہتی ہے۔ لہذا اس نے اس سلسلے سے اعراض اور کنارہ کشی ہی کو مسئلہ کا بہترین حل قرار دیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ مامون کی سیاست زوجیت کے مزاج سے بالکل مختلف تھی اور دنیا کا ہر مسئلہ سیاسی مصالح سے ملے نہیں ہو سکتا ہے اس لیے ام الفضل اپنے مقام پر پریشان رہی اور وہ کسی طرح گلو خلاصی کے بارے میں سوچتی رہی۔

۲۰۳ھ سے ۲۱۵ھ تک یہی صورت حال برقرار رہی اور ام الفضل باپ کو شکایت نہ لکھتی رہی لیکن مامون اس کا کوئی نوٹس نہ لے سکا۔ البتہ اس کے گھر والے دل ہی دل میں جھلنے رہے اور ان کی خواہش تھی کہ مامون کوئی ایکشن لے اور اپنی بیٹی کے مسئلہ کو بہانہ بنا کر امام محمد تقی سے گلو خلاصی حاصل کر لے۔ لیکن مامون کے حالات کسی طرح قابو میں نہ آسکے اور وہ کوئی نیا سیاسی قدم نہ اٹھا سکا۔ یہاں تک کہ ۲۱۵ھ میں اس کا انتقال ہو گیا اور خلافت اس کے بھائی متعم کے ہاتھ میں آگئی۔ ام الفضل کو اپنے چچا کا مزاج معلوم تھا اور اسے یہ توقع تھی کہ وہ اس سلسلہ میں کوئی قدم ضرور اٹھائے گا۔ چنانچہ اس نے فوراً شکایت نامہ روانہ کر دیا۔ اور پھر شکایتوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا یہاں تک کہ ایک سال کے بعد ہی متعم نے آپ کو مدینہ سے بغداد طلب کر لیا اور آپ اس عالم میں اپنے وطن سے جدا کیے گئے کہ نہ اپنی زوجہ محترمہ کو ساتھ لاسکے اور نہ اپنے فرزند امام علی نقی کو۔!

بغداد آنے کے بعد آپ کو قید کر دیا گیا اور یہ سلسلہ تقریباً ایک سال تک قائم رہا یہاں تک کہ ۲۹ ذی قعدہ ۲۲۰ھ کو آپ کو زہر دے کر شہید کر دیا گیا جس کا اقرار اکثر مورخین و محدثین اسلام نے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ابن جریر، دو مواعظ، ملاحین و اعظاشنی (روضة الشہداء)۔ ملا جامی (شواہد النبوة)، شبلی (نور الابصار)۔

امام محمد تقی کی نظر میں ام الفضل کی یہ خیانت اس قدر شدید جرم کی حیثیت رکھتی تھی کہ آپ نے اس کے حق میں بد دعا فرمائی اور وہ ایک ایسے ناسور میں مبتلا ہو گئی کہ زندگی بھر لقت حیات

سے محروم رہی اور دنیا و آخرت دونوں میں خسارہ کی حقدار ہو گئی۔

آپ نے اپنی زندگی کے تقریباً ۸۰ سال امام رضا کی زندگی میں گزارے اگرچہ باپ سے ان کی شہادت کے تین سال قبل ہی جدا ہو چکے تھے۔ اس کے بعد سے آپ کے اپنے دور قیادت کا آغاز ہوا تو آپ نے مامون ہی کو برسر اقتدار دیکھا۔ اگرچہ اس سے پہلے باپ کے زیر سایہ رہ کر ان تمام حالات کو دیکھ چکے تھے جو عالم اسلام میں پیش آ رہے تھے اور جہاں سے ۱۹۷ھ میں مامون نے ان کی حکومت کا تختہ الٹنے کا پروگرام بنالیا تھا اور سارے بغداد کا محاصرہ کر لیا تھا اور ایسی خوں ریز جنگ ہوئی تھی کہ بالآخر ان میں مارا گیا اور ۱۹۷ھ میں مامون باقاعدہ طور پر پورے عالم اسلام کا خلیفہ ہو گیا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف صرف تین سال کی تھی لیکن اپنی خداداد صلاحیت کی بنا پر آپ نے باقاعدہ طور پر مامون کی ذہنیت اور اس کے مزاج کا جائزہ لے لیا کہ وہ اقتدار کی خاطر اپنے حقیقی بھائی کا خون بھی بہا سکتا ہے اور اس کی اس حکومت پر قبضہ کر سکتا ہے جو اس کے باپ نے خود اسے عنایت کی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسے سفاک انسان سے بنی ہاشم اور علویین کے بارے میں کس نیک برتاؤ کی توقع کی جاسکتی ہے اور اس کے بارے میں کس شرافت کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ اور اسی بنا پر امام محمد تقی کو نہ اس دامادی سے کوئی مسرت ہوئی اور نہ اس درباری تقرب سے۔ خصوصیت کے ساتھ جب آپ نے یہ دیکھ لیا کہ دامادی کے ساتھ ولی عہدی کا مرتبہ دینے کے بعد بھی مامون نے پدر بزرگوار کو زہر دے کر شہید کرا دیا ہے۔ اس کے باوجود آپ اپنے فرائض نبوی کی طرف باقاعدہ طور پر توجہ رہے اور مصائب کے خوف سے ترویج شریعت کا کام نظر انداز نہیں کیا۔ چنانچہ امام رضا کی شہادت کی خبر پانے کے بعد ہی آپ مسجد پیغمبر میں منبر پر تشریف لے گئے اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

ایہا الناس! میں محمد بن علی رضا ہوں، میں جو اد ہوں، اور صلب پدر میں لوگوں کے نسب کا جاننے والا ہوں اور تمہارے ظاہر و باطن سے آگاہ ہوں، میں تمام مخلوقات کے حالات کو خلقت کے قبل سے آسمان وزمین کے فنا ہونے کے بعد تک بخوبی جانتا ہوں۔ لیکن افسوس کہ اپنے بزرگوں کی طرح ان حالات کا اظہار نہیں کر سکتا۔ (بحار الانوار)

امام علیہ السلام نے اس خطبہ میں جن نکات کی طرف توجہ دلائی ہے، ان پر انتہائی

دقت نظر کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ نے اپنے کمالات میں اپنے وجود و کم کا حوالہ دیا ہے اور پھر لوگوں کے نسب سے واقفیت کا ذکر کیا ہے۔ خدا جانے کہ اس علم الانساب سے کس نکتہ کی طرف توجہ دلانا چاہتے تھے اور اپنے وجود و کم کا تذکرہ کیوں ضروری خیال فرمایا تھا۔ کاش خطبہ کا پورا پس نظر لیجا ہوں کے سامنے ہوتا تو ان فقرات کی بلاغت کا صحیح اندازہ کیا جاسکتا تھا اور ان کی روشنی میں ظالموں کے قدیم و جدید حالات کا پتہ لگا یا جاسکتا تھا۔

امام محمد تقی کو بغداد طلب کیا گیا تو آپ نے اپنی روانگی سے پہلے امام علی نقی کی جانشینی کا اعلان کر دیا جیسا کہ اسماعیل بن مہران کی روایت میں ہے کہ جب حضرت پہلی مرتبہ بغداد جا رہے تھے تو میں نے پوچھا کہ خدا نخواستہ اگر کوئی حادثہ پیش آگیا تو امت کا وارث کون ہوگا؟ تو آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ مطمئن رہو میں واپس آؤں گا۔ لیکن جب دوسری مرتبہ متعصم کے بلا پر تشریف لے گئے تو فرمایا کہ اب اس خطرہ کا وقت آگیا ہے اور یہ کہہ کر گریہ فرمایا، اور فرمایا کہ میرا وارث میرے بعد میرا فرزند علی ہوگا۔ (اصول کافی)

دانش رہے کہ اسماعیل بن مہران ایک مرد معتبر ہیں جو ابان بن جناح، ابو جلیل، مفضل بن صالح، احمد بن محمد، علی بن ابی حمزہ، محمد بن سلیمان اور محمد بن منصور الخواصی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے روایت کرنے والے افراد میں ابو زکریا، ابو الحسن الرازی، الحسن بن خرداد اور الحسن بن موسیٰ وغیرہ جیسے افراد ہیں۔

شہادت

یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ امام کی شہادت زہر دغا سے ہوئی ہے اور یہ بات بھی مسلمات میں ہے کہ آپ کو زہر متعصم نے دلوایا ہے۔ اب اس امر میں بعض حضرات نے تشکیک کر دی ہے کہ ذریعہ خود امام الفضل کو قرار دیا گیا تھا یا کسی دوسرے وزیر کو جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ اس نے دعوت میں بلا کر زہر دے دیا تھا۔ بہر حال امام منلو میت کی زندگی گزار کر اپنے مالک حقیقی کی بارگاہ میں پہنچ گئے لیکن زہر دینے کا فوری محرک یہ واقعہ ہوا کہ ایک چور کی سزا کے بارے میں قاضی شہر نے کلائی سے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا کہ یہی ہتھ دھویا جاتا ہے لیکن

جب آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمادیا کہ یہ فیصلہ غلط ہے۔ ہتھیلی اعضا سجدہ میں آدراعضائے سجدہ اللہ کے لیے ہیں انھیں قطع نہیں کیا جاسکتا ہے؛ لہذا صرف انگلیاں کاٹ دی جائیں جس فیصلہ کو بروقت تو مستقیم نے پسند کر لیا لیکن بعد میں گھر جا کر قاضی نے فریاد کی کہ اس طرح سرکاری ملاقات ختم ہو جائے گا اور ان کی امامت کا عقیدہ مضبوط ہو جائے گا جو حضور کی حکومت کے لیے ایک سنگین خطرہ ہے جس شکایت کو سن کر مقصم کو غصہ آگیا اور تین روز کے بعد ہی آپ کو زہر سے شہید کر دیا۔

(جلال العیون)

آپ کی تاریخ شہادت آخری قعدہ ۲۲ھ ہے اور مقام دفن وہ جگہ ہے جسے کاظمین کہا جاتا ہے اور جہاں آپ کے جد بزرگوار امام موسیٰ کاظمؑ کی بھی قبر ہے۔ تجیز و تقین کے امور امام علی نقیؑ نے باعجازاً انجام دیے جو ہر امام کے غسل و کفن کا طریقہ رہا ہے اگرچہ ظاہری طور پر ناز جنازہ و اثن بن مستقیم نے بھی ادا کی تھی۔

ازواج و اولاد

گذشتہ بیانات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ امام کی ازواج دو تھیں۔ جناب ازغفریہ جو امام علی نقیؑ کی والدہ گرامی تھیں اور ام الفضل جو امامون رشید کی بیٹی تھیں اور اس کے کوئی اولاد نہیں ہوئی ہے۔

اولاد کی تعداد چار بتائی جاتی ہے دو پسر اور دو دختر۔ فرزندوں میں امام علی نقیؑ اور جناب موسیٰ مبرقع، اور دختران میں جناب فاطمہ اور امامہ۔

موسیٰ مبرقع ہی وہ بزرگ ہیں جن سے رضوی سادات کا سلسلہ نسب ملتا ہے۔ اگرچہ یہ تمام حضرات قانونی اعتبار سے تقویٰ یا جوادی ہیں اس لیے کہ قانون نسب یہ قرار دیا گیا ہے کہ جہاں سے امام کی نسل غیر امام کی طرف منتقل ہوتی ہے وہیں سے نسبت ملے کر دی جاتی ہے اور امام رضاؑ کی اولاد کا تعلق غیر امام سے نہیں ہے بلکہ آپ کے تہا فرزند امام محمد تقیؑ ہیں اور سلسلہ نسب ان کے بعد غیر امام یعنی موسیٰ مبرقع کی طرف منتقل ہوتا ہے، لہذا ان سادات کرام کو اصطلاحی طور پر تقویٰ سادات ہونا چاہیے لیکن امام رضاؑ کی دنیاوی وجاہت یا ان کے الگ سلسلہ نسب کے نہ ہونے کی بنا پر سلسلہ انھیں

کی طرف منسوب کر دیا گیا اور سب رضوی سادات کہے جانے لگے جن کی تعداد غالباً ان تمام سادات سے زیادہ ہے جن کا سلسلہ کسی بھی دوسرے امام سے مختلف اولاد کے ذریعہ ملتا ہے۔

جناب موسیٰ مبرقع کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ اس قدر حسین یا مقدس تھے کہ چہرہ پر نقاب ڈال کر گھر سے نکلا کرتے تھے اور اسی بنیاد پر آپ کو مبرقع کہا جاتا تھا۔ آپ کا سلسلہ آپ کے فرزند جناب سید احمد سے بڑھتا ہے اور سید احمد کی نسل محمد اعرج سے آگے بڑھی ہے مگر اکثر علماء انساب نے تحریر کیا ہے۔

جناب موسیٰ مبرقع ہی نے اپنے والد بزرگوار کے حوالے سے پیغمبر اسلام کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ ڈاڑھی کا مونڈنا منگھ کرنا ہے اور منگھ کرنے والے پر خدا کی لعنت ہوتی ہے۔ (ستدرک المسائل) لہذا کم از کم رضوی اور تقویٰ سادات کے لیے تو ڈاڑھی کا منڈانا قطعاً مناسب نہیں ہے کہ یہ شرعی جرم ہونے کے علاوہ ناخلف اولاد ہونے کی بھی علامت ہے۔ خدا جملہ اولاد معصومین کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق کرامت فرمائے۔

واضح رہے کہ امام محمد تقیؑ کی ایک صاحبزادی حکیمہ نام کی بھی تھیں جن کی قبر سارہ میں اظہار حق کی قبر کے ساتھ ہے اور انھوں نے چار اماموں کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے بلکہ امام زمانہؑ کی ولادت کے امور بھی انجام دیے ہیں۔

حجرت کی بات ہے کہ علماء نے امام جوادیؑ کی اولاد میں ان کا ذکر نہیں کیا ہے اور سارہ میں بھی ان کی مستقل زیارت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے جس پر علامہ مجلسی اور بحر العلوم نے بھی اظہار حق فرمایا ہے۔

کرامات

محمد بن علی البہاشمی کا بیان ہے کہ میں ام الفضل سے عقد کے دوسرے دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے بعض دواؤں کے استعمال کی بنا پر شدید پیاس لگی ہوئی تھی لیکن میں ان کے پانی کا پانی نہیں پینا چاہتا تھا کہ آپ نے میرے مطالبہ کے بغیر پانی طلب کیا اور تھوڑا سا خود نوش فرما کر باقی بچے عنایت فرمادیا جس کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ شیعوں کے امام و اتقا لوگوں کے اسرار

دروازے بانہر ہوتے ہیں۔ (اصول کافی)

اس واقعے سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ عجمان آل محمد کے گھریانی زینے کا سلسلہ نیا نہیں ہے بلکہ اس کا پردہ پگینڈہ مامون رشید کے دور سے چلا آ رہا ہے اور جب اس سے خود آل محمد محفوظ نہیں کے تو چاہئے والے کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں۔

● محمد بن ربیع کہتے ہیں کہ مامون نے امام جوآد کو آزمانے کے لیے دو سو حین و جمیل لوٹھیاں آپ کے پاس بھیج دیں اور انہیں حضرت کو ٹھانے پر مامور کر دیا لیکن کردار امامت کی بلندی تھی کہ آپ نے کوئی توجہ نہیں فرمائی تو دربار میں بلا کر قرض و رنگ شروع کر دیا جس پر آپ نے گویے سے کہا کہ ایسے شیخ! خدا سے ڈر۔ اتنی لمبی ڈاڑھی اور یہ کاروبار۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساز اس کے ہاتھ سے گر گیا اور ہاتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شل ہو گیا۔ (اصول کافی)

● ایک شخص نے آپ سے اگر بیان کیا کہ امام الحسن نے آپ کا پڑانا لباس طلب کیا ہے تاکہ کفن میں بطور تبرک رکھے تو آپ نے فرمایا کہ اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ وطن واپس آیا تو معلوم ہوا کہ اس خاتون کا پندرہ دن پہلے انتقال ہو چکا ہے۔

● ایک شخص نے حضرت سے سفر کے بارے میں شورہ کیا تو آپ نے منع فرما دیا۔ وہ رگ گیا لیکن اس کے ساتھی حماد بن عیسیٰ نے کہا کہ میں مکمل تیاری کر چکا ہوں۔ میں سفر ملتی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہ سفر پر روانہ ہو گیا اور راستہ میں ایک وادی میں قیام کیا جہاں ایسا سیلاب آیا کہ اس میں صحران کے پہر گیا۔ (شواہد النبوة)

● معمر بن خلاد کا بیان ہے کہ مجھے ساتھ لے کر ایک وادی تک تشریف لے گئے اور وہاں مجھے روک کر چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے تو چہرہ اُداس تھا۔ میں نے سب پوچھا تو فرمایا کہ میں طوس سے آ رہا ہوں۔ میرے والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا ہے اور میں ان کی نماز جنازہ کے لیے گیا تھا۔

● قاسم بن عبد الرحمن کا بیان ہے کہ میں زیدی المذہب تھا اور حضرت کی تعریف میں کج زبان تھا اور ملاقات کا شائق تھا کہ ایک مرتبہ آپ کا اس طرف سے گزر ہو گیا۔ میں نے دیکھ کر کہا کہ کس قدر اجس ہیں وہ لوگ جو اس بچ کو اپنا امام مانتے ہیں۔ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ آواز آئی قاسم بن عبد الرحمن! جو ہماری اطاعت سے انحراف کرے گا وہ جہنم کا حقدار ہوگا۔ میں حیرت میں پڑ گیا اور سوچا کہ شاید

انہیں جادو وغیرہ میں کوئی دخل ہے کہ دوبارہ آواز آئی۔ تمہارا خیال غلط ہے۔ اپنے عقیدہ کی اصلاح کرو۔ یہ سننا تھا کہ قاسم بے چین ہو گیا اور فوراً خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آپ کی امامت کا اقرار کر لیا۔

اعترافات

- آپ صغیر السن تھے لیکن قدر و منزلت کے اعتبار سے کبیر اور ذکر خیر کے اعتبار سے بلند ترین درجہ پر فائز تھے۔ محمد بن طلحہ شافعی (مطالب السؤل)
- آپ کی منزلت نہایت درجہ بلند تھی۔ ملاحین واعظا کاشفی (روضۃ الشہداء)
- کمال علم و فضل میں امام جوآد تک بڑے بڑے صاحبان علم و کمال بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔ علامہ خاندن شاہ (روضۃ الصفا)
- آپ کے فضائل و مناقب بے شمار تھے اگرچہ آپ خود کسمن تھے۔ شیعنی (ذوالابصار)
- آپ نے ایک نشست میں تیس ہزار سوالات کے جوابات عنایت فرمائے ہیں اور اکثر سوالات کے وارد ہونے سے پہلے ہی جواب دے دیے ہیں۔ علی بن ابراہیم (کافی)

اقوال حکیمانہ

- خدائے متعال پر اعتماد رکھنا ہی ہر قیمتی شے کی قیمت اور ہر بلندی کا ذریعہ ہے۔ (حقیقت امر یہ ہے کہ خدائے کریم پر اعتماد سے بڑی کوئی دولت اور انسانی نفس کے اطمینان کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ ہر دولت فنا ہونے والی ہے لیکن یہ دولت فنا ہونے والی نہیں ہے اور دور حاضر میں اعتماد علی اللہ نہ ہونے ہی کا نتیجہ ہے کہ عوام اور حکام سب حیران و سرگرداں نظر آ رہے ہیں۔)

● تمہوں کی عزت لوگوں سے بے نیازی میں ہے۔

(انسان فاقوں میں گزار دے تو لوگوں کی نظر میں احترام رہ جاتا ہے لیکن ہاتھ پھیلائے تو وہ احترام بہر حال ختم ہو جاتا ہے چاہے مرغ مسلم ہی کیوں نہ نصیب ہو جائے۔)

● ”ظاہر میں خدا کے دوست اور باطن میں اس کے دشمن نہ بنو“

دور حاضر میں عالم اسلام کی اکثریت اسی عالم میں ہے کہ کلہ پڑھ کر سب اللہ کے دوست بن گئے ہیں۔ لیکن اپنے اعمال اور کردار کے اعتبار سے بالکل دشمن خدا ہیں، اور وہی سب منکرات انجام دے رہے ہیں جو دشمنان اسلام انجام دے رہے ہیں جو دشمنان خدا انجام دے رہے ہیں، ایسی صورت میں دعوائے محبت کا کیا فائدہ ہے؟۔

● جس نے خدا کی راہ میں ایک دوست حاصل کر لیا گو یا جنت میں ایک گھر حاصل کر لیا۔ (دنیا داری اور لہو و لعل کے لیے دوستوں کا پیدا کر لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے لیکن راہ خدا پر چلنے کے لیے اور دین خدا کی خدمت کے لیے ساتھی پیدا کر لینا بہت مشکل ہے۔ انسان کے لیے جنت کے حصول کا سب سے اہم ترین ذریعہ یہی ہے کہ برادران دینی میں اضافہ کرے اور لوگوں کو اس برادری میں داخل کرے)۔

● بھلا وہ کس طرح ضائع ہو سکتا ہے جس کا ذمہ دار خدا ہو، اور وہ کس طرح بچ کر جاسکتا ہے جس کا طلب کار خدا ہو۔ جو غیر خدا کا ہو جائے گا خدا اسے اسی کے حوالے کرے گا اور جو بغیر علم کے عمل کرے گا اس کا فساد اصلاح سے کہیں زیادہ ہوگا۔

(اس کلام کے چاروں جملے قابل توجہ ہیں۔ انسان خدا پر اعتماد کر لے تو اس کے ضائع ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے کہ خدا جس کی ذمہ داری لے لے گا وہ کس طرح تباہ و برباد ہو سکتا ہے۔ اور انسان یہ یقین کر لے کہ خدا سے بچ کر نہیں جاسکتا ہے تو اس کا کردار خود بخود سنور جائے گا۔ خدا کو چھوڑ کر غیر کی طرف جانے میں سب سے بڑا خطرہ یہی ہے کہ خدا اس کے حوالے کرے گا تو پھر کوئی کام آنے والا نہ ہوگا اور بلا علم کے عمل کرنے میں فساد کا خطرہ زیادہ رہتا ہے کہ انسان واقعی مسائل سے باخبر نہیں ہے تو لوگوں کو حلال کے بجائے حرام کی تعلیم دے سکتا ہے اور انہیں محرمات کے بجائے واجبات سے بھی روک سکتا ہے)۔

● غلط آدمی کی صحبت سے پرہیز کر دو کہ اس کی مثال شمشیر برہنہ کی ہے کہ دیکھنے میں بہت چمک دار معلوم ہوتی ہے لیکن انجام بہت بُرا ہوتا ہے۔

(ساتھی اور رفیق بنانے سے پہلے کردار کا جائزہ لے لینا انتہائی ضروری ہے ورنہ انسان فاسق و فاجر کی رفاقت اختیار کر لے گا تو وہ ظاہری اعتبار سے تو انتہائی مخلص یا گرمی مغل کا سبب

بن جائے گا لیکن اس کا شر و فساد کسی وقت بھی نقصان پہنچا سکتا ہے)۔

● "عائن افراد کا امین ہونا خود بھی خیانت کار ہونے کے لیے کافی ہے۔"

(نیک صفت اختیار کرنے کے لیے اس کے عمل اور موقع کا پہچانا انتہائی ضروری ہوتا ہے ورنہ خیانت کار کی امانت داری میں خیانت کے علاوہ اور کیا ہاتھ آئے گا)۔

● "ہر مومن کو تین چیزوں کی ضرورت ہے: (۱) خدا کی توفیق (۲) اپنے نفس کی طرف سے موعظت (۳) دوسرے کی نصیحت کی قبولیت۔"

(جس انسان کو خدا کی توفیق حاصل نہ ہو اور اس کا ضمیر خود اسے نصیحت نہ کر سکتا ہو اور دوسروں کی نصیحت قبول کرنے کو بھی عار تصور کرتا ہو، وہ کسی اعتبار سے صاحب ایمان نہیں کہا جاسکتا ہے)۔

● "دل سے خدا کا قصد کرنا اعمال میں بدن کو تکلیف دینے سے زیادہ بہتر ہے۔"

(اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انسان سادے اعمال کو ترک کر کے خالی ذکر و فکر میں لگ جائے کہ یہ درحقیقت خدا کا تصور نہیں ہے بلکہ شیطان رجیم کا قصد اور اس کا راستہ ہے۔ روایت کا صحیح ترین مفہوم یہی ہے کہ انسان صرف ظاہری اعمال پر بھروسہ نہ کرے اور توجہ قلب کی کوشش کرے کہ سادے اعمال کی روح اور جان ہی توجہ قلب ہے اور اس کے بغیر صرف بدن کے ٹھکانے اور اعضاء و جوارح کو حرکت دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے)۔

● "جس نے خواہشات کا اتباع کیا اس نے دشمن کی تمنا پوری کر دی۔"

(انسان کا بدترین دشمن شیطان رجیم ہے اور اس کا بہترین پیغام خواہشات کا اتباع ہے کہ اس کے پاس گمراہ کرنے کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ لہذا جس شخص نے بھی شریعت کے بجائے خواہشات اور جذبات کا راستہ اختیار کر لیا اس نے گویا شیطان کی آرزو پوری کر دی اور اس کے راستے پر چلا گیا)۔

● "ظلم بادشاہوں کے دور اقتدار کی آخری میعاد ہے۔"

(حقیقت امر یہ ہے کہ کوئی بھی حکومت کفر و الحاد کے ساتھ تو چل سکتی ہے لیکن ظلم و ستم کے ساتھ نہیں چل سکتی ہے۔ اور جب کسی حکومت میں ظلم داخل ہوتا ہے اور حکام رعایا پر ظلم کرنا

شروع کر دیتے ہیں تو رعایا میں بغاوت کا جذبہ شروع ہو جاتا ہے اور یہیں سے حکومت کی جڑیں کھوکھلی ہونے لگتی ہیں اور ایک دن اسے عوامی انتقام کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کے بعد خاتمہ اقتدار کے علاوہ کوئی راستہ نہیں رہ جاتا ہے۔

● "صبر و تزکیہ کرو، فقر کو گلے لگاؤ، خواہشات کو چھوڑ دو، ہو او ہوس کی مخالفت کرو، اور یہ خیال رکھو کہ تم خدا کی نگاہوں سے غائب نہیں ہو سکتے ہو، تو اب فیصلہ کرو کہ اس کے سامنے کیسا رہنا چاہتے ہو؟"

(امام علیہ السلام کے پورے ارشاد کا آخری فقرہ ہی انسان کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دینے کے لیے کافی ہے کہ اگر انسان کو واقف یا احساس پیدا ہو جائے کہ وہ ہر وقت رب العالمین کی نگاہوں کے سامنے ہے اور صرف خدا کو حاضر و ناظر کہتا ہی نہیں ہے بلکہ اسے حاضر و ناظر سمجھتا ہی ہے تو اس کے سارے اعمال اور کردار کی اصلاح ہو سکتی ہے۔)

"اگر کوئی شخص کسی معاملہ میں حاضر رہا اور اسے ناپسند کیا تو گویا حاضر نہیں تھا اور اگر کسی کام سے غائب رہا اور اسے پسند کیا تو گویا اس میں حاضر رہا۔"

(اس ارشاد کے دونوں حصے قابل توجہ ہیں کہ جو لوگ بُرائیوں کے مراکز یا اجتماعات میں مجبوراً موجود رہتے ہیں اور اپنی ناگواری کا اظہار کرتے رہتے ہیں وہ موجودگی کے مجرم نہیں ہیں لیکن جو لوگ غائب رہ کر بھی حسرت گناہ رکھتے ہیں وہ گویا اس گناہ میں شریک اور اس عمل بد کے مجرم ہیں چاہے واقفاً عمل میں شریک نہ ہوں۔)

"تحفظ بقدر خوف ہوا کرتا ہے۔"

داگر کوئی انسان گناہوں سے پرہیز نہیں کرتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اس کے دل میں خوف خدا نہیں ہے ورنہ انسان کو جس قدر خوف ہوتا ہے اسی اعتبار سے اپنے عمل کا انتظام کرتا ہے۔ گناہوں سے بچاؤ کا انتظام نہ کرنا اور خوف خدا کا دعویٰ کرنا ایک دو سرے کا ہے کہ انسان غلط بیانی سے بھی کام لے رہا ہے۔

● "خواہشات کا ارتکاب کرنے والا لفرشوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا ہے۔"

(انسان کے لیے لفرشوں سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ خواہشات کو کٹر و لٹو۔)

اور اس سے اپنے نفس کو محفوظ رکھے ورنہ اپنے کو خواہشات کے حوالے کر دینے میں لفرش کے علاوہ کچھ ہاتھ آنے والا نہیں ہے۔

● "جب قضا آجاتی ہے تو فضا تنگ ہو جاتی ہے۔"

(انسان کو یہ احساس بہر حال ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی قیمت پر دست قضا سے بچ کر نہیں جاسکتا ہے۔ وسیع ترین آفاق میں سیر کرنے والا بھی ایک دن دست اجل کا شکار ہو جاتا ہے لہذا انسان کو ہر وقت موت کا خیال رکھنا چاہیے اور موت کے بعد کی منزلوں کے لیے تیار رہنا چاہیے۔)

● "تو ظلم پر راضی ہو جائے اس کی ناراضگی میں کوئی نقصان نہیں ہے۔"

(انسان مخلوقات کی مرضی کا خیال کرنے سے پہلے یہ دیکھ لے کہ یہ شخص کس بات پر راضی ہوتا ہے اور کس بات سے ناراض ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص ظلم و ستم ہی سے راضی ہوتا ہے تو اس کی ناراضگی کی ہرگز پرواہ نہ کرے بلکہ اس بات پر خوش ہو کہ میرا جاہد عدل و انصاف کا ہے اور اسی لیے ظلم پرورد مجھ سے ناراض ہیں اور ناخوش ہیں۔ کاش! بڑی طاقتوں کے مقابل میں اسلامی حکام کے دلوں میں یہ احساس پیدا ہو جاتا اور وہ انہیں راضی کرنے کے بجائے رب العالمین کو راضی کرنے کی فکر کرتے کہ حکام جو دم صرف جو دم ہی سے راضی ہوتے ہیں، ان کی نگاہ میں عدل و انصاف کی کوئی قیمت نہیں ہوتی ہے۔

نقش انگشت

"نعم القادر اللہ"

اصحاب اور تلامذہ

ابو جعفر احمد بن محمد بن ابی نصر زینلی، کوئی

امام رضا علیہ السلام کے اصحاب میں تھے اور امام محمد تقیؑ کے مخصوص شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی وثاقت کا یہ عالم تھا کہ جو روایت ان سے نقل کر دی جاتی تھی اس کا سلسلہ سند نہیں دکھایا جاتا تھا بلکہ اسے صحیح تسلیم کر لیا جاتا تھا کہ انہوں نے کسی غیر معتبر راوی سے کوئی روایت نقل ہی نہیں کی ہے، انہوں نے ۱۰۰ میں وفات پائی ہے۔

۲۔ ابو محمد فضل بن شاذان بن غلیل ازدی نیشاپوری

۱۸۰ کتابوں کے مصنف اور انتہائی معتبر انسان تھے۔ امام عسکری نے ان کے حق میں دو یا تین مرتبہ دعائے رحمت فرمائی ہے۔ محمد بن ابی عمیر اور صفوان بن یحییٰ وغیرہ جیسے جلیل القدر حضرات کے ساتھ برسوں زندگی گزارا ہے اور ان کے بعد قوم میں ایک مرجع روایات کی حیثیت رکھتے تھے۔

۳۔ ابو تمام حبیب بن اوس الطائی

اپنے دور کے بہترین شاعر تھے۔ ایک قصیدہ میں امام جوادی تک تمام ان کے ذکر کیا ہے کہ ان کا انتقال امام جوادی ہی کے دور میں ہو گیا تھا اور جاہلانے ان کا شمار روسا و رافضہ میں کیا ہے جو ان کے شیر ہونے کی بہترین دلیل ہے۔

ان کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ انھیں قصائد وغیرہ کے علاوہ چودہ ہزار نظمیں زبانی یاد تھیں۔ حاسر ان کی بہترین کتاب ہے جس کی ادبی دنیا میں ایک خاص حیثیت ہے، اگرچہ بعض متعصب دشمنان اہلبیت ان کے اشعار کے پڑھنے اور لکھنے سے بھی پرہیز کرتے تھے۔ ابو تمام کی وفات ۲۳۱ھ میں موصل میں ہوئی ہے اور وہیں ان کا مزار بنا ہوا ہے۔

۴۔ ابو الحسن علی بن ہزیراہ ہوازی

امام جوادی نے انھیں ایک خط میں تحریر فرمایا تھا کہ میں نے نصیحت قبول کرنے، اطاعت کرنے خدمت و احترام کرنے کے اعتبار سے تمہارا مکمل امتحان لے لیا ہے اور تمہیں فرائض کا مکمل طور پر ادا کرنے والا پایا ہے کہ اگر میں یہ کہہ دوں کہ تم جیسا انسان نہیں دیکھا ہے تو شاید صداقت کے حدود کے اندر ہی رہوں گا۔

ان کے والد اگرچہ عیسائی تھے لیکن انھوں نے اس قدر کمال فقہ و فقہانیت میں پیدا کر لیا کہ حضرت جوادی کے مخصوص اصحاب میں شامل ہو گئے اور بعض علاقوں میں حضرت کے وکیل بھی رہے، بلکہ آپ کے بعد امام علی نقی کے بھی وکیل رہے۔

ان کے بھائی ابراہیم اور فرزند محمد بن علی کاشا رہی مستبر اصحاب امام علی نقی میں ہوتا ہے۔

۵۔ فقہ الاسلام محمد بن ابی عمیر بغدادی

ان کی وثاقت اور جلال قدر کو دوست اور دشمن دونوں نے تسلیم کیا ہے اور بعض حضرات نے تو انھیں یونس بن عبد الرحمن سے بھی زیادہ افضل قرار دیا ہے جب کہ ان کے بارے میں یہ فقرہ مشہور ہے کہ ملت اسلام میں سلمان فارسی اور ان کے بعد یونس بن عبد الرحمن سے بڑا فقیہ کوئی نہیں پیدا ہوا ہے۔

مامون رشید کے حکم سے سندھ بن شاہک نے انھیں تشیع کے جرم میں ۱۲۰ تازیانے اور قید خانہ میں ڈال دیا جس سے ایک لاکھ ۲۱ ہزار درہم دسے کر رہائی حاصل کی کہ ابن ابی عمیر صاحب ثروت انسان تھے ورنہ شاید ساری زندگی قید خانہ ہی میں رہ جاتے۔ حکومت وقت کو اس قدر ٹھیک دینے کے بعد بالکل محتاج ہو گئے اور حکومت نے ان کی ساری املاک کو ضبط کر لیا اتفاق سے ایک شخص نے ان سے دس ہزار درہم قرض لیے تھے، اسے حالات کا علم ہوا تو اپنا مکان فروخت کر کے دس ہزار لے کر آیا۔ ابن ابی عمیر نے پوچھا کہ یہ مال کہاں سے فراہم کیا ہے؟ اس نے کہا کہ اپنا مکان فروخت کر دیا ہے۔ فرمایا کہ اسے واپس لے جاؤ، میرے مولا امام جعفر صادق نے فرمایا ہے کہ قرض کی خاطر انسان کو اس کے گھر سے نہیں نکالا جاسکتا ہے۔ اگرچہ اس وقت مجھے ایک ایک درہم کی ضرورت ہے لیکن میں قانون شریعت سے انحراف نہیں کر سکتا ہوں۔

۶۔ محمد بن سنان ابو جعفر الزاہری

امام محمد تقی نے ان کا ذکر خیر فرمایا ہے، اور فرمایا ہے کہ خدا ان سے راضی ہے اس لیے کہ میں ان سے راضی ہوں۔ انھوں نے زمیری مخالفت کی ہے۔ اور زمیر سے پد پڑ گوارا کی مخالفت کی ہے۔

اس آخری جملہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں کچھ مخالفت کی خبریں مشہور ہو گئی تھیں جن کی صفائی دینا امام علیہ السلام کی نظر میں ضروری تھا۔

ان کے حالات میں یہ بات بھی نقل کی گئی ہے کہ نابینا ہو گئے تھے تو امام تقی علیہ السلام نے ان کی آنکھوں پر ہاتھ پیر کر انھیں بینا بنادیا، لہذا یہ مرکز اعتماد امام ہونے کے علاوہ مصدق و جبرئیل امام بھی تھے، اور اتنی سی بات بھی ان کی عظمت و وثاقت کے لیے کافی ہے۔

۷۔ ایوب بن نوح بن دراج الکوفی

مرد ثقہ اور صاحب کتب تھے۔ امام رضا اور امام جواد کے وکیل بھی تھے۔ انتہائی محتاط اور متقی انسان تھے۔

۸۔ جعفر بن محمد بن یونس الاحول

امام رضا اور امام جواد دونوں کے اصحاب میں تھے اور مرد ثقہ تھے۔

۹۔ حسین بن سعید الہموازی

امام رضا، امام جواد اور امام ہادی کے اصحاب میں تھے اور تقریباً تیس کتابوں کے مصنف بھی تھے۔

۱۰۔ علی بن اسباط بن سالم

امام رضا اور امام جواد کے اصحاب میں مرد ثقہ اور صاحب کتاب تفسیر تھے۔ آپ کی صداقت بیان شہرہ آفاق تھی اور اپنے ساتھیوں کے لیے معلم کی حیثیت رکھتے تھے۔

نقش
حیات امام علی نقی هادی^ع

ولادت: ۵ رجب ۲۱۴ هـ

شهادت: ۳ رجب ۲۵۲ هـ

نقش زندگانی امام علی نقی علیہ السلام

ماہ رجب ۱۸۷ھ کی پانچویں تاریخ تھی جب امام محمد تقی علیہ السلام کے بیت الشرف میں ایک اور نور الہی جلوہ گر ہوا اور قدرت نے سلسلہ امامت کے دسویں وارث پیغمبر کو اس دار دنیا میں بھیج دیا۔

امام محمد تقیؑ کی زندگی اس دور میں نہایت درجہ کش مکش میں گذر رہی تھی۔ امام علی رضاً کی شہادت کے بعد مامون نے آپ کو مدینہ سے بغداد طلب کر کے مصالح حکومت کے تحفظ کے لیے اپنا داماد بنا لیا تھا اور اس طرح آپ کی گھریلو زندگی بھی پریشانیوں کا شکار ہو گئی تھی۔ باہر کے مصائب اپنے مقام پر تھے گھر کے اندر بھی سکون نمل سکا۔ کہاں امامت کی سادہ اور پاکیزہ زندگی جہاں دل پر خوفِ خدا کی حکومت اور گھر میں تقویٰ اور تقدس کا ماحول ہو اور کہاں نعمتوں اور عشرتوں کی پردردہ خاتون جس نے آنکھ کھولنے کے بعد سے ایک دن بھی صحیح اسلامی ماحول نہ دیکھا ہو۔ قدم پر زحمیں، رکاوٹیں اور مصیبتیں

امام علیہ السلام نے ایک سال کے اندر مسئلہ کا یہ حل نکالا کہ مامون کے عشرت کدہ کو چھوڑ کر مدینہ کا شریعت کدہ آباد کیا جائے اور اس طرح آپ بغداد سے مدینہ چلے آئے لیکن یہاں بھی وہ مصیبت بہر حال ساتھ رہی اور ام الفضل حضرت کو پریشان کرنے کے علاوہ باپ کو برابر شکایتی خطوط لکھتی رہی اور حکومت میں حضرت کے خلاف زمین ہموار کرتی رہی یہاں تک کہ قدرت نے تسلسل امامت کو برقرار رکھنے کے لیے آپ کو عقد ثانی پر آمادہ کیا اور آپ نے جناب کاہ مغربہ سے عقد فرمایا۔ عقد کرنا تھا کہ گھر میں قیامت آگئی اور ام الفضل نے سر پر آسمان اٹھا لیا۔ باپ سے فریاد، اعتراضے شکایت، حکومت کے اندر سازش اور نہ جانے کتنے فتنے۔ امام محمد تقیؑ ان تمام فتنوں اور سازشوں کی پرداہ کیے بغیر اپنے کاہر ہدایت میں مصروف رہے اور گھریلو زندگی میں

ایک دن بھی یہ گوارا نہ کیا کہ شہزادی کو عام گھرنے کی خاتون پر مقدم کر دیا جائے جس کے سخت ترین نتائج کا اندازہ ہر وہ انسان لگا سکتا ہے جس نے ایسے حالات کا مشاہدہ کیا ہو۔ پھر قیامت بالآخر آتی یہ ہوئی کہ تھوڑے عرصہ کے بعد رب العالمین نے جناب سمان مغربہ کو صاحب اولاد بنا دیا۔ ام الفضل کے لیے اولاد سے محرومی، زندگی کی سادگی، گھر میں دوسری بیوی کی موجودگی ہی کیا کم مصیبت تھی کہ اب ایک اور افتاد سامنے آگئی کہ میں صاحب اولاد نہ ہو سکی اور یہ خاتون صاحب اولاد ہو گئی۔

اسلام کی تاریخ میں لاولدہ خاتون کا صاحب اولاد خاتون سے حسد ایک قدیم ترین روایت ہے جس سے بڑی بڑی خواتین بھی محفوظ نہیں رہ سکیں تو ام الفضل تو کسی خاص اسلامی شخصیت کی مالک بھی نہیں تھی اور نہ عالم اسلام نے اس سے ادھاتھائی دین حاصل کیا ہے۔ نتیجہ جو ہونا چاہیے تھا وہی ہوا مگر قدرت جب کید کا مدین اور کر مار کرین کا جواب دینا چاہتی ہے تو فرعون کی لاکھوں کوششوں کے باوجود موسیٰ کو عالم وجود میں لے آتی ہے۔ چنانچہ امام علی نقیؑ اس دنیا میں آگئے اور عالم اسلام و ایمان میں بہار آنے کے ساتھ ساتھ ام الفضل کے گلشن تماشیاں خزاں کا دور دورہ ہو گیا اور امام علی نقیؑ کی زندگی کا آغاز ایک عجیب و غریب حاسدانہ ماحول میں ہوا۔

● آپ کی والدہ ماجدہ جناب سمان مغربہ تھیں جن کا نسبی رشتہ تو بہر حال غیر عرب ماحول سے تھا اور اس بنیاد پر عرب کسی انسان کو وہ مرتبہ دینے کے لیے تیار نہیں تھے جو ان کی نگاہ میں خود عربوں کا ہوتا ہے اور اپنے علاوہ ہر ایک کے ساتھ غلام اور کیزر جیسا ہی برتاؤ کرتے تھے لیکن کردار کے اعتبار سے آپ کا مرتبہ تمام عرب خواتین سے بلند تھا اور اسی لیے ائمہ ظاہرین نے عرب کے شریف ترین قبیلہ سے تعلق رکھنے کے باوجود دجلی خواتین سے عقد کیا ہے کہ اسلام سے عرب و عجم کا تفرقہ اور عربوں کے نسبی غرور کا خاتمہ ہو جائے اور اسلام میں ایمان و کردار کی اہمیت کا بھی مظاہرہ ہو جائے۔ جناب سمان کی کم سے کم یہ تعریف کی گئی ہے کہ آپ تمام سال کے روزے کی پابندی کیا کرتی تھیں جسے صوم دہر کہا جاتا ہے اور روایات میں اس کی بے پناہ فضیلت وارد ہوئی ہے۔ بعض روایات میں صوم دہر نہ رکھ سکنے والے افراد کو اس کے ثواب کے حاصل کرنے کا ذریعہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ہر ماہ میں تین روزے رکھ لے تو وہ ثواب کے اعتبار سے کم سے کم ۳۰ کے برابر ہو جائیں گے اور پورے عید کے روزہ اجر مل جائے گا۔ لیکن کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ مجبور کی علاج ہے کابلی

اور چالاک کا نسخہ نہیں ہے لہذا صاحبان استطاعت کو ثواب حاصل کرنے کے لیے ترکیبوں کے بجائے اعمال کا سہارا لینا چاہیے اور پھر اعمال کی قبولیت کے لیے اخلاص کا سہارا لینا چاہیے تاکہ عمل بارگاہ الہی میں قابل قبول قرار دیا جاسکے۔

صوم دہر کے سلسلہ میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس میں وہ دن بہر حال معاف کر دیے جاتے ہیں جن میں شریعت کی طرف سے روزہ رکھنے پر پابندی ہے اور جن کے روزوں سے شریعت نے خود روک دیا ہے اس لیے کہ اسلام میں عمل کی بنیاد عبادت ہے عادت نہیں ہے حکم الہی علی سے متعلق ہو جائے تو عمل کرنا عبادت ہے اور حکم الہی ترک عمل سے متعلق ہو جائے تو عمل کا ترک کر دینا ہی عبادت خالق اور بندگی پروردگار ہے۔ اس میں کسی رسم و رواج اور جذبات و احساسات کی دخل اندازی کی گنجائش نہیں ہے اور نہ عبادت کا تعلق بندگان خدا کی تعریف یا تنقیص سے ہوتا ہے عبادت ہنگامہ ربوبیت میں قابل تعریف ہوتی ہے اس میں نگاہ عبودیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

● آپ کا اسم گرامی علیؑ تھا اور القاب میں نجیب، مرتضیٰ، عالم، فقیہ، ناسخ، امین، مومن، طیب، نقی اور ہادی وغیرہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے بلکہ بعض روایات میں آپ کا ایک لقب متوکل بھی ہے لیکن آپ نے اپنے اصحاب کو اس لقب سے یاد کرنے سے منع فرمایا تھا کہ اس طرح ظالم بادشاہ کو انتقام لینے کا ایک اور بہانہ مل جائے گا یا عوام امت پر کردار مشتبہ ہو جائے گا اور وہ ہر متوکل کو ایک ہی طرح کے کردار کا حامل تصور کرنے لگیں گے۔

● سامرہ کے حملہ عسکری میں قیام کی بنا پر آپ کو عسکری بھی کہا جاتا ہے اور آپ کے فرزند ارتضیٰ کو بھی اسی لقب سے یاد کیا جاتا ہے بلکہ ان کا مشہور ترین لقب عسکری ہی ہے اس لیے کہ ان کا رابطہ اس حملہ سے زیادہ رہا ہے اور اس طرح دونوں اماموں کو ملا کر عسکرین کہا جاتا ہے جس طرح کہ امام موسیٰ کاظمؑ اور امام جوادؑ کو کاظمین اور جوادین کہا جاتا ہے۔

● ولادت کی جگہ مدینہ سے کچھ دور صریتا کے مقام پر ہے جہاں امام محمد تقیؑ اکثر قیام فرمایا کرتے تھے اور شاید آپ نے گھر لیا اخلافت سے دور رہنے کے لیے جناب سمان کو اس مقام پر رکھ دیا ہو اور قدرت نے وہیں انھیں نعمت اولاد سے سرفراز فرمایا ہو۔

● کنیت ابو الحسن الثالث تھی، اس لیے کہ اس سے پہلے امام موسیٰ کاظمؑ اور امام علی رضاؑ کو

بھی اسی کنیت سے یاد کیا جاتا تھا اور بعض روایات میں آپ کو ابو الحسن الماضی بھی کہا گیا ہے۔

شاہان وقت میں سب سے پہلا نام مامون رشید کا آتا ہے جس کے دور حکومت میں ۲۱۴ھ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی ہے۔ اس کے بعد ۲۱۸ھ میں معتمد باللہ خلیفہ ہوا۔ معتمد کے بعد ۲۲۳ھ میں واثق ابن معتمد نے حکومت سنبھالی، ۲۳۲ھ میں واثق کا خاتمہ ہو گیا تو متوکل کے ہاتھ میں زمام خلافت آگئی اور وہ ۲۳۵ھ تک تخت حکومت پر قابض رہا۔ اس کے بعد اس کی تین اولادیں درپے درپے حاکم بنتی رہی، ۲۴۳ھ میں معتز بن متوکل، ۲۴۴ھ میں مستعین بن متوکل اور ۲۴۵ھ میں معتز بن متوکل، اور اسی معتز ظالم نے ۲۴۸ھ میں امام علی نقیؑ کو زہر سے کر شہید کر دیا۔

ان تمام بادشاہوں میں سب سے بدتر کردار کا مالک متوکل تھا جسے بنی عباس کا زبردید کہا جاتا ہے اور جس کی بے ایمانی اور بد کرداری کا یہ عالم تھا کہ اس کے محل میں چار ہزار کینزیں تھیں اور سب اس کے تصرف میں رہا کرتی تھیں، شراب بے تحاشہ پیا کرتا تھا۔ ظلم کا یہ عالم تھا کہ سیکڑوں اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں صاحبان ایمان اور سادات کا خون کیلے اور ابن السکیت جیسے صاحب کمال ادیب سے دریافت کیا کہ میرے دونوں فرزند بہتر ہیں یا حسن و حسین؟ اور ابن السکیت نے صاف صاف کہہ دیا کہ تیرے بیٹوں کا مقابلہ ان کے غلام قنبر سے نہیں ہو سکتا ہے ان کا کیا ذکر ہے تو اس کے نتیجہ میں ان کی زبان گدھی سے کھنچوالی جب کہ وہ دربار کے مقرب ترین افراد میں شمار ہوتے تھے۔ قبر امام حسینؑ کے نشان کے مٹانے کا کام بھی متوکل ہی نے شروع کیا تھا جس میں بفضل خداوندی وہ کامیاب نہیں ہو سکا اور مزار مقدس سے آج تک آواز آرہی ہے:

بیایا متوکل، بسین مزار حسین
زین بلند شد و آب نہر شد حار

● آپ کے انتہائی بچپنے کا زمانہ تھا جب ۲۱۹ھ میں معتمد باللہ نے آپ کے پدر بزرگوار کو مدینہ سے بغداد طلب کر لیا اور آپ اپنے پدر بزرگوار سے جدا ہو گئے جس کے بعد پھر دوبارہ ملاقات کی نوبت نہ آئی کہ امام محمد تقیؑ و محمد مسلمہؑ کو بغداد پہنچے اور ظالم نے ۲۹ ذی قعدہ ۲۳۳ھ کو آپ کو زہر دغا سے شہید کر دیا۔

باپ کے زیر سایہ تعلیم و تربیت نہ پانے کی بنا پر بعض افراد کو ہمدردی کا خیال پیدا ہوا۔ اور

عمر بن فرح نے عبید اللہ جنیدی کو آپ کا معلم قرار دے دیا لیکن چند دنوں کے بعد جب جنیدی سے بچہ کی رفتار تعلیم کے بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ میں اسے تعلیم دیتا ہوں خدا کی قسم میں اس سے علم حاصل کرتا ہوں اور اس کا علم و فضل مجھ سے کہیں زیادہ ہے۔ واللہ هذا خیر اهل الارض۔ (اثبات الوصیۃ، دوسرا کتبہ)

علم و کمالات

● ثقہ الاسلام یعنی ناقل ہیں کہ امام علی نقی علیہ السلام نے نو فلی سے فرمایا کہ پروردگار عالم کے بہت سے اسم اعظم ہیں جن میں سے ایک آصف بن برخیا کو عنایت ہوا تھا جس کے طفیل میں چشم زدن میں تخت بلیقیں کو ملک سب سے حضرت سلیمان کی خدمت میں پہنچا دیا اور ہمیں ان میں سے بہت سے اسماء عطا کیے گئے ہیں۔ لہذا ہمارے عجائب و غرائب کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا ہے۔ رب العالمین نے ایک اسم اعظم ہم سے بھی مخفی رکھا ہے کہ یہ اس کی ربوبیت کا خاصہ ہے۔

واضح رہے کہ علم کا کام انکشاف ہے۔ علم کا اقتدار سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن امام نقیؑ نے تخت بلیقیں کا حوالہ دے کر اس حقیقت کا انکشاف کر دیا ہے کہ اسم اعظم کا علم صرف انکشاف حقائق تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں ایک طرح کا اقتدار و اختیار بھی پایا جاتا ہے جس سے طی الارض کا کام بھی لیا جاسکتا ہے۔ تو اگر ایک اسم اعظم میں اتنا بڑا اقتدار مخفی ہو سکتا ہے تو بہت سے اسم اعظم کا کیا عالم ہوگا، اور آصف بن برخیا سے بہت سے گنا اقتدار کتنے عظیم اقتدار کا اشارہ ہوگا۔

● ۲۲۴ھ میں جب آپ کی عمر مبارک ۱۲-۱۳ سال کی تھی تو آپ ابوہاشم کے ساتھ سر راہ کھڑے تھے اور دوسرے ترکوں کی فوج کا گذر ہو گیا تو آپ نے ایک سپاہی سے اس کی زبان پر گفتگو شروع کر دی۔ وہ حیران ہو کر قدموں پر گر پڑا اور بتایا کہ آپ نے جس نام سے پکارا ہے اس کا معلم میرے باپ کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کوئی ولی خدا ہیں۔

● ابوہاشم ہی کی روایت ہے کہ آپ نے ایک دن ہندی زبان میں گفتگو شروع کی تو میں نے عرض کیا کہ بھلا میں اس زبان سے بالکل واقف نہیں ہوں۔ آپ نے ایک کنکری اٹھا کر اس میں لعاب دہن لگا کر میرے حوالہ کر دیا اور میں نے اسے زبان پر رکھا تو ششتر زبانوں کا ماہر ہو گیا۔

ظاہر ہے کہ جب امامت کے لعاب دہن کا یہ اثر ہے تو نبوت کے لعاب دہن کا کیا اثر ہوگا، اور جب لعاب دہن میں اس قدر تاثیر پائی جاتی ہے جو جسم کے فاضل رطوبات میں شمار ہوتا ہے تو خون میں کس قدر تاثیر ہوگی جو جسم کا اصلی جزو اور حیات کا اصلی رکن ہوتا ہے۔ اس امر کا اندازہ کرنے کے بعد ہی رسول اکرمؐ کے اس ارشاد گرامی کی توجیح کی جاسکتی ہے کہ اہلبیت کا خون میرا خون ہے اور ان کا گوشت میرا گوشت و پوست ہے۔

● شیخ طوسیؒ کتاب مصباح میں ناقل ہیں کہ اسحاق بن عبد اللہ حضرت کی خدمت میں ایک بحث کا فیصلہ کرانے کے لیے آئے تو آپ نے دیکھتے ہی فرمایا کہ چھاپے، بحث کا فیصلہ چاہتے ہو تو سنو، سال کے اہم روز سے چارہیں: (۱) ۱۷ ربیع الاول روز ولادت پیغمبر اکرمؐ (۲) ۲۷ ربیع و زبخت پیغمبر اسلامؐ (۳) ۲۵ ذی قعدہ یوم دحو الارض، جس دن فرش زمین تیار کیا گیا اور (۴) ۸ ذی الحجہ جب اسلام کامل اور نعمتیں تام ہو گئیں۔

● علامہ جامی ناقل ہیں کہ ایک چاہنے والے نے قاضی بغداد کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ اس شکایت کی کوئی ضرورت نہیں ہے دو ماہ کے بعد وہ خود ہی معزول ہو جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔ (اس لیے کہ حکومت کفر کے ساتھ چل سکتی ہے ظلم کے ساتھ نہیں چل سکتی ہے)۔ (شواہد النبوة)

● متوکل کو زہر دیا گیا تو اس نے نذر کر لی کہ اگر شفا یاب ہو گیا تو مال شیر غریبار میں تقسیم کر دوں گا۔ شفا کے بعد فقہاء اسلام سے مسئلہ دریافت کیا تو ہر شخص نے الگ الگ مقدار بتائی اور کسی کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی۔ آخر کار ایک شخص نے اجازت طلب کر کے امام علی نقیؑ سے مسئلہ دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ۸۰ درہم صدقہ دے دے۔ متوکل نے دلیل کا سوال کیا تو فرمایا کہ خدا نے اپنے رسولؐ کی کثیر مواعظ پر مدد کی ہے اور یہ مواعظ تاریخ میں ۸۰ ہیں جہاں رسول اکرمؐ نے کفار سے مقابلہ کیا ہے اور پروردگار نے ان کی مدد کی ہے۔ (مناقب)

● بادشاہ روم نے خلیفہ وقت کو خط لکھا کہ انجیل میں یہ عبارت درج ہے کہ مٹ، ج، خ، ہ، ش، ظ، و، ان سات حروف سے خالی سورہ کی تلاوت کرنے والا جنت کا حق دار ہوگا تو آپ فرمائیں کہ وہ سورت کون سی ہے؟ خلیفہ نے طہارہ اسلام سے دریافت کیا سب عاجز رہ گئے تو امامؑ کو طلب کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بات بالکل سائے کی ہے اور وہ سورہ، سورہ حمد ہے جس میں یہ حروف

نہیں ہیں اور اس کا راز یہ ہے کہ کث سے شور (ہلاکت)، ج سے جم (جنم)، ح سے خیب
 و خسران، نر سے زقوم، ش سے شقاوت، ظ سے ظلمت اور ن سے فرقت وغیرہ کی طرف اشارہ
 ملتا ہے، لہذا رب العالمین نے اس سورہ رحمت و برکت کو ان حروف سے خالی کر دیا ہے۔

واضح ہے کہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جس سورہ میں یہ حروف آجائیں وہ سورہ رحمت
 و برکت نہیں ہے اس لیے کہ یہ حروف خود سورہ رحمن اور سورہ دہر میں بھی موجود ہیں جن کی بنیاد ہی
 بیان رحمت پر ہے، بلکہ یہ ایک خاص راز ہے جس کی طرف امام نے اشارہ فرمادیا ہے، اور وہ راز
 بادشاہ روم ہی کو معلوم تھا اور اسی لیے وہ مطمئن ہو گیا اور اس نے اسلام قبول کر لیا اور تاحیات
 مسلمان رہا (دوسرا کتب)۔

ایسے ہی واقعات کو دیکھ کر علماء و اعلام نے اس علمی قانون کی طرف اشارہ کیا ہے کہ واقعات
 کلی قوانین کی نشان دہی نہیں کر سکتے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کے خصوصیات وابستہ ہوتے ہیں اور
 خصوصیات کے ہوتے ہوئے قوانین عام کا استنباط نہیں کیا جاسکتا ہے۔

● جبر و تفویض کے بارے میں عالم اسلام میں ہمیشہ دو طرح کے نظریات رہے ہیں۔ بعض افراد
 نے اپنے ظلم و ستم کی پردہ پوشی کے لیے عقیدہ جبر کی ترویج کی ہے تاکہ ان پر کوئی الزام نہ آنے پائے
 اور ہر عمل کا ذمہ دار خدا کو بنا دیا جائے۔ چنانچہ یہ عاویہ شہور کر دیا گیا کہ حکم خدا کے بغیر پتہ بھی نہیں
 ہوتا ہے تو بندہ کیا ہے گا حالانکہ اس عاویہ میں دو کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید
 نے علم خدا کا ذکر کیا ہے حکم خدا کی بات نہیں کی ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ پتہ کا شمار نباتات میں
 ہوتا ہے جس کے پاس شعور اور ارادہ کی دولت نہیں ہے۔ لہذا پتہ کا قیاس اس انسان پر نہیں کیا جاسکتا
 ہے جسے رب العالمین نے دولت ارادہ و شعور و اختیار سے نوازا ہے۔

دوسری طرف بڑی شخصیتوں کے مریدوں نے عقیدہ تفویض کی اشاعت کی کہ بندہ مکمل طور پر
 صاحب اختیار رہے اور اس کے معاملات میں خدا کا بھی کوئی دخل نہیں ہے اور گویا اس نے سارے
 اختیارات ان افراد کو تفویض کر دیے ہیں۔ امام علی نقیؑ کے دور میں بھی اس سلسلہ کا شعور اٹھا تو آپ نے
 وہی تاریخی فیصلہ کر دیا جو آپ کے بزرگ کرتے چلے گئے تھے، کہ اسلام میں نہ جبر ہے اور نہ تفویض
 بلکہ "امر بین الامرین" یعنی معاملہ دونوں کے درمیان میں ہے کہ اختیارات رب العالمین کے دیے

ہوئے ہیں اور عمل کی ذمہ داری یا بالفاظ دیگر اختیارات کے استعمال کی ذمہ داری انسانوں پر ہے۔ نہ
 انسان خدا کی اختیار سے بے نیاز ہو سکتا ہے اور نہ خدا انسان کے استعمال کا ذمہ دار قرار پاسکتا ہے۔

● ۲۳ھ میں جب کہ آپ کی عمر مبارک تقریباً بیس سال کی تھی ایک مرد اساطیلی عراق سے مدینہ
 پہنچا اور حضرت سے ملاقات کی۔ آپ نے اس کے حاکم واثق کے بارے میں دریافت کیا اس نے
 خیریت بتائی۔ پھر ابن الزیات کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ آج کل سارا نظام حکومت اس
 کے ہاتھوں میں آ گیا ہے اور عیش کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے معلومات ناقص ہیں۔ واثق
 مرچکا ہے۔ متوکل حاکم ہو گیا ہے اور ابن الزیات کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اساطیلی نے گھبرا کر پوچھا کہ یہ واقعہ
 کب رونما ہوا ہے؟ فرمایا تمہارے عراق سے نکلنے کے چھ دن بعد یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ چند دنوں
 کے بعد ان تمام واقعات کی تصدیق ہو گئی اور امام علی نقیؑ کا کمال علم منظر عام پر آ گیا۔ (نور الابصار)

کرامات

● محمد فرج کا بیان ہے کہ امام علی نقیؑ نے مجھے خط لکھا کہ اپنا سارا سامان درست کر لو اور
 اسلحوں کو سنہال لو۔ میں نے حضرت کے حکم کی تعمیل تو کر لی لیکن حیرت میں رہ گیا کہ اس حکم کا راز کیا ہے؟
 چند روز کے بعد مہر کی پولیس نے میرے اوپر حملہ کر کے مجھے گرفتار کر لیا اور میرا سارا سامان ضبط کر لیا۔
 میں آٹھ سال قید خانہ میں رہا۔ ایک دن حضرت کا خط آیا کہ خبردار! مغرب کے علاقہ میں مت جانا۔ میں
 حیران رہ گیا کہ میں تو جبل میں ہوں مشرق و مغرب سے میرا کیا تعلق ہے۔ چند روز کے بعد میری رہائی
 کا پروانہ آ گیا اور میں نے حضرت کو خط لکھا کہ اب میرے سامان کی واپسی کی دعا کر دیجیے۔ آپ نے
 فرمایا کہ مغرب واپس مل جائے گا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور میرا
 امام نے فرمایا تھا حروف بحرف ثابت ہوا۔

● علی بن الحسب کا بیان ہے کہ میں حضرت کے ساتھ چل رہا تھا، اتفاقاً میں آگے نکل گیا اور
 میں نے آپ کو بھی تیز رفتاری کی دعوت دی تو آپ نے فرمایا کہ تمہیں آگے ہی جانا ہے۔ چنانچہ ایسا
 ہی ہوا کہ چند دنوں کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

● ابو ایوب نے حضرت کو خط لکھا کہ میری زوجہ حاملہ ہے، دعا فرمائیں کہ مولود فرزند ہو۔ آپ نے

فرمایا کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا لیکن اس کا نام محمد رکھنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور اس نے پھر کا نام محمد رکھ دیا۔ اس طرح آل محمد کے مقصد حیات کی بھی وضاحت ہوگئی کہ وہ ہر قدم پر نام پیغمبر اسلام کو زبردت رکھنا چاہتے ہیں اور کسی طرح بھی اس نام کی فنا کو برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔

● یحییٰ بن زکریا نے لکھا کہ میری زوجہ بھی حاملہ ہے اس کے حق میں بھی یہی دعا فرادیں۔ فرمایا کہ بہت سی لڑکیاں لڑکوں سے بہتر ہوتی ہیں۔ اس طرح امام نے صورت مولود کی اطلاع بھی لے دی اور اس غیر اسلامی تصور کی تردید بھی کر دی کہ لڑکے کا مرتبہ بہر حال بہتر ہوتا ہے۔ ایسا ہوتا تو پروردگار عالم اپنے پیغمبر کو فرزند ہی کی نعمت سے نوازتا اور ان کی نسل کو بھی فرزند ہی کے ذریعہ آگے بڑھاتا۔ امام کا جواب بعینہ وہی جواب تھا جو پروردگار نے مادر جناب مریم کو دیا تھا اور یہ واضح کر دیا تھا کہ بسا اوقات لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا ہے اور لڑکی کا مرتبہ تمام لڑکوں سے بہتر ہوتا ہے۔

● ابو ہاشم کا بیان ہے کہ میں نے حضرت سے اپنی غربت کا تذکرہ کر کے امداد کا مطالبہ کیا تو آپ نے ایک مٹھی ریت میرے دامن میں ڈال دی اور فرمایا کہ اسے فروخت کر کے اپنا کام چلاؤ، ابو ہاشم نے بغور دیکھا تو ریت سونے کی شکل اختیار کر چکی تھی اور جو تھے علی کے ذریعہ پہلے علی کے کمال کا اظہار ہو چکا تھا۔ (مناقب)

● ابو ہاشم ہی کا بیان ہے کہ حضرت سامرہ تشریف لائے تو میں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میرا قیام بغداد میں ہے اور اس طرح میں روزانہ آپ کی زیارت نہیں کر سکتا ہوں، میرا جانور بھی ضیعت و ناتواں ہے تو آپ نے فرمایا کہ پروردگار تمہارے جانور کو طاقتور بنا دے گا۔ چنانچہ حضرت کے اس ارشاد کا یہ اثر ہوا کہ میں روزانہ نماز صبح بغداد میں، نماز ظہرین سامرہ میں، اور نماز مغربین پھر پلٹ کر بغداد میں ادا کیا کرتا تھا۔ جب کہ بغداد اور سامرہ میں سو میل سے زیادہ کا فاصلہ تھا۔

● علامہ شیخ عباس قمی تحریر فرماتے ہیں کہ بادشاہ وقت کو امام علیہ السلام کے سامنے اپنے اقتدار کی نمائش کا شوق پیدا ہوا تو اس نے میدان میں ایک ٹیلہ تیار کر کے پوری فوج کو صحرائیں جمع ہونے کا حکم لے دیا اور جب نوے ہزار مسلح سپاہی اکٹھا ہو گئے تو حضرت کو اس بلندی پر لے جا کر اپنی طاقت کا زور دکھلانا چاہا۔ آپ نے فرمایا کہ اب میرا بھی اقتدار دیکھ لے۔ یہ کہہ کر اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیا

تو صحرائیں تاحہ نظر زمین سے آسمان تک فوجیں ہی فوجیں نظر آ رہی تھیں۔ بادشاہ یہ دیکھ کر بہ ہوش ہو کر گر پڑا۔ حضرت اسے ہوش میں لے آئے اور فرمایا کہ گھبراؤ نہیں ہم اہلبیت اس خدا داد طاقت کو اپنی ذات کے لیے استعمال نہیں کرتے ہیں اور نہ کبھی اپنے ظالموں کے کسی طرح کا انتقام لیتے ہیں۔

● علامہ عبدالرحمن جامی رقم طراز ہیں کہ متوکل ایک انتہائی سخت پھوٹے میں مبتلا ہو گیا اور کوئی علاج کارگر نہ ہوا تو اس کی ماں نے نذر کر لی کہ اگر اس مرض سے نجات مل گئی تو دس ہزار دینار ابن الرضا کی خدمت میں نذر کرے گی۔ ادھر فتح بن خاقان نے کہا کہ حضور اجازت دیں تو میں حضرت علی نقیؑ سے دریافت کروں۔ متوکل نے "مرتا کیا نہ کرتا" کے عنوان سے اجازت لے دی۔ آپ نے نسخہ تجویز کر دیا اور اہل دربار میں کہہ پڑے۔ وزیر نے تجربہ کی دعوت دی اور چند دنوں میں پھوٹا بالکل ٹھیک ہو گیا۔ اہل دربار رُحما ہوئے اور متوکل کی ماں نے دس ہزار دینار کی تھیلی حضرت کے پاس بھیج دی۔ (شواہد النبوة)

● عبدالرحمن مصری حجاب اہلبیت میں نہ تھا۔ ایک مرتبہ اس نے شہر میں اپنی محبت اہلبیت کا اعلان کر دیا تو لوگوں کو حیرت ہوئی اور اس اعلان کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا کہ میں سامرہ گیا ہوا تھا وہاں یہ خبر سنی کہ متوکل نے کسی بید علوی کے قتل کا حکم دے دیا ہے اور وہ عنقریب آنے والا ہے۔ میں اشتیاق دید میں سربراہ کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک شخص لایا جا رہا ہے۔ مجھے اس کی شرافت و وجاہت کو دیکھ کر بڑا حدمہ ہوا کہ یہ شخص بلاگناہ قتل کیا جا رہا ہے کہ ایک مرتبہ قریب آ کر اس شخص نے کہا کہ عبدالرحمن گھبراؤ نہیں میں قتل نہیں ہو سکتا۔ مجھے سخت حیرت ہوئی کہ اس شخص کو میرا نام کہاں سے معلوم ہو گیا۔ چنانچہ میں ان کی امامت کا قائل ہو گیا اور انھوں نے میرے حق میں مال اور اولاد کی دعا کی اور بحمد اللہ آج میں دونوں سے مالا مال ہوں۔ (دکشف الغمہ)

● متوکل کے دربار میں ایک ہندی جادوگر آیا اور اس نے اپنے جادو سے تمام دربار کو حیرت زدہ کر دیا۔ تو متوکل نے اس کے فن کا بہترین مصروف یہ قرار دیا کہ امام علی نقیؑ کو ذلیل کیا جائے۔ چنانچہ اُس نے امام کو طلب کر لیا اور جادوگر کو اس کی خواہش کے مطابق امام کے پہلو میں بٹھا دیا۔ تھوڑی دیر میں دسترخوان لگ گیا اور کھانا شروع ہو گیا۔ جیسے ہی امام نے روٹی کو ہاتھ لگانا چاہا اس نے جادو سے روٹی کو اڑا دیا۔ آپ نے صبر و تحمل کا مظاہرہ فرمایا اور اہل دربار میں ہتھمل لگ گیا۔ دوبارہ پھر

ایسا ہی واقعہ ہوا۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ موقع دینے کے بعد آپ نے شیر قائلین کو اشارہ کیا اور اس نے مجھ ہو کر جادوگر کو ہرطرب لیا۔ دربار میں پلچل چم گئی، متوکل بدحواس ہو گیا اور حضرت سے مطالبہ کیا کہ شیر قائلین سے جادوگر کو واپس کرا دیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا موسیٰ کے عصا نے جادوگروں کو واپس کیا تھا اور یہ کہہ کر دربار سے باہر تشریف لے گئے۔ (شواہد النبوة)

● متوکل کے دور حکومت میں ایک عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ میں زینب بنت علی و فاطمہ ہوں اور دعائے رسول کی بنا پر ہر ۴۰۔۵۰ سال کے بعد جوان ہو جاتی ہوں۔ متوکل نے علماء سے اس دعویٰ کی تردید طلب کی لیکن کوئی جواب نہ دے سکا تو فتح بن خاقان نے ابن الرضا کو طلب کیا۔ امام علی نقیؑ نے فرمایا کہ اللہ نے اولاد رسول کے گوشت کو درندوں پر حرام کر دیا ہے۔ تو اسے اپنے شیر خانہ میں بھیج دے ابھی حال معلوم ہو جائے گا۔ اہل دربار نے موقع غنیمت دیکھا اور کہا کہ امیر پہلے اس معیار کا تجربہ ہو جائے تاکہ استدلال مکمل رہے۔ متوکل نے پسندیدگی کا اظہار کیا اور حضرت سے شیر خانہ میں جانے کا اتفاق کر دیا۔ آپ فوراً تیار ہو گئے اور یہ اطمینان تمام تشریف لے گئے کہ متوکل بلندی سے یہ منظر دیکھتا رہا۔ درندوں نے قدموں پر سر رکھ دیا اور آپ تادیر ان کے سر پر دست شفقت پھیرتے رہے۔ اس کے بعد باہر تشریف لے آئے تو ہر طرف آپ کے کمال کا چرچا ہو گیا اور متوکل نے قیمتی انعامات پیش کیے، زینب کذابہ کی حقیقت واضح ہو گئی اور بروایت اسے درندوں میں ڈال کر اس کی زندگی کا خاتمہ کرا دیا گیا۔ جس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ بے بنیاد دعویٰ سیادت کامیاب نہیں ہو سکتا، اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس کے کردار میں آثار سیادت و نسب شریف نہ پائے جاتے ہوں اس کی سیادت زینب کذا سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہے۔

دراصل رہے کہ امام علیہ السلام کا بیان کردہ قانون صرف براہ راست اولاد رسول کے لیے ہے جن کا مصداق حقیقی اولاد زہرا کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ اس کے بعد سب انھیں کے طفیل اور صدقہ میں اولاد رسول کہے جاتے ہیں کہ واقعی اولاد رسول کی اولاد ہیں اور ان میں اسی نسب شریف کے اثرات پائے جاتے ہیں۔

● یونس نقاش جو امام علیہ السلام کے ہمسایہ میں رہا کرتا تھا اور کینوں پر نقاشی کا کام کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ رئیس وقت نے اسے ایک نگینہ نقش کرنے کے لیے دیا جو انتہائی قیمتی تھا۔ اتفاق وقت

کہ عبادت کندہ کرتے وقت وہ نگینہ ٹوٹ گیا اور یونس امام کی خدمت میں فریاد لے کر گیا کہ اب میری خیر نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں خدا بہتر ہی کرے گا۔ یونس کو کسی حال قرار نہیں مل رہا تھا کہ اچانک سرکاری نمائندہ آیا اور اس نے یونس کو دربار میں طلبی کا پیغام سنایا، یونس نے پھر آکر فریاد کی۔ آپ نے فرمایا کہ چلے جاؤ اللہ کریم ہے۔ یونس دربار میں حاضر ہوئے تو حاکم نے کہا کہ نقش تیار ہو گیا؟ یونس نے معذرت کی کہ ابھی کام مکمل نہیں ہو سکا ہے۔ حاکم نے کہا کہ بڑا اچھا ہوا میرے دونوں بیٹوں میں اختلاف ہو گیا ہے لہذا اب نگینہ کو توڑ کر دونوں کے نام الگ الگ کندہ کر دو۔ یونس نے تعمیل حکم کا وعدہ کر لیا اور اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہ گئی کہ امام علیہ السلام نے جس اطمینان کی دعوت دی تھی اس کا راز بھی یہی تھا جو بالآخر سامنے آ گیا۔

● ۲۳۴ھ میں خلافت پانے کے بعد ہی متوکل نے قوم میں ایک نیا فتنہ شروع کر دیا اور یہ چاہا کہ امت کو ایسے مسائل میں الجھا دیا جائے کہ وہ آپس میں دست زگرمیاں رہیں اور حکومت کے مظالم کی طرف متوجہ نہ ہونے پائیں جو ہر باہر سیاست کا طریقہ کار ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اس نے سجدہ صاف میں ابو بکر بن شیبہ کو اور سجدہ منصور میں اس کے بھائی عثمان کو امام جماعت مقرر کر کے انھیں اس بات پر آمود کر دیا کہ لوگوں کے درمیان صفات اللہ، رویت خداوندی اور خلق قرآن کے عقائد کی ترویج کریں اور امت کو اس اختلاف میں الجھا دیں۔ ادھر مذہب معتزلہ کو ترک کر کے مذہب شافعی کے اختیار کرنے کا اعلان کر دیا اور دونوں فرقوں کے درمیان بحث و مباحثہ کا بازار گرم ہو گیا۔ قوم کو اس فتنہ میں الجھانے کے بعد آثار اہلبیت کے مٹانے کا کام شروع ہو گیا اور پہلے لوگوں کی زیارت قبر امام حسین سے روکا گیا، اس کے بعد آثار قبر کو مٹا دینے کا کام ایک نو مسلم یہودی کے سپرد کیا گیا۔ اس نے لاکھ کوشش کی کہ قبر مظلوم پر زراعت کی جائے لیکن کامیاب نہ ہو سکا کہ بہت سے جانوروں کو امام مظلوم کی معرفت نام نہاد انسانوں اور مسلمانوں سے کہیں زیادہ حاصل تھی۔ متوکل کے اس قسم کے مظالم کا یہ اثر ہوا کہ بہت سے طبعی حادثات بھی رونما ہوئے اور بعض تارکخوں کی بنا پر آسمان سے دس دس رطل کے پتھر تک برسے۔ یہ واقعہ ۲۳۶ھ کا ہے۔

● ادھر متوکل سامرہ شہر کی آبادی میں بھی مصروف تھا جسے اس دور کا عروس البلاد کہا جاتا تھا اور جس کی آبادی بعض روایات کی بنا پر اکیس میل تک پھیلی ہوئی تھی جہاں ایک ایک میدان میں ۹۰ ہزار

سپاہی جمع کر دیے جاتے تھے۔ تقریباً دس سال تک یہ کام جاری رہا اور اس میں آل محمد کی نمایاں شخصیتوں پر مظالم کا سلسلہ زکا رہا اور مظالم حدود و عراق تک محدود رہے۔ اس کے بعد جب اس کام سے فرصت مل گئی تو مدینہ کی طرف توجہ ہوا اور وہاں پر ظلم ڈھانے کا منصوبہ بنایا گیا۔ عبداللہ بن محمد کو حاکم بنایا اور اسے سادات پر ظلم ڈھانے کا حکم دے دیا۔ امام علی نقی نے متوکل کو حالات سے باخبر رکھنے کے لیے حاکم مدینہ کی شکایت لکھی اور اس نے موقع کو غنیمت دیکھ کر حاکم کو معزول کرنے کے بجائے حضرت کو مدینہ سے سامرہ طلب کر لیا کہ مدینہ میں آپ کو زحمت ہو رہی ہے اور حکومت کا نائنہ آپ پر ظلم کر رہا ہے۔ اس طرح متوکل کو براہ راست ظلم کرنے کا موقع بھی ہاتھ آگیا اور حضرت کو نگاہ عوام سے الگ رکھنے کا بھی بہانہ مل گیا۔

● متوکل نے حضرت کو طلب کرنے کے لیے خط بھیجنے کے بجائے تین سو افراد پر مشتمل ایک لشکر روانہ کیا جس کا انداز بظاہر یہ قرار دیا گیا کہ فرزند رسول کو اعزاز و احترام کے ساتھ بلایا جا رہا ہے لیکن واقعتاً مقصد یہ تھا کہ حضرت کو گرفتار کر کے مدینہ سے باہر نکالا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت کو سامرہ گھرانے کو چھوڑ کر روضہ رسول سے جدا ہونا پڑا۔ لیکن قدرت کا یہ انتظام کہ متوکل کو اس راہ میں بھی خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی اور یحییٰ بن ہرثمہ کے بیان کے مطابق اس لشکر میں ایک محبت اہلبیت بھی تھا جسے تمام راستہ ستایا گیا اور ایک دادی میں پوچھنے کے بعد لوگوں نے کہا کہ تمہارے مولائے فرمایا ہے کہ ایک ایک زمین سے شتر شتر مردے نکالے جائیں گے یہاں تو کوئی آبادی نہیں ہے یہاں سے کون سا مردہ اٹھایا جائے گا؟ اس نے کہا کہ میں ثابت تو نہیں کر سکتا ہوں لیکن جب میرے مولائے فرمایا ہے تو غلط بھی نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد جب مدینہ میں حضرت کو متوکل کا خط پیش کیا گیا تو آپ نے دو ایک دن کی جہلت طلب کی اور سردی اور برسات کا سامان تیار کرنے لگے جس پر لشکر والوں میں ایک کھلبلی مچ گئی کہ گرمی میں اس طرح کی تیاری کا کیا مقصد ہے۔ اور لوگوں نے پھر اس محبت اہلبیت کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ تین دن کے بعد قافلہ روانہ ہوا اور جب اسی دن ووق صحرا میں پہنچا تو رات کے وقت اچانک تیز آندھی آئی اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ لوگ سردی سے اکڑنے لگے۔ حضرت نے ساتھیوں کو برسات اور سردی کے کپڑے پہننے کا حکم دے دیا اور بقدر امکان یحییٰ کے لشکر کی بھی امداد کی لیکن صبح بچتے بچتے

انتیچ افراد لقمہ اجل بن چکے تھے۔ پھر انھیں حضرت کے حکم سے اسی صحرا میں سپرد خاک کر دیا گیا اور مولائے کائنات کے اس ارشاد کی تصدیق ہو گئی جس پر دشمنان اہلبیت ذلیل ہو گئے اور محبت اہلبیت سرخرو ہو گیا اور خود (بقولے) مسلک اہلبیت کی طرف آگیا۔

● سامرہ پہنچنے کے بعد آپ کو فقرا کے مرکز خان الصعایک میں ٹھہرا دیا گیا تاکہ لوگ آپ کی شخصیت سے باخبر نہ ہوں۔ پائیں صالح بن سعید نامی ایک شخص نے آپ سے ملاقات کے افسوس کا اظہار کیا کہ یہ جگہ آپ کے شایان شان نہیں ہے اور یہاں قیام آپ کے اوپر ایک صحیح مسلم ہے۔ آپ نے ایک اشارہ فرمایا اور صالح نے دیکھا کہ دنیا میں بہار باغ جنت نظر آ رہی ہے فرمایا کہ صالح! ہم اسی آخرت کے لیے اس دنیا کی مصیبتیں برداشت کرتے ہیں۔ یہ دیکھ کر صالح کو قدر اطمینان حاصل ہو گیا۔ (شواہد النبوة)

● کچھ دنوں کے بعد خان الصعایک سے نکال کر ایک مکان میں نظر بند کر دیا گیا جہاں بظاہر زمی کا برتاؤ ہوتا تھا لیکن واقعتاً آپ کو ایک مستقل روحانی اور ذہنی اذیت میں رکھا جاتا تھا۔ حکومت کی اسی ظاہر داری سے فائدہ اٹھا کر اہل ایمان امام کی خدمت میں حاضر دینے لگے اور آپ سے تمام مشکلات کا حل دریافت کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک دن ایک سائل دروازہ پر آیا اور آپ موجود نہیں تھے تو تلاش کرتا ہوا قریہ تک گیا۔ آپ نے دس ہزار قرضہ کی ادائیگی کے مطالبہ پر تیس ہزار کا ایک پرچہ دیا اور فرمایا کہ مجھ سے مجمع عام میں تقاضا کرنا۔ اس نے امام علیہ السلام کے حسب ہدایت عمل کیا اور قرض کے ادا کرنے کا بر شدت تقاضا کیا۔ آپ نے تین دن کی جہلت طلب کی۔ بادشاہ وقت کو اطلاع ملی تو اس نے ظاہر داری کو برقرار رکھنے کے لیے تیس ہزار ہجوادیے اور آپ نے سائل کے حوالے کر دیے۔ اس نے عرض کی کہ میرے ذمہ قرض صرف دس ہزار درہم کا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ باقی بھی تیرے کام آجائے گا۔ چنانچہ وہ پوری رقم لے کر خوش خوش چلا گیا اور یہ اعلان کیا کہ اللہ ہر ماں شاہے کا اپنا منصب کس کے حوالے کرے گا۔

(نور الابصار، صواعق محرقہ، شواہد النبوة، ارجح المطالب)

واضح رہے کہ حضرت کے رقبہ کا مقصد یہ التزام تھا کہ میں فلاں شخص کو اس قدر رقبہ ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہوں اگرچہ میرے ذمہ اس کا کوئی قرض نہیں ہے اور اس طرح سے ادائیگی ایک

قانونی ذمہ داری بن جاتی ہے جس طرح کہ خود مالک کا نجات نے تمام صاحبان ایمان و کردار سے جزا کا وعدہ کر لیا ہے کہ اب اس جزا کا اعلان اس کی حکمتی اور عدالتی ذمہ داری ہے، حالانکہ کسی بندہ کا اس کے ذمہ کوئی حق نہیں ہے اور نہ مخلوق کا خالق کے ذمہ کوئی حق ہو سکتا ہے۔

● نظر بندی کے دوران ملاقات کی چھوٹ کی بنیاد پر لوگوں نے متوکل سے شکایت کی کہ چاہئے والے ان کے گھر میں اسلئے جمع کر رہے ہیں اور وہ عنقریب تیرے خلاف قیام کرنے والے ہیں متوکل نے راتوں رات تلاشی کا حکم دے دیا۔ سپاہی گھر کے اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھا کہ آپ مصلیٰ پر بیٹھے تھے تلاوت قرآن کر رہے ہیں۔ مصلیٰ سے اٹھا کر دربار میں لے آئے اور متوکل کو خبر کی کہ ان کے گھر میں کوئی اسلحہ نہیں ہے۔ اس نے حسب عادت امام کی ضیافت بھی جام شراب سے کرنا چاہی تو آپ نے فرمایا کہ تجھے معلوم ہے کہ شراب آل محمد کے گوشت و پوست میں جذب نہیں ہوتی ہے۔ اس نے شرمیلے کا تقاضا کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں شہر بہت کم پڑھتا ہوں۔ لیکن اس نے اصرار کیا تو آپ نے بیٹھنا ہی بنا پیر یا اشعار پڑھ دیے :

(ترجمہ): "زمانے کے رؤساء و سلاطین جنہوں نے پہاڑوں کی بلندیوں پر پیروں کے اندر زندگی گزار لی تھی۔ ایک دن وہ آگیا جب اپنے بلند ترین مراکز سے نکال کر قبر کے گڑھے میں گرا دیے گئے جو ان کی بدترین منزل ہے ان کے دفن کے بعد منادی غیب کی آواز آئی کہ وہ تخت و تاج و خلعت کہاں ہے اور وہ نرم و نازک چہرے کہاں ہیں جن کے سامنے بیش قیمت پرشہ ڈالے جاتے تھے؟ تو جواب میں قبر نے زبان حال سے پکار کر کہا کہ آج ان چہروں پر کپڑے ریٹنگ لہے ہیں۔ ایک مدت تک مال دنیا کھاتے رہے اور اب کپڑے انہیں کھا رہے ہیں۔"

نتیجہ یہ ہوا کہ متوکل بیہوش ہو کر گر پڑا، اور ہوش آیا تو محفل شراب کو برخاست کر دیا اور امام کو باعزت طریقہ پر رخصت کر دیا۔ (وفیات الاعیان، نور الابصار)

● اس کے بعد بھی مظالم کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ دوبارہ پھر تلاشی کا حکم دیا گیا اور حیدر شاہ کا بیان ہے کہ میں پشت بام کی طرف سے گھر میں وارد ہوا۔ گھر میں تاریکی کا ماحول تھا اور امام علیؑ نے تلاوت قرآن

میں مصروف تھے۔ ایک مرتبہ آپ کو میٹھی سے اترنے کی آہٹ محسوس ہوئی تو فرمایا کہ ٹھہرو میں روشنی لے کر آ رہا ہوں۔ میں بے حد شرمندہ ہوا۔ لیکن جب حسب الحکم گھر میں تلاشی لی تو وہاں ایک تلوار اور دو کل کی ماں کی بھیجی ہوئی ایک تھیلی کے علاوہ کچھ نہ ملا۔ میں نے یہ سامان متوکل کے سامنے پیش کر دیا۔ اس نے سامان واپس کر دیا اور اپنی جگہ بے حد شرمندہ ہوا۔ لیکن اس کے بعد بھی اذیت سے باز نہ آیا اور خاندان قید کرنے کے بجائے زندان کے حوالہ کر دیا۔ پچھلے زرافہ کی قید میں رکھا، اس کے بعد زرافہ کی حوالے کر دیا اور اس طرح ملاقاتوں کا سلسلہ کبھی موقوف ہو گیا۔

● متوکل ظلم و ستم کے شوق یا اس کی عادت کی بنا پر مسلسل مامل اذیت و آزار رہا اور امام علیہ السلام پر عرصہ حیات تنگ کرتا رہا، حالانکہ اس کے سیاسی حالات بھی قابل اطمینان نہیں تھے اور پورے ملک میں ظلم کے خلاف احتجاج کی لہر دوڑ رہی تھی، گھر میں بیٹا اور غلام دونوں مخالف ہو گئے تھے اور باہر بھی ایک ہنگامہ کی صورت تھی لیکن امام علیؑ نے کبھی موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی اور حد یہ ہے کہ متوکل کے بعد حالات اس قدر خراب ہو گئے کہ اس کے بیٹے تقریباً خلافت سے محروم کر دیے گئے کہ مستعین کے دور میں یحییٰ بن عمر بن حسین بن زید علوی نے کو فرس خرد کیس کیا، حسن داعی الحق نے طبرستان پر قبضہ کر لیا۔ دارالسلطنت میں ترکی غلاموں نے بغاوت کر دی۔ مستعین کو سامرہ چھوڑ کر بغداد چلنا پڑا، اور وہاں قلعہ بند ہونا پڑا اور آخر میں مستر ہاشم کے ہاتھوں قتل ہونا پڑا اور پھر مستر کو خود اپنے بھائیوں کی طرف سے بغاوت کا خطرہ محسوس کر کے موید کو قتل کرانا پڑا اور موثق کو بصرہ میں قید کرنا پڑا، اور حکومت میں ایک عجیب و غریب صورت حال پیدا ہو گئی کہ کوئی بھی ہوس اقتدار رکھنے والا باآسانی اس موقع سے فائدہ اٹھا کر چند روز کے لیے تخت حکومت پر قبضہ کر سکتا تھا لیکن امام علیؑ نے یہی دورانیہ اور ان کی روش کی اسلامیت نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ کسی موقع پرستی سے کام لیں اور بہت ہی لگائیں ہاتھ دھونے کا ارادہ نہ کریں۔ حد یہ ہے کہ آپ نے کسی بغاوت میں بھی حصہ نہیں لیا اور اپنے کو ہر جنگی حالت سے الگ رکھ کر حالات کا جائزہ لیتے رہے تاکہ حفاظت اسلام اور نشر احکام کا کوئی موقع فریاد نہ ہونے پائے، اور اس طرح اپنے جد بزرگوار کے دین کی خدمت کرتے رہے اور حکومت کی ظالمانہ روش پر مسلسل نگاہ رکھے رہے۔

● متوکل اپنی فطری شرارت کی بنا پر روزانہ مظالم کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ چنانچہ جب

کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی تو ۲۴ ستمبر میں دوبارہ قبر امام حسین کے انہدام کا ارادہ کر لیا اور پہلے زیارت پر پابندی عائد کی، پھر کارائین کے ہاتھ کاٹنے اور آخر میں قتل کر دینے کا حکم دے دیا۔ یہاں تک کہ یہ خبر عام ہو گئی تو عشق حسین کے دو دیوانے دو علاقوں سے قربانی دینے کے لیے نکل پڑے۔ پھر سے زید مجنوں چلے اور کوفہ سے بیلول دانا۔ پہلے دو فون نے مشترکہ پروگرام بنایا اور اس کے بعد روانہ ہو گئے، کربلا کے قریب پہنچے تو یہ منظر دیکھا کہ نہر علقہ کا رخ قبر امام حسین کی طرف موڑ دیا گیا ہے اور قبر اطہر کو بے نشان بنایا جا رہا ہے۔ لیکن منصوبہ کامیاب نہیں ہو رہا ہے اور بانی قریب جا کر ٹک جاتا ہے۔ دو فون حضرات تیزی سے آگے بڑھے۔ سرکاری نمائندہ نے سوال کیا کہ تم لوگ کون ہو، اور کیوں آئے ہو؟ انھوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ ہم فرزند رسول کی قبر کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ اس نے کہا کیا تمہیں اس کی سزا نہیں معلوم ہے؟ فرمایا کہ معلوم ہے اور اس کا عزم لے کر آئے ہیں۔ وہ حیران ہو کر قدموں پر گر پڑا اور اپنے ارادہ سے باز آ کر متوکل کے پاس گیا۔ متوکل نے سبب آمد دریافت کیا تو اسے صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس نے اس شخص کو قتل کر کے لاش کو سولی پر لٹکادیا اور پھر بازاروں میں رسی باندھ کر کھنچوایا تاکہ قوم میں عبرت حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ جناب زید کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو فوراً سامرہ پہنچے اور اس نگران کی لاش کو دفن کر کے اس کے سرھانے قرآن مجید کی تلاوت کی کہ اس نے زائرین قبر حسین کا احترام کیا تھا اور اس راہ میں اپنی جان بے دی تھی۔

چند دن گزرے تھے کہ زید نے ایک جنازہ کی خبر سنی اور باہر نکل کر دیکھا تو قیامت کا مجمع تھا۔ زید کا خیال ہوا کہ شاید متوکل دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔ لیکن دریافت حال پر معلوم ہوا کہ اس کی کینز کا انتقال ہو گیا ہے اور یہ اس کی کینز کا احترام ہے۔ زید نے اک آہ سرد کھینچی اور فرمایا کہ اللہ! متوکل کی کینز کے جنازہ کا یہ احترام ہے اور فرزند رسول کا جنازہ تین دن تک بے گور و کفن پڑا رہا اور اب اس کی قبر تک بے نشان بنائی جا رہی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس کے بعد چند اشعار لکھ کر متوکل کے پاس بھیجے۔ اس نے انھیں قید کر لیا لیکن رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی مرد مومن اسے قتل کی دھمکی دے رہا ہے۔ تو گھبرا کر زید کو آزاد کر دیا اور وہ اپنی خدمت دین کی ہم میں مصروف ہو گئے۔

• متوکل اپنے مظالم کی بنا پر اس قدر جبری ہو گیا تھا کہ نہ زبان پر قابو رہ گیا تھا اور نہ اعضا و جوارح پر۔ چنانچہ ایک دن اپنے بیٹے مسنر کے سامنے مدریقہ طاہرہ جناب فاطمہ زہرا کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کر دیئے تو اس نے فقہار سے ایسے شخص کے بارے میں فتویٰ دریافت کیا۔ ان لوگوں نے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دے دیا تو اس نے رات کو موقع پا کر خلوت میں اس کا خاتمہ کر دیا۔ اور وہ اپنے گناہوں کا بوجھ لے منتقم حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔ یہ واقعہ ۲۴ ستمبر کا ہے۔

شہادت

وطن چھوڑنے کے بعد امام علی نقی کا قیام تقریباً ۱۱ سال تک سامرہ میں رہا اور اس درمیان مختلف قسم کی اذیتیں برداشت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ۲۵ ستمبر میں متوکل کا بیٹا مستر باللہ خلیفہ ہوا اور اپنے باپ کے مظالم کی کسر کو پورا کرنے کے لیے ۳ رجب ۲۵ ستمبر میں حضرت کو زہر دغا سے شہید کر دیا۔

آپ کے زہر دغا سے شہید ہونے کا تذکرہ، تذکرہ خواص الامم، نور الابصار، صواعق محرقة وغیرہ میں مرمت کے ساتھ موجود ہے۔

انتقال سے قبل تمام انبیاء کی میراث آپ نے اپنے فرزند امام حسن عسکری کے حوالے کر دی، اور پھر انھیں حضرت نے تجہیز و تکفین کا انتظام کیا بلکہ باپ کے غم میں گریبان بھی چاک کیا جس پر کسی نے اعتراض کیا تو فرمایا یہ سنت انبیاء ہے۔ جناب موسیٰ نے جناب ہارون کے غم میں گریبان چاک کیا تھا۔ غالباً اس طریقہ کار کا مقصد یہ تھا کہ لوگ حکومت کے مظالم کی طرف متوجہ ہو جائیں اور نئی صورت حال دیکھ کر اس طرح کے اقدام کا سبب دریافت کریں اور امام کو اس سبب کے بیان کرنے کا موقع مل جائے جو ہر دور میں مسلمان ایمان اور عجبان اہلسنت کے درمیان مراسم عزاداری کا فلسفہ رہا ہے اور اس کے ذریعہ مظالم بنی امیہ کی تشہیر ہوتی رہی ہے۔

واضح رہے کہ امام حسن عسکری نے یہ تمام امور غائبانہ طور پر انجام دیئے تھے درنظام ہر وقت آخر آپ کے پاس کوئی نہ تھا اور آپ نے نہایت ہی عزت اور کسپر سی کے عالم میں جان جہان آفریں کے

حوالہ کی ہے۔

ازواج و اولاد

آپ کی مختلف ازواج سے پانچ اولاد کی نشان دہی کی گئی ہے:

۱۔ امام حسن عسکریؑ۔ جو آپ کے بعد دین حق کے ذمہ دار اور رسول اکرمؐ کے گیارہویں

وارث تھے۔

۲۔ سید محمد۔ جن کا ردض عراق میں بغداد اور سامرا کے درمیان بلدیں واقع ہے اور

مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ ان کے بارے میں بعض لوگوں کو امامت کا بھی خیال تھا

۳۔ جعفر۔ جنہوں نے امام عسکریؑ کے بعد امامت کا دعویٰ کیا اور ان کی نماز جنازہ پڑھانا

چاہی جس پر امام زمانہؑ نے ان کا دامن کھینچ کر پیچھے ہٹا دیا اور عام طور سے انہیں جعفر کذاب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اگرچہ بعض علمی حلقوں میں جعفر تو آب کہا جاتا ہے۔ ان کی ایک دختر برہسہ کی شادی موسیٰ برقع کے فرزند محمد سے ہوئی تھی۔

۴۔ حسین۔ نہایت ہی مابذ و زابد قسم کے انسان تھے اور امام حسن عسکریؑ کی امامت کے

معترف تھے۔ ان کی قبر ان کے والد گرامی کے پہلو میں ہے۔

۵۔ علیہ۔ جو آپ کی اکلوتی بیٹی تھیں۔

نقش انگشتر

آپ کی ایک انگشتر کا نقش تھا، "اللہ ربی وھو عصمتی من خلقہ" اور دوسری انگشتری

کا نقش تھا، "حفظ العبود من اخلاق المعبود"

اصحاب

۱۔ حسین بن سعید بن حماد بن سعید بن مہران الایہوازی

ان کی اصل کو ذمہ سے ہے لیکن بعد میں ایہواز منتقل ہو گئے تھے۔ امام رضاؑ، امام جوآء اور امام ہادیؑ

کے اصحاب میں شمار ہوتے ہیں۔ قم میں انتقال کیا۔ تیس کتابوں کے مصنف تھے اور ان کے بھائی حسن پنجم کتابوں کے مصنف تھے اور ان تیس کی تصنیف میں بھی ان کا ہاتھ تھا۔ حسین بن سعید کی کتابوں کا امتیاز یہ ہے کہ انہیں دیگر افراد کی کتابوں کے لیے بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی کتاب میں کتب حسین بن سعید ہیں۔ انہوں نے علی بن ہزیر، اسحاق بن ابراہیم حنفی اور علی بن ربیعان کو امام رضاؑ کی خدمت میں پیش کیا تھا اور ان تینوں کی ہدایت کا سبب بنے تھے۔

۲۔ خیران خادم امام رضاؑ

انہیں بھی تین اماموں کی خدمت کا شرف حاصل تھا اور اصحاب اسرار میں سے تھے۔ انہیں امام ہادیؑ نے اپنا وکیل بھی قرار دیا تھا اور فرمایا تھا کہ معاملات میں اپنی فکر سے کام لیا کرو، تمہاری رائے میری رائے ہے اور تمہاری اطاعت میری اطاعت ہے۔

۳۔ ابو ہاشم جعفری داؤد بن القاسم بن اسحاق

بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالبؑ

امام رضاؑ سے امام زمانہؑ تک سب کی خدمت میں حاضر رہے اور امام زمانہؑ کے وکیل بھی رہے۔

انتہائی صاحب درع و زہد و تقویٰ بزرگ تھے۔ ۳۱۰ھ میں انتقال فرمایا اور بغداد میں دفن ہوئے۔

۴۔ عبد العظیم بن عبداللہ بن علی بن الحسن بن زید

بن الحسن بن علی بن ابی طالبؑ

اکابر محدثین، اعظم علماء و عباد و زہاد میں شمار ہوتے ہیں۔ امام جوآء اور امام ہادیؑ کے اصحاب

میں تھے متعدد روایات کے راوی ہیں۔ ان کے امتیازات میں یہ ہے کہ انہوں نے امام علی نقیؑ کی خدمت

میں حاضر ہو کر اپنے مکمل عقائد پیش کیے تھے۔ توحید خدا، عدم تجسیم، خالقیت و مالکیت کل کائنات، ختم نبوت

پیغمبر اسلام۔ شریعت دائمی حضرت خاتم المرسلین۔ امامت ائمہ طاہرین حضرت علیؑ و حسنؑ و حسینؑ و علی بن

الحسین و محمد بن علیؑ و جعفر بن محمد و موسیٰ بن جعفر و علی بن موسیٰ و محمد بن علیؑ و علی بن محمد۔ یہاں تک

آنے کے بعد عبد العظیمؑ کا موش ہونے کو آپ نے فرمایا کہ میرے بعد میرا فرزند حسن عسکریؑ اور ان کے

بعد ان کا فرزند جعت آخر، جس کا نام قبل ظہور نہیں لیا جاسکتا۔ وہ صاحب غیبت ہوگا اور آخر میں ظہور

کر کے دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔

اس کے بعد حضرت عبدالغنیؓ نے معراج، سوال قبر، جنت، جہنم، صراط، میزان، قیامت کے ریحی ہونے کا ذکر کیا اور پھر عقائد کے بعد اعمال میں نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض ہونے کا ذکر کیا۔ تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک یہ وہ دین ہے جسے خدا نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا ہے۔

۵۔ علی بن جعفر ہیمیناوی

بغداد کے اطراف کے رہنے والے تھے اور امام ہادیؑ کے وکیل تھے۔ متوکل کو معلوم ہوا تو قید خانہ میں ڈال دیا اور قتل کا حکم دے دیا۔ انھوں نے امام سے دعا کی درخواست کی اور حضرت نے دعا کی تو متوکل اچانک بیمار ہو گیا اور بطور کفارہ سارے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ یہ حکم امام کو پہلے گئے اور وہیں ساکن ہو گئے۔

۶۔ ابن السکیت بن یعقوب بن اسحاق ابوہامزی

امام جو اژدہ اور امام ہادیؑ کے مخصوص اصحاب میں تھے اور علوم ادبیہ میں بے پناہ مہارت کے مالک تھے۔ یہاں تک کہ متوکل نے اپنے فرزندوں کا معلم بنا دیا تھا۔ ایک دن ظالم نے سوال کر لیا کہ میرے فرزند افضل ہیں یا حسن و حسین؟ تو ابن السکیت نے جواب میں پہلے حسین کے فضائل بیان کیے اس کے بعد فرمایا کہ ان کا غلام قبر بھی تجھ سے اور تیرے فرزندوں سے بہتر ہے۔ جس پر اس نے گڈی سے زبان کھنچوالی اور اتنا مارا کہ شہید ہو گئے۔ عام طور سے خاموش رہنے کی بنا پر انھیں ابن السکیت کہا جاتا تھا۔

کلمات حکمت

- "جو شخص خود اپنی ذات سے خوش رہے گا اس سے ناراض ہونے والے زیادہ رہیں گے"
- (انسان کو ہمیشہ اپنے اعمال کا ماسرہ کرتے رہنا چاہیے اور کسی وقت اپنے اعمال کا غرور نہیں پیدا ہونا چاہیے کہ خود پسندی کسی وقت بھی انسان کو تباہ و برباد کر سکتی ہے۔)
- "صبر کرنے والے کی مصیبت اکہری ہوتی ہے اور فریاد کرنے والے کی دُہری"

(صبر کرنے والا صبر کرتا ہے تو مصیبت کے بعد ابرپا جاتا ہے اور صرف مصیبت ہی کا اثر رہ جاتا ہے اور فریاد کرنے والا ابر سے بھی محروم ہو جاتا ہے اور دنیا و آخرت دونوں جگہ کی مصیبت سے دوچار ہوتا ہے۔)

• "یہ ہودہ مذاق احمقوں کی تفریح ہے اور جاہلوں کا ہنس"

(صاحبان علم و عقل اس قسم کی باتوں سے ہمیشہ پرہیز کرتے ہیں جن سے وقار و احترام نفس میں فرق آجاتا ہے۔)

• "بیداری نیند کو لذیذ تر بنا دیتی ہے اور بھوک سے کھانے کا مزہ بڑھ جاتا ہے"

(یعنی انسان اچھی نیند اور خوش ذائقہ طعام پسند کرتا ہے تو پہلے بیدار رہے اس کے بعد سوئے اور جب بھوک لگ جائے تب کھانا کھائے۔)

• اس وقت آخر کو یاد کر جب گھر والوں کے درمیان رہو گے لیکن نہ کوئی طیب کام آئے گا

ذ صیب "

(کاش انسان زندگانی دنیا کے اس انجام کی طرف متوجہ ہو جائے تو اس کے کردار میں عظیم انقلاب پیدا ہو سکتا ہے۔ اہل دنیا جیتے جی کام نہیں آتے ہیں تو مرنے کے بعد کیا کام آئیں گے۔)

نقش
حیات امام حسن عسکریؑ

ولادت: ۱۰ ربیع الثانی ۲۳۲ھ

شہادت: ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ

نقش زندگانی امام حسن عسکری علیہ السلام

ماہ ربیع الثانی ۲۳۲ھ کی دسویں تاریخ تھی جب سلسلہ امامت کا گیارہواں وارث پیغمبر اس دار دنیا میں تشریف فرما ہوا اور مدینہ کی سرزمین نور جمال امامت سے منور ہو گئی۔

● اسم گرامی حسن قرار پایا اور القاب زکی، عسکری اور ابن الرضا قرار پائے۔ کینت ابو محمد تھی اور مادر گرامی کا نام حُرثیہ یا سلیل تھا جن کے بارے میں امام علی نقیؑ نے فرمایا کہ وہ جملہ عیوب و نقائص مبرا اور پاک پاکیزہ خاتون ہیں۔ آپ کے وقت ولادت امام علی نقیؑ کی عمر شریف تقریباً سو سال چند ماہ کی تھی۔

● لقب عسکری کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ کے حملہ کا نام عسکر تھا جہاں سامرہ میں آپ کا قیام تھا۔ اور شاید اسے عسکر اس بنا پر کہا جاتا تھا کہ وہاں بادشاہ وقت نے فوجی چھاؤنی بنا رکھی تھی یا اس مقام پر متوکل نے اپنی فوجوں کی نائش کی تھی جس کے ذریعہ امام علی نقیؑ کو مرعوب کرنا چاہا تھا لیکن جب آپ نے آسانی فوجوں کا مشاہدہ کر لیا تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔

● انگلشتر مبارک کا نقش "سبحان من له مقالید السموات والارض" یا بقولے "انا لله شهید" تھا۔

● بادشاہ وقت واثق باللہ تھا۔ اس کے بعد ۲۳۳ھ تک متوکل کی حکومت رہی۔ ۲۳۴ھ میں مستنصر بن متوکل حاکم ہوا، ۲۳۵ھ میں مستنصر کی حکومت قائم ہوئی، ۲۳۶ھ میں مستنصر باللہ تخت نشین ہوا اور اسی نے امام علی نقیؑ کو زہر دغا سے شہید کر دیا۔ پھر ۲۳۷ھ میں ہندی اور ۲۳۸ھ میں متوکل علی اللہ کی خلافت قائم ہوئی اور اسی ظالم نے امام حسن عسکریؑ کو شہید کر لیا۔

● عمر مبارک چار سال کی تھی جب ۲۳۳ھ میں امام علی نقیؑ کو مدینہ سے سامرہ طلب کیا گیا، اور پندرہ روزہ کے ہمراہ سامرہ آگئے۔ مدینہ سے رخصت ہونے سے پہلے امام علی نقیؑ نے بزرگان مدینہ کو

جمع کیا اور اس بات کا اعلان کیا کہ میرا وارث میرا یہ فرزند حسن ہے اور اس پر متعدد افراد کو گواہ بھی قرار دے دیا۔

● سامرہ آنے کے بعد ایک روز آپ سر راہ کھڑے تھے اور بچے کھیل رہے تھے کہ ادھر سے بہلول دانا کا گزرا ہو گیا۔ بہلول نے آپ کی تنہائی اور اُداسی کو دیکھ کر عرض کی کہ فرزند اگر آپ کے پاس کھیل کا سامان نہیں ہے تو میں ابھی لائے دیتا ہوں، آپ مایوس نہ ہوں۔ آپ نے فوراً آیت قرآنی کی تلاوت کی کہ ہم کھیل کود کے لیے نہیں پیدا ہوئے ہیں۔ رب العالمین نے ہمیں ایک عظیم مقصد عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور ہمیں پلٹ کر اسی کی بارگاہ میں جانا ہے اور اپنی زندگی کا حساب دینا ہے۔

● حکام وقت کا رتاؤ آپ کے ساتھ اسی طرح رہا جس طرح آپ کے بزرگوں کے ساتھ تھا۔ متوکل تو عداوت آل محمد میں خاص شہرت رکھتا تھا اور اس کے مظالم یزید بن معاویہ سے کسی طرح کم نہ تھے، مستنصر بھی اسی کے نقش قدم پر چلتا رہا۔ مستنصر نے متوکل ہی کو قید کر دیا تو امام علیہ السلام کے بارے میں کس شریعتاً بڑاؤ کی توقع کی جاسکتی تھی۔ ہندی نے صالح بن وصیف کی حیل میں رکھا اور اسے ہدایت کر دی کہ سنت ترین سلوک کیا جائے چنانچہ اس نے علی بن یارمیش اور ایک اور شخص کو اس بات پر مامور کر دیا کہ آپ کو انتہائی تکلیف دی جائے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دونوں شخص اعلیٰ درجہ کے مومن اور متقی ہو گئے، لہذا انہیں طلب کر کے سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا قیدی دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نماز پڑھتا رہتا ہے ایسی حالت میں ہمارے پاس اس کو تکلیف دینے کا کوئی جواز نہیں ہے اور یہ بہترین موقع ہے کہ اس سے درس بندگی حاصل کیا جائے۔ بنی عباس نے صالح کا یہ بیان سنا تو مایوس ہو کر چلے گئے۔

● مستنصر کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے ایک انتہائی سرکش گھوڑا خریدا جو کسی طرح سواری قبول نہ کرتا تھا۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ اس پر حسن عسکری کو سوار کروان کا بھی کام بتام ہو جائے گا۔ مستنصر نے اس رائے کو پسند کیا اور حضرت کو طلب کر لیا۔ آپ گھوڑے کے قریب گئے تو اس نے سر جھکا لیا اور آپ سوار ہو گئے، گھوڑی دیر تک دوڑاتے رہے اور پھر اتر آئے،

اور فرمایا کہ اب مزید کوئی کام تو نہیں ہے۔ مستعین نے شرمندہ ہو کر وہ گھوڑا آپ کے حوالے کر دیا اس لیے کہ کوئی دوسرا اس پر سوار نہ ہو سکتا تھا اور اقتدار امامت کا اظہار حکومت کے لیے ایک مستقل خطہ بنا ہوا تھا۔

● آپ کے ایک صحابی احمد بن محمد نے ہمدی کے مظالم کی فریاد کی تو فرمایا کہ صبر کرو، پانچ دن کا معاملہ اور ہے۔ چنانچہ پانچ دن کے بعد ہمدی واصل ہونے لگا۔

● آپ کا عقد جناب زین سے ہوا جو قیصر روم کی پوتی اور جناب شمعون وصی حضرت عیسیٰ کی نواسی ہوتی تھیں اور انتہائی پاکباز اور مقدس خاتون تھیں، جنھیں رب العالمین نے آخری نبوت پر بھیج دی تھیں۔

علوم و کمالات

● ملا جامی رقم طراز ہیں کہ ایک شخص نے اپنے والد کے ساتھ امام حسن عسکری سے ملاقات کا قصد کیا اور ارادہ یہ تھا کہ حضرت سے ۸۰۰ درہم قرض کا مطالبہ کریں گے۔ اتفاق سے حضرت کا اس طرف سے گزر ہو گیا لیکن یہ دونوں آپ سے باخبر نہیں تھے۔ آپ خود ان کے قریب گئے اور انھیں ۸۰۰ درہم دے دیے جس پر ان دونوں کو سخت حیرت ہوئی کہ یہ دلوں کے حالات سے کس طرح باخبر ہو گئے۔

● قید خانہ میں رہنے والے ایک قیدی نے آپ سے رہائی کی دعا کی درخواست کی اور غربت کا تذکرہ کرنے میں شرم محسوس کی تو آپ نے رہائی کے حق میں دعا فرمائی اور فرمایا کہ جس بات کا تم نے ذکر نہیں کیا ہے، اس سلسلہ میں میں غنقریب سو دینار بھیج دوں گا۔

● ایک شخص نے آپ کو خط لکھا اور اس میں شکوہ کے معنی دریافت کیے اور اپنی حاملہ عورت کے سلسلہ میں فرزند زینہ کی ولادت کی درخواست کی تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ شکوہ سے مراد قلب مرسل اعظم ہے اور خدا تجھے اولاد کے بارے میں صبر دے اور نعم البدل عطا کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ لڑکا مرنے پیدا ہوا اور خدا نے اس کے بعد دوسرا فرزند عطا فرمایا۔

● حسن بن ظریف نامی شخص نے ظہور امام عصر کا وقت دریافت کیا تو فرمایا اس کا تعلق مسلحانہ

سے ہے اور تم نے بخار کے بارے میں سوال نہیں کیا تو اس کا علاج یہ ہے کہ یہاں نامش کوئی ببرد آؤ سلا مآ لکھ کر گلے میں لٹکا دو بخار زائل ہو جائے گا۔

● واضح رہے کہ تفسیر عسکری براہ راست امام حسن عسکری سے متعلق نہ بھی ہو تو بھی اس کتاب سے اس امر کا ثبوت بہر حال مل جاتا ہے کہ امام علیہ السلام نے تفسیر کے بارے میں اس قدر تشریحات بیان فرمائی ہیں کہ ان کے مجموعہ سے ایک کتاب تفسیر تیار ہو سکتی ہے اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے۔ سرکارِ دو عالم نے قرآن کے ساتھ اہلبیت طاہرین کو اسی لیے چھوڑا تھا کہ وہ قرآن کے معانی و مطالب اور حقائق و معارف کی تشریح و تفسیر کریں گے ورنہ اصل قرآن کے الفاظ تو امت اسلامیہ کے پاس کل بھی محفوظ تھے اور آج بھی محفوظ ہیں لیکن اس کے باوجود اسی قرآن سے ۳ فرقتے پیدا کر لیے گئے ہیں اور آج تک تفرقہ پر دازی کا سلسلہ جاری ہے اور ہر ایک کا دعویٰ یہی ہے کہ اس کا مسلک و مذہب اسی قرآن مجید سے ہم آہنگ ہے اور باقی سارے مذاہب قرآن حکیم سے انحراف کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ہیں۔

● امام حسن عسکری کو دیگر ائمہ طاہرین کی طرح یہ تائید الہی بھی حاصل تھی کہ آپ کھتے لکھتے قلم کو رکھ دیتے تھے تو حکم الہی قلم خود بخود حرکت کرتا تھا اور عبارت مکمل ہو جاتی تھی اور یہ بھی کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے، اس لیے کہ ائمہ طاہرین سوائے مشیت الہی کے اور کوئی قصد و ارادہ نہیں رکھتے تھے تو پروردگار نے بھی انھیں محل مشیت الہی قرار دے دیا تھا۔ ایسی صورت میں وہ وہی لکھتے تھے جو خدا چاہتا تھا اور جب کام خدا کی مشیت کے مطابق ہی ہونا تھا تو قدرت کے لیے دونوں امکانات تھے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ امام ہی کے دست مبارک کو ذریعہ قرار دے اور یہ بھی ممکن تھا کہ امام کی نیت خالص پر اعتماد کر کے دیگر وسائل غیبی سے اس کے مقصد کی تکمیل کر دے کہ بالآخر ان کا مقصد بھی وہی ہے جو مقصد پروردگار ہے۔

● امام حسن عسکری کے علم بالقرآن کے بارے میں یہی ایک واقعہ کافی ہے کہ جب اس دور کے سر پھرے فلسفی اسحاق کنندی نے تناقضات القرآن لکھنا شروع کی اور آیات کو یکجا کر کے یہ بات کرنا شروع کیا کہ قرآن مجید کے بیانات میں تضاد پایا جاتا ہے اور وہ ایک مقام پر ایک بیان دیتا ہے اور دوسرے مقام پر اس کے بالکل برعکس بولتا ہے جب کہ یہ بات شان تنزیل کے بالکل

خلافت ہے تو امام حسن عسکری نے اسحاق کے ایک شاگرد سے فرمایا کہ تم اپنے استاد کو ایسی حرکت سے منع کیوں نہیں کرتے ہو۔ اس نے معذرت ظاہر کی تو آپ نے فرمایا کہ اچھا اس سے کم سے کم اتنا سوال تو کرو کہ یہ تضاد اور تناقض تمہارے کبھے ہوئے معانی میں ہے یا مراد الہی میں ہے۔ اگر مراد الہی میں ہے تو مراد الہی کے سمجھنے کا ذریعہ کیا تھا اور اگر تمہاری سمجھ میں ہے تو صاحب کلام کسی کی سمجھ کا ذمہ دار نہیں ہوتا ہے۔

شاگرد نے ایک دن موقع پا کر اسحاق سے یہ سوال کر دیا اور وہ بہوت ہو کر رہ گیا۔ اس نے صرف یہ سوال کیا کہ یہ بات تمہیں کس نے بتائی ہے؟۔ اس نے کہا کہ یہ میرے ذہن کی پیداوار ہے۔ اسحاق نے کہا کہ جو بات تمہارے استاد کے ذہن میں نہیں آئی ہے وہ تمہارے ذہن میں کہاں سے آگئی ہے؟ صحیح صحیح مدد کا پتہ بتاؤ۔ اس نے کہا کہ مجھے یہ بات حضرت حسن عسکری نے بتائی ہے۔ اسحاق نے کہا کہ "الآن جئت بہ" اب تم نے صحیح بات بیان کی ہے۔ اس قسم کی گفتگو اس گھرانے کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا ہے اور یہ کہہ کر اپنے سارے نوشتہ کو نذر آتش کر دیا۔ (مناقب ابن شہر آشوب، بحار الانوار)

اس واقعہ سے اس حقیقت کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید کے بیانات کے واقعی اتحاد و اتفاق کا سمجھنا اس امر پر موقوف ہے کہ انسان واقعی مراد الہی سے باخبر ہو ورنہ اس کے بغیر تضاد و تناقض کا احساس بھی کوئی عجیب و غریب بات نہیں ہے اور اکثر مفسرین اسی مشکل میں گرفتار رہتے ہیں اور قرآن مجید کی آیتوں میں اتحاد و اتفاق ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ ان کا ادراک ظاہری معانی سے آگے نہیں ہوتا ہے اور ظاہری معانی کے اعتبار سے بعض اوقات تناقض اور تضاد کا احساس بہر حال ہونے لگتا ہے۔

رسول اکرم نے اتنی بڑی امت اسلامیہ اور اتنی کثیر صوابہ کرام کی جماعت کے باوجود حضرت و ابلیس سے تمکک کا حکم ہی لیے دیا تھا کہ امت کے پاس تعلیم و تعلم کا علم ہے اور اس کا مسلم استاد اور مدرسہ کامرہوں منت ہے اور استاد و مدرسہ کا علم بہر حال ظاہری معانی تک ہی محدود رہتا ہے۔ ابلیس طاہرین وہ افراد ہیں جنہیں پروردگار عالم نے الہام و القا کے ذریعہ حقائق و معانی سے آگاہ کیا ہے اور وہ مراد الہی سے باخبر ہیں لہذا ان کے بیان کردہ معانی میں تضاد اور اختلاف

کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اسحاق کندی مر گیا لیکن اس کے بعد بھی ہر دور میں کندی پیدا ہوتے رہے ہیں اور پیدا ہوتے رہیں گے اور جب تک دنیا میں کندیوں کی پیداوار کا سلسلہ جاری رہے گا امت اسلامیہ ابلیس طاہرین کی تفسیر و تشریح سے بے نیاز نہیں ہو سکتی ہے اور ابلیس طاہرین کی ضرورت کا احساس بہر حال باقی رہے گا۔

کرامات

جعفر بن شریف جرجانی کا بیان ہے کہ میں حج بیت اللہ کے بعد حضرت کی خدمت میں سامرہ میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کی کہ اہل جرجان آپ کی زیارت کے شائق ہیں کبھی ان چاہنے والوں کو بھی اپنی زیارت سے مشرف فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ تم ۱۰ دن کے بعد بروز جمعہ ۱۰ صریح اثنائی کو وطن پہنچو گے اور اسی دن میں بھی پہنچو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جعفر کے اعلان کے تھوڑی دیر بعد بلا وہم و گمان حضرت کا نزول اجلال ہو گیا اور امامت کی معرفت اور کرامت دونوں کا ایک وقت اظہار ہو گیا۔ بلکہ ایک شخص تشریح جابر نے اپنے نابینا فرزند کی بینائی کے واسطے میں دعا کی درخواست کی تو آپ نے آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر اسے بینا بنا دیا اور پھر اسی روز واپس بھی تشریف لے گئے۔ (کشف الغم)

● ایک شخص نے آپ کو بغیر روشنائی کے خط لکھا تو آپ نے بھی اسی انداز سے خط کا جواب لکھ دیا اور کھٹے دانے کا نام اور ولدیت کا بھی تذکرہ فرما دیا جس کے بعد وہ ایمان لائے بغیر نہ رہ سکا۔ (دمعہ ساکبہ)

● ابو ہاشم کا بیان ہے کہ حضرت صحرا کی طرف تشریف لے جائے تھے تو میں بھی ساتھ چل دیا۔ راستہ میں خیال پیدا ہوا کہ میرے ذمہ جو قرض ہے اس کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ اب میں کس طرح ادا کروں گا تو اچانک حضرت نے ٹھک کر زمین پر ایک نشان لگا دیا اور فرمایا کہ ابو ہاشم اسے اٹھا لو اور قرض ادا کر دو۔ ابو ہاشم نے دیکھا کہ سونا ہے اور اسے حسب الحکم محفوظ کر لیا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد پھر خیال پیدا ہوا کہ سردی قریب آگئی ہے، سردی کے کپڑے وغیرہ کا کیا ہو گا۔ تو آپ نے دوبارہ زمین پر تازیانہ مارا اور فرمایا کہ اسے بھی اٹھا لو۔ ابو ہاشم نے وہ سونا بھی لے لیا اور گھر آ کر

حساب کیا تو پہلے کی مقدار بالکل قرض کے برابر تھی اور دوسرے کی مقدار بالکل ضروریات کے برابر تھی۔

● ایک مرتبہ ابو ہاشم سے واضح طور پر فرمایا کہ اپنی ضروریات بیان کرنے میں تکلف سے کام نہ لیا کرو۔ ہم حکم پر درکار انہیں پورا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ چلنے والوں کے ضروریات کا خیال رکھیں۔

● اسماعیل بن محمد بن علی بن اسماعیل بن علی بن عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب کہتے ہیں کہ میں سربراہ بیٹھا تھا کہ امام حسن عسکری کا گذر ہو گیا اور میں نے اپنی غربت کی شکایت کی، تو آپ نے فرمایا کہ دو سو اشرفی دینے کر کے بھی غربت کا نام لیتے ہو۔ میں نے انکار کیا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ تو فرمایا جھوٹ مت بولو۔ میں تمہیں سو دینار دیے دیتا ہوں لیکن وہ دو سو تھلے کام نہ آئیں گے چنانچہ آپ نے سو دینار دے دیے اور انہوں نے لے لیے۔ اس کے بعد ایک عرصہ کے بعد جب پیسہ کی ضرورت ہوئی اور دینے نہ ملنے لگے تو اس میں کچھ بھی نہیں تھا۔ اور بعد میں انکشاف ہوا کہ ان کے لڑکے کو اس دینے کا علم ہو گیا تھا اور اس نے نکال لیا تھا۔ اور اس طرح امام علیہ السلام کی کرامت کا بھی اظہار ہو گیا۔

● تاریخ اسلام میں ایک نمایاں شخصیت ام خانم کی ہے جسے صاحبۃ الحصاة کہا جاتا ہے۔ ان خاتون کا طریقہ تھا کہ انہیں مصوبین کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے امامت کا ثبوت طلب کیا کرتی تھیں اور سنگ ریزوں پر ہر لگوا لیا کرتی تھیں اور یہی اس امام کی امامت کا ثبوت ہوا کرتا تھا امام حسن عسکری کے دور میں ان کا انتقال ہو چکا تھا تو ان کے ایک فرزند مجمع بن الصلت بن عقید بن سمعان بن خانم بن ام خانم نے امام عسکری کو تلاش کرنا شروع کیا کہ ان سے ثبوت امامت حاصل کریں۔ اتفاق سے امام کی نظر اس شخص پر پڑ گئی تو آپ نے فرمایا کہ لاؤ سنگ ریزے لاؤ تاکہ میں آیت کی مہر لگا دوں۔ مجمع بن الصلت حیران رہ گئے کہ انہیں دل کے حالات کا کس طرح علم ہو گیا اور پھر مہر لگوا کر اپنے دل کو مطمئن کر لیا۔ (اصول کافی - شواہد النبوة)

● ایک مرتبہ آپ کے دور میں قحط پڑا اور مسلمان بے حد پریشان ہوئے اور سب نے نماز استسقاء پڑھی اور دعائیں بھی کیں لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ ایک عیسائی ماہب میدان میں آیا اور اسے

دعا شروع کی۔ دعا کے لیے ہاتھوں کا اٹھانا تھا کہ بارش شروع ہو گئی اور سارے مسلمان حیرت میں پڑ گئے اور بہت سے افراد کا ایمان متزلزل ہو گیا کہ حق اس راہب کے ساتھ ہے۔ دوسرے روز پھر ایسا ہی ہوا تو لوگوں کا اعتماد راہب پر مزید بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ اس مگرابی کی خبر امام حسن عسکری کو دی گئی، تو آپ نے فرمایا کہ جب سب میدان میں جمع ہو جائیں تو مجھے طلب کر لینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جیسے ہی راہب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ آپ نے اس کی انگلیوں کے درمیان دبی ہوئی استخوان کو نکال لیا اور آئے ہوئے بادل واپس ہو گئے۔ مجمع حیرت زدہ رہ گیا کہ یہ کیا ہوا اور راہب بھی شرمندہ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ باران رحمت راہب کی دعا کا اثر نہیں ہے۔ اس کے پاس ایک نبی خدا کی بڑی ہے جس کی کرامت یہ ہے کہ جب زیر آسمان کھل جاتی ہے تو رحمت الہی کو جوش آجاتا ہے۔ اس کے بعد راہب زندگی بھر دعا کرے تو اس کی دعا سے بارش نہیں ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت نے دعا کی اور باقاعدہ بارش ہو گئی جس کے ذریعہ امت اسلامیہ کو حضرت کے کمال علم کا بھی اندازہ ہو گیا اور کمال کرامت کا بھی۔ (صواعق موقد)

● یہ واقعہ امام علیہ السلام کے لیے نہایت سنگین تاج کا حامل ہو گیا کہ حکومت وقت نے موسیٰ کو لیا کہ دنیا کو ان کی کرامت کا علم ہو گیا ہے اور اب ان کے ہوتے ہوئے اپنی حکومت کا ایجاب نہیں ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس کا پہلا رد عمل یہ ہوا کہ آپ کو قید خانہ کے حوالے کر دیا گیا اور داروغہ زندہ کو یہ ہدایت کر دی گئی کہ جس قدر ممکن ہو آپ کو اذیت دی جائے اور اسی اذیت کا اثر تھا کہ آپ ۲۸ سال سے زیادہ اس دار دنیا میں زہرے کے اور ۲۶ عین زہر دعا کے ذریعہ اثر دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخصت ہو گئے۔

اقوال حکیمانہ

● لوگوں سے بے جا بحث مت کرو کہ تمہاری ابرو ختم ہو جائے گی۔ اور زیادہ مذاق نہ کرو کہ لوگوں کو تم سے بات کرنے کی جرأت پیدا ہو جائے گی۔

(یہ ایک عجیبے غریب نفسیاتی نکتہ ہے جس کا صحیح و شام مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ زیادہ مزاج کرنے والے انسان کی کوئی نسبت نہیں رہ جاتی ہے اور ہر شخص اس کا جواب دینے کی جرأت پیدا کر لیتا

ہے اور یہی حال بھگڑا کرنے والے کا ہوتا ہے کہ پھر اس کا سن و جمال ختم ہو جاتا ہے اور وہ لوگوں کی نگاہ میں بے قیمت ہو جاتا ہے۔

● "تواضع کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ جس شخص کے پاس سے گذرے اور اسے سلام کرے اور کسی مجلس میں جاؤ تو بلند ترین جگہ تلاش کرنے کے بجائے اس سے کمتر جگہ پر بیٹھنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

(یہ انتہائی عظیم نکتہ ہے جس سے بڑے سے بڑے غرور اور تکبر کا علاج کیا جاسکتا ہے اور اگر انسان اپنے نفس کی اصلاح کی طرف مائل ہو اور اپنے نفسانی حالات کو درست کرنا چاہتا ہو تو اس سے بہتر طریقہ کار نہیں ہو سکتا ہے۔)

● "مخاطب ترین انسان وہ ہے جو شہتہ مقامات پر رُک جائے، اور عابد ترین انسان وہ ہے جو فرائض کی پابندی کرے، اور زاہد ترین انسان وہ ہے جو حرام کو ترک کرے، اور سخت ترین جہاد کرنے والا وہ ہے جو تمام گناہوں کو ترک کرے۔"

● "اتحق کا دل اس کی زبان میں ہوتا ہے اور حکیم کی زبان اس کے دل میں ہوتی ہے۔" (یعنی اتحق انسان سوچنے سے پہلے ہی بولنا شروع کر دیتا ہے اور اس طرح زبان آگے آجاتی ہے اور دل پیچھے رہ جاتا ہے۔ اور صاحب حکمت پہلے فکر کرتا ہے اس کے بعد زبان کھولتا ہے تو گویا اس کی زبان بھی دل کے اندر رہتی ہے اور دل کا درجہ کچھ کھولے بغیر کلام کرنے کی طاقت نہیں ہو پاتی ہے۔)

● "جس رزق کی ضمانت نے دی گئی ہے وہ تمہیں اس عمل سے نردوک نے جو تم پر فرض کر دیا گیا ہے۔"

(انسان کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ اپنے فرائض سے غافل ہو جاتا ہے جن کا ادا کرنا اس کی اپنی ذمہ داری ہے اور سارا وقت رزق کی جستجو میں صرف کر دیتا ہے جس کی ضمانت پروردگار عالم نے لے لی ہے اور وہ بہر حال عطا کرنے والا ہے۔)

● "کسی غم رسیدہ کے سامنے خوشی کا اظہار کرنا ادب و تہذیب کے خلاف ہے۔" (یہ بھی ایک اخلاقی نکتہ ہونے کے علاوہ ایک درد دل کا اظہار بھی ہے جس کا احساس اسی انسان کو ہو سکتا ہے جو ایسے حالات سے گذر رہا ہو جہاں اس پر مصائب کا جوہم ہو اور دنیا

اس کے غم میں ہمدردی کرنے کے بجائے تفریحات میں مشغول ہو۔)

● "جاہل انسان کی تربیت کرنا اور کسی صاحب عادت کو اس کی عادت سے باز رکھنا کسی عجز سے کم نہیں ہے۔"

(اس حقیقت کا اندازہ بھی اسی انسان کو ہو سکتا ہے جس کے فرائض میں جاہل قوم کی تربیت اور بدترین عادات میں مبتلا انسانیت کو ان عادات سے الگ کرنے کی ذمہ داری شامل ہو۔ وہی یہ جانتا ہے کہ مجبورہ میں کس قدر زحمت ہوتی ہے اور اس اخلاقی تربیت میں کن زحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔)

● "کسی شخص کا احترام اُس بات کے ذریعہ نہ کرو جو اس کے لیے باعث زحمت ہو۔" (اس نکتہ کا اندازہ بھی اس وقت ہوتا ہے جب یومنین کرام کسی بڑی شخصیت کا جلوس

نکالنا چاہتے ہیں یا اس کی محفل میں مستقل طور پر قیام پذیر ہو جاتے ہیں اور اسے سانس لینے کا موقع نہیں دیتے ہیں اور اسے انتہائے احترام کا درجہ دیتے ہیں بلکہ بعض مقامات پر تو یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ عالم دین کے احترام میں اسے پشیل جلوبس میلوں پیدل چلا دیتے ہیں اور اسے بھی انتہائی احترام ہی سمجھتے ہیں۔ امام حسن عسکریؑ نے ایسے ہی احترامات سے منع فرمایا ہے کہ احترام وہ ہے جو باعث آرام ہو نہ کہ باعث اذیت و آزار ہو۔)

● "جس شخص نے اپنے برادر مومن کو تنہائی میں نصیحت کی اس نے اسے آراستہ بنانے کی کوشش کی اور جس نے مجمع عام میں نصیحت کی اس نے اسے عیب دار بنا دیا۔"

(نصیحت ایک بہترین عمل ہے لیکن اس کے اسالیب و انداز اور نتائج پر نگاہ رکھنا بھی ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مجمع عام میں نصیحت لوگوں کو اس کے عیب سے باخبر کر دے اور اس طرح اصلاح کے بجائے اس کی توہین و تذلیل کا سامان فراہم ہو جائے۔)

● "جو اللہ سے مانوس ہو جاتا ہے وہ لوگوں سے وحشت محسوس کرتا ہے۔"

(انسان کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ انسانوں سے اس قدر مانوس ہو جاتا ہے کہ مصیبت پر خدا کی بارگاہ میں کھڑے ہونے سے وحشت محسوس کرتا ہے اور لوگوں کی گفتگو کے مقابلہ میں کلام خدا کی تلاوت سے وحشت محسوس کرتا ہے۔ امام عسکریؑ نے اسی نکتہ کی طرف توجہ

دلانی ہے کہ لوگوں سے مانوس ہو کر خدا سے وحشت کرنے کے بجائے خدا سے انس پیدا کرنا تاکہ اس کے مقابل میں ان انسانوں سے وحشت پیدا ہو جن کا خدا سے کوئی رابطہ نہیں ہے اور جن کی یاد یا خدا سے غافل بنا دیتی ہے۔ انس ہو تو ایسے انسانوں سے ہو جو خود بھی خدا کو یاد کر لیتے ہوں اور ان سے انس یا خدا کا بہترین ذریعہ ہو۔

● "ہر شے کی ایک مقدار اور حد معین ہے جس سے زیادتی نقصان دہ ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر وجود و کم کی ایک حد ہے جس سے بڑھ جانے کے بعد انسان اسراف کی حدوں میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور احتیاط کی بھی ایک حد میں ہے جس سے تجاوز کر جانے کے بعد زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ اور اقتصاد و اعتدال کی بھی ایک حد ہے جس کی زیادتی بخیل بنا دیتی ہے اور شجاعت کی بھی ایک مقدار ہے جس کی زیادتی ہمت اور بے باکی پیدا کر دیتی ہے اور تہذیب نفس کا سب سے بہترین ذریعہ ہے کہ جس چیز کو دوسرے کے لیے ناپسند کرے اسے اپنے لیے بھی ناپسندیدہ ہی قرار دے۔"

● "مومن کے کمال ایمان کی پانچ علامتیں ہیں: (۱) بلند آواز سے بسم اللہ کہے (۲) خاک پر سجدہ کرے (۳) داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنے (۴) دن رات میں ۵۱ رکعت نماز ادا کرے (۵) روزاربعین امام حسینؑ کی زیارت پڑھے۔"

اس روایت میں ان امور کا ذکر کیا گیا ہے جنہیں عام طور سے امت اسلامیہ نے نظر انداز کر دیا ہے اور ان میں کوئی نہ کوئی تحریف ضرور کر دی ہے ورنہ ایمان کی علامتیں اس کے علاوہ بھی ہیں اور بہت سی ہیں جیسا کہ خود امام حسن عسکریؑ کی دوسری روایت میں پانچ مزید چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

ان علامات کے بارے میں مختصر گزارش یہ ہے کہ عالم اسلام نے بسم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے اختلافات پیدا کر دیے ہیں۔ ایک اختلاف یہ ہے کہ بسم اللہ کوئی آیت ہے یا نہیں۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ اگر آیت ہے تو صرف سورہ حمد کا جزو ہے یا باقی سورتوں کے جزو کی بھی حیثیت رکھتی ہے۔

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ سورہ کا جزو ہے تو سورہ ہی کی طرح بلند آواز سے پڑھی جائے یا الگ خاص طریقہ سے آہستہ پڑھا جائے۔

اگر طاہرین کا مسلک یہ ہے کہ بسم اللہ قرآن مجید کی ایک آیت ہے اور یہ ہر سورہ کا ایک جزو ہے (سورہ توبہ کے علاوہ) اور اس کا بلند آواز سے پڑھنا بھی مستحب ہے چاہے نماز احتیاتی ہی کیوں نہ ہو اور اصل سورہ کو آہستہ ہی پڑھا جا رہا ہو اور یہ طریقہ دور پیغمبر اسلامؐ سے رائج تھا اور یہی وجہ ہے کہ جب معاویہ نے بسم اللہ کی تلاوت نہیں کی تو مجمع میں ایک شور برپا ہو گیا کہ اس نے ایک آیت کی چوری کی ہے اور اسے غائب کر دیا ہے۔

خاک پر سجدہ کرنے کا سلسلہ بھی ایسا ہی ہے کہ اگرچہ سجدہ خاک اور خاک سے اُگنے والی چیزوں پر ہو سکتا ہے اگر اسے کھانے اور پینے میں استعمال نہ کیا جاتا ہو لیکن خاک کی فضیلت پر اُسے اپنے مقام پر سلم ہے اور اس میں خاک کر بلا کی افضلیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ خاک پر سجدہ کرنا خاک سادی کی علامت ہے اور خاک کر بلا پر سجدہ کرنا بندگی کے استحکام کا ذریعہ ہے کہ یہ راہ عبودیت میں قربانی کی سب سے بڑی قربان گاہ ہے اور اس خاک میں وہ تمام یادیں بند ہیں جو یاد خدا کا بہترین ذریعہ ہیں۔

انگوٹھی کے بارے میں عالم اسلام میں اس کے پہننے کا استحباب تو موجود ہے لیکن بعض علماء اسلام نے اسے بائیں ہاتھ میں پہننے پر زور دیا ہے کہ داہنے ہاتھ میں پہننا شیعوں نے اپنا شعار اور طریقہ بنا لیا ہے تو اس کی مخالفت ضروری ہے، اگرچہ یہی طریقہ سنت پیغمبرؐ کے مطابق بھی ہے لیکن اس سنت کا ترک کر دینا بھی ضروری ہے کہ اس طرح دیگر اقوام اور مذاہب سے مشابہت نہ ہونے پائے۔ امام حسن عسکریؑ نے صاحبان ایمان کو اسی نکتہ کی طرف متوجہ کیا کہ اگر دوسرے مذاہب کے لوگ صرف تمہاری ضد میں سیرت پیغمبرؐ کو ترک کر سکتے ہیں تو تمہارا بھی فرض ہے کہ تم سیرت پیغمبرؐ کا مکمل اتباع کرتے رہو اور اسی کو اپنا شعار بنائے رہو تاکہ سیرت پیغمبرؐ پر عمل کرنے والے اور سیرت سے اجتناب کرنے والے افراد کا فرق واضح ہو جائے اور حقیقی ایمان اور دعوائے ایمان و اسلام الگ الگ ہو جائے۔

انگوٹھی کے بارے میں یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ اگر طاہرین نے انگوٹھی کے ساتھ اس کے

نگین کے نقش کو بھی خاصی اہمیت دی ہے اور روایات میں ہر امام کی انگشتری کے نقش کا تذکرہ بھی موجود ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ امام نے اسے بھی تبلیغ مذہب کا ایک ذریعہ بنالیا تھا اور ہر امام نے وہی نقش اختیار کیا تھا جو اس دور کے لیے مناسب اور اس کے مقصد کی تکمیل کے لیے ضروری تھا جس کے تفصیلات کا اندازہ ہر امام کے نقش انگشتری پر تحقیقی نظر ڈالنے ہی سے کیا جاسکتا ہے۔

۵۱ رکعت نماز سے مراد ۱۷ رکعت فرض اور ۳۴ رکعت نوافل ہیں جنہیں فرائض کی تکمیل اور بندگی کی معراج کے لیے مستحب قرار دیا گیا ہے۔

روزاربعین زیارت امام حسینؑ میں سیرت امام سجادؑ کا اتباع بھی ہے اور بنی امیہ کے خلاف ایک احتجاج بھی ہے کہ بنی امیہ کے مظالم نے اہل حرم حسینی کو امام حسینؑ کا چلم بھی نہیں کرنے دیا اور سال تمام ہونے کے بعد جب انہیں قیدشام سے رہا کیا گیا تو روزاربعین کر بلا آ کر امام حسینؑ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور گویا کہ پہلی مرتبہ وارثوں نے اپنے شہیدوں کی قبروں کا مشاہدہ کیا جب کہ ان کی شہادت کو ایک سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔

مذکورہ بالا تمام باتوں کو دیکھنے کے بعد اس حقیقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام حسنؑ عسکری نے ایمان کامل کی علامتوں میں واجبات کا شمار نہیں کیا ہے بلکہ صرف مستحبات کا تذکرہ کیا ہے جو اس بات کی کھلی علامت ہے کہ واجبات کا تعلق کمال اسلام سے ہے اور مستحبات کا تعلق کمال ایمان سے ہے۔ مومن کامل وہ نہیں ہے جو فرائض اور واجبات سے غافل ہو جائے، بلکہ مومن کامل وہ ہے جو واجبات کے ساتھ مستحبات کا بھی خیال رکھے اور ان مستحبات کو بھی اپنے روزانہ اور سالانہ پروگرام میں شامل رکھے۔ زبان کے اعتبار سے بلند آواز سے بسم اللہ کہے، پیشانی کے اعتبار سے خاک پر سجدہ کرے، ہاتھ کے اعتبار سے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنے، یومیر عمل کے اعتبار سے ۵۱ رکعت نماز ادا کرے اور سالانہ عمل کے اعتبار سے زیارت اربعین کی پابندی کرے۔

شہادت

یوں تو ائمہ معصومینؑ کی زندگیوں میں ہمیشہ حکام وقت کی طرف سے مساہب مظالم کا نشانہ

ہی ہیں اور شائد ہی کوئی ایسا حاکم رہا جو جس نے اپنی حکومت کا ایک اہم مقصد آل محمدؑ پر ظلم و ستم کو نہ قرار دیا ہو لیکن امام حسن عسکریؑ کی زندگی ایک عجیب و غریب مصیبت کا نشانہ رہی ہے جس کی مثال دیکھ معصومینؑ کی زندگیوں میں بھی نہیں ملتی ہے اور اس کا اہم ترین راز یہ ہے کہ عالم اسلام نے دور پنجم اسلام سے یہ بات سن رکھی تھی کہ میرا بار ہواں وارث وہ حجت پروردگار ہوگا جو ظلم و جور سے بھری ہوئی دنیا کو بدل و انصاف سے سمور کرنے کا اور دنیا کے ہر نظام ظلم کا تختہ الٹ دے گا۔ اس بنا پر حکام وقت ہر دور میں اس نکتہ کی طرف متوجہ رہے کہ وہ ہمدی دور ان مظالم پر نہ آنے پائے۔ امام حسن عسکریؑ کے دور تک یہ اطمینان تھا کہ ہمدی اولاد حسینؑ کا نواں ہوگا۔ اور ابھی اولاد حسینؑ کے آٹھ افراد پورے نہیں ہوئے ہیں لیکن امام عسکریؑ کا دور آنے تک ہر صاحب علم و فہم کو یہ اندازہ ہو گیا کہ اب وجود ہمدی کا دور قریب آ گیا ہے اور وہ انہیں کی اولاد میں ہوگا چنانچہ امام عسکریؑ کی خصوصی نگرانی شروع ہو گئی اور آپ کے گھر کے ساتھ وہی سلوک طے کر لیا گیا جو فرعون نے بنی اسرائیل کے ساتھ روا رکھا تھا۔ صرف اس خوف سے کہ وہ فرزند دنیا میں آنے پائے جو فرعون کے تخت و تاج کو تباہ و برباد کر دے گا۔

حکام زمانہ کا اب تک یہ طریقہ کار تھا کہ اگر ظاہرین کو قید خانوں میں رکھتے تھے اور اگر قوم میں بغاوت کا خطرہ پیدا ہو گیا یا نگران قید خانہ حکومت کے خیال میں کردار معصومینؑ سے متاثر ہو کر مشرف ہونے لگا تو امام کو گھر میں نظر بند کر دیا لیکن امام عسکریؑ کے ساتھ برتاؤ میں حکام کی پریشانی یہ بھی تھی کہ قید خانہ میں رکھیں تو وہی حشر ہوگا کہ تمام نگران زندان امام کے کردار سے متاثر ہو جائیں گے اور تقریباً سب ہی نے ظلم و ستم سے انکار بھی کر دیا۔ اس کے بعد گھر میں نظر بند کرنا چاہیں تو یہ خوف پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح وہ آخری حجت پروردگار مظالم پر آجائے گا جس سے اپنے تخت و تاج کو خطرہ ہے۔ چنانچہ ابتدا میں آپ کو قید خانہ میں رکھا گیا اور دار و غم زندان کی خصوصی ہدایت دی گئی کہ امام علیہ السلام کو زیادہ سے زیادہ اذیت دے لیکن جب دیکھ لیا کہ اس تاکید کا کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے تو اپنے قصر کے ایک گوشہ میں نظر بند کر دیا تاکہ اپنی نگرانی میں رہیں اور لوگوں میں کوئی حیثیت نہ پیدا کرنے پائیں لیکن جب یہ احساس پیدا ہوا کہ اس طرح قصر کے نگراں سپاہیوں کے بھی گرویدہ ہو جانے کا خطرہ ہے تو مجبور ہو کر حضرت کو ان کے گھر میں نظر بند کر دیا گیا، اور

اس طرح خدا نے موسیٰ نے ایک اور موسیٰ کی ولادت کا انتظام کر دیا اور ماہ شعبان کی پندرہویں تاریخ ۲۵۵ھ کو وہ حجت پروردگار اس دنیا میں آگیا جس کی خبر دوردور پیغمبر اسلام سے برابری جا رہی تھی اور جس کا انتظار ہر دور کے مظلومین اور مستضعفین کر رہے تھے اور اس طرح ظالم حکومتوں کے لیے وہ خطرہ منظر عام پر آگیا جس کے تصور سے راتوں کی نیندیں حرام ہو جاتی تھیں۔

امام حسن عسکریؑ کے کردار کے بارے میں علامہ مجلسیؒ نے نہایت تفصیل کے ساتھ احمد بن عبد اللہ بن حاتم کا بیان نقل کیا ہے جو قوم میں خلفاء اسلام کی طرف سے والی اوقات و صدقات تھا اور انتہائی درجہ کا دشمن اہلبیت تھا۔ اس کا اپنا بیان ہے کہ میں نے سامرہ میں حسن عسکریؑ سے زیادہ مومن، متقی، صالح، پاکباز اور مقدس انسان نہیں دیکھا۔ میرے والد کا طریقہ تھا کہ جب وہ دربار میں آجاتے تھے تو نہایت احترام سے انھیں صدر مجلس میں جگہ دیتے تھے اور یابن الرضا کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ ان کی نگاہ میں حسن عسکریؑ کا مرتبہ خلفاء اسلام سے بھی زیادہ بلند تھا چنانچہ ایک دن میں نے تنہائی میں اعتراض کیا تو فرمایا کہ فرزند اس سے بہتر کوئی انسان دنیا میں نہیں ہے اور خلافت بنی عباس سے نکل سکتی تو اس کے علاوہ کوئی اس کا حق دار نہ ہوتا۔ یہاں تک کہ ایک دن ان کی موجودگی میں غلیفہ وقت آگیا تو جب تک انھیں دوسرے دروازہ سے رخصت نہیں کر دیا غلیفہ کی طرف تو جہ بھی نہیں کی اور اس کا استقبال بھی نہیں کیا۔

میں نے ایک دن اتنا کہہ دیا کہ اگر یہ اولاد رسولؐ میں ہیں تو ان کے بھائی جعفر بھی تو ایسے ہی ہیں، ان کا اس قدر احترام کیوں کیا جاتا ہے تو میرے والد نے بگڑ کر کہا کہ خبردار! ان کے ساتھ جعفر کا نام بھی نہ لینا وہ ایک انتہائی بد کردار شخص ہے اور یہ ایک انتہائی مقدس اور پاکیزہ کردار شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کا جعفر سے کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔

خلفاء اسلام کو انھیں حالات سے پریشانی تھی یہاں تک کہ مستند نے آپ کو زہر دیا اور جب یہ خبر عام ہوئی کہ امام علیہ السلام کی حالت غیر ہو رہی ہے تو فوراً اطباء کو علاج کے لیے طلب کر لیا اور زغار مملکت کے ساتھ دس عدد علماء بھی جمع کر لیے جو اس بات کی شہادت دیں گے کہ یہ طبیعی بیماری کے اعتبار سے مریض ہیں اور انھیں زہر نہیں دیا گیا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے گلابی جے دی اور اس وقت تک وہاں حاضر رہے جب تک امام کی شہادت نہیں واقع ہو گئی، اور

چونکہ آپ کے گھر میں صرف آپ کا غلام عقید اور آپ کی زوجہ جناب صیقل تھیں لہذا ان کا بھی شدت سے محاسب ہونے لگا کہ میں وہ فرزند زبیرا ہو جاؤں جو تخت و تاج کو منقلب کرنے والا ہو۔ اور اس بات کی کسی کو اطلاع بھی نہ تھی کہ وہ حجت پروردگار چار برس پہلے ہی اس دنیا میں آچکا ہے۔

امام کے انتقال کے بعد جنازہ تیار ہوا اور بظاہر نماز جنازہ بھی ادا کر دی گئی لیکن وارث کی تلاش برابر جاری رہی، یہاں تک کہ جعفر نے وراثت کا دعویٰ کیا اور میرے باپ کو دو لاکھ دینار رشوت دینے کا بھی وعدہ کیا۔ لیکن انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ امامت دولت سے نہیں ملا کرتی ہے اس کے لیے کہ دار ضروری ہوا کرتا ہے۔

● ابوالادیان کا بیان ہے کہ میں امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہا کرتا تھا اور آپ کے خطوط لوگوں تک پہنچایا کرتا تھا۔ جب آپ نے آخری مرتبہ خطوط دیے تو فرمایا کہ پندرہ دن کے بعد تم مدائن سے واپس آؤ گے تو اس گھر سے ناروشیوں کی آوازیں بلند ہوں گی۔ میں نے عرض کی کہ آپ کا وارث کون ہو گا۔ فرمایا کہ جو خطوط کے جوابات طلب کرے اور میری نماز جنازہ ادا کرے اور تم سے قبلی کا مطالبہ کرے۔

میں خطوط لے کر رخصت ہو گیا اور پندرہ دن کے بعد واپس آیا تو معلوم ہوا کہ امام عسکریؑ کا انتقال ہو گیا ہے۔ در دولت کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ جعفر وارث بنے بیٹھے ہیں اور لوگوں سے پرسہ قبول کر رہے ہیں۔ میں ان کے کردار سے بخوبی واقف تھا لہذا مجھے ان کی امامت کا خیال بھی نہیں پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ جب جنازہ تیار ہو گیا اور وہ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو ایک کس فرزند نے ان کا دامن کھینچ کر پیچھے ہٹا دیا اور نماز جنازہ خود ادا کی اور پھر مجھ سے خطوط کے جوابات کا تقاضا کیا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ اب زمانہ کے امام بھی ہیں۔ لیکن ابھی ایک علامت باقی رہ گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد خادم نے آکر کہا کہ حضرت فرما رہے ہیں کہ تمہارے پاس ایک قبلی بھی ہے جس میں ہزار اترونی ہیں اور ان میں سے دس برسوں کا صلح ہے۔ میں نے فوراً طے کر لیا کہ امام حسن عسکریؑ کے وارث بھی ہیں اور ساری امانتیں ان کے حوالے کر دیں لیکن جعفر نے یہ صورت حال دیکھ کر مستحکم خبر کر دی اور اس نے آپ کی اہلیہ حمترہ کو سخت نگرانی میں رکھا کہ اس فرزند کا پتہ بتائیں جو امام عسکریؑ کا وارث ہے اور چند سال قبل دنیا میں آچکا ہے۔

منزل اتمام تک پہنچانے والا ہے چاہے مشرکین کو کسی قدر ناکوا کر کیوں نہ ہو۔

آپ کی سیرت کے ذیل میں اولاد رسول کے احترام کے سلسلہ میں تاریخِ قہم میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ابو الحسن حسین بن حسن بن جعفر بن محمد بن اسماعیل بن جعفر الصادق جو قہم میں شراب خوری اور بد اعمالیوں میں خاصی شہرت رکھتے تھے ایک مرتبہ کسی ضرورت سے احمد بن اسحاق اشعری کے پاس آئے جو قہم میں وکیل اوقاف تھے اور ان سے لگک کا مطالبہ کرنا چاہا تو احمد بن اسحاق نے ان کے کردار کے پیش نظر ملاقات سے انکار کر دیا۔ اتفاق سے اسی سال احمد بن اسحاق نے حج کا ارادہ کیا اور ان کا گذر سامرہ سے ہوا۔ امام حسن عسکری کی زیارت کے اشتیاق میں بیت الشرف کے دروازہ پر حاضر ہوئے، اذن باریابی طلب کیا تو حضرت نے انکار فرمایا۔ انھوں نے بے حد گریہ کیا اور بے شکل تمام اجازت حاصل ہوئی اور عرض کی کہ سرکار آپ کی ناراضگی کا سبب کیل ہے؟ فرمایا کہ تم نے ایک سید کو اپنے یہاں داخلہ کی اجازت نہیں دی ہے۔ احمد بن اسحاق نے عرض کی کہ سرکار وہ شرابی آدمی ہے، میں نے اس کے کردار کی بنا پر انکار کر دیا تھا۔ فرمایا کچھ بھی ہو تمہیں نسب سیادت کا احترام کرنا چاہیے تھا۔ احمد بن اسحاق نے معذرت کی اور اب جو وطن واپس آئے اور تمام لوگوں کے ساتھ حسین بن حسن بھی ملاقات کے لیے آئے تو سرفرد کھڑے ہو کر تعظیم کی۔ حسین نے حیرت زدہ ہو کر اس تعظیم کا سبب دریافت کیا۔ احمد نے کہا کہ یہ امام حسن عسکری کا حکم ہے کہ اولاد رسول کا اس رشتہ کی بنا پر احترام کیا جائے چاہے ان کا کردار کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ وہ بہر حال رسول اکرم کی طرف نسبت رکھتے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ حسین نے سر بیٹ لیا اور توبہ و استغفار کر کے تمام جام شراب توڑ کر پھینک دیے اور بعد میں مستقل طور پر مستکف ہو گئے اور اسی عبادت الہی کے عالم میں انتقال کر گئے۔

ایسے واقعات سے اکثر افراد کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ شاید نسب سیادت قانون شریعت سے بالاتر کوئی چیز ہے۔ اور سادات کی خاطر ان کے جد کی شریعت کو بھی پامال کیا جاسکتا ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ واقعہ کی نوعیت خود ہی بتا رہی ہے کہ یہ ایک خصوصی واقعہ ہے جس میں امام حسن عسکری کو یہ معلوم تھا کہ اس احترام کے بعد حسین بن حسن راہ راست پر آجائیں گے اور شراب خوری کو ترک کر دیں گے، اسی لیے آپ نے نسبت رسول اکرم پر زیادہ زور دیا اور اسی نسبت کے احساس نے

حسین بن حسن میں انقلاب پیدا کر دیا۔

تو اس کا مطلب یہ تھا کہ عام افراد کا فرض ہے کہ وہ نسبت رسول اکرم کی بنا پر سادات کا احترام کریں۔ اور خود سادات کا فرض ہے کہ اپنی مقدس نسبت کا لحاظ کر کے کوئی ایسا کام نہ کریں جو اس نسبت کے ثابیان شان نہ ہو اور رسول اکرم کے لیے باعثِ توبہ میں یا سببِ بڑائی ہو۔

صحابِ امام حسن عسکری

ابو علی احمد بن اسحاق بن عبداللہ بن سعد
بن مالک الاصول الاشعری۔

انتہائی نوثق اور معتبر انسان تھے۔ امام جوآد، امام ہادی اور امام عسکری کے اصحاب میں تھے۔ ان کے خاندان میں نہایت اعلیٰ درجہ کے محدث اور علماء پیدا ہوئے ہیں، خود ان کے ہاں سے بھی امام نے کافی تعریف فرمائی ہے۔ یہ امام کے سفیر اور وکیل بھی تھے اور انھیں امام زمانہ کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا ہے۔

انھوں نے امام حسن عسکری سے پارچہ کفن کا مطالبہ کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ گھبراؤ نہیں تمہیں مل جائے گا۔ چنانچہ کرمانشاہ کے راستہ میں جب انتقال کیا تو امام نے اپنے خادم کا فوراً کفن دیکھ بھیجا اور اسے طی الارض کے ذریعہ وہاں پہنچا دیا جہاں اس نے عالم مسافت میں کفن دیا اور اس کے بعد ساتھیوں نے نماز جنازہ ادا کر کے دفن کر دیا۔

۲۔ احمد بن محمد بن مطہر

انھیں امام عسکری کا صاحب کہا جاتا ہے جو عام اصحاب اور تلامذہ سے بلند مرتبہ ہے اور ایک طرح کے مدارالہام کا مرتبہ ہے۔ چنانچہ امام عسکری نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنی والدہ گرامی کوچ کے لیے روانہ کیا تو احمد بن محمد کو سفر کا نگران قرار دیا۔ اور فرمایا کہ اگر پیاس کے خوف سے لوگ واپس بھی ہو جائیں تو تم اپنے سفر کو جاری رکھنا انشاء اللہ کوئی خوف کی بات نہیں ہے۔

۳۔ ابوہل اسماعیل بن علی بن اسحاق بن

ابن ہل بن فوجت۔

خداد کے بزرگ ترین علماء علم کلام میں تھے اور ایک طرح کی وزارت کے منصب کے مالک تھے، مختلف کتابوں کے مولف بھی ہیں جن میں کتاب "الانوار فی تاریخ الاممہ الاطهار" خاصی شہرت رکھتی ہے، انھیں امام زمانہ کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا ہے اور جب حضور جلال نے انھیں اپنی طرف دعوت دی کہ میں صاحب الامر کا وکیل خاص ہوں تو انھوں نے جواب میں کہا کہ اگر تمہیں یہ منصب حاصل ہے تو اس کا ایک ثبوت یہ دو کہ میری ڈاڑھی کے بال سیاہ ہو جائیں اور مجھے خضاب کی ضرورت نہ پڑے۔ منصور نے اس مسئلہ پر اپنی عاجزی کا احساس کر کے جواب سے گریز کیا لیکن ابوہل نے اس واقعہ کو مسلسل محافل و مجالس میں نقل کر کے منصور کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رسوا کر دیا اور اس کا دعویٰ بے بنیاد ثابت ہو گیا اور نہ بہت سے افراد کے گمراہ ہو جانے کے امکانات پیدا ہو گئے تھے۔

بنی عباس

تاریخ اسلام بنی امیر کے مظالم سے بھری ہوئی ہے۔ مولائے کائنات کی شہادت سے کر بلا کے سانچک آل محمد پر نازل ہونے والی کون سی مصیبت ہے جس میں بنی امیر کا ہاتھ نہ رہا ہو، اور جس خون سے کسی نہ کسی اموی حاکم کے ہاتھ رنگین نہ ہوں۔ لیکن ان تمام مظالم کے ہوتے ہوئے بھی شاعر نے بنی عباس کے مظالم کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

"خدا کی قسم بنی امیر کے مظالم بنی عباس کے مظالم کے مقابل میں عشر مشیر بھی نہیں ہیں۔"

بنی امیر نے زندہ افراد پر ظلم کیا، مرنے کے بعد لاشوں کو پامال کیا، لیکن اس کے بعد مظالم کا سلسلہ روک دیا اور بنی عباس نے تو قبروں کے نشان تک مٹا دینے کی ہم چلائی ہے اور ہر بعد کے آنے والے نے اپنے پیلو والے کے مظالم کو بھلا دیا ہے اور اپنا ظلم اس سے کوسوں آگے بڑھا دیا ہے۔

ابو العباس سفاح سے اس خون ریزی کا سلسلہ شروع ہوا اور منصور کے دور میں منزل کمال کو پہنچ گیا۔ جس عباسی حاکم نے تخت حکومت پر قدم رکھا اس کا پہلا کام یہ تھا کہ اولاد رسول کو ستایا جائے اور ان کا نام و نشان تک مٹا دیا جائے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اولاد رسول نے مجبور ہو کر صدائے احتجاج بلند کی تو مزید ستم کا نشانہ بنے، انقلاب آئے لیکن کوئی انقلاب کامیاب نہ ہو سکا، اس لیے کہ قوم میں ان مظالم کے مقابل میں قیام کی طاقت نہ تھی اور یہ صرف اولاد علی کا کلیجہ تھا کہ نشانہ ستم بنتے رہے اور ظلم کے خلاف آواز بلند کرتے رہے۔ اگر مصلحت سے ان سخت ترین مواقع میں اپنی خداداد صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے

نہایت درجہ حکمت آمیز راستہ اختیار کیا۔ انھیں علم لدنی کے تیور میں مستقبل کی کامیابی کا علم تھا لہذا وہ ان انقلابات کی ظاہری قیادت نہیں کرنا چاہتے تھے، لیکن دوسری طرف مظلومین کی حمایت کا فرض بھی پیش نظر تھا، اس لیے انھیں ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے سے روک بھی نہیں سکتے تھے، اس لیے کہ

ظلم کے مقابلہ میں بالکل خاموش رہ جانا بھی خلافت اسلام ہے۔ چنانچہ آپ حضرات انقلابی جماعتوں کو ان کے انجام سے باخبر کرتے رہے لیکن انھیں ان کے اقدامات سے مکمل طور سے منع نہیں کیا، بلکہ جب بھی ان کے اوپر کوئی نیا ستم ہوا تو اس کے خلاف خود بھی احتجاج کی آواز بلند کی، اور انقلابی افراد کو تسکین قلب کا سامان فراہم کرتے رہے۔ چنانچہ عبداللہ بن الحسن پر حضور کے بے پناہ مظالم کے پیش نظر آپ نے انھیں ایک تاریخی تعزیتی خط لکھا ہے جو ہر دور کے ظالموں کے لیے بہترین سامان تسکین و تسلیت ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ فرزند صالح اور ذریت طیبہ کے نام!

ابا بعد! اگر انقلابیوں کے درمیان آپ اور آپ کے گھروالوں نے اس قدر مصائب برداشت کیے ہیں تو اس رنج و غم اور درد و مصیبت میں آپ تنہا نہیں ہیں۔ مجھے بھی ایسے تمام مصائب و شدائد کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے لیکن میں نے ہمیشہ حکم خدا کے مطابق صبر و ضبط سے کام لیا ہے۔ پروردگار نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر صبر و تحمل کا حکم دیا ہے۔ اپنے رسول سے فرمایا کہ:

”اپنے رب کے حکم کے لیے صبر کرو، تم ہماری نگاہوں کے سامنے ہو۔“ (طور ۴۸)

”حکم رب پر صبر کرو اور یونس جیسے نہ ہو جاؤ۔“ (قلم ۴۸)

”اگر ظالموں سے بدلہ لینا چاہو تو جس طرح انھوں نے ظلم کیا ہے اسی طرح انھیں

سزا دو، اور اگر صبر کرو تو صبر زیادہ بہتر ہے۔“ (نحل ۱۲۶)

”اپنے اہل کو نماز کا حکم دو اور اس پر صبر کرو، ہم رزق کے طلب کار نہیں

ہیں، رزق دینے والے ہیں اور عاقبت صاحبانِ تقویٰ کے لیے ہے۔“ (طہ ۱۳۲)

”صابرین پر مصیبت پڑتی ہے تو انا اللہ کہتے ہیں اور انھیں کے لیے صلوات

درحمت ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔“ (بقرہ ۱۵۶)

”صابرین کو ان کے صبر پر بے حساب اجر ملے گا۔“ (زمر ۱۰)

لقمان نے اپنے فرزند کو وصیت کی، ”مصائب پر صبر کرو کہ یہ مستحکم امور ہیں

سے ہے۔“ (لقمان ۱۴)

جناب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا، ”اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، زمین اللہ کی ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور عاقبت بہر حال صاحبانِ تقویٰ کے لیے ہے۔“ (اعراف ۸)

”فائدہ صاحبانِ ایمان کے لیے ہے جو عمل صالح کرتے ہیں اور حق و صبر کی وصیت و نصیحت کرتے ہیں۔“ (عصر ۳)

”پھر ان صاحبانِ ایمان میں سے ہوتا جن کا کام صبر اور مرحمت کی وصیت کرنا ہے۔“

(بلد ۱۴)

”ہم تمہارا امتحان بھوک، خون، نقص اموال و نفوس و ثمرات سے کریں گے۔“

اور صابرین کو بشارت دے دو۔“ (بقرہ ۱۵۵)

”نبی کے ساتھ اللہ والوں نے جہاد کیا تو نہ راہ خدا میں آنے والی مصیبتوں کے مقابلہ میں کمزور ہوئے اور نہ سستی کا مظاہرہ کیا اور اللہ صابرین کو دوست رکھتا ہے۔“ (آل عمران ۴۶)

”صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں مغفرت اور اجر عظیم کی حق دار

ہیں۔“ (احزاب ۳۵)

”جب تک حکم خدا نہ آجائے صبر کرتے رہو کہ اللہ بہترین فیصلہ کرنے

والا ہے۔“ (یونس ۱۰۹)

میرے عم اور ابن عم! یاد رکھیے کہ پروردگار کو اس کی کوئی پرواہ نہیں

ہے کہ اس کے ماننے والوں کو دنیا نے ستایا ہے کہ اس کی نگاہ میں اس کے مصائب

و آلام سے زیادہ محبوب ترین کوئی شے نہیں ہے۔ اسے اس کی بھی فکر نہیں ہے کہ دنیا

اس کے دشمنوں کو ناز و نعم میں رکھتی ہے کہ وہ اگر اپنے اولیاء کے ساتھ مصائب اور

صبر کو پسند نہ کرتا تو دشمنانِ خدا کی ہمت نہ ہوتی کہ وہ اولیاء خدا کو قتل کر سکیں اور

خود عیش و آرام سے حکومت کریں۔ وہ اولیاء کے لیے مصائب برداشت نہ کرتا

تو زکریا اور یحییٰ کا قتل واقع نہ ہو سکتا، آپ کے جد علی بن ابی طالب شہید نہ ہوتے،

کہ بلا کا عظیم سانحہ اور آپ کے چچا کی شہادت نہ ہوتی، اس نے ظالموں کو ڈھیل دی ہے، انھیں ظلم کا موقع دیا ہے کہ اپنا حوصلہ نکال لیں۔ سورہ زخرف ۲۳ اور سورہ مؤمنون ۵۵ میں اس حقیقت کا اعلان بھی فرما دیا ہے۔ صبر کے جوہر مصاب کی شدت ہی میں کھلتے ہیں اور صبر اللہ کی محبوب ترین صفت ہے۔

احادیث میں بھی اس حقیقت کا اعلان ہوا ہے کہ:

”مومن کی اذیت کا خیال نہ ہوتا تو کافر کو کبھی درد سر بھی نہ ہوتا۔“

”یہ دنیا اللہ کی نظر میں پتھر کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی ہے۔“

”اگر مومن پہاڑ کی چوٹی پر بھی پناہ لے گا تو اللہ کافروں اور منافقوں کو اسے اذیت دینے کا موقع دے گا تا کہ اس کے صبر کے جوہر کھل سکیں۔“

”اللہ جب کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو اس پر بلاؤں کا مسلسل نزول

ہوتا ہے کہ ایک غم سے بھگتا ہے اور دوسرے میں داخل ہو جاتا ہے۔“

”بندہ مومن کے لیے اس دنیا میں دو ہی گھونٹ محبوب ہیں۔ ایک غصہ کا

پی جانا اور دوسرے مصیبت کو برداشت کر لینا صبر و تحمل کے ساتھ۔ صحابہ رسولؐ

اپنے ظالمین کے لیے طول عمر اور صحت بدن اور کثرت مال و اولاد کی تمنا کرتے تھے

تا کہ اپنے اسکان بھر ظلم ڈھاسکیں اور وہ اپنے صبر کا مظاہرہ کر سکیں۔“

ہذا عم محرم، ابن العم اور برادران! آپ سب صبر و رضا، تسلیم و تقویٰ میں

کو اختیار کریں، تھنائے الہی پر صابر رہیں، اطاعت خدا کرتے رہیں، احکام کی تعمیل

کریں۔ اللہ تم کو اور آپ کو صبر سے حساب عطا کرے اور انجام بخیر کرے اور اپنی

قوت و قدرت سے ہر بلا تک سے نجات دے۔ وہی سننے والا ہے اور وہی بندہ

سے قریب تر ہے۔ اللہ اپنے مصطفیٰ بندے حضرت محمدؐ اور ان کے اہلبیت پر رحمت

نازل فرمائے۔“ (بخاری الاوار ۷۴)

اس خط سے اس صورت حال کا مکمل اندازہ کیا جاسکتا ہے جس سے اولاد علیؑ گذر رہی

تھی اور یہ بھی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اگر معصومین، مظلومین اور مستضعفین کے حالات سے تعلق

یا انقلابیوں سے بیزار نہیں تھے۔ حالات نے انھیں قیام کی اجازت نہیں دی تھی ورنہ وہ ہر ظالم سے بیزار اور ہر ظلم کے خلاف تحریک سے ہم آواز تھے بشرطیکہ اس کی بنیادیں دین و ایمان اور دیانت و اخلاص پر استوار ہوں۔

سوچنے بنی عباس کے آغاز اقتدار میں مصائب کا یہ عالم تھا تو استکرام سلطنت کے بعد

مصائب کی کیا کیفیت ہوگی؟ اس کا اندازہ بھی انھیں حالات سے لگایا جاسکتا ہے۔ ہارون کا

امام موسیٰ کاظمؑ کو مسلسل قید خانہ میں رکھنا اور قید و بند کے عالم میں شہید کر دینا، مامون کا امام رضاؑ

کو ولی عہد بنانا اور پھر شہید کر دینا، امام محمد تقی علیہ السلام کو داماد بنانا اور پھر نشانہ ستم بنا کر مستحکم کا

آپ کو زہر دلادینا، متوکل کا قبرا امام حسینؑ کی بربادی کا سامان کرنا اور اس طرح کے بے شمار مظالم ہیں

جو اگر معصومین کے سامنے آتے رہے ہیں اور بنی عباس کے تک حرام حکام جس کے نام پر برسر اقتدار

آئے تھے اسی کے گھرانے کو بے نام و نشان بنانے پر تامل رہے ہیں۔

امام حسن عسکریؑ کو ان مصائب میں سے ایک نیا حصہ ملا تھا کہ ظالمین کو معلوم تھا کہ

پیغمبر اسلام کا بار ہواں وارث ظلم کی بساط کو الٹ دے گا اور اس کے آنے کے بعد ظلم و جور کا خاتمہ

ہو جائے گا اور یہ بھی معلوم تھا کہ یہ ان کی نسل کے گیارہویں وارث ہیں لہذا مظالم کا تمام تر رخ

آپ کی ذات مبارک کی طرف تھا اور ہر شخص کو فکر تھی کہ آپ کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے اور

ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اپنی بدنامی بھی نہ ہونے پائے اور زندگی کا خاتمہ بھی ہو جائے حکومت

کے لیے یہ کام بہت آسان تھا۔ لیکن جسے پروردگار بچانا چاہے اسے کوئی نہیں مٹا سکتا ہے، چنانچہ

ظالموں نے قتل کرنے کے بجائے اذیتوں کا راستہ اختیار کیا کہ نگاہ قدرت میں اولیاء خدا کے صبر

کے جوہر کھلنے کا یہ بہترین راستہ ہے۔ مظالم اپنی حد سے گزر گئے۔ قید و بند، خانہ نشینی، نظر بندی

اور اس طرح کے شدید ترین حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ جس تھریں ظالم آرام کرے اس کے گوشے میں

امام کو قیدی بنا کر رکھا گیا کہ یہ آل رسولؐ کے ساتھ امت کی نگاہ میں بہترین برتاؤ تھا اور اس طرح ظالموں

کی دنیا میں اجر رسالت ادا کیا جا رہا تھا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ حجت آخر اس دنیا میں آگیا

اور اعلان پروردگار تجاء الحق و ذوق الباطل“ کا مصداق پیدا ہو گیا۔ مظالم کی رات آخر منزل پر

آگئی اور عدل و انصاف کا سورج طلوع ہو گیا۔

نقش
 حیات حضرت ولی عصرؑ

ولادت: ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ

عَجَّلَ اللَّهُ فَرَجَهُ الشَّرِيفِ

نقش زندگانی حضرت صاحب الامر علیہ السلام

ماہ شعبان ۲۵۵ھ کی پندرہویں تاریخ صبح جمعہ کی مسود ترین ساعت تھی جب پیغمبر اسلام کے آخری وارث اور سلسلہ امامت کے بارہویں اور آخری امام کی ولادت باسعادت ہوئی۔ بعض علماء نے سال ولادت ۲۵۵ھ سنہ زور لکھا ہے لیکن معروف ترین روایت ۲۵۶ھ ہی کی ہے۔ والد ماجد امام حسن عسکری تھے جن کی عمر مبارک آپ کی ولادت کے وقت تقریباً ۲۳ سال تھی اور والدہ گرامی جناب زجرس خاتون تھیں جنہیں بلکہ بھی کہا جاتا ہے۔ جناب زجرس خاتون دادھیال کے اعتبار سے قیصر روم کی پوتی تھیں اور نانیہال کے اعتبار سے جناب شمعون وصی حضرت عیسیٰ کی نواسی ہوتی تھیں۔ اس اعتبار سے امام زمانہ نانیہال اور دادھیال دونوں اعتبار سے بلند ترین عظمت کے مالک ہیں اور آپ کا خاندان ہر اعتبار سے عظیم ترین بلندیوں کا مالک ہے۔

جناب زجرس کے روم سے سامرہ پہنچنے کی تاریخ دو حصوں میں بیان کی جاتی ہے۔ ایک حصہ سامرہ سے متعلق ہے اور ایک حصہ روم سے متعلق ہے۔ پہلے حصہ کے راوی جناب بشر بن سلیمان انصاری ہیں جو جناب ابوالیوب انصاری کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور دوسرے حصہ کی راوی خود جناب زجرس ہیں جنہوں نے اپنی داستان زندگی خود بیان فرمائی ہے۔

پہلے حصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ امام علی نقی کے خادم کافور نے بشر بن سلیمان تک یہ پیغام پہنچایا کہ تمہیں امام علی نقی نے یاد فرمایا ہے۔ بشر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ تم بردہ فروشی کا کام چلتے ہو۔ یہ ایک قبیلے ہے جس میں دوسو بیس اشرفی ہیں اسے لے کر میرے خط کے ساتھ جبرئیل اور ایک چلے جاؤ وہاں ایک قافلہ بردہ فروشوں کا نظر آئے گا۔ اس قافلہ میں ایک خاتون بشکل کینز ہوگی جس کی خریداری کی تمام لوگ کوشش کر رہے ہوں گے لیکن وہ کسی کی خریداری سے راضی نہ ہوگی اور نہ

اپنے چہرہ سے نقاب اٹھائے گی۔ تم یہ منظور کیجئے رہنا جب تمام لوگ قیمت بڑھا کر عاجز ہو جائیں اور مالک پریشان ہو اور کینز یہ کہے کہ میرا خریدار عنقریب آنے والا ہے تو تم مالک کو یہ قبیلے دے دینا اور کینز کو یہ خط دے دینا جو اسی کی زبان میں لکھا گیا ہے۔ معاملہ خود بخود طے ہو جائے گا۔ جناب بشر بن سلیمان نے ایسا ہی کیا اور حرف بحرف امام کی نصیحت پر عمل کیا یہاں تک کہ معاملہ طے ہو گیا اور دوسو بیس اشرفی میں اس خاتون کو حاصل کر لیا اور امام کی خدمت میں لاکر پیش کر دیا۔

اس کے بعد جناب زجرس نے اپنی تاریخ زندگی یوں بیان کی ہے کہ میں ملکہ قیصر روم کی پوتی ہوں۔ میری شادی میرے ایک رشتہ کے بھائی سے طے ہوئی تھی اور پورے اعزاز و احترام کے ساتھ محفل عقد منعقد ہوئی تھی۔ ہزاروں اعیان مملکت شریک بزم تھے۔ لیکن جب پادریوں نے عقد پڑھنے کا ارادہ کیا تو تخت کا پارہ ٹوٹ گیا اور تخت اٹک گیا، بہت سے لوگ زخمی ہو گئے اور اسے رشتہ کی نحوست پر محمول کیا گیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اس کے دوسرے بھائی سے رشتہ طے ہوا اور یعیسہ ہی واقعہ پیش آیا جس کے بعد لوگ سخت حیران تھے کہ اس کے پس منظر میں کوئی بات ضرور ہے جو ہم لوگوں کی عقل میں نہیں آ رہی ہے کہ رات کے وقت میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک مقام پر حضرت رسول خدا اور حضرت مسیح جمع ہیں اور ایسا ہی دربار آراستہ ہے جیسا کہ میرے عقد کے موقع پر اس سے پہلے ہوا تھا۔ حضرت مسیح نے حضرت محمد مصطفیٰ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے حد احترام کیا اور ان دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ ہم آپ سے آپ کے وصی کی صاحبزادی ملکہ کا رشتہ اپنے فرزند حسن عسکری کے لیے طلب کر رہے ہیں۔ حضرت مسیح نے بعد مسرت رشتہ کو منظور کر لیا اور میرا عقد ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے اکثر خواب میں حضرت حسن عسکری کو دیکھا اور ان سے مطالبہ کیا کہ آپ کی خدمت میں حاضری کا راستہ کیا ہوگا تو ایک دن انہوں نے فرمایا کہ تمہارے یہاں سے ایک فوج جنگ پر جا رہی ہے تم اس میں شامل ہو جاؤ۔ عنقریب اس فوج کو شکست ہوگی اور اس کی عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے گا۔ تم ان قیدیوں میں شامل ہو جانا اور ان کے ساتھ بندھا تک آ جانا اس کے بعد میں تمہاری خریداری کا انتظام کر لوں گا۔ چنانچہ واقعہ ایسا ہی ہوا اور امام علی نقی نے خریداری کا انتظام کر دیا اور جناب زجرس اس گھر تک پہنچ گئیں۔ جس کے بعد انہوں نے اس واقعہ کی ایک کڑی کا اور ذکر کیا کہ میں اپنے عالم الفارک کے عقد کے بعد مسلسل اس خواب کی تعبیر

بکے لیے پریشان تھی اور نوبت شدید بیماری تک پہنچ گئی تھی تو ایک دن خواب میں جناب مریم اور جناب فاطمہ زہرا کو دیکھا اور ان سے فریاد کی کہ آخر آپ کے فرزند تک پہنچنے کا راستہ کیا ہوگا جن کی خدمت کا شرف آپ کے پدر بزرگوار نے عنایت فرمایا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ پہلے کلمہ اسلام زبان پر جاری کر دو اس کے بعد اس کا انتظام ہو جائے گا (اس لیے کہ سچی مذہب خاتون سے عقد تو ہو سکتا ہے لیکن رب العالمین نے جس مقصد کے لیے اس رشتہ کا انتخاب فرمایا ہے اس کی تکمیل دین اسلام کے بغیر ممکن نہیں ہے اس لیے کہ نور الہی کسی غیر موجد رحم میں نہیں رہ سکتا ہے) چنانچہ میں نے ان کی ہدایت کے مطابق کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا اور آج آپ کی خدمت میں حاضر ہوں امام علیؑ نے فرمایا کہ جس نوجوان نے تم سے سامرا پہنچنے کا وعدہ کیا تھا اسے پہچان سکتی ہو، عرض کی بے شک! آپ نے امام حسن عسکریؑ کو پیش کیا۔ جناب زین خاتون نے فوراً پہچان لیا اور آپ نے ان کو عقد کے اپنے فرزند کے حوالے کر دیا۔

(اس واقعہ میں عقد کی لفظ دلیل ہے کہ جناب زین کبیر نہیں تھے، ورنہ اسلام میں کبیر کی طہارت کے لیے عقد کی ضرورت نہیں ہوتی ہے تنہا کبیر ہی اس کے حلال ہونے کے لیے کافی ہوتی ہے جیسا کہ ان متعدد آیات قرآنی سے بھی ظاہر ہوتا ہے جن میں کبیر کی تذکرہ ازواج کے مقابل میں کیا گیا ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ کبیر الگ ایک شے ہے اور زوجیت الگ ایک شے ہے اور ایک مورد پر دونوں کا اجتماع ممکن نہیں ہے علاوہ اس کے کہ کبیر ایک شخص کی کبیر ہو اور دوسرے کی زوجہ ہو ورنہ ایک ہی جہت سے دونوں کا اجتماع ناممکن ہے۔)

اس کے بعد جناب حکیم نبت امام محمد تقی علیہ السلام بیان کرتی ہیں کہ ایک دن امام حسن عسکریؑ نے فرمایا کہ آج شب کو آپ میرے یہاں قیام کریں کہ پروردگار مجھے ایک فرزند عطا کرنے والا ہے۔ میں نے عرض کی کہ زین خاتون کے یہاں تو حمل کی کوئی علامت نہیں ہے۔ فرمایا کہ پروردگار اپنی جنت کو اسی طرح دنیا میں بھیجتا ہے، جناب مادر حضرت موسیٰ کے یہاں بھی آثار حمل نہیں تھے اور بالآخر جناب موسیٰ دنیا میں آگے اور فرعونوں کو خبر بھی نہ ہو سکی۔ چنانچہ میں نے امام کی خواہش کے مطابق گھر میں قیام کیا اور تمام رات حالات کی نگرانی کرتی رہی یہاں تک کہ میری ناز شب بھی تمام ہو گئی اور آثار حمل نمودار نہیں ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ زین نے

خواب سے بیدار ہو کر وضو کیا اور ناز شب ادا کی اور اس کے بعد درود کا احساس کیا، میں نے دعائیں پڑھنا شروع کیں۔ امام عسکریؑ نے آواز دی کہ سورہ انا انزلناہ پڑھے۔ میں نے سورہ قدر کی تلاوت کی اور یہ محسوس کیا کہ جیسے رحم مادر میں فرزند بھی میرے ساتھ تلاوت کر رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میرے اور زین کے درمیان ایک پردہ حائل ہو گیا اور میں سخت پریشان ہو گئی کہ اچانک امام عسکریؑ نے آواز دی کہ آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ اب جو پردہ اٹھا تو میں نے دیکھا کہ ایک چاند سا چہرہ رو قبیلہ سجدہ رہنے اور پھر آسمان کی طرف اشارہ کر کے کلمہ شہادتین زبان پر جاری کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ تمام امم کی امامت کی شہادت دینے کے بعد یہ فقرات زبان پر جاری کیے: "خدا یا! میرے وعدہ کو پورا فرما، میرے امر کی تکمیل فرما، میرے انتقام کو ثابت فرما اور زین کو میرے ذریعہ عدل و انصاف سے سمور کرے۔"

دوسری روایت کی بنا پر ولادت کے موقع پر بہت سے پندے بھی جمع ہو گئے اور سب آپ کے گرد پرواز کرنے لگے کہ گویا آپ پر قربان ہو رہے تھے۔ آپ کے دلہنے شانہ پڑجاء الحق و زہق الباطل ان الباطل کان زھوقاً کا نقش تھا اور زبان مبارک پر یہ آیت کریمہ تھی: "و فریدان نعمت علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلہم اممۃ و نجعلہم الوارثین"

اس کے بعد امام عسکریؑ کی ہدایت کے مطابق ایک پندہ فرزند کو اٹھا کر جانب آسمان لے گیا اور روزانہ ایک مرتبہ باپ کی خدمت میں پیش کرتا تھا اور عالم قدس میں آپ کی تربیت کا مکمل انتظام تھا۔ یہاں تک کہ چند روز کے بعد جناب حکیم نے دیکھا تو پہچان نہ سکیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھوپھی جان! ہم اہلبیت کی نشوونما عام انسانوں سے مختلف ہوتی ہے۔ صاحبان منصب الہی کی نشوونما ایک ماہ میں ایک سال کے برابر ہوتی ہے۔ چنانچہ جناب حکیم نے اس فرزند جن عسکریؑ سے تمام صحف سماویہ اور قرآن مجید کی تلاوت بھی سنی ہے۔

(واضح رہے کہ وقت ولادت سورہ انا انزلناہ کی تلاوت کا شاید ایک راز یہ بھی تھا کہ اس سورہ میں ہر شب قدر میں ملائکہ آسمان کے امر الہی کے ساتھ نازل ہونے کا ذکر ہے اور یہ تلاوت ہے کہ ہر دور میں ایک صاحب الامر کارہنا ضروری ہے اور آج دنیا میں آنے والا اپنے دور کا

صاحب الامر ہے۔)

محمد بن عثمان عمروی راوی ہیں کہ صاحب الامر کی ولادت کے بعد امام عسکری نے بطور عقیقہ متعدد جانور ذبح کرنے کا حکم دیا اور دس ہزار رطل روٹی اور اسی مقدار میں گوشت تقسیم کرنے کا حکم دیا اور میں نے اسی کے مطابق عمل کیا۔

دو دفعہ رہے کہ عقیقہ میں ایک جانور کی قربانی بھی کافی ہوتی ہے اور صحت عقیقہ کے گوشت کی تقسیم بھی کافی ہوتی ہے لیکن امام عسکری نے متعدد جانور ذبح کرنے کا حکم دیا اور کافی مقدار میں گوشت اور روٹی کی تقسیم کا بھی حکم دیا، جس سے حضرت صاحب الامر کی خصوصیت اور ان کے امتیاز کے علاوہ اس نکتہ کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ اس طرح آبادی کے ایک بڑے حصہ کو حضرت صاحب الامر کی ولادت کی خبر ہو جائے گی اور اس کے بعد اگر لوگ ان کی زیارت نہ بھی کر سکیں تو ان کے وجود کا انکار نہ کر سکیں گے اور چند سال کے بعد جب میرا انتقال ہو جائے گا تو کوئی یہ نہ کہنے پائے گا کہ حسن عسکری لا ولد دنیلہ سے زہمت ہوئے ہیں۔ صاحب الامر کی ولادت کی خبر کا عام ہونا ضروری تھا کہ اس سے پوری کائنات کا استقبال وابستہ تھا اور اسی کے سہارے سارے صاحبان ایمان کو زندہ و سلامت رہنا تھا۔ ایسا نہ ہو کہ کل حکام جو اس کے وجود کا انکار کر کے مطمئن ہو جائیں اور صاحبان ایمان شک اور شبہ میں مبتلا ہو جائیں۔

یہ کام اگرچہ امام حسن عسکری کے لیے انتہائی مشکل تھا کہ حکومت وقت کی طرف سے آپ کے گھر کی سخت ترین نگرانی کی جا رہی تھی اور تمام تر کوشش یہی تھی کہ آخری حجت پروردگار دنیا میں نہ آنے پائے اور قدرت نے اس کے مقابلہ میں غیبت کا مکمل اہتمام بھی کر دیا تھا اور آپ نے بھی ولادت سے پہلے انتہائی راز داری سے کام لیا تھا لیکن اس کے باوجود جب صاحب الامر کو پرندہ (روح القدس) نے اپنی تحویل میں لے لیا اور ظالموں کے شر سے محفوظ ہو گئے تو آپ نے دوسرے فریضہ کو انتہائی اہم قرار دیا کہ قوم میں ان کی ولادت کا اعلان ہو جائے اور دنیا کو آخری وارث پیغمبر کے نزول و اجلال کا علم ہو جائے چاہے اس کے نتیجے میں حکومت وقت کی طرف سے کسی قدر بھی مشکلات اور مصائب کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے اور اس راہ میں کسی قدر آفات و شدائد کیوں نہ برداشت کرنا پڑیں۔ آپ کا اسم گرامی محمد اور کنیت ابو القاسم ہے اور یہ آپ کے امتیازات میں سے ہے کہ

رسول اکرم نے آپ کو اپنے نام اور کنیت دونوں کا وارث قرار دیا ہے ورنہ دونوں کا اجتماع عام طور سے ممنوع ہے جس طرح کہ اکثر علماء نے دو کیفیت کبریٰ کو آپ کو اس نام گرامی "محمد" کے ساتھ یاد کرنے کی سخت مانعت کی ہے اور بعض روایات میں اس نام سے یاد کرنے کو حرام تک قرار دیا گیا ہے۔

آپ کے معروف القاب و خطابات یہ ہیں جن کے ذریعہ یاد کرنے کی تاکید کی گئی ہے:
۱۔ بقیۃ النبی۔ روایات میں وارد ہوا ہے کہ جب وقت ظہور آپ دیوار کعبہ سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوں گے تو آپ کے گرد ۲۱۳ اصحاب کا مجمع ہوگا، تو سب سے پہلے اس آیت کی تلاوت کریں گے "بقیۃ اللہ خیر لکم ان کنتم مومنین" اگر تم لوگ صاحب ایمان ہو تو تمہارے لیے خیر اور بھلائی بقیۃ النبی ہے جسے پروردگار نے اس دن کے لیے ہمارا رکھ لیا ہے۔

۲۔ حجت۔ یہ لقب اگرچہ دیگر ائمہ معصومین کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے اور انہیں بھی جواز اللہ کہا جاتا ہے لیکن عام طور سے حضرت حجت سے آپ ہی کی ذات گرامی مقصود ہوتی ہے اور شاید اس کا ایک راز یہ بھی ہو کہ آپ کے ذریعہ پروردگار مادی اور منوی دونوں اعتبار سے اپنی حجت تمام کر دے گا اور شاید اسی لیے آپ کی انگلشتری مبارک کا نقش بھی "انا حجة اللہ ہے۔"

۳۔ خلف یا خلف صالح۔ یہ لقب بھی آپ کے بارے میں اکثر ائمہ طاہرین کی حدیثوں میں وارد ہوا ہے اور حقیقت امر یہ ہے کہ آپ تمام انبیاء و مرسلین کے جانشین اور ان کے کمالات کے وارث ہیں جیسا کہ حدیث مفضل میں وارد ہوا ہے کہ وقت ظہور دیوار کعبہ سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوں گے اور فرمائیں گے کہ جو شخص بھی آدم، شیت، نوح، سام، ابراہیم، اسماعیل، موسیٰ، یوشع، شمعون رسول اکرم اور ائمہ طاہرین کی زیارت کرنا چاہے وہ مجھے دیکھ لے کہ میں سب کے کمالات کا وارث اور مکمل انبیاء و اولیاء کا خلف صالح ہوں۔

۴۔ شریف (دوران قادہ) اس لقب کا راز غالباً یہ ہے کہ زمانہ نبی سے معرفت کی بنیاد پر آپ کو سماج سے دور کر دیا ہے اور آپ نے مصلحت الہی کی بنا پر اپنے کو معاشرہ سے دور رکھا ہے جیسا کہ خود آپ نے فرمایا تھا کہ میرے والد لڑا لڑا گوارنے وصیت فرمائی ہے کہ اپنے کو سماج سے دور رکھنا کہ ہر وہی خدا کے دشمن ہوتے ہیں اور رب العالمین تمہیں باقی رکھنا چاہتا ہے۔

۵۔ غریم (قرض دار یا قرض خواہ)۔ اس لقب کا راز یہ بتایا جاتا ہے کہ آپ کا امت مسلمہ

کے ذمہ قرض ہے اور آپ پر احکام اسلامیہ کا قرض ہے جسے ادا کرنے کے لیے آپ کو باقی رکھا گیا ہے اور جس کے لیے آپ اسی طرح بے چین رہتے ہیں جس طرح ایک قرض دار اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے بے چین رہا کرتا ہے۔

روایات میں اس لقب کی ایک مصلحت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اس طرح مومنین اپنے حقوق کو مختلف افراد کے ذریعہ امام تک پہنچا دیا کرتے تھے اور کسی بھی شخص کو مال دیتے ہوئے اس لقب کا استعمال کیا کرتے تھے اور کہتے تھے ہمارے قرض خواہ تک پہنچا دینا اور یہ بات سو فیصد صحیح تھی کہ امت کے ذمہ امامت کے بے شمار حقوق ہیں جنکی ادائیگی کی ذمہ داری امت کے لیے ضروری ہے۔

۶۔ قائم۔ اس لقب کا راز یہ ہے کہ اصلاح عالم کی خاطر آخری قیام اور انقلاب آپ ہی کے ذمہ رکھا گیا ہے جیسا کہ ابو حمزہ نے امام باقرؑ کی روایت میں نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ جب آپ سب ہی حق کے ساتھ قیام کرنے والے ہیں تو صرف آخری حجت کو قائم کیوں کہا جاتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ شہادت امام حسین کے بعد ملائکہ نے بارگاہ احدیت میں عرض کی کہ تیرے پیارے نبی کا پیارا فرزند شہید ہو گیا اور ہم اس کی ملک بھی نہ کر سکے تو ارشاد احدیت ہوا کہ تمہیں آخری وارث حسین کی ملک کے لیے باقی رکھا گیا ہے اور اس کے بعد جملہ انوار ائمہ کو ظاہر کیا گیا تو انہی مشغول نماز تھا۔ ارشاد قدرت ہوا کہ یہی قائم ایک دن قیام کرنے والا ہے اور اس کے ذریعہ دنیا کو عدل و انصاف سے معمور کیا جائے گا۔

واضح رہے کہ امام کے انقباب میں اس لقب کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ جب آپ کے اس لقب کا تذکرہ کیا جائے تو انسان کو کھڑا ہو جانا چاہیے جیسا کہ علامہ عبدالرفان محمد نے اپنی کتاب "تاجیہ نیران الاحزان فی وفاة سلطان خراسان" میں نقل کیا ہے کہ جب وکیل خزاعی نے اپنے قصیدہ میں امام کا ذکر کیا تو امام رضاؑ و پاکھڑے ہو گئے اور آپ نے اپنا ہاتھ اپنے سر مبارک پر رکھ لیا اور ظہور امامت میں عجلت کی دعا فرمائی۔ اور اس کے بعد یہ طریقہ شیعوں میں رائج ہو گیا۔

ظاہر ہے کہ اس کا مقصد صرف عظمت امام کا اظہار نہیں ہے ورنہ یہ طریقہ کار ہر امام کے ذکر کے ساتھ ہونا چاہیے تھا بلکہ بزرگوں کے ذکر کے ساتھ بطریق اولیٰ ہونا چاہیے تھا لیکن صرف امام عشر

کے ذکر کے ساتھ یہ طریقہ کار علامت ہے کہ اس طرح امت اسلامیہ کو تربیت دی جا رہی تھی کہ جب امام کے قیام کا ذکر آئے تو فوراً کھڑے ہو جائیں تاکہ اس کے بعد جب واقف قیام کی منزل سامنے آجائے اور یہ خبر نشر ہو کہ انہوں نے مکہ سے قیام فرمایا ہے تو فوراً نصرت کے لیے کھڑے ہو جائیں اور سر پہ ہاتھ رکھ کر تسلیم خم کر دیں کہ اب اس سر کو بھی آپ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے حاضر ہیں۔ (منتہی الآمال)

۷۔ مہدی۔ اس لقب کا ذکر روایات مرسلہ عظیم میں بھی بکثرت پایا جاتا ہے اور اسی لیے تمام عالم اسلام میں آپ کو عام طور سے اسی لقب کے ذریعہ پوجانا جاتا ہے اور اس کے بارے میں روایت میں وارد ہوا ہے کہ جو مہدی کے قیام اور خروج کا انکار کرے اس سے پیغمبر اسلام پر نازل ہونے والے تمام احکام کا انکار کر دیا ہے۔ پیغمبر کے تمام احکام اور تعلیمات کا دار و مدار قیام مہدی پر ہے اور اس سے انحراف کے معنی سارے احکام و تعلیمات سے انحراف کے ہیں۔

۸۔ منتظر۔ یہ آپ کی واضح ترین صفت ہے کہ تمام صاحبان ایمان کو مسلسل آپ کا انتظار ہے اور روایات معصومین میں برابر اس انتظار کی تاکید کی گئی ہے اور اسے افضل اعمال قرار دیا گیا ہے واضح رہے کہ انتظار کے افضل اعمال بچنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ انتظار ایک عمل ہے بے عملی اور کاہلی نہیں ہے اور زمانہ کو اس کے حالات پر چھوڑ کر بغیر کسی اصلاحی عمل اور حرکت کے صرف ظہور امام کی آس لگا کر بیٹھنا ایک طرح کی کاہلی اور سستی ہے انتظار نہیں ہے۔ انتظار کے لیے مقدمات کا فراہم کرنا اور حالات کا سازگار بنانا ایک بنیادی شرط ہے۔ کسی مجلس میں ذاکر کا انتظار کرنے والا فرش عزائم چھا دیتا ہے اور کسی مسجد میں امام جماعت کا انتظار کرنے والا مصیبت درست کر لیتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان امام عتیقی کے قیام کا انتظار کرے اور مصیبت منظم کرے زیدیہ و دل فرس راہ کرے۔ دنیا میں ہر اصلاحی عمل اور تحریک انتظار امامت کی اعلیٰ ترین فرد ہے جس سے بہتر انتظار کا کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ انتظار میں دو خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ انتظار اعتبار کی دلیل ہے کہ انسان کو جس کا اعتبار ہوتا ہے اسی کا انتظار بھی کرتا ہے اور جب اعتبار ختم ہو جاتا ہے تو انتظار بھی ختم کر دیتا ہے۔ انتظار امامت کی تاکید بقائے اعتبار ظہور امام کا بہترین ذریعہ ہے۔

اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ انتظار کا ایک رُخ یہ بھی ہے کہ انسان موجودہ حالات سے راضی نہیں ہے اور ایک بہترین مستقبل کا انتظار کر رہا ہے گویا اس تعلیم کے ذریعہ اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان کو مال، دولت، خزانہ اور اقتدار کچھ بھی کیوں نہ حاصل ہو جائے اسے اپنے دور کے نظام کو آخری سمجھ کر مطمئن نہ ہو جانا چاہیے بلکہ دین و مذہب کی ابتر حالت کا لحاظ رکھ کر اس عظیم مستقبل کا انتظار کرنا چاہیے اور اس کے لیے زمین ہموار کرنا چاہیے جو دین و مذہب، اور احکام و تعلیمات الہیہ کے لیے سکون و اطمینان کا دور ہو گا۔ انسان کا اپنا سکون و اطمینان کوئی قیمت نہیں رکھتا ہے اگر دین الہی کو سکون و اطمینان حاصل نہ ہو سکے۔

۹۔ ما معین (چشمہ جاری)۔ اس لقب میں قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ "اگر پروردگار پانی کو زمین میں جذب کر دے تو چشمہ جاری کو کون منظر عام پر لاسکتا ہے؟" یعنی دنیا میں جس قدر آب جاری نظر آ رہا ہے سب رحمت الہی کا کرشمہ ہے۔ اسی طرح جب رحمت الہی کا تقاضا ہو گا تو چشمہ جاری علوم و کمالات آل محمد بھی منظر عام پر آجائے گا اور تمام دنیا اس کے فیوض و برکات سے استفادہ کرے گی اور یہ زمین دل کو اسی طرح زندہ کرے گا جس طرح آب رحمت عام مردہ زمینوں کو زندہ بنا دیا کرتا ہے۔

۱۰۔ غائب۔ یہ امام کی واضح ترین صفت ہے اور اس کی طرف ائمہ ظاہرین نے لفظی اشارات کے علاوہ عملی اشارات بھی فرمائے ہیں۔ مثال کے طور پر آخری دور کے ائمہ معصومین اکثر حالات میں قوم سے ملاقات نہیں فرمایا کرتے تھے تاکہ لوگ غیبت کے عادی ہو جائیں اور غیبت کی بنیاد پر وجود امام کا انکار نہ کرنے پائیں۔ خود امام عصر کی زندگی کا ابتدائی دور بھی اسی عالم میں گزرا ہے کہ جناب حکیم جنوں نے ولادت کے موقع پر سارے فرائض انجام دیئے ہیں انہیں بھی ہفتہ عشرہ یا بعض اوقات چالیس دن کے بعد ہی زیارت نصیب ہوتی تھی اور یہی حال دیگر اصحاب اور زاہل خاندان کا تھا کہ اکثر افراد نے ولادت کے بعد صرف اس وقت دیکھا جب آپ پدر بزرگوار کی نماز جنازہ کے لیے تشریف لائے اور جعفر کو ہٹا کر نماز جنازہ ادا فرمائی۔ اس کے بعد پھر آپ نے اپنی غیبت کے دو حصے رکھے: غیبت صغریٰ جس کا سلسلہ تقریباً ۷ سال تک جاری رہا اور اس میں مختلف سفراء کے ذریعہ خط و کتابت اور سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا تاکہ لوگ غیبت پر ایمان کے عادی ہو جائیں اور

یہ اعتقاد راسخ ہو جائے کہ غیبت کے ذریعہ فیوض و برکات کا سلسلہ موقوف نہیں ہوتا بلکہ ہدایت و ارشاد کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

۱۰۔ سال کی اس تربیت کے بعد غیبت کبریٰ کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ایک اعلان عام ہو گیا کہ اس کے بعد سوالات کے جوابات براہ راست نہیں ملیں گے بلکہ ہمارے محفوظ تعلیمات کے ذریعہ حاصل کرنا ہوں گے اور ان تعلیمات سے استنباط و استخراج کا کام وہ علماء و اعلام انجام دیں گے جو اپنے نفس کو ہوا ہوس سے بچانے والے، اپنے دین کو خطرات سے محفوظ رکھنے والے اپنے پیاروں کے احکام کی اطاعت کرنے والے اور اپنے خواہشات کی مخالفت کرنے والے ہوں گے یہی جو حجت امام ہوں گے اور انہیں کے ذریعہ امت کی ہدایت کا کام انجام دیا جائے گا۔ یہ احکام کو کتاب و سنت سے بھی حاصل کریں گے اور ملاقات امام کے ذریعہ بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ وقت ظہور تک ملاقات کرنے والوں کی فہرست نہیں تائی جاسکتی ہے اور فہرست میں بھی ہر شخص کے اپنے ہی اوپر منطبق کر لینے کا خطرہ ہے لہذا یہ اعلان عام کر دیا گیا کہ اگر کوئی شخص غیبت کبریٰ میں مشاہدہ اور ملاقات کا دعویٰ کرے اور امام کی طرف سے کوئی ایسی خبر ملے کہ اسے جو عام تعلیمات کتاب و سنت سے ہم آہنگ نہ ہو تو خبردار اس کی تصدیق نہ کرنا اور اسے افترا پر داند کھج کر اس کی بات رد کر دینا در نہ نئی شریعت سازی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا اور اصلی دین تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گا۔ یہ روک تھام اور پابندی بھی دور غیبت میں فرض ہدایت کے انجام دینے کا ایک راستہ ہے کہ اس طرح گمراہی کو اس کے پیدا ہونے سے پہلے ختم کر دیا جائے اور مذہب میں کوئی نیا کاروبار نہ قائم ہو سکے۔

دفعہ دہمہ کہ غیبت امام کے باوجود میں دو طرح کے تصورات پائے جاتے ہیں:

(۱) غیبت شخصی اور (۲) غیبت شخصیت

غیبت شخصی کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ خود انسان نگاہوں سے غائب رہے اور ایسے مقام پر محفوظ اور مستور ہو جائے کہ کوئی نگاہ اسے دیکھ نہ سکے جو عام طور سے غیبت کا مفہوم سمجھا جاتا ہے اور اسی اعتبار سے کسی انسان کو غائب کہا جاتا ہے۔

اور غیبت شخصیت کے معنی یہ ہیں کہ انسان نگاہوں کے سامنے موجود رہے لیکن اس کی شخصیت

ننگا ہوں سے غائب رہے جس طرح کہ جناب موسیٰ اور فرعون کے قصہ میں واضح طور پر یہ بات نظر آتی ہے کہ جناب موسیٰ فرعون کے قصہ میں اور اس کی آغوش میں رہے لیکن وہ آخر دم تک ان کی شخصیت کا اندازہ نہ کر سکا اور برابر یہی کہتا رہا کہ کہیں یہ وہی بچہ تو نہیں ہے جس کے بارے میں ہمیں نے خبر دی ہے کہ وہ میری سلطنت کے لیے ایک عظیم خطرہ بن کر ابھرنے والا ہے۔

روایات اور واقعات پر وقت نظر سے کام لیا جائے تو امام زمانہ کی غیبت کا یہی مفہوم منظر عام پر آتا ہے اور اسی غیبت کی بنیاد پر ان سارے واقعات کی توجیہ کی جاسکتی ہے جن میں ملاقات امام کا ذکر پایا جاتا ہے لیکن آپ کی شخصیت کا اندازہ نگاہوں سے غائب ہوجانے کے بعد ہوا اور بروقت یہ احساس بھی نہ پیدا ہو سکا اور اسی مفہوم کی بنیاد پر ان روایات کی توجیہ بھی کی جاسکتی ہے جن میں یہ مضمون پایا جاتا ہے کہ آپ کے ظہور کے وقت بہت سے افراد اس بات کے دعویدار ہوں گے کہ ہم نے آپ کو مختلف مقامات پر دیکھا ہے اور مناسک حج کے موقع پر آپ کی زیارت کا باقاعدہ شرف حاصل کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس وقت اس امر کا اندازہ نہیں تھا کہ آپ امام زمانہ ہیں اور آج باقاعدہ ظہور کے بعد اس حقیقت کا بھی اعلان ہو گیا ہے۔

غیبت کا پہلا مفہوم بھی بعض اعتبارات سے صحیح ہے اور عام طور سے لوگ آپ کے حال مبارک کی زیارت سے محروم ہیں لیکن مکمل طور پر غیبت کے باوجود ملاقاتوں کا سلسلہ دوسرے ہی مفہوم کی تائید کرتا ہے۔ بہر حال غیبت امام عصر کے ان خصوصیات میں ہے جن کے اعتبار سے آپ کو منظر اوصاف الہیہ کہا جاسکتا ہے کہ گویا آپ کو پروردگار نے دیگر صفات جمال و کمال کی طرح اپنی غیبت کا منظر بھی قرار دیا ہے یہ اور بات ہے کہ غیبت الہیہ میں کسی طرح کے مشاہدہ کا امکان نہیں ہے اور غیبت امام میں بہر حال مشاہدہ کا امکان بلکہ یقین پایا جاتا ہے اور اس اعتبار سے غیبت امام کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ غیبت اسلام کے تمام غیب کے درمیان سب سے آسان ترین غیبت ہے جس پر انسان باسانی ایمان پیدا کر سکتا ہے۔

جب مرد مسلمان اس غیبت الہیہ پر ایمان لاچکا ہے جس میں ماضی میں مشاہدہ تھا اور مستقبل میں مشاہدہ کا امکان ہے اور اس غیبت رسول پر ایمان لاچکا ہے جس میں ماضی میں مشاہدہ تھا لیکن مستقبل میں اس دنیا میں عام اسلامی عقائد کی بنیاد پر مشاہدہ کا امکان نہیں ہے اور اس آخرت پر ایمان

رکھتا ہے جس کا ماضی میں کوئی مشاہدہ نہیں تھا اور صرف مستقبل میں مشاہدہ کا یقین ہے اور وہی اس دنیا کی آخری انتہا ہے، تو اس غیبت امام پر ایمان لانے میں کیا تکلف ہے جس میں ماضی اور مستقبل دونوں طرف مشاہدہ پایا جاتا ہے اور صرف دور حاضر غیبت کا دور کہا جاتا ہے اور اس کے علاوہ مستقل غیب کا کوئی سوال نہیں ہے۔

امام کی غیبت ہی سے ظہور کا اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ آپ کے ظہور کا مفہوم بھی کسی گناہ مقام یا جزیرہ سے منتقل ہو کر کسی خاص مقام پر نمایاں ہوجانا نہیں ہے بلکہ ننگا ہوں سے اس پر وہ کا اٹھ جانا ہے جو آج امت اور امام کے درمیان حائل ہے، یا شخصیت کے اس ابہام کا ختم ہوجانا ہے جو مصلحت الہی کی بنیاد پر قائم ہے اور جس کی بنا پر شخصیت کا باقاعدہ تعارف نہیں ہو رہا ہے اگرچہ امکان ہے کہ وہ ہمارے مشاہدہ میں برابر یا کبھی کبھی آ رہا ہو اور شاید اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مالک کائنات نے حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ہے کہ: "ہمارے کسی بندہ کو حقیر نہ سمجھ لینا کہیں وہ ہمارا کوئی ولی نہ ہو" ہم اپنے ماحول کی گزند و بھاری کی بنا پر شخصیت کو لباس اور ظاہری آرائش و زیبائش سے پہچانتے ہیں اور اولیاء خدا کا انداز اس سے بالکل مختلف ہوا کرتا ہے لہذا اس کا امکان بہر حال رہتا ہے کہ ہم کسی انسان کو معمولی سمجھ کر اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھیں اور بعد میں وہ ولی خدا ثابت ہو، اور ہم کو ولی خدا کی توہین کا جواب دہ ہونا پڑے جس کے بارے میں روایت میں وارد ہوا ہے کہ جس نے میرے ولی کی توہین کی اس نے مجھے دعوت جنگ سے دی اور میرے مقابلہ پر کھڑا ہو گیا میں اپنے ولی کی عزت کو اپنی عزت اور اس کی توہین کو اپنی توہین تصور کرتا ہوں، صاحبان ایمان کی عزت، عزت الہیہ سے وابستہ ہے اور ان کی توہین بھی توہین پروردگار کے مراد ہے۔ واضح رہے کہ امام عصر کے بارے میں تین طرح کے موضوعات زیر بحث آتے ہیں:

(۱) غیبت (۲) ظہور (۳) انتظار

دو کا تعلق ان کی ذات مبارک سے ہے اور ایک کا تعلق ہمارے فرائض سے ہے۔ غیبت ظہور اور انتظار کے مفہام کا تذکرہ کرنے کے بعد اب ان سے متعلق تین موضوعات باقی رہ جاتے ہیں جن کی وضاحت بہر حال ضروری ہے۔

غیبت کے سلسلہ میں فرائض و غیبت، انتظار کے سلسلہ میں علامات ظہور اور ظہور کے بارے میں خصوصیات طرز حکومت اور اس امر کی وضاحت کہ امام زمانہ ظہور کے بعد کیا امور انجام دیں گے اور کس طرح ظلم و جور سے بھری ہوئی دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔

فرائض و غیبت

علامہ شیخ عباس قمی علیہ الرحمہ نے دور غیبت امام میں آٹھ طرح کے فرائض کا تذکرہ کیا ہے جو احساس غیبت امام اور انتظار امام کی حقیقت کے واضح کرنے کے بہترین وسائل ہیں اور جن کے بغیر ایمان بالغیب مکمل ہو سکتا ہے اور نہ انسان کو منتظرین امام زمانہ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ ان آٹھ فرائض کی مختصر تفصیل یہ ہے:

۱۔ محزون و رنجیدہ رہنا۔ حقیقت امر یہ ہے کہ انسان کو غیبت امام کی حقیقت اور اس سے پیدا ہونے والے نقصانات کا اندازہ ہو جائے تو اس کی زندگی سے مسرت و بہتاج ناپید ہو جائے۔ زمانہ کے بدترین حالات، اہل زمانہ کے بے پناہ ظلم و ستم، نظام اسلامی کی بربادی، تعلقا الہیہ کا استہزاء اور اس طرح کے بے شمار معاملات ہیں جن سے غیبت امام کے نقصانات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اور ان کا احساس ہی انسان کے آنسو بہانے کے لیے کافی ہے۔ پھر اگر یہ بات صحیح ہے کہ امام انسان کی زندگی کی محبوب ترین شخصیت کا نام ہے، تو کیسے ممکن ہے کہ محبوب نگاہوں سے اوجھل رہے اور عاشق کے دل میں اضطراب اور بے قراری نہ پیدا ہو اور وہ اپنے محبوب کی طرف سے اس طرح غافل ہو جائے کہ مخصوص تادیخوں اور مواقع کے علاوہ اس کے وجود اور اس کی غیبت کا احساس بھی نہ پیدا کرے۔

دعاے ندب میں انہیں تمام حالات کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے اور اسی لیے اس دعا کو دعا کا نام دیا گیا ہے کہ انسان اس کے مضامین کی طرف متوجہ ہو جائے اور غیبت امام کی مصیبت کا صحیح اندازہ کر لے تو گریہ اور ندب کیسے بغیر نہیں رہ سکتا ہے اور شاید اسی لیے اس دعا کی تاکید ایام عید میں کی گئی ہے یعنی روز عید فطر، روز عید قربان، روز عید غدیر اور روز جمعہ جسے بعض اسلامی احکام کے اعتبار سے عید سے تعبیر کیا گیا ہے کہ عید کا دن انسان کے لیے انتہائی مسرت کا دن ہوتا ہے۔

اور اس دن ایک محب اور عاشق کا فرض ہے کہ اپنے محبوب حقیقی کے فراق کا احساس پیدا کرے اور اس کی فرقت پر آنسو بہائے تاکہ اسے فراق کی صحیح کیفیت کا اندازہ ہو سکے جیسا کہ امام محمد باقر نے فرمایا ہے کہ جب کوئی عید کا دن آتا ہے تو ہم آل محمد کا غم تازہ ہو جاتا ہے کہ ہم اپنا حق اغیار کے ہاتھوں پامال ہوتے دیکھتے ہیں اور مصلحت الہیہ کی بنیاد پر کوئی آواز بھی بلند نہیں کر سکتے اور صحرا میں میں مولائے کائنات کے دور سے امام عسکریؑ تک ہر امام نے غیبت کے نقصانات اور مصائب کا تذکرہ کر کے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کائنات میں خیر صرف اس وقت نمایاں ہوگا جب ہمارا قائم قیام کرے گا اور اس سے پہلے اس دنیا سے کسی واقعی خیر کی امید نہیں کی جاسکتی ہے تاکہ انسان مومن بدترین حالات سے بھی ناپوس نہ ہو جائے اور پھر انہیں حالات سے راضی اور مطمئن بھی نہ ہو جائے کہ یہ اس کے نقص ایمان کا سب سے بڑا ذریعہ ہوگا۔

اس مقام پر سدیر صیرفی کی اس روایت کا نقل کرنا مناسب نہ ہوگا کہ میں صدیوں اور مفضل بن عمر اور ابو بصیر اور ابان بن تغلب امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوں تو دیکھا کہ آپ خاک پر بیٹھے ہوئے بے حاشہ گریہ فرما رہے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں کہ میرے سردار! تیری غیبت نے میری مصیبت کو عظیم کر دیا ہے، میری نیند کو ختم کر دیا ہے اور میری آنکھوں سے سیلاب اشک جاری کر دیا ہے۔ میں نے حیرت زدہ ہو کر عرض کی کہ فرزند رسول! خدا آپ کو ہر بلا سے محفوظ رکھے یہ گریہ کا کون سا انداز ہے اور خدا نخواستہ کون سی تازہ مصیبت آپ پر نازل ہو گئی ہے؟ تو فرمایا کہ میں نے کتاب جعفر کا مطالعہ کیا ہے جس میں قیامت تک کے حالات کا ذکر موجود ہے تو اس میں آخری وارث پیغمبرؐ کی غیبت اور طول غیبت کے ساتھ اس دور میں پیدا ہونے والے بدترین شکوک و شبہات اور ایمان و عقیدہ کے تزلزل کے حالات اور پھر شیعوں کے مبتلائے شک و ریب ہونے اور تغافل اعمال کا مطالعہ کیا ہے اور اس امر نے مجھے اس طرح بے قرار ہو کر روئے پر مجبور کر دیا ہے کہ اس غیبت میں صاحبان ایمان کا کیا حشر ہوگا اور ان کا ایمان کس طرح محفوظ رہ سکے گا۔

عزیزان گرامی! اگر ہمارے حالات اور ہماری بد اعمالیاں سیکڑوں سال پہلے امام صادقؑ کو بے قرار ہو کر روئے پر مجبور کر سکتی ہیں تو کیا ہمارا یہ فرض نہیں ہے کہ ہم اس دور غیبت میں ان

حالات اور آفات کا اندازہ کر کے کم از کم روز جمعہ خلوص دل کے ساتھ دعائے تہذیب کی تلاوت کر کے اپنے حالات پر خود آنسو بہائیں کہ شاید اسی طرح ہمارے دل میں عشقِ امام زمانہ کا جذبہ پیدا ہو جائے اور ہم کسی آن ان کی یاد سے غافل نہ ہونے پائیں جس طرح کہ انھوں نے خود اپنے بارے میں فرمایا ہے کہ ہم کسی وقت بھی اپنے چاہنے والوں کی یاد سے غافل نہیں ہوتے ہیں اور نہ ان کی نگرانی کو نظر انداز کرتے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ ان کا اعتماد ہمارے اوپر رہے اور ان کی حفاظت و رعایت کی ذمہ داری بھی ہمارے ہی حوالے کی گئی ہے۔

۲۔ انتظارِ حکومت و سکون آلِ محمد۔ اس انتظار کو دورِ غیبت میں افضل اعمال قرار دیا گیا ہے اور اس میں اس امر کا واضح اشارہ پایا جاتا ہے کہ اس دنیا میں ایک دن آلِ محمد کا اقتدار ضرور قائم ہونے والا ہے اور مومنین کرام کی ذمہ داری ہے کہ اس دن کا انتظار کریں اور اس کے لیے زمین ہموار کرنے اور فضا کو ساگرا بنانے کی کوشش کرتے رہیں۔

اب یہ دور کب آئے گا اور اس کا وقت کیلئے؟ یہ ایک رازِ الہی ہے جس کو تمام مخلوقات سے مخفی رکھا گیا ہے۔ بلکہ روایات میں یہاں تک وارد ہوا ہے کہ امیر المومنین کے زخمی ہونے کے بعد آپ کے صحابی عمرو بن لُحْمَق نے آپ کی عیادت کرتے ہوئے عرض کی کہ مولانا! ان مصائب کی انتہا کیلئے؟ تو فرمایا کہ ستھہ تک۔ عرض کی کہ کیا اس کے بعد راحت و آرام ہے؟ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا اور غش کھا گئے۔

اس کے بعد جب غش سے افاقہ ہوا تو دوبارہ سوال کیا۔ فرمایا بے شک ہر بلا کے بعد سہولت اور آسانی ہے لیکن اس کا اختیار پروردگار کے ہاتھ میں ہے۔

اس کے بعد ابو حمزہ ثمالی نے امام باقرؑ سے اس روایت کے بارے میں دریافت کیا کہ ستھہ تو گزر چکا ہے لیکن بلاؤں کا سلسلہ جاری ہے؟ تو فرمایا کہ شہادتِ امام حسین کے بعد غضبِ پروردگار شدید ہوا تو اس نے سہولت و سکون کے دور کو آگے بڑھا دیا۔

پھر اس کے بعد ابو حمزہ نے یہی سوال امام صادق سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ بے شک غضبِ الہی نے اس مدت کو دوگنا کر دیا تھا، اس کے بعد جب لوگوں نے اس ماز کو فاش کر دیا تو پروردگار نے اس دور کو مطلق راز بنا دیا اور اب کسی کو اس امر کا علم نہیں ہو سکتا ہے، اور

ہر شخص کا فرض ہے کہ اس دور کا انتظار کرے کہ انتظارِ ظہور کرنے والا مر بھی جائے گا تو وہ قائم آلِ محمد کے اصحاب میں شمار کیا جائے گا۔

۳۔ امام کے وجودِ مبارک کی حفاظت کے لیے بارگاہِ اہدیت میں دستِ بدعا رہنا۔ ظاہر ہے کہ دعا ہر اس سلسلہ کا علاج ہے جو انسان کے امکان سے باہر ہو اور جب دورِ غیبت میں امام کی حفاظت کسی اعتبار سے بھی ہمارے اختیار میں نہیں ہے اور ہم خود انھیں کے رحم و کرم سے زندہ ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے وجودِ مبارک کی حفاظت کے لیے بارگاہِ اہدیت میں مسلسل دعائیں کرتے رہیں اور کسی وقت بھی اس فرض سے غافل نہ ہوں۔ "اللهم کن لولیک الحجة، الحسن، الحسن" جسے عام طور سے اثنائے نماز قنوت یا بعد نماز وظیفہ کے طہ پر پڑھا جاتا ہے۔ امام علیہ السلام کے وجود کی حفاظت، ان کے ظہور کی سہولت اور ان کی عادلانہ حکومت کے بارے میں جامع ترین دعا ہے، جس سے صاحبانِ ایمان کو کسی وقت غافل نہیں ہونا چاہیے۔

۴۔ امام کی سلامتی کے لیے صدقہ نکالنا۔ صدقہ درحقیقت خواہشِ سلامتی کا عملی اظہار ہے کہ انسان جس کی سلامتی کی واقفیت رکھتا ہے اس کے حق میں صرف لفظی طور پر دعا نہیں کرتا ہے بلکہ عملی طور پر بھی دفعِ بلا کا انتظام کرتا ہے اور یہ انتظام صدقہ سے بہتر کوئی شے نہیں ہے۔ دعا ان لوگوں کے لیے بہترین شے ہے جو صدقہ دینے کی بھی استطاعت نہیں رکھتے ہیں۔ لیکن جن کے پاس یہ استطاعت پائی جاتی ہے وہ اگر صرف دعا پر اکتفا کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف لفظی کاروبار کرنا چاہتے ہیں اور امام کی سلامتی کے لیے چند پیسے بھی خرچ نہیں کرنا چاہتے ہیں جب کہ جو کچھ مالک کا نات سے لیا ہے وہ سب انھیں کے صدقہ میں لیا ہے اور جو کچھ آئندہ لینا ہے وہ بھی انھیں کے طفیل میں اور انھیں کے وسیلہ سے حاصل کرنا ہے۔

۵۔ امامِ عسکریؑ کی طرف سے حج کرنا یا دوسروں کو حج نیابت کے لیے بھیجنا۔ جو دور قدیم سے شیعوں کے درمیان مرسوم ہے کہ لوگ اپنے امام زمانہ کی طرف سے نیابتاً اعمال انجام دیا کرتے تھے اور امامِ عسکریؑ ان اعمال کی قدر دانی بھی فرمایا کرتے تھے جیسا کہ ابو محمدؑ علی کے حالات میں نقل کیا گیا ہے کہ انھیں کسی شخص نے امامِ عسکریؑ کی طرف سے نیابتاً حج کے لیے پیسے دیے تو انھوں نے

اپنے فاسق و فاجر اور شرابی فرزند کو حج نیابت امام کے لیے اپنے ساتھ لے لیا جس کا نتیجہ ہوا کہ میدانِ عرفات میں ایک انتہائی نوجوان شخص کو دیکھا جو یہ فرما رہے ہیں کہ تمہیں اس بات سے حیا نہیں آتی ہے کہ لوگ تمہیں حج نیابت کے لیے رقم دیتے ہیں تو تم فاسق و فاجر افراد کو یہ رقم دے دیتے ہو، قریب ہے کہ تمہاری آنکھ ضائع ہو جائے کہ تم نے انتہائی اندھے پن کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ راوی کہتا ہے کہ حج سے واپسی کے چالیس روز کے بعد ان کی وہ آنکھ ضائع ہو گئی جس کی طرف اس مرد نوجوان نے اشارہ کیا تھا۔

۶۔ امام عصر کا اسم گرامی آنے پر قیام کرنا۔ بالخصوص اگر آپ کا ذکر لفظ قائم سے کیا جائے کہ اس میں حضرت کے قیام کا اشارہ پایا جاتا ہے اور آپ کے قیام کے تصور کے ساتھ کھڑا ہو جانا محبت، عقیدت اور غلامی کا بہترین مقتضی ہے جس سے کسی وقت بھی غفلت نہیں کی جاسکتی ہے۔

۷۔ دورِ غیبت میں حفاظت دین و ایمان کے لیے دعا کرتے رہنا۔ امام صادق نے زرارہ سے فرمایا تھا کہ ہمارے قائم کی غیبت میں اس قدر شبہات پیدا کیے جائیں گے کہ اچھے خاصے لوگ شکوک ہو جائیں گے لہذا اُس دور میں ہر شخص کا فرض ہے کہ سلامتی ایمان کی دعا کرتا رہے اور یاد امام میں مصروف رہے اور عبد اللہ بن سنان کی امام صادق سے روایت کی بنا پر کم سے کم "یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک" کا ورد کرتا رہے کہ سلامتی دین و ایمان کے لیے یہ بہترین اور مختصر ترین دعا ہے۔

۸۔ امام زماڑے سے مصائب و بلیات کے موقع پر استغاثہ کرنا۔ کہ یہ بھی اعتقاد کے استحکام اور روابط و تعلقات کے دوام کے لیے بہترین طریقہ ہے اور پروردگار عالم نے ائمہ اطہر میں کو یہ طاقت اور صلاحیت دی ہے کہ وہ فریاد کرنے والوں کی فریاد رسی کر سکتے ہیں جیسا کہ ابو طاہر بن بلال نے امام صادق سے نقل کیا ہے کہ پروردگار جب اہل زمین تک کوئی برکت نازل کرنا چاہتا ہے تو پیغمبر اکرم سے امام آخر تک سب کو وسیلہ قرار دیتا ہے اور ان کی ایک جگہ سے گزرنے کے بعد برکت بندوں تک پہنچتی ہے اور جب کسی عمل کو منزل قبولیت تک پہنچانا چاہتا ہے تو امام زماڑے سے رسول اکرم تک ہر ایک کے وسیلہ سے گزار کر اپنی بارگاہِ جلال پناہ تک

پہنچاتا ہے اور پھر قبولیت کا شرف عنایت کرتا ہے بلکہ خود امام عصر نے بھی شیخ مفید کے خط میں تحریر فرمایا تھا کہ تمہارے حالات ہماری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہیں اور ہم تمہارے مصائب کی مکمل اطلاع رکھتے ہیں اور برابر تمہارے حالات کی نگرانی کرتے رہتے ہیں۔

علامہ مجلسی نے تحفۃ الزائرین میں نقل کیا ہے کہ صاحبانِ حاجت کو چاہیے کہ اپنی حاجت کو کسی کاغذ پر لکھ کر ائمہ اطہر میں کی قبور مبارکہ پر پیش کر دیں یا کسی خاک میں رکھ کر دریا یا نہر وغیرہ کے حوالہ کر دیں کہ امام زماڑے اس حاجت کو پورا فرمادیں گے۔ اس عریضہ کی ترسیل میں آپ کے چاروں نواب خاص میں سے کسی کو بھی مخاطب بنایا جاسکتا ہے۔ انشاء اللہ وہ اسی طرح امام کی بارگاہ میں پیش کریں گے جس طرح اپنی زندگی میں اس فرض کو انجام دیا کرتے تھے اور امام علیہ السلام اسی طرح مقصد کو پورا کریں گے جس طرح اُس دور میں کیا کرتے تھے۔

مَنْ أَنْكَرَ خُرُوجَ الْمَهْدِيِّ

اسلامی روایات کے مطالعہ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ سرکارِ دو عالم نے اپنی زندگی میں قیامت تک پیش آنے والے بیشتر واقعات کی وضاحت کر دی تھی اور پروردگار کی طرف سے ترتیب پانے والے نظامِ ہدایت کی صراحت فرمادی تھی۔

آیت اولی الامر کی وضاحت کرتے ہوئے ان تمام افراد کے ناموں کا بھی تذکرہ کر دیا تھا جنہیں پروردگار کی طرف سے منصبِ ہدایت تفویض ہوا تھا اور جن کے ذمہ صحیح قیامت تک ہدایتِ عالم کی ذمہ داری تھی۔

اس سلسلہ میں ایک عنوان "مہدی" بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے جس کی بار بار تکرار کی گئی ہے اور جس کے ذریعہ امت کو سمجھایا گیا ہے کہ کائنات کے لیے ایک مہدی کا وجود لازمی ہے، اور دنیا اس وقت فنا نہیں ہو سکتی ہے جب تک کہ مہدی منظرِ عام پر آکر ہدایتِ عالم اور اصلاحِ امت کا فرض انجام نہ دے دے۔

لفظ "مہدی" کی تفسیر میں یہ نکتہ بھی پوشیدہ تھا کہ وہ ایسا ہادی ہو گا جو اپنی رہنمائی میں کسی کی ہدایت کا محتاج نہ ہو گا بلکہ اسے پروردگار عالم کی طرف سے ہدایت حاصل ہوگی اور وہ دنیا کی ہدایت کا فرض انجام دے گا۔

یہ بات امتِ اسلامیہ میں اس قدر واضح تھی کہ ہر فرد کے مسلمان کو ایک مہدی کی تلاش تھی اور بسا اوقات تو ایسا بھی ہوا ہے کہ لوگ خود ہی مہدی بن گئے یا مسلمانین زمانے نے اپنی اولاد کے نام مہدی رکھ دیے تاکہ امت کے درمیان جانے پہچانے لقب سے فائدہ اٹھایا جاسکے، اور انہیں یہ سمجھایا جاسکے کہ جس کی آمد کی خبر سرکارِ دو عالم نے دی تھی وہ مہدی میرے گھر میں پیدا ہو چکا ہے۔

بالکل "مہدی" ہی کی طرح کا ایک عنوان "قائم" بھی تھا جس کا تذکرہ بار بار روایات میں وارد ہوا ہے اور اس کثرت سے وارد ہوا ہے کہ سلسلہٴ امامت کے درمیانی دور ہی سے امت کو ایک "قائم" کی تلاش شروع ہو گئی تھی اور جب بھی وہ حالات پیدا ہو گئے یا مظالم اُس منزل پر آ گئے جس منزل پر امت کے خیال میں "قائم" کا قیام ضروری تھا ایک "قائم" کی تلاش میں شدت پیدا ہو گئی اور لوگ بے چینی سے اس مصلحِ امت کا انتظار کرنے لگے جس کے قیام سے عالمِ انسانیت کی اصلاح ہو جائے گی اور دنیا کے حالات یکسر تبدیل ہو جائیں گے۔

بلکہ اکثر و بیشتر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لوگ ائمہ معصومین کی بارگاہ میں حاضر ہو کر بجز تیرہ سوال کرتے تھے کہ کیا سرکارِ ہی "قائم آل محمد" ہیں؟ یا اپنے جس فرزند کی امامت کا اعلان کر رہے ہیں اور اس کی طرف قوم کو متوجہ کر رہے ہیں یہی "قائم آل محمد" ہے۔ یعنی امت کے ذہن میں "قائم" کا تصور اذ "قائم" کے ساتھ بسا اظلم و جور کے فنا ہو جانے اور عدل و انصاف کے قائم ہونے کا تصور اس قدر راسخ تھا کہ جہاں حالات سے پریشانی پیدا ہوئی اور عدل و انصاف کی ضرورت محسوس ہوئی وہیں ایک "قائم" کی جستجو کا خیال صفحہٴ ذہن پر ابھرا آیا اور چون کہ مرسلِ عظیم نے مصلحِ امت کا تصور اپنی ہی نسل اور اپنے ہی خاندان کے بارے میں دیا تھا اس لیے لوگ اسی خاندان میں تلاش کرنے لگتے اور اس کی ہر فرد سے اصلاح کی آخری امید وابستہ کر کے اسے "قائم" کے لقب سے یاد کرنے لگتے۔

ائمہ معصومین نے بھی یہ اہتمام برقرار رکھا کہ ایک طرف یہ وضاحت کرتے رہے کہ ہم "قائم" نہیں ہیں یا ابھی آلِ محمد کے قیام کا وقت نہیں آیا ہے۔ "قائم" اس کے بعد آنے والا ہے اور دوسری طرف جہاں بھی لفظ "قائم" زبان پر آیا وہیں سر و قد کھڑے ہو گئے اور گویا کہ ایک طرح کا فرضِ تعظیم بجالائے جس کا ظاہری تصور یہی تھا کہ "قائم" ایسی با عظمت شخصیت کا نام ہے جس کے تذکرہ پر اس کے آبار و اجداد بھی کھڑے ہو جاتے ہیں اور تعظیم و تکریم کا انداز اختیار کر لیتے ہیں جس طرح کہ عظمتِ زہرا کے اظہار کے لیے مرسلِ عظیم قیام فرماتے تھے۔ لیکن حقیقی اعتبار سے اس کا ایک دقیق تر نکتہ یہ بھی تھا کہ ائمہ معصومین اس طرز عمل کے ذریعہ قوم کے ذہن میں یہ تصور راسخ کرنا چاہتے تھے کہ "قائم" کا کام تنہا قیام کرنا نہیں ہے کہ وہ اپنے قیام و جہاد کے ذریعہ سارے عالم کی اصلاح کرے اور امت خاموش تماشائی بنی رہے جس طرح کہ قوم موسیٰ نے جناب موسیٰ سے کہا تھا کہ

تنہا اپنے مختصر ساقیوں کے ساتھ پوری قوت ظلم و جور کے مقابلہ میں قیام کیا تھا اسی طرح یہ وارث حسین ساری دنیا کے ظلم و جور کے مقابلہ میں اپنے چند مخصوص اصحاب کے ساتھ قیام کرے گا اور اس قیام کی عظمت وہی افراد پہچانیں گے جو قیام کر بلا کی اہمیت سے آشنا ہیں، اور اس قائم کی ہمت و جرات کی قدر وہی افراد کریں گے جو اصلاح و انقلاب و جہاد و قیام کے مفہوم سے آشنا رکھتے ہیں۔ قدرت نے اس آخری حجت کو ایک عظیم کر بلا کا ذمہ دار بنایا ہے تو مناسبت بقرہ رکھنے کے لیے اور جہاد کی عظمت کا اعلان کرنے کے لیے اس کے آخری فرائض کی ذمہ داری حضرت امام حسین ہی کے سپرد فرمائی ہے۔ جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے کہ آغاز رجعت میں سب سے پہلے امام حسین ہی کا ظہور ہوگا اور آپ ہی امام عصر کی تجہیز و تکفین کا فرض انجام دیں گے تاکہ معصوم کے امور تجہیز و تکفین معصوم ہی انجام دے اور دنیا پر واضح ہو جائے کہ یہ آخری کر بلا ہے جس کا فاتح آخری وارث حسین بن علی ہے۔

اسی لیے آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ امام عصر کا تعارف روایات میں فرزند حسین ہی کے نام سے کرایا گیا ہے اور امام حسین کے بعد امام معصومین کو فرزند ان حسین سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے آخری فرزند حسین کو امام زمانہ کہا گیا ہے۔

بہر حال ایک "ہمدی" اور ایک "قائم" کا وجود اصلاح دنیا کی ضرورت، اعتبار تنبیہ ساری صداقت اور قدرت کے نظام ہدایت کی تکمیل کے لیے بے حد ضروری ہے۔ اب اگر ہمدی کا انکار کر دیا جائے گا تو گویا سارا نظام ہدایت ناقص اور سارا کلام پیغمبر غیر صادق ہو جائے گا اور یہ بات مزاج اسلام کے خلاف ہے۔ اس لیے روایت میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ جس نے خود ہمدی کا انکار کر دیا تو گویا اس نے پیغمبر نازل ہونے والے تمام قانون کا انکار کر دیا جس طرح کہ پہلی منزل پر یہی اعلان غدیر خم میں ہوا تھا اور اب آخری منزل پر ظہور امام عصر کے بارے میں ہو رہا ہے۔ اول باخبر نیستے دار۔ تاریخ آل محمد برابر مروط اور سلسل ہے، یہاں اولنا محمد و آخرنا محمد و کلنا محمد، ایک حقیقت ہے۔

علامات ظہور:

امام عصر کے ظہور کے بارے میں روایات میں جن علامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی

دوقیمیں ہیں:

(۱) حتمی اور (۲) غیر حتمی

بعض علامتیں حتمی ہیں جن کا وقوع بہر حال ضروری ہے اور ان کے بغیر ظہور کا امکان نہیں ہے اور بعض غیر حتمی ہیں جن کے بعد ظہور ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی اس امر کا واضح امکان موجود ہے کہ ان علامات کا ظہور نہ ہو اور حضرت کا ظہور ہو جائے اور اس امر کا بھی امکان ہے کہ ان سب کا ظہور ہو جائے اور اس کے بعد بھی حضرت کے ظہور میں تاخیر ہو۔ ذیل میں دونوں قسم کی علامتوں کا ایک خاکہ نقل کیا جا رہا ہے۔ لیکن اس سے پہلے اس امر کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ ان روایات کا صدور آج سے سیکڑوں سال پہلے ہوا ہے اور ان کے مخاطب اس دور کے افراد تھے اور ان کے تعلقات کا تعلق سیکڑوں سال بعد کے واقعات سے تھا جن کا سابقہ اُس دور کے افراد سے ہوگا اور اس بنا پر یہ طے کرنا تقریباً ناممکن ہے کہ روایات میں استعمال ہونے والے الفاظ سے مراد کیا ہے اور یہ الفاظ اپنے لغوی معانی میں استعمال ہوئے ہیں یا ان میں کسی استعارہ اور کنایہ سے کام لیا گیا ہے۔

اگر روایات کا تعلق احکام سے ہوتا تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ احکام کے بیان میں ابہام و اجمال بلاغت کے خلاف اور مقصد کے منافی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ روایات کا تعلق احکام سے نہیں بلکہ واقع ہونے والے حادثات سے ہے اور ان کی تشریح کی کوئی ذمہ داری بیان کرنے والے پر نہیں ہے بلکہ شاید مصلحت اجمال اور ابہام ہی کی تقاضی ہو کہ ہر دور کا انسان اپنے ذہن کے اعتبار سے معانی طے کرے اور اس معنی کے واقع ہوتے ہی ظہور امام کے استقبال کے لیے تیار ہو جائے ورنہ اگر واضح طور پر علامات کا ذکر کر دیا گیا اور انسان نے سمجھ لیا کہ ابھی علامات کا ظہور نہیں ہوا ہے تو ظہور امام کی طرف سے مطمئن ہو کر مزید بد عملی میں مبتلا ہو جائے گا۔

یہ سوال ضرور رہ جاتا ہے کہ پھر اس قسم کے علامات کے بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟۔ لیکن اس کا بالکل واضح سا جواب یہ ہے کہ معصومین علیہم السلام نے جب بھی ان آنے والے واقعات کا اشارہ دیا اور فرمایا کہ ایک دور آنے والا ہے جب دنیا ظلم و جور سے بھر جائے گی لیکن یہ دنیا کا انتقام نہ ہوگا بلکہ اس کے بعد ایک قائم آل محمد کا ظہور ہوگا جو عالمی حالات کی اصلاح

کرے گا اور ظلم و جور سے بھری ہوئی دنیا کو عدل و انصاف سے بھرے گا، تو قوم کے ذہن میں دو متضاد تصورات پیدا ہوئے۔ ایک طرف ظلم و ستم کا حال سن کر مایوسی اور اضطراب کی کیفیت پیدا ہوئی اور دوسری طرف ظہور قائم کی خوش خبری سن کر سکون و اطمینان کا امکان پیدا ہوا تو فطری طور پر یہ سوال ناگزیر ہو گیا کہ ایسے بدترین حالات تو ہم آج بھی دیکھ رہے ہیں۔ بنی امیہ اور بنی عباس کے مظالم تو آج بھی نگاہ کے سامنے ہیں اور ابھی دنیا ظلم و جور سے مملو نہیں ہوئی ہے تو جب ظلم و جور سے بھر جائے گی تو اس وقت دنیا کا کیا عالم ہوگا اور اس کے بعد اس اضطراب کا سکون اور اس بے چینی کا اطمینان کب میسر ہوگا اس کے علامات کا معلوم ہونا ضروری ہے تاکہ مظلوم و ستم رسیدہ اور بیگس و بے نوا کو اس جین مستقبل کے تصور سے کچھ تو اطمینان حاصل ہو اور ائمہ معصومین کی بھی ذمہ داری تھی کہ علامات کو ایسے کنایہ کے پیرایہ میں بیان کریں کہ ہر دور کا مظلوم سکون و اطمینان کو قریب تر سمجھ سکے اور اس کے لیے اطمینان کا راستہ نکل سکے ورنہ بے شمار صاحبان ایمان مایوسی کا شکار ہو جائیں گے اور رحمت خدا سے مایوسی خود بھی ایک طرح کا کفر اور ضلال مبین ہے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد اصل مقصد کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ اعلا نے سات قسم کی علامات کو حتمی قرار دیا ہے:

۱۔ خروج دجال

جس کا تذکرہ تمام عالم اسلام کی کتب احادیث میں پایا جاتا ہے اور اس کی طرح طرح کی صفات کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے کہ گدھے پر سوار ہوگا۔ ایک آنکھ سے کانا ہوگا، دوسری آنکھ پیشانی پر ہوگی، انتہائی درجہ کا جادوگر ہوگا اور لوگوں کو بہترین نعمتوں کی ترغیب دے گا۔ اس کے لشکر میں ہر طرح کے ناچ گانے کا ساز و سامان ہوگا۔ وہ مختلف علاقوں کا دورہ کر کے لشکر جمع کرے گا اور لوگوں کو گمراہ کرے گا، یہاں تک کہ حضرت کا ظہور ہوگا اور آپ براہ راست یا آپ کی رکاب میں حضرت یحییٰ بن مریم اسے فنا کر دیں گے۔

ان روایات سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی انسان کا تذکرہ ہے لیکن چونکہ دجال خود ایک صفت ہے اور اس کے معنی مکار اور فریب کار کے ہیں اس لیے بہت سے علماء نے اس کے

کنائی معنی مراد لیے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اس سے مراد وہ مکار اور فریب کار حکومتیں ہیں جن کے ساز و سامان دجال والے ہیں اور جنہوں نے ساری دنیا کو سحر کر رکھا ہے اور ان کی نظر سرمایہ داری یا مزدوری پر ہے کہ ایک آنکھ سے دیکھتے ہیں اور ایک آنکھ کو بند کر لیا ہے اور دیکھنے والی آنکھ کو اپنی پیشانی پر اتنا نایاں کر لیا ہے کہ ہر شخص صرف اس کی چمک دیکھ رہا ہے اور ان کی سواری کے لیے بے شمار انسان موجود ہیں جنہیں قرآن حکیم کی زبان میں بھی گدھائی کہا گیا ہے کہ گویا ایک پورا "خرفصفت" سماج ہے جس کی پشت پر سوار ہو کر اپنے دجل و فریب کی ترویج کر رہے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

۲۔ نداد آسمانی

اس سلسلہ میں روایات میں مختلف آسمانی آوازوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ایک سلسلہ اصوات ماہ رجب میں ہے جس میں پہلی آواز ہوگی "ألا لعنة الله على الظالمین" دوسری آواز ہوگی "ازفة الآذنة" اور تیسری آواز قرص آفتاب سے بلند ہوگی کہ امیر المؤمنین دوبارہ دنیا میں انتقام کے لیے آرہے ہیں۔

دوسرا سلسلہ ماہ مبارک رمضان میں ہوگا جہاں ۲۳ رمضان کو ظہور کی خوش خبری کا اعلان کیا جائے گا اور

اور تیسرا سلسلہ وقت ظہور قائم ہوگا جب قرص آفتاب سے حضرت کے مکہ مکرمہ سے ظہور کا اعلان ہوگا اور پورے شجرہ نسب کے ساتھ اعلان ہوگا اور اس اعلان کو شرق و غرب عالم میں سنا جائے گا جس کے بعد صاحبان ایمان آپ کی بیعت اور نصرت کے لیے دوڑ پڑیں گے، اور آپ کے مقابلہ میں دوسری شیطانی آواز بھی بلند ہوگی جو مثل جنگ احد بہت سے مسلمانوں کو گمراہ کر دے گی۔

۳۔ خروج سفیانی

اس شخص کا نام عثمان بن عتبہ ہوگا اور یہ یزید بن معاویہ کی اولاد میں سے ہوگا۔ چلے دمشق، حمص، فلسطین، اردن اور قسطنطنیہ پر حکومت قائم کرے گا اس کے بعد مختلف اطراف میں لشکر روانہ کرے گا جس کا ایک حصہ بغداد کی طرف جائے گا اور نجف و کربلا میں صاحبان ایمان کا

قتل عام کرے گا۔ دوسرا حصہ مدینہ کی طرف جائے گا اور وہاں قتل عام کرے گا اور پھر مکہ کا رخ کرے گا لیکن مکہ تک رسائی نہ حاصل کر سکے گا۔ تیسرا حصہ بطرف شام روانہ ہوگا اور راستہ میں لشکر امام عسکری سے مقابلہ ہوگا اور اس حصہ کا ایک ایک شخص فنا کر دیا جائے گا۔ مکہ کی طرف جانے والا لشکر تین لاکھ افراد پر مشتمل ہوگا اور ایک صحر میں دھنس جائے گا، صرف دو افراد باقی رہیں گے۔ ایک مکہ کی طرف جا کر امام عسکری کی فتح کی بشارت دے گا اور دوسرا شام کی طرف جا کر سفیانی کو لشکر کی ہلاکت کی اطلاع دے گا۔ اس کے بعد سفیانی خود کو ذکاؤ رخ کرے گا اور پھر حضرت کا لشکر تعاقب کرے گا اور وہ فرار کر جائے گا یہاں تک کہ بیت المقدس میں حضرت کے لشکر کے ہاتھوں واصل جہنم کر دیا جائے گا۔

اس روایت میں بھی اگرچہ نام اور نسب کا ذکر موجود ہے لیکن یہ دونوں باتیں عرف عام میں کنایہ کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہیں جس طرح کہ حضرت عائشہ نے قتل عثمان کی ترغیب دینے وقت عثمان کا نام نہیں لیا تھا بلکہ نقل کہہ کر یاد کیا تھا کہ شاہت کی بنا پر دوسرا نام بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہی حال شجرہ نسب کا بھی ہے کہ اس طرح کا قاتل ظالم انسان یزید بن معاویہ کے علاوہ کسی شخص کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا ہے جس طرح کہ خود یزید کے باپ نے زیاد کو اتحاد کردار کی بنا پر اپنے شجرہ میں شامل کر لیا تھا۔

بہر حال ایسے انسان یا ایسی طاقت کا ظہور ضروری ہے اور خدا جانے کب انکشاف ہو جائے کہ موجودہ طاقت وہی طاقت ہے جسے سفیانی سے تعبیر کیا گیا ہے اور ظہور امام اور جہاد امام کا وقت آ گیا ہے، لہذا مومنین کرام کو ہر وقت اس جہاد کے لیے تیار رہنا چاہیے اور کسی وقت بھی اپنے فرض سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

ہم قتل نفس زکیہ

یعنی اولاد رسول اکرم میں ایک محرم اور پاکیزہ نفس انسان کو خانہ کعبہ کے پاس رکن و مقام کے درمیان قتل کر دیا جائے گا اور اس کے بعد حضرت کا ظہور ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جب روایت میں کسی تفصیل کا ذکر نہیں ہے تو کوئی بھی محرم کسی وقت بھی قتل ہو سکتا ہے اور اس کے بعد امام عسکری کا ظہور ہو سکتا ہے جب کہ حکومت وقت ہر وقت اولاد رسول کے قتل و خون کی نذر لاتی ہے۔

۵۔ خروج سید حسنی

دیلم اور قزوین کی طرف سے ایک سید حسنی جن کا شجرہ نسب امام حسن مجتبیٰ تک پہنچتا ہے خروج فرمائیں گے اور وہ نصرت امام کے حق میں آواز بلند کریں گے جس پر طالعان کی ایک عظیم سپاہ آپ کے گرد جمع ہو جائے گی اور آپ کو ذکاؤ رخ کریں گے اور راستہ میں ظالموں کا قلع قمع کرتے جائیں گے اور اس وقت یہ خبر نشر ہوگی کہ امام عسکری نے ظہور فرمایا ہے اور کو ذکرتین لے آئے ہیں۔ سید حسنی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے دلائل امامت کا مطالبہ کریں گے تاکہ تمام لوگوں پر ان کی امامت کا اثبات ہو جائے اور اس کے بعد حضرت کی بیعت کریں گے۔ لیکن ان کے ساتھیوں میں چار ہزار افراد معجزات کو جادو کا نام دے کر نہروان کے خوارج کی طرح بیعت سے انکار کریں گے اور بالآخر سب کے سب تہ تیغ کر دیے جائیں گے۔

۶۔ وسط ماہ رمضان میں سورج گرہن اور آخر ماہ رمضان میں چاند گرہن کا واقع ہونا جو عام طور سے نہیں ہوتا ہے اور ناقابل وقوع تصور کیا جاتا ہے۔

۷۔ آسمان میں ایک پنجبر کا ظاہر ہونا یا چشمہ خورشید کے قریب سے ایک صورت کا ظاہر ہونا جو اس بات کی علامت ہے کہ آنے والا منظر عام پر آ رہا ہے اور قدرت کا منشا ہے کہ ساری دنیا اس حقیقت سے باخبر ہو جائے اور کسی طرح کا ابہام نہ رہ جائے۔ اب اگر کسی انسان کو دن کا سورج بھی نظر نہ آئے تو ایسے بوم صفت اور شہرہ چشم انسان کا کوئی علاج نہیں ہے۔

چشمہ آفتاب سے شکل و صورت کا ظہور غالباً اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ امامت کا اقتدار زمین سے آسمان تک پھیلا ہوا ہے اور جس طرح پہلے امام نے آفتاب کو پلٹا کر اپنی امامت اور بندگی کا ثبوت پیش کیا تھا اسی طرح آخری امام بھی آفتاب ہی کے ذریعہ اپنے اقتدار کا اظہار کرے گا اور اپنے دلائل کو روز روشن کی طرح واضح کرے گا۔

آفتاب کے وسیلہ قرار دینے میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ زمین کا سامان نظام آفتاب کی گردش کا تابع ہے اور آفتاب کی گردش اشارہ امام کی تابع ہے۔ جو شخص بھی گردش آفتاب کو منقلب کر سکتا ہے اور ڈوبے ہوئے آفتاب کو مغرب سے نکال سکتا ہے وہ نظام عالم کو کوئی نہ کر منقلب نہیں کر سکتا ہے، اور ڈوبے ہوئے اسلام و ایمان کو مغرب سے کیوں نہیں نمایاں کر سکتا

ہے۔ "ان هذا الا اختلاق"

غیر حتمی علامات

غیر حتمی علامات کی فہرست بہت طویل ہے اور بعض حضرات نے سیکڑوں سے گنڈا کر ان علامات کو ہزاروں کی حدوں تک پہنچا دیا ہے اور حقیقت امر یہ ہے کہ ان میں اکثر باتیں علامات نہیں ہیں، بلکہ دنیا کے ظلم و جور سے بھر جانے کی تفصیلات ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان علامات میں ہر برائی کا تذکرہ موجود ہے جو دنیا کے ظلم و جور اور فسادات سے مملو ہو جانے کا خاصہ ہے۔ علامات کے طور پر حسب ذیل امور کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

- ۱۔ مسجد کو فذکی دیوار کا منہدم ہو جانا۔
- ۲۔ شط فزات سے کو فذکی لگیوں میں نہر کا جاری ہو جانا۔
- ۳۔ شہر کو فذ کا تباہی کے بعد دوبارہ آباد ہو جانا۔
- ۴۔ دریائے نجف میں پانی کا جاری ہو جانا۔
- ۵۔ فرات سے نجف کی طرف نہر کا جاری ہو جانا۔
- ۶۔ ستارہ جدی کے قریب دم دار ستارہ کا ظاہر ہونا۔
- ۷۔ دنیا میں شدید قسم کے قحط کا پیدا ہونا۔
- ۸۔ اکثر شہروں اور ملکوں میں زلزلہ اور طاعون کا پیدا ہونا۔
- ۹۔ مسلسل قتل و خون کا ہونا۔
- ۱۰۔ قرآن مجید کا زیورات سے آراستہ کرنا، مساجد میں سونے کا کام ہونا اور میناروں کا بلند ترین ہونا۔
- ۱۱۔ مسجد براشا کا تباہ ہو جانا۔
- ۱۲۔ مشرق زمین میں ایک ایسی آگ کا ظاہر ہونا جس کا سلسلہ تین روز یا سات روز تک جاری رہے۔
- ۱۳۔ سارے آسمان پر شرعی کا پھیل جانا۔

۱۴۔ کو فذ میں ہر طرف سے قتل و غارت کا برپا ہونا۔

۱۵۔ ایک جماعت کا بندر اور سور کی شکل میں مسخ ہو جانا۔

۱۶۔ خراسان سے سیاہ پوجم کا برآمد ہونا۔

۱۷۔ ماہ جمادی الثانیہ اور رجب میں شدید قسم کی بارش کا ہونا۔

۱۸۔ عربوں کا مطلق العنان اور آوارہ ہو جانا۔

۱۹۔ سلاطین، عجم کا بے آبرو اور بے وقار ہو جانا۔

۲۰۔ مشرق سے ایک ایسے ستارہ کا برآمد ہونا جس کی روشنی چاند جیسی ہو اور شکل بھی دونوں

طرف سے یکج ہو۔

۲۱۔ تمام عالم میں ظلم و ستم اور فسق و فجور کا عام ہو جانا جس کے بارے میں مولائے کائنات نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ جب لوگ ناز کو مردہ بنا دیں گے، امانتوں کو خالص کر دیں گے، جھوٹ کو جائز بنالیں گے، سود کھائیں گے، رشوت لیں گے، عمارتوں کو انتہائی مستحکم بنائیں گے، دین کو دنیا کے عوض بیچ ڈالیں گے، احمقوں کو استعمال کریں گے، عورتوں کو شیر بنائیں گے، اقرباء سے قطع تعلق کر لیں گے، خواہشات کا اتباع کریں گے، خون کو سستا بنالیں گے، تحمل کو دلیل کمزوری اور ظلم کو باعث فخر سمجھ لیں گے، امراء فاجر ہوں گے، دوزخ عالم ہوں گے، عرفاء خائن ہوں گے اور قرآن فاسق ہوں گے، جھوٹی گواہیوں کا زور ہوگا۔ فحور کو اعلانیہ انجام دیا جائے گا، قرآن مجید کو زیورات سے آراستہ کیا جائے گا، مسجدوں میں نہر کا کام ہوگا، مینار سے طویل ترین ہوں گے، اشرار کا احترام ہوگا، صفوں میں اژدہام ہوگا اور خواہشات میں اختلاف ہوگا، عہد توڑے جائیں گے، عورتوں کو طبع دنیا میں شریک تجارت بنایا جائے گا، فساد کی آواز بلند ہوگی اور اسے سنا جائے گا، رذیل ترین آدمی سردار قوم ہوگا، فاجر سے اس کے شر کے خوف سے ڈرا جائے گا، جھوٹے کی تصدیق کی جائے گی، خائن کو امین بنایا جائے گا، ناچ گلنے کا کاروبار عام ہوگا اور امت کا آخری آدمی پہلے آدمی پر لعنت کرے گا، عورتیں گھوڑوں پر سواری کریں گی، مرد عورتوں سے مشابہ اور عورتیں مردوں سے مشابہ ہو جائیں گی، لوگ زبردستی گواہی پیش کریں گے اور بغیر حق کو سمجھے ہوئے گواہی دیں گے، علم دین غیر دین کے لیے حاصل

کیا جلنے کا عمل دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جائے گی، دل بیخیر یوں جیسے اور باس بکریوں جیسے ہوں گے، دل مردار سے زیادہ بد بودار اور ایلو سے زیادہ تلخ ہوں گے۔ اُس وقت بہترین مقام بیت المقدس ہو گا جس کے بلے میں لوگ تن کریں گے کہ کاش ہماری منزل وہاں ہوتی۔

اس کے علاوہ اور بھی علامات کا ذکر کیا گیا ہے جن سے اس دور کی حکاسی ہوتی ہے جب ظلم و جور اور فسق و فجور کا دور دورہ ہو گا اور عدل و انصاف اور دین دایمان دم توڑ دیں گے۔

خصائص و امتیازات امام عصرؑ

ان خصوصیات میں بعض کا تعلق آپ کی ذات مبارک سے ہے اور بعض کا تعلق آپ کے اضافی اوصاف و کمالات سے ہے اور بعض میں آپ کے انداز حکومت اور دور اقتدار کی امتیازی حیثیت کا اعلان کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر ان خصوصیات کی تعداد کا مختصر خاکہ علامہ شیخ عباس قمی نے ۴۶ امور سے مرتب کیا ہے:

۱۔ آپ کا نورِ اقدس بھی انوارِ قدسیہ کے درمیان ایک مخصوص حیثیت کا حامل ہے جیسا کہ احادیث معراج سے ظاہر ہوتا ہے۔

۲۔ شرافتِ نسب، آپ کو جملہ ائمہ طاہرین سے انتساب کے علاوہ قیصرِ روم اور جناب شمعون وصی حضرت عیسیٰ سے بھی انتساب حاصل ہے۔

۳۔ روزِ ولادت روح القدس آپ کو آسمانوں کی طرف لے گیا اور وہاں فضائے قدس میں آپ کی تربیت ہوتی رہی۔

۴۔ آپ کے لیے ایک مخصوص مکان بیت المقدس نام لہے جہاں کا چراغ روزِ ولادت سے روشن ہے اور روزِ ظہور تک روشن رہے گا۔

۵۔ آپ کو رسولِ اکرمؐ کا اسم گرامی اور کنیت دونوں کا شرف حاصل ہوا ہے۔ یعنی "ابوالقاسم محمد"۔

۶۔ دورِ غیبت میں آپ کو نامِ محمد سے یاد کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

۷۔ آپ کی ذات گرامی پر وصایت کا عہدہ ختم ہو گیا ہے اور آپ خاتمِ الامم ہیں۔

۸۔ آپ کو روزِ اول ہی سے غیبت کا شرف حاصل ہوا ہے اور آپ ملائکہ مقربین کی تحویل میں رہے ہیں۔

۹۔ آپ کو کفار و مشرکین و منافقین کے ساتھ معاشرت نہیں اختیار کرنا پڑی۔

۱۰۔ آپ کو کسی بھی حاکم ظالم کی رعایا میں نہیں رہنا پڑا۔

۱۱۔ آپ کی پشت مبارک پر رسولِ اکرمؐ کی مہرِ نبوت کی طرح نشانِ امامت ثبت ہے۔

۱۲۔ آپ کا ذکر کتبِ سماویہ میں القاب و خطابات کے ذریعہ ہوا ہے اور نام نہیں لیا گیا ہے۔

۱۳۔ آپ کے ظہور کے لیے بے شمار علامتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۴۔ آپ کے ظہور کا اعلان ندائے آسمانی کے ذریعہ ہو گا۔

۱۵۔ آپ کے دورِ حکومت میں سن و سال کا انداز عام حالات سے مختلف ہو گا، اور گویا حرکتِ فلک سست پڑ جائے گی۔

۱۶۔ آپ مصحفِ امیرالمومنینؑ کو لے کر ظہور فرمائیں گے۔

۱۷۔ آپ کے سر پر سلسلِ ابرسفید کا سایہ ہو گا۔

۱۸۔ آپ کے لشکر میں ملائکہ اور جنات بھی شامل ہوں گے۔

۱۹۔ آپ کی صحت پر طولِ زمانہ کا کوئی اثر نہ ہو گا۔

۲۰۔ آپ کے دور میں حیوانات اور انسانوں کے درمیان وحشت و نفرت کا دور ختم ہو جائے گا۔

۲۱۔ آپ کی رکاب میں بہت سے مرجانے والے بھی زندہ ہو کر شامل ہوں گے۔

۲۲۔ آپ کے سامنے زمین سارے خزانے اگل دے گی۔

۲۳۔ آپ کے دور میں پیداوار اور سبزہ زار اس قدر ہو گا کہ گویا زمین دوسری زمین ہو جائے گی۔

۲۴۔ آپ کی برکت سے لوگوں کی عقولوں کو کمال حاصل جائے گا۔

۲۵۔ آپ کے اصحاب کے پاس غیر معمولی قوتِ سماعت و بصارت ہو گی کہ چار فرسخ سے حضرت کی آواز سن لیں گے۔

۲۶۔ آپ کے اصحاب و انصار کی عمریں بھی طولانی ہوں گی۔

۲۷۔ آپ کے انصار کے اجسام بھی مرض اور بیماری سے بری ہوں گے۔

۲۸۔ آپ کے اعوان و انصار میں ہر شخص کو ۴۰ افراد کے برابر قوت عطا کی جائے گی۔

۲۹۔ آپ کے نور اقدس کے طفیل میں لوگ نور شمس و قمر سے بے نیاز ہو جائیں گے۔

۳۰۔ آپ کے دست مبارک میں رسول اکرمؐ کا پرچم ہوگا۔

۳۱۔ آپ کے جسم اقدس پر رسول اکرمؐ کی زرہ بالکل درست ہوگی۔

۳۲۔ آپ کے لیے ایک خاص بادل ہوگا جو آپ کو مختلف مقامات پر لے جایا کرے گا۔

۳۳۔ آپ کے دور میں تقیہ کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور شوکت کا ذمہ و ظالمین کا خاتمہ

ہو جائے گا۔

۳۴۔ آپ کی حکومت شرق و غرب عالم پر ہوگی۔

۳۵۔ آپ کے دور میں زمین عدل و انصاف سے بھر جائے گی۔

۳۶۔ آپ کے فیصلے علم امامت کے مطابق ہوں گے اور صرف ظاہری شواہد پر اکتفا

نہ کی جائے گی۔

۳۷۔ آپ ان مخصوص احکام کو راجع کریں گے جو اس دور تک راجع نہ ہو سکے ہوں گے۔

مثال کے طور پر اگر کوئی بیس سال کا نوجوان احکام میں سے بے خبر ہوگا تو اسے تہ تیغ کر دیں گے

اور زندہ رہنے کا حق نہ دیں گے کہ بلوغ کے بعد بھی پانچ سال کی مہلت دی جا چکی ہے۔

۳۸۔ آپ علوم کے ان ۲۵ حروف کا اظہار کریں گے جن کا اب تک اظہار نہیں ہو سکا ہے

اور انبیاء کرام اور اولیاء عظام نے ۲۷ حروف میں سے صرف دو کا اظہار کیا ہے۔

۳۹۔ آپ کے اصحاب و انصار کے لیے آسمان سے تلواریں نازل ہوں گی۔

۴۰۔ آپ کے اصحاب و انصار کی جانور تک اطاعت کریں گے۔

۴۱۔ آپ کو فہم حضرت موسیٰ کے پتھر سے پانی اور دودھ کی دو نہریں جاری فرمائیں گے۔

۴۲۔ آپ کی مدد کے لیے آسمان سے حضرت عیسیٰ نازل ہوں گے اور آپ کے پیچھے نماز

ادا کریں گے۔

۴۳۔ آپ اس دجال ملعون کو قتل کریں گے جس سے ہرنی نے اپنی امت کو ہوشیار رہنے

کی تلقین کی ہے۔

۴۴۔ آپ کے علاوہ امیر المؤمنین کے بعد کسی کے جنازہ پر سات بکیروں کا جواز نہ ہوگا۔

۴۵۔ آپ کی تسبیح ۱۸ بار پنج سے آخر ماہ تک ہے یعنی تقریباً ۱۲ دن۔ جب کہ باقی مہینے

کی تسبیح بس ایک روز ہے یا دو روز۔

۴۶۔ آپ کی حکومت کا سلسلہ قیامت سے متصل ہوگا کہ آپ خود حکومت کریں گے یا ان کے

رجعت فرمائیں گے یا آپ کی اولاد کی حکومت ہوگی لیکن مجموعی طور پر یہ سلسلہ قیامت سے متصل ہے جیسا

جیسا کہ امام صادقؑ فرمایا کرتے تھے:

لکل اناس دولة میرقبونہما

و دولتنا فی آخر الدھر لیظہر

آپ کے ذاتی دور حکومت کے بارے میں علماء اعلام کے اقوال میں شدید اختلاف

پایا جاتا ہے اور سات سال سے ۱۹ یا ۹ سال تک کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ کی

شہادت واقع ہوگی اور امام حسینؑ آپ کی تجہیز و تکفین کے امور انجام دیں گے اور ان کے

کی ظاہری حکومت کا سلسلہ شروع ہوگا جو دور ظہور امام عہد میں دوبارہ اس دنیا میں تشریف

لائیں گے اور ان کی نگرانی میں اولیاء صالحین اور اولاد امام عہد حکومت کرے گی اور یہ سلسلہ قیامت

تک ستر رہے گا۔ لیکن آپ کے دور حکومت میں سال سے مراد کیا ہے اور سات سال یا ۱۹ سال

کس مقدار زمانہ کی طرف اشارہ ہے اور رجعت کی صورت کیا ہوگی؟ تمام ائمہ کرام تشریف لائیں گے

یا بعض کا ظہور ہوگا۔ اور رجعت میں گزشتہ ترتیب کا لحاظ ہوگا یا کسی اور ترتیب سے تشریف

لائیں گے؟ اور حکومت بھی گزشتہ ترتیب امامت کے مطابق ہوگی یا کوئی اور طریقہ کار ہوگا؟ پھر

اولیاء صالحین سے مراد یہی ائمہ ظاہر ہیں یا ان کے مخصوص اصحاب مراد ہیں یا امام عہد کی اولاد

کے نیک کردار افراد مراد ہیں؟

یہ سارے امور ہیں جن کی تفصیل نہ واضح کی گئی ہے اور نہ کوئی شخص ان کے بارے میں

کوئی حتمی فیصلہ کر سکتا ہے۔ روایات میں بھی بے حد اختلاف پایا جاتا ہے اور علماء اعلام کا

استنباط و استنتاج بھی بالکل مختلف ہے۔ بنا بریں اتنا اجمالی ایمان ضروری اور کافی ہے کہ دورِ ظہور امامِ عسکریؑ میں ائمہ ظاہرین کی رجعت ہوگی اور ان کی حکومت قائم ہوگی کہ رب العالمین نے آخرت سے پہلے صاحبانِ ایمان سے اس دنیا میں اقتدار اور حکومت کا وعدہ کیا ہے اور مظلومین کو ظالمین سے بدلے کا موقع دینے کا اعلان کیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کا وجود اس لیے بھی ضروری ہے کہ امامِ عسکریؑ شہادت کے بعد زمین و آسمان سے خالی نہ ہو جائے اور یہ سلسلہ صحیح قیامت تک برقرار رہے، دینِ خدا تمام ادیانِ عالم پر غالب آئے اور صاحبانِ ایمان و کردار کی حکومت قائم ہو۔ خوفِ ان سے تبدیل ہو جائے اور ساری کائنات پر اس دین کا پرچم لہرائے جسے غدیر کے میدان میں پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ عبادتِ الہی کا دور دورہ ہو اور شرک کا سلسلہ ختم ہو جائے اور ہر صاحبِ ایمان کی زبان پر ایک ہی فقرہ ہو، "الحمد لله رب العالمین" جیسا کہ دعائے ندبہ میں نہایت وضاحت کے ساتھ اعلان کیا گیا ہے۔

نواب اربعہ

یہ وہ حضرات ہیں جنہیں غیبتِ صغریٰ کے زمانہ میں نیابت کا کام سپرد کیا گیا ہے اور یہ درحقیقت سفارت کا کام انجام دیتے تھے، یعنی ان کا فریضہ مصادِ شریعت کتاب و سنت سے احکام کا استنباط و استخراج کر کے قوم کے حوالے کرنا نہیں تھا بلکہ ان کا کام صرف یہ تھا کہ قوم کے مسائل کو امامِ زمانہ تک پہنچائیں اور جو جواب حاصل ہوا اسے قوم کے حوالے کر دیں۔ یہ کام اگرچہ غیر معمولی علم و دانش اور قوتِ استنباط و استخراج کا تقاضا نہیں ہے اور ایک عام صلاحیت کا انسان بھی اس کام کو انجام دے سکتا تھا لیکن اس کے باوجود امامِ عسکریؑ غیبتِ کبریٰ کی صورت حال کے پیش نظر اس کام کے لیے بھی اس دور کے انتہائی ذی علم اور صاحبانِ کردار کا انتخاب کیا تھا تاکہ قوم غیبتِ صغریٰ ہی سے اس نکتہ کی طرف متوجہ ہو جائے کہ نیابتِ امامِ کام کوئی عام انسان انجام نہیں دے سکتا ہے اور اس نکتہ کے سمجھنے میں آسانی ہو جائے کہ جب اپنی قوتِ علم و دانش کو استعمال نہیں کر لے رہے اور نمودِ بائند خیانت کریں تو اصلاح کرنے والا امام موجود ہے اور اس کا رابطہ قوم سے قائم ہے تو اس قسم کے بلند مرتبہ افراد کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ تو جب

قوتِ اجتهاد و استنباط کے استعمال کا مرحلہ آئے گا اور اصلاح کرنے والے امام کے بظاہر جملہ روابطِ سفارت منقطع ہو جائیں گے تو اس دور کے نواب اور وکلاء کے علمی اور عملی مراتب کا کس قدر بلند ہونا ضروری ہوگا اور اس نکتہ کی طرف ائمہ ظاہرین نے مختلف ادوار میں اپنے دور کے روحینِ احکام کے صفات کے بیان کرنے میں واضح طور پر اشارہ کیا تھا۔

امامِ عسکریؑ کے چار سفراء جن کو یکے بعد دیگرے سفارت کا منصب حاصل ہوا تھا۔ ان کی مختصر داستانِ زندگی یہ ہے:

ارعثمان بن سعید عسکری

یہ امامِ علی نقیؑ اور امامِ حسن عسکریؑ کے اصحاب میں تھے اور ان کے وکیل خاص تھے۔ حالات کے تحت روغنِ فروشی کی دکان رکھ لی تھی تاکہ خریداروں کے ہمیں میں آنے والوں سے حقوقِ امام حاصل کر سکیں اور ان کے سوالات کے جوابات امام سے حاصل کر کے ان کے حوالے کر سکیں اور اسی بنا پر انہیں ستان بھی کہا جاتا ہے۔

احمد بن اسحاق قمی جو خود بھی ایک جلیل القدر عالم تھے ان کا بیان ہے کہ میں نے امامِ علی نقیؑ سے عرض کیا کہ بعض اوقات آپ تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے تو آپ کے احکام حاصل کرنے کا ذریعہ کیا ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ عثمان بن سعید کی طرف رجوع کرنا یہ جو کچھ کہیں وہ میرا قول ہے اور جو پیغام پہنچائیں وہ میرا پیغام ہے۔ اور آپ کے انتقال کے بعد میں نے یہی سوال امامِ حسن عسکریؑ سے کیا تو آپ نے بھی بعینہ ہی جواب دیا۔ بلکہ میں سے آنے والی ایک جماعت کے بارے میں فرمایا کہ جاؤ ان سے جلد رقم حاصل کر لو کہ تم میرے معتمد ہو اور جب لوگوں نے سوال کیا کہ آپ نے ان کے مرتبہ کو بہت بلند کر دیا ہے تو فرمایا کہ عثمان بن سعید میرے وکیل ہیں اور ان کا فرزند میرے فرزند کا وکیل ہوگا۔

امامِ حسن عسکریؑ کی شہادت کے بعد امامِ عسکریؑ نے بھی وکالت کا کام عثمان بن سعید ہی کے پاس رہنے دیا اور ائمہ ظاہرین کی نیابت و وکالت کے طفیل میں ان سے اس قدر کرامات کا ظہور ہوتا تھا کہ لوگ دنگ رہ جاتے تھے۔ صاحبانِ مال سے ان کے مال کی مقدار اور اس میں حلال و حرام کا فرق بغیر دیکھے بیان کر دیتے تھے اور اکثر سوال سے بغیر جواب بتا دیا کرتے تھے۔

دانش رہے کہ امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ کی طرف سے اس طرح کی سند کہ ان کا قول میرا قول ہے اور ان کا پیغام میرا پیغام ہے۔ ایک ایسے تبرکِ نشان دہی کرتی ہے کہ جس کی بنا پر انھیں مصوم کا صحیح پیرو اور محفوظا عن الخطا بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔ کاش دنیا میں کسی بھی مدعی ایمان کو اس طرح کی سند زبانِ مصوم سے حاصل ہو جاتی۔ جناب عثمان بن سعید کا دور سفارت پانچ سال تک جاری رہا۔

۲۔ محمد بن عثمان بن سعید عروسی

انھیں بھی امام عسکریؑ ہی نے اپنے فرزند کا وکیل نامزد کر دیا تھا لیکن جب جناب عثمان بن سعید کا انتقال ہوا تو ان کے پاس امام زمانہ کا تعزیت نامہ آیا جس کا مضمون یہ تھا: انا لله وانا اليه راجعون! ہم امر الہی کے سامنے سراپا تسلیم ہیں اور اس کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ تمہارے باپ نے نہایت ہی سعیدانہ زندگی گزار لی ہے اور ایک قابل تعریف موت پائی ہے۔ خدا ان پر رحمت نازل کرے اور انھیں ان کے اولیاء اور آقاؤں سے ملحق کرے۔ وہ اور انور ہیں برابر قرب الہی کے لیے کوشاں رہا کرتے تھے۔ خدا ان کے چہرہ کو شاداب کرے اور ان کی لغزشوں کو معاف کرے اور تمہارے ثواب میں اضافہ کرے اور تمہیں صبر جمیل عطا فرمائے۔ یہ مصیبت تمہارے لیے بھی مصیبت ہے اور میرے لیے بھی۔ اس فراق نے تمہیں بھی مضطرب بنا دیا ہے اور مجھے بھی۔ اللہ انھیں آخرت میں خوش رکھے۔ ان کی سعادت و نیک نعتی کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ اللہ نے انھیں تمہارا جیسا فرزند عطا کیا ہے جو ان کا جانشین اور قائم مقام ہے اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرتا ہے۔ میں اس امر پر حمد خدا کرتا ہوں۔ پاکیزہ نفوس تم سے اور جو شرف خدا نے تمہیں دیا ہے اس سے خوش ہیں خدا تمہاری مدد کرے، تمہیں قوت عطا کرے اور توفیقات کرامت فرمائے۔ وہی تمہارا سرپرست، محافظ اور نگران رہے گا۔

علامہ مجلسیؒ نے کتاب غیبت طوسی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جناب عثمان بن سعید کا انتقال کے بعد امام عسکری نے ان کے فرزند کے بارے میں یہ پیغام بھیجا کہ یہ فرزند اپنے باپ کے زمانہ ہی سے ہمارا مستند تھا (خدا اس سے خوش رہے اور اسے خوش رکھے اور اس کے چہرہ کو روشن رکھے) اب ہمارے لیے یہ اپنے باپ کا نائب اور جانشین ہے۔ یہ ہمارے ہی حکم سے حکم دیتا ہے اور ہمارے ہی احکام پر عمل کرتا ہے، خدا اسے جملہ آفات سے محفوظ رکھے!۔

جناب محمد بن عثمان بن سعید کی دختر نیک اخترام کلثوم کا بیان ہے کہ میرے پدر بزرگوار نے کئی جلد کتاب تالیف کی تھی جس میں امام حسن عسکریؑ اور اپنے پدر بزرگوار سے حاصل کیے ہوئے علوم اور احکام کو جمع کیا تھا اور اپنے انتقال کے وقت سارا سامان جناب حسین بن روح کے حوالے کر دیا تھا۔ جناب محمد بن عثمان بن سعید ہی کی یہ روایت ہے کہ امام زمانہ ہر سال حج میں تشریف لاتے ہیں اور لوگوں سے ملاقات بھی کرتے ہیں لیکن لوگ انھیں پہچان نہیں سکتے ہیں۔ بلکہ میری آخری ملاقات بھی حج ہی میں ہوئی ہے جب وہ خانہ خدا کے قریب اس دعائیں معروف تھے کہ "خدا یا! میرے وعدہ کو پورا فرما"۔ اور پھر سجاد کے قریب پہنچ کر یہ دعا کرنے لگے۔ "خدا یا! مجھے دشمنوں سے انتقام لینے کا موقع عنایت فرما"۔

انہوں نے چالیس سال سفارت کے فرائض انجام دیے ہیں۔

۳۔ جناب حسین بن روح

یہ محمد بن عثمان کے مخصوص اصحاب میں تھے۔ لیکن بظاہر ان کا مرتبہ جعفر بن احمد سے کمتر تھا اور لوگوں کا خیال یہ تھا کہ جو تھے نائب جعفر بن احمد ہی ہوں گے۔ چنانچہ جب محمد بن عثمان کا آخری وقت آیا تو جعفر بن احمد سر جانے بیٹھے اور حسین بن روح پائنتی۔ لیکن جیسے ہی محمد بن عثمان نے یہ پیغام امام سنا یا کہ حضرت نے نیابت کے لیے حسین بن روح کے بارے میں نصیحت فرمائی ہے تو فوراً ہی جعفر بن احمد نے انھیں سر جانے بٹھا دیا اور خود پائنتی بیٹھ گئے کہ امام سے بہتر حالات اور مصالح کا جاننے والا کئی نہیں ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ان کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم رکھیں۔

بعض روایات میں اس کا ایک نازیہ بیان کیا گیا ہے کہ ان میں اسرارِ امامت کے چھپانے کی صلاحیت زیادہ تھی اور ان کا رتاد بغداد میں تمام مذاہب کے افراد کے ساتھ ایسا تھا کہ ہر شخص انھیں اپنا مخیال سمجھتا تھا اور اس بات پر فخر کرتا تھا کہ حسین بن روح ہماری جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اُس دور کی سفارت و نیابت کے لیے کمال علم و دانش سے زیادہ اہمیت رازداری اور قوت برداشت کی تھی کہ ہزاروں مصائب کے بعد بھی امامت کا راز فاش نہ ہونے پائے اور انسان کسی بھی قیمت پر ان اسرار کا تحفظ کرے۔

حسین بن روح کے بارے میں امام عسکری کے الفاظ یہ تھے: ہم انھیں پہچانتے ہیں۔ اللہ

کر دی ہے اور ایسی نیابت کے دعوے دار کو کذاب اور مغتری قرار دے دیا ہے۔ اگر اگر ایک طرف ملاقات کی بات ہو اور کوئی شخص اپنی ملاقات کا تذکرہ کرے یا امام علیہ السلام سے کسی موقع پر کوئی بات دریافت کرے یا کسی مسئلہ میں مدد حاصل کرے اور اس کی رہنمائی ہو جائے تو یہ تمام باتیں محدود مشاہدہ سے خارج ہیں۔ مشاہدہ کا دعویٰ وارد حقیقت اس امر کا ادعا کرتا ہے کہ آپ حضرات اپنے مسائل اور اموال میرے حوالے کریں میں آئندہ ملاقات میں امام کے حوالے کر دوں گا اور ان سے جو بات حاصل کر لوں گا اور یہ دعویٰ درحقیقت نیابت خاص کا دعویٰ ہے جس کا تعلق غیبت مخفی سے تھا اور غیبت کبریٰ میں نیابت خاصہ کا کوئی سلسلہ نہیں ہے۔

اس تشریح کے بعد ملاقات امام عصر کا مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے لیکن دو باتیں بہر حال قابل توجہ ہیں:

- ۱۔ انسان کو یہ یقین ہو کہ یہ امام عصر ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان امام کے نام پر دھوکہ دے اور انسان اسی دھوکہ میں دنیا سے گذر جائے۔
 - ۲۔ ملاقات کو اپنی ذات تک محدود رکھے اور لوگوں سے بیان نہ کرے اس لیے کہ اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہوتا ہے اور اس طرح ہر شخص کو تردید کرنے کا حق ہو جاتا ہے اور یہ بعض اوقات تردید ملاقات یا توہین امام کا باعث بھی ہو سکتا ہے جس کی ذمہ داری ملاقات کے دعوے دار پر عائد ہوگی۔ تردید کرنے والے کو بہر حال حق رہے گا۔
- ان کی سفارت صرف تین سال رہی اور اس کے بعد غیبت کبریٰ کا آغاز ہو گیا۔

انہیں تمام خیرات اور مرضات کی معرفت عطا کرے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق کرامت فرمائے۔ ہمیں ان کی کتاب ملی ہے اور ہمیں ان پر مکمل اعتماد ہے۔ وہ ہمارے نزدیک ایسا مقام اور ایسی منزلت رکھتے ہیں جو باعث مسرت و اطمینان ہے۔ خدا ان کے بارے میں اپنے احسانات میں اضافہ کرے کہ وہ تمام نعمتوں کا مالک اور ہر چیز پر قادر ہے۔ ساری تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور صلوات و رحمت اس کے رسول حضرت محمد پر اور ان کی آل طاہرین پر اور اس کا سلام ان تمام حضرات کے لیے۔ ان کی سفارت کا سلسلہ اکیس سال تک جاری رہا۔

م۔ ابوالحسن علی بن محمد سمعی

انہیں جناب حسین بن روح نے حکم امام سے نامزد کیا تھا اور برابر وکالت و سفارت کے فرائض انجام دے رہے تھے اور لوگوں کے اموال امام تک پہنچا رہے تھے یہاں تک کہ ان کا وقت آتا قریب آیا تو لوگوں نے عرض کی کہ اب آپ کا نائب کون ہوگا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میرے اختیار کا کام نہیں ہے، خدا اپنے مصالح کو بہتر جانتا ہے اور امام کی طرف سے اب یہ پیغام موصول ہوا ہے:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ علی بن محمد سمعی! خدا تمہارے برادران ایمانی کو تمہارے بارے میں عظیم اجر عطا فرمائے کہ اب تمہارا وقت وفات قریب آ گیا ہے تمہاری زندگی میں صرف چند دن باقی رہ گئے ہیں۔ اپنے جملہ امور کو جمع کر لو اور خیر دار اپنی جگہ پر کسی کو وصی مت بنا نا اس لیے کہ اب مکمل غیبت کا آغاز ہو رہا ہے۔ اب ظہور اذن خدا کے بعد ہی ہوگا اور یہ ایک طویل مدت اور قساوت قلوب اور زمین کے ظلم و جور سے بھر جانے کے بعد ہوگا۔ عنقریب میرے شبیوں میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو میرے مشاہدہ کا دعویٰ کریں گے تو آگاہ ہو جاؤ کہ جو بھی ایسے مشاہدہ کا دعویٰ کرے سفیانی کے خروج اور زمانے آسمانی سے پہلے وہ جھوٹا اور افترا پرداز ہے۔

تمام طاقت اور قوت خدائے عظیم کی توفیق سے وابستہ ہے۔“

جانشینی اور وصایت کی ممانعت کے ساتھ ادعائے مشاہدہ کا ذکر اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مشاہدہ سے مراد ملاقات نہیں ہے۔ بلکہ مشاہدہ سے مراد وہ سفارت ہے جس میں برابر ملاقات ہوتی رہتی ہے اور ادھر کے پیغامات ادھر جلتے رہتے ہیں۔ امام نے اس قسم کے مشاہدہ کی تردید

زمانہ غیبتِ کبریٰ کے روابط

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ امام عصر کی غیبت کی دو قسمیں ہیں۔ غیبتِ صغریٰ جس کا سلسلہ ۲۶ھ سے شروع ہو کر ۳۲۹ھ ختم ہو گیا اور جس کے دوران مختلف نواب امام کی طرف سے قوم کے لیے رابطہ کا کام کرتے رہے۔ انہیں کے ذریعہ پیغامات اور سوالات جلتے تھے اور انہیں کے ذریعہ جوابات آیا کرتے تھے۔

جناب عثمان بن سعید، جناب محمد بن عثمان، جناب حسین بن روح اور جناب علی بن محمد سمری وہ معتبر اور مقدس افراد تھے جنہیں امام زمانہ نے اپنی نیابت اور سفارت کا شرف عطا فرمایا تھا اور انہیں کے ذریعہ ہدایت اور رہبری کے امور انجام پارتے تھے۔

اس کے بعد جب غیبتِ کبریٰ کا دور شروع ہوا اور نیابتِ خاص کا سلسلہ ختم ہو گیا تو نیابتِ عام کا سلسلہ شروع ہوا اور اعلانِ عام ہو گیا کہ اس دور غیبتِ کبریٰ میں مخصوص صفات کے افراد ہی جلیب ہوں گے اور انہیں کے ذریعہ ہدایت امت کا کام انجام دیا جائے گا۔ امت اور اسلام کی حفاظت ان کے ذمہ ہوگی اور ان کی ہدایت و حفاظت ہماری ذمہ داری ہوگی۔

چنانچہ ظاہری نیابت و سفارت کا سلسلہ منقطع ہو گیا لیکن حفاظت و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا اور بے شمار مواقع پیش آئے جب امام نے اپنے نائبین عام کی ہدایت و حفاظت کا فرض انجام دیا اور جہاں ان سے کوئی غلطی ہوگئی یا ان کا وجود خطرہ میں پڑ گیا اور اس کے ذریعہ اسلام کو خطرہ لاحق ہو گیا تو ان کی حفاظت کا فرض بھی انجام دیا۔ یہ اور بات ہے کہ موت برحق ہے اور کسی کو ہمیشہ نہیں رہنا ہے۔ اور بعض اوقات بعض افراد کا راہِ حق میں قربان ہو جانا ہی اسلام کے لیے زیادہ مفید تھا تو اس وقت حفاظت و رعایت کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ عمومی حالات میں انہوں نے ہمیشہ نگرانی فرمائی ہے اور حفاظت و صیانت کا کام

انجام دیتے رہے ہیں۔

غیبتِ صغریٰ اور غیبتِ کبریٰ کی نیابت کا بنیادی فرق یہی ہے کہ غیبتِ صغریٰ میں نائبین کی شخصیت طے ہوئی تھی اور غیبتِ کبریٰ میں ان کے صفات و کمالات کا تعین کیا گیا ہے اور شاید اس طریقہ کار میں یہ مصلحت شامل تھی کہ روز اول ہی صفات کا تعین کر دیا جاتا تو ہر شخص اپنے آپ کو ان صفات کا حامل قرار دے لیتا اور دو چار اپنے غلطیوں کو جمع کر کے نیابت کا دعویٰ دینا جاتا اس لیے آپ نے صفات کے بجائے شخصیات کا تعین فرمایا تاکہ لوگ ان افراد کو دیکھ کر ان کے حالات کا جائزہ لیں اور یہ اندازہ کر لیں کہ یہ کن صفات و کمالات کے حامل ہیں اور اس کے بعد یہ طے کریں کہ نیابتِ امام کے لیے کیسے افراد کی ضرورت ہوتی ہے اور کس قسم کے صاحبانِ علم و فضل اور اربابِ عین و ہمت درکار ہوتے ہیں جنہیں امام اپنی نیابت کا کام سپرد کرتا ہے کہ اس کے بعد جب صفات کا تذکرہ کیا جائے گا تو ہر کس و ناکس کو ان صفات کا حامل تصور نہ کیا جائے گا بلکہ اس کے کردار کو ان نائبین کے کردار سے ملا کر دیکھا جائے گا اور پھر اندازہ لگایا جائے گا کہ یہ شخص نیابتِ امام کا حق دار ہے یا نہیں۔

امام کے صیانت و حفاظت کے شواہد میں وہ خطوط بھی شامل ہیں جو دور غیبتِ کبریٰ میں امام کی طرف سے وارد ہوتے رہے ہیں، جن میں آپ نے قوم کی حفاظت اور ذمہ دارانِ قوم کی ہدایت کا تذکرہ فرمایا کہ امتِ اسلامیہ کو مطمئن کر دیا ہے کہ ہم پردہ غیب میں ہیں، دنیا سے رخصت نہیں ہو گئے ہیں۔ ہماری غیبت کا مفہوم تمہاری طرف سے غیبت ہے ہماری طرف سے غیبت نہیں ہے ہم تمہاری ننگا ہوں سے غائب ہیں اور تم ہماری زیارت نہیں کر سکتے ہو لیکن تم ہماری نگاہ سے غائب نہیں ہو۔ ہم تمہیں برابر دیکھ رہے ہیں اور تمہارے حالات و کیفیات کی نگرانی کر رہے ہیں۔ ہم تمہارے حالات سے غافل ہو جائیں تو تمہارا وجود ہی خطرہ میں پڑ جائے اور امت بھی خطرہ میں پڑ جائے کہ امامِ قوم کے حالات سے غافل نہیں ہو سکتا۔ دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی قوم کے حالات پر نگاہ رکھتا ہے اور روز قیامت بھی ان کے اعمال کا شاہد و شہید ہوگا، ہم نزد موجود ہیں، ہمارے اور تمہارے درمیان صرف ننگا ہوں کا پردہ ہے ورنہ ہم نہ کسی دوسرے ملک میں رہتے ہیں اور نہ کسی دوسرے عالم میں۔ تمہارے ہی درمیان میں، تمہارے آلام و مصائب میں

شریک ہیں، تمہارے درد و رنج کو دیکھتے رہتے ہیں، موسم حج میں تمہارے ساتھ شریک مناسک رہتے ہیں، تمہارے آبار و اجداد کی زیارت میں تمہارے شانہ بشانہ زیارت پڑھتے ہیں بلکہ کبھی کبھی مخصوص افراد کو زیارت پڑھا بھی دیتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ دور غیبت کے اثرات کی بنا پر انہیں ہمارے وجود اور ہماری زیارت کا اندازہ نہیں ہوتا ہے اور جب ہم امام زمانہ کی زیارت کے موقع پر جواب سلام دیتے ہیں تو ان کے ذہن کو ایک جھٹکا محسوس ہوتا ہے لیکن اس کا واقعی اسکا ہمارے چلے جانے کے بعد ہی ہوتا ہے۔

ہماری حفاظت و ہدایت میں کسی طرح کا نقص نہیں ہے اور ہم ہر آن تمہاری نگرانی کرتے رہتے ہیں جس کا بہترین ثبوت وہ خطوط ہیں جو ہم نے غیبت کبریٰ کے باوجود اپنے مخلص خادین دین کو لکھے ہیں اور ان میں ان تمام حقائق کا تذکرہ بھی کر دیا ہے۔

ذیل میں ان دو خطوط کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے جو امام زمانہ نے علامہ شیخ مفید علیہ الرحمہ کے نام لکھے ہیں اور جن کے الفاظ سے شیخ کی عظمت اور امام کی محبت و حفاظت و رعایت و صیانت کا مکمل اندازہ ہوتا ہے۔

ایک خط میں ارشاد فرماتے ہیں:

”برادر سید اور محب شریف شیخ مفید ابی عبد اللہ محمد بن محمد بن النعمان (خدا ان کے اعزاز کو باقی رکھے) کے لیے مرکز عہد الہی امام کی جانب سے۔“

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اسے میرے مخلص دوست اور اپنے یقین کی بنا پر مجھ سے خصوصیت رکھنے والے محب تم پر میرا سلام۔ ہم عدلے وعدہ لاشریک کی حمد کرتے ہیں اور رسول اکرم اور ان کی آل طاہرین پر صلوة و سلام کی اتناں کرتے ہیں۔ خدا نصرت حق کے لیے آپ کی توفیقات کو برقرار رکھے اور ہماری طرف سے صداقت بیانی کے لیے آپ کو بہترین اجر عطا فرمائے۔ یاد رکھیے کہ ہمیں قدرت کی طرف سے اجازت ملی ہے کہ ہم آپ کو مراسلت کا شرف عطا کریں اور اپنے دوستوں کے نام میں پیغام آپ کے ذریعہ پہنچائیں۔ خدا ان سب کو اپنی اطاعت کی عزت عطا کرے، اور اپنی مخالفت و حرمت میں رکھے۔ خدا سب دینوں کے مقابل میں آپ کی تائید کرے

آپ میرے بیان پر قائم رہیں اور جس جس پر آپ کو اعتبار و اعتماد ہو اس تک یہ پیغام پہنچادیں۔ ہم اس وقت ظالمین کے علاقہ سے دور ہیں اور اللہ کی مصلحت ہمارے اور ہمارے شیعوں کے حق میں یہی ہے کہ ایسے ہی دور دراز علاقہ میں رہیں جب تک دنیا کی حکومت فاسقین کے ہاتھ میں رہے۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں تمہاری مکمل اطلاع رہتی ہے اور کوئی خبر پوشیدہ نہیں رہتی ہے۔ ہم اس ذلت سے بھی باخبر ہیں جس میں تم لوگ اس لیے مبتلا ہو گئے ہو کہ تم میں سے بہت سے لوگوں نے صالح بزرگوں کا طریقہ ترک کر دیا ہے اور عظمت الہی کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے جیسے وہ اس عہد سے باخبر ہی نہ ہوں۔

ہم تمہاری نگرانی کے ترک کرنے والے اور تمہاری یاد کے بھلا دینے والے نہیں ہیں۔ ہم تمہیں زیادہ رکھتے تو تم پر بلائیں نازل ہو جاتیں اور دشمن تمہیں جلا کر خاک تر بنا دیتے۔ خدا سے ڈرو اور رفتوں سے بچانے میں ہماری مدد کرو۔ فتنے قریب آگئے ہیں اور ان میں ہلاکت کا شدید اندیشہ ہے۔ یہ فتنہ ہماری قربت کی علامت ہے۔ خدا اپنے نور کو بہر مال مکمل کرنے والا ہے چاہے شریکین کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

تقیہ کو حفاظت کا ذریعہ قرار دو اور اموی گروہ کی جاہلیت کی آگ سے محفوظ رہو۔ جو اس جاہلیت سے الگ رہے گا ہم اس کی نجات کے ذمہ دار ہیں۔ اس سال جمادی الاولیٰ کا مہینہ آجائے تو حوادث سے عبرت حاصل کرو اور خواب سے بیدار ہو جاؤ اور بعد میں آنے والے واقعات کے لیے ہوشیار ہو جاؤ۔

عنقریب آسمان اور زمین میں نمایاں نشانیاں ظاہر ہوں گی۔ سرزمین مشرق پر تعلق و اضطراب ظاہر ہوگا۔ عراق پر ایسے گروہوں کا قبضہ ہوگا جو دین سے خراب ہوں گے اور ان کی بد اعمالیوں سے روزی تنگ ہو جائے گی۔ اس کے بعد طاغوت کی ہلاکت سے مصیبت دفع ہوگی اور صاحبان تقویٰ اور نیک کردار افراد خوش ہوں گے۔ حج کا ارادہ کرنے والوں کی مرادیں پوری ہوں گی اور ہم ایک مرتب اور منظم طریقہ سے ان کی آسانی کا سامان فراہم کریں گے۔ اب ہر شخص کا فرض ہے کہ

ایسے اعمال انجام دے جو ہماری محبت سے قریب تر بنا دیں اور ایسے امور سے اجتناب کرے جو ہمیں ناپسند ہیں اور ہماری ناراضگی کا باعث ہیں۔ ہمارا ظہور لہجہ ناک ہوگا اس وقت تو ہر کا کوئی امکان نہ رہے گا اور نہ ندامت سے کوئی فائدہ ہوگا۔ خدا تعالیٰ ہدایت کا الہام کرے اور اپنی توفیق خاص عنایت فرمائے۔“

یہ خط علامہ شیخ مفید علیہ الرحمہ کی وفات سے تین سال قبل صفر ۱۱۳۷ھ میں داخل ہوا تھا، اور دوسرا خط بھی تقریباً اسی طرح کے مضمون کا حامل ہے لیکن ان خطوط کے مضامین سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی تازگی ہر وقت برقرار ہے اور اس کا ایک ایک جملہ ابدی حیثیت رکھتا ہے۔ صاحبانِ ایمان کو ان خطوط کے حسب ذیل نکات پر خصوصی توجہ دینا چاہیے اور ہر وقت توفیق خیر کی دعا کرتے رہنا چاہیے:

۱۔ راہ حق میں جہاد کرنے والے اور دین اسلام کی خدمت کرنے والوں کو امام عصرؑ اپنے ”برادر رشید“ کا مرتبہ عنایت فرماتے ہیں۔

۲۔ امامؑ اپنی قوم سے ہر وقت رابطہ رکھتے ہیں۔ لیکن کوئی کام مرضی پروردگار کے بغیر انجام نہیں دیتے ہیں۔ حدیث ہے کہ خط بھی اسی وقت لکھتے ہیں جب حکم خدا ہوتا ہے۔

۳۔ امامؑ ظالموں کے علاقہ سے دور بھی رہتے ہیں اور صاحبانِ ایمان سے قریب بھی ہوتے ہیں کہ اس طرح دونوں کی حفاظت بھی ہو رہی ہے اور کار دین بھی انجام پا رہا ہے۔

۴۔ قوم کی ساری پریشانیوں ان بے عمل اور بے دین افراد کی وجہ سے ہیں جنہوں نے سلف صالح کا طریقہ ترک کر دیا ہے اور عہد الہی کو نظر انداز کر دیا ہے۔

۵۔ امامؑ کسی وقت بھی قوم کی نگرانی سے غافل نہیں ہیں اور اس کا زندہ ثبوت خود قوم کا وجود ہے ورنہ اب تک ظالموں نے سب کو فنا کر دیا ہوتا۔

۶۔ تقیہ ایک بہترین عمل ہے۔ اس کا نظر انداز کر دینا ہلاکت کو دعوت دینا ہے لیکن اسی کے ساتھ خدمت اسلام کا عمل بھی جاری رہنا چاہیے۔

۷۔ عراق کے حکام کی بے دینی عوام کی روزی کی تنگی کا باعث ہوگی جس کا نظر آج بھی نگاہوں کے سامنے ہے کہ ظالموں کی وجہ سے عوام ناقوں کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

۸۔ عراقی طاغوت کا خاتمہ ہوگا اور صاحبانِ ایمان و تقویٰ کی مسرت کا سامان فراہم ہوگا، انشاء اللہ۔

۹۔ حج کے مشکلات ختم ہوں گے اور سہولتوں کا دور آئے گا اور امامؑ کی نگرانی میں ظلم حج مرتب ہوگا، انشاء اللہ۔

۱۰۔ صاحبانِ ایمان کا فرض ہے کہ امام سے قریب رہنے والے اعمال اختیار کریں اور امامؑ کی ناراضگی سے بچتے رہیں۔ بے عملی، بے دینی، توہین احکام اسلام، غلط بیانی، افتراء و بازی تفرقہ بازی، ضمیر فروری، محسن کشی، فرائض کا استہفاف، محرمات کی دعوت جیسے اعمال وہ ہیں جن سے امام زمانہ ناراض ہوتے ہیں۔ رجحان کا محاسبہ ظہور کے بعد بہت سخت ہوگا۔ خدا ہم سب کو امام علیہ السلام سے قریب تر ہونے اور انہیں راضی رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

زائرین قائم آل محمدؑ

امام عصرؑ کے زائرین کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ بعض افراد وہ ہیں جنہوں نے زمانہ غیبت صغریٰ میں آپ کی زیارت کی ہے۔

۲۔ بعض افراد وہ ہیں جنہوں نے غیبت کبریٰ میں یہ شرف حاصل کیا ہے۔

غیبت کبریٰ کے زائرین کا سلسلہ محمد اللہ قائم ہے، لہذا ان کے اعداد و شمار کا متقرر کرنا ناممکن ہے اور جب تک ملاقاتوں اور زیارتوں کا یہ سلسلہ قائم رہے گا ان کے اعداد و شمار میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا جیسا کہ محدث ذوری علیہ الرحمہ نے اس قسم کے نثر و واقعات کا ذکر کیا ہے اور شیخ قمی علیہ الرحمہ نے ان میں سے تقریباً صرف ایک چوتھائی کا ذکر کیا ہے اور باقی علماء و مؤلفین نے اور دوسرے واقعات کا ذکر کیا ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ لہذا ان میں سے صرف ان واقعات کی طرف اشارہ کیا جائے گا جن میں ملاقات کے علاوہ عمومی افادیت کا پہلو بھی پایا جاتا ہے۔ غیبت صغریٰ کے چند زائرین کی اجمالی فہرست یہ ہے:

۱۔ نائب اول عثمان بن سعید عمروی

۲۔ نائب دوم محمد بن عثمان بن سعید عمروی

- ۳۔ نائب سوم حسین بن روح نوبختی
 ۴۔ نائب چہارم علی بن محمد سمری
 ۵۔ سفیر عام حاجز۔ بلال اور عطار بغدادی (غایۃ المقصود)
 ۶۔ عاصمی کوفی
 ۷۔ محمد بن ابراہیم بن فہر یار اہوازی
 ۸۔ محمد بن صالح ہمدانی
 ۹۔ بسامی و اسدی رازی
 ۱۰۔ قم بن علار آذر بائیانی
 ۱۱۔ محمد بن شاذان نیشاپوری
 ۱۲۔ احمد بن اسحاق قمی
 ۱۳۔ ابو الادیان (قبل آغاز غیبت)
 ۱۴۔ ابو القاسم بن رئیس
 ۱۵۔ ابو عبد اللہ بن فروخ
 ۱۶۔ مسرور طباطبائی
 ۱۷۔ احمد و محمد بن الحسن
 ۱۸۔ اسحاق کاتب نوبختی
 ۱۹۔ صاحب الغرا
 ۲۰۔ صاحب الصرة المختوم
 ۲۱۔ ابو القاسم بن ابی جلیس
 ۲۲۔ ابو عبد اللہ الکندی
 ۲۳۔ ابو عبد اللہ البندی
 ۲۴۔ محمد بن کثیر و جعفر بن حمدان دینوری
 ۲۵۔ حسن بن ہراون و احمد بن ہراون اصفہانی

۲۶۔ زیہان قمی

(غایۃ المقصود)

- ۲۷۔ حسن بن نصر، محمد بن محمد، علی بن محمد بن اسحاق، حسن بن یعقوب ازدی
 ۲۸۔ قسم بن موسیٰ، ابن قسم بن موسیٰ، ابن محمد بن ہارون، علی بن محمد (کلیسی)
 ۲۹۔ ابو جعفر الرقار (کردون)
 ۳۰۔ علی بن احمد (فارس)
 ۳۱۔ ابن الجبال (قدس)
 ۳۲۔ مجرد (مرو)
 ۳۳۔ صاحب الالف دینار (نیشاپور)
 ۳۴۔ محمد بن شعیب بن صالح (بین)
 ۳۵۔ فضل بن زید، حسن بن فضل، جعفری، ابن الاعمی (مصر)
 ۳۶۔ صاحب المولودین، صاحب المال (نصیبین)
 ۳۷۔ ابو محمد بن الموجنا (اہواز)
 ۲۸۔ الحصینی

ان کے علاوہ نہ جانے کتنے خوش قسمت تھے جن کا تذکرہ کتابوں میں نہیں ہو سکا ہے، کسی ذکر ذیل میں ہو گیا ہے جیسے کہ جناب حکیمہ کہ جو امام زائر کی سب سے پہلی زائرہ تھیں لیکن ان کا ذکر زائرین کے ذیل میں نہیں کیا گیا ہے بلکہ خدمات ولادت کے ذیل میں کیا گیا ہے، یا دیگر افراد کہ جن کے سامنے خود امام حسن عسکری نے اپنے فرزند کو پیش کیا ہے اور انہوں نے حضرت کے جمال مبارک کی زیارت غیبت صغریٰ کے آغاز سے پہلے کی ہے۔
 میں نے ان کے اسماء گرامی کی طرف اس لیے اشارہ کر دیا ہے کہ اصل مقصد غیبت کے زائرین کی فہرست تیار کرنا نہیں ہے بلکہ ان افراد کی نشان دہی کرنا ہے جنہوں نے حضرت قائم کی زیارت کی ہے اور جن کی شہادت کے بعد حضرت کے وجود اور ان کی ولادت کا انکار کرنا ایک سخط اور سکارہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔
 غیبت کبریٰ کے جن زائرین کی نشان دہی علامہ شیخ عباس قمی نے کی ہے ان میں سے

بعض کے اسما گرامی رہیں:

۱۔ اسماعیل ہرتلی۔ جن کا مرض لاعلاج ہو گیا تھا اور انھوں نے مید ابن طاؤس کے پاس حاضری دی اور اس کے بعد امام عصر سے توسل کیا اور انھوں نے دست مبارک پھر کر مرض کو بالکل ختم کر دیا جس کا نشان بھی باقی نہیں رہ گیا تھا اور پیروں میں ناسور کی جگہ پر باقاعدہ طبی علاج نظر آنے لگی تھی۔

۲۔ سید محمد جبل عالمی۔ جنھیں حکومت نے جبری فوج میں بھرتی کرنا چاہا تو لبنان سے بھاگ کھڑے ہوئے اور پانچ سال کی در بدری کے بعد نجف اشرف وارد ہوئے۔ حالات سے پریشان ہو کر بہت دعائیں کیں لیکن وسعت رزق کا کوئی راستہ نہ نکلا تو بالآخر عریضہ ڈالنے کا پروگرام بنایا اور نجف سے باہر جا کر روزانہ صبح کو دریا میں عریضہ ڈالتے رہے۔ ۳۹ دن کے بعد راستہ میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جس کا لباس عراقی تھا اور لہجہ لبنانی۔ اس نے دریافت حال کیا کہ ۳۹ دن سے کیوں عریضہ ڈال رہے ہو کیا امام تمہارے حال سے باخبر نہیں ہے؟ میں نے حیرت زدہ ہو کر مصافحہ کا ارادہ کیا۔ مصافحہ کرنے پر ہاتھ کی لطافت سے محسوس کیا کہ یہ امام عصر ہیں اس لیے کہ ان کے دست مبارک کے بارے میں ایسی ہی روایت سنی ہے۔ اب جو دست بوسی کا ارادہ کیا تو وہ غائب ہو چکے تھے (واضح رہے کہ اس واقعہ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ عریضہ بیکار ثابت ہوا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عریضہ ہی کے زیر اثر ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔

۳۔ سید عطوہ حسنی۔ صاحب کشف الغم نے ان کے فرزندوں سے روایت کی ہے کہ میرے باپ زیدی مذہب تھے اور ہم لوگوں سے امامیہ مذہب کی بنیاد پر بیزار رہا کرتے تھے۔ ایک دن انھوں نے شدت مرض کے عالم میں کہا کہ جب تک تمہارے صاحب مجھے شفا نہ دیں گے میں ایمان نہ لاؤں گا۔ تھوڑی رات کے بعد بلند آواز سے پکارا کہ کہا کرو تو اپنے صاحب سے ملاقات کرو۔ ہم لوگ دوڑ پڑے لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ صرف باپ کا یہ بیان سنا کہ ایک بزرگ گرد شفا پھر کر درد کو زائل کر گئے ہیں اور پھر ان کا یہ اطمینان دیکھا کہ انھیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں تھی۔

۴۔ علامہ حلی نے منہاج الصلاح میں ابن طاؤس سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ سید رضی الدین محمد بن محمد بن محمد آدی کو حکومت نے گرفتار کر لیا تھا۔ انھوں نے عاجز آکر امام زمانہ سے استغاثہ کیا تو حضرت نے دعائے برت پڑھنے کا حکم دیا۔ انھوں نے کہا کہ مجھے اس دعا کا علم نہیں ہے۔ فرمایا کتاب مصباح میں ہے۔ انھوں نے عرض کی کہ میں نے نہیں دیکھی ہے۔ فرمایا کہ ہے۔ اب جو بیدار ہو کر دیکھا تو کتاب میں ایک رقمہ رکھا ہوا تھا۔ اس دعا کی تلاوت کی تو حاکم کی زوجہ نے خواب میں دیکھا کہ امیر المؤمنین فرما رہے ہیں کہ اگر میرے فرزند کو رہا نہ کیا تو تیرے شوہر کو فنا کر دیا جائے گا۔ اس نے بیدار ہو کر شوہر سے بیان کیا اور اس نے فوراً رہا کر دیا۔

۵۔ میر اسحاق استرآبادی۔ علامہ مجلسی نے ان کا بیان یوں نقل کیا ہے کہ میں راہ مکہ میں قافلہ سے الگ ہو کر سخت پریشان تھا تو امام عصر سے استغاثہ کیا۔ حضرت تشریف لائے اور تریزی پانی پڑھنے کا حکم دیا۔ میں پیاسا تھا مجھے پانی پلایا اور پھر میری تلاوت کی اصلاح کی اور اپنے ساتھ سواری پر سوار کر کے قافلہ سے ۹ روز پہلے مکہ پہنچا دیا اور اہل خانہ نے مشہور کر دیا کہ میں صاحب کرامات ہوں اور طی الارض کے ذریعہ مکہ آیا ہوں۔

۶۔ سید ابن طاؤس نے "فرج الہوم" میں ابو جعفر محمد بن ہارون بن موسیٰ تمکبری کے حوالے سے ابو الحسن بن ابوالفضل کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میرا ایک معاملہ ابو منصور بن ابوصالحان سے تھا اس میں کچھ اختلاف پیدا ہو گیا اور میں اس کے خوف سے روپوش ہو گیا۔ ایک دن امام موسیٰ کاظم کے روضہ پر گیا اور ابو جعفر سے گزارش کی کہ آج حرم کے دروازے بند کر دینا میں حضرت سے تنہائی میں فریاد کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے دروازے بند کر دیے اور میں نے نماز دعا، زیارت اور مناجات شروع کی کہ اچانک ایک جوان کو دیکھا جس نے زیارت میں امام زمانہ کے علاوہ سب کو سلام کیا۔ میں حیرت زدہ ہو گیا کہ یہ کون سا مذہب ہے۔ کچھ پوچھنا ہی چاہتے تھے کہ فرمایا دعائے فرج پڑھو، اور پھر دعائے فرج کی تعلیم دی۔ "یا من اظہر الجلیل . . . اور آخر میں یا محمد یا علی اکفیا فی فانکما کافیا فی وانصرانی فانکما ناصران" میں اس عمل میں مشغول ہو گیا اور عمل تام کرنے کے بعد اس جوان کو تلاش کیا تو کوئی نظر نہ آیا۔

ابو جعفر سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ دروازے بند ہیں۔ یہ تمہارے امام زمانہ تھے جو تمہاری شکل کشائی کے لیے آئے تھے۔

واضح رہے کہ دعائے فرج کے نام سے مختلف دعائیں کتابوں میں پائی جاتی ہیں جن میں سے ایک دعا یہ بھی ہے ورنہ یا عماد من لا عماد لہ کو بھی دعائے فرج ہی کہا جاتا ہے۔

۷۔ ابوراجح حامی۔ علامہ مجلسی نے ان کا واقعہ اس طرح نقل کیا ہے کہ جلد میں حسام کا کاروبار کرتے تھے۔ وہاں ایک حاکم مرجان صغیر تھا جو انتہائی درجہ کا نامی اور دشمن اہلبیت تھا لوگوں نے اس کے پاس ابوراجح کی شکایت کر دی کہ صحابہ کو گالیاں دیتے ہیں۔ اس نے طلب کر کے ان کی مرمت کا حکم دے دیا۔ سرکاری کارندوں نے اس قدر مارا کہ سارا چہرہ لہو لہان ہو گیا۔ اس کے دانت ٹوٹ گئے اور ناک میں نکیل ڈال کر کھینچتے ہوئے حاکم کے سامنے حاضر کیا۔ اس نے قتل کا حکم دے دیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ بوڑھا اپنی جان سے جا رہا ہے اب قتل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس نے دربار سے باہر پھینکو ادا کیا۔ رات کو ابوراجح نے امام عصر سے فریاد کی۔ اس وقت جب تمام گھر والے زندگی کے لمحات شمار کر رہے تھے ایک مرتبہ دیکھا کہ گھر فور سے مسموم ہو گیا ہے اور ایک بزرگ نے آکر پورے جسم پر ہاتھ پھیر کر مکمل صحت عطا فرمادی ہے یہاں تک کہ اس کے دانت بھی واپس آگئے ہیں اور بیس سالہ جوان معلوم ہونے لگے ہیں۔ صبح کو لوگوں میں یہ خبر مشہور ہوئی تو ابوراجح کو پھر حاکم کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس ظالم نے اپنی آنکھوں سے اس کرامت کا مشاہدہ کر لیا لیکن راہ راست پر نہ آیا۔

۸۔ علامہ مجلسی نے بحار میں اس واقعہ کو بھی نقل کیا ہے کہ انگریزوں نے بحرین میں اپنا ایک نمائندہ مین کر دیا تھا جو انتہائی درجہ کا دشمن اہلبیت تھا اور ہمیشہ حبان اہلبیت کو اذیت پہنچانے کی فکر میں رہا کرتا تھا۔ ایک دن اس کے وزیر نے دربار میں ایک انار پیش کیا جس پر خلفا کے نام ثبت تھے اور حاکم سے کہا کہ یہ ہمارے مذہب کی حقانیت کی دلیل ہے لہذا اگر شیعہ اسے تسلیم کریں تو انھیں قتل کر دیا جائے۔ ان کی عورتوں کو کینز بنا لیا جائے اور ان کا مال بطور غنیمت لے لیا جائے۔ حاکم نے علامہ شیعہ کو طلب کر کے انار دکھلایا سب پریشان ہو گئے اور جواب کے لیے تین دن کی ہمت طلب کی۔ آپس میں اجتماع کر کے دس مقدمین کا

انتخاب کیا اور پھر ان میں سے تین کا انتخاب کیا کہ امام عصر سے استفادہ کریں۔ پہلے دن استفادہ کیا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ دوسرے دن دوسرے مقدس نے استفادہ کیا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ تیسرے دن محمد بن عیسیٰ کی باری آئی۔ وہ مصروف استفادہ تھے کہ ایک شخص کو دیکھا انھوں نے فرمایا کہ اپنی پریشانی بیان کر دو میں مشکل کو حل کر دوں گا۔ عرض کی کہ اگر آپ امام عصر ہیں تو بیان کے محتاج نہیں ہیں آپ نے پریشانی کا ذکر کیا اور فرمایا کہ حاکم سے کہہ دو کہ وزیر نے اپنے گھر میں ایک سانچہ تیار کر رکھا ہے اور اس پر یہ نام کندہ کر دیے ہیں۔ کچے انار پر سانچہ چڑھا دیا تھا۔ جب انار بڑے ہوئے تو یہ نام ثبت ہو گئے۔ اور وہ سانچہ وزیر کے گھر کے فلاں حجرہ میں رکھا ہے۔ آپ اسے طلب کریں اور وزیر کو نہ جلنے دیں۔ حاکم نے ابن عیسیٰ کے بیان پر سانچہ کو طلب کیا اور جب حقیقت واضح ہو گئی تو پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہو گیا۔ فرمایا کہ میرے مولائے بتایا ہے جو سلسلہ امامت کے بارہوں میں امام ہیں اور یہ بھی فرمایا ہے کہ انار کو توڑا جائے ان ناموں کی برکت سے اندر سے راکھ کے علاوہ کچھ نہ نکلے گا۔ چنانچہ حاکم نے اس کا بھی تجربہ کیا اور جب حق بالکل واضح ہو گیا تو اس نے مذہب شیعہ کے قبول کرنے کا اعلان کر دیا اور محمد بن عیسیٰ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

۹۔ آٹائی میرزا عبداللہ اصفہانی نے کتاب "ریاض العلماء" میں نقل کیا ہے کہ ابوالقاسم محمد بن ابوالقاسم ماسمی جو ایک باخبر شیعہ تھے اور رفیع الدین حسین جو ایک متعصب سنی تھے دونوں میں باقاعدہ دوستی تھی اور آپس میں نوک جھونک چلا کرتی تھی ابوالقاسم رفیع الدین کو نامی کہتے تھے اور وہ انھیں رافضی۔ ایک دن ہیران کی مسجد عتیق میں بیٹھے یہ بحث کر رہے تھے کہ علی اور ابوبکر میں کون افضل ہے؟ تو ابوالقاسم نے آیات و احادیث سے استدلال کیا۔ رفیع الدین نے قصہ خارا اور شرف خسریت بیغیر کا تذکرہ کیا۔ ابوالقاسم نے استدلال کو طویل تر بنا دیا اور کہا کہ علیؑ سے کسی کا کیا مقابلہ ہے۔ علیؑ حامل لواویغیر، دختر مرسل، عظیم کے شوہر، ہجرت کی رات بستر رسولؐ کی زینت، کعبہ میں بتوں کے توڑنے والے اور بیشتر انبیاء کے کمالات کے منظر تھے۔ ان کے مقابلہ میں کسی کو کوئی شرف حاصل نہیں تھا۔ رفیع الدین نے عاجز آ کر کہا کہ اب جو شخص بھی مسجد میں داخل ہوگا اس سے فیصلہ کر آئیں گے اور اسی کی بات کو حجت آخر قرار دیں گے۔ ابوالقاسم نے اسے منظور کر لیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک جوان داخل ہوئے۔

رفیع الدین نے پورے خود مد کے ساتھ اپنا مقدمہ پیش کیا۔ اس جوان نے دو شعر پڑھ دیے جس کا مضمون یہ تھا کہ۔ "لوگ مجھ سے علیؑ کی افضلیت کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ افضلیت کا بیان خود علیؑ کی توہین ہے۔ کیا تو ار کے لیے یہ بات باعث تعجب نہیں ہے کہ اسے ڈنٹے سے زیادہ تیز کہا جائے۔ رفیع الدین یہ اشعار سن کر حیرت زدہ ہو گیا اور اپنے اقرار کے مطابق مذہب آل محمد قبول کرنے پر مجبور ہو گیا۔

۱۔ آقائے سید محمد رضوی ہندی نے نجف اشرف کے دوسرے بجا و رحم شیخ باقر بن شیخ ہادیؑ کی زبانی اس واقعہ کو نقل کیا ہے کہ نجف اشرف میں ایک شخص حام میں کام کرتا تھا اور نہایت درجہ مومن اور متقی تھا، اپنے ضعیف باپ کی بے پناہ خدمت کرتا تھا، یہاں تک کہ اٹھانا بٹھانا کھلانا پلانا سب اس کے ذمہ تھا، صرف شب چہار شنبہ مسجد سہلہ زیارت نامہ رازہ کے اشتیاق میں چلا جایا کرتا تھا۔ ایک شب چہار شنبہ اتفاق سے تاخیر ہو گئی اور تنہا جا رہا تھا کہ اچانک راستہ میں ایک عرب کو دیکھا اور یہ خیال پیدا ہوا کہ عنقریب میرے کپڑے تک اتر والے گا۔ اس نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا کہ مسجد سہلہ!۔ اس نے کہا کہ تمہارے جیب میں کچھ ہے؟ میں نے کہا کہ کچھ نہیں ہے۔ کہا جو بھی ہے فوراً نکالو۔ میں نے پھر انکار کیا تو ڈانٹ کر کہا کہ فوراً نکالو۔ اب جو میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو یاد آیا کہ پچوں کے لیے کشمش خریدی تھی اور وہ رکھی رہ گئی ہے۔ میں نے کشمش پیش کر دی تو کہا کہ واپس جاؤ اور اپنے باپ کی خدمت کرو۔ مسجد سہلہ کی زیارت باپ کی خدمت سے زیادہ اہم نہیں ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ مرد مومن کو یہ شرف باپ کی خدمت ہی سے حاصل ہوا ہے کہ اسے امام زمانہؑ کی زیارت نصیب ہوگی اور جس مقصد کے لیے برابر آیا کرتا تھا وہ مقصد حاصل ہو گیا اور اسی لیے حضرت نے فرمایا کہ اب جا کر باپ کی خدمت کرو کہ اب دوسرا کوئی کام نہیں کیا ہے ورنہ اگر مسجد سہلہ کی طرف جانا کوئی نامناسب کام ہوتا تو حضرت روز اول ہی منع فرمادیتے۔

بہر حال والدین کی خدمت انتہائی اہم کام ہے۔ یہاں تک روایت میں وارد ہوا ہے کہ اگر ماں باپ شرکت چہاد سے روک دیں اور انہیں اس امر سے دخت ہو تو ایک ساعت

ان کی خدمت کرنا ایک سال راہ خدا میں جہاد کرنے سے بہتر ہے۔ اور یہ بات امام صادقؑ نے رسول اکرمؐ سے نقل کی ہے جس سے واقعی اسلام و ایمان کے صحیح مزاج کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ دور غیبت کبریٰ میں بھی ایک جہاد کا امکان باقی ہے اور وہ ہے خدمت والدین۔ رب کریم ہر مومن کو اس جہاد کی توفیق عطا فرمائے۔

خطوط و رسائل

علماء اعلام نے جہاں امام عسکریؑ کی زیارت سے مشرف ہونے والے افراد کا تذکرہ کیا ہے وہاں ان خطوط اور رسائل کا بھی تذکرہ کیا ہے جو دور غیبت میں امام عسکریؑ کی طرف سے صادر ہوئے ہیں اور جنہیں توقیعات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان رسائل میں بہت سے مسائل احکام، دعاؤں اور زیارتوں کا بھی تذکرہ ہے اور بہت سے خصوصی خطوط بھی ہیں جو مختلف اسباب اور مصالح کے تحت ارسال کیے گئے ہیں۔

شخصی خطوط میں جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ کے نام تین خطوط اور بیانات ہیں۔ ایک میں انہیں برادر سدید اور ولی رشید کے لقب سے یاد کیا گیا ہے اور دوسرے میں انہیں "ناصر حق اور داعی الی کلۃ الصدق" فرمایا گیا ہے۔ پہلا خط صفر ۴۱۳ھ کا ہے اور دوسرا ۲۲ ذی الحجہ ۴۱۳ھ کا ہے۔ اس کے بعد ان کے انتقال پر حضرت نے کچھ اشعار بھی فرمائے ہیں جو شیخ مفیدؒ کی قبر پر کندہ ہیں۔

تیسرے خط کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ مفیدؒ سے ایک حاملہ عورت کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے تو اب بچہ کے بارے میں کیا کیا جائے؟ فرمایا کہ بچہ کو دفن کر دیا جائے۔ لوگ دفن کی تیاری کر رہے تھے کہ ایک سوار نے آکر خبر دی کہ بچہ کو نکال لیا جائے اور عورت کو دفن کر دیا جائے۔ بچہ کو نکال لیا گیا اور بعد میں شیخ کو خبر ہوئی تو انھوں نے طے کر لیا کہ اب کسی مسئلہ میں فتویٰ نہیں دیں گے کہ آج اس سوار نے مسئلہ کی اصلاح نہ کر دی ہوتی تو ایک بچہ کا خون ناحق اپنی گردن پر آجاتا۔ یہ طے کر کے گھر میں بیٹھے ہی تھے کہ حضرت کی طرف سے پیغام آیا کہ تم نے بالکل غلط فیصلہ کیا ہے "علیہ الافشاء وعلینا التسمید"

دفتوی دینا مختار اکام ہے اور اصلاح کرنا ہمارا کام ہے۔

اس واقعہ سے امام زمانہ کی امداد غیبی کے علاوہ اس حقیقت کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ امام کو اپنے چاہنے والوں سے کس قدر محبت ہے اور وہ انہیں کسی قیمت پر لاوارث نہیں چھوڑنا چاہتے ہیں بلکہ حضرت کا منشا بھی یہ ہے کہ ہر دور میں ان کے مسائل کے حل کرنے والے علماء رہیں، اور مسائل کو حل کرتے رہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی ایسی غلطی ہوگی جس کا تعلق حق العباد اور خون ناحق سے ہو گا تو ہم اس کی اصلاح کر دیں گے ورنہ حق اللہ کے معاملہ کی خطاؤں کا معاف کرنے والا خود پروردگار موجود ہے اور وہ ارحم الراحمین ہے۔ اگر ایک عام گنہگار بندے کی خطا کو معاف کر سکتا ہے تو اپنی راہ میں قربانی دینے والے اور زحمات برداشت کرنے والے اہل علم کی خطا کو کیوں معاف نہیں کرے گا۔

مسائل کے سلسلہ میں علماء طبرستانی نے اس خطا کا ذکر کیا ہے جو جناب اسحاق بن یعقوب کے نام لکھا گیا تھا اور جس میں مختلف سوالات کے جوابات درج تھے۔ جن کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر منکر کے بارے میں سوال کیا گیا ہے تو ہمارا منکر ہم میں سے نہیں ہے اور اگر جعفر جیسے لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا ہے تو ان کی مثال پسر نوح اور برادران یوسف جیسی ہے۔

دراصل رہے کہ بعض حضرات نے اس جملہ سے یہ استفادہ کیا ہے کہ پسر نوح اپنے باپ کے احکام کے اعتبار سے نالائق تھا اور ان کے راستہ پر نہیں چلا تھا لیکن برادران یوسف نے جب بھائی سے خیانت کی تو انہوں نے آخر میں انہیں معاف کر دیا اور اس طرح ظالم افراد تو آپ قرار پا گئے۔

فقدار یعنی جو کی شراب بہر حال شراب ہے اور حرام ہے۔ نفس کافر فیض اس لیے رکھا گیا ہے کہ تمہارا مال حلال ہو جائے اور تمہیں نجات حاصل ہو جائے ورنہ قاعدہ کے اعتبار سے ساری کائنات امام کے لیے ہے اور ان کی مرضی کے بغیر کسی ذرہ کائنات میں بھی تصرف جائز نہیں ہے۔ ظہور کا وقت پروردگار کے علم میں ہے اور ہم اس کے حکم کے منتظر ہیں۔ اپنی طرف سے وقت معین کرنے والے جھوٹے ہیں اور ان کی تعین کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

مستقبل میں پیش آنے والے واقعات میں ہماری امداد کے باہم راوی جو روایات کو

واقعات پر منطبق کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کی طرف رجوع کرنا کہ وہ ہماری طرف سے تم پر محبت ہیں اور ہم اللہ کی طرف سے ان پر محبت ہیں اور ان کا رد کرنے والا درحقیقت تمہارا احکام کی تردید کرنے والا ہے۔

محمد بن عثمان میرے معتمد ہیں اور ان کا قول میرا قول، اور ان سے ملنے والا پیغام میرا پیغام ہے۔

محمد بن علی ہزیرا ہوازی کا دل انشاء اللہ شرفاں ہو جائے اور انہیں کوئی شائبہ نہیں رہ جائے گا۔

گائے والی عورت کی اجرت حرام ہے (حرام عمل کی اجرت بہر حال حرام ہوتی ہے۔ بدبخت وہ لوگ ہیں جن کی جیب سے اس راہ میں پیسہ نکل جاتا ہے۔ گائے والی تو پیسے لے کر ہی مجرم بنتی ہے، دینے والا تو دنیا اور آخرت دونوں کے اعتبار سے خسارہ میں ہے۔) محمد بن شاذان ہمارے شیعوں میں ہیں۔

ابوالخطاب محمد بن اجدب ملعون ہے اور اس کے ماننے والے بھی ملعون ہیں۔ ہم اور ہمارے آباء و اجداد سب اس سے بری اور بیزار ہیں۔

ہمارا مال کھانے والے اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھری ہے۔ ہمیں نہ دینے والوں کی طرف سے جو مال ہمارے شیعوں کو ملے اس میں کا حق خمس ہم نے اپنے شیعوں کے لیے حلال کر دیا ہے۔ زنا، بغیبت میں میری مثال زیر آفتاب کی ہے۔ میرا وجود اہل زمین کے لیے ویسے ہی دہرا مان ہے جس طرح آسمان دالوں کے لیے ستاروں کا وجود ہوتا ہے۔

غیبت اور ظہور کے بارے میں سوالات بند کر دو اور رب العالمین سے میرے ظہور کی دعا کرو۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔ (اعلام الوردی۔ کشف الغمہ)

مسئلہ طول حیات

امام مہدی کے بارے میں جہاں اور جہاں کی جاتی ہیں ان میں سے ایک بحث طول عمر اور بقائے حیات کی بھی ہے اور درحقیقت یہ بحث ان شہادت کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے جو

مسئلہ ہمدی کے گرد عالم اسلام میں اٹھائے گئے ہیں اور ان کا منشاء عالم انسانیت کو ایک ایسے صلح کی طرف سے غافل بنا دینا ہے جس کا کام بسا ظلم و جور کو اُلٹ کر نظام عدل و انصاف کا قائم کر دینا ہے اور جو اس عظیم کام کے لیے صبح و شام حکم الہی کا انتظار کر رہا ہے۔ ورنہ اس طرح کا سیاسی مقصد کارفرما نہ ہوتا تو ایک مسلمان کے لیے طول عمر اور بقائے حیات جیسی بحث کا اٹھانا خلاف شان اسلام و ایمان اور خلاف اعتقاد قرآن و سنت ہے۔

مسلمان اس حقیقت پر بہر حال ایمان رکھتا ہے کہ موت و حیات کا اختیار پروردگار کے ہاتھوں میں ہے اور وہی انسانوں کی عمروں کو طویل یا مختصر بناتا ہے۔ اس کے نظام مصلحت میں ایسے افراد بھی شامل ہیں جو شکم دلداری میں موت کے گھاٹ اُتر جاتے ہیں اور ایسے افراد بھی ہیں جو بدترین حوادث میں بھی لقمہ اجل نہیں بنتے ہیں اور حیرت انگیز طور پر باقی رہ جاتے ہیں۔ اس نے انسان کو موت دینا چاہی تو سلیمان جیسا صاحب اقتدار بھی اپنے لشکر کے سامنے دینے سے نصرت ہو گیا اور باقی رکھنا چاہا تو موسیٰ قہر فرعون میں۔

ابراہیم نامرود میں، یونس بطن ماہی میں باقی رہ گئے۔ اس نے چاہا تو صاحب کھبت کی نیند طویل ہو گئی اور اس کی مرضی ہوئی تو عزیز کو مُردہ بنا کر پھر زندہ کر دیا۔ ایسے نظام ربوبیت پر ایمان رکھنے والا انسان اگر ایک جنت پروردگار اور ہمدی دوران کے بارے میں شبہات سے کام لے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو وہ قدرت پروردگار پر ایمان نہیں رکھتا ہے اور اس کی نظر میں گزشتہ دور کے جملہ واقعات و حوادث صرف اساطیر و لالین کی حیثیت رکھتے ہیں یا اسے وجود ہمدی سے کوئی خاص اختلاف ہے جس کی بنا پر اسے کسی نہ کسی شکل میں مشکوک بنا دینا چاہتا ہے۔

تاریخ میں جناب ذوالقرنین، جناب نوح، جناب ہام بن نوح، جناب قینان جناب مہلائیل، عوج بن عناق، نفیل بن عبداللہ، ربیع بن عمر، امّ محمد، درید بن زید، جناب سلمان کعب بن جہر، نصر بن رحمان، قیس بن ساعدہ، عمر بن ربیع، عمر بن دوسی، عمر بن طفیل جیسے افراد کی سیکڑوں بلکہ ہزاروں سال تک یاد کر کے موجود ہے اور اس کا کوئی انکار کرنے والا نہیں پیدا ہوا ہے۔

اسلامی نقطہ نگاہ سے جناب ادریس و حضرت اور دجال و ابلیس لعین کا وجود بھی مسلمات میں شامل ہے جن کی عمریں ہزاروں سال سے متجاوز ہو چکی ہیں اور جناب عیسیٰ مستقل طور سے آسمان پر زندہ ہیں اور زمین پر اُترنے کا انتظار کر رہے ہیں۔

ان حالات میں مسئلہ طول عمر و بخت کرنا نہ عقائدی اعتبار سے صحیح ہے اور نہ تاریخی اور واقعاتی اعتبار سے صحیح ہے۔

اس کے علاوہ ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ تاریخ کے بے شمار شواہد کی بنا پر اور مرسل اعظم کی سیکڑوں روایات کی بنا پر جن میں ہمدی اور اس کے خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے کہ ہمدی میرا بار ہواں جانشین، اولاد فاطمہ میں، اولاد حسین میں اور میرے فرزند حسین نہ نواں وارث ہو گا۔ اس ہمدی کا وجود بہر حال ہو چکا ہے اور ان خصوصیات کا انسان عالم وجود میں آچکا ہے، اور رسول اکرم کی ناقابل تردید روایات کی بنا پر اس کا ظہور بھی بہر حال ہونے والا ہے اور عمر دنیا میں ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو رب کریم اس دن کو طول دے گا یہاں تک کہ ہمدی ظہور کرے اور ظلم و جور سے بھری ہوئی دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے۔

ان دونوں مسلمات کے درمیان دو ہی احتمالات رہ جاتے ہیں۔ یا تو وہ ہمدی انتقال کر جائے اور پھر وقت ظہور مُردہ سے زندہ ہو کر عالمی انقلاب برپا کرے یا زندہ اور موجود رہے اور طویل عمر کے ساتھ حالات کا جائزہ لیتا رہے اور اپنے آخری انقلاب کے لیے زمین ہموار کرتا رہے۔

پہلا احتمال مذہبی اعتبار سے بھی غلط ہے اور علمی اعتبار سے بھی۔ مذہبی اعتبار سے یہ بات تسلیم کر لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا جنت خدا سے خالی ہو گئی ہے اور رسول اکرم واضح طور پر فرما چکے ہیں کہ اگر دنیا جنت خدا سے خالی ہو جائے تو اس کی بقا محال ہے اور زمین اہل زمین سمیت وھنٹ جائے گی اور علمی اعتبار سے کسی شخص کا مر کر دوبارہ زندہ ہونا اور کسی تیاری اور آمادگی کے بغیر تازہ انقلاب برپا کر دینا ناقابل تصور عمل ہے اور اگر اس میں قدرت خدا کو شامل کر لیا جائے تو موت و حیات کے تصورات کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جو خدا کسی عظیم مقصد کے لیے ایک مُردہ کو زندہ بنا کر اس سے یہ کام لے سکتا ہے تو وہ

ہزار دو ہزار برس زندہ رکھ کر بھی یہ کام لے سکتا ہے۔ اس کی قدرت کے لیے کوئی شے امکان سے خارج نہیں ہے۔

بنائیں اسلام کے تینوں تصورات کو جمع کرنے کے بعد کہ ہمدی کی ولادت بہر حال ہو چکی ہے اور اس کا ظہور بہر حال ہونے والا ہے اور زمین و آسمان سے بہر حال غالی نہیں ہو سکتی ہے ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ہمدی زندہ رہے اور حالات کا سلسلہ جائزہ لے کر اپنے عالمی انقلاب کی منصوبہ بندی میں مصروف ہے۔ وقت ضرورت اپنے نائبین کی امداد بھی کھنڈ رہے اور اپنے ظہور کی زمین بھی ہموار کرتا رہے اور وقت ظہور کے لیے حکم الہی کا انتظار کرتا رہے اور جیسے ہی حکم پروردگار ہو جائے اپنا اصلاحی عمل شروع کرے اور ظلم و جور سے بھری ہوئی دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے۔ انشاء اللہ

روایات و اعترافات

رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ میری امت میں ایک ہمدی بھی ہوگا۔ (ابوسعید الخدری صحیح ترمذی میں)
رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ میری عزت میں ایک شخص کو پیدا کرے گا جو دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ (عبدالرحمن بن عوف (عقد الدرر))

رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ اگر عمر دنیا میں ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو پروردگار اس دن کو طول دے گا یہاں تک کہ میرے اہلبیت میں میرا ایک ہم نام آجائے۔

— عبداللہ بن مسعود (ترمذی و سنن ابوداؤد)

اس امت کا ہمدی عیسیٰ بن مریم کی امامت کرے گا۔ (ابوسعید الخدری (عقد الدرر))
ہمدی برحق ہے، وہ ہی کناد، قریش، بنی ہاشم اور اولاد فاطمہ سے ہوگا۔ قتادہ (عقد الدرر) میں تعین ہمدی کی بشارت دے رہا ہوں جو میری عزت اور قریش سے ہوگا۔ (صواعق مرقومہ)
ہم سات اولاد عبدالمطلب سرور آلہ جنت ہیں۔ میں، علی، حمزہ، جعفر، حسن، حسین، ہمدی۔
— (سنن ابن ماجہ، معجم طبرانی، حافظ ابونعیم اصفہانی۔ عقد الدرر)

ہمدی میری عزت میں اولاد فاطمہ میں سے ہوگا۔ (روایت ام سلمہ (ابوداؤد))

اللہ دنیا کے آخری دن کو اس قدر طول دے گا کہ میری عزت اور میرے اہلبیت سے ایک شخص آجائے جو دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے۔ (روایت ابوبریرہ (ترمذی))
علیؑ میری امت کے امام ہیں اور ان کی اولاد میں قائم نظر ہوگا جو دنیا کو عدل و انصاف سے سمور کرے گا۔ (روایت ابن عباس (مناقب خوارزمی))

ہمدی اولاد حسینؑ سے ہوگا۔ (روایت حذیفہ بن الیمان (حافظ ابونعیم))

حسینؑ! تم سید ہیں اور برادر سید ہو۔ تم امام، ابن امام اور برادر امام ہو۔ تم حجت بن حجت اور حجت اور نو حجتوں کے باپ ہو جن کا نواں قائم ہوگا۔ سلمان (دینایح المودۃ)

ہمدی کا خروج بہر حال ضروری ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب دنیا ظلم و جور سے بھر جائے گی۔ (اشیخ محی الدین در فتوحات کبیرہ۔ اشیخ عبدالوہاب شعرائی در الواقیت والحواہر)

امام ہمدیؑ ساگرہ میں پیدا ہوئے ہیں جو بغداد سے ۲۰ فرسخ کے فاصلہ پر ہے۔

(محمد بن طلحہ شافعی در مطالب السؤل)

امام حسنؑ عسکریؑ نے بادشاہ وقت کے خوف سے اپنے فرزند کی ولادت کو مخفی رکھا۔
(علی بن محمد بن صباح مالکی در النصول المہدیہ)

امام ہمدیؑ ساگرہ میں پیدا ہوئے ہیں اور ان کی ولادت کو مخفی رکھا گیا ہے۔ وہ اپنے والد بزرگوار کی حیات ہی سے غائب ہیں۔ (علامہ جامی در شواہد النبوة)

امام ہمدیؑ ۱۵ شعبان ۵۳۵ھ میں پیدا ہوئے اور ساگرہ میں لوگوں کی نظر سے غائب ہو گئے۔ (علامہ جمال الدین در روضۃ الاحباب)

امام ہمدیؑ ۱۵ شعبان ۵۳۵ھ میں پیدا ہوئے اور انہیں امام حسن عسکریؑ نے اس خد کے حوالہ کر دیا جس کی پناہ میں جناب موسیٰ تھے۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلوی در مناقب الامم)

امام ہمدیؑ یطین زجس سے ۱۵ شعبان ۵۳۵ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔

(عبدالرحمن صوفی در مرآۃ الاسرار)

خلافت رسول حضرت علیؑ کے واسطے سے امام ہمدیؑ تک پہنچی ہے اور وہ آخری امام ہیں۔ (علامہ شہاب الدین دولت آبادی در تفسیر بحر مواج)

امام ہمدی بارہویں امام ہیں۔ (ملا علی قاری در شرح مشکوٰۃ)

امام ہمدی اولاد فاطمہ سے ہیں۔ وہ بقولے ۲۵۰ھ میں پیدا ہو کر ایک عرصہ کے بعد غائب ہو گئے۔ (علامہ جواد ساباطی در براہین ساباطیہ)
امام ہمدی پیدا ہو کر غائب ہو گئے ہیں اور آخری دور میں ظہور کریں گے۔
(شیخ سعد الدین در سجدہ اقصیٰ)

آپ پیدا ہو کر قطب ہو گئے ہیں۔ (علی اکبر بن اسد اللہ در مکاشفات)
محمد بن الحسن کے بارے میں شیعوں کا خیال درست ہے۔ (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی در مسائل اولاد)
امام ہمدی تکمیل صفات کے لیے غائب ہو گئے ہیں۔ (لاحسن میبذی در شرح دیوان)
امام ہمدی ۲۵۶ھ میں پیدا ہو کر غائب ہو گئے ہیں۔ (تاریخ ذہبی)
امام ہمدی پیدا ہو کر سرداب میں غائب ہو گئے ہیں۔ (ابن حجر کی در صواعق محرقہ)
امام ہمدی کی عمر امام حسن عسکری کے انتقال کے وقت پانچ برس کی تھی وہ غائب ہو کر پھر واپس نہیں آئے۔ (وفیات الاعیان)

آپ کا لقب القائم، المنتظر، الباقی ہے۔ (تذکرہ خواص الامتہ بسطابن جوزی)
آپ اسی طرح زندہ اور باقی ہیں جس طرح عیسیٰ، خضر اور الیاس وغیرہ ہیں۔

(اربع المطالب)
امام ہمدی قائم و منتظر ہیں۔ وہ آفتاب کی طرح ظاہر ہو کر دنیا کی تاریکی کفر کو زائل فرمائیں گے۔ (فاضل ابن روز بہان ابطال الباطل)
امام ہمدی کے ظہور کے بعد حضرت عیسیٰ نازل ہوں گے۔ (جلال الدین سیوطی در مہنثور)

خصوصیات حکومتِ امامِ عہد

۱۔ ابتدا ظہور میں آپ کا طریقہ کار وہی ہو گا جو ابتدا بعثت میں رسول اکرم کا طریقہ کار تھا اس لیے کہ آپ کے دور تک اسلام اس قدر سچ ہو چکا ہو گا کہ گویا از سر نو اسلام کی تبلیغ کرنا ہوگی اور جدید ترین نظام کے بارے میں شدید ترین مواخذاہ نہیں ہو سکتا ہے۔ خود رسول اکرم

نے فرمایا ہے کہ اسلام ابتدا میں بھی غریب تھا اور آخر میں بھی غریب ہو جائے گا، لہذا نحو شمالی ان افراد کے لیے جو غرباء ہوں۔

۲۔ آپ کے فیصلے جناب داؤد کی طرح ذاتی علم کی بنیاد پر ہوں گے اور آپ گواہ اور تینہ کے محتاج نہ ہوں گے۔ آپ لوگوں کی شکل دیکھ کر ان کے جرائم کا اندازہ کر لیں گے اور اسی اعتبار سے ان کے ساتھ معاملہ کریں گے۔

۳۔ آپ کی سواری کے لیے ایک مخصوص ابر ہو گا، جس میں گرج، چک اور بجلی وغیرہ سب کچھ ہوگی جو بات حضرت ذوالقرنین کو بھی حاصل نہ تھی۔ آپ اس ابر پر سوار ہو کر مختلف اطراف کا دورہ کریں گے اور دین اسلام کی تبلیغ کر کے اس کا نظام قائم کریں گے۔

۴۔ آپ کے وجود مبارک کی برکت سے زمین اپنے سارے ذخائر کو اگلے لے گی اور پیداوار میں اس قدر اضافہ ہو گا کہ جو شخص جس قدر مطالبہ کرے گا آواز آئے گی تلے لو، خزاہ، قدرت میں کوئی کمی نہیں ہے، پیداوار کا یہ عالم ہو گا کہ اگر کوئی عورت عراق سے شام تک پیدل سفر کرے تو اس کے قدم سبزہ زار کے علاوہ کسی خشک زمین پر نہ پڑیں گے۔

۵۔ دنیا میں امن و امان کا وہ دور دورہ ہو گا کہ انسانوں اور جانوروں کے درمیان بھی کوئی وحشت اور نفرت نہ رہ جائے گی۔ بچے سانپ پھوسے کھیلیں گے اور بھڑ اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پئیں گے یہاں تک کہ اگر کوئی عورت عراق سے شام تک سر بہر سامان رکھ کر چلی جائے تو کوئی درندہ بھی اذیت نہ کرے گا اور نہ اسے کسی طرح کا خوف ہو گا۔

۶۔ آپ کے ظہور کی برکت سے مخصوص قسم کے خطرناک امراض کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور صاحبان ایمان صحت و سلامتی کی زندگی گزاریں گے۔

۷۔ آپ پر مرد و زمانہ اور تغیرات دہر کا کوئی اثر نہ ہو گا اور سیکڑوں سال کے بعد بھی بہرہ کے جوان کی شکل میں ظہور فرمائیں گے جیسا کہ امام رضا کی روایت میں وارد ہے کہ کسی شخص نے پوچھا کہ کیا آپ ہی قائم ہیں۔ تو فرمایا کہ نہیں، تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں کس قدر ضعیف و نحیف ہو گیا ہوں اور قائم طویل ترین عمر کے باوجود ۴۰ سالہ جوان کی شکل میں ظہور کرے گا۔ وہ میری اولاد میں میرا چچا دارث ہو گا۔

۸۔ آپ کے پاس تمام انبیاء و اولیاء کی میراث ہوگی۔ لباس ابراہیمؑ، عسلے موسیٰؑ، گمشدی سلیمانؑ، زہرہ یغیر اسلام، عمار و غلین و لباس رسول اکرمؐ اور ذوالفقار حیدر کا راز۔ اور جب یہ حسنی آپ سے ولایت امامت کا مطالبہ کریں گے تو آپ ان تمام تبرکات کو پیش کر دیں گے۔

۹۔ آپ زیر آفتاب سفر کریں گے تو بھی جسم اقدس کا کوئی سایہ نہ ہوگا جس طرح کہ رسول اکرمؐ کے جسم اقدس کا سایہ نہیں تھا۔

۱۰۔ آپ کے نور مبارک سے زمین اس قدر روشن ہو جائے گی کہ آفتاب و ماہتاب کے بغیر بھی کار و بار حیات چل سکے گا۔

۱۱۔ آپ کے سامنے تمام دنیا، تھیلی پر ایک درہم کے مانند ہوگی اور آپ بغیر کسی عامل حاجب کے تمام دنیا کے حالات کا مشاہدہ کریں گے۔

۱۲۔ آپ کے دور میں صاحبان ایمان کمال علم و عقل و ذہانت و ذکاوت کی منزل پر ناز ہوں گے اور آپ جس کے سر پر دست شفقت پھیر دیں گے اس کی عقل بالکل کامل و اکل ہو جائے گی یہاں تک کہ آپ مختلف ملکوں میں بھیجے جانے والے نمائندوں کو ہدایت کریں گے کہ اگر کوئی مسئلہ سمجھ میں نہ آئے تو اپنی تھیلی کو دیکھ لیں تا تمام علوم اور مسائل نقش نظر آجائیں گے۔

۱۳۔ مساجد میں جدید قسم کے مینار و حجرات اور نقوش جو در در مسلخ میں نہیں تھے انھیں جو کر دیا جائے گا اور مساجد کو ان کی اصلی اسلامی سادگی کی طرف واپس کر دیا جائے گا۔

۱۴۔ مسجد الحرام اور مسجد النبیؐ کی از سر نو اصلاح و ترمیم ہوگی اور جس قدر بھی بے جا تعمیرات ہوئی ہیں ان کی اصلاح کر دی جائے گی اور مقام ابراہیمؑ کو بھی اس کی اصلی منزل تک پلٹا دیا جائے گا۔

۱۵۔ آپ کا نور مبارک اس قدر نمایاں اور روشن ہوگا کہ ساری دنیا کے لوگ باسانی آپ کی زیارت کر سکیں گے اور ہر شخص آپ کو اپنے سے قریب تر اور اپنے ہی علاقہ اور محلہ میں محسوس کرے گا۔

۱۶۔ آپ کا پوچھ نصرت رسول اکرمؐ کا پرہم ہوگا جس کا عود عرش الہی کا بنا ہوا ہوگا امدادہ جس مظالم پر سایہ نکلن ہو جائے گا اسے تباہ و برباد کر دے گا۔ آپ کی فوج کے افراد لوہے کی پھاڑوں

کی طرح سخت اور مستحکم ہوں گے اور ہر مومن کے پاس چالیس افراد کی طاقت ہوگی۔

۱۷۔ مومنین کی قبروں میں بھی ظہور کی خوشی کا داغ ملے ہو جائے گا اور آپس میں ایک دوسرے

کو مبارکباد دیں گے اور بعض قبروں سے اٹھ کر نصرت امام کے لیے باہر آجائیں گے جیسا کہ عاقل

میں وارد ہو رہے کہ پروردگار! اگر مجھے ظہور سے پہلے موت بھی آجائے تو وقت ظہور اس عالم میں

قبر سے اٹھانا کہ کفن دوش پر ہو، برہنہ تلوار ہاتھ میں ہو، نیزہ چمک رہا ہو اور زبان پر لیک بلیک ہو۔

۱۸۔ آپ اپنے تمام چاہنے والوں کے قرضوں کو ادا فرمادیں گے اور انھیں خیرات و برکات

سے مالا مال کر دیں گے۔ بشرطیکہ قرض کا تعلق حرام مصارف سے نہ ہو ورنہ اس کا مواخذہ بھی

کر دیں گے۔

۱۹۔ آپ جملہ بدعتوں کا تلغ قمع کر دیں گے اور عالم انسانیت کو شریعت پیغمبر اسلامؐ

کی طرف پلٹا کر لے آئیں گے یہاں تک کہ ہزاروں بدعتیہ لوگ آپ کے واپس جانے کا مطالبہ

کر دیں گے اور آپ سب کا خاتمہ کر دیں گے۔

۲۰۔ آپ کے جملہ روابط اور تعلقات صرف ان افراد سے ہوں گے جو واقف مومن مخلص

ہوں گے اور کسی منافق اور ریاکار کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا۔ دشمنان آل محمدؐ بنی امیہ و بنی عباس،

قحطان حیین اور فواہب و خوارج سب کا خاتمہ کر دیں گے اور کسی ایسے آدمی کو زندہ نہ چھوڑیں گے

جو گزشتہ افراد و اقوام کی برائعلیوں اور ان کے مظالم سے راضی ہوگا۔

اللهم عجل فرجه وسهل مخرجه واجعلنا من النصارة واعوانه۔

کتب اربعہ میں مذکور ہے۔ اللهم ارزقنا توفيق الطاعة وبعث المعصية۔

(صباح کفعمی)

آپ کی ایک دعا یہ ہے: یا مالک الرقاب وهازم الاحزاب یا مفتح
الابواب یا مسبب الاسباب سبب لنا سبباً لانستطيع له طلباً...
(شیخ الدعوات)

آپ ہی کی یہ شہور دعا بھی ہے: "اللہم بحق من ناجاك وبحق من دعاك..."
(الادعية المستجابات)

آپ ہی سے یہ دعا بھی نقل کی ہے: "اللہم عظم البلاء وبرح الخفاة"
(جنة الماوی)

آپ کے دور غیبت کے لیے شیخ عمروی نے ابو علی بن ہمام کو یہ دعا تعلیم دی تھی:
"اللهم عرفني نفسك فانك ان لم تعرفني نفسك لم اعرف
نبيك" (الکمال الدین)

نماز

امام عصر ہی سے یہ نماز حاجت بھی نقل کی گئی ہے کہ شب جمعہ دو رکعت نماز ادا کرے
اور ہر رکعت میں سورہ حمد پڑھتے ہوئے "ایاک نعبد وایاک نستعین" کو تہمتہ
دہرائے، اور رکوع و سجدہ کے قسیمات کو سات سات مرتبہ ادا کرے۔ بعد نماز حاجت
طلب کرے انشاء اللہ پوری ہوگی۔ (کنوز النجاح طبرسی)

استغاثہ

امام صادق نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص راستہ بھول جائے اور پریشان حال ہو جائے
تو اس طرح فریاد کرے: "یا صالح یا اباصالح ارشدونا الی الطریق وحکمہ اللہ"
(الہم الثاقب)

رسول اکرم نے ابو الانوار کی روایت میں فرمایا ہے جب مصیبت اس منزل پر آجائے کہ
تو ارگردن کے قریب ہو تو قروں فریاد کرو: "یا مولای یا صاحب الزمان انما مستغیث

امام عصر اور

سلام، دعا، نماز، زیارت، استغاثہ، طریقہ زیارت و ملاقات

امیر المؤمنین کا ارشاد گرامی تھا کہ گویا میں یہ منظر دیکھ رہا ہوں کہ ہمدی گھوڑے پر سوار
وادی السلام سہل کی طرف روانہ ہے اور زبان پر یہ کلمات ہیں: لا الہ الا اللہ
حقاً حقاً لا الہ الا اللہ ایماناً وصدقاً لا الہ الا اللہ تعبتاً و
رقاً اللهم معز كل مؤمن وحيد ومذل كل جبار عنيد... الخ (بخاری)

سلام

جاہل نے امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ جو بھی قائم کے دور تک رہ جائے اس
کا فرض ہے کہ انہیں اس طرح سلام کرے: "السلام علیکم یا اہل بیت النبوة
ومعدن العلم وموضع الرسالة" (غیبت طبرسی)

محمد بن مسلم راوی ہیں کہ امام باقر نے اس طرح سلام کرنے کا حکم دیا ہے:
"السلام علیک یا بقیۃ اللہ فی ارضہ" (کمال الدین)

عمران بن داہر راوی ہیں کہ امام صادق سے دریافت کیا گیا کہ قائم کو امیر المؤمنین
کہہ کر سلام کیا جاسکتا ہے؟ تو فرمایا ہرگز نہیں۔ یہ لقب صرف حضرت علی کے لیے ہے
قائم کو بقیۃ اللہ کہہ کر سلام کرو۔ (بخاری)

دعا

امام ہمدی ہی سے وہ شہور و معروف دعا نقل کی گئی ہے جو مفاتیح الجنان اور دیگر

بدت۔ "صاحب الزمان یقیناً تمہاری امداد کریں گے اور تمہاری مدد کو آئیں گے۔"

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امامت کے لیے ساری کائنات کے حالات کا جاننا اور مذاقت کے اعتبار سے ہر ایک کے کام آنا اور اس کی مشکلفانی کرنا ایک بنیادی شرط ہے جس کے بغیر کوئی انسان امام کہے جانے کے قابل ہے۔

امام عصر نے ایک قیدی کو دعائے عبرت کی تعلیم دی جس کے طفیل میں اسے رہائی مل گئی اور امیر المومنین نے زوجہ حاکم کے خواب میں اگر حاکم کو تہدید کی کہ اگر بسے رہا نہ کرے گا تو اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ "اللهم انی اُستلک یا راحم العبرات ویاک اشف الکربات... یا رب انی مغلوب فانتصر... (جزء المادوی)

نسخہ شفا

شیخ ابراہیم کنعمی نے البلد الامین میں نقل کیا ہے کہ امام مہدی نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر اس دعا کو نئے برتن میں خاک شفا سے لکھ کر مریض کو پلا دیں تو شفا حاصل ہو جائے گی۔

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ دَوَاعٍ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ شِفَاءٌ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كِفَاءٌ هُوَ الشَّافِی شِفَاءٌ وَهُوَ الْكَافِی كِفَاءٌ اذْهَبِ السَّاسَ بِرَبِّ النَّاسِ شِفَاءٌ لَا یَعَادِرُهُ سَقَمٌ وَصَلِی اللّٰهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الْجَبَّارِ" (بخار)

زیارت

سید ابن طاووس نے جمال الاسبوع میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے روز یک شنبہ امام عصر کو اس طرح زیارت امیر المومنین پڑھتے ہوئے دیکھا ہے: "السلام علی الشجرة النبویة والدرحة العاشمیة المضيئة المثمرة..." (مکمل زیارت مفاتیح الجنان میں موجود ہے)۔

والسلام علی من اتبع الهدی